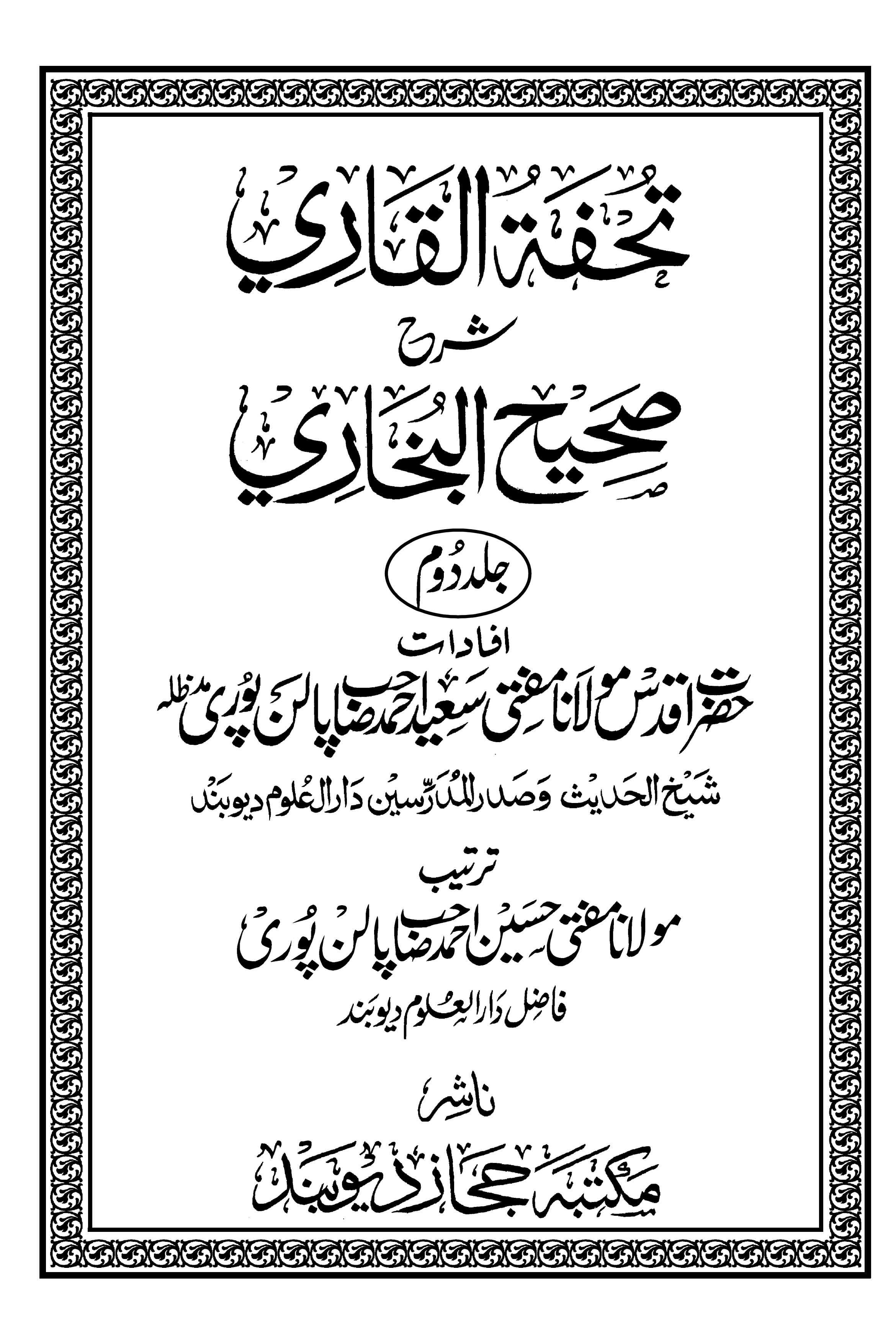


تحفۃ القاری

شرح

صحیح البخاری

جلد دوم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

ترتیب

مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری

فاضل دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

احادیث کے حوالوں کی وضاحت

حدیثوں کے آخر میں دو طرح کے حوالے آتے ہیں:

۱- حدیث کے بعد اُنْظُرْ ہوتا ہے، پھر اس کے بعد ایک یا زیادہ نمبر ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث پہلی مرتبہ آئی ہے، اور آگے اِن اِن نمبروں پر آئے گی، جیسے پہلی حدیث کے بعد انظر ہے، پھر چھ نمبرات ہیں یعنی إنما الأعمال بالنیات آگے چھ جگہ اور آئے گی، یہ حدیث بخاری شریف میں کل سات جگہ آئی ہے۔ اور اگر کوئی حدیث ایک ہی جگہ آئی ہے تو اس کے بعد کوئی حوالہ نہیں ہوگا، جیسے حدیث نمبر ۹ کے بعد کوئی حوالہ نہیں، کیونکہ وہ ایک ہی جگہ آئی ہے۔

۲- حدیث کے بعد رَاجِعْ (رجوع کرو) ہوتا ہے، اس کے بعد ایک نمبر ہوتا ہے، جیسے حدیث نمبر ۲۱ کے بعد رَاجع ہے، پھر نمبر ۱۶ ہے۔ رَاجَعَ فلاناً في أمر کے معنی ہیں: رجوع کرنا، مڑنا، پلٹنا، یعنی راجع کے بعد جو حدیث کا نمبر ۱۶ ہے اس کو دیکھیں، وہاں انظر ہوگا اور اس کے بعد ایک یا زیادہ نمبر ہونگے، ان میں زیرِ نظر حدیث ۲۱ کا بھی نمبر ہوگا، وہاں سے معلوم ہوجائے گا کہ حدیث بخاری میں کہاں کہاں آئی ہے۔

فہرست مضامین

کتاب الغسل

غسل کا بیان

كِتَابُ الْحَيْضِ

حیض کا بیان

کِتَابُ التَّیَمُّمِ

تیمّم کا بیان

کِتَابُ الصَّلٰوۃِ

نماز کا بیان

أبواب ثِیَابِ الْمُصَلِّی

أَبْوابُ اسْتِقْبالِ الْقِبْلَةِ

أَبْوَابُ آدَابِ الْمَسَاجِدِ

أَبْوَابُ سُتْرَةِ الْمُصَلِّى

كِتَابُ مَوَاقِيْتِ الصَّلاَةِ

نماز کے اوقات کا بیان

كِتَابُ الْأَذَانِ

اذان کا بیان

أَبْوَابُ صَلاَةِ الْجَمَاعَةِ وَالإِمَامَةِ

جماعت اور امامت کا بیان

عربی ابواب کی فہرست

٢- كتابُ الْغُسْلِ

كتابُ الْحَيْضِ

كتابُ التَيَمُّمِ

كتابُ الصَّلاَةِ

أَبْوَابُ ثِيَابِ الْمُصَلِّيْ

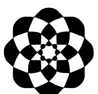
أَبْوَابُ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ

أَبْوَابُ آدَابِ الْمَسَاجِدِ

كتابُ مَوَاقِيْتِ الصَّلٰوةِ

كتابُ الأَذَانِ

أَبْوَابُ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ وَالْإِمَامَةِ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کِتابُ الْغُسْلِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ إِلٰی قَوْلِهِ: ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ وَقَوْلِهِ: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ إِلٰی قَوْلِهِ ﴿عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾

امام بخاری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے دو آیتیں لکھی ہیں، پہلی آیت سورۂ مائدہ (آیت ۶) کی ہے، اور دوسری سورۂ نساء (آیت ۴۳) کی۔ اور حضرتؒ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کتاب کے شروع میں ایک یا چند آیات لکھتے ہیں پھر ابواب قائم کر کے احادیث لاتے ہیں، تمام احادیث انہی آیات کی تفسیر ہوتی ہیں۔ کتاب الوضوء کے شروع میں بھی ایسا ہی کیا ہے، اور ہمارے نسخوں میں جو وہاں آیت کریمہ سے پہلے باب ہے وہ باب نہیں ہونا چاہئے، اس باب پر نسخہ کا نشان بنا ہوا ہے یعنی وہ باب ایک نسخہ میں ہے، سب نسخوں میں نہیں۔ اور وہی نسخہ صحیح ہے جس میں باب نہیں، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا طریقہ یہی ہے جو یہاں ہے۔

امام بخاریؒ نے یہاں جو دو آیتیں لکھی ہیں ان کے تعلق سے چند باتیں عرض ہیں:

پہلی بات: حضرتؒ نے مائدہ کی آیت پہلے اور نساء کی آیت بعد میں لکھی ہے، جبکہ سورۂ نساء سورۂ مائدہ سے مقدم ہے، اس کی وجہ حافظ رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ مائدہ والی آیت میں اجمال ہے، اور نساء والی آیت میں تفصیل، اس لئے سورۂ نساء کی آیت بعد میں لکھی ہے تاکہ وہ مائدہ والی آیت کی تفسیر بن جائے، سورۂ مائدہ میں ہے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾: اگر تم جنبی ہوؤ تو خوب پاکی حاصل کرو، خوب پاکی کس طرح حاصل کی جائے؟ سورۂ نساء میں ہے: ﴿حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾: یہاں تک کہ تم غسل کرلو۔ اب بات واضح ہوگئی کہ خوب پاکی حاصل کرنے کا طریقہ غسل کرنا ہے، پس یہ آیت مفسِّر (اسم فاعل) ہے اس لئے امام بخاریؒ اس کو بعد میں لائے ہیں۔

غسل جنابت میں دلک فرض نہیں

دوسری بات: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک غسل جنابت میں دلک (بدن رگڑنا) فرض ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

﴿فَاطَّهَّرُوْا﴾ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور اغتسال کے معنی ہیں: کسی چیز پر پانی کے ساتھ ہاتھ گذارنا، محض پانی بہانا اغتسال نہیں، اس کے لئے لفظ صَبَّ ہے۔

اور جمہور کے نزدیک دلک فرض نہیں، وہ کہتے ہیں: اغتسال کے مفہوم میں مغسول پر ہاتھ گذارنا شامل نہیں، عربی کا محاورہ ہے: غَسَلَتْنِی السَّماءُ: مجھے بارش نے نہلا دیا۔ معلوم ہوا کہ اغتسال کے لئے مغسول پر ہاتھ گذارنا ضروری نہیں۔

علاوہ ازیں: ازواج مطہرات حضرات صدیقہ و میمونہ رضی اللہ عنہما نے حضور اقدس ﷺ کے غسل جنابت کو تفصیل سے روایت کیا ہے، وہ روایتیں باب میں آرہی ہیں، دونوں میں سے کسی نے دلک کا ذکر نہیں کیا، اگر غسل جنابت میں دلک فرض ہوتا تو دونوں اس کا ذکر ضرور کرتیں۔

اور ﴿فَاطَّهَّرُوْا﴾ میں وضو کے اعتبار سے مبالغہ ہے، یعنی اگر حدث اصغر لاحق ہو اور نماز پڑھنی ہو تو وضو کرو یعنی اطراف دھوؤ، اور اگر جنابت لاحق ہو اور نماز پڑھنی ہو تو اب اطراف دھونے سے کام نہیں چلے گا، اب پورا بدن دھوؤ، خوب پاکی حاصل کرنے کا یہی مطلب ہے، بدن رگڑ رگڑ کر نہاؤ یہ آیتِ کریمہ کا مفہوم نہیں۔

غسلِ جنابت میں مضمضہ اور استنشاق فرض ہیں

تیسری بات: غسل جنابت میں ظاہر بدن دھونا بالاجماع فرض ہے، بال برابر بھی جگہ خشک رہ جائے گی تو غسل نہیں ہوگا۔ اور مضمضہ اور استنشاق فرض ہیں یا سنت؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک سنت ہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ فرض قرار دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ منہ اور ناک من وجہ ظاہر اور من وجہ باطن ہیں، منہ کھلا ہو اور ناک اٹھی ہوئی ہو تو دونوں کے اندر کا حصہ نظر آتا ہے۔ اور عام حالات میں نظر نہیں آتا، اسی طرح روزے کے احکام میں بھی دونوں پہلوؤں کی رعایت ہے۔ کلی کرنے سے اور ناک میں پانی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، معلوم ہوا دونوں ظاہر ہیں، اور تھوک اور رینٹ نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، معلوم ہوا کہ دونوں باطن ہیں۔ اور فاطّھروا میں سارا ظاہر بدن دھونے کا حکم ہے اور منہ اور ناک من وجہ ظاہر ہیں پس ان دونوں کو دھونا بھی ضروری ہے، اور وضو میں وجہ (چہرہ) دھونے کا حکم ہے اور ان دونوں کے ساتھ مواجہہ نہیں ہوتا، اس وجہ سے وضو میں مضمضہ اور استنشاق سنت ہیں۔ اور آنکھ بھی من وجہ ظاہر اور من وجہ باطن ہے، مگر اس کے دھونے میں حرج ہے، بینائی چلی جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے آنکھ کے اندر کا دھونا ضروری نہیں۔

احکام کی آیات میں تکرار نہیں ہوتا

چوتھی بات: احکام کی آیات میں تکرار نہیں ہوتا، تذکیر کی، ترغیب و ترہیب کی اور مخاصمہ کی آیات میں تکرار ہوتا ہے کیونکہ ان کا مقصد رنگ چڑھانا بھی ہے اور احکام کی آیات کا مقصد مسائل بتلانا ہے اس لئے احکام کی آیات میں تکرار نہیں ہوتا، مگر قرآن مجید میں دو جگہ احکام کی آیات میں تکرار ہے، ایک: یہاں، دوسرے: روزوں کے احکام میں، دونوں جگہ نسخ کا

ایہام تھا اس لئے تکرار کیا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ سورۂ نساء کی آیت مقدم ہے، وہ آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب شراب حلال تھی، اور سورۂ مائدہ کی آیت بعد کی ہے، یہ آیت درحقیقت وضو وغسل کے احکام بیان کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے، پس اگر آیت ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ پر روک دی جاتی تو خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ اعذار کی صورت میں جو تیمّم کا حکم ہے، جس کا بیان سورۂ نساء میں ہے، وہ حکم شاید اب باقی نہیں رہا۔ اس لئے بعینہٖ وہ الفاظ جو سورۂ نساء میں تھے آیت وضو میں بھی لوٹائے، تا کہ نسخ کا احتمال باقی نہ رہے۔

روزوں کے احکام میں تکرار کی وجہ

اسی طرح جن آیتوں میں روزوں کے احکام ہیں وہاں بھی تکرار ہے (سورۃ البقرۃ آیات ۱۸۴و۱۸۵) جب اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کئے تو پہلے سات طرح سے ذہن سازی کی پھر روزے فرض کئے چھٹی مرتبہ ذہن سازی کے مرحلہ میں فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ اس آیت میں ذہنوں سے ایک بوجھ ہٹایا گیا ہے، ذہنوں میں یہ خلجان پیدا ہوسکتا تھا کہ عرب کا ملک گرم ملک ہے اور لوگوں کی معیشت سفر سے وابستہ ہے، جزیرۃ العرب میں کوئی معیشت نہیں، لوگ شام وغیرہ کا سفر کرتے تھے اور وہاں سے اشیاء خرید کر لاتے تھے، بیچتے تھے اور کھاتے تھے، یہی ان کی معیشت تھی، اس لئے ذہن میں یہ بات آسکتی تھی کہ اس گرم ملک میں سفر میں روزے کیسے رکھیں گے؟ اس لئے فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ یعنی سفر میں اور بیماری میں روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے، یہ روزے بعد میں رکھ لئے جائیں، اور جتنے گئے ہیں اتنے ہی رکھے جائیں، زائد نہیں۔

پھر سات طریقوں سے ذہن سازی کرنے کے بعد اس مہینہ کی اہمیت بیان کی ہے جس کا روزہ فرض کرنا ہے کہ وہ ایسا مہینہ ہے جس میں قرآن اترا ہے، اور قرآن وہ کتاب ہے جو تمام لوگوں کے لئے راہنما ہے اور اس میں ہدایت کی واضح دلیلیں ہیں، اور وہ حق وباطل کے درمیان فیصلہ کن کتاب ہے، اس طرح ماہ رمضان کی اہمیت بیان کر کے فرمایا: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾: تم میں سے جو اس مہینہ کو دیکھے اسے چاہئے کہ اس مہینہ کے روزے رکھے۔ یہاں یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ سفر اور مرض میں روزے نہ رکھنے کی جو رخصت دی گئی تھی وہ رخصت شاید اب باقی نہیں رہی، اس لئے مکرر فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾: یعنی مریض اور مسافر کے لئے رخصت بدستور قائم ہے یہ سہولت منسوخ نہیں ہوئی (تفصیل تحفۃ الالمعی (۳:۱۷۳-۱۷۵) میں پڑھئے وہاں سات طرح ذہن سازی کی تفصیل بھی ہے)

ملحوظہ: بعض حضرات نزول کے اعتبار سے سورۂ مائدہ کی آیت کو مقدم اور سورۂ نساء کی آیت کو مؤخر مانتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی غالباً یہی رجحان ہے، چنانچہ آپؒ نے کتاب التیمم کے شروع میں سورۂ مائدہ کی آیت لکھی ہے، یہاں بھی مائدہ والی آیت کی تقدیم کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے۔ اس اعتبار سے تقریر کتاب التیمم میں آئے گی۔

آیتِ مائدہ اور آیتِ نساء کا ماسیق لاجلہ الکلام

پانچویں بات: آیتِ نساء میں اصل مسئلہ یہ بیان کرنا ہے کہ نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ نماز سے اتنی دیر پہلے شراب چھوڑ دینا ضروری ہے کہ نماز کے وقت نشہ اتر جائے، پس یہ آیت شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے کی ہے۔ اور اس میں دو مسئلے ضمناً بیان ہوئے ہیں:

ایک: جنابت کی حالت میں بھی نماز پڑھنا جائز نہیں، یہاں تک کہ نہالے، دوسرا: پانی نہ ہو تو تیمّم کر کے نماز پڑھے، مریض بھی، مسافر بھی، حدث اصغر میں بھی اور حدث اکبر میں بھی۔

اور آیت مائدہ میں اصل وضو اور غسل کا حکم بیان کرنا ہے۔ لیکن اگر غسل کے بیان پر آیت روک دی جاتی تو یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ سورۂ نساء میں پانی نہ ہونے کی صورت میں جو تیمّم کی سہولت دی گئی ہے شاید وہ رخصت اب باقی نہیں رہی، اس لئے اُس مضمون کو بعینہٖ دوبارہ لوٹایا: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى﴾: اگر تم بیمار ہوؤ (یہ سماوی عذر ہے) ﴿أَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ یا سفر میں ہوؤ (یہ اختیاری عذر ہے) ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ یا بیت الخلاء میں ہو کر آؤ (اس میں حدث اصغر کا بیان ہے) ﴿أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ یا بیویوں سے صحبت کرو (اس میں حدث اکبر کا بیان ہے) ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ پس تمہارے پاس پانی نہ ہو تو چاروں صورتوں میں پاک مٹی کا قصد کرو، پھر تیمّم کا طریقہ سکھلا کر وضو و غسل اور تیمّم کی حکمت بیان کی ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ وضو اور غسل کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتے، بلکہ اللہ تعالیٰ تمہیں پاکیزہ اور صاف ستھرا کرنا چاہتے ہیں اور تیمّم کا حکم نازل فرما کر تم پر اپنے انعامات کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں، تاکہ تم شکر گذار بندے بنو، یہ زائد مضمون صرف سورۂ مائدہ میں ہے، سورۂ نساء میں اس حکمت کا بیان نہیں ہے، پس تکرار باقی نہیں رہی۔

اسی طرح احکام صوم میں روزے لازم کر کے مسافر اور مریض کے لئے جو سہولت دی گئی تھی اس کو دوبارہ ذکر کیا، پھر فرمایا: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾: یہ سہولت اس لئے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتے ہیں، تنگی کرنا نہیں چاہتے، جب دوسری جگہ یہ مضمون زائد ہے تو اب تکرار باقی نہیں رہی، یہ بھی تکرار کے مسئلہ کو حل کرنے کی ایک صورت ہے۔

و أنتم محدثون کے حذف کا قرینہ

چھٹی بات: ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ سے پہلے وَأَنْتُمْ مُحدثون پوشیدہ ہے، یعنی نماز سے پہلے وضو کا حکم اس وقت ہے جب تم بے وضو ہوؤ، اور یہ بات ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا﴾ کے ساتھ مقابلہ کرنے سے سمجھ میں آتی تھی۔ اس لئے اس کو چھوڑ دیا، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ وضو پر وضو یعنی ہر نماز سے پہلے نیا وضو کرنا مستحسن ہے اگر وہاں یہ قید مذکور ہوتی تو یہ غلط فہمی

ہوسکتی تھی کہ اطراف دھونے کا حکم اسی صورت میں ہے جب کہ حدث اصغر لاحق ہو، اس لئے فہم سامع پر اعتماد کر کے اس قید کو چھوڑ دیا۔

ساتویں بات: امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں سورۂ مائدہ کی آیت جہاں سے غسل کا بیان شروع ہوتا ہے وہاں سے لکھی ہے، اور ایسا شاید اس لئے کیا ہے کہ شروع کا ٹکڑا کتاب الوضوء میں لکھ چکے ہیں، اور یہاں سے کتاب الغسل شروع ہورہی ہے، اس لئے جہاں سے غسل کا بیان شروع ہوا ہے وہاں سے آیت لکھی ہے، مگر فاطَّھَّرُوْا کا مفہوم سمجھنے کے لئے اس کا وضو والے جزء سے مقابلہ کرنا ضروری ہے، جب تک اس کے ساتھ مقابلہ نہیں کیا جائے گا فاطھروا کا مفہوم سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اس لئے پوری آیت لکھتے تو بہتر ہوتا۔

بعض احکام میں عمل پہلے شروع ہوتا ہے

آٹھویں بات: اکثر احکام میں آیات کے نزول کے بعد عمل شروع ہوا ہے، مگر بعض احکام میں عمل پہلے شروع ہوا ہے اور آیت بعد میں نازل ہوئی ہے۔ آیت وضو اسی قبیل سے ہے، وہ مدنی دور میں نازل ہوئی ہے جبکہ وضو اس سے بہت پہلے مکی دور میں جب نماز فرض ہوئی تھی اس وقت سے کیا جارہا تھا، اس کی مشروعیت وحی غیر متلو سے ہوئی تھی، پھر جب موقع آیا تو اس سلسلہ کی آیت نازل ہوئی، جیسے اذان کی مشروعیت بھی وحی غیر متلو سے ہوئی ہے، حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ نے خواب میں فرشتہ کو دیکھا جس نے ان کو اذان سکھلائی، پھر نبی ﷺ نے تائید فرمائی اور اذان کی مشروعیت ہوئی، اور آیت (سورۂ جمعہ آیت ۹) بعد میں نازل ہوئی۔

یہ چند ضروری باتیں تھیں جو عرض کی گئیں، تفصیل اور بھی ہے مگر اس کے لئے ہفتہ درکار ہے اس لئے ان سے صرف نظر کرتا ہوں۔

بابُ الْوُضُوْءِ قَبْلَ الْغُسْلِ

غسل سے پہلے وضو کرنا

غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ وضو سے اس کا آغاز کیا جائے، اور غسل کے بعد بے ضرورت دوبارہ وضو کرنا اچھا نہیں، بعض علماء اس کو بدعت کہتے ہیں، ہاں حدث پیش آجائے اور نماز پڑھنی ہو تو وضو کرنا ضروری ہے، یا کوئی شافعی ہو اور اس نے غسل کے بعد مس ذکر کیا ہو اور نماز پڑھنی ہو تو دوبارہ وضو کرے، بلا ضرورت وضو کا اعادہ ٹھیک نہیں۔

اور غسل سے پہلے جو وضو کیا جاتا ہے اس میں پیر دھونے چاہئیں یا نہیں؟ یہ بات مُغْتَسَلَ (غسل خانہ) کی حالت کے تابع ہے۔ اگر پکا فرش ہے اور غسالہ جمع نہیں ہوتا تو پیر بھی دھولے، اور غسالہ جمع ہوتا ہے تو ابھی پیر نہ دھوئے، غسل کے بعد وہاں سے ہٹ کر پیر دھوئے۔

غسل سے پہلے وضو کی حکمت

صحبت کے بعد اور بستر سے نکلنے کے بعد آدمی کا جسم گرم ہوتا ہے، اس لئے اگر بدن پر ایک دم ٹھنڈا پانی ڈالے گا تو برا ردِ عمل ہوگا، اس لئے شریعت نے پہلے اطراف بدن دھونے کا حکم دیا، اطراف میں یہ تاثیر ہے کہ ان کے دھونے سے جسم کا ظاہری حصہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے، پھر بدن پر پانی ڈالے گا تو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا، مگر وضو ضروری نہیں، اگر کوئی جنبی پانی میں ڈبکی لگائے اور پورا بدن بھیگ جائے تو غسل ہو جائے گا بشرطیکہ اس نے مضمضہ اور استنشاق کیا ہو، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دلک یعنی بدن رگڑنا بھی ضروری ہے۔

غسل جنابت کا مستحب طریقہ: یہ ہے کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے، اس کے بعد شرم گاہ کو اور ران وغیرہ کو جہاں ناپاکی لگی ہے دھوئے، پھر وضو کرے، یعنی کلی کرے، ناک صاف کرے، چہرہ اور ہاتھوں کو دھوئے، مسح کرے اور پاؤں دھوئے، پھر پورے بدن پر پانی ڈالے، بال برابر بھی جگہ خشک نہ رہے تو غسل ہو گیا، اور اگر غسل کرنے کی جگہ میں غسالہ جمع ہوتا ہے تو وضو میں پاؤں نہ دھوئے، غسل سے فارغ ہو کر اس جگہ سے ہٹ کر دھوئے۔

[۱-] بابُ الْوُضُوْءِ قَبْلَ الْغُسْلِ

[۲۴۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: نا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ يُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ، فَيُخَلِّلُ بِهَا أُصُوْلَ الشَّعْرِ، ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَفٍ بِيَدِهِ، ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهِ كُلِّهِ. [انظر: ۲۶۲، ۲۷۲]

[۲۴۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَتْ: تَوَضَّأَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وُضُوْءَهُ لِلصَّلَاةِ، غَيْرَ رِجْلَيْهِ، وَغَسَلَ فَرْجَهُ وَمَا أَصَابَهُ مِنَ الْأَذٰى، ثُمَّ أَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ، ثُمَّ نَحّٰى رِجْلَيْهِ فَغَسَلَهُمَا، هٰذِهِ غُسْلُهُ مِنَ الْجَنَابَةِ. [انظر: ۲۵۷، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۱]

حدیث (۱): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب حضور اقدس ﷺ غسل جنابت فرماتے تو ہاتھوں کو دھونے سے (غسل) شروع فرماتے، یعنی سب سے پہلے دونوں ہاتھ دھوتے، پھر نماز والا وضو کرتے، پھر انگلیاں پانی میں بھگا کر بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے، پھر ایک ہاتھ میں پانی لے کر سر پر تین چلو ڈالتے، پھر سارے بدن پر پانی بہاتے۔

تشریح: آنحضور ﷺ کے سر پر بال تھے، اس لئے پہلے انگلیاں بھگا کر بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے تھے، تا کہ

جڑیں تر ہو جائیں، پھر جب سر پر پانی ڈالا جائے تو جڑوں میں پانی پہنچ جائے، اس کے بعد جسم اطہر پر پانی بہاتے، معلوم ہوا کہ جہاں پانی پہنچنے میں دشواری ہو، اور جن کے خشک رہ جانے کا احتمال ہو، ان کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے، ہاتھوں کو تر کرکے اس حصے کو بھیگا دینا چاہئے تاکہ جب بدن پر پانی ڈالے تو اس جگہ بسہولت پانی پہنچ جائے۔

حدیث (۲): حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے نماز والا وضو کیا سوائے پیر دھونے کے، یعنی وضو کے وقت پیر نہیں دھوئے، وہاں غسالہ جمع ہو رہا تھا، اور اپنی شرم گاہ کو دھویا، اور بدن پر جہاں ناپاکی لگتی ہے اس حصہ کو دھویا، پھر بدن پر پانی بہایا، پھر پیروں کو وہاں سے ہٹایا، پھر ان دونوں کو دھویا، یہ آپ کا غسل جنابت ہے۔

بابُ غُسْلِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ

بیوی کے ساتھ غسل کرنا

مرد و عورت کے ایک ساتھ وضو کرنے کا بیان پہلے گذرا ہے، اور یہ مرد و عورت کے ایک ساتھ غسل جنابت کرنے کا بیان ہے، یہاں تین باتیں جاننی چاہئیں:

۱- برتن میں بیک وقت میاں بیوی ہاتھ ڈال کر پانی لیں اور غسل کریں تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

۲- جب میاں بیوی ایک برتن سے پانی لیں گے تو ایک دوسرے کا مَس ہوگا، مرد کا ہاتھ عورت کے ہاتھ سے اور عورت کا ہاتھ مرد کے ہاتھ سے لگے گا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مس مرأۃ ناقض وضو نہیں، احناف کی بھی یہی رائے ہے۔

۳- باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے معیت کی قید لگائی ہے جبکہ حدیث میں وحدتِ اناء کا ذکر ہے، معیت کا ذکر نہیں۔ اور علامہ سندھی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وحدتِ اناء معیت کو مستلزم نہیں، کیونکہ مرد نے پہلے غسل کیا اور عورت نے برتن میں بچے ہوئے پانی سے بعد میں غسل کیا تو یہ بھی وحدتِ اناء ہے، پس ایک برتن سے نہانے کے لئے معیت فی الاغتسال لازم نہیں۔ مگر حضرت رحمہ اللہ نے باب میں معیت کی قید بڑھائی ہے، اس لئے کہ باب کی حدیث میں اگرچہ اس کا تذکرہ نہیں مگر اسی روایت میں دوسری جگہ معیت کا ذکر ہے، آئندہ کتاب الغسل ہی میں یہ حدیث آرہی ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اور نبی ﷺ ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے اور ہم ایک ساتھ پانی لیا کرتے تھے۔ **كنت أغتسل أنا والنبيُّ صلى الله عليه وسلم من إناء واحد، نَغْرِفُ منه جميعا** (حدیث ۲۷۳) اور کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میرے اور نبی ﷺ کے سامنے ایک برتن رکھا رہتا تھا۔ ہم اس میں سے ایک ساتھ نہانا شروع کرتے تھے۔ **كان يوضع لي ولرسول الله صلى الله عليه وسلم هذا الِمركَنُ فَنَشْرَعُ فيه جميعا** (حدیث ۷۳۳۹) اور امام بخاری رحمہ اللہ کبھی باب کی روایت کے پیش نظر ہی ترجمہ قائم نہیں کرتے بلکہ وہ روایت جو

دوسری جگہ ہوتی ہے اس کو پیش نظر رکھ کر بھی باب قائم کرتے ہیں۔

[۲-] بابُ غُسْلِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ

[۲۵۰-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِیْ إِیَاسٍ، قَالَ: ثَنَا ابْنُ أَبِیْ ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: کُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، مِنْ قَدَحٍ یُقَالُ لَهُ: الْفَرَقُ.

[انظر: ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۷۳، ۲۹۹، ۵۹۵۶، ۷۳۳۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں اور نبی ﷺ لکڑی کے ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے جس کو فرق کہا جاتا ہے۔

تشریح: قدح چھوٹے اور بڑے دونوں طرح کے برتن کو کہتے ہیں، جمع أقداح ہے، اور فَرَق ایک پیمانہ تھا جس میں سولہ رطل پانی آتا تھا۔ شوافع کے نزدیک سولہ رطل کے تین صاع بنتے ہیں کیونکہ ان کے یہاں ایک صاع پانچ رطل اور ثلث رطل کا ہوتا ہے۔ اور احناف کے یہاں سولہ رطل کے دو صاع بنتے ہیں، اس لئے کہ ان کے یہاں ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔

بابُ الْغُسْلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهِ

ایک صاع اور اس کے بقدر پانی سے غسل کرنا

حضور اقدس ﷺ تقریباً ایک صاع پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے "تقریباً" نحوہ کا ترجمہ ہے، کتاب الوضوء میں ایک مُد پانی سے وضو کرنے کے سلسلہ میں باب گذرا ہے، وہاں بتایا تھا کہ صاع چار مُد کا ہوتا ہے، یعنی تین کلو ایک سو پچاس گرام کا، اور ایک مد دو رطل کا ہوتا ہے، یعنی سات سو نوے گرام کا، اتنی مقدار وضو اور غسل کے لئے بہت کافی ہے، مگر تحدید نہیں اسراف سے بچتے ہوئے پانی میں کمی بیشی کرنا جائز ہے۔

[۳-] بابُ الْغُسْلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهِ

[۲۵۱-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: ثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: ثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ أَبُوْ بَکْرِ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ، یَقُوْلُ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَخُوْ عَائِشَةَ عَلٰی عَائِشَةَ، فَسَأَلَهَا أَخُوْهَا عَنْ غُسْلِ رسولِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فَدَعَتْ بِإِنَاءٍ نَحْوِ مِّنْ صَاعٍ، فَاغْتَسَلَتْ، وَأَفَاضَتْ عَلٰی رَأْسِهَا، وَبَیْنَنَا وَبَیْنَهَا حِجَابٌ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَقَالَ یَزِیْدُ بْنُ هَارُوْنَ، وَبَهْزٌ، وَالْجُدِّیُّ، عَنْ شُعْبَةَ: قَدْرِ صَاعٍ.

ترجمہ: ابوسلمہ کہتے ہیں: میں اور حضرت عائشہؓ کے رضاعی بھائی (عبداللہ بن یزید) حضرت عائشہؓ کے پاس گئے، صدیقہؓ سے ان کے بھائی نے نبی ﷺ کے غسل کے بارے میں دریافت کیا (کہ آپؐ کتنے پانی سے غسل فرماتے تھے؟) صدیقہؓ نے ایک برتن میں پانی منگوایا جس میں تقریباً ایک صاع پانی تھا (یہی جز باب سے متعلق ہے) پس صدیقہؓ نے غسل کر کے دکھایا، اور اپنے سر پر پانی بہایا، اور ان کے اور ہمارے درمیان پردہ تھا۔

تشریح:

۱- حضرت ابوسلمہ رحمہ اللہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے والا تبار صاحبزادے ہیں اور مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے ہیں، انھوں نے زمانہ طفولت میں حضرت عائشہؓ کی بہن ام کلثوم کا دودھ پیا ہے، اور عبداللہ بن یزیدؓ رضاعی بھائی ہیں، دونوں حضرت عائشہؓ کے پاس پڑھنے کے لئے گئے، چونکہ دونوں محرم ہیں اس لئے کمرہ کے اندر گئے، ورنہ طلبہ باہر مسجد میں بیٹھتے تھے اور حضرت عائشہؓ اندر سے حدیثیں بیان کرتی تھیں، بھانجے کے مقابلہ میں بھائی زیادہ بے تکلف ہوتا ہے اس لئے عبداللہ بن یزید نے دریافت کیا کہ نبی ﷺ کتنے پانی سے غسل فرماتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے ایک برتن میں پانی منگوایا جو تقریباً ایک صاع تھا، اور اس سے غسل کر کے دکھایا اور درمیان میں پردہ حائل تھا، معلوم ہوا کہ نبی ﷺ تقریباً ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے اور یہی باب ہے۔

۲- اس حدیث کو شعبہ رحمہ اللہ سے عبدالصمد بن عبدالوارث کے علاوہ یزید بن ہارون، بہز بن اسد اور عبدالملک جُدّی (جدہ کے رہنے والے) بھی روایت کرتے ہیں اور ان کی روایت میں نحوٍ من صاعٍ کے بجائے قدرِ صاعٍ ہے، مطلب دونوں کا ایک ہے۔

[۲۵۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: ثَنَا يَحْيىَ بْنُ آدَمَ، قَالَ: ثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ أَبِىْ إِسْحَاقَ، قَالَ: ثَنَا أَبُوْ جَعْفَرٍ، أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، هُوَ وَأَبُوْهُ، وَعِنْدَهُ قَوْمٌ، فَسَأَلُوْهُ عَنِ الْغُسْلِ؟ فَقَالَ: يَكْفِيْكَ صَاعٌ، فَقَالَ رَجُلٌ: مَا يَكْفِيْنِىْ! فَقَالَ جَابِرٌ: كَانَ يَكْفِىْ مَنْ هُوَ أَوْفَى مِنْكَ شَعْرًا، وَخَيْرًا مِنْكَ، ثُمَّ أَمَّنَا فِىْ ثَوْبٍ.

[انظر: ۲۵۵، ۲۵٦]

ترجمہ: ابوجعفر یعنی امام باقر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے ابا (علی زین العابدین) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، اور ان کے پاس اور لوگ بھی تھے، انھوں نے حضرت جابرؓ سے غسل کے بارے میں پوچھا: آپؓ نے فرمایا: تیرے لئے ایک صاع پانی کافی ہے، ایک شخص نے کہا: میرے لئے ایک صاع پانی کافی نہیں! حضرت جابرؓ نے فرمایا: اتنا پانی کافی تھا اس ذات کو جس کے بال تجھ سے زیادہ تھے، اور جو تجھ سے بہتر تھے، پھر حضرت جابرؓ نے ایک کپڑے میں ہماری امامت فرمائی۔

تشریح: ابوجعفر: حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے ابا کی کنیت تھی، ان کا نام محمد باقر رحمہ اللہ تھا، وہ حضرت جابر رضی اللہ

عنہ کے خاص شاگرد ہیں، اور ان کے ابا علی زین العابدین ہیں جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مجلس تھی، یہ حضرات موجود تھے، مجلس میں کسی نے دریافت کیا: کتنے پانی سے غسل کرنا چاہئے؟ آپؓ نے فرمایا: غسل میں ایک صاع پانی کافی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کے لڑکے حسن نے کہا: میرے سر پر بال بہت ہیں، ایک صاع پانی میرے لئے کافی نہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک صاع پانی تیرے لئے کیوں کافی نہیں؟ حضور اقدس ﷺ کے سر اور ڈاڑھی کے بال تجھ سے زیادہ تھے، اور وہ تجھ سے افضل تھے، آپؐ ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے، تیرے لئے ایک صاع پانی کیوں کافی نہیں؟ پھر جب نماز کا وقت ہوا تو حضرت جابرؓ نے امامت فرمائی اور ایک کپڑے میں نماز پڑھائی، جبکہ دوسرا کپڑا موجود تھا، وہیں اسٹینڈ پر رکھا تھا، نماز کے بعد کسی نے عرض کیا: حضرت! دوسرا کپڑا موجود ہے، پھر بھی آپؓ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھائی؟ حضرت نے فرمایا: میں نے ایسا اس لئے کیا کہ تیرے جیسا بے وقوف جان لے کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے، حضور ﷺ کے زمانہ میں ہر شخص کے پاس دو کپڑے کہاں تھے؟ یعنی مسئلہ کی وضاحت کے لئے میں نے ایسا کیا ہے۔

پس اس حدیث میں دو مسئلے ہیں: ایک: حضور اقدس ﷺ ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے، دوسرا: ایک کپڑے میں نماز درست ہے، اگرچہ دوسرا کپڑا موجود ہو، رہی یہ بات کہ بہتر کیا ہے؟ یہ مسئلہ آگے آرہا ہے۔

[۲۵۳-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: ثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم وَمَيْمُوْنَةَ كَانَا يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ أَخِيْرًا: عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ، وَالصَّحِيْحُ مَا رَوَى أَبُوْ نُعَيْمٍ.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کے مسانید میں سے ہے یا حضرت میمونہؓ کے؟ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: سفیان بن عیینہؒ اس حدیث میں پہلے حضرت میمونہؓ کا تذکرہ نہیں کرتے تھے، چنانچہ ابو نُعیم نے ان سے اسی طرح روایت کیا ہے، ان کی روایت میں عن میمونۃ نہیں ہے، مگر ابن عیینہ بعد میں عن میمونۃ بڑھانے لگے تھے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ابونعیم والی حدیث اصح ہے، یعنی یہ حدیث ابن عباس کے مسانید میں سے ہے، حضرت میمونہؓ کے مسانید میں سے نہیں ہے، مگر دیگر محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ حضرت میمونہؓ کے مسانید میں سے ہے، کیونکہ نبی ﷺ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا ساتھ غسل کرنا ایسی بات ہے جو حضرت ابن عباسؓ نہیں دیکھ سکتے تھے، یہ بات انھوں نے اپنی خالہ حضرت میمونہؓ ہی سے سنی ہوگی، پس حدیث کے آخر میں عن میمونۃ ہونا چاہئے اور امام بخاریؒ کا فیصلہ دیگر محدثین نے قبول نہیں کیا۔

حدیث کی باب سے مناسبت: اس حدیث میں صاع کا ذکر نہیں، اس لئے بعض حضرات نے اس کو ترجمہ سے غیر متعلق

قرار دیا ہے مگر یہ بات صحیح نہیں، اس باب میں یہ حدیث لاکر امام بخاریؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث میں اگرچہ صاع کا ذکر نہیں، مگر مراد ہے۔ اس لئے کہ روایات میں غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ اکیلے ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے، اور بیوی صاحبہ کے ساتھ فرق سے غسل فرماتے تھے جس میں سولہ رطل پانی ہوتا ہے جس کے احناف کے یہاں دو صاع بنتے ہیں۔

بابُ مَنْ أَفَاضَ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلاَثًا

سر پر تین مرتبہ پانی ڈالنا

بالوں کی جڑوں میں انگلیاں بھگا کر خلال کرنے کے بعد اوران کو تر کرنے کے بعد تین لپ بھر کر پانی سر پر ڈالنا کافی ہے، اس لئے کہ تثلیث تکرار کی آخری حد ہے، اور یہ تثلیث بالذات مقصود نہیں بلکہ لأجل الاستیعاب مقصود ہے، جیسے وضو میں چہرہ اور ہاتھ تین تین مرتبہ دھوئے جاتے ہیں یہ تثلیث لذاتہ مطلوب نہیں، استیعاب کے مقصد سے مطلوب ہے، تاکہ چہرہ اور ہاتھ پوری طرح دھل جائیں، اسی طرح بالوں کی جڑوں میں خلال کرنے کے بعد سر پر تین لپ بھر کر پانی ڈالنا مقصود لذاتہ نہیں، بلکہ استیعاب کے مقصد سے مطلوب ہے۔ پس اگر دو مرتبہ سے استیعاب ہوجائے تو تین بار ضروری نہیں اور تین میں بھی استیعاب نہ ہو تو چوتھی مرتبہ پانی ڈالنا ضروری ہے۔

[٤-] بابُ مَنْ أَفَاضَ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلاَثًا

[٢٥٤-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: ثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَمَّا أَنَا فَأُفِيْضُ عَلٰى رَأْسِيْ ثَلاَثًا" وَأَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا.

[٢٥٥-] حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مِخْوَلِ بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم يُفْرِغُ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلاَثًا.

[راجع: ٢٥٢]

[٢٥٦-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ جَعْفَرٍ، قَالَ: قَالَ لِيْ جَابِرٌ: أَتَانِيْ ابْنُ عَمِّكَ، يُعَرِّضُ بِالْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ، قَالَ: كَيْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ؟ فَقُلْتُ: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَأْخُذُ ثَلاَثَ أَكُفٍّ، فَيُفِيْضُهَا عَلٰى رَأْسِهِ، ثُمَّ يُفِيْضُ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِهِ، فَقَالَ لِيَ الْحَسَنُ: إِنِّيْ رَجُلٌ كَثِيْرُ الشَّعْرِ، فَقُلْتُ: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم أَكْثَرَ مِنْكَ شَعْرًا [راجع: ٢٥٢]

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رہا میں تو میں اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہاتا ہوں'' اور آپؐ نے دونوں ہاتھوں سے (پانی ڈالنے کا) اشارہ فرمایا۔

تشریح: یہ حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور یہاں مختصر ہے۔ پورا واقعہ مسلم شریف میں ہے کہ کسی مجلس میں غسل جنابت کا طریقہ زیر بحث آیا، کسی نے کہا: میں اس طرح نہاتا ہوں، دوسرا بولا: میں اس طرح نہاتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: رہا میں تو میں تین لپ بھر کر سر پر پانی بہاتا ہوں، غرض أَمَّا تفصیلیہ ہے اور اس کی قسیم مسلم کی حدیث میں مذکور ہے، اور باب کے ساتھ تطبیق واضح ہے (مسلم شریف حدیث ۳۲۷ کتاب الحیض باب ۱۱)

حدیث (۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہایا کرتے تھے (یہ حدیث پہلے بھی گذری ہے اور اگلے نمبر پر بھی آرہی ہے)

حدیث (۳): ابوجعفر رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس تیرا چچازاد بھائی آیا، وہ محمد بن الحنفیہ کے لڑکے حسن کی طرف اشارہ کررہے تھے، اور اس نے پوچھا: غسل جنابت کا طریقہ کیا ہے؟ میں نے کہا: نبی ﷺ تین لپ بھر کر پانی لیتے تھے اور اس کو اپنے سر پر بہاتے تھے۔ پھر پورے جسم پر پانی بہاتے تھے، وہ مجھ سے کہنے لگا: میں ایسا شخص ہوں جس کے سر پر بال بہت ہیں، یعنی میرے لئے اتنا پانی کافی نہیں، پس میں نے کہا: نبی ﷺ تجھ سے زیادہ بال والے تھے (اور ان کے لئے اتنا پانی کافی تھا پھر تیرے لئے کیوں کافی نہیں؟)

تشریح:

۱- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دو لڑکے تھے: ایک: حضرت حسین رضی اللہ عنہ، ان کے لڑکے علی زین العابدین تھے، جو ابوجعفر محمد باقرؒ کے والد تھے، اور دوسرے: محمد بن الحنفیہ تھے، حسنؒ ان کے لڑکے ہیں، پس وہ امام باقرؒ کے چچا ہوئے، جبکہ حضرت جابر نے ان کو چچازاد بھائی کہا ہے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ مجاز ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ نسب بیان کرنے کا اسلامی طریقہ یہی ہے، علی زین العابدین کے ابا حضرت حسین رضی اللہ عنہ محمد بن الحنفیہ کے بھائی تھے، پس وہ علی زین العابدینؒ کے چچا ہوئے، اور امام باقر کے بھی چچا ہوئے، ہندوانہ تصور میں دادا کے بھائی کو بھی دادا کہتے ہیں مگر اسلام میں حضرت آدم علیہ السلام تک ہر دادا کا بھائی چچا ہے، اسی وجہ سے وہ عصبہ بنفسہ ہوتا ہے، اور اس کو چچا کی میراث ملتی ہے۔ دادا کی میراث نہیں ملتی۔ پس جب محمد بن الحنفیہ امام باقر کے چچا ہوئے تو ان کے لڑکے حسن چچازاد بھائی ہوئے، پس حضرت جابرؓ کا ان کو چچازاد بھائی کہنا مبنی برحقیقت ہے، مجاز نہیں۔

۲- اوپر حدیث (نمبر ۲۵۲) میں یہ آیا ہے کہ جس مجلس میں حسن نے مذکورہ بات پوچھی تھی ابوجعفر اس مجلس میں موجود تھے، اور اس حدیث میں ہے کہ وہ موجود نہیں تھے بلکہ حضرت جابرؓ نے ان کو یہ واقعہ سنایا، اس تعارض کا حل یہ ہے کہ وہ مجلس جس میں سوال وجواب ہوئے تھے بڑی تھی اور ابوجعفر کی موجودگی سے حضرت جابرؓ واقف نہیں تھے اس لئے دوسرے وقت

جب وہ ان کے پاس آئے تو آپؓ نے ان کو واقعہ سنایا، یا ہوسکتا ہے کہ حضرت جابرؓ بھول گئے ہوں کہ اس مجلس میں ابو جعفر بھی موجود تھے اس لئے یہ بات سنائی۔ واللہ اعلم

بابُ الْغُسْلِ مَرَّةً وَاحِدَةً

ایک مرتبہ بدن دھونا

جس طرح وضو میں اعضاء مغسولہ کو ایک ایک بار دھونا فرض ہے اور دو دو، تین تین بار دھونا سنت ہے اسی طرح غسل جنابت میں بھی پورا بدن ایک مرتبہ دھونا فرض ہے، اور دو اور تین مرتبہ دھونا فرض کی تکمیل کے لئے ہے اور سنت ہے۔

[۵-] بابُ الْغُسْلِ مَرَّةً وَاحِدَةً

[۲۵۷-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ: وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مَاءً لِلْغُسْلِ، فَغَسَلَ يَدَهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَفْرَغَ عَلٰى شِمَالِهِ، فَغَسَلَ مَذَاكِيْرَهُ، ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَحَوَّلَ مِنْ مَكَانِهِ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ . [راجع: ۲۴۹]

حدیث: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غسل کا پانی رکھا، آپؐ نے پہلے اپنا (دایاں) ہاتھ دو یا تین مرتبہ دھویا، پھر برتن کو جھکا کر بائیں ہاتھ میں پانی لے کر مذاکیر دھوئے (یہ ذکر کی خلاف قیاس جمع ہے مراد ذکر اور دو فوطے ہیں) پھر اسی (بائیں) ہاتھ کو مٹی میں رگڑ کر دھویا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور چہرہ اور ہاتھوں کو دھویا، پھر پورے بدن پر پانی بہایا، پھر اپنی جگہ سے ہٹ کر دونوں پیر دھوئے (جہاں آپؐ نے غسل فرمایا تھا وہاں غسالہ جمع ہو رہا تھا اس لئے غسل کے آخر میں اپنی جگہ سے ہٹ کر پیر دھوئے)

تشریح: ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال ثم أفاض علی جسدہ سے ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اس کو مطلق رکھا ہے، کسی عدد کے ساتھ مقید نہیں کیا، اور تکرار خلافِ اصل ہے پس اقل عدد مراد ہوگا، مگر اس پر علامہ سندھی رحمہ اللہ نے اعتراض کیا ہے کہ یہ حکایت واقعہ ہے، غسل کی حالت کا بیان نہیں، اس لئے تعداد کے عدم ذکر سے یہ نہیں سمجھا سکتا کہ دھونا ایک ہی مرتبہ ہوا تھا۔

اور علامہ کشمیری قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے یہ روایت اس کے تمام طرق سے دیکھی تو مجھے تردد ہوگیا کہ آپؐ نے جسم اطہر پر ایک مرتبہ پانی بہایا تھا یا تین مرتبہ؟ اور میرا رجحان یہ ہے کہ جس طرح آپؐ کی عادت شریفہ وضو میں اعضاء کو تین تین مرتبہ دھونے کی تھی اسی طرح اس غسل میں بھی آپؐ نے جسم کو تین مرتبہ دھویا ہوگا۔ واللہ اعلم

بابُ مَنْ بَدَأَ بِالْحِلاَبِ أَوِ الطِّيْبِ عِنْدَ الْغُسْلِ

بو والے یا خوشبو والے پانی سے وضو غسل کرنا جائز ہے

الحِلاب: دودھ دوہنے کا برتن، جو برتن دودھ دوہنے کے لئے ہوتا ہے اس میں بو ہوتی ہے، اگر اس میں گھنٹے دو گھنٹے پانی بھر کر چھوڑ دیا جائے تو اس میں بو پیدا ہو جاتی ہے، اُس بو والے پانی سے غسل کرنا جائز ہے، اسی طرح پانی میں دو چار قطرے عطر کے ٹپکا کر خوشبو والے پانی سے غسل کرنا بھی جائز ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ پانی کے بو والا یا خوشبو والا ہونے سے پانی کی ماہیت نہیں بدلتی، پس اس سے وضو اور غسل کر سکتے ہیں۔ یہ اس ترجمہ کا مقصد ہے، شارحین کرام اس باب میں بہت پریشان ہوئے ہیں کہ حلاب اور طیب میں کیا جوڑ ہے؟ اصل لفظ حِلاَبْ ہے یا یہ جُلاَبْ (گلاب) کی تصحیف ہے؟ علامہ کشمیری قدس سرہ نے فیض الباری میں فرمایا ہے کہ اس کو تصحیف قرار دینا صحیح نہیں، بلکہ اس ترجمہ میں تقابل تضاد ہے کہ پانی میں خواہ بو ہو یا خوشبو، اس سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے، اور یہی ترجمہ کا مقصد ہے۔

اور باب کا ترجمہ ہے: جس نے دودھ کے برتن سے یا خوشبو سے ابتدا کی نہاتے وقت یعنی شروع سے آخر تک اسی پانی سے نہایا، یعنی شروع میں یا آخر میں سادہ پانی استعمال نہیں کیا تو بھی غسل درست ہے۔

[٦-] بابُ مَنْ بَدَأَ بِالْحِلاَبِ أَوِ الطِّيْبِ عِنْدَ الْغُسْلِ

[٢٥٨-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ: ثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ حَنْظَلَةَ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، دَعَا بِشَيْئٍ نَحْوَ الْحِلاَبِ فَأَخَذَ بِكَفِّهِ، فَبَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ، فَقَالَ بِهِمَا عَلٰى وَسْطِ رَأْسِهِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ جب غسل جنابت کا ارادہ کرتے تو دودھ دوہنے کے برتن جیسا کوئی برتن منگواتے، پھر پانی ہتھیلی میں لیتے، اور سر کی دائیں جانب سے شروع فرماتے، پھر بائیں جانب کو دھوتے، پھر دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا سر کے درمیان کی طرف یعنی لب بھر کر سر کے بیچ میں پانی ڈالتے تھے۔

تشریح: نحو الحِلاب: میں امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک لفظ نحو زائد ہے، یعنی آپؐ حلاب ہی سے غسل فرماتے تھے، اور طیب کو اس پر قیاس کیا ہے، کیونکہ بعض طرق میں اس کی صراحت ہے (فیض الباری ۱: ۳۵۰) اور آپؐ غسل کا آغاز سر کی دائیں جانب سے فرماتے تھے، پہلے انگلیاں بھگا کر سر کی دائیں جانب میں بالوں کی جڑوں میں خلال فرماتے تھے، پھر چلو بھر کر اس پر پانی ڈالتے تھے، پھر بائیں طرف بھی اسی طرح کرتے تھے، پھر لب بھر کر تین مرتبہ سر پر پانی ڈالتے اور سر دھوتے............قَالَ کے صلہ میں ب آئے تو معنی اشارہ کرنے کے ہوتے ہیں۔

بابُ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ فِي الْجَنَابَةِ

غسلِ جنابت میں مضمضہ اور استنشاق کرنا

غسل جنابت میں مضمضہ اور استنشاق واجب ہے یا سنت؟ اس میں اختلاف ہے، حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں واجب ہیں، وضو میں بھی اور غسل میں بھی، اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں میں سنت ہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک وضو میں سنت اور غسل میں واجب ہیں، اور یہ مسئلہ منصوص نہیں، اجتہادی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل مواظبت تامہ ہے، نبی ﷺ نے ہمیشہ وضو اور غسل میں مضمضہ اور استنشاق کیا ہے، ایک مرتبہ بھی ترک نہیں کیا، یہ مواظبت وجوب کی دلیل ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، اور وجوب کی دوسری کوئی دلیل نہیں۔ پس انھوں نے دونوں کو سنت کہا، اور امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا: ﴿فَاطَّهَّرُوْا﴾ میں مبالغہ ہے، پس غسل جنابت میں ظاہر بدن کو دھونا ضروری ہے اور ناک اور منہ کے اندر کا حصہ من وجہ ظاہر ہے پس ان کو دھونا بھی ضروری ہے، اس لئے غسل جنابت میں مضمضہ اور استنشاق واجب ہیں اور وضو میں وجوب کی کوئی دلیل نہیں، اس لئے اس میں دونوں سنت ہیں، اور آنکھ کے اندر کا حصہ بھی من وجہ ظاہر ہے اور من وجہ باطن، مگر اس کے دھونے میں حرج ہے، بینائی ختم ہوجانے کا اندیشہ ہے اس لئے اس کا دھونا ساقط ہے۔

اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی کیا رائے ہے؟ وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے، راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی غسل جنابت میں دونوں واجب ہیں، اس لئے کہ حضرت نے کتاب الغسل میں سب سے پہلا ترجمہ **بابُ الوضوء قبل الغسل** رکھا ہے، یعنی غسل کا آغاز وضو سے ہونا چاہئے، اور وضو کے ضمن میں مضمضہ اور استنشاق آجاتے ہیں، پھر امام بخاریؒ نے مضمضہ اور استنشاق کے لئے مستقل باب قائم کیا، اگر غسل جنابت میں بھی مضمضہ اور استنشاق کی وہی حیثیت ہوتی جو وضو میں تھی تو الگ سے ترجمہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

[۷-] بابُ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ فِي الْجَنَابَةِ

[۲۵۹-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، قَالَ: ثَنَا أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سَالِمٌ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: حَدَّثَتْنَا مَيْمُوْنَةُ، قَالَتْ: صَبَبْتُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم غُسْلاً، فَأَفْرَغَ بِيَمِيْنِهِ عَلَى يَسَارِهِ، فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ، فَمَسَحَهَا بِالتُّرَابِ، ثُمَّ غَسَلَهَا ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ، وَأَفَاضَ عَلَى رَأْسِهِ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، ثُمَّ أُتِيَ بِمِنْدِيْلٍ فَلَمْ يَنْفُضْ بِهَا.

[راجع: ۲۴۹]

حدیث: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کے لئے غسل کا پانی رکھا (صَبَبْتُ بمعنی وَضَعْتُ ہے) آپؐ نے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا، پس دونوں ہاتھ دھوئے، پھر شرم گاہ دھوئی، پھر ہاتھ سے زمین کی طرف اشارہ کیا اوراس کو مٹی سے رگڑا، پھراس کو دھویا، پھر مضمضہ اور استنشاق کیا، پھر چہرہ دھویا، اوراپنے سر پر پانی بہایا، پھر اپنی جگہ سے ہٹ کر پیر دھوئے، پھر رومال لایا گیا پس آپؐ نے اس کے ذریعہ پانی نہیں جھاڑا، یعنی بدن نہیں پونچھا۔

تشریح: مِندیل: میم کے زیر اور زبر کے ساتھ: رومال، اس کا مادہ ہے: ندل (ن) ندلا الشیئ: جلدی سے کوئی چیز اچک لینا، منتقل کرنا، تولیہ بدن سے پانی اچک لیتا ہے اس لئے اس کو مندیل کہتے ہیں، اس کے لئے دوسرا لفظ مِنْشَفَة ہے۔ نَشَفَ (ن،س) نشْفًا الثوبُ: کپڑے کا پانی کو جذب کر لینا۔

وضواور غسل کے بعد تولیہ استعمال کرنا چاہئے یا نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ کی ایک روایت اور سعید بن المسیبؒ اور امام زہریؒ کا مذہب یہ ہے کہ تولیہ استعمال کرنا مکروہ ہے، اور جمہور کا مذہب اور امام شافعی رحمہ اللہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اس کی گنجائش ہے، کوئی کراہیت نہیں۔

اور مذکورہ حدیث سے بدن پونچھنے کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں، اس حدیث سے صرف بدن نہ پونچھنے کا جواز نکلتا ہے، کبھی دیر تک ٹھنڈا رہنے کے لئے یا کسی اور وجہ سے آدمی بدن نہیں پونچھتا، پس اس کی گنجائش ہے، اور جو حضرات کراہیت کے قائل ہیں وہ بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کرتے بلکہ ان کا مستدل یہ ہے کہ قیامت کے دن وضو کا پانی تولا جائے گا، لہٰذا اس کو پونچھنا نہیں چاہئے۔ اعضاء پر خشک ہونے دینا چاہئے تاکہ وہ قیامت کے دن تولا جائے۔ اور حضرت عائشہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں سے جواز نکلتا ہے، وہ حدیثیں ترمذی (حدیث نمبر ۵۷ و ۵۸) میں ہیں، اور ضعیف ہیں مگر اباحت ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اور امام زہریؒ کا یہ فرمانا کہ وضو کا پانی تولا جائے گا یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ تولیہ استعمال نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ وضو کا پانی بہر حال تولا جائے گا خواہ اعضاء پر خشک ہوجائے یا تولیہ میں چلا جائے، یا نالی میں بہ جائے، وہ میزانِ عمل میں ضرور لایا جائے گا۔

بابُ مَسْحِ الْيَدِ بِالتُّرَابِ لِتَكُوْنَ أَنْقٰى

مٹی سے ہاتھ ملنا تاکہ صاف ہوجائے

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں جو بار بار آرہی ہے ایک بات یہ ہے کہ نبی ﷺ نے شرم گاہ دھونے کے بعد ہاتھ مٹی سے رگڑ کر دھویا، یہ مٹی سے رگڑ کر دھونا غسل کی ماہیت میں داخل ہے یا خارج؟ یہ بات بیان کرنے کے لئے یہ باب لائے ہیں اور ترجمہ میں لتکون أنقی بڑھا کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ہاتھ کو مٹی سے رگڑنا صفائی کے مقصد سے تھا، غسل کی ماہیت میں داخل نہیں۔ اور اب صابون سے ہاتھ دھونا مٹی سے دھونے کے معنی میں ہے۔

[۸-] بابُ مَسْحِ الْيَدِ بِالتُّرَابِ لِتَكُوْنَ أَنْقٰى

[۲۶۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ بِيَدِهِ، ثُمَّ دَلَكَ بِهَا الْحَائِطَ، ثُمَّ غَسَلَهَا، ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلَاةِ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ غَسَلَ رِجْلَيْهِ. [راجع: ۲۴۹]

بابٌ هَلْ يُدْخِلُ الْجُنُبُ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَّغْسِلَهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلٰى يَدِهِ قَذَرٌ غَيْرُ الْجَنَابَةِ؟

اگر جنبی کے ہاتھ صاف ہوں تو دھوئے بغیر پانی میں ڈال سکتا ہے

جنبی کو ہاتھ دھوکر پانی میں ڈالنے چاہئیں، اگر کوئی جنبی ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ڈال دے اور اس کے ہاتھ پر جنابت کے علاوہ کوئی ناپاکی نہ ہو تو پانی پاک ہے، اس لئے کہ جنابت نجاست حکمی ہے، حقیقی نجاست نہیں اس لئے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

اس باب کے دو جزء ہیں: ایجابی اور سلبی: جنبی کا ہاتھ دھونے سے پہلے پانی میں ڈالنا: ایجابی جزء ہے، اور ہاتھ پر جنابت کے علاوہ کوئی اور ناپاکی نہ ہو: سلبی جزء ہے یا کہیں کہ باب میں مشروط اور شرط ہیں، اور باب میں دو آثار اور چار مرفوع احادیث ہیں، بعض ایجابی جزء سے متعلق ہیں اور بعض سلبی جزء۔

[۹-] بابٌ هَلْ يُدْخِلُ الْجُنُبُ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَّغْسِلَهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلٰى يَدِهِ قَذَرٌ غَيْرُ الْجَنَابَةِ؟

[۱-] وَأَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ يَدَهُ فِي الطَّهُوْرِ وَلَمْ يَغْسِلْهَا، ثُمَّ تَوَضَّأَ.

[۲-] وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ بَأْسًا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ.

[۲۶۱-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَفْلَحُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ تَخْتَلِفُ أَيْدِيْنَا فِيْهِ. [راجع: ۲۵۰]

[۲۶۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَهُ. [راجع: ۲۴۸]

[۲۶۳-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:

كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنْ جَنَابَةٍ - وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: مِثْلَهُ. [راجع: ٢٥٠]

[٢٦٤-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم وَالْمَرْأَةُ مِنْ نِسَائِهِ يَغْتَسِلاَنِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ - زَادَ مُسْلِمٌ، وَوَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ، عَنْ شُعْبَةَ: مِنَ الْجَنَابَةِ.

۱- حضرات ابن عمر اور براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا جبکہ اس کو دھویا نہیں، پھر وضو کیا۔

استدلال: اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ڈال سکتے ہیں، اس سے پانی کی طہارت پر اثر نہیں پڑے گا، مگر اس استدلال پر اعتراض کیا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے وضو کیا ہے غسل نہیں کیا، جبکہ باب یہ ہے کہ جنبی غسل سے پہلے ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ڈال سکتا ہے۔ اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ وضو غسلِ جنابت سے پہلے والا وضو ہے، جو مسنون ہے۔ پس اثر باب سے منطبق ہے، مگر اس توجیہ پر یہ اشکال ہے کہ غسل جنابت تنہائی میں کیا جاتا ہے جبکہ ان دونوں بزرگوں نے وضو طالب علموں کے سامنے کیا تھا، پس یہ محض وضو ہے، غسل جنابت سے پہلے والا وضو نہیں۔

۲- حضرات ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اُن چھینٹوں میں جو غسل جنابت کے وقت پانی میں گرتے ہیں کوئی مضائقہ نہیں دیکھتے تھے، اور حاشیہ میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول لکھا ہے کہ: من يَمْلِكُ انتشارَ الماء: چھینٹوں سے کون بچ سکتا ہے؟ فإنا لنرجو من رحمة الله ماهو أوسع من هذا: پس ہمیں اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگذر فرمائیں گے، ان حضرات کے اقوال کا حاصل یہ ہے کہ نہاتے وقت جو چھینٹیں پانی میں پڑیں اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، پس جنابت والا ہاتھ پانی میں ڈالنے سے بدرجۂ اولیٰ پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

حدیث (۱): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اور نبی ﷺ ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے، ہمارے ہاتھ برتن میں آگے پیچھے پڑتے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں غسل سے غسل جنابت مراد ہے، عبدالرحمٰن نے بھی اپنے ابا قاسم سے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان کی حدیث میں جنابت کی صراحت ہے، اور غسل کی تکمیل سے پہلے جنابت باقی ہوتی ہے، معلوم ہوا کہ جنابت والا ہاتھ پانی میں ڈالنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

حدیث (۲): صدیقہؓ فرماتی ہیں: "جب نبی ﷺ غسل جنابت فرماتے تو پہلے اپنا ہاتھ دھوتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث باب کے سلبی جزء سے متعلق ہے۔ اگر ہاتھ پر حسی نجاست ہو تو پہلے ہاتھ دھونے ضروری ہیں، اور نجاست نہ ہو تو بھی دھونے چاہئیں۔

حدیث (۳): صدیقہؓ فرماتی ہیں: میں اور نبی ﷺ ایک ہی برتن سے غسل جنابت کیا کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے حضرت عروہ نے روایت کیا ہے اور اس میں جنابت کی صراحت ہے، اور حضرت قاسم نے بھی روایت کیا ہے، پھر ان سے ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں، ان کی روایت میں بھی جنابت کی صراحت ہے۔

حدیث (۴): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ اور آپؐ کی ایک زوجہ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کو شعبہ رحمہ اللہ سے ابوالولید کے علاوہ مسلم بن ابراہیم اور وہب بھی روایت کرتے ہیں ان کی روایتوں میں بھی جنابت کی صراحت ہے۔

بابُ مَنْ أَفْرَغَ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ فِي الْغُسْلِ

نہاتے وقت دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنا

غسل جنابت اور استنجے وغیرہ میں جب دونوں ہاتھ استعمال کرنے ناگزیر ہوں تو موضع نجاست بائیں ہاتھ سے دھوئے اور دائیں ہاتھ سے پانی ڈالے، اس ترجمہ کا یہی مقصد ہے۔

[۱۰-] بابُ مَنْ أَفْرَغَ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ فِي الْغُسْلِ

[۲۶۵-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، حَدَّثَنَا أَبُوْعَوَانَةَ، قَالَ: ثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ، قَالَتْ وَضَعْتُ لِرَسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم غُسْلاً، وَسَتَرْتُه، فَصَبَّ عَلٰى يَدِهِ، فَغَسَلَهَا مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ - قَالَ سُلَيْمَانُ: لَا أَدْرِيْ أَذْكَرَ الثَّالِثَةَ أَمْ لَا؟ - ثُمَّ أَفْرَغَ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ، فَغَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ دَلَكَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ أَوْ: بِالْحَائِطِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، وَغَسَلَ رَأْسَهُ، ثُمَّ صَبَّ عَلٰى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، فَنَاوَلْتُهُ خِرْقَةً، فَقَالَ بِيَدِهِ هٰكَذَا، وَلَمْ يُرِدْهَا. [راجع: ۲۴۹]

حدیث: حضرت میمونہؓ کہتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کے لئے غسل کا پانی رکھا اور میں نے پردہ کیا (گھر میں غلام وغیرہ ہونگے اس لئے پردہ کیا) آپؐ نے اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا اور اس کو ایک یا دو مرتبہ دھویا —— سلیمان اعمش کہتے ہیں: سالم نے تیسری بار ہاتھ دھونے کا تذکرہ کیا یا نہیں؟ مجھے یاد نہیں —— پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا، اور شرم گاہ دھوئی (یہی جز باب سے متعلق ہے) پھر ہاتھ زمین پر یا دیوار پر رگڑا، پھر مضمضہ اور استنشاق کیا، اور چہرے اور ہاتھوں کو دھویا، اور سر دھویا پھر پورے بدن پر پانی بہایا، پھر اپنی جگہ سے ہٹ کر پیر دھوئے، میں نے کپڑے کا ایک ٹکڑا پیش کیا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا اور اس کا ارادہ نہیں کیا۔

تشریح: قال کے صلہ میں ب آئے تو معنی اشارہ کرنے کے ہوتے ہیں، اور لم یردھا کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک: حضرت میمونہؓ کپڑا لا رہی تھیں تو آپؐ نے اشارہ سے منع کیا، دوم: سر اور بدن سے پانی جھاڑا اور تولیہ استعمال نہیں کیا، اور بعض حضرات نے اس کو لَمْ یَرُدَّھَا پڑھا ہے یعنی کپڑے کو واپس نہیں کیا مگر یہ غلط ہے، مسند احمد کے الفاظ ہیں: **أشار بیده أن لا أُرِیْدُ ھا**: اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میں تولیہ نہیں چاہتا۔ معلوم ہوا کہ **لم یُرِدْھا** ہی صحیح ہے، اور غسل اور وضو کے بعد رومال یا تولیہ استعمال کرنے کا حکم گذر چکا ہے۔

ملحوظہ: یہ باب اور آئندہ باب مصری نسخہ میں مقدم ومؤخر ہیں، ہم نے باب اور حدیث کے نمبر بدلے ہیں۔

بابُ تَفْرِیْقِ الْغُسْلِ وَالْوُضُوْءِ

وضو اور غسل میں موالات ضروری نہیں

وضو اور غسل میں موالات شرط ہے یا نہیں؟ موالات کے معنی ہیں: پے بہ پے کرنا، یعنی ایک عضو خشک ہونے سے پہلے دوسرا عضو دھونا، کیا یہ بات وضو اور غسل میں ضروری ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک موالات شرط ہے، اگر ایک عضو دھونے کے بعد دوسرا عضو دھونے میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ پہلا عضو خشک ہوگیا تو از سر نو وضو اور غسل کرے۔ اور جمہور کے نزدیک بشمول امام بخاریؒ موالات شرط نہیں، مثلاً ایک شخص نے غسل جنابت کیا اور مضمضہ اور استنشاق بھول گیا، دو چار گھنٹہ کے بعد یاد آیا تو اب مضمضہ اور استنشاق کرلے، پورا غسل لوٹانا ضروری نہیں ــــــ اس باب میں ایک اثر اور ایک حدیث ہے۔

[۱۱-] بابُ تَفْرِیْقِ الْغُسْلِ وَالْوُضُوْءِ

وَیُذْکَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ غَسَلَ قَدَمَیْهِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوْؤُهُ.

[۲۶۶-] حدثنا مُحمدُ بْنُ مَحْبُوْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِی الْجَعْدِ، عَنْ کُرَیْبٍ مَوْلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَتْ مَیْمُوْنَةُ: وَضَعْتُ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم مَاءً یَغْتَسِلُ بِهِ، فَأَفْرَغَ عَلٰی یَدَیْهِ فَغَسَلَهُمَا مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ أَوْ: ثَلَاثًا، ثُمَّ أَفْرَغَ بِیَمِیْنِهِ عَلٰی شِمَالِهِ فَغَسَلَ مَذَاکِیْرَهُ، ثُمَّ دَلَکَ یَدَهُ بِالْأَرْضِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَیَدَیْهِ، ثُمَّ غَسَلَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ صَبَّ عَلٰی جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحّٰی مِنْ مَقَامِهِ، فَغَسَلَ قَدَمَیْهِ.

اثر: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے وضو کیا، اور چہرہ اور ہاتھ دھوکر اور سر پر مسح کرکے کسی کام میں مصروف ہوگئے، اس کام سے فارغ ہوکر پھر پاؤں دھوئے اس وقت تک چہرہ اور ہاتھ خشک ہو چکے تھے، معلوم ہوا کہ وضو میں موالات شرط نہیں، اور غسل کو اس پر قیاس کریں گے، پس غسل میں بھی موالات شرط نہیں۔

حدیث: باب میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو بار بار آرہی ہے، اس میں ایک جزء یہ ہے کہ آپ ؐ نے غسل سے فارغ ہوکر پیر دھوئے۔ وضو کے ساتھ پیر نہیں دھوئے، یہی اعضاء وضو دھونے میں تفریق کرنا ہے۔

فائدہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، اور کسی بھی طریق میں مسح رأس کا ذکر نہیں، مگر مسح غَسل کی بہ نسبت ادنی ہے، اور اعلیٰ کے ضمن میں ادنی خود بخود آجاتا ہے۔ اس لئے جب آپ ؐ نے سر مبارک پر پانی بہایا تو مسح ہوگیا۔

بابٌ: إِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ، وَمَنْ دَارَ عَلٰى نِسَائِهِ فِيْ غُسْلٍ وَاحِدٍ

غسل کئے بغیر دوبارہ صحبت کرنا یا دوسری بیوی سے صحبت کرنا جائز ہے

صحبت کرنے کے بعد غسل کئے بغیر اور شرم گاہ دھوئے بغیر معاودت جائز ہے، یعنی اسی بیوی سے یا دوسری بیوی سے دوبارہ صحبت کرنا جائز ہے، بہ الفاظ دیگر: عورت کے جسم میں ناپاک عضو داخل کرنا جائز ہے۔ ایک شخص نے پیشاب کیا، اور استنجا نہیں کیا اور صحبت کی تو اس میں کچھ حرج نہیں ——— احادیث پڑھنے سے پہلے چند باتیں ذہن نشین کرلیں۔

پہلی بات: جس شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اس پر ان کے درمیان باری مقرر کرنا واجب ہے، اور ایک کی باری میں اس کی اجازت کے بغیر دوسری بیوی سے صحبت کرنا جائز نہیں، یہ حکم حضر کا ہے سفر کا نہیں۔ اور آنحضور ﷺ پر باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ﴾ میں اس کا بیان ہے۔ البتہ آپ ؐ نے از خود ازواج کے درمیان باری مقرر کررکھی تھی۔

دوسری بات: جب آپ ؐ کسی لمبے سفر سے لوٹتے تو تمام ازواج سے ملتے تاکہ سب کا حق ادا ہوجائے پھر باری مقرر فرماتے۔ اس لئے کہ لمبے سفر سے لوٹنے کے بعد جس طرح مرد کو عورت کی خواہش ہوتی ہے عورت بھی مرد کی منتظر ہوتی ہے۔ غزوۂ تبوک سے مراجعت کے بعد آپ ؐ نے تمام ازواج سے صحبت فرمائی ہے اور ہر صحبت کے بعد غسل فرمایا ہے، اور حجۃ الوداع میں احرام باندھنے سے قبل اور احرام کھولنے کے بعد بھی تمام ازواج سے صحبت فرمائی ہے، اس لئے کہ احرام سے قبل اور احرام کے بعد جس طرح مرد کے لئے صحبت کرنا مسنون ہے عورت کے لئے بھی مسنون ہے۔ چنانچہ آپ ؐ نے تمام ازواج سے صحبت فرمائی اور آخر میں ایک غسل فرمایا کیونکہ یہ سفر کا موقعہ تھا، سفر میں پانی تھوڑا ہوتا ہے۔

تیسری بات: احرام شروع کرنے سے پہلے سر، ڈاڑھی یا بدن میں خوشبو لگانے کا کیا حکم ہے؟ حضرت ابن عمرؓ اس کو ناجائز کہتے تھے۔ جب یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوئی تو آپ نے اس کی تردید کی اور فرمایا: ذوالحلیفہ میں احرام شروع کرنے سے پہلے میں نے خود نبی ﷺ کے خوشبو لگائی ہے اور آپ ؐ کی مانگ میں خوشبو بھری ہے، جو کئی دنوں تک آپ ؐ کی مانگ میں چمکتی رہی، اس میں سے خوشبو آتی تھی، پس اس کو ناجائز کیسے کہہ سکتے ہیں؟!

چوتھی بات: کسی نے احرام کی چادر میں خوشبو لگائی پھر احرام شروع کیا پس جب تک وہ چادر بدن پر رہے گی کوئی مضائقہ نہیں، مگر بدن سے الگ کرنے کے بعد دوبارہ اس کو اوڑھنا جائز نہیں، ورنہ جنایت لازم آئے گی، اسی طرح بدن پر خوشبو لگائی پھر احرام شروع کیا تو مضائقہ نہیں، مگر اس خوشبو سے چادر خوشبودار ہوگئی تو اس چادر کو بدن سے جدا کرنے کے بعد دوبارہ اوڑھنا جائز نہیں ورنہ جنایت لازم آئے گی۔

[۱۲-] بابٌ: إِذَا جَامَعَ ثُمَّ عَادَ، وَمَنْ دَارَ عَلٰى نِسَائِهِ فِيْ غُسْلٍ وَاحِدٍ

[۲۶۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، وَيَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ ابْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: ذَكَرْتُهُ لِعَائِشَةَ، فَقَالَتْ: يَرْحَمُ اللّٰهُ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! كُنْتُ أُطَيِّبُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَيَطُوْفُ عَلٰى نِسَائِهِ، ثُمَّ يُصْبِحُ مُحْرِمًا يَنْضَخُ طِيْبًا [انظر: ۲۷۰]

حدیث (۱): محمد بن المنتشر کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہؓ سے یہ بات ذکر کی تو انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوعبد الرحمٰن (ابن عمر) پر رحم فرمائیں! میں نبی ﷺ کے خوشبو لگاتی تھی، پس آپؐ تمام بیویوں کے پاس تشریف لے جاتے، پھر صبح کرتے احرام کی حالت میں یعنی صبح میں احرام باندھتے، درانحالیکہ خوشبو آپؐ کے بدن سے مہک رہی ہوتی تھی۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک احرام سے پہلے ایسی خوشبو لگانا جس کا اثر احرام کے بعد تک باقی رہے جائز نہیں تھا، جب محمد بن المنتشر نے یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتائی تو انھوں نے اس کی تردید کی اور فرمایا: اللہ ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائیں، میں نے خود نبی ﷺ کو احرام سے پہلے خوشبو لگائی ہے، جو احرام کے بعد بھی آپؐ کے بدن سے پھوٹ رہی تھی، پس اس کو ناجائز کیسے کہہ سکتے ہیں؟

اس موقع پر آپؐ نے تمام ازواج سے صحبت فرمائی تھی اور آخر میں ایک غسل فرمایا تھا اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا مدعی ہے کہ ایک مرتبہ صحبت کرنے کے بعد غسل کرنے سے پہلے اسی بیوی سے یا دوسری بیوی سے صحبت کرنا جائز ہے۔

[۲۶۸-] حدثنا محمدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَدُوْرُ عَلٰى نِسَائِهِ فِيْ السَّاعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَهُنَّ إِحْدَى عَشْرَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: أَوَ كَانَ يُطِيْقُهُ؟ قَالَ: كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ أُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلاَثِيْنَ.

وَقَالَ سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ: إِنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ: تِسْعُ نِسْوَةٍ. [انظر: ۲۸۴، ۵۰۶۸، ۵۲۱۵]

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ رات اور دن کی ایک گھڑی میں اپنی تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے تھے، اور ازواج گیارہ تھیں، راوی کہتا ہے: میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا: کیا آپؐ اس کی طاقت

رکھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہم (صحابہ) آپس میں باتیں کرتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔

تشریح:

۱- آنحضور ﷺ نے دن میں بھی ایک وقت میں تمام ازواج مطہرات سے صحبت فرمائی ہے اور رات میں بھی، غزوۂ تبوک سے مراجعت کے بعد دن میں تمام ازواج سے مجامعت فرمائی ہے، اور ہر بیوی کے یہاں غسل فرمایا ہے، طحاوی (۱:۹۸) میں اس کی صراحت ہے، اور ذوالحلیفہ والی رات میں بھی تمام ازواج سے مجامعت فرمائی ہے اور آخر میں ایک غسل فرمایا ہے۔

۲- الساعة الواحدة سے عرفی ساعت مراد نہیں بلکہ تھوڑا وقت مراد ہے، یعنی تھوڑے وقت میں تمام ازواج سے مجامعت فرمائی، اور ظاہر ہے تھوڑے وقت میں تمام ازواج سے مجامعت اسی وقت ممکن ہے جب کہ آخر میں ایک غسل کیا ہو، ہر صحبت کے بعد غسل نہ کیا ہو، ورنہ اس کے لئے زیادہ وقت درکار ہوگا، پس باب ثابت ہوا کہ ایک مرتبہ مجامعت کے بعد غسل کئے بغیر معاودت جائز ہے اور دوسری بیوی سے بھی صحبت جائز ہے۔

۳- اس حدیث کو قتادہ رحمہ اللہ سے ہشام نے بھی روایت کیا ہے اور سعید بن ابی عروبہ نے بھی، ہشام کی روایت میں ازواج مطہرات کی تعداد گیارہ ہے اور سعید کی روایت میں نو، اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ نبی ﷺ کے نکاح میں ایک وقت میں نو سے زیادہ بیویاں جمع نہیں ہوئیں، اور حضرت ہشام کی روایت کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ نو ازواج مطہرات تھیں اور دو باندیاں تھیں، جن کے نام ماریہ قبطیہ اور ریحانہ تھے، پس تعداد گیارہ ہوگئی (۱)

۴- حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے حیرت سے پوچھا کہ کیا نبی ﷺ میں اتنی طاقت تھی کہ ایک وقت میں نو ازواج سے صحبت فرمائیں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صحابہ میں یہ چرچا تھا کہ آپ کو تیس آدمیوں کی طاقت دی گئی تھی، اور صحیح اسماعیلی کی روایت میں چالیس جنتی مردوں کے برابر قوت کا ذکر ہے، اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ جنت کے ایک مرد کی طاقت دنیا کے سو آدمیوں کے برابر ہے، اس حساب سے نبی ﷺ کو چار ہزار مردوں کے برابر قوت دی گئی تھی، مگر اس کے باوجود آپ نے پچیس سال کی عمر تک کوئی نکاح نہیں فرمایا، جو شباب اور امنگوں کے اصلی دن ہیں، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا جن کی عمر ڈھل چکی تھی، اور دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں، پھر ترپن سال تک اسی ایک بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی، پھر چند اور نکاح فرمائے وہ بھی اپنی ضرورت سے نہیں بلکہ ملّی، ملکی اور شخصی ضرورت سے جس کی تفصیل

(۱) آپ ﷺ نے دو باندیوں کو بیوی کے طور پر رکھا تھا وہ سرّیّات کہلاتی ہیں: (۱) حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا (متوفیہ ۱۶ھ) آپؓ رسول اللہ ﷺ کی ام ولد ہیں، ذوالحجہ ۸ھ میں حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ آپ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، مُقَوقِسْ (شاہ مصر) نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے ساتھ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا، آپ عالیہ (مدینہ کے بالائی حصہ) میں رہتی تھیں (۲) حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا: بنو نضیر یا بنو قریظہ کے سبایا میں سے تھیں، حضور ﷺ نے آپ کو بھی حجاب میں رکھا تھا، آپؓ کا انتقال حجۃ الوداع کے بعد ۱۰ھ میں حضور ﷺ کی حیات ہی میں ہو گیا تھا۔

'علمی خطبات' میں ہے۔

اور صحابہ کے درمیان جس بات کا چرچا تھا اس کی دلیل بھی یہی واقعہ ہے، یہ واقعہ آپؐ کی آخری زندگی کا ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ کی عمر مبارک تریسٹھ سال ہو چکی تھی جو بڑھاپے کا زمانہ ہے اور وفات سے دو تین ماہ پہلے کا واقعہ ہے۔ اس عمر میں ایک رات میں نو یا گیارہ بیویوں سے صحبت کرنا غیر معمولی قوت کی دلیل ہے، جوان: جوانی میں اتنی مرتبہ جماع نہیں کر سکتا پس اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو غیر معمولی قوت عطا فرمائی تھی۔

علاوہ ازیں: موسم، آب وہوا اور غذا کے تفاوت سے قوت مردمی کا متفاوت ہونا ایک بدیہی امر ہے، عرب میں جا کر کوئی بسے تو چند مہینوں ہی میں اپنے اندر تفاوت محسوس کرے گا، اور ٹھنڈے ملکوں کے باشندے چالیس پچاس سال کی عمر کے بعد کسی قابل نہیں رہتے، اگر ان کی سمجھ میں تعدد ازواج کا مسئلہ نہ آئے تو وہ معذور ہیں، وہ اس ضرورت کو سمجھ ہی نہیں سکتے، رہا یہ مسئلہ کہ امت کے لئے چار کی تحدید اور آپؐ کے لئے عدم تحدید کیوں تھی؟ اس کی وجہ کی طرف اوپر ہم نے اشارہ کیا ہے کہ ملّی، ملکی اور شخصی (بیوی صاحبہ یا اس کے متعلق کی) ضرورت کی وجہ سے عدم تحدید تھی، کیونکہ یہ مصلحتیں تحدید کو قبول نہیں کرتیں، اور چار سے زیادہ ازواج ہونے کی صورت میں ظلم کے اندیشے سے نبی معصوم ہوتا ہے، اس سے ایسا گناہ سرزد نہیں ہو سکتا، اس کی مزید تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۵:۹۹) میں ہے۔

بابُ غَسْلِ الْمَذِيِّ وَالْوُضُوْءِ مِنْهُ

مذی ناپاک اور ناقص وضو ہے

اس باب میں تین مسئلے ہیں: (۱) مذی ناپاک ہے، منی کی طہارت وعدم طہارت میں تو اختلاف ہے مگر مذی کے ناپاک ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (۲) مذی کی تطہیر کے لئے غسل ضروری ہے، منی امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک دھونے سے بھی پاک ہوتی ہے، اور کپڑے پر سے کھرچنے سے بھی، مگر مذی کی تطہیر کے لئے غسل متعین ہے (۳) مذی ناقض وضو ہے، ناقض غسل نہیں، اور یہ سب مسائل اجماعی ہیں اور باب کی حدیث سے تینوں مسائل ثابت ہوتے ہیں، اور حدیث کتاب العلم کے آخر میں گذر چکی ہے۔

[۱۳-] بابُ غَسْلِ الْمَذِيِّ وَالْوُضُوْءِ مِنْهُ

[۲٦۹-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ أَبِيْ حَصِيْنٍ، عَنْ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: كُنْتُ رَجُلاً مَذَّاءً، فَأَمَرْتُ رَجُلاً أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لِمَكَانِ ابْنَتِهِ، فَسَأَلَ، فَقَالَ: "تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ" [راجع: ۱۳۲]

بابُ مَنْ تَطَيَّبَ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَبَقِيَ أَثَرُ الطِّيْبِ

خوشبولگائی پھرنہایا، اورخوشبوکااثرباقی رہاتو کچھ حرج نہیں

اگر بدن پرتیل یاخوشبوملی، پھرغسل کیااوراثرباقی رہ گیاتو کچھ حرج نہیں، اور یہ باب درحقیقت دفع دخل مقدر کے طور پر لایا گیاہے، کسی شخص نے صحبت سے پہلے خوشبولگائی تاکہ نشاط پیداہو، یاغسل جنابت سے پہلے تیل لگایاتاکہ بدن میں تری آئے تو تیل پانی کو بدن تک پہنچنے نہیں دے گااس لئے غسل بھی نہیں ہوگا، اس وہم کودورکرنے کے لئے یہ باب لائے ہیں کہ غسل صحیح ہوگا، اس لئے کہ جنابت نجاست حکمی ہے، وہ نہ خوشبومیں سرایت کرتی ہے نہ تیل میں، اورخوشبواورتیل پانی کو بدن تک پہنچنے سے روکتے بھی نہیں اس لئے غسل صحیح ہے۔

البتہ اگرکوئی ایسی چیز لگائے جس کی پرت جمتی ہے جیسے عورتیں ناخن پالش لگاتی ہیں، اس کی ناخن پر پرت جمتی ہے، اس کوکھرچے بغیرغسل ووضوصحیح نہیں ہوگا، اوروہ چیزیں جن کی پرت نہیں جمتی صرف رنگ چڑھتاہے جیسے مہندی کارنگ تووہ وضواورغسل کے لئے مانع نہیں۔

[۱۴-] بابُ مَنْ تَطَيَّبَ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَبَقِيَ أَثَرُ الطِّيْبِ

[۲۷۰-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، وَذَكَرْتُ لَهَا قَوْلَ ابْنِ عُمَرَ: مَا أُحِبُّ أَنْ أُصْبِحَ مُحْرِمًا أَنْضَخُ طِيْبًا! فَقَالَتْ عَائِشَةُ: أَنَا طَيَّبْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ طَافَ فِيْ نِسَائِهِ، ثُمَّ أَصْبَحَ مُحْرِمًا. [راجع: ۲۶۷]

[۲۷۱-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِيْ إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَى وَبِيْصِ الطِّيْبِ فِيْ مَفْرِقِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُحْرِمٌ.

[انظر: ۱۵۳۸، ۵۹۱۸، ۵۹۲۳]

حدیث: محمد بن المنتشر کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیااورآپؓ سے حضرت ابن عمرؓ کا قول ذکرکیاکہ وہ فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پسندنہیں کہ میں احرام کی حالت میں صبح کروں درانحالیکہ میرے بدن سے خوشبو پھوٹ رہی ہو۔ یعنی ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ احرام سے پہلے ایسی خوشبولگاناجائزنہیں جس کااثربعدمیں باقی رہے۔ صدیقہؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے خوشبولگائی، پھرآپؐ تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے، پھرصبح میں احرام شروع فرمایا۔

اوردوسری حدیث میں صدیقہؓ فرماتی ہیں گویامیں دیکھ رہی ہوں نبی ﷺ کی مانگ میں خوشبوکی چمک درانحالیکہ آپ محرم تھے، یعنی احرام شروع کرنے سے قبل رات میں میں نے آپؐ کوخوشبولگائی تھی اورآپؐ کی مانگ میں خوشبوبھری تھی، جو

احرام کے بعد بھی آپؐ کی مانگ میں چمک رہی تھی، وہ منظر آج تک میری نظروں کے سامنے ہے، پس ابن عمرؓ کی بات صحیح نہیں۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذوالحلیفہ والی رات میں آپؐ کے خوشبو لگائی تھی اور آپؐ کی مانگ میں خوشبو بھری تھی، پھر آپؐ نے تمام ازواج سے صحبت فرمائی، اور آخر میں ایک غسل فرمایا، پھر صبح میں احرام شروع فرمایا، احرام سے پہلے خوشبو نہیں لگائی، اور احرام کے بعد بھی آپؐ کے بدن مبارک سے خوشبو پھوٹ رہی تھی اور مانگ میں خوشبو نظر آرہی تھی۔ معلوم ہوا کہ خوشبو میں جنابت سرایت نہیں کرتی، اور غسل جنابت کے بعد خوشبو کا اثر جسم پر باقی رہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، غسل صحیح ہے۔ اور دلک یعنی رگڑ کر بدن دھونے کی عدم فرضیت بھی ثابت ہوئی، اگر آپؐ خوب رگڑ کر نہاتے تو مانگ میں خوشبو نظر نہ آتی، جبکہ وہ نظر آرہی تھی، معلوم ہوا کہ دلک فرض نہیں۔

بابُ تَخْلِيْلِ الشَّعْرِ، حتّٰى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوَى بَشَرَتَهُ أَفَاضَ عَلَيْهِ

بالوں میں خلال کرنا، پھر جب بالوں کی جڑیں تر ہوجائیں تو سر پر پانی ڈالنا

اگر سر پر بال بڑے ہوں تو غسل جنابت میں پہلے انگلیاں بھگا کر بالوں کی جڑوں میں خلال کرنا چاہئے، اور جڑوں کو تر کرنا چاہئے، پھر نہانا شروع کرے۔ جاننا چاہئے کہ وضو میں گھنی ڈاڑھی میں خلال کرنا مستحب ہے، مگر غسل جنابت میں بالوں میں خلال کرنا مستحب نہیں، کیونکہ ڈاڑھی میں خلال فی نفسہ مطلوب ہے پس وہ مستحب ہے اور بالوں میں خلال فی نفسہ مطلوب نہیں، بلکہ بالوں کی جڑوں کو تر کرنے کے مقصد سے خلال کرنے کا حکم ہے، پس وہ مستحب نہیں، اگر کسی اور طریقہ سے بالوں کی جڑیں تر ہوجائیں اور جڑیں خشک رہنے کا احتمال نہ رہے تو کافی ہے خلال ضروری نہیں۔ جیسے ہمارے علاقہ میں خدا کے فضل سے پانی بہت ہے، نہانے والا مگّے بھر بھر کر سر پر ڈالتا ہے اور بالوں کی جڑوں کے خشک رہ جانے کا کوئی احتمال نہیں رہتا اس لئے بالوں میں کوئی خلال نہیں کرتا، اور نہ کوئی یہ مسئلہ جانتا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ بالوں میں خلال فی نفسہ مطلوب نہیں اسی لئے حضرت رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ قائم کیا کہ بالوں کی جڑوں میں خلال کرو، یہاں تک کہ غالب گمان ہوجائے کہ کھال نے پانی پی لیا، یعنی جڑیں تر ہوگئیں تو نہانا شروع کرے، یعنی خلال کا مقصد بالوں کی جڑوں کو تر کرنا ہے وہ فی نفسہ مطلوب نہیں۔

[۱۵-] بابُ تَخْلِيْلِ الشَّعْرِ، حتّٰى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوَى بَشَرَتَهُ أَفَاضَ عَلَيْهِ

[۲۷۲-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَيْهِ، وَتَوَضَّأَ وُضُوْءَ هُ لِلصَّلاَةِ، ثُمَّ اغْتَسَلَ، ثُمَّ تَخَلَّلَ بِيَدِهِ شَعْرَهُ، حتّٰى إِذَا ظَنَّ أَنَّهُ قَدْ أَرْوَى بَشَرَتَهُ أَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ ثَلاَثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ. [راجع: ۲۴۸]

[۲۷۳-] وَقَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ نَغْرِفُ مِنْهُ جَمِيْعًا.
[راجع: ۲۵۰]

وضاحت: یہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جو بار بار آرہی ہے اور یہاں اس میں تقدیم وتاخیر ہے، پہلے آپؐ نے خلال کیا اور بالوں کی جڑوں کو تر کیا، پھر غسل فرمایا۔ یا اغتسل: أراد أن يغتسل کے معنی میں ہے کہ جب آپؐ غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو پہلے بالوں میں خلال فرماتے .... اور **نغرف منه جميعا** کا مطلب ہے: ہم دونوں ہی اس برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی لیتے تھے۔

بابُ مَنْ تَوَضَّأَ فِي الْجَنَابَةِ، ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ، وَلَمْ يُعِدْ غَسَلَ مَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهُ مَرَّةً أُخْرَى

غسل جنابت کے شروع میں وضو کیا، پھر سارا بدن دھویا، اور اعضاء وضو کو دوبارہ نہیں دھویا تو غسل درست ہے

گذشتہ باب میں یہ مسئلہ تھا کہ غسل جنابت میں بالوں میں خلال کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اب اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ غسلِ جنابت سے پہلے وضو کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے غسل جنابت کیا، پھر باقی بدن کو دھویا (سائر کے دو معنی ہیں: سارا اور باقی۔ یہاں دوسرے معنی ہیں، اور قرینہ اگلا جملہ ہے) اور اعضائے وضو دوبارہ نہیں دھوئے تو بھی غسل صحیح ہے۔

غسل جنابت میں وضو مستقلاً مطلوب ہے یا تبعاً للغسل مطلوب ہے؟ ایک رائے یہ ہے کہ مستقلاً مطلوب ہے، پس وضو غسل جنابت کا جزء نہیں ہوگا، اور غسل کے وقت اعضاء وضو پر دوبارہ پانی بہانا ہوگا۔

مگر امام بخاری رحمہ اللہ اس رائے سے متفق نہیں۔ حضرت کے نزدیک غسل جنابت کے شروع میں جو وضو ہے، وہ تبعاً للغسل ہے، یعنی اعضاء وضو کی شرافت کی وجہ سے وضو کا حکم ہے، اور وہ وضو غسل جنابت کا جزء ہے، یہی جمہور کی رائے ہے، پس اگر غسل جنابت میں ان اعضاء پر دوبارہ پانی نہیں بہایا تو بھی غسل صحیح ہوگا۔

[۱۶-] بابُ مَنْ تَوَضَّأَ فِي الْجَنَابَةِ، ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ، وَلَمْ يُعِدْ غَسَلَ مَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهُ مَرَّةً أُخْرَى

[۲۷۴-] حدثنا يُوْسُفُ بْنُ عِيْسَى، قَالَ: أَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: أَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ كُرَيْبٍ

مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ، قَالَتْ: وَضَعَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم وَضُوْءَ الْجَنَابَةِ، فَأَكْفَأَ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى يَسَارِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاثًا، ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ، ثُمَّ ضَرَبَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ أَوِ الْحَائِطِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثلاثًا، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلٰى رَأْسِهِ الْمَاءَ، ثُمَّ غَسَلَ جَسَدَهُ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ، قَالَتْ: فَأَتَيْتُهُ بِخِرْقَةٍ، فَلَمْ يُرِدْهَا، فَجَعَلَ يَنْفُضُ بِيَدِهِ. [راجع: ۲۴۹]

وضاحت: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے غسل کا پانی خود رکھا، جبکہ پہلے یہ بات گذری ہے کہ حضرت میمونہؓ نے پانی رکھا تھا، یہ تعارض نہیں اس لئے کہ خادم کا عمل مخدوم کا عمل سمجھا جاتا ہے............اور حدیث کا باب کے ساتھ جوڑ یہ ہے کہ بدن دھونے کا وضو کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے۔ پہلے اعضاء وضو دھونے کا ذکر ہے، پھر بدن دھونے کا، اس مقابلہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ باقی جسم دھویا ہے سارا جسم نہیں دھویا، ورنہ تقابل نہیں رہے گا۔

اور دوسری تطبیق یہ ہے کہ اگر غسل جنابت میں وضو مستقلاً مطلوب ہوتا تو آپؐ وضو میں پاؤں بھی دھوتے، ان کا غسل مؤخر نہ کرتے، اگر یہ کہا جائے کہ جہاں آپؐ نے غسل فرمایا تھا وہاں غسالہ جمع ہو رہا ہوگا اس لئے پیر دھونے کو مؤخر کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وضو بالذات مقصود ہوتا تو آپؐ وضو میں بھی پیر دھوتے اور غسالہ جمع ہونے کی وجہ سے بعد میں بھی دھوتے، دوبارہ پیر دھونے میں دشواری کیا تھی؟ مگر آپؐ نے ایسا نہیں کیا، معلوم ہوا کہ غسل جنابت میں وضو مستقل مطلوب نہیں، تبعاً اور ضمناً مطلوب ہے۔

قوله: فجعل ينفض بيده: یہ جملہ پہلے (حدیث ۲۵۹) بھی گذرا ہے، وہاں یہ بتایا تھا کہ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک: ہاتھ کے اشارہ سے منع کیا کہ تولیہ نہیں چاہئے، دوسرا: ہاتھ سے بدن پر سے پانی جھاڑا، پہلے جو الفاظ گذرے ہیں ان سے پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے، اور یہاں جو الفاظ ہیں ان سے دوسرے معنی کی تائید ہوتی ہے اور یہی صحیح ہے۔

بابٌ: إِذَا ذَكَرَ فِي الْمَسْجِدِ أَنَّهُ جُنُبٌ خَرَجَ كَمَا هُوَ وَلَا يَتَيَمَّمُ

مسجد میں یاد آیا کہ جنبی ہے تو اسی حال میں نکل جائے، تیمّم نہ کرے

عربی میں بعض افعال ایسے ہیں جن کے ماضی مضارع ایک ہیں اور مصدر مختلف، اور مصدر کے اختلاف سے معنی بدلتے ہیں۔ جیسے دَخَلَ يَدْخُلُ دُخُوْلاً: کے معنی ہیں: کسی چیز کے اندر جانا، اور دَخل يَدْخُلُ دَخلاً کے معنی ہیں: دَغل فصل کرنا، چار سو بیسی کرنا، اسی طرح ذَكَرَ يَذْكُرُ ذِكْرًا کے معنی ہیں: اللہ کا ذکر کرنا، اللہ کو یاد کرنا۔ اور ذَكَرَ يَذْكُرُ ذُكْرًا کے معنی ہیں: بھولی ہوئی بات یاد کرنا، باب میں ذَكَرَ: ذُكْرًا سے ہے، یعنی ایک آدمی بھول گیا کہ وہ جنبی ہے اور وہ مسجد میں چلا گیا، پھر اسے جنبی ہونا یاد آیا تو کیا کرے؟ فوراً نکل جائے یا دیوار وغیرہ پر تیمّم کر کے نکلے؟ یہ مسئلہ منصوص نہیں، اجتہادی ہے اور ہر فقیہ کی رائے الگ ہے، میں ان میں سے چند ضروری آراء ذکر کرتا ہوں، اصل تو ہمیں احناف کا مذہب جاننا ہے اور امام بخاری

رحمہ اللہ کی رائے کو سمجھنا ہے۔

اوراس مسئلہ کے ساتھ اور بھی مسائل ملحق ہیں، مثلاً: مسجد میں سویا تھا کہ احتلام ہوگیا، یا ڈول رسّی مسجد کے اندر ہیں اور کوئی لاکر دینے والا نہیں، اور طہارت حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں، یا مسجد میں سے گذرنا ہے، دوسرا کوئی راستہ نہیں تو امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر مسجد سے باہر جنابت لاحق ہوئی ہے تو تیمّم کرکے مسجد میں جائے اور ڈول رسّی لائے یا مسجد میں سے گذرے اور مسجد کے اندر جنابت لاحق ہوئی ہے تو مسجد کی مٹی کے علاوہ سے تیمّم کرے، مسجد کے فرش اور دیوار پر تیمّم کرنا جائز نہیں، اور مسجد کے علاوہ کوئی تیمّم کا سامان نہ ہو تو فوراً نکل جائے، حالت جنابت میں مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں۔ البتہ اعذار کی صورتیں مستثنیٰ ہیں، مثلاً باہر کرفیو لگا ہوا ہے، یا سردی سخت ہے، ٹھنڈے ملکوں میں مسجد گرم رکھی جاتی ہے، اور معقول انتظام کے بغیر باہر نکلنے میں جان کا خطرہ ہوتا ہے تو مسجد میں ٹھہر سکتا ہے، یہ حنفیہ کی رائے ہے۔

اورامام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد سے گذرنے کی اجازت ہے ٹھہرنے کی اجازت نہیں، ان کے نزدیک تیمّم کے بغیر بھی مسجد سے گذر سکتا ہے اور ڈول رسّی لے سکتا ہے، البتہ مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں۔

اورامام بخاری رحمہ اللہ مطلقاً عدم جواز کے قائل ہیں، جنبی کے لئے نہ عبور کی اجازت ہے نہ ٹھہرنے کی۔ وہ فرماتے ہیں: اگر جنبی مسجد سے باہر ہے تو اندر جانا جائز نہیں، اور بھول کر چلا گیا تو فوراً نکل آئے۔ حدیث شریف میں یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے، تکبیر اور صفیں درست ہوگئیں اچانک آپؐ نے فرمایا: اپنی جگہ رہو، اور آپؐ گھر میں تشریف لے گئے، اور نہا کر تشریف لائے اس حال میں کہ بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا، آپؐ نے نماز پڑھائی اور فرمایا: میں جنبی تھا، مجھے غسل کرنا یاد نہیں رہا، میں بھول گیا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس سے استدلال یہ ہے کہ آپؐ بھول سے مسجد میں آگئے، پھر جب یاد آیا تو تیمم نہیں کیا بلکہ فوراً مسجد سے نکل گئے اور غسل کرکے تشریف لائے، معلوم ہوا کہ مسجد میں جنبی کے لئے تیمّم کی مقدار بھی ٹھہرنا جائز نہیں۔

غرض امام بخاری رحمہ اللہ کی دلیل باب کی حدیث ہے مگر شارحین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ نبی ﷺ کی خصوصیت تھی، ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''اس مسجد میں میرے اور تیرے علاوہ کسی کے لئے جنبی ہونا جائز نہیں'' (ترمذی حدیث ۳۷۵۶) پس اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔

مگر یہ اعتراض صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ حدیث غایت درجہ ضعیف ہے بلکہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس کو موضوعات میں لیا ہے۔ اس کا ایک راوی عطیہ عوفی: شیعہ تھا اور مدلس تھا اور حدیث میں بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا۔ اس سے یہ حدیث دو شخص روایت کرتے ہیں، کثیر بن اسماعیل النَّوّاء: یہ غالی شیعہ اور ضعیف راوی تھا۔ دوسرا: سالم بن ابی حفصہ عجلی ابو یونس کوفی: یہ بھی غالی شیعہ تھا، اس لئے یہ روایت یا تو موضوع ہے یا غایت درجہ ضعیف ہے۔ اور امام بخاریؒ اس حدیث سے ناواقف بھی نہیں، امام بخاریؒ نے امام ترمذیؒ سے جو دو حدیثیں سنی ہیں جو ترمذی میں ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے، اور اس کو

انتہائی درجہ ضعیف قرار دیا ہے پس اس سے نہ استدلال ہوسکتا ہے اور نہ کوئی خصوصیت ثابت ہوسکتی ہے۔

غرض اگر جنبی بھول کر مسجد میں چلا گیا تو کوئی حرج نہیں، رُفع عن أمتی الخطأ و النسیان: مگر یاد آتے ہی امام بخاریؒ کے نزدیک فوراً نکل جانا ضروری ہے، تیمّم کے بقدر بھی مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں، نبی ﷺ یاد آتے ہی فوراً نکل گئے تھے، آپؐ نے تیمّم نہیں کیا تھا، یہی رائے امام شافعی رحمہ اللہ کی بھی ہے، ان کے نزدیک عبور کی اجازت ہے لبث کی نہیں، اور حنفی بھی فوراً نکل جائے گا کیونکہ مسجد میں عام طور پر مسجد کی مٹی کے علاوہ کوئی چیز تیمّم کے لئے نہیں ہوتی، پس تمام رائیں تقریباً ایک ہوگئیں البتہ داؤد ظاہری اور امام مزنی (یہ امام شافعیؒ کے خاص شاگرد ہیں) کے نزدیک ہر حال میں مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے، غیر مقلدین اسی کے قائل ہیں۔

[١٧-] بابٌ: إِذَا ذَكَرَ فِيْ الْمَسْجِدِ أَنَّهُ جُنُبٌ خَرَجَ كَمَا هُوَ وَلاَ يَتَيَمَّمُ

[٢٧٥-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: ثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: أَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: أُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ، وَعُدِّلَتِ الصُّفُوْفُ قِيَامًا، فَخَرَجَ إِلَيْنَا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَلَمَّا قَامَ فِيْ مُصَلاَّهُ ذَكَرَ أَنَّهُ جُنُبٌ، فَقَالَ لَنَا: "مَكَانَكُمْ" ثُمَّ رَجَعَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ، فَكَبَّرَ فَصَلَّيْنَا مَعَهُ - تَابَعَهُ عَبْدُ الأَعْلٰى، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَرَوَاهُ الأَوْزَاعِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

[انظر: ٦٣٩، ٦٤٠]

باب کا ترجمہ: جب مسجد میں یاد آیا کہ وہ جنبی ہے تو اسی حال میں نکل جائے اور تیمّم نہ کرے.......... **حدیث کا ترجمہ:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نماز کے لئے اقامت کہی گئی اور صفیں بالکل سیدھی کرلی گئیں پس نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، جب آپؐ اپنی نماز کی جگہ میں کھڑے ہوئے تو آپؐ کو یاد آیا کہ آپؐ جنبی ہیں، آپؐ نے ہم سے فرمایا: اپنی جگہ رہو (یعنی مسجد ہی میں رہو، کھڑے رہنا ضروری نہیں) پھر آپؐ لوٹ گئے اور غسل فرما کر ہمارے پاس آئے اس حال میں کہ سر سے پانی ٹپک رہا تھا، آپؐ نے تکبیر کہی اور ہم نے آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔

تشریح:

۱- **قیامًا:** ترکیب میں کیا واقع ہے؟ شارحین نے مختلف باتیں کہی ہیں، میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ **مفعول مطلق ہے من غیر لفظہ**۔ اور تاکید کے لئے آیا ہے، یعنی صفیں بالکل درست کردی گئیں "بالکل" **مفعول مطلق** کا ترجمہ ہے..........

مکانَکم: أی الزموا مکانکم: اپنی جگہ برقرار رہو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھڑے رہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ مسجد میں رہو۔

۲- اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ تکبیر نہیں کہی گئی، جو تکبیر پہلے کہی گئی تھی اسی سے نماز پڑھائی، اور اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان زیادہ فصل ہوجائے تو تکبیر کا اعادہ کرنا چاہئے، اور زیادہ فصل نہ

ہوا ہو تو اعادہ کی ضرورت نہیں، اور کم وبیش کا فیصلہ رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دیا جائے گا۔

۳-عبدالاعلی: عثمان بن عمر کے متابع ہیں وہ بھی بواسطہ معمر امام زہری رحمہ اللہ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، اور اوزاعی نے بھی زہری سے اس کو روایت کیا ہے۔

بابُ نَفْضِ الْيَدَيْنِ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ

غسل جنابت کے بعد ہاتھوں کو جھاڑنا

اس باب میں ماء مستعمل کی طہارت کا مسئلہ ہے۔ ماء مستعمل پاک تو ہے مگر مطہّر ہے یا نہیں؟ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مطہر بھی ہے، دوسرے فقہاء مطہر نہیں مانتے، البتہ ماء مستعمل کے طاہر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، جاننا چاہئے کہ جب تک پانی عضو پر چلتا ہے مستعمل نہیں ہوتا، عضو سے منفصل ہونے کے بعد مستعمل ہوتا ہے، لہٰذا نہانے کے بعد بدن پر جو پانی ہے وہ مستعمل نہیں، پھر جب آپؐ نے بدن پر سے پانی جھاڑا تو وہ مستعمل ہوگیا، وہ پاک ہے اگر وہ کپڑے وغیرہ پر گرے تو کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔

[۱۸-] بابُ نَفْضِ الْيَدَيْنِ مِنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ

[۲۷۶-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَنَا أَبُوْ حَمْزَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْأَعْمَشَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِيْ الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَتْ مَيْمُوْنَهُ: وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم غُسْلاً، فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ، وَصَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ، فَغَسَلَ فَرْجَهُ، فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَهَا، ثُمَّ غَسَلَهَا، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ صَبَّ عَلٰى رَأْسِهِ، وَأَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، فَنَاوَلْتُهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ [راجع: ۲۴۹]

وضاحت: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بار بار آرہی ہے، یہاں اس جزء سے استدلال ہے کہ نبی ﷺ نے غسل جنابت کے بعد تولیہ نہیں لیا اور ہاتھوں سے بدن پر سے پانی جھاڑا۔ ظاہر ہے وہ ماء مستعمل تھا اگر وہ کسی پاک چیز پر گرے تو وہ چیز ناپاک نہیں ہوگی، کیونکہ ماء مستعمل پاک ہے۔

بابُ مَنْ بَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ فِيْ الْغُسْلِ

غسل میں سر کی دائیں جانب سے شروع کرنا

غسل میں لب بھر کر سر پر پانی ڈالیں تو یمین ویسار نہیں ہوگا، اسی طرح نل کھول کر اس کے نیچے کھڑے ہو جائیں تو بھی

یمین ویسار نہیں ہوگا، اور چلو بھر کر پانی ڈالیں تو یمین ویسار کا لحاظ کرنا چاہئے۔ پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف پانی ڈالنا چاہئے، یہ اس ترجمہ کا مقصد ہے۔

[۱۹-] بابُ مَنْ بَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ فِيْ الْغُسْلِ

[۲۷۷-] حدثنا خَلَّادُ بْنُ يَحْيىَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ نَافِعٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنَّا إِذَا أَصَابَ إِحْدَانَا جَنَابَةٌ، أَخَذَتْ بِيَدَيْهَا ثَلَاثًا فَوْقَ رَأْسِهَا، ثُمَّ تَأْخُذُ بِيَدِهَا عَلىٰ شِقِّهَا الْأَيْمَنِ، وَبِيَدِهَا الْأُخْرَى عَلىٰ شِقِّهَا الْأَيْسَرِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب ہم میں سے کسی کو جنابت لاحق ہوتی تو وہ تین بار لب بھر کر سر پر پانی ڈالتی، پھر ایک ہاتھ سے دائیں طرف اور دوسرے ہاتھ سے بائیں طرف پانی ڈالتی۔

تشریح: اس حدیث میں اگرچہ رأس کا ذکر نہیں، مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں رأس کی قید لگا کر اس طرف اشارہ کیا کہ اس حدیث میں سر دھونے کا بیان ہے، اس لئے کہ بدن دھونے کے لئے چلو بھر کر پانی کافی نہیں۔

میں کہتا ہوں: روایت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جسم کا دایاں بایاں مراد ہے، اور جب پانی ڈالنے کے لئے کوئی برتن نہ ہو اور ہاتھ سے پانی ڈالے تو سر دھونے کے بعد لب بھر کر پانی ڈالے، ظاہر ہے بیک وقت سارے جسم پر پانی نہیں ڈال سکتا پہلے شق ایمن پر پانی ڈالے پھر ایسر پر۔ پس خلاصہ حدیث یہ ہے کہ سر ہو یا جسم اگر وہ صب کرے تو کر سکتا ہے، اس وقت یمین ویسار کی رعایت نہ ہوگی مگر اگر تھوڑا تھوڑا پانی ڈالے تو سر میں بھی یمین ویسار کی رعایت کرے (کما مر فی باب من بدأ بالحلاب) اور جسم میں بھی یمین ویسار کی رعایت کرے کما فی هذا الحديث۔

بابُ مَنِ اغْتَسَلَ عُرْيَانًا وَحْدَهُ فِي الْخَلْوَةِ، وَمَنْ تَسَتَّرَ فَالتَّسَتُّرُ أَفْضَلُ

تنہائی میں ننگے نہانا جائز ہے اور ستر چھپا کر نہانا افضل ہے

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ خلوت میں ننگے نہانا جائز ہے دو پیغمبروں سے ثابت ہے مگر ستر چھپا کر نہانا افضل اور اولیٰ ہے، باب میں ایک معلق اور ایک مرفوع حدیث ہے جس میں دو پیغمبروں کا واقعہ ہے، معلق حدیث سے ستر کی افضلیت ثابت ہوتی ہے اور مرفوع حدیث سے عریاناً غسل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

[۲۰-] بابُ مَنْ اغْتَسَلَ عُرْيَانًا وَحْدَهُ فِي الْخَلْوَةِ، وَمَنْ تَسَتَّرَ فَالتَّسَتُّرُ أَفْضَلُ

وَقَالَ بَهْزٌ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: "اللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ"

یہ حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ابوداؤد شریف میں ہے۔ انھوں نے نبی ﷺ سے پوچھا: عورا تُنا ما نأتِی وما نَذَرُ؟ ہم اپنے ستر میں سے کیا لائیں اور کیا چھوڑیں؟ یعنی کب ننگا ہونا جائز ہے اور کب جائز نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: احفظ عورتك إلا من زوجتك أو ماملكت يمينك: بیوی اور باندی کو چھوڑ کر دیگر جگہوں میں ننگا نہیں ہونا چاہئے، انھوں نے پوچھا: إذا كان أحدنا خاليا؟ جب تنہائی ہو؟ آپؐ نے فرمایا: الله أحق أن يستحيى منه من الناس: لوگوں کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہیں کہ ان سے شرم کی جائے (ابوداؤد حدیث ۴۰۱۷ باب فی التعری) معلوم ہوا کہ تنہائی میں بھی ستر چھپا کر نہانا افضل ہے، اور ننگا نہانا بھی جائز ہے اور اس کی دلیل دو پیغمبروں کے واقعے ہیں جو آگے آرہے ہیں۔

[۲۷۸-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ يَغْتَسِلُوْنَ عُرَاةً، يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ، وَكَانَ مُوْسَى صلى الله عليه وسلم يَغْتَسِلُ وَحْدَهُ، فَقَالُوْا: وَاللّٰهِ مَا يَمْنَعُ مُوْسَى أَنْ يَغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ آدَرُ، فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ، فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلٰى حَجَرٍ، فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ، فَجَمَحَ مُوْسَى فِىْ أَثَرِهِ، يَقُوْلُ: ثَوْبِى يَاحَجَرُ، ثَوْبِىْ يَا حَجَرُ، حَتّٰى نَظَرَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ إِلٰى مُوْسَى قَالُوْا: وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسَى مِنْ بَأْسٍ، وَأَخَذَ ثَوْبَهُ، فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا، فَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: وَاللّٰهِ إِنَّهُ لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ سِتَّةٌ أَوْ سَبْعَةٌ ضَرْبًا بِالْحَجَرِ.

[انظر: ۳۴۰۴، ۴۷۹۹]

[۲۷۹-] وَعَنْ أبى هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" بَيْنَا أَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَجَعَلَ أَيُّوْبُ يَحْتَثِىْ فِىْ ثَوْبِهِ، فَنَادَاهُ رَبُّهُ: يَا أَيُّوْبُ! أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى؟ قَالَ: بَلٰى وَعِزَّتِكَ! وَلٰكِنْ لَاغِنَى بِىْ عَنْ بَرَكَتِكَ"

وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيْمُ، عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ صَفْوَانَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " بَيْنَا أَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا" [انظر: ۳۳۹۱، ۷۴۹۳]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل ننگے نہایا کرتے تھے (نہاتے وقت) ایک دوسرے کو دیکھتے تھے، اور موسیٰ علیہ السلام تنہا نہاتے تھے۔ بنی اسرائیل نے ایک دوسرے سے کہا: بخدا! نہیں روکتی موسیٰ کو ہمارے ساتھ نہانے سے کوئی چیز مگر یہ بات کہ ان کے خصیے پھولے ہوئے ہیں، پس حضرت موسیٰ ایک مرتبہ غسل کرنے کے لئے گئے، آپ نے اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے، وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے، فرما رہے تھے: او پتھر میرے کپڑے! او پتھر میرے کپڑے! یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا پس انھوں نے کہا: خدا کی قسم! موسیٰ علیہ السلام میں کوئی عیب نہیں، اور آپ نے اپنے کپڑے

لئے اور پتھر کو مارنے لگے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: خدا کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مار کی وجہ سے اس پتھر میں چھ یا سات نشان پڑ گئے تھے۔

دوسرا واقعہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: اس درمیان کہ حضرت ایوب علیہ السلام ننگے نہا رہے تھے، اچانک آپ پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں، حضرت ایوبؑ ان کو اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے پس آپ کو آپ کے پروردگار نے پکارا! اے ایوب! کیا میں نے تجھ کو بے نیاز نہیں کیا، اس چیز سے جس کو تو دیکھتا ہے؟ یعنی سونے کی ٹڈیوں سے؟ حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ کی عزت کی قسم! لیکن میں آپ کی برکت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

اور اس حدیث کو ابراہیم نے موسیٰ بن عقبہ سے، انھوں نے صفوان سے، انھوں نے عطاء بن یسار سے، انھوں نے ابو ہریرہ سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا کہ آپؐ نے فرمایا: اس درمیان کہ حضرت ایوبؑ ننگے غسل فرما رہے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں دو واقعے ہیں: پہلا واقعہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ آپ کی قوم بنی اسرائیل ایک دوسرے کے سامنے ننگے نہایا کرتی تھی، مگر آپ خلوت میں غسل فرماتے تھے، اس وجہ سے لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں کہ آپ لوگوں کے سامنے اس لئے نہیں نہاتے کہ آپ کو کوئی بیماری ہے، بعض نے کہا کہ آپ کو اُدرہ کی بیماری ہے، اس بیماری میں خصیوں میں پانی بھر جاتا ہے اور خصیے پھول جاتے ہیں، ایسے شخص سے لوگ گھن کرتے ہیں، اور انبیاء کو کوئی ایسی بیماری نہیں ہوسکتی جس سے لوگ گھن کریں اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی براءت کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ نہانے کے لئے کسی تالاب پر گئے، کپڑے نکال کر ایک پتھر پر رکھے، جب نہا کر کپڑے پہننے کا ارادہ کیا تو پتھر کپڑے لے کر بھاگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے مگر پتھر ہاتھ نہ آیا، اور ایک ایسی جگہ جا کر رکا جہاں بنی اسرائیل بیٹھے تھے، سب نے دیکھا کہ آپ تندرست ہیں، آپ کو کوئی بیماری نہیں۔ حضرت موسیٰ نے جلدی سے کپڑے پہنے اور مارے غصہ کے پتھر کو بجانا شروع کیا، ان کی مار کی وجہ سے پتھر پر چھ یا سات نشان پڑ گئے۔

اور دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام ننگے غسل فرما رہے تھے، اچانک سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں، حضرت ایوبؑ ان کو ایک کپڑے میں جمع کرنے لگے، آواز آئی ہم نے تمہیں بہت مال و دولت سے نوازا ہے پھر بھی تم مال کے لئے اتنے بیتاب ہو؟ حضرت ایوبؑ نے شاندار جواب دیا کہ پروردگار عالم! مال کی مجھے ضرورت نہیں، مگر آپ کے یہاں سے جو برکت آئے اس سے میں کیسے صبر کرسکتا ہوں؟

ان دونوں واقعوں سے استدلال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ایوب علیہما السلام دونوں ننگے نہا رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ ننگے نہانا جائز ہے، اگر یہ حکم گذشتہ شریعت کے لئے خاص ہوتا اور اِس شریعت میں اس کی اجازت نہ ہوتی تو نبی ﷺ اس کی وضاحت فرماتے، مگر آپ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی، معلوم ہوا کہ تنہائی میں ننگے غسل کرنا جائز ہے۔

بابُ التَّسَتُّرِ فِی الْغُسْلِ عِنْدَ النَّاسِ

لوگوں کے سامنے باپردہ نہانا

لوگوں کی موجودگی میں پردہ کے ساتھ غسل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور طلبہ جو لنگی باندھ کر سب کے سامنے نل پر غسل کرتے ہیں یہ صورت اس باب کا مصداق نہیں، یہ بے تمیزی کی بات ہے، اس لئے کہ جب بدن پر پانی پڑے گا اور لنگی بھیگے گی تو بدن سے چپک جائے گی، اور ننگا معلوم ہوگا۔ باب کا مصداق یہ صورت ہے کہ لوگ موجود ہوں اور کوئی پردہ کے پیچھے غسل کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسے گھروں میں بیت الخلاء ہوتے ہیں اور لوگوں کی موجودگی میں آدمی ان میں چھوٹا بڑا استنجاء کرتا ہے، اسی طرح لوگوں کی موجودگی میں غسل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں —— باب میں دو حدیثیں ہیں اور دونوں سے جواز ثابت ہوتا ہے۔

[۲۱-] بابُ التَّسَتُّرِ فِی الْغُسْلِ عِنْدَ النَّاسِ

[۲۸۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِی النَّضْرِ مَوْلٰی عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلٰی أُمِّ هَانِیءٍ بِنْتِ أَبِی طَالِبٍ، أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِیءٍ بِنْتَ أَبِی طَالِبٍ تَقُوْلُ: ذَهَبْتُ إِلٰی رسولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم عَامَ الْفَتْحِ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ، وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ، فَقَالَ: مَنْ هٰذِهِ؟ فَقُلْتُ: أَنَا أُمُّ هَانِیءٍ.

[انظر: ۳۵۷، ۳۱۷۱، ۶۱۵۸]

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی، میں نے آپؐ کو غسل کرتے پایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پردہ کئے ہوئے تھیں، آپؐ نے فرمایا: یہ کون عورت ہے؟ میں نے کہا: میں ام ہانی ہوں۔

تشریح: ام ہانی: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی چچازاد بہن ہیں، ہجرت کرکے مدینہ نہیں آئی تھیں، مکہ ہی میں رہتی تھیں، فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے، اس وقت ام ہانی گھر پر نہیں تھیں، جب وہ گھر آئیں تو دیکھا: آپؐ غسل فرما رہے ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پردہ کئے ہوئے ہیں۔ یہی جزء ترجمہ سے متعلق ہے کہ لوگوں کی موجودگی میں غسل کرنا جائز ہے۔

[۲۸۱-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِی الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ، قَالَتْ: سَتَرْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیه وسلم وَهُوَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهِ عَلٰی شِمَالِهِ، فَغَسَلَ فَرْجَهُ وَمَا أَصَابَهُ، ثُمَّ مَسَحَ بِيَدِهِ عَلَی الْحَائِطِ أَوِ

الْأَرْضِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَضُوْءَ هُ لِلصَّلاةِ غَيْرَ رِجْلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ الْمَاءَ، ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ – تابعَهُ أَبُوْ عَوَانَةَ، وَابْنُ فُضَيْلٍ فِيْ السَّتْرِ. [راجع: ۲٤۹]

وضاحت: یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو پہلے بار بار آئی ہے۔ یہاں یہ بات زائد ہے کہ جب نبی ﷺ غسل فرمارہے تھے تو حضرت میمونہؓ پردہ کئے ہوئے تھیں، گھر میں غلام باندی وغیرہ ہونگے اس لئے پردہ کیا ہوگا اور یہی جزء باب سے متعلق ہے۔ اور اس جزء میں کہ حضرت میمونہؓ نے پردہ کیا، ابوعوانہ اور ابن فضیل نے سفیان کی متابعت کی ہے یعنی ان دونوں کی روایت میں بھی یہ جزء ہے۔

بابٌ إِذَا احْتَلَمَتِ الْمَرْأَةُ

جب عورت کو بدخوابی ہو تو غسل واجب ہے

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ ان کے نزدیک احتلام کی وجہ سے مرد پر غسل واجب ہوتا ہے عورت پر نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان پر رد کر رہے ہیں کہ مرد کو بدخوابی ہو یا عورت کو دونوں پر غسل واجب ہے۔ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا عورت پر غسل ہے جب اس کو احتلام ہو؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں جب وہ پانی دیکھے، یعنی بیدار ہونے کے بعد کپڑے پر منی کی تری دیکھے تو اس پر بھی غسل واجب ہے۔

[۲۲-] بابٌ إِذَا احْتَلَمَتِ الْمَرْأَةُ

[۲۸۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ، أَنَّهَا قَالَتْ: جَاءَ تْ أُمُّ سُلَيْمٍ امْرَأَةُ أَبِيْ طَلْحَةَ إِلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَتْ: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنَّ اللّٰهَ لَايَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ، هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا هِيَ احْتَلَمَتْ؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ" [راجع: ۱۳۰]

ترجمہ: ام سُلیم جو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں، نبی پاک ﷺ کے پاس آئیں اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ حق بات سے شرم نہیں کرتے، کیا عورت پر بھی غسل ہے جب اسے بدخوابی ہو؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں جب وہ پانی دیکھے۔

قوله: إن الله لايستحيي من الحق: ام سُلیمؓ کو شرم کا مسئلہ پوچھنا تھا اس لئے یہ تمہید قائم کی، علماء نے اس جملہ کے دو مطلب بیان کئے ہیں: ایک: شرم والی بات پوچھنے میں اللہ تعالیٰ شرم کرنے کا حکم نہیں دیتے، دوسرا: ضروری بات بیان کرنے

میں اللہ تعالیٰ شرم نہیں کرتے، اگر چہ وہ بات اللہ کے شایانِ شان نہ ہو، مثلاً: مکھی اور مچھر کی مثالیں بھی اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں، یہ مثالیں اللہ کے شایانِ شان نہیں، مگر چونکہ اس پر مسئلہ کا سمجھنا موقوف ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں: ارشاد پاک ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَايَسْتَحْيِیْ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلاً مَّابَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾ پس ضروری بات پوچھنے میں نہ سائل کو شرمانا چاہئے اور نہ مفتی کو جواب دینے میں شرم کرنی چاہئے، یہ تمہید قائم کر کے حضرت ام سلیمؓ نے مسئلہ پوچھا۔

قوله: إذا رأتِ الماء: مرد اگر بیدار ہوکر کپڑے پر منی دیکھے تو غسل واجب ہے خواہ اسے خواب یاد ہو یا نہ ہو، یہی حکم عورت کا ہے، اگر وہ بیدار ہونے کے بعد کپڑے پر تری دیکھے تو اس پر بھی غسل واجب ہے خواہ اسے خواب یاد ہو یا نہ ہو، اور اگر خواب یاد ہو کہ کسی مرد نے اس سے صحبت کی مگر بیدار ہونے کے بعد کپڑے پر تری نہ پائی تو غسل واجب نہیں۔

بابُ عَرَقِ الْجُنُبِ وَأَنَّ الْمُسْلِمَ لَايَنْجُسُ

جنبی کا پسینہ پاک ہے، اور مسلمان ناپاک نہیں ہوتا

اس باب کے دو جزء ہیں، پہلا جزء یہ ہے کہ جنبی کا پسینہ پاک ہے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں تھی، اس لئے باب میں اضافہ کیا کہ مسلمان ناپاک نہیں ہوتا، یعنی جنابت کی وجہ سے مسلمان کا ظاہری بدن ناپاک نہیں ہوتا، جنابت حکمی نجاست ہے، پس جب جنبی کا ظاہری بدن پاک ہے تو اس کا پسینہ بھی پاک ہے۔ جب دوسرا جزء ثابت ہو جائے گا تو پہلا جزء خود بخود ثابت ہو جائے گا۔

[٢٣-] بابُ عَرَقِ الْجُنُبِ وَأَنَّ الْمُسْلِمَ لَايَنْجُسُ

[٢٨٣-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىٰ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرٌ، عَنْ أَبِیْ رَافِعٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَقِيَهُ فِیْ بَعْضِ طَرِيْقِ الْمَدِيْنَةِ وَهُوَ جُنُبٌ، فَانْبَجَسْتُ مِنْهُ، فَذَهَبْتُ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ: أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ: كُنْتُ جُنُبًا فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ وَأَنَا عَلٰى غَيْرِ طَهَارَةٍ، فَقَالَ: "سُبْحَانَ اللّٰهِ، إِنَّ الْمُؤْمِنَ لاَ يَنْجُسُ" [انظر: ٢٥٨]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی نبی ﷺ سے مدینہ کے کسی راستہ میں ملاقات ہوئی درانحالیکہ وہ جنبی تھے، پس میں کھسک گیا اور غسل کر کے آیا، آپؐ نے پوچھا: ابو ہریرہ! کہاں چلے گئے تھے؟ انھوں نے عرض کیا: میں جنبی تھا، پس میں نے ناپاکی کی حالت میں آپؐ کے ساتھ چلنے کو پسند نہیں کیا، پس آپؐ نے فرمایا: سبحان اللہ! (عجیب بات!) مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔

تشریح: نبی ﷺ کا بعض صحابہ کے ساتھ خصوصی معاملہ تھا، مثلاً جب حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ آتے تو

آپؐ مسکراتے، اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابوذرؓ سے خصوصی معاملہ تھا کہ ہر ملاقات پر ان سے مصافحہ کرتے، ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اچانک آنحضور ﷺ سے آمنا سامنا ہوگیا، وہ جنبی تھے، انھوں نے سوچا: نبی ﷺ ان سے مصافحہ کریں گے اور وہ ناپاک ہیں اس لئے وہ کھسک گئے، اور غسل کر کے آئے۔

اور آگے روایت میں آرہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلے جب آپؐ کسی جگہ تشریف فرما ہوئے تو وہ چپکے سے کھسک گئے، اسی طرح کسی روایت میں ہے کہ یہ سفر کا واقعہ ہے، یہ سب واقعہ کے متعلقات ہیں، انہیں زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے۔

جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غسل کر کے آئے تو آپؐ نے پوچھا: کہاں چلے گئے تھے؟ انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جنبی تھا۔ ناپاکی کی حالت میں آپؐ کے ساتھ بیٹھنا نہیں چاہتا تھا، اس لئے غسل کرنے چلا گیا تھا، آپؐ نے فرمایا: سبحان اللہ! مسلمان ناپاک نہیں ہوتا، یعنی جیسا تم نے خیال کیا ہے مسلمان ایسا ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ اس کو نجاست حکمی لاحق ہوتی ہے، اس سے مصافحہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا: مؤمن ناپاک نہیں ہوتا، اس سے ملاقات ہوسکتی ہے، اور غالب یہ ہے کہ مسلمان کے بدن پر کچھ نہ کچھ پسینہ ہوتا ہی ہے، معلوم ہوا کہ مؤمن کا پسینہ پاک ہے، بہرحال حدیث سے دوسرا جزء ثابت ہوا، اور دوسرے جزء سے پہلا جزء ثابت ہوا۔

فائدہ: أنبجستُ: یہ لفظ قرآن میں بھی آیا ہے: ﴿فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾: بارہ چشمے پھوٹ پڑے، اور یہاں انْسَلَلْتُ کے معنی میں ہے ...... **ثم جاء:** متکلم کے صیغے چل رہے تھے، یہ غائب کا صیغہ آگیا، اس کا نام التفات ہے، التفات کی بحث آپ نے مختصر المعانی میں پڑھی ہے، اس سے زبان میں لطافت پیدا ہوتی ہے، ایک ہی انداز کے جملے آئیں تو قاری اور سامع بور ہو جاتے ہیں، اور انداز بدل جائے تو نشاط پیدا ہوتا ہے۔

بابُ الْجُنُبِ يَخْرُجُ وَيَمْشِي فِي السُّوْقِ وَغَيْرِهِ

جنبی گھر سے نکل کر بازار وغیرہ میں چل سکتا ہے

جنابت لاحق ہونے کے بعد فوراً غسل کرنا ضروری نہیں۔ جب نماز کا وقت تنگ ہوجائے تب غسل کرنا واجب ہے، پس ہر کام مثلاً گھر سے نکلنا، بازار میں گھومنا پھرنا، خریداری کرنا، کھانا پینا اور سونا سب جائز ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جنبی پچھنے لگوا سکتا ہے، ناخن ترشوا سکتا ہے، حلق کرا سکتا ہے، اگرچہ اس نے وضو نہ کیا ہو، کوئی یہ خیال کرسکتا تھا کہ خون، ناخن اور بال وغیرہ جو اجزاء جسم ہیں جنبی ہیں، جنابت کی حالت میں ان کو شاید بدن سے الگ کرنا جائز نہ ہو، حضرت عطاءؒ نے فرمایا: یہ کام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک رات میں تمام ازواج مطہرات سے صحبت فرمائی اور آخر میں ایک غسل فرمایا، ظاہر ہے جب آپ نے تمام ازواج سے صحبت فرمائی تو ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں جائیں گے اور اس میں اور بازار جا کر سودا سلف خریدنے میں کوئی فرق نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ جنبی یہ سب کام کر سکتا ہے۔

[٢٤-] بابُ الْجُنُبِ يَخْرُجُ وَيَمْشِيْ فِي السُّوْقِ وَغَيْرِهِ

وَقَالَ عَطَاءٌ: يَحْتَجِمُ الْجُنُبُ، وَيُقَلِّمُ أَظْفَارَهُ، وَيَحْلِقُ رَأْسَهُ وَإِنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ.

[٢٨٤-] حدثنا عَبْدُ الأَعْلٰى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ، أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَائِهِ فِي اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ، وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعُ نِسْوَةٍ. [راجع: ٢٦٨]

وضاحت: وغیرہ کا عطف السوق پر ہے، نبی ﷺ کا ایک گھر سے دوسرے گھر جانا وغیرہ کی مثال ہے، چونکہ جنابت کی حالت میں بازار جانے کی کوئی روایت نہیں تھی اس لئے وغیرہ بڑھایا، اس سے پہلا جزء خود بخود ثابت ہو جائے گا۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ ایک رات میں اپنی تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے اس وقت آپؐ کی نو بیویاں تھیں۔

تشریح: حضرت انسؓ کی یہ حدیث کتاب الغسل کے شروع میں گذری ہے، وہاں تاویل کرنی پڑی تھی کہ الساعۃ الواحدۃ سے صبح سے شام تک کا وقت اور شام سے صبح تک کا وقت مراد ہے، یہاں کسی تاویل کی ضرورت نہیں، اسی طرح گذشتہ حدیث میں تھا کہ اس وقت آنحضور ﷺ کی گیارہ بیویاں تھیں، صحیح بات یہاں ہے کہ نو بیویاں تھیں۔

[٢٨٥-] حدثنا عَيَّاشٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلٰى، قَالَ: ثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِيْ رَافِعٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: لَقِيَنِيْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَنَا جُنُبٌ، فَأَخَذَ بِيَدِيْ، فَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتّٰى قَعَدَ، فَانْسَلَلْتُ فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ، ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَقَالَ: أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ فَقُلْتُ لَهُ، فَقَالَ: "سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! إِنَّ الْمُؤْمِنَ لاَ يَنْجُسُ" [راجع: ٢٨٣]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھ سے نبی ﷺ نے ملاقات کی درانحالیکہ میں جنبی تھا، آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا، پس میں آپؐ کے ساتھ چلا یہاں تک کہ آپ کسی جگہ تشریف فرما ہوئے، پس میں چپکے سے کھسک گیا، اور اپنے کجاوہ میں آیا اور غسل کیا، پھر میں آیا درانحالیکہ آپ تشریف فرما تھے، آپؐ نے پوچھا: ابو ہریرہ! تم کہاں تھے؟ میں نے آپ کو بات بتائی تو آپؐ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ سبحان اللہ! (عجیب بات ہے، اتنا موٹا مسئلہ نہیں جانتے!) مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔

تشریح: یہ حدیث گذشتہ باب میں گذری ہے اُس روایت میں اور اِس روایت میں دوجگہ اختلاف ہے، ایک: گذشتہ روایت میں تھا کہ نبی ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی، پہلے ہی حضرت ابو ہریرہؓ کھسک گئے تھے، اور اس روایت میں ملاقات کا اور ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے چلنے کا ذکر ہے، اسی طرح اوپر والی روایت میں تھا کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کی کسی گلی میں پیش آیا تھا اور یہاں ہے کہ سفر میں پیش آیا تھا۔ لفظ رحل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر کا واقعہ ہے، مگر یہ سب واقعہ کے متعلقات ہیں، انہیں زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے، اصل بات پر توجہ مرکوز رکھنی چاہئے کہ حضرت ابو ہریرہ جنابت کی حالت میں گھر سے نکلے اور چلے پھرے معلوم ہوا کہ جنبی کے لئے گھومنے پھرنے کی اجازت ہے۔

بابُ كَيْنُوْنَةِ الْجُنُبِ فِي الْبَيْتِ إِذَا تَوَضَّأَ قَبْلَ أَنْ يَّغْتَسِلَ

جنبی نہانے سے پہلے وضو کرکے گھر میں رہ سکتا ہے

یہ باب عام ہے اور اگلا باب نوم کے ساتھ خاص ہے، جنبی کا نہانے سے پہلے گھر میں رہنا، کھانا پینا، سونا اور معاملات کرنا جائز ہے، البتہ فضیلت کا اعلی درجہ یہ ہے کہ نہا کر یہ کام کرے، اور فضیلت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ بدن پر جہاں ناپا کی ہو اسے دھوڈالے اور نماز والا وضو کرکے یہ کام کرے، اور وضو کئے بغیر یہ کام کرنا امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک گنجائش ہے، لفظ گنجائش (لابأس به) میں اشارہ ہے کہ وضو کئے بغیر یہ کام کرنا ٹھیک نہیں۔

فائدہ: ابو داؤد (حدیث ۲۲۷) میں ایک روایت ہے کہ جس مکان میں جنبی ہوتا ہے وہاں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے، یہ روایت نُجَیّ حضرمی کوفی تابعی کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے، اس راوی کے بارے میں ابن حبانؒ کہتے ہیں: **لایعجبنی الاحتجاج بخبرہ إذا انفرد** (بذل) جب یہ راوی کسی روایت کے ساتھ متفرد ہو تو اس سے استدلال درست نہیں، اور یہ روایت نجی سے ان کا بیٹا عبداللہ ہی روایت کرتا ہے۔

اس روایت سے بحالت جنابت مکان میں ٹھہرنے کی تنگی معلوم ہوتی ہے، بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے اس کو رفع کیا ہے، اور ابو داؤد کی روایت کا تعلق اس جنبی سے ہے جو جنابت میں رہنے کا عادی ہے، نماز تک میں تہاون کرتا ہے، اور غسل میں تاخیر کرتا ہے (قاله الخطابی کما فی الفتح) الغرض: بعد الوضوء کینونت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

[۲۵-] بابُ كَيْنُوْنَةِ الْجُنُبِ فِي الْبَيْتِ إِذَا تَوَضَّأَ قَبْلَ أَنْ يَّغْتَسِلَ

[۲۸٦-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، وَشَيْبَانُ، عَنْ يَحْيىَ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ: أَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَرْقُدُ وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، وَيَتَوَضَّأُ. [انظر: ۲۸۸]

ترجمہ: ابو سلمہؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا نبی ﷺ جنابت کی حالت میں سوتے تھے؟ انھوں نے

جواب دیا: ہاں اور سونے سے پہلے وضو کر لیتے تھے۔

تشریح: کینونۃ: کان یکون کا مصدر ہے اور حدیث صریح ہے کہ جنبی وضو کر کے گھر میں رہ سکتا ہے اور جب گھر میں رہ سکتا ہے تو کھا پی بھی سکتا ہے اور دیگر کام بھی کر سکتا ہے، اور یہی مقصد ترجمہ ہے۔

بابُ نَوْمِ الْجُنُبِ

جنبی کا سونا

یہ خاص باب ہے، جنبی کے لئے صرف وضو کر کے سونا بھی جائز ہے اور یہ فضیلت کا دوسرا درجہ ہے۔ امام ابو یوسف اور سعید بن المسیب رحمہما اللہ کے نزدیک وضو کئے بغیر سونے میں بھی کچھ حرج نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وضو سے جنابت ختم نہیں ہوتی پھر اس کا کیا فائدہ؟ اور ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو ترمذی شریف (حدیث ۱۲۱) میں ہے، وہ فرماتی ہیں: ''نبی ﷺ جنابت کی حالت میں سوتے تھے اور پانی کو بالکل ہاتھ نہیں لگاتے تھے'' یعنی نہ غسل کرتے تھے نہ وضو اور سوتے تھے۔ اور جمہور کے نزدیک وضو کر کے سونے میں بھی فضیلت ہے، کیونکہ نبی ﷺ کبھی صرف وضو کر کے سوتے تھے جیسا کہ گذشتہ باب میں حدیث گذری ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا: کیا ہم میں سے کوئی حالت جنابت میں سو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں وضو کر کے سو سکتا ہے، یہ روایت باب میں آ رہی ہے۔

اور وضو کر کے سونے میں حکمت یہ ہے کہ بہ اطمینان نیند آئے گی، پریشان خواب نہیں آئیں گے، اور سوتے ہوئے موت آ گئی تو حکماً پاکی پر مرنے والا اقرار دیا جائے گا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو جنبی وضو کر کے سویا اس نے پاکی کی حالت میں رات گذاری (طحاوی ۱:۹۷) اور حضرت شداد کہتے ہیں: جنبی کو وضو کر کے سونا چاہئے کیونکہ اس صورت میں جنابت آدھی رہ جاتی ہے (بیہقی ۱:۲۰)

اور حضرت عائشہؓ کی حدیث جو ترمذی میں ہے، محدثین کے نزدیک وہ صحیح نہیں، اس میں ابو اسحاقؒ سے غلطی ہو گئی ہے، انھوں نے ایک لمبی حدیث کا اختصار کیا ہے، جس سے مضمون بگڑ گیا ہے، مفصل روایت یہ ہے کہ نبی ﷺ کبھی رات کے شروع میں صحبت فرماتے، اور کبھی تہجد سے فارغ ہو کر صبح صادق سے کچھ پہلے، اگر رات کے شروع میں صحبت فرماتے تو نہا کر سوتے تھے اور کبھی بیان جواز کے لئے صرف وضو کر کے سوئے ہیں، اور جب تہجد کے بعد مجامعت فرماتے تو پانی کو چھوئے بغیر سو جاتے، اور صبح صادق ہوتے ہی کود کر کھڑے ہوتے اور غسل فرماتے، یہ سونا چونکہ برائے نام تھا اس لئے وضو کئے بغیر سوتے تھے، تفصیل طحاوی (آخر کتاب الطہارۃ) اور ترمذی میں ہے۔

[۲۶-] بابُ نَوْمِ الْجُنُبِ

[۲۸۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ

رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: أَيَرْقُدُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَ: "نَعَمْ إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْقُدْ وَهُوَ جُنُبٌ"
[انظر: ۲۸۹، ۲۹۰]

بابُ الْجُنُبِ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يَنَامُ

جنبی وضو کر کے سوئے

یہ اوپر والا ہی باب ہے، جنابت کی حالت میں سونا ہے تو وضو کر کے سونا چاہئے۔ پہلے یہ بات بتائی ہے کہ ایک مسئلہ سے متعلق چند حدیثیں ہوتی ہیں تو دیگر محدثین ان سب کو ایک باب کے تحت جمع کرتے ہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ ہر حدیث پر افادۂ مزید کے لئے نیا عنوان قائم کرتے ہیں۔

[۲۷-] بابُ الْجُنُبِ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يَنَامُ

[۲۸۸-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ جَعْفَرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وسلم إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ، غَسَلَ فَرْجَهُ وَتَوَضَّأَ لِلصَّلاَةِ. [راجع: ۲۸۶]

[۲۸۹-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: ثَنَا جُوَيْرِيَّةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: اسْتَفْتَى عُمَرُ النَّبِيَّ صلی الله علیه وسلم: أَيَنَامُ أَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ؟ قَالَ: "نَعَمْ إِذَا تَوَضَّأَ"

[۲۹۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُولِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم أَنَّهُ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ؟ فَقَالَ لَهُ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "تَوَضَّأْ واغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ" [راجع: ۲۸۷]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی ﷺ جنابت کی حالت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنی شرم گاہ دھوتے اور نماز والی وضو کرتے۔

تشریح: اس حدیث میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ جب سونے کا ارادہ فرماتے تو وضو کر کے سوتے تھے، اور ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی جو حدیث ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ جنابت کی حالت میں سوتے تھے اور پانی کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے، وہ حدیث صحیح نہیں اس میں ابو اسحاقؒ سے غلطی ہوگئی ہے۔

حدیث: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ ان کو رات میں جنابت لاحق ہوتی ہے (اور نہانے کا موقع نہیں ہوتا تو کیا حکم ہے؟) نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: وضو کرو، اور شرم گاہ کو دھوڈالو پھر سو جاؤ۔

تشریح: باب کی تینوں روایتوں کا قدر مشترک یہ ہے کہ جنبی پر فوراً غسل کرنا واجب نہیں، شرم گاہ دھوکر اور وضو کر کے سوسکتا ہے۔

باب: إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ

ختنہ کی جگہیں ملنے سے غسل واجب ہوتا ہے

خِتَانان: تثنیہ ہے، مفرد ختان ہے اس کے معنی ہیں ختنہ کی جگہ، یعنی وہ جگہ جہاں سے ختنہ کی چمڑی کاٹی جاتی ہے، یہ جگہ حشفہ کے بعد ہے، زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کی بھی ختنہ کی جاتی تھی، مگر ہر لڑکی کی نہیں کی جاتی تھی، اور اب بھی افریقہ کے بعض ممالک میں لڑکیوں کی ختنہ کا رواج ہے، اور عورت کی ختنہ کی جگہ کو خفاض کہتے ہیں۔ اور مرد کی ختنہ کی جگہ عورت کی ختنہ کی جگہ سے اس وقت ملتی ہے جب حشفہ چھپ جائے، جب اس درجہ تک جماع پہنچ جائے تو غسل واجب ہوجاتا ہے، اگرچہ انزال نہ ہوا ہو —— اس مسئلہ سے متعلق چند باتیں ذہن نشین کرلینی چاہئیں:

پہلی بات: یہ مسئلہ دورِ صحابہ میں اختلافی تھا، اکثر انصار الماء من الماء کا فتوی دیتے تھے یعنی انزال کے بعد غسل واجب ہوگا، اکسال کی صورت میں غسل واجب نہیں ہوگا، صرف وضو واجب ہوگا، اور اکثر مہاجر غسل کو واجب کہتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اختلاف ختم ہوگیا، واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی میں اپنی رائے سے فتوی دے رہے ہیں کہ اکسال میں غسل واجب نہیں، حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: زید کو بلا کر لاؤ اور خود بھی آؤ تاکہ گواہ رہو، وہ آئے، حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا: کیا آپ اکسال کے مسئلہ میں لوگوں کو اپنی رائے سے فتوی دیتے ہیں؟ انھوں نے کہا: میں نے یہ بات اپنے چچاؤں سے سنی ہے، حضرت عمرؓ نے پوچھا: کونسے چچاؤں سے؟ انھوں نے کہا: ابوایوب انصاری، ابی بن کعب اور رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہم سے، اتفاق سے حضرت رفاعہ وہاں موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: یہ نوجوان کیا کہتا ہے؟ انھوں نے کہا: ٹھیک کہتا ہے، ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں بیویوں سے صحبت کرتے تھے اور انزال نہ ہونے کی صورت میں غسل نہیں کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے پوچھا: آپ لوگوں نے یہ مسئلہ نبی ﷺ سے پوچھا تھا؟ انھوں نے کہا: نہیں، پھر حضرت عمرؓ حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے کہ آپ حضرات کیا کہتے ہیں؟ ان کے درمیان اختلاف ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کے بندو! اگر آپ لوگ اس میں اختلاف کروگے تو بعد کے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ یہ مسئلہ ازواج مطہرات سے پوچھا جائے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، مگر انھوں نے لاعلمی ظاہر کی، اور کہا: میرے ساتھ ایسا واقعہ پیش نہیں آیا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آدمی بھیجا تو انھوں نے کہا: میرے اور نبی ﷺ کے درمیان ایسی صورت پیش آئی ہے اور ہم نے دونوں نے غسل کیا ہے۔ جب نبی ﷺ کا عمل معلوم ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے

لوگوں سے کہا: آج کے بعد اگر کوئی شخص ایسا کرے گا اور غسل نہیں کرے گا تو میں اس کو سخت سزا دوں گا (یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ شرح معانی الآثار میں ہے) اس دن سے تمام صحابہ کا اجماع ہوگیا کہ اکسال کی صورت میں غسل واجب ہے، اب مسئلہ میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہا۔

دوسری بات: شروع اسلام کا حکم الماء من الماء تھا، پہلے ماء سے مراد غسل کا پانی ہے اور دوسرے ماء سے مراد منی ہے، یعنی منی کے نکلنے کے بعد ہی غسل واجب ہوگا، مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے (ترمذی کتاب الطہارۃ باب ۸۱) اور نسخ کی وجہ یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا ادراک دشوار ہوتا ہے، شریعت ایسی جگہوں میں حقیقی سبب کو ہٹا کر کسی ظاہری چیز کو اس کے قائم مقام کرتی ہے، جیسے سفر میں نمازوں میں قصر کی علت مشقت ہے مگر یہ ایک مخفی چیز ہے، اس کا ادراک مشکل ہے۔ اس لئے نفس سفر کو مشقت کے قائم مقام کردیا، اسی طرح وضو ٹوٹنے کی علت ریح کا نکلنا ہے، مگر سونے والے کو اس کا ادراک نہیں ہوتا، اس لئے نیند کو خروج ریح کے قائم مقام کردیا، اسی طرح وجوب غسل کی علت انزال ہے مگر کبھی اس کا ادراک نہیں ہوتا اس لئے التقائے ختانین کو اس کے قائم مقام کردیا، اب حکم اس ظاہر پر دائر ہوگا، حقیقت کی طرف نظر نہیں کی جائے گی۔

تیسری بات: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو جس انداز پر پیش کیا ہے اور جو الفاظ استعمال کئے ہیں اس سے ان کے سر یہ الزام لگا ہے کہ وہ اب بھی اکسال میں عدم غسل کے قائل ہیں، حالانکہ یہ الزام سراسر غلط ہے، یہ اجماع کا انکار ہے اور اجماع کا منکر اہل حق میں نہیں رہتا۔ پس امام بخاریؒ اجماع کا انکار کیسے کرسکتے ہیں؟ اور حضرت پر یہ الزام دو وجہ سے لگا ہے:

ایک: حضرت نے جتنے الفاظ استعمال کئے ہیں وہ سب الفاظ ڈھیلے ہیں، چار لفظ استعمال کئے ہیں: (۱) أجود (غسل کرنا زیادہ عمدہ ہے) (۲) أوکد (زیادہ مؤکد ہے) (۳) أحوط (زیادہ احتیاط کی بات ہے) (۴) أنقی (غسل میں زیادہ صفائی ہے) اگر یجب یا واجب صاف اور صریح لکھ دیتے تو یہ الزام نہ لگتا۔

دوسری وجہ: اجماع سے پہلے جن صحابہ کا اختلاف تھا کہ اکسال میں غسل واجب نہیں، حضرت اس روایت کو بھی لائے ہیں اور اس کی وجہ خود بیان کی ہے کہ یہ روایت اس لئے لایا ہوں کہ صحابہ میں یہ مسئلہ اختلافی تھا، حالانکہ جب اجماع ہوگیا تو اختلاف رفع ہوگیا، اس لئے کہ قاعدہ ہے: اجماعِ لاحق سے اختلافِ سابق رفع ہوجاتا ہے، یہاں سے بھی بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی اور انھوں نے حضرت رحمہ اللہ کے سر یہ الزام دھر دیا کہ آپ اختلاف سابق کو اب بھی برقرار مانتے ہیں۔ اور حدیث ہے: أصحابی کالنجوم، بأیهم اقتدیتم اهتدیتم جب صحابہ کا اختلاف اب بھی برقرار ہے تو دوسری رائے کو بھی لیا جاسکتا ہے۔ غرض ان دو وجوہ سے حضرت رحمہ اللہ کے سر یہ الزام لگا ہے۔

[۲۸-] بابٌ: إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ

[۲۹۱-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: ثَنَا هِشَامٌ، ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ،

عَنْ أَبِیْ رَافِعٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم، قَالَ: " إِذَا جَلَسَ بَیْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ، ثُمَّ جَهَدَهَا، فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ"

تَابَعَهُ عَمْرٌو، عَنْ شُعْبَةَ، وَقَالَ مُوْسَی: حَدَّثَنَا أَبَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ مِثْلَهُ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: هٰذَا أَجْوَدُ وَأَوْکَدُ، وَإِنَّمَا بَیَّنَّا الحدیثَ الآخِرَ لِاخْتِلَافِهِمْ، وَالْغُسْلُ أَحْوَطُ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جب مرد عورت کے چار گوشوں کے درمیان بیٹھ جائے، پھر عورت کو مشقت میں ڈالے تو غسل واجب ہو گیا، عمرو بن مرزوق نے شعبہ کی سند سے متابعت کی ہے، اور موسیٰ نے کہا: ہم سے ابان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہم سے قتادہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں حسن نے اس کے مانند خبر دی، امام بخاریؒ فرماتے ہیں: یہ یعنی غسل کرنا زیادہ عمدہ اور زیادہ مؤکد ہے اور ہم نے آخری حدیث (اگلے باب میں) صحابہ کے درمیان اختلاف کی وجہ سے بیان کی ہے، اور غسل کرنا احتیاط کی بات ہے۔

قولہ: عورت کے چار گوشوں کے درمیان: اس سے مراد فرج کے چار گوشے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں، جو حاشیہ میں ہیں مگر راجح یہی قول ہے .... پھر اس نے بیوی کو مشقت میں ڈالا: جب پہلی مرتبہ عورت کے جسم میں عضو داخل کرتے ہیں تو عورت کو پریشانی ہوتی ہے کیونکہ فرج خشک ہوتی ہے، پس یہ کنایہ ہے غیبوبت حشفہ سے، جب حشفہ غائب ہو گیا تو غسل واجب ہو گیا، انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو .... آخِر (خاء کے زیر کے ساتھ) اول کا مقابل ہے، پیچھے آنے والی روایت، اور خاء کے زبر کے ساتھ آخَر کے معنی ہیں دوسرا۔

سند: قتادہ اگرچہ ثقہ ہیں مگر ان پر تدلیس کا الزام ہے، اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں، اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے متابع پیش کیا ہے، اس میں أخبرنا کی صراحت ہے۔

بابُ غَسْلِ مَا یُصِیْبُ مِنْ فَرْجِ الْمَرْأَةِ

اکسال کی صورت میں وہ رطوبت دھونی ضروری ہے جو عورت کی شرمگاہ سے مرد کے عضو پر لگے

عنوان الماء من الماء نہیں رکھا، بلکہ عنوان یہ رکھا کہ عورت کے ساتھ صحبت کرنے کی صورت میں مرد کے عضو پر عورت کی شرم گاہ سے جو رطوبت لگے اس کو دھونا ضروری ہے، یہ مسئلہ دور اول میں تھا، اب غیبوبت حشفہ کے بعد غسل واجب ہے، پس جب غسل کرے گا تو رطوبت دھل جائے گی۔

[۲۹-] بابُ غَسْلِ مَا یُصِیْبُ مِنْ فَرْجِ الْمَرْأَةِ

[۲۹۲-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنِ الْحُسَیْنِ الْمُعَلِّمِ، قَالَ یَحْیٰی: وَأَخْبَرَنِیْ أَبُوْ سَلَمَةَ،

أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، فَقَالَ: أَرَأَيْتَ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَمْ يُمْنِ؟ قَالَ عُثْمَانُ: يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ، قَالَ عُثْمَانُ: سَمِعْتُهُ مِنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ، وَطَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ، وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، فَأَمَرُوْهُ بِذٰلِكَ، وَأَخْبَرَنِي أَبُوْ سَلَمَةَ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ، أَنَّ أَبَا أَيُّوْبَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ ذٰلِكَ مِنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۱۷۹]

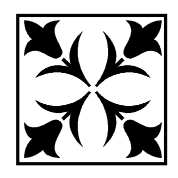
[۲۹۳-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: ثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُوْ أَيُّوْبَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، أَنَّهُ قَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَلَمْ يُنْزِلْ؟ قَالَ: "يَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْأَةَ مِنْهُ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّيْ"

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: الْغُسْلُ أَحْوَطُ، وَذَاكَ الآخِرُ، إِنَّمَا بَيَّنَّاهُ لِاخْتِلَافِهِمْ، وَالْمَاءُ أَنْقَى.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کی رائے کیا ہے جب آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرے اور منی نہ نکلے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: وضو کرے جیسا نماز کے لئے وضو کرتا ہے، اور اپنی شرم گاہ کو دھوئے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا: میں نے یہ بات نبی ﷺ سے سنی ہے (حضرت زیدؓ کہتے ہیں) پھر میں نے یہ بات حضرات علی، زبیر، طلحہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے پوچھی، انھوں نے بھی اسی کا حکم دیا (یحیٰ کہتے ہیں) اور مجھے ابو سلمہ نے خبر دی کہ حضرت عروہ نے ان کو خبر دی کہ حضرت ابو ایوب نے ان کو خبر دی ہے کہ ان سے یہ بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی (یعنی حضرت ابو ایوبؓ کا فتوی اوپر والی سند سے نہیں، الگ سند سے مروی ہے)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جب آدمی عورت سے صحبت کرے اور انزال نہ ہو تو؟ آپؐ نے فرمایا: عورت کی شرم گاہ سے جو رطوبت پہنچی ہے اس کو دھوڈالے پھر وضو کرے اور نماز پڑھے۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں: غسل کرنا احتیاط کی بات ہے، یہ دوسری حدیث ہے (جس کا اوپر تذکرہ آیا ہے) ہم نے اس کو صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ میں اختلاف تھا، اور پانی میں زیادہ صفائی ہے یعنی غسل کرنے میں صفائی زیادہ ہے۔

﴿الحمد للہ! کتاب الغسل کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کِتَابُ الْحَيْضِ

حیض کا بیان

امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے سورۂ بقرہ کی آیت (۲۲۲) لکھی ہے، اور یہی حضرت کا طریقہ ہے، وہ کتاب کے شروع میں ایک یا چند آیات لکھتے ہیں پھر احادیث لاتے ہیں، جو اس آیت کی شرح ہوتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٦- كِتَابُ الْحَيْضِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ؟ قُلْ: هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوْا النِّسَاءَ فِيْ الْمَحِيْضِ، وَلاَ تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ، فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ [البقرة: ٢٢٢]

آیت کا ترجمہ مع وضاحت: لوگ آپؐ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں —— حیض اور محیض جمہور کے نزدیک ایک ہیں، بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ حیض کا زمانہ محیض ہے، اور بعض کہتے ہیں: حیض کی جگہ محیض ہے، مگر یہ دونوں قول ضعیف ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ حیض اور محیض ہم معنی ہیں، اور یہی جمہور کا قول ہے —— آپؐ کہہ دیں کہ حیض ناگوار چیز ہے —— أذی کے معنی ہیں: المکروہ الذی لیس بشدید: وہ بات جو سخت ناگوار نہ ہو، حالت حیض میں صحبت کرنا مرد کو بھی ناگوار ہوتا ہے اور عورت کو بھی، مگر بہت زیادہ ناگوار نہیں ہوتا، چنانچہ جس کی ایک بیوی ہوتی ہے اور خود جوان ہوتا ہے تو وہ حالت حیض میں بھی صحبت کر بیٹھتا ہے، اور عورت بھی تیار ہو جاتی ہے۔

اور پاخانہ بھی اذی ہے اور حیض بھی، مگر دونوں میں فرق ہے، جیسے کَرھا (بفتح الکاف) اور کُرھا (بضم الکاف) میں فرق ہے، کَرھا میں ناگواری شدید ہوتی ہے اور کُرھا میں طبعی اور ہلکی، قرآنِ کریم میں ہے: جب اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو بنایا تو دونوں کو حکم دیا: ﴿اِئْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا﴾: جس مقصد کے لئے تمہیں بنایا گیا ہے اس مقصد کی تکمیل کرو چاہے خوشی سے کرو، چاہے ناگواری سے، اور ماں کے سلسلہ میں جو آیت آئی ہے اس میں ہے: ﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ

كُرْهًا﴾: ماں نے بچہ کو پیٹ میں رکھا ناگواری کے ساتھ اور جنا ناگواری کے ساتھ، مگر یہ ناگواری طبعی ہے، چنانچہ ہر عورت بچہ کے لئے بےتاب رہتی ہے، جب کہ وہ حمل کی تکلیف اور بچہ جننے کی تکلیف جانتی ہے، پھر جب بچہ جنتی ہے تو جان پر بن آتی ہے مگر نفاس سے پاک ہوتے ہی اگلے بچے کے لئے تیار ہو جاتی ہے، اور پرانی باتیں بھول جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے کُرھا (بضم الکاف) فرمایا۔ اسی طرح پاخانہ بھی ناگوار ہے اور حیض بھی، مگر حیض کی ناگواری ہلکی ہے —— پس حیض کے زمانہ میں عورتوں سے الگ رہو —— عورتوں سے الگ رہنے کی شرح کیا ہے؟ ایک طرف یہود کا عمل تھا، وہ حیض کے زمانہ میں عورت کو بالکل علاحدہ کر دیتے تھے، نہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھاتے تھے، اور نہ اس کے ساتھ کمرہ میں رہتے تھے، دوسری طرف مشرکین ہیں، وہ سب کچھ کرتے ہیں، حالت حیض میں صحبت بھی کرتے ہیں، اب اللہ تعالیٰ نے حالت حیض میں الگ رہنے کا حکم دیا۔ الگ رہنے کی تفسیر کیا ہے؟ یہ بات اگلے ابواب میں آرہی ہے —— اور حائضہ عورتوں کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں —— کہاں تک قریب جا سکتے ہیں اور کہاں جا کر رک جانا ضروری ہے؟ اور پاکی کے دو درجے ہیں: ایک: عادت پر خون بند ہو جائے، دوسرا: عورت نہالے۔ پس آیت میں کونسا درجہ مراد ہے؟ یہ سب باتیں بھی آگے آرہی ہیں —— پس جب وہ خوب پاک ہو جائیں —— یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، خون کا بند ہو جانا يَطْهُرن ہے، اور جب عورت نے غسل کر لیا تو تَطَهَّرْن کا تحقق ہوا —— پس ان کے پاس آؤ یعنی ان سے فائدہ اٹھاؤ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں فائدہ اٹھانے کا حکم دیا ہے —— اگلی آیت ہے: ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ﴾: تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، پس آؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو، اس آیت کے معنی ﴿مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ کی روشنی میں متعین ہونگے —— بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں —— یعنی گناہ ہو جائے اور حالت حیض میں صحبت کر بیٹھے تو سچی توبہ کرے اور کفارہ بھی دے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حائضہ بیوی سے صحبت کرے وہ نصف دینار صدقہ کرے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر بیوی سے اس زمانہ میں صحبت کی جب اسے سرخ خون آرہا تھا تو ایک دینار صدقہ کرے اور زرد خون آرہا تھا تو نصف دینار صدقہ کرے (ترمذی حدیث ۱۳۷ و ۱۳۸) امام احمد اور حضرت اسحاق رحمہما اللہ کے نزدیک صدقہ توبہ کی قبولیت کے لئے شرط ہے اور جمہور کے نزدیک صدقہ کرنا مستحب ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی ۱: ۴۱۹ میں ہے —— اور (اللہ تعالیٰ) خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتے ہیں —— یعنی عادت پر حیض بند ہونے پر صحبت نہ کرے، بلکہ جب عورت نہالے تب صحبت کرے۔

بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْأُ الْحَيْضِ

حیض کی تاریخ یعنی حیض کب سے شروع ہوا؟

کتاب الوحی کے شروع میں بتایا تھا کہ امام ترمذی اور امام بخاری رحمہما اللہ کے یہاں بَدأ کے معنی ہیں: آغاز، تاریخ،

احوال از ابتداء تا انتہاء، جیسے باب بدأ الأذان کے معنی ہیں: اذان کا آغاز، اذان کب سے شروع ہوئی؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟ بدأ الوحی کے معنی ہیں: وحی کے احوال از ابتداء تا انتہا، پس بدأ الحیض کے معنی ہیں: حیض کا آغاز، یعنی عورتوں کو حیض کب سے آنا شروع ہوا؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟

جب سے ولادت کا سلسلہ شروع ہوا، اسی وقت سے حیض کا سلسلہ شروع ہوا، دادی حواء رضی اللہ عنہا جب تک جنت میں رہیں ان کو حیض نہیں آتا تھا، چنانچہ جنت میں ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، جب حضرت آدم وحواء علیہما السلام زمین پر اتارے گئے اور ولادت کا سلسلہ شروع ہوا تو حیض کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ مستدرک حاکم میں بسند صحیح روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت حواء رضی اللہ عنہا کو حیض آیا جب وہ جنت سے زمین پر اتاری گئیں، اور ایک موقع پر نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہے: هذا شيئ كتبه الله على بنات آدم: حیض وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لازم کیا ہے۔ بنات آدم سے مراد انسان کی صنف نساء ہے۔ پس دادی حواءؓ بھی بنات آدم میں شامل ہیں، جیسے آدم سے آدمی بنا ہے اس میں یاء نسبتی ہے، مرد بھی آدمی ہیں اور عورتیں بھی بلکہ خود حضرت آدم علیہ السلام بھی آدمی ہیں۔

اور حیض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے جو اس دنیا میں بھیجنے کے بعد حضرت حواءؓ کو دی گئی، اس لئے کہ توالد وتناسل حیض پر موقوف ہے، اگر عورت کو حیض نہ آئے تو توالد وتناسل کا سلسلہ قائم نہیں ہوسکتا، چنانچہ جب بڑی عمر میں حیض آنا بند ہوجاتا تو توالد وتناسل کا سلسلہ رک جاتا ہے۔

جب حمل ٹھہرتا ہے تو بچہ دانی کا منہ بند ہوجاتا ہے اور جو حیض ہر ماہ آتا ہے وہ آتا ہے، مگر خون رگوں میں جمع رہتا ہے اور مشیمہ (نال) کی ایک رگ بچہ کی ناف کے ساتھ جڑی ہوتی ہے، اور پانچ ماہ دس دن کے بعد بچہ میں جان پڑتی ہے اس کے بعد چار ماہ تک بچہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے، اور وہی خون بچہ کی غذا بنتا ہے، یہ قدرت کا نظام ہے۔

غرض حیض خداوند قدوس کی طرف سے ایک نعمت ہے اور جب سے توالد وتناسل کا سلسلہ شروع ہوا ہے حیض کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور سب سے پہلے حضرت حواء رضی اللہ عنہا کو حیض آیا ہے —— باب میں ایک مرفوع حدیث ہے اور ایک اثر، مرفوع حدیث پہلے تعلیقاً اور مختصراً لکھی ہے پھر سند کے ساتھ بالتفصیل لکھی ہے، اور اثر وحدیث کے درمیان تعارض ہے، اس کو بھی حل کرنا ہے۔

[۱-] بابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْحَيْضِ

[۱-] وَقَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "هٰذَا شَيْئٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ"

[۲-] وَقَالَ بَعْضُهُمْ: كَانَ أَوَّلَ مَا أُرْسِلَ الْحَيْضُ عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَحَدِيْثُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَكْثَرُ.

[۲۹۴-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: ثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ، قَالَ: سَمِعْتُ الْقَاسِمَ، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ، تَقُوْلُ: خَرَجْنَا لَانَرَى إِلَّا الْحَجَّ، فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَنَا أَبْكِيْ، فَقَالَ: "مَا لَكِ أَنُفِسْتِ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: "إِنَّ هٰذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ، فَاقْضِيْ مَا يَقْضِي الْحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لَّا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ" قَالَتْ: وَضَحَّى رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ نِسَائِهِ بِالْبَقَرِ.

[انظر: ۳۰۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۹. ۳۲۸، ۱۵۱۶، ۱۵۱۸، ۱۵۵۶، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۶۳۸، ۱۶۵۰، ۱۷۰۹، ۱۷۲۰، ۱۷۳۳، ۱۷۵۷، ۱۷۶۲، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۲۹۵۲، ۲۹۸۴، ۴۳۹۵، ۴۴۰۱، ۴۴۰۸، ۵۳۲۹، ۵۵۴۸، ۵۵۵۹، ۶۱۵۷، ۷۲۲۹]

ترجمہ: (۱) نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "یہ (حیض) وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے بناتِ آدم پر لکھ دی ہے" (یہ حدیث باب میں آرہی ہے)

(۲) اور بعض حضرات یعنی ابن مسعود اور عائشہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: "پہلی وہ چیز جو بنی اسرائیل پر بھیجی گئی حیض تھی"

ترکیب: أولَ مع مضاف الیہ کان کی خبر مقدم ہے، اور **علی بنی اسرائیل: فعل أرسل** سے متعلق ہے، اور **الحیضُ**: اسم مؤخر ہے، عبارت الجھی ہوئی ہے، حافظ صاحبؒ نے **أول** کو اسم اور **علی بنی اسرائیل** کو خبر بنایا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کا پورا قول اس طرح ہے: **كان الرجال والنساء في بني إسرائيل يصلون جميعاً، فكانت المرأة تتشرف للرجل، فألقى الله عليهن الحيض، ومنعهن المسجد** (فتح الباری): بنی اسرائیل کے مرد اور عورتیں ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے، پس عورت مرد کو جھانکتی تھی، پس اللہ نے ان پر حیض مسلط کیا، اور ان کو مسجد سے روک دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور نبی ﷺ کی حدیث زیادہ ہے یعنی ثبوت وقوت کے اعتبار سے بڑھی ہوئی ہے اس لئے اسی کو لیا جائے گا۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم (حجۃ الوداع میں) صرف حج کے ارادے سے نکلے تھے، پھر جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو مجھے حیض آگیا، پس میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے درانحالیکہ میں رو رہی تھی، آپؐ نے پوچھا: کیا بات ہے، کیوں رو رہی ہو؟ کیا تمہیں حیض آگیا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، پس آپؐ نے فرمایا: "یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے بناتِ آدم پر لکھ دی ہے، پس تم تمام ارکان ادا کرو جو حاجی ادا کرتا ہے سوائے بیت اللہ کے طواف کے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کی طرف سے ایک گائے ذبح فرمائی۔

تشریح:

۱- حیض کا سلسلہ کب سے شروع ہوا؟ حدیث مرفوع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا سے شروع ہوا اور

یہی صحیح ہے۔ اور حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے بنی اسرائیل کی عورتوں پر حیض مسلط کیا گیا، یعنی حیض کا سلسلہ بنی اسرائیل سے شروع ہوا۔ یہ حدیث مرفوع اور قول صحابی میں تعارض ہے:

اس تعارض کے تین حل ہیں:

۱- ایسے تعارض کی صورت میں حدیث مرفوع کو لیں گے اور قول صحابی کو چھوڑ دیں گے، یہ تطبیق امام بخاریؒ نے دی ہے، فرماتے ہیں: **حديث النبي صلى الله عليه وسلم أكثر**: نبی ﷺ کی حدیث زیادہ ہے یعنی ثبوت وقوت کے اعتبار سے بڑھی ہوئی ہے، پس اس کو لیں گے اور قول صحابی کو چھوڑ دیں گے۔

۲- حیض کا نفس آغاز حضرت حواءؑ سے ہوا، اور اس میں اشتدادی کیفیت بنی اسرائیل کی عورتوں سے شروع ہوئی، یعنی حیض سب سے پہلے حضرت حواءؑ کو آیا، مگر اس میں اشتدادی کیفیت نہیں تھی، صرف توالد وتناسل کی غرض سے یہ سلسلہ شروع ہوا تھا، پھر جب بنی اسرائیل کی عورتوں کی بدعنوانیاں بڑھیں تو حیض میں اشتدادی کیفیت پیدا کر کے اس کو باعث تکلیف بنایا، اب یہ عالم ہے کہ ایام حیض میں عورت نچڑ جاتی ہے اور حسن وجمال ماند پڑ جاتا ہے، یہ شدت بنی اسرائیل کے زمانہ سے شروع ہوئی ہے۔

۳- حیض فطری عمل ہے، ہر تندرست عورت کو آتا ہے، جیسے آنسو اور پسینہ وغیرہ فطری امور ہیں اس لئے حیض کے خاص احکام نہیں تھے، پھر جب بنی اسرائیل کی عورتوں نے شرارت شروع کی تو حیض کے خاص احکام نازل ہوئے، تاکہ وہ گھر میں رکیں مسجد میں نہ آئیں۔

۲- حجۃ الوداع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سِرف مقام میں جو مکہ سے قریب ایک جگہ ہے حیض شروع ہوا، جس کی وجہ سے وہ رو رہی تھیں کہ اب میرے حج کا کیا ہوگا؟ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: یہ ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے بناتِ آدم پر لکھ دی ہے، اس سے مفر نہیں، اور یہ حکم دیا کہ تمام ارکان حج ادا کریں، صرف بیت اللہ کا طواف نہ کریں، حائضہ کے لئے مسجد میں جانا جائز نہیں، چنانچہ وہ حالت حیض میں منی اور عرفہ گئیں اور مزدلفہ والی رات میں پاک ہوئیں، اس وقت وہ مزدلفہ میں تھیں اس لئے کہ نبی ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو عرفہ سے سیدھا منی بھیج دیا تھا مگر حضرت عائشہؓ آپؐ کے ساتھ رہی تھیں، غرض یہ جو جملہ آیا ہے کہ حیض کو اللہ تعالیٰ نے بناتِ آدم پر لازم کیا ہے، اس مناسبت سے یہ حدیث یہاں لائے ہیں۔

۳- **لانری إلا الحج**: اس جملہ کی پوری تفصیل کتاب الحج میں آئے گی۔ یہاں مختصراً اتنی بات جان لیں کہ زمانۂ جاہلیت سے یہ تصور چلا آرہا تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہر حج میں عمرہ کرنا بڑا پاپ ہے، چنانچہ حجۃ الوداع میں تمام مسلمان بشمول حضرت اقدس ﷺ صرف حج کا احرام باندھ کر چلے تھے، **لانری إلا الحج** کا یہی مطلب ہے۔ جب قافلہ سرف میں پہنچا اس وقت تک سب کا حج ہی کا احرام تھا، پھر اگلے دن صبح میں قافلہ مکہ معظّمہ پہنچا تو وحی آئی کہ جس کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں وہ حج کا احرام عمرہ کے احرام سے بدل دے، اور طواف وسعی کر کے اور سر منڈا کر یا قصر کرا کر احرام

کھول دے، پھر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ سے حج کا احرام باندھے، چونکہ مقام سرف میں حج ہی کا احرام تھا اس لئے نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم حج کے تمام ارکان ادا کرو، سوائے بیت اللہ کے طواف کے، پھر جب مکہ پہنچ کر وحی آئی تو چونکہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ قربانی نہیں تھی اس لئے انھوں نے نیت بدل دی، اور حج کا احرام عمرہ سے بدل دیا، اور پاکی کے انتظار میں رہیں، مگر آٹھ تاریخ تک وہ پاک نہ ہوئیں، اب وہ پھر رو رہی تھیں، جب نبی ﷺ تشریف لائے تو عرض کیا: یارسول اللہ! میرا کیا ہوگا؟ میں نے تو ابھی تک عمرہ نہیں کیا؟ اور نہ میں پاک ہوئی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: تم احرام توڑ دو، اور بال کھول لو، اور تیل کنگھا کر کے حج کا احرام باندھ لو۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، پھر حج کے بعد تیرہ ذی الحجہ کو آپؐ نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن کو بلایا اور کہا اپنی بہن کو تنعیم لے جاؤ، وہاں سے عمرہ کا احرام بندھواؤ اور عمرہ کراؤ، جو عمرہ کا احرام توڑا تھا یہ اس کی قضا تھی۔

۴- ازواج مطہرات کے پاس قربانی نہیں تھی، مگر آنحضور ﷺ نے ان کی طرف سے قربانی کی تھی اور گائے ذبح فرمائی تھی .... بالبَقَر: ۃ مدورہ کے بغیر اسم جنس ہے پس ایک پر اور زائد پر اس کا اطلاق ہوگا، اور ۃ مدورہ کے ساتھ البقرۃ کے معنی ہیں: ایک گائے، اس صورت میں اشکال ہوگا کہ ایک گائے نو بیویوں کی طرف سے کیسے کافی ہوگئی؟ ۃ مدورہ نہ ہو تو کوئی اشکال نہیں، تفصیل کتاب الحج میں آئے گی۔

۵- حاشیہ میں لکھا ہے کہ دوسرے کی طرف سے قربانی کرنے کے لئے علم واجازت ضروری ہے، ایک شخص کو پتا بھی نہ ہو اور دوسرا اس کی طرف سے قربانی کر دے تو واجب ادا نہ ہوگا، وہ قربانی نفلی ہو جائے گی، مگر شوہر کو بیوی کی طرف سے دلالۃً اجازت ہوتی ہے، اس لئے قربانی صحیح ہے۔

۶- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر ابو ذر کے نسخہ میں یہ باب ہے: بَابُ الْأَمْرِ بِالنُّفَسَاءِ إِذَا نُفِسْنَ: گیلری میں یہ باب لکھ رکھا ہے، اگر اس نسخہ کا اعتبار کریں تو اس ترجمہ کا مقصد یہ ہوگا کہ حیض کی حالت میں عورت بالکل آزاد نہیں کہ اس سے اوامر ونواہی کا بالکل تعلق نہ ہو، ان ایام میں بھی عورت دینی مجلسوں میں شرکت کر سکتی ہے اور ذکر واذکار بھی کر سکتی ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ کو طواف کے علاوہ تمام ارکان حج کی ادائیگی کی جازت دی تھی۔

بَابُ غَسْلِ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا وَتَرْجِيْلِهِ

حائضہ شوہر کے سر کو دھو سکتی ہے اور تیل کنگھا کر سکتی ہے

حائضہ کا شوہر کے سر کو دھونا، تولیہ سے خشک کرنا اور تیل ڈال کر کنگھی کرنا جائز ہے، یہ اعتزال مطلوب کے منافی نہیں، سورۃ البقرۃ (آیت ۲۲۲) میں ارشاد پاک ہے: ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ﴾: اس آیت میں جو اعتزال کا حکم ہے مذکورہ امور اس کے منافی نہیں، حائضہ ان امور کو انجام دے سکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ حدیث میں صرف ترجیل (تیل کنگھا کرنے) کا ذکر ہے، سر دھونے کا ذکر نہیں، مگر اس حدیث کی دوسری سند میں سر دھونے کا بھی ذکر ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ ایسا کرتے ہیں کہ دوسری جگہ جو حدیث آئی ہے اس کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ قائم کرتے ہیں، پس حدیث باب کے ساتھ پوری طرح منطبق ہے، یا یوں کہیں کہ تیل کنگھا کرنے میں پہلے سر کو دھویا جاتا ہے، پھر سر خشک کر کے بالوں کو تیل پلا کر کنگھی کی جاتی ہے، پس ترجیل کے تقاضہ سے غسل رأس خود بخود ثابت ہوگا اور حدیث باب کے ساتھ منطبق ہوگی۔

[۲-] بابُ غَسْلِ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا وَتَرْجِيلِهِ

[۲۹۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَنَا حَائِضٌ.

[انظر: ۲۹۶، ۳۰۱، ۲۰۲۸، ۲۰۳۰، ۲۰۳۱، ۲۰۴۶، ۵۹۲۵]

ترجمہ: صدیقہ فرماتی ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے سر میں تیل کنگھی کرتی تھی درانحالیکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

تشریح: رمضان المبارک میں جب آپ ﷺ اعتکاف فرماتے تو چونکہ بال بڑے تھے، اور دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے، اتنے دن اگر سر کو دھویا نہ جائے اور تیل نہ ڈالا جائے تو سر میں کھجلی ہوجاتی ہے، اس لئے آپ مسجد ہی سے کمرے کے اندر سر نکال دیتے تھے اور حضرت عائشہؓ کسی بڑے برتن میں سر دھودیتی تھیں پھر بالوں کو خشک کر کے تیل پلاتیں اور کنگھی کرتیں، اس زمانہ میں وہ حیض میں ہوتی تھیں، معلوم ہوا کہ حائضہ مرد کی یہ خدمت کرسکتی ہے۔

[۲۹۶-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّهُ سُئِلَ: أَتَخْدُمُنِيْ الْحَائِضُ أَوْ: تَدْنُو مِنِّيْ الْمَرْأَةُ وَهِيَ جُنُبٌ؟ فَقَالَ عُرْوَةُ: كُلُّ ذٰلِكَ عَلَيَّ هَيِّنٌ، وَكُلُّ ذٰلِكَ تَخْدُمُنِيْ، وَلَيْسَ عَلٰى أَحَدٍ فِيْ ذٰلِكَ بَأْسٌ، أَخْبَرَتْنِيْ عَائِشَةُ أَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَهِيَ حَائِضٌ، وَرَسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِيْنَئِذٍ مُجَاوِرٌ فِيْ الْمَسْجِدِ، يُدْنِيْ لَهَا رَأْسَهُ وَهِيَ فِيْ حُجْرَتِهَا، فَتُرَجِّلُهُ وَهِيَ حَائِضٌ. [راجع: ۲۹۵]

ترجمہ: ہشام کہتے ہیں: حضرت عروہؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا حائضہ میری خدمت کرسکتی ہے؟ یا کہا: مجھ سے قریب ہوسکتی ہے، جبکہ وہ جنبی ہو؟ (أو شک راوی کا بھی ہوسکتا ہے اور تنویع کا بھی، شک کا ہو تو قال بڑھائیں گے) حضرت عروہ نے کہا: میرے اوپر یہ سب آسان ہے، اور حائضہ یہ سب میری خدمت کرسکتی ہے، اور کسی پر اس مسئلہ میں کوئی مضائقہ نہیں (تینوں جملوں کا ایک مطلب ہے) مجھے حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سر میں تیل کنگھی کرتی تھیں، حالانکہ

وہ حائضہ ہوتی تھیں، اور رسول اللہ ﷺ اس وقت مسجد میں معتکف ہوتے تھے، آپؐ حضرت عائشہؓ کے لئے اپنا سر قریب کردیتے اور وہ اپنے کمرہ میں ہوتی تھیں، پس وہ آپؐ کے سر میں تیل کنگھی کرتی تھیں، درانحالیکہ وہ حائضہ ہوتی تھیں۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حائضہ اور نفاس والی عورت شوہر کی اس قسم کی خدمت کرسکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور مدینہ منورہ کی اصطلاح میں مجاور: معتکف کو کہتے تھے، کیونکہ جو مسجد میں بیٹھ گیا وہ اللہ کا پڑوسی بن گیا۔

بابُ قِرَاءَ ةِ الرَّجُلِ فِیْ حَجْرِ امْرَأَتِهِ وِهَیَ حَائِضٌ

حائضہ کی گود میں سر رکھ کر شوہر قرآن پڑھ سکتا ہے

حَجر (حاء کے زبر اور زیر کے ساتھ) کے معنی ہیں: گود، کوئی شخص حائضہ بیوی کی گود میں سر رکھ کر قرآن پڑھے تو یہ جائز ہے، اور یہ بھی ایک طرح کا استخدام ہے، پس جب ہر استخدام جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور یہاں سے یہ مسئلہ بھی نکلا کہ نجاست کے قُرب میں اگر نجاست مستور ہو تو قرآن پڑھنا جائز ہے، مثلاً کوئی شخص فلیش کے گڈھے پر بیٹھ کر قرآن پڑھے تو یہ جائز ہے کیونکہ ناپاکی مستور ہے۔ اسی طرح جنبی عورت یا مرد کے گود میں سر رکھ کر قرآن پڑھنا بھی جائز ہے۔

[۳-] بابُ قِرَاءَ ةِ الرَّجُلِ فِیْ حَجْرِ امْرَأَتِهِ وِهَیَ حَائِضٌ

وَکَانَ أَبُوْ وَائِلٍ یُرْسِلُ خَادِمَهُ، وَهِیَ حَائِضٌ، إِلٰی أَبِیْ رَزِیْنٍ لِتَأْتِیَهُ بِالْمُصْحَفِ، فَتُمْسِکُهُ بِعِلَاقَتِهِ.

ترجمہ: ابو وائل اپنی باندی کو (خادم کا لفظ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے) ابو رزین کے پاس بھیجتے تھے جبکہ وہ حائضہ ہوتی تھی، تاکہ وہ ان کے پاس سے قرآن لائے، سو وہ قرآن کو سر بندھن سے پکڑ کر لاتی تھی۔

تشریح: ابو وائل کبار تابعین میں سے ہیں، کوفہ کے رہنے والے ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں، ان کا نام شقیق بن سلمہ ہے، اور ابو رزین ان کے آزاد کردہ ہیں، ان کا نام مسعود بن مالک ہے، حضرت ابو وائل اپنی باندی کو جو حالت حیض میں ہوتی تھی ابو رزین کے پاس قرآن لینے کے لئے بھیجتے تھے، وہ جزدان میں جو تسمیہ لگا ہوا ہوتا ہے اس سے پکڑ کر قرآن لاتی تھی، اس اثر کا باب کے ساتھ جوڑ یہ ہے کہ باندی حاملِ علاقہ ہے، اور علاقہ حاملِ قرآن ہے، اسی طرح جب شوہر بیوی کی گود میں سر رکھ کر قرآن پڑھ رہا ہے اور وہ حائضہ ہے تو حائضہ حاملِ قاری ہے، اور قاری حاملِ قرآن ہے، اس اعتبار سے یہ اثر باب کے ساتھ منطبق ہے، اور یہ اثر حنفیہ کے موافق ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی مختار قول یہی ہے، البتہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک جنبی اور حائضہ کے لئے تسمہ کے واسطہ سے بھی قرآن پکڑنا جائز نہیں۔

مسئلہ: قرآنِ مجید پر جو گتا، کپڑا یا کاغذ وغیرہ چڑھا دیا جاتا ہے اور اس کو جوڑ دیا جاتا ہے وہ قرآن ہی کے حکم میں ہے۔ عربی میں اس کو مُشَرَّج کہتے ہیں، اور جزدان جس میں قرآن لپیٹ کر رکھتے ہیں وہ قرآن کے حکم میں نہیں، جنبی، حائضہ اور

نفاس والی عورت اس کو پکڑ سکتی ہے، حائضہ باندی نے تسمیہ پکڑ رکھا ہے حالانکہ وہ جزدان کے ساتھ جڑا ہوا ہے، مگر وہ جزدان مُشَرَّج نہیں تھا، اس لئے جائز ہے۔

[۲۹۷-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، سَمِعَ زُهَيْرًا، عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ صَفِيَّةَ، أَنَّ أُمَّهُ حَدَّثَتْهُ، أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهَا: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَتَّكِئُ فِيْ حِجْرِيْ وَأَنَا حَائِضٌ، ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ.

[انظر: ۷۵۴۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی ﷺ میری گود میں ٹیک لگایا کرتے تھے درانحالیکہ میں حائضہ ہوتی تھی، پھر آپ قرآن پڑھتے تھے۔

بابُ مَنْ سَمَّى النِّفَاسَ حَيْضًا

نفاس کو حیض کہنا درست ہے

حیض وہ خون ہے جو تندرست عورت کو آتا ہے اور ہر مہینہ آتا ہے، اور بچہ پیدا ہونے کے بعد جو خون آتا ہے وہ نفاس کہلاتا ہے، جب حمل ٹھہرتا ہے تو حیض کا خون نکلنا بند ہو جاتا ہے، وہ جمع رہتا ہے، پھر جب بچہ میں روح پڑتی ہے تو وہ خون بچہ کی پرورش میں صرف ہوتا ہے، اس کی غذا بنتا ہے، پھر جو خون بچ جاتا ہے وہ بچہ کی پیدائش کے بعد نکل آتا ہے، اس خون کو نفاس کہتے ہیں، پس یہ خون درحقیقت حیض ہی کا خون ہے اس لئے اس کو حیض بھی کہہ سکتے ہیں، اور حیض کو نفاس بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ دونوں خون ایک ہیں۔ نبی ﷺ نے حیض پر نفاس کا اطلاق کیا ہے، آپؐ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تھا: أَنُفِسْتِ؟ کیا تمہیں حیض آ گیا؟ امام بخاریؒ نے اس کے برعکس باب باندھا ہے کہ نفاس پر حیض کا اطلاق درست ہے، کیونکہ دونوں کے احکام ایک ہیں، دونوں ایک ہی خون ہیں، اس لئے اطلاق میں طرد و عکس درست ہے۔

قوله: من سَمَّى النفاس حيضًا: جس نے نفاس کو حیض کہا، حدیث میں اس کے برعکس ہے، حیض پر نفاس کا اطلاق کیا گیا ہے، اس سے حضرت رحمہ اللہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جب حیض پر نفاس کا اطلاق کیا جا سکتا ہے تو نفاس پر بھی حیض کا اطلاق کیا جا سکتا ہے، پس احکام میں اشتراک ثابت ہوا۔

[۴-] بابُ مَنْ سَمَّى النِّفَاسَ حَيْضًا

[۲۹۸-] حدثنا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيىَ بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهَا، قَالَتْ: بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مُضْطَجِعَةٌ

فِیْ خَمِیْصَةٍ، إِذْ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ، فَأَخَذْتُ ثِیَابَ حَیْضَتِیْ، فَقَالَ: "أَنُفِسْتِ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، فَدَعَانِیْ فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِیْ الْخَمِیْلَةِ.[انظر: ۳۲۲، ۳۲۳، ۱۹۴۹]

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: دریں اثناء کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ کمبل (خمیصَة: پتلے کمبل اور پتلی چادر کو کہتے ہیں) میں لیٹی ہوئی تھی کہ اچانک مجھے حیض شروع ہوگیا، میں چپکے سے کمبل سے نکل گئی، اور میں نے اپنے حیض کے کپڑے لئے (حِیضة: حاء کا زبر اور زیر دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں) آپؐ نے فرمایا: کیا تمہارا حیض شروع ہوگیا؟ میں نے کہا: ہاں، آپؐ نے مجھے بلایا پس میں آپؐ کے ساتھ کمبل میں لیٹ گئی۔

تشریح: نبی ﷺ اور حضرت ام سلمہؓ ایک ساتھ ایک چادر میں سو رہے تھے کہ اچانک حضرت ام سلمہؓ کا حیض شروع ہوگیا، وہ چپکے سے کمبل سے نکل گئیں، اور حیض کے کپڑے باندھنے لگیں، حیض کے زمانہ میں عورتیں کچھ زائد کپڑے استعمال کرتی ہیں، بعض لنگوٹ باندھتی ہیں، بعض روئی یا کپڑا رکھتی ہیں اور اس پر نیکر پہنتی ہیں تاکہ پائجامہ خراب نہ ہو، اس درمیان نبی ﷺ کی آنکھ کھل گئی، آپؐ نے پوچھا: کیا تمہیں حیض آگیا؟ انھوں نے کہا: ہاں، آپؐ نے فرمایا: کپڑے باندھ کر میرے ساتھ آکر لیٹ جاؤ، چونکہ یہ بات رات میں پیش آئی تھی، اور آپؐ کے گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا، اور بروقت دوسرا انتظام مشکل تھا اس لئے آپؐ نے زوجۂ مطہرہ کو ساتھ لیٹنے کے لئے فرمایا، ورنہ ازواج مطہرات کا عام معمول یہ تھا کہ وہ ماہواری کے دنوں میں علاحدہ لیٹتی تھیں، ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: کنتُ إذا حِضْتُ نَزَلْتُ عن المثال (السریر) علی الحصیر، فلم نَقْرَب رسولَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم ولم نَدنُ منه حتی نطهر: مجھے جب ماہواری آتی تھی تو میں چارپائی سے چٹائی پر اتر جاتی تھی، پس جب تک ہم پاک نہیں ہوتے تھے نبی ﷺ سے نہ نزدیک ہوتے تھے، نہ قریب (جامع الاصول حدیث ۵۳۹۵) اس حدیث میں آنحضور ﷺ نے حیض پر نفاس کا اطلاق کیا ہے، جب حیض پر نفاس کا اطلاق کیا جاسکتا ہے تو نفاس پر بھی حیض کا اطلاق کیا جاسکتا ہے، کیونکہ دونوں خون ایک ہیں، پس دونوں کے احکام بھی ایک ہونگے اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا مدعیٰ ہے۔

بابُ مُبَاشَرَةِ الْحَائِضِ

حائضہ کے بدن سے بدن لگانا

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ ﴿فَاعْتَزِلُوْا النِّسَاءَ فِیْ الْمَحِیْضِ﴾ کی حدود کیا ہیں؟ حائضہ عورت سے کتنا بچنا ضروری ہے؟ اور کتنا قریب جاسکتے ہیں؟ امام احمد اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: فرج کے علاوہ باقی بدن سے بدن لگانا جائز ہے۔
بَشَرَة کے معنی ہیں: کھال، اور مباشرت باب مفاعلہ کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: بدن کو بدن سے لگانا، اور اردو میں

مباشرت کے معنی ہیں: صحبت کرنا، پس لفظ مباشرت سے دھوکہ نہ کھائیں، جیسے شہوت کے عربی معنی ہیں: دل میں گدگدی پیدا ہونا، میلان ہونا، اور اردو میں معنی ہیں: انتشار آلہ، ایسی جگہوں میں طلبہ کو خیال رکھنا چاہئے۔

غرض امام احمد اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک فرج کے علاوہ بدن سے بلا حائل بدن لگانا جائز ہے، اور جمہور بشمول امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ ناف سے گھٹنے تک مباشرت جائز نہیں، یعنی اتنے حصہ میں کپڑے کے بغیر ہاتھ اور بدن وغیرہ لگانا جائز نہیں، کپڑے کی آڑ کے ساتھ لگا سکتے ہیں، اور باقی بدن کے ساتھ بدن لگا سکتے ہیں، کپڑے کے ساتھ بھی اور کپڑے کے بغیر بھی۔

باب کی حدیث جمہور کی دلیل ہے، نبی ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: لنگی باندھ کر میرے ساتھ لیٹ جاؤ، جب لنگی باندھ لیں گی تو ناف سے گھٹنے تک کا بدن چھپ جائے گا، معلوم ہوا کہ بدن کے اس حصہ کو کپڑے کی آڑ کے بغیر ہاتھ اور بدن وغیرہ لگانا جائز نہیں۔

پس آیتِ کریمہ کی دو تفسیریں ہوئیں: امام احمدؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف فرج سے بچنا ضروری ہے، باقی بدن کو ہاتھ وغیرہ لگا سکتے ہیں، کپڑے کے ساتھ بھی اور کپڑے کے بغیر بھی، اور جمہور کے نزدیک ناف اور گھٹنے کے درمیانی بدن سے بچنا ضروری ہے، اس حصہ کو کپڑے کی آڑ کے بغیر ہاتھ وغیرہ لگانا جائز نہیں، باقی بدن کو بدن لگا سکتے ہیں۔

[۵-] بابُ مُبَاشَرَةِ الْحَائِضِ

[۲۹۹-] حدثنا قَبِيْصَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، وِكَلَانَا جُنُبٌ. [راجع: ۲۵۰]

[۳۰۰-] وَكَانَ يَأْمُرُنِيْ فَأَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِيْ وَأَنَا حَائِضٌ. [انظر: ۳۰۲، ۲۰۳۰]

[۳۰۱-] وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ إِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ. [راجع: ۲۹۵]

ترجمہ: (۱) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: میں اور نبی ﷺ ایک برتن سے غسل کیا کرتے تھے درانحالیکہ ہم دونوں جنبی ہوتے تھے (۲) اور آپؐ مجھے حکم دیا کرتے تھے، پس میں لنگی باندھ لیتی تھی، پس آپؐ مجھے اپنے ساتھ لٹاتے تھے، درانحالیکہ میں حائضہ ہوتی تھی (۳) اور آپؐ سر میری طرف نکالتے تھے درانحالیکہ آپؐ معتکف ہوتے تھے، پس میں سر دھودیتی تھی درانحالیکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

تشریح: اس حدیث میں تین مضمون ہیں: دو کا باب سے کوئی تعلق نہیں اور وہ پہلے گذر چکے ہیں اور ایک باب سے متعلق ہے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آتا تو نبی ﷺ ان کو لنگی باندھ کر ساتھ لیٹنے کا حکم دیتے، مگر یہ کبھی کبھار کا عمل تھا، مگر راوی نے اس کو ماضی استمراری سے تعبیر کیا ہے، رُوات ایسا کرتے ہیں۔ جیسے نبی ﷺ نے ایک مرتبہ حج کیا ہے مگر

راوی اس کو ماضی استمراری سے روایت کرتے ہیں، کیونکہ ایک مرتبہ کے عمل سے جو جواز ثابت ہوتا ہے وہ مستمر ہوتا ہے، اس لئے راوی اس کو ماضی استمراری سے تعبیر کرتا ہے، پس اس کو دائمی عمل نہیں سمجھنا چاہئے۔ ازواج مطہرات زمانہ حیض میں الگ سوتی تھیں، گذشتہ باب میں ابوداؤد کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے۔

ملحوظہ: أَتَّزِرُ: إِزَار سے ہے، اس کے معنی ہیں: لنگی باندھنا۔ اردو میں پائجامہ کو ازار کہتے ہیں، عربی میں ازار کے معنی لنگی کے ہیں۔

[۳۰۲-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ خَلِيْلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ: هُوَ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا، فَأَرَادَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُبَاشِرَهَا، أَمَرَهَا أَنْ تَتَّزِرَ فِيْ فَوْرِ حَيْضَتِهَا، ثُمَّ يُبَاشِرُهَا، قَالَتْ: وَأَيُّكُمْ يَمْلِكُ أَرَبَهُ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَمْلِكُ أَرَبَهُ؟ —— تَابَعَهُ خَالِدٌ وَجَرِيْرٌ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب ہم میں سے کوئی بیوی حائضہ ہوتی اور رسول اللہ ﷺ اس کو ساتھ لٹانا چاہتے تو اس کو حکم دیتے کہ حیض کے شروع دنوں میں لنگی باندھ لے، پھر اس کو لٹاتے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: اور تم میں سے کون اپنی خواہش پر ایسا کنٹرول کرسکتا ہے جتنا نبی ﷺ اپنی خواہش پر کنٹرول رکھتے تھے؟

تشریح: ازواج مطہرات حیض کے زمانہ میں علاحدہ سوتی تھیں، مگر بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ بیوی ساتھ سو رہی ہے اور اس کا حیض شروع ہوگیا، پس آپؐ بیوی کو حکم دیتے کہ وہ حیض کے زمانہ کے کپڑے باندھ کر لنگی باندھ لے، پھر آپؐ کے ساتھ لیٹ جائے، اس لئے کہ رات کا وقت ہوتا تھا اور گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا، اس لئے علاحدہ سونے کا انتظام کرنا دشوار ہوتا تھا، پھر اگلے دن بیوی علاحدہ سوتی۔

قولہ: فِي فَوْرِ حَيْضَتِهَا کا یہی مطلب ہے کہ یہ حکم دینا اور ساتھ سلانا حیض کے آغاز میں ہوتا تھا۔ اور نبی ﷺ کا یہ فعل بیان جواز کے لئے تھا ﴿فَاعْتَزِلُوْا النِّسَاءَ فِيْ الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ﴾ کی وضاحت کے لئے تھا، پس یہ سنت نہیں، چنانچہ خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: تم میں سے کون اپنی خواہش پر اتنا کنٹرول کرسکتا ہے جتنا نبی ﷺ کا اپنی خواہش پر کنٹرول تھا یعنی تم اس کو سنت سمجھ کر بیوی کو ساتھ نہ لٹاؤ ورنہ گناہ میں مبتلا ہوجاؤ گے۔

اس حدیث سے بھی فوق الازار مباشرت کا جواز ثابت ہوا، اور یہی حدیث کی باب سے مناسبت ہے، اور أَرَب (الف اور راء کا زبر) کے معنی ہیں: حاجت، خواہش، اور إِرْب (الف کا زیر اور را پر جزم) کے معنی ہیں: عضو، پس دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں مگر راجح أَرَب (بفتحتین) ہے۔

فائدہ: ابواسحاق دو ہیں: ایک: سبیعی ہمدانی، دوسرے شیبانی، دونوں ایک ہی طبقہ کے ہیں، اس لئے امتیاز کے لئے سند

میں هو الشیبانی بڑھایا، اور خالد اور جریر: علی بن مُسہر کے متابع ہیں، یعنی وہ دونوں بھی ابواسحاق شیبانی سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔

[۳۰۳-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مَيْمُوْنَةَ، قَالَتْ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَرَادَ أَنْ يُبَاشِرَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ، أَمَرَهَا فَاتَّزَرَتْ، وَهِيَ حَائِضٌ —— وَرَوَاهُ سُفْيَانُ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ.

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ جب ازواج میں سے کسی کو ساتھ لٹانے کا ارادہ فرماتے اور وہ حائضہ ہوتی تو اس کو لنگی باندھنے کا حکم دیتے —— اس حدیث کو سفیان ثوری بھی شیبانی سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: نبی ﷺ نے زمانہ حیض میں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت میمونہؓ کو بھی ساتھ لٹایا ہے، مسلم شریف (۱:۱۴۲) میں اس کی صراحت ہے۔

بَابُ تَرْكِ الْحَائِضِ الصَّوْمَ

حائضہ کا روزہ نہ رکھنا

حائضہ نہ نماز پڑھے گی اور نہ روزہ رکھے گی، اور امام بخاریؒ نے نماز کا تذکرہ اس لئے چھوڑ دیا کہ نماز کے لئے طہارت شرط ہے، اور حائضہ طاہرہ نہیں، پس وہ نماز نہیں پڑھ سکتی، یہ بات ہر کوئی جانتا ہے، اور روزہ کے لئے طہارت شرط نہیں، اس لئے کوئی خیال کرسکتا تھا کہ حائضہ روزہ رکھے گی، اس لئے حضرتؒ نے یہ ترجمہ قائم کیا کہ حائضہ روزہ بھی نہیں رکھے گی۔

مسئلہ: کوئی عورت روزہ سے ہو، فرض روزہ ہو یا نفل اور حیض شروع ہوجائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اس کے لئے کھانا پینا جائز ہے، مگر لوگوں کے سامنے نہ کھائے، اور روزے کی قضا کرے، اور اگر حائضہ رمضان میں دن میں پاک ہوجائے تو اب روزہ شروع نہیں کرسکتی، البتہ امساک ضروری ہے، کھائے پیئے گی تو گنہ گار ہوگی، اور اس روزہ کی بھی قضا کرے گی۔

[٦-] بَابُ تَرْكِ الْحَائِضِ الصَّوْمَ

[۳۰۴-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ زَيْدٌ: هُوَ ابْنُ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: خَرَجَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ أَضْحَى أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمُصَلَّى، فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ: " يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ فَإِنِّيْ أُرِيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ" فَقُلْنَ: وَبِمَ يَارسولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: " تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ

الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ" قُلْنَ: وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَارسولَ اللّٰهِ؟ قَالَ:" أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ؟" قُلْنَ: بَلٰى، قَالَ:" فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟" قُلْنَ: بَلٰى، قَالَ:" فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا" [انظر: ۱٤٦۲، ۱۹٥۱، ۲٦٥٨]

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ عیدالاضحیٰ میں یا عیدالفطر میں (راوی کو شک ہے) عیدگاہ تشریف لے گئے، پس آپ عورتوں کے پاس سے گذرے، اور فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو، اس لئے کہ میں جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ دکھلایا گیا ہوں، عورتوں نے پوچھا: کس وجہ سے اے اللہ کے رسول؟ یعنی عورتیں جہنم میں زیادہ کیوں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو، اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو، میں نے عقل اور دین کی ادھوری کوئی مخلوق ایسی نہیں دیکھی جو سمجھ دار اور انجام بیں مرد کی عقل کو اچک لے، تم سے زیادہ! یعنی تم دین میں بھی ناقص ہو اور عقل میں بھی، اس کے باوجود عقلمند آدمی کی عقل کو چٹکی بجا کر مٹھی میں کر لیتی ہو، عورتوں نے پوچھا: ہمارے دین اور عقل کا نقصان کیا ہے اے اللہ کے رسول؟ آپؐ نے پوچھا: کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی نہیں؟ یعنی باب شہادت میں دو عورتیں ایک مرد کے برابر نہیں؟ عورتوں نے کہا: کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا: یہ عقل کا نقصان ہے، کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب وہ حائضہ ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟ عورتوں نے کہا: کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا: یہ دین کا نقصان ہے۔

تشریح: یہ حدیث کتاب الایمان میں مختصر گذری ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر میں خطبہ دیا پھر آپؐ نے خیال فرمایا کہ آپ کی آواز عورتوں تک اچھی طرح نہیں پہنچی اس لئے آپ عورتوں کے مجمع کے قریب تشریف لے گئے، اور ان کے سامنے دوبارہ تقریر فرمائی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، اس موقع پر آپؐ نے خاص طور پر عورتوں کو صدقہ کرنے پر ابھارا اور فرمایا کہ میں نے جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی ہے، جہنم آپؐ نے معراج میں بھی دیکھی ہے، آپ کو چھ مرتبہ معراج ہوئی ہے، ان میں سے پانچ منامی معراجیں ہیں اور بڑی معراج میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک وہ جسمانی ہے، ان معراجوں میں سے کسی معراج میں آپ کو جنت وجہنم دکھائی گئی تو آپؐ نے دیکھا کہ جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔

سوال: ابھی نہ تو کوئی جنت میں گیا ہے نہ جہنم میں، ابھی تو سب عالم برزخ میں ہیں، پھر قیامت کے دن روحیں اس دنیا میں واپس آئیں گی، اس کا نام معاد ہے، پھر حساب وکتاب ہوگا، پھر دو دنیاؤں کے درمیان پل رکھا جائے گا، اس سے گذر کر جنتی جنت میں جائیں گے اور جہنمی جہنم میں۔ پھر حضور ﷺ نے عورتوں کو جہنم میں زیادہ کیسے دیکھا؟

جواب: یہ عالم مثال کی جنت وجہنم ہیں، مثال کے معنی ہیں: فوٹو کاپی، عالم مثال اس دنیا کی بھی فوٹو کاپی ہے اور عالم آخرت کی بھی، اس میں ہماری گذشتہ دنیا اور آنے والی آخرت کی مثالیں موجود ہیں۔ آنحضور ﷺ نے عالم مثال کی جنت وجہنم کی سیر کی ہے، اور جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی ہے۔

غرض: نبی ﷺ نے جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی، اور جہنم میں وہی جائے گا جس سے اللہ ناراض ہوں، اور اللہ کی ناراضگی کو صدقہ ختم کرتا ہے، حدیث میں ہے: إن الصدقۃَ تُطْفِئُ غَضَبَ الربِّ: صدقہ پروردگار کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے، اس لئے آنحضور ﷺ نے عورتوں کو صدقہ کا حکم دیا۔

اور عورتوں کے جہنم میں زیادہ ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ لعن طعن زیادہ کرتی ہیں، شوہروں کے احسان کی ناشکری کرتی ہیں، بڑے سے بڑے عقلمند کی عقل کو اپنی مٹھی میں کرلیتی ہیں، اور ماں باپ، بھائی بہن، کنبہ اور خاندان سے لڑا دیتی ہیں۔

آنحضور ﷺ نے ان کو دین و عقل میں ناقص بھی قرار دیا، اور عقل کا نقصان یہ بتایا کہ باب شہادت میں دو عورتیں ایک مرد کے برابر مانی جاتی ہیں، اور دین کا نقصان یہ بتلایا کہ مرد ہمیشہ نماز روزہ کرتا ہے، اور عورتیں زمانہ حیض اور زمانہ نفاس میں نہ نماز پڑھتی ہیں نہ روزہ رکھتی ہیں، پھر اگرچہ روزوں کی قضا کرلیتی ہیں مگر نمازوں کی قضا نہیں، اس لئے وہ دین میں مردوں کے برابر نہیں اور یہی جزء باب سے متعلق ہے۔

فائدہ (۱): عورتیں جو زمانہ حیض میں نماز روزہ نہیں رکھتیں ان کو نماز روزہ کا ثواب مل جاتا ہے، مگر وہ صرف اصلی ثواب ہوتا ہے، اور جو بالفعل نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے اس کو اصلی اور فضلی دونوں ثواب ملتے ہیں، پس وہ صرف اصلی ثواب والے سے بڑھ جاتا ہے، جیسے تہجد گذار جب بڑھاپا یا بیماری کی وجہ سے تہجد نہ پڑھ سکے تو اس کے نامۂ اعمال میں تہجد کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے مگر وہ اصلی ثواب ہوتا ہے، اور جو بالفعل تہجد پڑھتا ہے اس کو اصلی اور فضلی دونوں ثواب ملتے ہیں، اس لئے یقیناً وہ ایک ثواب والے سے بڑھ جائے گا۔ مشہور حدیث ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے بغیر عذر کے رمضان کا روزہ کھالیا اگر وہ زمانہ بھر روزہ رکھے تو بھی اس ایک روزہ کے ثواب کو نہیں پاسکتا، اس کی وجہ یہی ہے کہ جو رمضان میں روزہ رکھے گا اس کو اصلی اور فضلی دونوں ثواب ملیں گے، اور بعد میں روزہ قضا کرنے والے کو روزہ کا ثواب تو مل جائے گا، اور ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا، مگر وہ رمضان کے فضلی ثواب سے محروم رہے گا۔

فائدہ (۲): عورتوں کا ماحول ایسا ہے کہ ان کا حافظہ کمزور پڑ جاتا ہے، صبح سے شام تک بچے دماغ چاٹتے رہتے ہیں، ساس سسر اور شوہر کی فکر سوار رہتی ہے، اس سے حافظہ پر اثر پڑتا ہے، اس لئے باب شہادت میں دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام گردانا گیا ہے، کورٹ میں جب دو مرد گواہی دینے کے لئے کھڑے ہونگے تو آگے پیچھے گواہی دیں گے، ایک ساتھ کھڑے نہیں ہونگے، اور عورتیں ایک ساتھ کھڑی ہونگی، کیونکہ وہ دونوں ایک مرد کے قائم مقام ہیں، کتابوں میں یہ قصہ لکھا ہے کہ کسی قاضی نے عورتوں کی گواہی الگ الگ لینی چاہی تو عورتوں نے اعتراض کیا کہ ہم دونوں ساتھ کھڑی ہونگی اور قرآن کی آیت پڑھی: ﴿أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ أَحْدَاهُمَا الْأُخْرَى﴾: چنانچہ قاضی کو ماننا پڑا، اس آیت میں اشارہ ہے کہ عورتوں کا حافظہ کمزور ہو جاتا ہے، اس لئے حدیث میں عقل سے حافظہ مراد ہے، تاریخ میں بہت سی عورتیں گذری ہیں جو بڑی فرزانہ اور زیرک تھیں، حکومتوں کی انھوں نے سربراہی کی ہے اور آج بھی کررہی ہیں، کیونکہ حافظہ کمزور کرنے والی باتیں ان

کے ساتھ نہیں ہوتیں، مگر عام عورتوں کا حال ان سے مختلف ہے۔

فائدہ (۳): سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں عباد الرحمٰن کی ایک خاص شان یہ بیان ہوئی ہے: ﴿الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا﴾: رحمان کے بندوں کو جب رحمان کی آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے، بلکہ ان کو سمجھتے ہیں اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کو پوچھتے ہیں۔ صحابہ کی یہی شان تھی، مردوں کی بھی اور عورتوں کی بھی، جب نبی ﷺ نے عورتوں کو دین وعقل میں ناقص قرار دیا تو عورتوں نے فوراً سوال کیا، طلبہ کو بھی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو پوچھنا چاہئے۔

بابٌ تَقْضِي الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ

حائضہ طواف کے علاوہ حج کے تمام ارکان ادا کرے

تین مسئلوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، جب تک ان کو الگ الگ نہ کرلیا جائے بات سمجھنا مشکل ہوگا:

(۱) جنابت، حیض اور نفاس کی حالت میں اللہ کا ذکر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جنبی اور حائضہ کے لئے قرآنِ کریم کی وہ آیات جواذکار وادعیہ اور تعوذ کے قبیل سے ہیں: ان کو پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسے چھینک آنے پر الحمد للہ یا الحمد للہ رب العالمین علی کل حال کہنا، یا دعا کے طور پر رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً إلخ پڑھنا، یا سوتے وقت معوذتین اور آیت الکرسی وغیرہ پڑھ کر بدن پر دم کرنا: یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جنبی اور حائضہ کے لئے تلاوت قرآن کا کیا حکم ہے؟

یہ تین الگ الگ مسئلے ہیں اگر ان کو جدا جدا نہیں کیا جائے گا تو بات سمجھنا مشکل ہوگا، جیسے فاتحہ کے سلسلہ میں دو مسئلے الگ الگ ہیں، ایک: فاتحہ کا نماز سے کیا تعلق ہے؟ قطع نظر اس سے کہ نمازی کون ہے؟ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک وجوب کا تعلق ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرضیت کا، اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فاتحہ کا کس نمازی سے تعلق ہے؟ نمازی تین ہیں: امام، مقتدی اور منفرد، امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک صرف امام اور منفرد سے فاتحہ کا تعلق ہے مقتدی سے تعلق نہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مقتدی سے بھی فاتحہ کا تعلق ہے، یہ دونوں مسئلے جدا جدا ہیں اگر ان کو الگ نہیں کیا جائے گا تو دلائل کا کھچڑا ہو جائے گا، اسی طرح مذکورہ تینوں مسئلے بھی جب تک الگ نہیں کئے جائیں گے بات الجھی رہے گی، اس لئے ان تینوں مسئلوں کو ایک دوسرے سے جدا کر کے سمجھنا چاہئے تفصیل درج ذیل ہے:

۱- جنبی اور حائضہ کے لئے ہر ذکر جائز ہے (قرآنِ کریم مستثنیٰ ہے) اور یہ اجماعی مسئلہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

۲- قرآنِ کریم کی آیات: ذکر، دعا اور تعوذ کے طور پر پڑھنا بھی بالاجماع جائز ہے۔

۳- قرآن کی تلاوت میں اختلاف ہے، حضرات ابو حنیفہ، شافعی، احمد اور جمہور کے نزدیک تلاوت جائز نہیں، نہ تھوڑی

نہ زیادہ، اور احناف کا ایک قول یہ ہے کہ مکمل آیت کی تلاوت جائز نہیں، بعض آیت کی تلاوت جائز ہے، مگر اصح قول یہ ہے کہ طرفِ کلمۃ یعنی کلمہ کا کچھ حصہ پڑھ سکتے ہیں، پورا کلمہ نہیں پڑھ سکتے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کی دو روایتیں ہیں: ایک: تعوذ کے طور پر چند آیتیں پڑھ سکتے ہیں، دوسری: جنبی اور حائضہ کے لئے مطلقاً تلاوت جائز ہے اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

جمہور کے دلائل:

۱- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں (ترمذی حدیث ۱۳۲) مگر یہ حدیث اسماعیل بن عیاش کی ہے اور ان کے استاذ موسیٰ بن عقبہ حجازی ہیں، اور اسماعیل کی جو حدیثیں شامی اساتذہ سے ہوتی ہیں وہ تو معتبر ہیں مگر حجازی اور عراقی اساتذہ سے جو حدیثیں مروی ہیں ان کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۲- حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر حال میں قرآن پڑھاتے تھے، البتہ اگر آپ جنبی ہوتے تو قرآن نہیں پڑھاتے تھے (ترمذی حدیث ۱۴۷) معلوم ہوا کہ جنبی کے لئے قرآن پڑھنا جائز نہیں، پس یہی حکم حائضہ اور نفاس والی عورت کا بھی ہوگا۔ اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے، مگر یہ حدیث بھی ضعیف ہے اس لئے کہ اس کا مدار عبداللہ بن سلمہ پر ہے، اور وہ بوڑھے ہوگئے تھے اور ان کی احادیث میں نکارت پیدا ہوگئی تھی، اس لئے امام بخاریؒ نے ان حدیثوں کا اعتبار نہیں کیا، اور فرمایا: جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورتوں کے لئے مطلقاً قرآن کی تلاوت جائز ہے، کیونکہ ممانعت کی کوئی روایت ثابت نہیں، مگر جمہور کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ضعف قابل برداشت ہے، یعنی وہ معمولی ضعیف ہے، اور ابن عمرؓ کی حدیث بھی قابل استدلال ہے، کیونکہ مغیرۃ بن عبدالرحمان اور معشر: اسماعیل کے متابع ہیں، مغیرہ کی حدیث دارقطنی (۱:۱۱۷) میں ہے۔

۳- حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے، ایک مرتبہ اپنی باندی سے صحبت کر رہے تھے، ان کی بیوی نے دیکھ لیا، وہ چاقو لے کر آئی اتنے میں وہ صحبت سے فارغ ہو چکے تھے، وہ ان کو گرا کر سینہ پر بیٹھ گئی، اور چاقو دکھا کر کہا: تم نے باندی سے صحبت کی ہے؟ وہ بیچارے مرتے کیا نہ کرتے، انھوں نے بیوی سے کہا: اگر میں نے باندی سے صحبت کی ہے تو میں جنبی ہوں، اور تم جانتی ہو کہ جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتا، بیوی نے کہا: ٹھیک ہے قرآن پڑھ کر دکھاؤ، انھوں نے برجستہ چند اشعار پڑھے جن کا مضمون قرآن کے مضمون سے ملتا جلتا تھا۔ یہ اشعار بخاری شریف کتاب التہجد (حدیث ۱۱۵۵) میں آئیں گے، بیوی نے ان کو قرآن سمجھا اور وہ یہ کہہ کر اٹھ گئی کہ میری آنکھوں نے غلط دیکھا، اللہ کے رسول نے صحیح فرمایا! یہ حدیث بخاری شریف میں مختصراً دو جگہ آئی ہے اور تفصیل سے دیگر کتابوں میں ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ ہی نہیں صحابیات بھی جانتی تھیں کہ جنابت کی حالت میں قرآن پڑھنا جائز نہیں۔

نظیر: حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں بھرے ہوئے بہنوئی کے گھر پہنچے، اور بہن بہنوئی کو مارا، جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو انھوں نے کہا: اچھا مجھے دکھاؤ تم کیا پڑھ رہے تھے؟ بہن نے کہا: تم ناپاک ہو، تم اللہ کے کلام کو چھو نہیں سکتے، پہلے غسل کرو، چنانچہ حضرت عمرؓ نے غسل کیا پھر انھوں نے سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیات پڑھیں اور دل کی کایا پلٹ گئی اور حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے، یہ مشہور واقعہ ہے، اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ بے وضو قرآن کو چھونا جائز نہیں، اور یہ مسئلہ ﴿لاَیَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ سے نکلتا ہے، یہ بات صحابہ ہی نہیں، صحابیات بھی جانتی تھیں، اب اگر غیر مقلدین اور مودودی اس کو نہ سمجھیں تو ہم کیا کریں؟ پڑیں ان کی عقلوں پر پتھر! اسی طرح یہ مسئلہ ہے کہ صحابہ ہی نہیں صحابیات بھی جانتی تھیں کہ جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتا۔

غرض: جمہور کی یہ تین دلیلیں ہیں اور جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ حالت جنابت میں قرآن پڑھ سکتے ہیں جیسے امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب ہے، ان کے دلائل کتاب میں ہیں۔ امام بخاریؒ نے باب میں پہلے دو آثار، پھر چار معلق احادیث، پھر ایک اثر اور ایک مرفوع روایت پیش کی ہے، ان میں غور کرنا ہے کہ تقریب تام ہے یا نہیں؟ یعنی ان سے استدلال درست ہے یا نہیں؟

[٧-] بابٌ تَقْضِی الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ

[١-] وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ: لَابَأْسَ أَنْ تَقْرَأَ الآيَةَ.

[٢-] وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالْقِرَاءَةِ لِلْجُنُبِ بَأْسًا.

[٣-] وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَذْكُرُ اللهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهِ.

[٤-] وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ: كُنَّا نُؤْمَرُ أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ فَيُكَبِّرْنَ بِتَكْبِيْرِهِمْ وَيَدْعُوْنَ.

[٥-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ سُفْيَانَ أَنَّ هِرَقْلَ دَعَا بِكِتَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيْهِ: "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿يا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا﴾ إِلٰى قَوْلِهِ ﴿مُسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: ٦٤]

[٦-] وَقَالَ عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرٍ: حَاضَتْ عَائِشَةُ فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ وَلَا تُصَلِّيْ.

[٧-] وَقَالَ الْحَكَمُ: إِنِّيْ لَأَذْبَحُ وَأَنَا جُنُبٌ، وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ [الأنعام: ١٢١]

[٣٠٥-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَا نَذْكُرُ إِلَّا الْحَجَّ، فَلَمَّا جِئْنَا سَرِفَ طَمِثْتُ، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَنَا أَبْكِيْ، فَقَالَ: "مَا يُبْكِيْكِ؟" قُلْتُ: لَوَدِدْتُ

وَاللّٰهِ أَنِّیْ لَمْ أَحُجَّ الْعَامَ! قَالَ: " لَعَلَّكِ نُفِسْتِ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: " فَإِنَّ ذٰلِكَ شَيْئٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ، فَافْعَلِیْ مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لاَ تَطُوْفِیْ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِیْ" [راجع: ۲۹٤]

آثار:

۱-حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں کہ آپ قرآنِ کریم کی آیت پڑھیں —— حضرت رحمہ اللہ نے ایک آیت پڑھنے کی اجازت دی ہے یا مطلقاً قرآن پڑھنے کی؟ پھر تلاوت کے طور پر پڑھنے کی اجازت دی ہے یا دعاء، تعوذ اور ذکر کے طور پر؟ امام بخاریؒ نے حضرت ابراہیم نخعی کا جو قول یہاں نقل کیا ہے اس میں کوئی صراحت نہیں، البتہ ابراہیم نخعی کا یہ قول سنن دارمی وغیرہ میں ہے۔ اس میں صراحت ہے: قال إبراهيم: أربعةٌ لايَقرء ون القرآن: الجنبُ والحائضُ وعند الخَلاء وفي الحمام إلا الآيةَ ونحوَها للجنب والحائض: حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چار آدمی قرآن نہ پڑھیں: جنبی، حائضہ، بیت الخلاء میں اور حمام میں مگر جنبی اور حائضہ کے لئے ایک آیت اور اس کے مانند مستثنیٰ ہے، نحوها میں ایک آیت سے کم بھی مراد لے سکتے ہیں اور کچھ زیادہ بھی، معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے مطلقاً تلاوت کی اجازت نہیں دی بلکہ دعا، تعوذ اور ذکر کے طور پر ایک آیت کی اجازت دی ہے، مثلاً چھینکنے والے نے کہا: الحمد لله رب العالمين على كل حال، تو پوری آیت پڑھی مگر ذکر کے طور پر پڑھی، اس لئے جائز ہے، غرض ابراہیم نخعیؒ کے قول سے امام بخاریؒ کا استدلال کہ جنبی اور حائضہ مطلقاً قرآن پڑھ سکتے ہیں: صحیح نہیں۔

۲-اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جنبی کے لئے قرآن پڑھنے میں تنگی نہیں دیکھی، یعنی حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک جنبی کے لئے تلاوت قرآن کی گنجائش ہے —— حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ابن المنذر کی کتاب میں ہے، اور اس کے الفاظ یہ ہیں: إِنَّ ابْنَ عباس كان يَقْرَأُ وِرْدَه وهو جنبٌ: ابن عباسؓ جنابت کی حالت میں اپنا وظیفہ پڑھا کرتے تھے، ورد (وظیفہ) اور چیز ہے اور تلاوت اور چیز ہے، دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے ورد عام ہے، اور تلاوت خاص۔ اور امام بخاریؒ نے جو الفاظ لکھے ہیں وہ الفاظ کہیں نہیں ملے، اور حضرتؒ نے کوئی سند بھی نہیں لکھی، پس جن کتابوں میں سند کے ساتھ قول ہے اسی کا اعتبار ہوگا، ابن المنذر کی کتاب میں لفظ ورد ہے، قراءت نہیں ہے، اور ورد کے معنی ہیں: وظیفہ، وظیفہ میں قرآن بھی داخل ہے مگر وظیفہ قرآن کے ساتھ خاص نہیں، ہم اپنے مریدوں کو پڑھنے کے لئے بارہ تسبیح دیتے ہیں، وہ جنابت کی حالت میں پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ وہ ذکر ہے اور جنابت کی حالت میں ذکر جائز ہے۔ غرض ابن عباسؓ کے قول سے بھی استدلال درست نہیں۔

۳-نبی ﷺ ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے —— یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو طحاوی میں ہے مگر یہ خاص دعوی کے لئے عام دلیل ہے اور دعوی خاص کے لئے دلیل عام کافی نہیں، دلیل عام سے دعوی خاص ثابت نہیں

ہوسکتا، ذکر: تلاوت سے عام ہے، پس یہ دلیل عام ہے اور جنبی تلاوت کرسکتا ہے یہ دعوی خاص ہے اور دعوی خاص کے لئے دلیل عام کافی نہیں، پس حضرت عائشہؓ کے اس قول سے بھی استدلال درست نہیں۔

علاوہ ازیں: علی کل أحیانه: سے احوال متواردہ مراد ہیں، انسان پر پے بہ پے جو احوال آتے ہیں وہ احوال متواردہ کہلاتے ہیں، مثلاً چھینک آئی، اس نے کہا: الحمدللہ، دوسرے نے جواب دیا: یرحمك الله، گھر میں داخل ہونے کا ایک ذکر ہے، نکلنے کا دوسرا ذکر، مسجد میں آنے جانے کے اذکار ہیں، سلام ومصافحہ کے اذکار ہیں، یہ احوال متواردہ ہیں، حدیث شریف میں یہی احوال متواردہ مراد ہیں، اور پہلے میں نے یہ قاعدہ سمجھایا ہے کہ بعض حدیثیں عام ہوتی ہیں مگر حقیقت میں خاص ہوتی ہیں اور یہ بات بھی بتائی ہے کہ حدیثوں میں جو ضابطے آتے ہیں وہ منطقی ضابطے نہیں ہوتے کہ کوئی فرد اس سے خارج نہ رہے، بلکہ خطابی اور عمومی ضابطے ہوتے ہیں، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد بھی خاص ہے اور اس سے احوال متواردہ مراد ہیں، اس لئے تلاوت کے جواز پر اس سے استدلال درست نہیں۔

علاوہ ازیں: ذکر دو ہیں: بالفعل اور بالقوۃ، ذکر لسانی بالفعل ذکر ہے اور دل ودماغ سے ذکر کرنا بالقوۃ ذکر ہے، پس اگر حدیث میں ذکر بالقوۃ مراد لیا جائے تو کوئی اشکال نہیں، کیونکہ جنبی اور حائضہ دل ودماغ میں قرآن پڑھ سکتے ہیں اس کو اردو میں سوچنا کہتے ہیں۔ مثلاً: کوئی لڑکی حفظ کرتی ہے، اب حیض شروع ہوگیا اور اس کو سبق یاد رکھنا ہے تو وہ دل ودماغ میں پڑھ سکتی ہے، مگر زبان نہیں ہلنی چاہئے یعنی ذکر لسانی نہیں ہونا چاہئے، غرض اس حدیث سے استدلال درست نہیں، اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت جو اوپر گذری ہے اس کے معارض ہے، پس عموم ذکر واحوال مراد نہیں لے سکتے، یا تو احوال متواردہ مراد لیں گے، یا ذکر قلبی مراد لیں گے یا قرآن کے علاوہ اذکار مراد لیں گے، تاکہ دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہ رہے۔

۴- ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم حائضہ عورتوں کو بھی عیدگاہ لے جائیں، پس وہ بھی نمازیوں کے ساتھ تکبیر کہیں (خطبہ میں بار بار تکبیر کہی جاتی ہے، حائضہ بھی وہ تکبیر کہے گی) اور لوگوں کے ساتھ دعا میں شامل ہوں۔

اس اثر سے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال اس طرح ہے کہ دعا میں آیتیں بھی ہوتی ہیں پس جب حائضہ دعا میں شامل ہوگی تو آیتیں بھی پڑھے گی، اور تکبیر بھی کہے گی، وہ بھی ایک ذکر ہے، معلوم ہوا کہ حائضہ ہر ذکر کرسکتی ہے، اور قرآن بھی پڑھ سکتی ہے، یہ امام بخاریؒ کا استدلال ہے مگر یہ استدلال بھی کمزور ہے، کیونکہ حائضہ تکبیر تو کہہ سکتی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، اور حائضہ آیت بھی دعا کے طور پر پڑھ سکتی ہے تو اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں، بالاجماع یہ جائز ہے، اختلاف تلاوت کے طور پر قرآن پڑھنے میں ہے اور یہ بات اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں: حضرت ام عطیہؓ کی یہ حدیث ترمذی شریف (حدیث ۵۴۸) میں ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: ویشهدن دعوةَ المسلمین: وہ مسلمانوں کے وعظ ونصیحت میں شریک ہوں، آپؐ نے حائضہ عورتوں کو عیدگاہ جانے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ احکام نئے نازل ہورہے تھے، مرد وزن سب اس کو سیکھنے کے محتاج تھے۔ اور عیدین کے موقع پر آنحضور ﷺ اہم اور

قیمتی نصائح بیان فرماتے تھے، اس لئے ہر مرد و زن کو عید گاہ چلنے کا حکم تھا، تاکہ سب احکام شریعت سیکھیں اور وعظ سننا حائضہ اور جنبی کے لئے جائز ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اور دعا: دعا کرنے والا کرے گا، سامعین صرف آمین کہیں گے، اس میں بھی کچھ حرج نہیں، غرض حضرت ام عطیہؓ کی روایت سے بھی استدلال درست نہیں۔

۵- آنحضور ﷺ نے ہرقل کو جو والا نامہ لکھا تھا اس میں ایک تو بسم اللہ پوری لکھی تھی اور سورۂ آل عمران کی آیت (۶۴) لکھی تھی، یہ حدیث کتاب الوحی میں گذر چکی ہے، اس سے امام بخاریؒ کا استدلال یہ ہے کہ ہرقل کافر تھا اور کافر جنبی ہوتا ہے اور اس نے اس والا نامہ کو پڑھا پس آیات کریمہ بھی پڑھیں معلوم ہوا کہ جنبی قرآن پڑھ سکتا ہے۔

یہ استدلال بھی کمزور ہے اس لئے کہ ہرقل نے والا نامہ پڑھا تھا اس کی کیا دلیل ہے؟ وہ عربی نہیں جانتا تھا ورنہ ابوسفیان سے بات کرنے کے لئے ترجمان کی کیا ضرورت تھی؟ وہ والا نامہ کسی اور نے پڑھا تھا، رہی یہ بات کہ وہ پڑھنے والا بھی تو کافر تھا پس مدعی ثابت ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ والا نامہ پڑھنا قرآن پڑھنا نہیں، یہ تعوذ، دعا اور ذکر کی طرح کا اقتباس ہے۔ مثلاً یہ بخاری شریف ہے، اس میں پانچ سو آیتیں ہونگی، لیکن بے وضو اس کو چھونا جائز ہے اور جنبی بھی چھو سکتا ہے، حائضہ بھی چھو سکتی ہے، اسی طرح تفسیر کی کتابیں اگر تفسیر کے الفاظ زیادہ ہیں اور قرآن کے الفاظ کم ہیں تو بے وضو اس کو چھو سکتا ہے، کیونکہ اب وہ قرآن نہیں، تفسیر کی کتاب ہے، اسی طرح درباری نے خط میں جو آیاتِ کریمہ پڑھی ہیں وہ قرآن پڑھنا نہیں اس لئے یہ استدلال بھی کمزور ہے۔

علاوہ ازیں: احناف کے نزدیک کافر کا غسل صحیح ہے کیونکہ غسل کی صحت کے لئے نیت شرط نہیں، پس ہرقل اور درباری جنبی تھے یہ بات بھی صحیح نہیں۔

۶- حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مقام سرف میں حائضہ ہوگئیں، آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا: تم حج کے تمام ارکان ادا کرو، بس طواف نہ کرنا اور نماز نہ پڑھنا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس سے استدلال اس طرح ہے کہ حائضہ طواف اور نماز کے علاوہ سب کچھ کر سکتی ہے، اور سب کچھ میں دعائیں بھی آئیں اور قرآن کی تلاوت بھی آئی، پس معلوم ہوا کہ حائضہ قرآن پڑھ سکتی ہے، مگر یہ بھی دعوی خاص پر دلیل عام ہے، اور دعوی خاص کے لئے دلیل عام کافی نہیں۔

فائدہ: یہاں ایک گہری بات ہے کہ نماز کی تمام حقیقت قراءت قرآن ہے اور قیام، رکوع، سجود، تسبیحات اور تکبیرات سب حضوری دربار خداوندی کے آداب ہیں، یہ مضمون حضرت نانوتوی قدس سرہ نے توثیق الکلام میں بیان فرمایا ہے، پس اگر کوئی سمجھنا چاہے تو سمجھ سکتا ہے کہ جنبی، حائضہ اور نفساء کو نماز سے اس لئے روکا گیا ہے کہ نماز کی پوری حقیقت قراءت قرآن ہے اور یہ تینوں قرآن نہیں پڑھ سکتے، اگر ان کے لئے قرآن پڑھنا جائز ہوتا تو ان کو نماز سے نہ روکا جاتا۔

۷- حکم بن عُتَیْبَہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، فرماتے ہیں: میں جنابت کی حالت میں جانور ذبح کرتا ہوں، جب جانور ذبح کریں گے تو بسم اللہ پڑھیں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾: جس

ذبیحہ پراللہ کا نام نہ لیا جائے اس کومت کھاؤ، اس آیت کی رو سے ذبیحہ پرتسمیہ ضروری ہے، پس جب حضرت حکم جنابت کی حالت میں جانور ذبح کرتے ہیں اور ذبح کا تسمیہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ قرآن بھی پڑھ سکتے ہیں، اس لئے کہ وہ بھی ایک ذکر ہے، مگر یہ تقریب بھی تام نہیں اس لئے کہ جنابت کی حالت میں اللہ کا ذکر بالا جماع جائز ہے۔

حدیث کا ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے درانحالیکہ ہم حج کے علاوہ کسی چیز کا ذکر نہیں کرتے تھے یعنی ذوالحلیفہ سے سب نے حج کا احرام باندھا تھا، اس لئے کہ عربوں کے تصور میں جس سال حج کرنا ہوتا ہے اس سال اشہرِ حج میں عمرہ کرنا بڑا گناہ تھا، پس جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو مجھے حیض آ گیا، میرے پاس نبی ﷺ تشریف لائے، اس وقت میں رورہی تھی، آپؐ نے پوچھا: کیوں رورہی ہو؟ میں نے کہا: خدا کی قسم! میری خواہش تھی کہ میں اس سال حج کو نہ آتی، آپؐ نے فرمایا: شاید تمہیں حیض آ گیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، آپؐ نے فرمایا: یہ ایسی بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بناتِ آدم پر لکھ دیا ہے، پس تم تمام ارکان ادا کرو جو حاجی ادا کرتا ہے سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا، یہاں تک کہ تم پاک ہوجاؤ، اس حدیث سے استدلال نمبر ۲ کے ضمن میں گذر چکا۔

تشریح: یہ حدیث بخاری شریف میں ۳۵ مرتبہ آئی ہے اور روایت میں متعدد اختلافات ہیں۔ یہاں صرف دو باتیں سمجھ لیں: باقی تفصیل کتاب الحج میں آئے گی۔

پہلی بات: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذوالحلیفہ سے صرف حج کا احرام باندھا تھا، سرف مقام میں ان کو حیض آ گیا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: طواف کے علاوہ تمام ارکان ادا کرو، اور جب طواف نہیں کریں گی تو سعی بھی نہیں کریں گی اس لئے کہ سعی طواف کے بعد کی جاتی ہے، پھر مکہ پہنچ کر وحی آئی کہ جن کے پاس قربانی کا جانور نہیں وہ حج کا احرام عمرہ کے احرام سے بدل دیں، اور طواف وسعی کر کے احرام کھول دیں، پھر آٹھ ذی الحجہ کو دوبارہ حج کا احرام باندھیں، آنحضور ﷺ کے پاس قربانی تھی اس لئے آپؐ نے احرام نہیں کھولا تھا، اور حج کے ساتھ عمرہ کا احرام بھی شامل کر لیا تھا، یہ احناف کی رائے ہے، چنانچہ آئندہ روایت میں آپؐ کا تلبیہ: **اللّٰھم لبیك بحج وعمرۃ** آرہا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کے پاس قربانی نہیں تھی، اس لئے انھوں نے حج کا احرام عمرہ کے احرام سے بدل دیا تھا، مگر وہ آٹھ ذی الحجہ تک پاک نہیں ہوئیں پس انھوں نے عمرہ کا احرام توڑ دیا اور حج کا احرام باندھ لیا۔

دوسری بات: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کا احرام توڑا تھا یا نہیں؟ شوافع کی رائے ہے کہ احرام توڑا نہیں تھا، بلکہ عمرہ کے احرام پر حج کا احرام باندھ لیا تھا، پس یہ قران ہو گیا، جیسے حضور ﷺ نے حج کے احرام کے ساتھ عمرہ کا احرام شامل کر لیا تھا اس لئے وہ قران ہو گیا تھا۔ اور احناف کہتے ہیں: حضرت عائشہؓ نے احرام توڑ دیا تھا، سر کھولا تھا، اور بالوں میں تیل کنگھی کی تھی، پھر حج کا احرام باندھا تھا، اور اِس کا نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا، یہ دو باتیں ذہن نشین کرلیں، باقی باتیں آگے آئیں گی۔

بابُ الِاسْتِحَاضَۃِ

استحاضہ کا بیان

استحاضہ: حیض سے ہے، حاض (ض) حَیْضًا کے معنی ہیں: بہنا۔ عرب کہتے ہیں: حاضَ الوادی: میدان بہا، یعنی اتنی بارش ہوئی کہ نالا چلا، چونکہ خون ہر مہینہ بہتا ہے اس لئے اس کو حیض کہتے ہیں، اور استحاضہ میں س، ت مبالغہ کے لئے ہیں، مستحاضہ وہ عورت ہے جس کو بہت زیادہ خون آتا ہے، مگر یہ زیادتی مقدار کے اعتبار سے نہیں ہوتی بلکہ ایام کے اعتبار سے ہوتی ہے، یعنی جو وقت بے وقت خون آئے وہ استحاضہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ حیض ونفاس کا خون بچہ دانی کے اندر سے آتا ہے اور تندرست عورت کو آتا ہے اس لئے اس کے احکام الگ ہیں اور استحاضہ کا خون رگ پھٹنے کی وجہ سے آتا ہے جو فم رحم پر ہوتی ہے، جس کا نام عاذل ہے یا اور کسی بیماری کی وجہ سے آتا ہے اس لئے وہ معذور ہے اور اس کے احکام معذور کے احکام ہیں، اور یہی اس ترجمہ کا مقصد ہے کہ حیض اور استحاضہ کے خون الگ الگ ہیں، حیض کا خون قعر رحم سے آتا ہے اور استحاضہ کا خون فم رحم سے، پس جب دونوں خون الگ الگ ہیں تو احکام بھی الگ الگ ہونگے، اور یہ بات بھی جاننی چاہئے کہ حیض اور استحاضہ کے خون ساتھ ساتھ بھی آتے ہیں، ایسی عورت عادت کے ایام میں نماز روزہ چھوڑ دے گی، باقی دنوں میں نماز روزہ کرے گی۔

[۸-] بابُ الِاسْتِحَاضَۃِ

[۳۰۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِیْ حُبَیْشٍ لِرَسولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: یَارسولَ اللّٰہِ! إِنِّیْ لَا أَطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: "إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ، وَلَیْسَ بِالْحَیْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَیْضَةُ فَاتْرُکِیْ الصَّلَاةَ، فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِیْ عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّیْ"

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: فاطمہ بنت ابی حُبیش ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! میں پاک نہیں ہوتی پس کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ رگ ہی کا خون ہے حیض کا خون نہیں، پس جب حیض کے ایام آئیں تو نماز چھوڑ دو، پھر جب حیض کے ایام کی مقدار گذر جائے تو خود سے خون کو دھوڈالو یعنی غسل جنابت کرلو (اس میں مجاز بالحذف ہے أی أثر الدم، اور اثر سے مراد جنابت ہے، یعنی غسل کرلو) اور نماز شروع کردو۔

تشریح: حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش معتادہ تھیں، ایسی عورت عادت کے ایام میں نماز روزہ چھوڑ دے گی اور باقی ایام میں نماز پڑھے گی، روزے رکھے گی، قرآن کی تلاوت کرے گی اور اس سے صحبت کرنا بھی جائز ہے اس لئے کہ وہ پاک

عورت کی طرح ہے۔

بابُ غَسْلِ دَمِ الْحَيْضِ

حیض کا خون دھونا

اس باب میں حیض سے کپڑا پاک کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے، اگر کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو اس کو مبالغہ کے ساتھ دھونا چاہئے، حدیث شریف میں غسلِ حیض کا طریقہ یہ آیا ہے کہ پہلے کپڑے کو رگڑ دو، پھر بھگا کر انگلیوں سے ملو، پھر اس پر پانی ڈالو اور اس کو دھوؤ، کپڑا پاک ہوجائے گا۔ اب اس کپڑے میں نماز پڑھ سکتے ہیں، اور اگر باب میں مجاز بالحذف مان لیں أی غسل أثر الدم تو اب مطلب ہوگا کہ غسل حیض خوب اچھی طرح مبالغہ کے ساتھ کرو۔

[۹-] بابُ غَسْلِ دَمِ الْحَيْضِ

[۳۰۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِىْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رضى الله عنها، أَنَّهَا قَالَتْ: سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَتْ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ، كَيْفَ تَصْنَعُ؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ، ثُمَّ لْتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ، ثُمَّ لْتُصَلِّىْ فِيْهِ" [راجع: ۲۲۷]

[۳۰۸-] حدثنا أَصْبَغُ، قَالَ: أَخْبَرَنِىْ ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِىْ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَتْ إِحْدَانَا تَحِيْضُ ثُمَّ تَقْتَرِصُ الدَّمَ مِنْ ثَوْبِهَا عِنْدَ طُهْرِهَا، فَتَغْسِلُهُ، وَتَنْضَحُ عَلٰى سَائِرِهِ، ثُمَّ تُصَلِّىْ فِيْهِ.

حدیث (۱): حضرت اسماءؓ کہتی ہیں: ایک عورت نے (سوال کرنے والی اسماء خود ہیں راوی کبھی خود کو غائب کردیتا ہے) نبی ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں جب ہم میں سے کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے: پس وہ کیا کرے؟ آپؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے کپڑے پر خون لگ جائے تو چاہئے کہ وہ اس کو چٹکی سے ملے، پھر اس کو پانی سے دھوئے پھر اس میں نماز پڑھے۔

تشریح: حیض کا خون کپڑے پر لگ جائے تو اس کو دھونے میں مبالغہ کرنا چاہئے، اسی طرح حیض کے غسل میں بھی۔ آگے حدیث آرہی ہے کہ مشک کا پھاہا لے اور جہاں خون لگا ہے یعنی شرمگاہ اور اس کا گردوہاں پھاہا لگائے یہ غسل حیض میں مبالغہ ہے۔

حدیث (۲): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم میں سے ایک کو حیض آتا پھر جب وہ پاک ہوتی تو اپنے کپڑے سے خون کو کھرچ ڈالتی، پھر اس خاص جگہ کو (اہتمام سے) دھوڈالتی، اور پھر اس میں نماز پڑھتی۔

تشریح: اس حدیث میں نضح کے معنی دھونے کے ہیں، چھینٹا دینے کے معنی نہیں، معلوم ہوا کہ نضح بمعنی غسل بھی آتا ہے، بچہ کے پیشاب کے مسئلہ میں بڑے دواماموں نے یہی معنی کئے ہیں۔

بابُ اعْتِکَافِ الْمُسْتَحَاضَةِ

مستحاضہ کا اعتکاف کرنا

استحاضہ کا خون طہارت کے منافی نہیں، پس مستحاضہ اعتکاف کرسکتی ہے، وہ پاک عورت کی طرح ہے، اور حیض ونفاس کا خون طہارت کے منافی ہے، پس حائضہ اور نفساء اعتکاف نہیں کرسکتیں، اعتکاف کے لئے طہارت شرط ہے، اور احتلام ہوجائے تو نہ اعتکاف ٹوٹتا ہے نہ روزہ، اور حیض سے اعتکاف بھی ٹوٹ جاتا ہے اور روزہ بھی اور یہ فرق اس لئے ہے کہ ایک عارضی جنابت ہے اور دوسری اصلی، حیض اور نفاس اصلی جنابت ہیں، پس وہ روزے اور اعتکاف کے منافی ہیں، اور احتلام عارضی جنابت ہے اس لئے وہ نہ اعتکاف کے منافی ہے، نہ روزے کے۔ بہر حال مستحاضہ اعتکاف کرسکتی ہے، گھر میں بھی کرسکتی ہے اور مسجد میں بھی، بشرطیکہ تلویث مسجد کا اندیشہ نہ ہو، پھر جب احوال بدلے اور عورتوں کے لئے مسجد میں آنے کی ممانعت ہوگئی تو مسجد میں عورتوں کے اعتکاف کا مسئلہ ختم ہوگیا۔

[۱۰-] بابُ اعْتِکَافِ الْمُسْتَحَاضَةِ

[۳۰۹-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ شَاهِيْنَ أَبُوْبِشْرٍ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اعْتَكَفَ مَعَهُ بَعْضُ نِسَائِهِ، وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ تَرَى الدَّمَ، فَرُبَّمَا وَضَعَتِ الطَّسْتَ تَحْتَهَا مِنَ الدَّمِ، وَزَعَمَ أَنَّ عَائِشَةَ رَأَتْ مَاءَ الْعُصْفُرِ، فَقَالَتْ: كَأَنَّ هٰذَا شَيْئٌ كَانَتْ فُلاَ نَـةُ تَجِدُهُ. [انظر: ۳۱۰، ۳۱۱، ۲۰۳۸]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے ساتھ ایک بیوی صاحبہ نے اعتکاف کیا درانحالیکہ وہ مستحاضہ تھیں، خون دیکھتی تھیں یعنی خون جاری تھا، پس بسا اوقات خون کی وجہ سے وہ تھال اپنے نیچے رکھ لیتیں، یعنی تسلے میں پانی بھر کر اس میں بیٹھتیں۔ اور عکرمہ نے کہا: حضرت عائشہؓ نے کُسمبا کا پانی دیکھا تو کہا: گویا کہ یہ ایسی چیز ہے جس کو فلاں عورت پاتی تھی، یعنی فلاں عورت جو مستحاضہ تھی جب وہ پانی میں بیٹھتیں تو پانی کا رنگ ایسا ہوجاتا تھا۔

تشریح: رمضان المبارک میں جب آنحضور ﷺ اعتکاف میں بیٹھتے تھے تو بعض ازواج بھی اعتکاف کرتی تھیں اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے کرتی تھیں، مسجد کا جو مسقّف حصہ تھا اس سے آگے صحن تھا اس میں ان کے خیمے نصب کر دیئے جاتے تھے اور وہ اس میں اعتکاف کرتی تھیں، ایک بیوی صاحبہ نے حالتِ استحاضہ میں اعتکاف کیا اور استحاضہ کا ایک علاج یہ ہے کہ کسی بڑے برتن میں پانی بھر کر گھنٹے دو گھنٹے اس میں بیٹھا جائے، اس سے رگیں سکڑتی ہیں اور شفا ہوتی ہے، وہ بیوی صاحبہ اعتکاف میں بھی تسلے میں پانی بھر کر اس میں بیٹھتی تھیں، اتنی دیر تک بیٹھتی تھیں کہ خون پانی میں شامل ہو جاتا اور پانی کا رنگ کسمبا جیسا ہو جاتا تھا، پھر نہا کر نماز پڑھتی۔

فائدہ: علامہ کشمیری قدس سرہ نے فیض الباری میں اس جگہ ایک عجیب بات لکھی ہے کہ عصفر جب کشمیر میں اگے گا تو زعفران بن جائے گا، اور کشمیر کی زعفران دوسری جگہ بوؤ تو عصفر بن جائے گی، جگہوں کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

[۳۱۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتِ: اعْتَكَفَتْ مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم امْرَأَةٌ مِنْ أَزْوَاجِهِ، فَكَانَتْ تَرَى الدَّمَ وَالصُّفْرَةَ، وَالطَّسْتُ تَحْتَهَا، وَهِيَ تُصَلِّيْ. [راجع: ۳۰۹]

[۳۱۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: ثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ بَعْضَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ اعْتَكَفَتْ وَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ. [راجع: ۳۰۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے ایک زوجہ نے اعتکاف کیا، پس دیکھتی تھیں وہ خون اور زردی، درانحالیکہ تسلہ ان کے نیچے ہوتا تھا، یعنی علاج کے طور پر پانی میں بیٹھتی تھیں تو خون کی وجہ سے پانی کا رنگ زرد ہو جاتا تھا، پھر وہ نماز پڑھتی تھیں............اور حضرت عائشہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ امہات المؤمنین میں سے ایک نے اعتکاف کیا درانحالیکہ وہ مستحاضہ تھیں، ان روایتوں سے پتا چلا کہ استحاضہ کا خون طہارت کے منافی نہیں اور مستحاضہ اعتکاف کر سکتی ہے۔

بَابٌ هَلْ تُصَلِّى الْمَرْأَةُ فِيْ ثَوْبٍ حَاضَتْ فِيْهِ؟

کیا عورت زمانۂ حیض میں پہنے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھ سکتی ہے؟

حیض کے زمانہ میں عورت نے جو کپڑے پہن رکھے ہیں اگر ان پر خون نہیں لگا تو پاک ہونے کے بعد ان میں نماز پڑھ سکتی ہے اور خون لگا ہے تو دھو کر پاک کر کے ان میں نماز پڑھ سکتی ہے۔ حیض کے زمانہ میں عورتیں کچھ زائد کپڑے استعمال کرتی ہیں، لنگوٹ باندھتی ہیں، روئی یا کپڑا رکھ کر اس پر انڈرویر پہنتی ہیں اس صورت میں حیض کا خون کپڑے پر نہیں لگتا اگر کپڑے پر خون نہیں لگا ہے تو پاک ہونے کے بعد غسل کر کے عورت ان کپڑوں میں نماز پڑھ سکتی ہے، کپڑوں کو دھونا ضروری

نہیں۔ اور مقصد ترجمہ یہ ہے کہ حائضہ کا پسینہ پاک ہے، حیض کے زمانہ میں عورت کا پسینہ اس کے کپڑوں کو لگے گا مگر اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔

[۱۱-] بابٌ هَلْ تُصَلِّى الْمَرْأَةُ فِىْ ثَوْبٍ حَاضَتْ فِيْهِ؟

[۳۱۲-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ أَبِىْ نَجِيْحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: مَاكَانَ لِإِحْدَانَا إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ، تَحِيْضُ فِيْهِ، فَإِذَا أَصَابَهُ شَيْئٌ مِنْ دَمٍ قَالَتْ بِرِيْقِهَا، فَقَصَعَتْهُ بِظُفْرِهَا.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: ہم میں سے ایک کے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جس کو وہ حیض کے دنوں میں پہنتی تھی پس جب اس کپڑے پر کچھ خون لگ جاتا تو وہ اس کو اپنے تھوک سے تر کرتی پھر اس کو اپنے ناخن سے کھرچ دیتی۔

تشریح: جہاں حیض کا خون لگتا عورتیں اس حصہ کو اہتمام سے دھوتیں، پہلے اس کو تھوک سے تر کرتیں، پھر ناخن سے خون کو کھرچتیں، پھر کپڑے کو دھو ڈالتی۔

طالب علم کہتا ہے: ایک تو حیض کا خون پھر اس پر تھوک یہ کیسی عجیب بات ہے؟ جواب: تمہارے ذہنوں میں یہ سوال اس لئے آیا ہے کہ تم بہت پانی والے علاقہ میں رہتے ہو، جہاں پانی کی قلت ہے وہاں جا کر دیکھو، کھانے کے برتن برسات ہی میں دھوئے جاتے ہیں، باقی دنوں میں مٹی سے مانجھ دیتے ہیں۔

بابُ الطِّيْبِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ

عورت جب حیض کا غسل کرے تو خوشبو استعمال کرے

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ حیض بند ہونے پر غسل کے وقت عورت کو خوشبو استعمال کرنی چاہئے، خاص طور پر خون کی جگہوں میں خوشبو لگانی چاہئے، تا کہ بدبو ختم ہو، کھال کی بدرونقی اور سکڑن دور ہو اور شادابی اور رونق آجائے۔

باب میں جو حدیث ہے اس میں عدت کا بیان ہے، عدت میں ہر قسم کی زینت حرام ہے پھر بھی دورانِ عدت جو خون آئے اس کے بند ہونے پر غسل کے وقت عورت کو خوشبو استعمال کرنے کی اجازت ہے، پس عام احوال میں غسل حیض کے وقت خوشبو کا استعمال اور بھی مؤکد ہوگا، یہی اس ترجمہ کا مقصد ہے۔

[۱۲-] بابُ الطِّيْبِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ

[۳۱۳-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: كُنَّا نُنْهَى أَنْ نُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، وَلَا نَكْتَحِلَ، وَلَا نَتَطَيَّبَ،

وَلاَ نَلْبَسَ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا إِلاَّ ثَوْبَ عَصْبٍ، وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيْضِهَا، فِيْ نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ، وَكُنَّا نُنْهَى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ ـــــ رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ حَسَّانٍ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم. [انظر: ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۵۳٤۰، ۵۳٤۱، ۵۳٤۲، ۵۳٤۳]

ترجمہ: ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم منع کی جاتی تھیں میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے مگر شوہر پر چار ماہ اور دس دن، اور ہم سرمہ نہ لگائیں اور خوشبو استعمال نہ کریں، اور رنگا ہوا کپڑا نہ پہنیں، مگر پٹھے والا کپڑا، اور ہمیں اجازت دی گئی ہے پاکی کے وقت جب ہم میں سے کوئی حیض کا غسل کرے تو تھوڑا قُسط ہندی استعمال کرے اور ہم جنازے کے ساتھ جانے سے روکی جاتی تھیں ـــــ اس حدیث کو ہشام بن حسان نے بھی حفصہ سے اسی سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح:

۱- سوگ کے معنی ہیں: ترکِ زینت، اور ترکِ زینت یہ ہے کہ عورت زیور نہ پہنے، بناؤ سنگھار نہ کرے، اور شوخ رنگین کپڑا نہ پہنے، سادہ رنگین کپڑا پہن سکتی ہے، سفید کپڑے ہی پہننے ضروری نہیں، جاہلوں میں سوگ کا جو مطلب سمجھا جاتا ہے کہ عورت عدت میں سورج نہ دیکھے، ہاتھ کی چوڑیاں توڑ دے (سونے کی چوڑیاں اتار لیتی ہیں، کانچ کی توڑ دیتی ہیں) یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں، شریعت مطہرہ کا ان فضول باتوں سے کچھ تعلق نہیں، اور عورتوں کو رشتہ داروں کی موت کا غم زیادہ ہوتا ہے اس لئے ان کو تین دن تک سوگ منانے کی اجازت ہے، مردوں کے لئے یہ جائز نہیں، اور کسی بھی میت کا تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں، البتہ شوہر مستثنیٰ ہے، اس کا سوگ عورت چار مہینہ دس دن کرے گی۔

قولہ: ثوب عَصْبٍ: عَصب کے معنی ہیں: پٹھا، کپڑے رنگنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ کپڑے پر جگہ جگہ پٹھے یا اس جیسی سخت چیز باندھ دی جاتی تھی، پھر کپڑے کو رنگتے تھے، پس کپڑا کہیں سے رنگین اور کہیں سے سفید رہتا تھا، یہ معمولی قسم کا رنگین کپڑا سمجھا جاتا تھا، عدت میں عورت اس کو پہن سکتی ہے۔

قولہ: كُسْتِ أَظْفَارٍ: کُست کو قُسط ہندی بھی کہتے ہیں، یہ کُٹ کا معرب ہے، اردو میں اس کو کوٹھ بھی کہتے ہیں، اور أظفار (الف کے ساتھ) بعض کے نزدیک ظفر کی جمع ہے، یہ ایک قسم کی نباتی خوشبو ہے جو ناخن کی طرح غلاف دار ہوتی ہے، اس کو بخور میں شامل کر کے کپڑوں وغیرہ کو دھونی دیتے تھے، اس کا پورا نام أظفار الطیب ہے، ہندی یا اردو میں اس کو نکھ کہتے ہیں۔ بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ أظفار نہیں ظَفَار ہے، یہ ایک قریہ کا نام ہے جو عدن کے ساحل پر واقع ہے۔ جہاں یہ قسط ہندی لا کر فروخت کی جاتی تھی، اس لئے اس کا نام کُست ظَفَار ہو گیا (ماخوذ از ایضاح البخاری)

اور باب سے یہی جزء متعلق ہے کہ جب عدت میں طہر کے وقت غسل حیض میں خوشبو استعمال کرنے کی اجازت ہے تو عام حالات میں اس کی اور بھی زیادہ اہمیت ہوگی۔ پس عورت کو غسل طہارت کے وقت خوشبو ضرور استعمال کرنی چاہئے، اور خوشبو والا صابون اور کریم پاؤڈر خوشبو کے قائم مقام ہو جائیں گے۔

بابُ دَلْكِ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا إِذَا تَطَهَّرَتْ مِنَ الْمَحِيْضِ وَكَيْفَ تَغْتَسِلُ؟ وَتَأْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً، فَتَتَبَّعُ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ

عورت غسل طہارت میں خاص عضو کو یا بدن کو رگڑ کر دھوئے

غسل کا طریقہ: مشک کا پھاہا لے کر خون کی جگہ لگائے

حیض کے غسل کے دو امتیاز ہیں: **ایک:** حیض کے غسل میں خاص بدن کو خوب مل کر دھونا ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک غسل جنابت میں سارے بدن کامل کر دھونا شرط ہے، دیگر فقہاء کے نزدیک شرط نہیں، سنتِ مؤکدہ ہے، خاص طور پر غسل حیض میں زیادہ تاکید ہے۔ **دوم:** محل دم یعنی فرج اور اس کے اطراف میں جہاں خون کے دھبے لگتے ہیں وہاں مشک یا اور کوئی خوشبو استعمال کرنا، یہ غسل حیض کے دو امتیاز ہیں۔

باب کا ترجمہ: عورت کا اپنی ذات کو (بدن کو یا خاص عضو کو) رگڑ کر دھونا جب وہ حیض سے پاک ہو، یہ پہلا امتیاز ہے، غسل حیض میں بدن کو یا شرمگاہ کو خوب رگڑ کر دھونا چاہئے، اور غسل حیض کا طریقہ یہ ہے کہ خوشبو میں بسایا ہوا پھاہا لے کر خون کے نشانات کا پیچھا کرے، یہ دوسرا امتیاز ہے۔ روئی وغیرہ معطر کر کے فرج اور اس کے اطراف میں جہاں خون کے دھبے لگتے ہیں وہاں خوشبو لگائے، تاکہ بدبو باقی نہ رہے۔

باب میں نفس سے بدن بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور شرمگاہ بھی، اگر بدن مراد لیں تو معنی ہونگے: پورا بدن اچھی طرح دھونا، اور شرمگاہ بھی مراد لے سکتے ہیں۔ لامع الدراری میں جو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تقریر ہے اور جس پر شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ کا حاشیہ ہے یہی معنی کئے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ باب کی حدیث میں دلک کا ذکر نہیں، اور باب میں دلک کا ذکر ہے، پس یا تو یہ کہا جائے کہ جب نظافت کے لئے خوشبو کا استعمال ضروری ہے تو دلک بھی ضروری ہے کیونکہ دلک کے بغیر صفائی ممکن نہیں، یعنی حدیث میں دلک دلالت عقلی سے ثابت ہوگا، یا یہ کہا جائے کہ یہ روایت مسلم شریف میں بھی ہے وہاں الفاظ ہیں: **تَصُبُّ على رأسها فَتَدْلُكُهُ دَلْكًا شَدِيدًا:** اپنے سر پر پانی ڈالے اور اس کو خوب رگڑ کر دھوئے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کبھی دوسری جگہ جو روایت ہوتی ہے اس کو پیش نظر رکھ کر بھی باب قائم کرتے ہیں۔

[۱۳-] بابُ دَلْكِ الْمَرْأَةِ نَفْسَهَا إِذَا تَطَهَّرَتِ مِنَ الْمَحِيْضِ وَكَيْفَ تَغْتَسِلُ؟ وَتَأْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً، فَتَتَبَّعُ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ

[۳۱۴-] حدثنا يَحْيىَ، قَالَ: ثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ صَفِيَّةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها أَنَّ

امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ؟ فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ؟ قَالَ: "خُذِيْ فِرْصَةً مِنْ مِسْكٍ فَتَطَهَّرِيْ بِهَا" قَالَتْ: كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا؟ قَالَ: "سُبْحَانَ اللّٰهِ! تَطَهَّرِيْ بِهَا" فَاجْتَبَذْتُهَا إِلَيَّ، فَقُلْتُ: تَتَبَّعِيْ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ. [انظر: ۳۱۵، ۷۳۵۷]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے غسلِ حیض کے بارے میں پوچھا آپؐ نے اس کو بتایا کہ وہ غسل حیض کیسے کرے؟ (پھر) فرمایا: مشک کا پھاہا لے اور اس کے ذریعہ پاکی حاصل کرے اس نے کہا: مشک کے پھاہے سے کیسے پاکی حاصل کروں؟ آپؐ نے فرمایا: سبحان اللہ! مشک کے پھاہے سے پاکی حاصل کر (اس سبحان اللہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات مردوں سے پوچھنے کی نہیں) حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں انھوں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کو سمجھایا کہ آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ پھاہے سے خون کے دھبوں کا پیچھا کر یعنی ان پر یہ خوشبو لگا۔

بابُ غَسْلِ الْمَحِيْضِ

حیض کی جگہ کو دھونا

اضافت بیانیہ ہے اور باب میں مجاز بالحذف ہے، غسل المحیض أی غسل محل الدم: محل دم یعنی شرمگاہ دھونے کا بیان، غسل حیض میں شرمگاہ خاص اہتمام کے ساتھ دھونی چاہئے اور اس پر خوشبو لگانی چاہئے۔

[۱۴-] بابُ غَسْلِ الْمَحِيْضِ

[۳۱۵-] حدثنا مُسْلِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: ثَنَا مَنْصُوْرٌ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَتْ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: كَيْفَ أَغْتَسِلُ مِنَ الْمَحِيْضِ؟ قَالَ: "خُذِيْ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً، وَتَوَضَّئِيْ ثَلَاثًا" ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اسْتَحْيَا فَأَعْرَضَ بِوَجْهِهِ، أَوْ: قَالَ: "تَوَضَّئِيْ بِهَا" فَأَخَذْتُهَا فَجَذَبْتُهَا، فَأَخْبَرْتُهَا بِمَا يُرِيْدُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۳۱۴]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: ایک انصاری عورت نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ میں غسل حیض کس طرح کروں؟ آپؐ نے فرمایا: مشک میں بسایا ہوا پھاہا لے اور تین مرتبہ اس سے دھو یعنی شرمگاہ پر تین مرتبہ اس کو لگا، مگر وہ بات سمجھی نہیں اور اس سے زیادہ کھول کر بیان کرنے سے نبی ﷺ کو شرم آئی، پس آپؐ نے چہرہ پھیر لیا یا فرمایا: مشک سے صفائی حاصل کر (یہ شک راوی ہے کہ آپؐ نے توضئی ثلاثا فرمایا یا توضئی بھا فرمایا) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: میں نے اس کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا، اور نبی ﷺ کی مراد سمجھائی۔

فائدہ: مشک ایک خوشبو ہے اور نہایت قیمتی خوشبو ہے اب اس کا حصول کبریت احمر ہے، اس کی جگہ اب عورتیں صابن اور کریم استعمال کرتی ہیں، وہ مشک کے قائم مقام ہیں، اس سے بھی مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

بَابُ امْتِشَاطِ الْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ

غسلِ حیض کے بعد بالوں میں کنگھی کرنا

غسلِ حیض کے بعد عورت بالوں کو کنگھی کر کے سنوار لے، یعنی بناؤ سنگھار اور مانگ پٹی کرے، کیونکہ عام طور پر اس وقت میں شوہر کی بیوی کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ نیز یہ علوق (حمل ٹھہرنے) کا بھی بہترین وقت ہے، طہر کی ابتداء میں حمل ٹھہرنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے، اور باب میں جو حدیث ہے اس میں احرام کے وقت غسل کرنے کا بیان ہے، عورت جب احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو پہلے بال کھول کر، سر اور بدن دھولے، پھر بالوں میں کنگھی کر کے بال جما کر احرام باندھے، جب غسلِ احرام میں سر میں کنگھی کرنا مطلوب ہے تو غسلِ حیض میں تو بدرجۂ اولیٰ مطلوب ہوگا۔ حدیث کا باب سے یہی جوڑ ہے۔

اور پہلے یہ بات بتائی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مکہ پہنچ کر حج کا احرام عمرہ کے احرام سے بدل دیا تھا، مگر وہ پاک نہیں ہوئی تھیں کہ منی جانے کا وقت آ گیا، چنانچہ آپؐ نے عمرہ کا احرام توڑ دینے کے لئے فرمایا انھوں نے نہا کر کنگھی کر کے حج کا احرام باندھ لیا (نہانے کا ذکر ابوداؤد کی حدیث (نمبر ۱۷۸۵) میں ہے) پھر حج کے بعد تنعیم سے اس عمرہ کی قضا کی۔

[۱۵-] بَابُ امْتِشَاطِ الْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ

[۳۱۶-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ، قَالَ: ثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَهْلَلْتُ مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَكُنْتُ مِمَّنْ تَمَتَّعَ وَلَمْ يَسُقِ الْهَدْيَ، فَزَعَمَتْ أَنَّهَا حَاضَتْ وَلَمْ تَطْهُرْ حَتّٰى دَخَلَتْ لَيْلَةُ عَرَفَةَ، فَقَالَتْ: يَارسولَ اللّٰهِ! هٰذِهِ لَيْلَةُ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَإِنَّمَا كُنْتُ تَمَتَّعْتُ بِعُمْرَةٍ؟ فَقَالَ لَهَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "انْقُضِيْ رَأْسَكِ وَامْتَشِطِيْ، وَأَمْسِكِيْ عَنْ عُمْرَتَكِ" فَفَعَلْتُ، فَلَمَّا قَضَيْتُ الْحَجَّ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ، فَأَعْمَرَنِيْ مِنَ التَّنْعِيْمِ مَكَانَ عُمْرَتِي الَّتِيْ نَسَكْتُ. [راجع: ۲۹۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں احرام باندھا، اور میں ان لوگوں میں سے تھی جنھوں نے تمتع کیا تھا اور جو ہدی ساتھ نہیں لے گئے تھے، پس وہ کہتی ہیں کہ وہ حائضہ ہو گئیں اور پاک نہیں ہوئیں، یہاں تک کہ عرفہ کی رات آ گئی، (یوم الترویہ کی رات تھی، سات اور آٹھ ذی الحجہ کی درمیانی رات تھی، اور

اگلے دن منی جانا تھا، پھر جو رات آئے گی وہ عرفہ کی رات ہوگی، مگر چونکہ حضرت عائشہؓ اس وقت تک بھی پاک نہیں ہوئی تھیں اس لئے عرفہ کی رات کہا) انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج عرفہ کی رات ہے اور میں نے عمرہ کے ساتھ فائدہ اٹھایا ہے یعنی حج کا احرام عمرہ کے احرام سے بدل دیا ہے اور ابھی تک میں نے عمرہ ادا نہیں کیا، آپؐ نے فرمایا: اپنے سر کو کھول لو اور کنگھی کرلو، اور عمرہ سے رک جاؤ، پس میں نے ایسا کیا، پھر جب میں حج سے فارغ ہوئی تو آپ نے عبدالرحمٰن کو لیلۃ **الحصبۃ** (تیرہ ذی الحجہ) کو حکم دیا، پس انھوں نے مجھے تنعیم سے عمرہ کرایا میرے اس عمرہ کی جگہ جس کا میں نے احرام باندھا تھا۔

تشریح:

۱- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مفردہ تھیں یا قارنہ؟ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ آپ نے ابتداء میں صرف حج کا احرام باندھا تھا، پھر مکہ پہنچ کر اس کو عمرہ کے احرام سے بدل دیا تھا مگر آٹھ ذی الحجہ تک آپؓ پاک نہ ہوئیں تو آپؓ نے عمرہ کا احرام توڑ دیا یا اس کے ساتھ حج کا احرام شامل کرلیا؟ اس میں اختلاف ہے، شوافع کی رائے یہ ہے کہ آپؓ نے احرام نہیں توڑا تھا بلکہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام ملا لیا تھا، یعنی آپؓ قارنہ تھیں، اور حج کے بعد آپؓ نے جو عمرہ کیا تھا وہ عام عمرہ تھا کسی دوسرے عمرہ کی قضا نہیں تھی، اور احناف کہتے ہیں: آپؓ نے عمرہ کا احرام توڑ دیا تھا اور حج کا احرام باندھ لیا تھا پھر حج کے بعد توڑے ہوئے عمرہ کی قضا کی تھی، اور دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو غسل کرنے کا، سر کھولنے کا اور کنگھی کرنے کا حکم دیا تھا، غسل کرنے کا ذکر ابوداؤد کی روایت (حدیث ۱۷۸۵) میں ہے اور مذکورہ حدیث کی ایک سند میں جو آگے آرہی ہے عمرہ توڑنے کی صراحت ہے پس احناف کے نزدیک آپؓ مفردہ تھیں، قارنہ نہیں تھیں۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ قارن پر ایک طواف اور ایک سعی ہے یا دو طواف اور دو سعی؟ شوافع کے نزدیک قارن پر ایک طواف اور ایک سعی ہے، اور احناف کے نزدیک دو طواف اور دو سعی، اس لئے حضرت عائشہؓ کو قارنہ ماننے میں احناف کو تکلف ہے، تفصیل کتاب الحج میں آئے گی۔

۲- تمتع کی دو قسمیں ہیں: تمتع لغوی اور تمتع اصطلاحی، تمتع اصطلاحی یہ ہے کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور طواف وسعی اور حلق کرا کر احرام کھول دے، پھر آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے۔ اور تمتع لغوی یہ ہے کہ ایک سفر میں حج وعمرہ کرے خواہ کسی طرح کرے، پس حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ میں متمتع تھی اس سے تمتع لغوی مراد ہے۔

۳- **لیلۃ الحَصَبۃ**: (نزولِ محصّب کی رات) **الحصبۃ** کے معنی ہیں: سنگریزے، یہ مکہ سے باہر ایک میدان تھا، تیرہ ذی الحجہ کو منی سے لوٹ کر آپؐ نے اس میدان میں قیام فرمایا تھا اور وہاں عصر تا عشا تین نمازیں ادا فرمائی تھیں، یہ وہی میدان ہے جہاں قریش نے قسمیں کھائی تھیں اور آپؐ کا، ابوطالب کا، بنو ہاشم کا اور بنو عبدالمطلب کا بائیکاٹ کیا تھا، اس میدان کو ابطح، بطحاء، مُحصّب اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں، یہیں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عمرہ کے لئے تنعیم بھیجا گیا تھا، اور جس جگہ سے آپؓ نے احرام باندھا تھا اب اس جگہ حضرت عائشہؓ کے نام سے مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے۔

بابُ نَقْضِ الْمَرْأَةِ شَعْرَهَا عِنْدَ غُسْلِ الْمَحِيْضِ

غسلِ حیض کے وقت بالوں کو کھولنا

عورت نے اگر سر کے بالوں کی چوٹیاں بٹ رکھی ہیں تو غسل جنابت میں ان کو کھولنا ضروری نہیں، اور بالوں کو بھگانا بھی معاف ہے، البتہ بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا ضروری ہے، اگر بے کھولے جڑوں میں پانی نہ پہنچے تو بال کھول ڈالے اور بالوں کو بھگائے، یہی حکم غسلِ حیض کا ہے، البتہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک غسلِ جنابت میں تو چوٹیاں کھولنی ضروری نہیں، اس لئے کہ اس کے بارے میں نص ہے (ترمذی حدیث ۱۰۸) مگر غسل حیض میں چوٹیاں کھولنا، اور سب بال بھگانا اور تمام جڑوں میں پانی پہنچانا ضروری ہے، اس لئے حضرتؒ نے **عند غسل المحیض** کی تخصیص کی، اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے نزدیک غسل جنابت میں بھی چوٹیاں کھولنا اور سب بالوں کو بھگانا اور جڑوں میں پانی پہنچانا ضروری ہے، پس غسل حیض میں بدرجۂ اولیٰ ضروری ہوگا۔ اور باب میں حضرت عائشہؓ کی وہی حدیث ہے جو اوپر والے باب میں گذری ہے، حضرت عائشہؓ نے جب عمرہ کا احرام توڑا تھا اور حج کا احرام باندھا تھا تو نبی ﷺ نے حکم دیا تھا کہ چوٹیاں کھول لو اور بالوں میں کنگھی کرلو، اور یہ غسل حیض کے درمیان میں تھا، پس حیض کے بعد غسل میں چوٹیاں کھولنا بدرجۂ اتم ضروری ہوگا، یہ امام بخاریؒ کا استدلال ہے، مگر تقریب تام نہیں، اس لئے کہ آپؐ نے حضرت عائشہ کو بال کھولنے کا اور کنگھی کرنے کا جو حکم دیا تھا وہ ارشادی تھا یعنی ان کو ایک بھلائی کی بات بتائی تھی، حضور ﷺ حجۃ الوداع میں مدینہ منورہ سے پچیس ذی قعدہ کو نکلے ہیں، اور چار ذی الحجہ کو مکہ معظّمہ پہنچے ہیں پھر آٹھ ذی الحجہ تک مزید چار دن گذرے ہیں، اتنے میں حضرت عائشہؓ کے بال بکھر گئے ہونگے، اس لئے آپؐ نے ان کو ایک فائدہ کی بات بتائی کہ بال کھول لو، کنگھی کرو اور نہا کر احرام باندھ لو، پس آپؐ کا یہ حکم ارشادی تھا، اس لئے اس سے مسئلہ اخذ کرنا کہ غسل حیض میں چوٹیاں کھولنا ضروری ہے، صحیح نہیں۔

[۱۶-] بابُ نَقْضِ الْمَرْأَةِ شَعْرَهَا عِنْدَ غُسْلِ الْمَحِيْضِ

[۳۱۷-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مُوَافِيْنَ لِهِلاَلِ ذِى الْحِجَّةِ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهِلَّ، فَإِنِّى لَوْلاَ أَنِّىْ أَهْدَيْتُ لَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ " فَأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِعُمْرَةٍ، وَأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِحَجٍّ، وَكُنْتُ أَنَا مِمَّنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، فَأَدْرَكَنِى يَوْمُ عَرَفَةَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَشَكَوْتُ إِلَى النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ:" دَعِىْ عُمْرَتَكِ، وَانْقُضِىْ رَأْسَكِ، وَامْتَشِطِىْ، وَأَهِلِّىْ بِحَجٍّ" فَفَعَلْتُ حَتّٰى إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ، أَرْسَلَ مَعِىْ أَخِىْ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِىْ بَكْرٍ، فَخَرَجْتُ إِلَى التَّنْعِيْمِ، فَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِىْ، قَالَ هِشَامٌ: وَلَمْ يَكُنْ فِىْ شَيْئٍ مِنْ ذٰلِكَ هَدْىٌ وَلاَ صَوْمٌ وَلاَ صَدَقَةٌ. [راجع: ۲۹۴]

ترجمہ اور وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم ایسے وقت نکلے کہ ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہونے والا تھا، پچیس ذی قعدہ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، رات ذوالحلیفہ میں گذاری اور عصر تا فجر وہاں پڑھیں، پھر چھبیس ذی قعدہ کو مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے، مکہ پہنچ کر وحی آئی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: جسے پسند ہو کہ وہ عمرہ کا احرام باندھے تو چاہئے کہ وہ عمرہ کا احرام باندھے، اگر میرے پاس قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی عمرہ کا احرام باندھتا، پس بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا، اور میں ان لوگوں میں سے تھی جنھوں نے عمرہ کا احرام باندھا۔ پس مجھے یوم عرفہ نے پایا درانحالیکہ میں حائضہ تھی، پس میں نے نبی ﷺ سے شکایت کی، پس آپؐ نے فرمایا: ''اپنا عمرہ چھوڑ دو، اور اپنا سر توڑ لو، اور کنگھی کرلو اور حج کا احرام باندھ لو'' چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ جب تیرہویں کی رات آئی (یہ چودہویں کی رات تھی، ایام منی میں راتیں گذشتہ دنوں کے ساتھ گنی جاتی ہیں) تو آپؐ نے میرے ساتھ عبدالرحمٰنؓ کو بھیجا، پس میں تنعیم کی طرف نکلی، پس میں نے عمرے کا احرام باندھا، میرے (توڑے ہوئے) عمرہ کی جگہ، ہشام کہتے ہیں: اور نہیں تھا کسی چیز میں ان میں سے قربانی کا جانور اور نہ روزہ اور نہ فدیہ۔

جاننا چاہئے کہ عمرہ توڑنے کی وجہ سے احناف کے نزدیک دم واجب ہوتا ہے اور قضا بھی، اور دم نہ ہو تو دس روزے رکھے، تین ایام حج میں اور سات وطن لوٹ کر، اور کتاب الحج میں احصار کا مسئلہ آئے گا، وہاں بتائیں گے کہ احصار کی صورت میں ہدی حرم میں بھیجنی پڑتی ہے جب ہدی وہاں ذبح ہو جائے تب احرام کھلے گا۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جہاں احصار واقع ہوا ہے اس جگہ جانور ذبح کیا جائے گا۔ حضرت عائشہؓ کا معاملہ کیا تھا؟ انھوں نے عمرہ توڑا تھا یا وہ قارنہ تھیں یا احصار تھا؟ پس ان پر قربانی، روزہ یا صدقہ واجب تھا، حضرت ہشامؒ کہتے ہیں: نہیں تھی ان میں سے کسی میں ہدی نہ روزہ اور نہ صدقہ۔ حاشیہ میں امام نووی رحمہ اللہ کا اعتراض لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ پر نہ ہدی واجب ہوئی، نہ روزہ اور نہ صدقہ یہ کیسے ممکن ہے؟ ان میں سے ایک ضرور واجب ہوگا، مگر امام نوویؒ کا یہ اعتراض اس پر مبنی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان میں سے کچھ بھی ادا نہیں کیا۔ لیکن اگر حضرت ہشام کے اس قول کا یہ مطلب لیا جائے کہ حدیث میں ان کا تذکرہ نہیں تو اعتراض ختم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ عدم ذکر عدم شئ کو مستلزم نہیں، روایت میں مذکور نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس الامر میں بھی نہ ہو، غرض حنفیہ کے قول پر عمرہ توڑنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا اور شوافع کے قول پر دم قران واجب ہوگا۔

بابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿مُخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾

بچہ گوشت کی بوٹی سے پیدا ہوتا ہے جو کبھی پوری ہوتی ہے اور کبھی ادھوری رہ جاتی ہے

یہ سورۂ حج کے پہلے رکوع کی آیت (۵) کا ٹکڑا ہے۔ آیت یہاں سے شروع ہوتی ہے: ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ تُرَابٍ، ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ، ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ، ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ: مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾: اللہ

تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے بنایا ہے، مٹی کے جوہر غذا سے خون بنتا ہے، خون سے نطفہ بنتا ہے، نطفہ سے علقہ بنتا ہے، علقہ سے مضغہ بنتا ہے، پھر آگے بڑھ بھی سکتا ہے اور نہیں بھی بڑھتا ہے، مخلقة: کے معنی ہیں: آگے بڑھا ہوا، تخلیق کے مرحلوں میں داخل ہوا ہوا، اور غیر مخلقة: کے معنی ہیں: ان مرحلوں میں داخل نہ ہوا ہوا۔

جاننا چاہئے کہ ﴿مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ صرف مضغہ کے ساتھ خاص نہیں، اس کا تعلق پہلے والے تمام مراحل کے ساتھ ہے اور اگلے مراحل کے ساتھ بھی، کبھی نطفہ گر پڑتا ہے، کبھی علقہ گر پڑتا ہے، کبھی مضغہ گر پڑتا ہے، کبھی آگے کے مراحل میں داخل ہوتا ہے، اس کے بعد گر پڑتا ہے، کبھی بچہ مرا ہوا پیدا ہوتا ہے۔ غرض اس ٹکڑے کا تعلق آگے پیچھے کے سب مراحل سے ہے، جیسے ﴿ إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ، خَلَقَ الإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ میں علق: درمیانی مرحلہ ہے، اس سے پہلے تین مرحلے ہیں اور بعد میں تین مرحلے، انسان کی تخلیق سات مرحلوں سے گذر کر ہوتی ہے، علق درمیانی مرحلہ ہے، یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے اور میں نے کتاب الوحی کے شروع میں (حدیث ۳) یہ بات تفصیل سے بیان کی ہے، اسی طرح ﴿مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ کا تعلق پہلے اور بعد والے سب مراحل سے ہے۔

مقصد ترجمہ اور حدیث کی باب سے مناسبت: علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ حمل کے زمانہ میں حیض نہیں آسکتا۔ حمل کے زمانہ میں حیض آسکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حضرات ابوحنیفہ، احمد، ابوثور، ابن المنذر، امام شافعی رحمہم اللہ کا قول قدیم اور امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ حمل کے زمانہ میں حیض نہیں آسکتا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید یہ ہے کہ حمل کے زمانہ میں حیض آسکتا ہے اور یہی امام مالک اور حضرت اسحاق رحمہما اللہ کی رائے ہے۔

یہاں یہ بات جاننی چاہئے کہ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۸ میں قروء سے امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک حیض مراد ہے، پس عدت حیض سے گذرے گی، اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک طہر مراد ہے، پس عدت طہر سے گذرے گی، جو حضرات حیض سے عدت کے قائل ہیں ان کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ عدت کا مقصد استبراء رحم ہے، یعنی بچہ دانی حمل سے خالی ہے یہ بات جاننا ہے، پس اگر حمل کے زمانہ میں بھی حیض آئے گا تو کیسے پتہ چلے گا کہ بچہ دانی میں حمل نہیں ہے، اس لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حمل کے زمانہ میں حیض نہیں آسکتا۔

جب باب کا مقصد متعین ہوگیا کہ حمل کے زمانہ میں حیض نہیں آسکتا تو اب حدیث کا باب سے انطباق یہ ہے کہ حمل قرار پاتے ہی فرشتہ رحم پر مقرر ہو جاتا ہے اور حمل کی حفاظت کرتا ہے، اب بھی اگر بچہ دانی کا منہ کھلے اور حیض آئے تو فرشتے کی نگرانی سے کیا فائدہ؟ علاوہ ازیں حمل ٹھہرنے کے بعد حیض کا خون جمع رہتا ہے اور بچہ کی غذا بنتا ہے، اگر حیض آئے تو بچہ کی غذا ضائع ہو جائے گی، پس وہ کیسے پلے بڑھے گا؟ اس طرح حدیث کا باب کے ساتھ جوڑ ہے۔

[۱۷-] بابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿مُخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾

[۳۱۸-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِىْ بَكْرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى

الله علیه وسلم، قَالَ: " إِنَّ اللّٰهَ تبَارَكَ وَتعَالٰى وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا، يَقُوْلُ: يَا رَبِّ نُطْفَةٌ، يَا رَبِّ عَلَقَةٌ، يَارَبِّ مُضْغَةٌ، فَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقَهُ قَالَ: أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثٰى؟ شَقِيٌّ أَمْ سَعِيْدٌ؟ فَمَا الرِّزْقُ؟ وَمَا الأَجَلُ؟ فَيُكْتَبُ فِيْ بَطْنِ أُمِّهِ "[انظر: ۳۳۳۳، ٦٥٩٥]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بچہ دانی پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جو کہتا ہے: اے میرے رب! یہ نطفہ ہے، اے میرے رب! یہ خون بستہ ہے، اے میرے رب! یہ گوشت کا لوتھڑا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو وہ پوچھتا ہے: یہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ بدبخت ہے یا نیک بخت؟ اس کا رزق کیا ہے؟ اور اس کی موت کا مقررہ وقت کیا ہے؟ یہ ساری باتیں اس کی ماں کے پیٹ میں لکھ دی جاتی ہیں۔

تشریح: انسان اس دنیا میں نیا پیدا نہیں ہوتا، اس دنیا میں صرف اس کا جسم بنتا ہے اس کی روح پہلے پیدا ہو چکی ہے اور تمام روحیں عالم ارواح میں ہیں۔ سورۃ الاعراف (آیت ۱۷۲) میں یہ مضمون ہے: جب روح کے دنیا میں آنے کا وقت ہوتا ہے تو شکم مادر میں اس کے لئے جسم بنتا ہے، اور جسم: چار عناصر سے خاص طور پر مٹی سے بنتا ہے اس طرح کہ عناصر اربعہ کی توانائیاں مجتمع ہو کر انسان کی غذا پیدا کرتی ہے، جب انسان وہ غذا کھاتا ہے تو اس سے خون بنتا ہے، پھر خون کا خاص حصہ مادۂ منویہ بننے کے لئے جدا کرلیا جاتا ہے، پھر میاں بیوی کے مادے رحم میں پہنچتے ہیں، جب علوق (حمل ٹھہرنا) مقدر ہوتا ہے تو مادہ کا کچھ حصہ بچہ دانی میں ٹھہر جاتا ہے اور باقی مادہ باہر نکل آتا ہے، اور اسی وقت سے فرشتہ نگرانی پر مقرر ہو جاتا ہے، وہ پوچھتا ہے: یارب مخلقة وغیر مخلقة؟ اگر حمل گر جانا مقدر ہے تو غیر مخلقة کا حکم ہوتا ہے اور حمل کا ٹھہرنا مقدر ہے تو مخلقة کا حکم ہوتا ہے، اور حمل آگے بڑھتا ہے، اور مشیت خداوندی کے مطابق تخلیق مکمل ہوتی ہے۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کی پیدائش جمع کی جاتی ہے اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی حالت میں (یعنی اس مدت میں نطفہ میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوتی) پھر اتنی ہی مدت میں علقہ (جما ہوا خون) بنتا ہے پھر اتنی ہی مدت میں مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی بنتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتے ہیں چار باتوں کے ساتھ، پس وہ اس کا عمل، اس کی موت، اس کی روزی اور اس کا نیک یا بد ہونا لکھتا ہے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے (مشکوۃ حدیث ۸۲) یعنی مراحل تخلیق میں انتقال تدریجی ہوتا ہے، یکبارگی نہیں ہوتا، اور ہر مرحلہ پہلے والے اور بعد والے مراحل سے مختلف ہوتا ہے، مادہ میں جب تک کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوتی، نطفہ کہلاتا ہے، پھر جب اس میں معمولی انجماد پیدا ہوتا ہے تو علقہ کہلاتا ہے، پھر جب اس میں خوب انجماد ہو جاتا ہے تو مضغہ کہلاتا ہے، پھر اعضاء بننے شروع ہوتے ہیں اور جب تخلیق مکمل ہو جاتی ہے تو اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں جس کو ابن ابی حاتم رازی اور ابن جریر طبری رحمہما اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کیا ہے: نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نطفہ مختلف ادوار سے گذرنے کے بعد مضغہ بن جاتا ہے تو

فرشتہ جو انسان کی تخلیق پر مامور ہے: اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے: یارب **مُخَلَّقَةٌ أو غیرُ مخلقةٍ**؟ اے پروردگار! اس مضغہ سے انسان بننا مقدر ہے یا نہیں؟ اگر جواب ملتا ہے کہ پیدا ہونا مقدر نہیں تو رحم اس کو ساقط کر دیتا ہے اور اگر جواب ملتا ہے کہ پیدا ہونا مقدر ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے: لڑکا یا لڑکی؟ نیک بخت یا بد بخت؟ اور اس کی عمر کیا ہے؟ اور اس کا عمل کیا ہوگا؟ اور کہاں مرے گا؟ (ابن کثیر)

فائدہ: سورۂ لقمان کی آخری آیت میں یہ مضمون ہے کہ پانچ باتوں کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں، ان میں سے ایک ﴿**وَيَعْلَمُ مَا فِيْ الْأَرْحَامِ**﴾ ہے، یعنی رحم مادر میں کیا ہے؟ لڑکا یا لڑکی؟ اسکو اللہ ہی جانتے ہیں۔ یہاں طالب علم سوال کرتے ہیں کہ اب تو مشین بتا دیتی ہے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ اور یہ آیت کہتی ہے کہ اللہ کے علاوہ اس کو کوئی نہیں جانتا، اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں ما ہے من نہیں، اور ما اور مَن کا فرق آپ جانتے ہیں مَن ذوی العقول کے لئے ہے اور ما غیر ذوی العقول کے لئے اور وہ عام ہے اور مشین جس مرحلہ میں بتاتی ہے اس مرحلہ میں تخلیق پوری ہوجاتی ہے اور وہ مَن بن جاتا ہے ما نہیں رہتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے **مَا فِي الْأَرْحَامِ** فرمایا ہے، یعنی جب نطفہ رحم مادر میں پہنچتا ہے اس وقت سے پیدا ہونے تک کے تمام احوال اللہ جانتے ہیں۔ تخلیق مکمل ہوگی یا نہیں؟ لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ بد بخت ہوگا یا نیک بخت؟ اس کا رزق کیا ہوگا؟ عمر کتنی ہوگی؟ کہاں مرے گا؟ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ ابتداء ہی سے جانتے ہیں، جبکہ مشین اس وقت بتاتی ہے جب بچہ کی تخلیق مکمل ہوجاتی ہے، لہٰذا آیت پر کوئی اشکال نہیں۔

ترکیب: **یارب نطفة**:.......... **علقة**: .... **مضغة** : اگر یہ مرفوع ہوں تو تقدیر عبارت ہوگی: **یا رب وقعت فی الرحم نطفةٌ** .... **علقةٌ**: .... **مُضغةٌ** : اے رب یہ بس نطفہ ہے؟.......... یہ بس علقہ ہے؟.......... یہ بس مضغہ ہے؟ اس کو یہیں ختم ہوجانا ہے یا آگے بڑھنا ہے؟ اور منصوب پڑھیں تو تقدیر عبارت ہوگی: **خَلَقتَ یارب نُطْفَةً**: ...... **علقةً** ...... **مضغة**: اور یہ جملے فرشتہ مسلسل ایک سانس میں نہیں بولتا بلکہ چالیس دن کے وقفہ سے پوچھتا ہے۔

بابٌ: كَيْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ؟

حائضہ حج اور عمرے کا احرام کیسے باندھے؟

کوئی عورت حالت حیض میں ہے اور اس کو حج کا یا عمرہ کا احرام باندھنا ہے تو اس کو نہا کر اور بالوں کو سنوار کر احرام باندھنا چاہئے، یہ نہانا اگرچہ غیر مفید ہے، کیونکہ وہ حالت حیض میں ہے تاہم اسے نہا کر احرام باندھنا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب عمرہ کا احرام توڑا تھا اور حج کا احرام باندھا تھا تو بالوں کو کھول کر، نہا کر، اور بالوں میں تیل کنگھی کر کے احرام باندھا تھا، یہاں روایت میں نہانے کا تذکرہ نہیں، مگر ابوداؤد میں اسی حدیث میں نہانے کا بھی ذکر ہے، نیز حدیث باب میں جو الفاظ ہیں کہ سر کو کھول دو اور کنگھی کرلو، اس میں بھی غسل کی طرف اشارہ ہے، غرض حدیث میں جو الفاظ ہیں اس کے اشارہ

سے حدیث باب کے ساتھ منطبق ہے یا دوسری جگہ جو الفاظ آئے ہیں اس کے اعتبار سے منطبق ہے۔

[۱۸-] بابٌ: کَیْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ؟

[۳۱۹-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ، فَقَدِمْنَا مَكَّةَ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَلَمْ يُهْدِ فَلْيُحْلِلْ، وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَأَهْدَى فَلَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ بِنَحْرِ هَدْيِهِ، وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهُ" قَالَتْ: فَحِضْتُ، فَلَمْ أَزَلْ حَائِضًا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ، وَلَمْ أُهْلِلْ إِلَّا بِعُمْرَةٍ، فَأَمَرَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ أَنْقُضَ رَأْسِيْ وَأَمْتَشِطَ وَأُهِلَّ بِالْحَجِّ، وَأَتْرُكَ الْعُمْرَةَ، فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ، حَتّٰى قَضَيْتُ حَجَّتِيْ، فَبَعَثَ مَعِيْ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِيْ بَكْرٍ، فَأَمَرَنِيْ أَنْ أَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِيْ مِنَ التَّنْعِيْمِ. [راجع: ۲۹۴]

وضاحت: حدیث واضح ہے اور وَدَاع: واؤ کے زبر کے ساتھ ہے، اردو میں زیر کے ساتھ بولتے ہیں، طالب علم عربی میں بھی واؤ کا زیر پڑھ دیتے ہیں یہ صحیح نہیں، عربی میں واؤ کا زبر ہے............**قوله: ومن لم يُهد فليحلل:** جس نے عمرے کا احرام باندھا اور ہدی ساتھ نہیں لایا وہ طواف وسعی کر کے احرام کھول دے، اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہدی ساتھ لایا ہے وہ احرام نہ کھولے یہاں تک کہ وہ اپنی ہدی ذبح کر کے حلال ہو............حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث میں جو پہلے گذری ہے یہ تھا کہ ہم نے صرف حج کا احرام باندھا تھا اس لئے کہ عربوں کے تصورات میں اشہر حج میں عمرہ کرنا بڑا گناہ تھا، اور یہاں حضرت عائشہؓ فرمارہی ہیں کہ ہم میں سے بعض نے حج کا احرام باندھا، اور بعض نے عمرہ کا۔ یہ واقعہ کی صحیح نوعیت نہیں، صحیح بات وہ ہے جو پہلے آئی ہے۔

بابُ إِقْبَالِ الْمَحِيْضِ وَإِدْبَارِهِ

حیض کا آنا اور اس کا بند ہونا

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ تمیز بالدم کا اعتبار ہے یا نہیں؟ حنفیہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک تمیز بالدم کا اعتبار نہیں۔ حیض کے اقبال وادبار کا مدار عادت پر ہے۔ خون کے رنگ کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور ائمہ ثلاثہؒ تمیز بالدم کا اعتبار کرتے ہیں، اور انھوں نے حیض کے خون کے چھ رنگ تجویز کئے ہیں اور ان کو اقوی اور اضعف قرار دیا ہے، یہ مسئلہ طحاوی میں ہے، بخاری میں یہ مسئلہ نہیں، بخاری میں صرف اتنی بات ہے کہ تمیز بالدم کا اعتبار نہیں۔

فائدہ: مستحاضہ کی ایک قسم مُمیِّزہ ہے یعنی وہ عورت جو خون کے رنگ کے ذریعہ حیض اور استحاضہ کے درمیان فرق

کر سکتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عادت کا اعتبار نہیں، صرف تمیز بالدم کا اعتبار ہے اور احناف کے نزدیک صرف عادت کا اعتبار ہے، تمیز بالدم کا اعتبار نہیں۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ دونوں کا اعتبار کرتے ہیں۔ البتہ امام احمد رحمہ اللہ عادت کو مقدم رکھتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ تمیز بالدم کو، غرض ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تمیز بالدم کا اعتبار ہے اور انھوں نے حیض کے چھ رنگ تجویز کئے ہیں: أسود (کالا) أحمر (سرخ) أصفر (زرد) کُدرۃ (گدلا) أخضر (سبز) تربتی (مٹیالا) پھر ان میں اقوی اور اضعف تجویز کئے ہیں کہ فلاں رنگ اقوی ہے اور فلاں اضعف، اور یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جب اقوی رنگ شروع ہو تو وہ حیض ہے اور جب اضعف آنے لگے تو حیض ختم ہو گیا، مثلاً کالا خون شروع ہوا پھر زرد آنے لگا یا سرخ شروع ہوا پھر مٹیالا آنے لگا تو حیض ختم ہو گیا، اور ائمہ ثلاثہ کی دلیل فاطمہ بن ابی حُبیش کی حدیث ہے جو ابوداؤد وغیرہ میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: **إذا کان دم الحیض فإنه دمٌ أسود یُعْرَف، فإذا کان ذلك فأمسکی عن الصلوٰۃ**: حیض کا خون کالا ہوتا ہے بآسانی پہچانا جاسکتا ہے، لہٰذا جب وہ خون آئے تو نماز سے رک جا، اس میں نبی ﷺ نے رنگ کا اعتبار کیا ہے، احناف کہتے ہیں: یہ حدیث متکلم فیہ ہے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن عدی نے یہ حدیث ایک مرتبہ کتاب سے بیان کی، تب اس کو فاطمہ بن ابی حبیش کی حدیث بتایا، دوسری مرتبہ حافظہ سے بیان کی تو اس کو حضرت عائشہؓ کی حدیث بتایا، علاوہ ازیں اس میں اضطراب بھی ہے، علاء نے اس کو مرفوع روایت کیا ہے اور شعبہ نے موقوف (ابوداؤد: ۴۳)

احناف کی دلیلیں دو ہیں:

۱- مدینہ منورہ کی عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ڈبیہ میں کرسف بھیجا کرتی تھیں وہ ہر رنگ دیکھ کر فرماتیں: ابھی نماز پڑھنے میں جلدی نہ کرو، جب تک چونے جیسی سفیدی نہ دیکھو، یہ حدیث باب میں تعلیقاً اور موطا مالک (ص: ۲۰ طهر الحائض) میں موصولاً مروی ہے۔

۲- حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم مٹیالے اور زرد رنگ کو کچھ شمار نہیں کرتے تھے، یعنی ان رنگوں کو حیض ہی سمجھتے تھے، پاکی شمار نہیں کرتے تھے۔ یہ حدیث چند ابواب کے بعد آرہی ہے۔ ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ حیض کے زمانہ میں جس رنگ کا بھی خون آئے وہ حیض ہے، مستحاضہ کی باقی اقسام اور ان کے احکام جاننے کے لئے دیکھئے: تحفۃ الألمعی (۲-۴۰۴-۴۰۲) ــــــ باب میں دو آثار اور ایک مرفوع حدیث ہے۔

[۱۹-] بابُ إِقْبَالِ الْمَحِيْضِ وَإِدْبَارِهِ

[۱-] وَكُنَّ نِسَاءٌ يَبْعَثْنَ إِلٰى عَائِشَةَ بِالدُّرْجَةِ، فِيْهَا الْكُرْسُفُ، فِيْهِ الصُّفْرَةُ، فَتَقُوْلُ: لَا تَعْجَلْنَ حَتّٰى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ، تُرِيْدُ بِذٰلِكَ الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضَةِ.

[۲-] وَبَلَغَ بِنْتَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ نِسَاءً يَدْعُوْنَ بِالْمَصَابِيْحِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ، يَنْظُرْنَ إِلَى الطُّهْرِ، فَقَالَتْ: مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصْنَعْنَ هٰذَا، وَعَابَتْ عَلَيْهِنَّ.

۱- عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ڈبیہ میں کرسف (روئی) بھیجتی تھیں جس میں زردی ہوتی تھی، حضرت عائشہؓ فرماتیں، جلدی نہ کرو جب تک چونے جیسی سفیدی نہ دیکھ لو، وہ اُس سے حیض سے پاک ہونے کا ارادہ فرماتی تھیں، یعنی حضرت عائشہؓ ہر رنگ دیکھ کر فرماتیں: ابھی نماز پڑھنے میں جلدی نہ کرو، جب چونے جیسی سفیدی آجائے تب پاک ہوؤ گی، اس وقت نماز پڑھنا۔

۲- اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو یہ بات معلوم ہوئی کہ عورتیں رات میں چراغ منگواتی ہیں اور طہر دیکھتی ہیں، تو انھوں نے کہا: پہلے عورتیں ایسا نہیں کرتی تھیں اور انھوں نے اس کو معیوب قرار دیا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں ان کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے: **أعلم الناس بالحلال والحرام**: حلال وحرام کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، ان کی صاحبزادی نے اپنے زمانہ کی عورتوں پر تنقید کی ہے، عورتیں رات میں چراغ جلا کر دیکھتی تھیں کہ وہ پاک ہوئیں یا نہیں؟ اس پر صاحبزادی نے تنقید کی کہ عورتوں کا یہ طریقہ ٹھیک نہیں، نبی ﷺ کے زمانہ میں عورتیں ایسا نہیں کرتی تھیں، بلکہ صبح اٹھ کر کرسف دیکھتی تھیں، اگر چونے جیسی سفیدی ہے تو رات میں پاک ہوگئیں عشاء کی نماز قضا کریں اور کوئی دوسرا رنگ ہے تو پاک نہیں ہوئیں، اور اس اندیشہ سے کہ شاید رات میں پاک ہوجائیں، اور عشاء کی نماز قضا ہوجائے اس مقصد سے بار بار کرسف دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ نبی ﷺ کے زمانہ کی عورتیں ایسا نہیں کرتی تھیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ رنگوں کا اعتبار نہیں۔

[۳۲۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِيْ حُبَيْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ، فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِيْ الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِيْ وَصَلِّيْ" [راجع: ۳۰۶]

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کو استحاضہ کا خون آتا تھا، انھوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: یہ رگ کا خون ہے، حیض کا خون نہیں، پس جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو، اور جب حیض پیٹھ پھیرے تو غسل کر کے نماز شروع کردو۔

تشریح: یہ حدیث پہلے بھی گذری ہے وہاں بتایا تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا معتادہ تھیں اور نبی ﷺ نے ان کو عادت کا اعتبار کرنے کا حکم دیا تھا، اور ابوداؤد میں اس حدیث میں **فإنه دم أسود يُعرف** ہے، مگر یہ ٹکڑا منکر ہے، امام بخاری رحمہ اللہ یہ ٹکڑا کسی جگہ نہیں لائے، اور اسی پر ائمہ ثلاثہ نے تمیز بالدم کا مدار رکھا ہے، غرض جب تمیز بالدم کا اعتبار نہیں تو حیض کے آنے جانے کا مدار عادت پر ہوگا، عادت کے ایام میں مستحاضہ نماز روزہ ترک کردے گی، اور باقی ایام میں نماز روزہ کرے گی۔

بابٌ لَا تَقْضِی الْحَائِضُ الصَّلٰوۃَ

حائضہ نمازوں کی قضا نہ کرے

حیض کی حالت میں عورت نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے، حضرت جابر اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما کی روایتوں سے یہ بات ثابت ہے، پھر نمازوں کی قضا نہیں، یہ بات حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ثابت ہے، البتہ روزوں کی قضا کرے گی۔

[۲۰-] بابٌ لَا تَقْضِی الْحَائِضُ الصَّلٰوۃَ

وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبُوْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم:" تَدَعُ الصَّلَاةَ "

[۳۲۱-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: ثنا هَمَّامٌ، قَالَ: ثَنَا قَتَادَةُ، قَالَ: حَدَّثَتْنِيْ مُعَاذَةُ: أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِعَائِشَةَ: أَتُجْزِئُ إِحْدَانَا صَلَاتَهَا إِذَا طَهُرَتْ؟ فَقَالَتْ: أَحْرُوْرِيَّةٌ أَنْتِ؟ كُنَّا نَحِيْضُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَلَا يَأْمُرُنَا بِهِ، أَوْ قَالَتْ: فَلَا نَفْعَلُهُ.

حدیث: معاذہ کہتی ہیں: ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: کیا ہم میں سے ایک عورت نماز کی قضا کرے جب وہ حیض سے پاک ہو؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا تو حروریہ ہے؟ ہمیں نبی ﷺ کے زمانہ میں حیض آتا تھا اور آپؐ ہمیں نماز قضا کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے، یا فرمایا: ہم نماز قضا نہیں کرتی تھیں۔

تشریح: حائضہ پر روزوں کی قضا واجب ہے، نمازوں کی قضا واجب نہیں، کیونکہ نمازوں میں تکرار ہے اس لئے ان کی قضا میں دشواری ہے۔ اور شریعت کا قاعدہ ہے: الحَرَجُ مَدفُوْعٌ: چنانچہ نمازوں کی قضا معاف ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں، البتہ خوارج کا اختلاف تھا ان کے نزدیک نمازوں کی بھی قضاء واجب ہے مگر وہ گمراہ فرقہ ہے اور گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اور حضرت عائشہؓ سے سوال کرنے والی خود معاذہ تھیں۔ مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کی صراحت ہے۔ اور خوارج کو حضرت عائشہؓ نے حروری اس لئے کہا کہ ان کا مرکز حروراء نامی گاؤں تھا۔

بابُ النَّوْمِ مَعَ الْحَائِضِ وَهِيَ فِيْ ثِيَابِهَا

حائضہ کے ساتھ لیٹنا جبکہ وہ اپنے کپڑوں میں ہو

اس باب کے دو مطلب ہیں: **ایک:** اگر حائضہ ننگی نہ ہو، کپڑے پہن رکھے ہوں اور ناف سے گھٹنے تک کا حصہ چھپا ہوا ہو تو اس کے ساتھ لیٹنا جائز ہے۔ **دوسرا:** وہ اپنے کپڑوں میں ہو، یعنی زائد کپڑے باندھ لئے ہوں۔ عورت ایام حیض میں

کرسف لنگوٹ وغیرہ باندھتی ہے، جب عورت نے زائد کپڑے باندھ لئے اور لنگی یا پائجامہ پہن لیا تو اب مزید احتیاط ہوگئی اس لئے اس کو ساتھ لٹانا جائز ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے ساتھ سو رہی تھیں کہ حیض شروع ہوگیا، وہ چپکے سے اٹھیں اور زائد کپڑے باندھنے لگیں، نبی ﷺ کی آنکھ کھل گئی، آپؐ نے پوچھا: کیا حیض شروع ہوگیا؟ ام سلمہ نے کہا: ہاں، آپؐ نے فرمایا: کپڑے باندھ کر میرے ساتھ لیٹ جاؤ، چنانچہ حضرت ام سلمہؓ زائد کپڑے باندھ کر اور لنگی پہن کر آپؐ کے ساتھ لیٹ گئیں۔

یہ حدیث پہلے بھی گذری ہے وہاں بتایا تھا کہ نبی ﷺ کا یہ عمل مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا، یہ عمل ﴿فَاعْتَزِلُوْا النِّسَاءَ﴾ کی تفسیر ہے، سنت نہیں، سنت وہ روایت ہے جو حضرت عائشہؓ سے ابوداؤد میں مروی ہے کہ ازواج زمانۂ حیض میں نیچے چٹائی پر علاحدہ سوتی تھیں۔ پس نوجوانوں کو ساتھ لیٹنے سے احتراز کرنا چاہئے، ورنہ گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

[۲۱-] بابُ النَّوْمِ مَعَ الْحَائِضِ وَهِيَ فِيْ ثِيَابِهَا

[۳۲۲-] حدثنا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: ثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيىَ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِيْ سَلَمَةَ، حَدَّثَتْهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ قَالَتْ: حِضْتُ وَأَنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ الخَمِيْلَةِ، فَانْسَلَلْتُ فَخَرَجْتُ مِنْهَا، فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِيْ، فَلَبِسْتُهَا، فَقَالَ لِيْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَنُفِسْتِ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، فَدَعَانِيْ فَأَدْخَلَنِيْ مَعَهُ فِيْ الْخَمِيْلَةِ، قَالَتْ: وَحَدَّثَتْنِيْ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ، وَكُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنَ الْجَنَابَةِ. [راجع: ۲۹۸]

وضاحت: اس حدیث میں دو مضمون اور بھی ہیں:

ایک: نبی ﷺ روزہ کی حالت میں ام سلمہؓ کا بوسہ لیتے تھے، یہ بھی کبھی کبھار کا عمل تھا اور مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا۔ اور راوی نے ماضی استمراری کا صیغہ اس لئے استعمال کیا ہے کہ جواز مستمر ہے، تفصیل کتاب الصوم میں آئے گی۔

دوم: نبی ﷺ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ایک ساتھ ایک برتن سے غسل کرتے تھے، یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے۔

بابُ مَنِ اتَّخَذَ ثِيَابَ الْحَيْضِ سِوَى ثِيَابِ الطُّهْرِ

زمانۂ حیض کے کپڑے پاکی کے زمانہ کے کپڑوں کے علاوہ رکھنا

اس باب کے دو مطلب ہیں:

ایک: عورت کے پاس دو جوڑے ہوں، ایک حیض کے زمانہ میں پہننے اور دوسرا طہر کے زمانہ میں، یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، یہ اسراف نہیں۔

دوم: حیض کے زمانہ میں عورتیں جو زائد کپڑے باندھتی ہیں وہ کپڑے مراد لئے جائیں۔ یہ اچھی بات ہے اس سے لنگی پائجامہ خراب نہیں ہوتا، اور یہ بھی اسراف نہیں، بلکہ یہ ایک ضرورت ہے، اس لئے جائز ہے۔ اور حدیث وہی ہے جو اوپر والے باب میں آئی ہے اور جملہ فأخذتُ ثیاب حیضتی: باب سے متعلق ہے۔

[۲۲-] بابُ مَنِ اتَّخَذَ ثِيَابَ الْحَيْضِ سِوَى ثِيَابِ الطُّهْرِ

[۳۲۳-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيىَ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مُضْطَجِعَةٌ فِيْ خَمِيْلَةٍ: حِضْتُ، فَانْسَلَلْتُ فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِيْ فَقَالَ: " أَنُفِسْتِ؟" فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَدَعَانِيْ فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِيْ الْخَمِيْلَةِ.[راجع: ۲۹۸]

بابُ شُهُوْدِ الْحَائِضِ الْعِيْدَيْنِ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلَّى

حائضہ عیدین اور دینی اجتماع میں شریک ہوسکتی ہے، اور نمازیوں سے الگ بیٹھے

عیدین کے موقع پر یا وعظ ونصیحت کی مجلس میں شرکت کی غرض سے حائضہ کا عیدگاہ جانا اور دینی مجلس میں شریک ہونا جائز ہے، اس کام کے لئے طہارت شرط نہیں، البتہ عیدگاہ میں نماز پڑھنے والی عورتوں سے الگ بیٹھے، تاکہ نمازی اور غیر نمازی کا اختلاط نہ ہو۔

قولہ: شهودُ الحائض العيدين: عیدین کے اجتماع میں حائضہ عورتوں کا شرکت کرنا۔ **ودعوة المسلمين:** اور خطبہ میں مسلمانوں کو جو وعظ ونصیحت کی جاتی ہے اس میں شرکت کرنا۔ **دعوة:** کا ترجمہ میں نے دعا نہیں کیا، بلکہ وعظ ونصیحت کیا ہے، اس لئے کہ شاہ صاحب قدس سرہ نے فیض الباری میں عیدین کے بعد دعا کا انکار کیا ہے، کیونکہ عیدین کے بعد دعا کرنا آنحضور ﷺ سے ثابت نہیں، اس لئے میں نے **دعوة** کا ترجمہ وعظ ونصیحت کیا ہے، اور شاہ صاحب قدس سرہ نے جو بات فرمائی ہے اس پر آپ کو حیرت نہیں ہونی چاہئے، آپؐ کا معمول فرضوں کے بعد اجتماعی دعا مانگنے کا نہیں تھا، گاہ بہ گاہ آپؐ نے فرضوں کے بعد اجتماعی دعا مانگی ہے، جب فرائض خمسہ کے بعد آپؐ کا معمول اجتماعی دعا مانگنے کا نہیں تھا، تو آپؐ نے عیدین کے بعد بھی اجتماعی دعا نہیں مانگی ہوگی، اس لئے میں نے **دعوة** کا ترجمہ دعا نہیں کیا، بلکہ وعظ ونصیحت کیا۔

قولہ: وَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلَّى: اور حائضہ عورتیں عیدگاہ میں نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ بیٹھیں، اس لئے کہ نمازی اور غیر نمازی کا اختلاط اچھا نہیں۔

دعا کے تعلق سے ایک ضروری بات:

دعا عبادت کا مغز ہے، حدیث ہے: **الدُّعاءُ مُخُّ الْعبادة:** اور نماز سب سے اہم عبادت ہے پس وہ دعا سے خالی نہیں

رہنی چاہئے، ورنہ وہ بے مغز مونگ پھلی کی طرح ہوجائے گی،اور فرضوں میں دعا کا محل قعدۂ اخیرہ ہے،اور نوافل میں اور جگہیں بھی ہیں مثلاً وتر میں تیسری رکعت میں قراءت سے فارغ ہوکر دعا مانگی جاتی ہے۔اور رسول اللہ ﷺ سے نوافل میں سجدوں میں دعا مانگنا بھی ثابت ہے،اور ابھی بتایا ہے کہ نبی ﷺ کا معمول فرضوں کے بعد اجتماعی دعا مانگنے کا نہیں تھا، مگر کبھی آپؐ نے فرضوں کے بعد اجتماعی دعا مانگی بھی ہے، نیز رسول اللہ ﷺ نے فرضوں کے بعد دعا مانگنے کی ترغیب بھی دی ہے، یہ تمام باتیں اپنی جگہ ثابت ہیں،اور ان کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔(تفصیل کے لئے شاطبی رحمہ اللہ کی الاعتصام اور مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کی معارف الحدیث دیکھیں)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ دور اول کے تمام مسلمان نماز کے اندر دعا مانگنے پر قادر تھے،عربی ان کی مادری زبان تھی اور وہ صحیح عربی بولتے تھے،اور آج بھی بہت سے عرب علماء اس پر قادر ہیں،مگر جب اسلام عجمیوں تک پہنچا اور عربوں کا حال بھی یہ ہوگیا کہ وہ اگرچہ عربی بولتے ہیں مگر صحیح عربی نہیں جانتے،اس لئے اب عام مسلمان دعائے ماثورہ پر اکتفا کرنے پر مجبور ہیں،اور عجمیوں کے لئے تو وہ محض اذکار بن گئے ہیں، دعا کی شان ان میں باقی نہیں رہی اس لئے علماء نے اس کا متبادل تجویز کیا کہ نمازوں کے بعد دعا مانگی جائے، ہر شخص اپنی زبان میں خوب عاجزی سے دعا مانگے اسی لئے کتابوں میں فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کو سنت نہیں بلکہ مستحب لکھا ہے، پس اس نئے طریقہ کو بدعت نہیں کہیں گے کیونکہ اس کی اصل موجود ہے۔ نبی ﷺ نے فرضوں کے بعد گاہ بہ گاہ اجتماعی دعا مانگی ہے اور آپؐ نے فرضوں کے بعد دعا کرنے کی ترغیب بھی دی ہے اس لئے فرائض کے بعد دعا کرنی چاہئے، یہ ایک ضرورت ہے، اور اس موضوع پر حضرت تھانوی قدس سرہ کا ایک رسالہ: **استحباب الدعوات عقیب الصلوات** ہے، جو امداد الفتاوی جلد اول میں مطبوعہ ہے،اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

مگر بعد میں اس سلسلہ میں چند خرابیاں پیدا ہوگئیں،لوگوں نے ایک اور دعا کا اضافہ کردیا،جس کو دعائے ثانیہ کہتے ہیں، یعنی ایک مرتبہ دعا فرضوں کے بعد متصلاً مانگی جائے اور دوسری مرتبہ سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا بالالتزام مانگی جائے،اسی طرح دعا کو اتنا لازم اور ضروری سمجھ لیا گیا کہ گویا اس کے بغیر نماز ادھوری ہے، حالانکہ مستحب کو لازم کرلینے سے وہ ناجائز ہوجاتا ہے،اسی طرح جہری دعا کا سلسلہ شروع ہوگیا،امام نے چند ماثورہ دعائیں یاد کرلیں وہ انہی کو پڑھتا ہے جس کو نہ لوگ سمجھتے ہیں نہ دعا مانگنے والا۔

دوسری طرف ردعمل کے طور پر چند لوگوں نے فرضوں کے بعد دعا کو بدعت کہنا شروع کردیا، حالانکہ اس کی اصل موجود تھی، خود رسول اللہ ﷺ نے گاہ بہ گاہ فرضوں کے بعد اجتماعی دعا کی ہے۔اور فرضوں کے بعد دعا کرنے کی ترغیب دی ہے، پس یہ بدعت کیسے ہوسکتی ہے؟ وہ لوگ کہتے ہیں: اب دعا کا التزام شروع ہوگیا ہے،لہٰذا دعا چھوڑ دینی چاہئے،مگر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ غلطی کی اصلاح نہیں، بلکہ دوسری غلطی ہے۔دعا بند کرنے سے تو بندوں کا اللہ تعالیٰ سے دعا کا تعلق منقطع ہوجائے گا۔

اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن فرضوں کے بعد سنن ہیں ان میں سلام کے بعد صرف مختصر اذکار کئے جائیں، یہ اذکار احادیث میں آئے ہیں (دیکھئے ترمذی حدیث ۲۹۳-۲۹۶) پھر سنن ونوافل سے فارغ ہوکر ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھے، پھر جم کر دعا مانگے، اور ہر شخص اپنے طور پر مانگے، ہیئت اجتماعی نہ ہو۔ اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان میں سلام کے بعد متصلاً تسبیحات پڑھے، پھر لوگ دعا مانگیں اور سراً مانگیں، ہر آدمی اپنی مراد اللہ سے مانگے اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ التزام نہ ہو، اور ہیئت اجتماعی کو ضروری نہ سمجھا جائے، جس کا جی چاہے امام سے پہلے دعا شروع کردے جس کو کوئی ضرورت ہو اور وہ چلا جائے تو اس پر نکیر نہ کی جائے، اور جس کی دعا امام کے ساتھ پوری نہ ہو وہ بعد تک مانگتا رہے۔

ہاں اگر پورے مجمع کی مراد مشترک ہو یا امام کے پیش نظر لوگوں کو دعا مانگنے کا طریقہ سکھلانا ہو تو پھر جہراً بھی دعا مانگی جاسکتی ہے، نبی ﷺ نے جہراً دعائیں مانگی ہیں جبھی وہ منقول ہوکر ہم تک پہنچی ہیں۔

خلاصہ: یہ ہے کہ دو باتیں بیشک قابل اصلاح ہیں: ایک: ہیئت اجتماعی، دوسری: التزام، ان دونوں کی اصلاح کا جو طریقہ تجویز کیا جاتا ہے کہ دعا بدعت ہے، اس کو بند کردیا جائے، یہ طریقہ صحیح نہیں، یہ تو دوسری غلطی ہوگئی کہ جس چیز کی اصل تھی اس کو بدعت قرار دیدیا اور بندوں کا اپنے خالق ومالک سے دعا کا رابطہ منقطع کردیا۔

اصلاح کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ عام احوال میں جہری دعا نہ کی جائے، بلکہ ہر شخص اپنی زبان میں اپنی حاجتیں مانگے، پس ہیئت اجتماعی خود بخود ختم ہوجائے گی، تین نمازوں میں تو لوگ نوافل کے بعد دعا کریں گے اور ظاہر ہے نوافل سے سب ایک ساتھ فارغ نہیں ہوتے اس لئے ہیئت اجتماعی خود بخود ختم ہوجائے گی، اور دو نمازوں میں جب جس کی تسبیحات پوری ہوں دعا شروع کردے اور جب اس کی دعا پوری ہو دعا ختم کردے خواہ امام سے پہلے یا امام کے بعد پس اجتماعی ہیئت باقی نہیں رہے گی۔

اور التزام کو ختم کرنے کی صورت یہ ہے کہ امام لوگوں کو مختلف اوقات میں یہ بات سمجھاتا رہے کہ امام اور مقتدیوں کا رابطہ سلام پر ختم ہوجاتا ہے، نماز سلام پر پوری ہوجاتی ہے پس جس کو کوئی حاجت ہو وہ جاسکتا ہے، بلکہ خود امام کو کوئی ضرورت ہو تو وہ بھی جاسکتا ہے۔ دوسرے لوگ اپنی تسبیحات پوری کریں اور اپنی دعا مانگیں، امام کا ان کے ساتھ ہونا ضروری نہیں۔

ایک واقعہ: لوناواڑہ (گجرات) کے پاس ایک قصبہ سنت رام پور ہے، وہاں میرے ایک ساتھی امامت کرتے تھے، میرا ایک مرتبہ وہاں جانا ہوا، مجھے عصر کے وقت واپس لوٹنا تھا، میں نے اپنے ساتھی سے کہا: میں گھر نماز پڑھ کر بس پر چلا جاتا ہوں، آپ مسجد میں جائیں اور نماز پڑھائیں، انھوں نے کہا: نہیں! میں بس پر بٹھانے آؤنگا۔ چنانچہ ہم دونوں سامان لے کر مسجد گئے، انھوں نے نماز پڑھائی، اور نماز کے بعد اعلان کیا: میں مولانا کو بس پر بٹھانے جارہا ہوں، آپ حضرات تسبیحات کے بعد دعا مانگ لیں۔ پھر ہم دونوں سامان لے کر چلے اور نمازیوں کے لئے کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہوئی، میں نے مسجد سے نکل کر اپنے ساتھی سے کہا: یار! تو نے بکرے اچھے ٹرینڈ کر رکھے ہیں! انھوں نے کہا: ہاں! میں نے لوگوں کو سمجھا رکھا ہے

کہ امام اور مقتدیوں کا رابطہ سلام پر ختم ہوجاتا ہے، پس اگر کسی مقتدی کو کوئی ضرورت ہوتو وہ جاسکتا ہے، اور امام بھی جاسکتا ہے۔ اور مہینہ میں ایک بار کوئی ضرورت نکال کر چلا جاتا ہوں، تاکہ بات لوگوں کے ذہن میں تازہ رہے —— یہ ہے اصلاح کا طریقہ! دعا کو بدعت کہہ کر بند کردینا اصلاح کا طریقہ نہیں ہے۔

غرض عیدین کے بعد اور فرضوں کے بعد دعا مانگنے کا نبی ﷺ کا عام معمول نہیں تھا، مگر اُس ضرورت سے جو ابھی میں نے بیان کی فرضوں کے بعد بھی دعا کرنا مستحب ہے اور عیدین کے بعد بھی، چنانچہ ہمارے اکابر کا اسی پر عمل ہے، اور فتوی بھی اسی پر ہے۔

[۲۳-] بابُ شُهُوْدِ الْحَائِضِ الْعِيْدَيْنِ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلَّى

[۳۲۴-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ حَفْصَةَ، قَالَتْ: كُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا أَنْ يَخْرُجْنَ فِيْ الْعِيْدَيْنِ، فَقَدِمَتِ امْرَأَةٌ، فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِيْ خَلَفٍ، فَحَدَّثَتْ عَنْ أُخْتِهَا، وَكَانَ زَوْجُ أُخْتِهَا غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً، وَكَانَتْ أُخْتِيْ مَعَهُ فِيْ سِتٍّ، قَالَتْ: فَكُنَّا نُدَاوِيْ الْكَلْمٰى، وَنَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضَى، فَسَأَلَتْ أُخْتِيْ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم: أَعَلٰى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَالَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لاَ تَخْرُجَ؟ قَالَ: "لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا، وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ، وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ، فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ سَأَلْتُهَا: أَسَمِعْتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَتْ: بِأَبِيْ نَعَمْ – وَكَانَتْ لاَ تَذْكُرُهُ إِلَّا قَالَتْ: بِأَبِيْ – سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ:" تَخْرُجُ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُوْرِ، وَالْحُيَّضُ، وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى" —— قَالَتْ حَفْصَةُ: فَقُلْتُ: الْحُيَّضُ؟ فَقَالَتْ: أَلَيْسَتْ تَشْهَدُ عَرَفَةَ وَكَذَا وَكَذَا؟

[انظر: ۳۵۱، ۹۷۱، ۹۷۴، ۹۸۰، ۹۸۱، ۱۶۵۲]

ترجمہ: حضرت حفصہ (محمد بن سیرینؒ کی بہن) کہتی ہیں: ہم سیانی لڑکیوں کو عیدگاہ جانے سے روکا کرتے تھے (عواتق: عاتق کی جمع ہے: وہ لڑکی جو ماں باپ کے قہر سے آزاد ہوگئی ہو یعنی جس کو اب ماں باپ ڈانٹ نہیں سکتے اردو میں اس کو سیانی کہتے ہیں۔ اور أَنْ مصدر یہ ہے اور اس سے پہلے مِنْ پوشیدہ ہے) پس ایک عورت آئی (یہ عورت مدینہ منورہ سے آئی تھی، اس کا نام معلوم نہیں) اور وہ بنی خلف نامی محل میں اتری (غالباً یہ بصرہ کا مسافر خانہ تھا، باہر سے آنے والے یہاں اترتے تھے۔ جب مدینہ سے وہ عورت آئی تو بصرہ کی عورتیں حدیثیں سننے کے لئے اس کے پاس آئیں، حضرت حفصہؒ بھی آئیں) انھوں نے اپنی بہن کے واسطہ سے یہ حدیث سنائی (ان کی بہن صحابیہ ہیں، ان کا نام معلوم نہیں، ہوسکتا ہے وہ ام عطیہؓ ہوں) اور ان کی بہن کے شوہر نبی ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات میں شریک رہے ہیں، اور ان کی بہن اپنے شوہر کے ساتھ چھ غزوات میں شریک رہی ہیں، وہ کہتی ہیں: ہم زخمیوں کی دوادارو کیا کرتی تھیں اور مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں،

ان کی بہن نے نبی ﷺ سے پوچھا: کیا ہم میں سے کسی عورت پر کچھ حرج ہے جب اس کے پاس اوڑھنا (آج کی اصطلاح میں برقع) نہ ہو کہ وہ گھر سے نہ نکلے یعنی عیدگاہ نہ جائے، آپؐ نے فرمایا: اس کی سہیلی اس کو اپنا اوڑھنا اڑھائے (یعنی جس کے پاس برقعہ زائد ہو وہ ایسی عورت کو مستعار دیدے یا ایک چادر میں دو لپٹ کر جائیں) اور وہ مجالس خیر میں اور دعوت ونصیحت میں شریک ہو، (یہ عطف تفسیری ہے، الخیر اور دعوۃ المسلمین ایک ہیں) پھر جب حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا (بصرہ) آئیں تو میں نے ان سے دریافت کیا: کیا آپؐ نے نبی ﷺ سے یہ بات سنی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، میرے والد آپؐ پر قربان ہوں، اور ام اعطیہؓ جب بھی آپؐ کا ذکر کرتیں تو بأبی کہتیں (جار مجرور مُفَدیًّ سے متعلق ہیں اور اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ پر جو آفت آنی مقدر ہو وہ آپؐ پر نہ آئے میرے ابا پر آئے) میں نے آپؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سنیانی لڑکیاں پردہ نشین عورتیں اور حیض والی عورتیں نکلیں اور چاہئے کہ وہ مجالس خیر میں اور دعوت ونصیحت میں شریک ہوں اور حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے الگ رہیں، حضرت حفصہؓ کہتی ہیں: میں نے پوچھا: کیا حائضہ عورتیں بھی شریک ہوں؟ انھوں نے کہا: کیا حائضہ عورتیں عرفہ میں حاضر نہیں ہوتیں اور کیا ایسا اور ایسا نہیں کرتیں؟

تشریح:

۱- عورتوں کے عیدگاہ جانے کے سلسلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ سے اجازت اور ممانعت: دونوں قول مروی ہیں، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جوان عورتوں کو عیدگاہ نہیں جانا چاہئے، بوڑھی عورت جاسکتی ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ سے کچھ مروی نہیں اور ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر عورت عیدگاہ جانے پر اصرار کرے اور وہ روزمرہ کے اور کام کے کپڑوں میں جانے پر راضی ہو تو شوہر اجازت دے اور اگر وہ اس پر راضی نہ ہو بناؤ سنگھار کے ساتھ اور نئے کپڑوں میں جانے پر اصرار کرے تو شوہر کو حق ہے کہ اسے جازت نہ دے، اس لئے کہ اب وہ نماز پڑھنے نہیں جارہی بلکہ اپنے سوٹ اور زیورات کی نمائش کرنے جارہی ہے، اور سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عورتوں کے لئے عیدگاہ جانا مکروہ ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آج کل عورتوں نے جو نئے طریقے نکالے ہیں اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آتے تو آپؐ عورتوں کو مسجد جانے سے منع فرمادیتے، حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد پنج وقتہ نمازوں کے تعلق سے ہے، پس اس سے عیدین اور جمعہ کی نمازوں کے لئے جانے کی ممانعت بھی بدرجۂ اولیٰ نکل آئی۔

۲- عورتوں کا جمعہ اور دیگر نمازوں کے لئے مسجد جانا یا عیدین کے لئے عیدگاہ جانا فی نفسہ جائز ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں عورتیں مسجدِ نبوی میں اور عیدین کی نمازوں میں حاضر ہوتی تھیں، لیکن اب لغیرہ یعنی خوف فتنہ کی وجہ سے ممنوع ہے، جاننا چاہئے کہ جو چیز لغیرہ یعنی کسی دوسری چیز کی وجہ سے واجب یا ممنوع ہوتی ہے اس پر دلیل کا مطالبہ صحیح نہیں، دلیل واجب لعینہ اور ممنوع لعینہ کی دی جاسکتی ہے واجب لغیرہ اور ممنوع لغیرہ میں تو اس غیر میں غور کرنا چاہئے کہ اس میں ایجاب وتحریم کی صلاحیت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وجوب یا حرمت مان لینی چاہئے ورنہ قصہ بالائے طاق! عورتوں کے لئے عیدگاہ یا مسجد جانے

کی جو ممانعت ہے وہ بھی لغیرہ ہے اور وہ غیر ہے خوفِ فتنہ، اگر یہ وجہ معقول ہے تو عورتوں کو مسجد اور عیدگاہ نہیں جانا چاہئے۔

اس کی نظیر: نفس تقلید اور تقلید شخصی کا وجوب ہے، یہ بھی لعینہ واجب نہیں، بلکہ لغیرہ واجب ہے، کیونکہ تقلید اگر واجب لعینہ ہوتی تو مجتہد کے لئے بھی ہوتی، حالانکہ اس پر بالاجماع تقلید واجب نہیں، اور یہاں غیر یہ ہے کہ شریعت پر عمل کرنا فرض ہے اور ہر شخص ازخود قرآن وحدیث سے مسائل اخذ نہیں کرسکتا، پس کسی نہ کسی سے پوچھ کر عمل کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ﴾: یعنی اگر تم خود نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھو، اور اس پر عمل کرو، پس عوام کو لامحالہ کسی کی تقلید کرنی ہوگی، تقلید کے بغیر زندگی کی گاڑی ایک قدم نہیں چل سکتی، چاہے دنیوی معاملات ہوں یا دینی، فن کے ماہرین کی تقلید کرنی پڑتی ہے۔ غرض تقلید واجب لعینہ نہیں بلکہ واجب لغیرہ ہے، اسی طرح تقلید شخصی بھی واجب لغیرہ ہے کیونکہ اگر تقلید شخصی نہیں کی جائے گی تو لوگ رخصتیں تلاش کریں گے، جس عالم کا قول خواہش کے مطابق ہوگا اس کو لیں گے اور جو قول خواہش کے خلاف ہوگا اس کو چھوڑ دیں گے، پس یہ شریعت پر عمل نہیں ہوگا بلکہ تشہی کا دروازہ کھل جائے گا۔

غرض جس طرح تقلید اور تقلید شخصی واجب لغیرہ ہیں اسی طرح عورتوں کا عیدگاہ اور مسجد جانا بھی ممنوع لغیرہ ہے اور وہ غیر فتنہ کا اندیشہ ہے، اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

۳- غیر مقلدین اس حدیث کو لئے پھرتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ عورتوں کو پانچوں نمازوں میں مسجد میں اور عیدگاہ میں جانا چاہئے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کو عیدگاہ جانے کا حکم دیا اور مسجدِ نبوی میں عورتیں آتی تھیں تو آج بھی عورتوں کو مسجد اور عیدگاہ جانا چاہئے، حالانکہ اس حدیث میں صاف اشارہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں عورتیں جو عیدگاہ جاتی تھیں تو مقصود نماز نہیں ہوتی تھی بلکہ تعلیم مقصود ہوتی تھی، ظاہر ہے حائضہ اور نفاس والی عورتوں کے لئے عیدگاہ جانا لاحاصل ہے، کیونکہ ان کے لئے نماز پڑھنا جائز نہیں پھر بھی آپؐ نے ان کو عیدگاہ جانے کا حکم دیا۔

اور اس کی وجہ یہ تھی کہ دین نیا نازل ہو رہا تھا، مرد وزن سب اس کو سیکھنے کے محتاج تھے، اور عیدین کے موقع پر نبی ﷺ اہم اور قیمتی نصائح بیان فرماتے تھے اس لئے ہر مرد وزن کو عیدگاہ جانے کا حکم تھا تاکہ سب احکام شریعت اخذ کریں، اور اب وہ مقصد باقی نہیں رہا، دین مکمل ہو چکا اور وہ کتابوں میں محفوظ ہے، بچے بچپن ہی سے تدریجاً اس کو حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کے احوال بھی بدل گئے، فیشن کا دور ہے، طبیعتیں شر پسند ہوگئیں، پس فتنہ کا اندیشہ ہے ان بدلے ہوئے احوال میں مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کو نہ تو فرض نمازوں کے لئے مسجد جانا چاہئے اور نہ جمعہ کے لئے جامع مسجد اور عیدگاہ جانا چاہئے۔

فائدہ: مگر اس مسئلہ سے کہ عورتوں کو مسجد نہیں جانا چاہئے ذہن غلط بن گیا ہے، عورتیں بازار میں، اسٹیشن پر یا پبلک مقامات میں ہوتی ہیں اور نماز کا وقت آجاتا ہے اور نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ میسر نہیں ہوتی چنانچہ وہ نماز قضا کردیتی ہیں، مگر مسجد میں جا کر نماز نہیں پڑھتیں، کیونکہ ذہن یہ بن گیا ہے کہ عورتوں کو مسجد میں نہیں جانا چاہئے، حالانکہ مسجدیں مردوں کی جاگیر نہیں ہیں، ایسی مجبوری میں عورتوں کو مسجد میں جا کر کسی علاحدہ جگہ میں نماز پڑھنی چاہئے۔ اور اتفاقاً جماعت ہو رہی ہو تو

وہ جماعت میں شرکت بھی کرسکتی ہیں، ان کو نماز قضا نہیں کرنی چاہئے۔

۴- **تَخْرُجُ العواتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُور**: میں عطف تفسیری ہے کیونکہ لڑکی جب سیانی ہوجاتی ہے تو پردہ نشین ہوجاتی ہے۔ اور **ذوات الخدور** سے وہ عورتیں بھی مراد ہوسکتی ہیں جو گھر سے بالکل نہیں نکلتیں، بعض عورتیں برقعہ پہن کر سب کام کرتی ہیں، بازاروں میں جاتی ہیں اور سودا سلف خریدتی ہیں مگر شرفاء کی عورتیں گھروں سے بالکل نہیں نکلتیں، میری طالب علمی کے زمانہ تک دیوبند کے شرفاء کی عورتیں کبھی گھر سے نہیں نکلتی تھیں، اگر ضرورت پڑتی تو رات کو مغرب کے بعد نکلتی تھیں اور پالکی میں بیٹھ کر ایک گھر سے دوسرے گھر جاتی تھیں، ایسی عورتیں **ذوات الخدور** کہلاتی ہیں، اور جو عورتیں برقعہ پہن کر بے تکلف نکلتی ہیں ان کو عواتق میں لے سکتے ہیں اور اس صورت میں عطف تفسیری قرار دینے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

بابٌ إِذَا حَاضَتْ فِيْ شَهْرٍ ثَلَاثَ حِيَضٍ

وَمَا يُصَدَّقُ النِّسَاءُ فِي الْحَيْضِ وَالْحَمْلِ فِيْمَا يُمْكِنُ مِنَ الْحَيْضِ

کیا ایک ماہ میں تین حیض آسکتے ہیں؟

اور حیض وحمل کے سلسلہ میں عورتوں کی ممکن بات مان لی جائے

یہ باب ذرا مشکل ہے، اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ ایک عورت کو اس کے شوہر نے طلاق رجعی دی، ایک مہینہ کے بعد شوہر رجعت کرنا چاہتا ہے، بیوی کہتی ہے: میری عدت پوری ہوگئی، مجھے تین حیض آگئے، تو اس کی یہ بات مانی جائے یا نہیں؟ اور شوہر کو رجوع کا حق ہوگا یا نہیں؟

بہ الفاظ دیگر: ایک مہینہ میں تین حیض آسکتے ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور ہر امام کی رائے الگ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے کیا ہے؟ کچھ کہنا مشکل ہے، حضرتؒ نے اپنی رائے محفوظ رکھی ہے، البتہ حضرت کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ ایک مہینہ میں تین حیض آسکتے ہیں، کیونکہ حضرتؒ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ حیض وحمل کے بارے میں مطلقہ جو بیان دے اس کو قبول کرنا چاہئے، اگر مطلقہ بیان دے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کو قبول کیا جائے، وہ یہ بیان دے کہ وہ حائلہ (غیر حاملہ) ہے تو اس کو بھی قبول کیا جائے، پس عدت کے سلسلہ میں وہ جو بیان دے گی اس کو بھی قبول کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْ أَرْحَامِهِنَّ﴾: مطلقہ عورتوں کے لئے —— اوپر سے مطلقہ عورتوں کا ذکر چل رہا ہے —— جائز نہیں کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی بچہ دانیوں میں پیدا کی ہے، بچہ دانی میں دو ہی چیزیں ہوسکتی ہیں: حیض یا حمل، اس کو چھپانا مطلقہ کے لئے جائز نہیں، اپنی حالت کو واضح کرنا مطلقہ پر لازم ہے، پس جب اللہ کے حکم کے مطابق مطلقہ اپنی حالت واضح کرے گی تو اس کی بات ماننی پڑے گی، ورنہ مطلقہ کا اپنی حالت

واضح کرنے کا فائدہ کیا؟

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے قاعدے میں ایک قید بڑھائی ہے: فیما یمکن من الحیض: (جار مجرور یُصدَّق سے متعلق ہیں) حیض کے سلسلہ میں عورت جو بیان دے عقلاً اس کا امکان ہونا چاہئے، تبھی اس کی بات مانی جائے گی اور جو بات عقلاً ممکن نہ ہو وہ نہیں مانی جائے گی۔ اب اس ضابطہ کی روشنی میں غور کرنا ہے کہ ایک ماہ میں تین حیض ممکن ہیں یا نہیں؟ —— امام بخاریؒ نے باب میں چند آثار پیش کئے ہیں، پہلے ان کو پڑھ لیں پھر ائمہ مجتہدین کے اقوال بیان کروں گا۔

[۲۴-] بابٌ إِذَا حَاضَتْ فِيْ شَهْرٍ ثَلاَثَ حِيَضٍ

وَمَا يُصَدَّقُ النِّسَاءُ فِي الْحَيْضِ وَالْحَمْلِ فِيْمَا يُمْكِنُ مِنَ الْحَيْضِ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى:﴿ وَلاَ يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ فِيْ أَرْحَامِهِنَّ﴾ [البقرة:۲۲۸]

[۱-] وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ وَشُرَيْحٍ: إِنْ جَاءَ تْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ بِطَانَةِ أَهْلِهَا مِمَّنْ يُرْضَى دِيْنُهُ أَنَّهَا حَاضَتْ ثَلاَثًا فِيْ شَهْرٍ: صُدِّقَتْ.

[۲-] وَقَالَ عَطَاءٌ، أَقْرَاؤُهَا مَا كَانَتْ، وَبِهِ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ.

[۳-] وَقَالَ عَطَاءٌ: الْحَيْضُ يَوْمٌ إِلٰى خَمْسَةَ عَشَرَ.

[۴-] وَقَالَ مُعْتَمِرٌ: عَنْ أَبِيْهِ: سَأَلْتُ ابْنَ سِيْرِيْنَ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى الدَّمَ بَعْدَ قُرْئِهَا بِخَمْسَةِ أَيَّامٍ، قَالَ: النِّسَاءُ أَعْلَمُ بِذٰلِكَ.

۱- امام بخاری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح رحمہ اللہ کا ایک واقعہ پیش کیا ہے، قاضی شریحؒ نبی ﷺ کے زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے، مگر حضور ﷺ کی زیارت ان کو نصیب نہیں ہوئی، وہ جلیل القدر تابعی اور مُخضرم ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا قاضی بنایا تھا، بعد میں جتنے خلفاء آئے سب نے ان کو قضاء کے عہدہ پر برقرار رکھا، آپ ساٹھ سال تک قاضی رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی کوفہ کے قاضی تھے، پھر جب بوڑھے ہوگئے تو خود ہی عہدۂ قضاء چھوڑ دیا، ان کا اور حضرت علیؓ کا ایک واقعہ پیش کیا ہے، اور بہت مختصر پیش کیا ہے، ایسا کرنے سے بعض مرتبہ پوری بات سمجھ میں نہیں آتی۔

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک عورت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا مقدمہ لے کر آئی (عامر شعبیؒ بہت بڑے آدمی ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں مگر ان کی بہت سی روایتیں مرسل ہوتی ہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے ان کا لقاء اور سماع نہیں، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یُذکر: فعل مجہول استعمال کیا ہے) اس عورت کے شوہر نے اس کو طلاق رجعی دی، ایک مہینہ پورا ہونے پر شوہر نے رجعت کا ارادہ کیا تو عورت نے کہا: آپ کو رجعت کا حق نہیں، مجھے تین حیض آچکے، اور

میری عدت پوری ہوچکی، شوہر نے اس کا انکار کیا، چنانچہ وہ عورت اپنا مقدمہ لے کر حضرت علیؓ کے پاس گئی، اتفاق سے قاضی شریح بھی وہاں موجود تھے، حضرت علیؓ نے ان سے کہا: آپ اس مقدمہ کا فیصلہ کریں، انھوں نے عرض کیا: حضرت! آپ کی موجودگی میں؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں میری موجودگی میں، چھوٹا منہ بڑی بات ٹھیک نہیں ہوتی، لیکن اگر بڑا حکم دے تو پھر چھوٹے کو بولنا چاہئے، چنانچہ قاضی شریح نے فیصلہ کیا: إن جاء ت ببينةٍ من بطانة أهلها إلخ: اگر یہ اپنے قریبی خاندان کی گواہی لائے جس کا دین بھی پسندیدہ ہو اور امانت بھی یعنی گواہ قابل اعتماد ہو اور وہ آ کر یہ گواہی دے کہ اس عورت کو ایک ماہ میں تین حیض آ گئے، اور وہ ہر حیض پورا ہونے پر نہائی ہے اور نمازیں پڑھی ہے تو عورت کا دعوی قبول کیا جائے گا اور اگر ایسی گواہی نہ لا سکے تو پھر دعوی قبول نہیں کیا جائے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: قالون: یہ رومی زبان کا لفظ ہے، عربی میں اس کے معنی ہیں: أَحسنتَ اور انگریزی میں معنی ہیں: ویری گڈ، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ کی تحسین کی۔

تشریح: علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قاضی شریح نے اس فیصلہ میں تعلیق بالمحال کی ہے کیونکہ وہ ایسی گواہی نہیں لا سکتی اور من بطانة أهلها (خاندان کے قریب ترین لوگوں کی گواہی) کی قید اس لئے لگائی ہے کہ وہ اس عورت کی چار سو بیسی سے واقف ہوتے ہیں، دور کی عورت کو وہ بہکا سکتی ہے اور جھوٹی گواہی دلا سکتی ہے، مگر خاندان کی قریب ترین عورت سے اور وہ بھی نیک، متقی اور پرہیزگار عورت سے گواہی نہیں دلا سکتی، اس لئے سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ قاضی شریح رحمہ اللہ نے یہ تعلیق بالمحال کی ہے، نہ وہ گواہ لا سکے گی نہ دعوی ثابت ہوگا، نہ بارہ من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی!

دوسرے حضرات کہتے ہیں: فرض کرو اگر وہ ایسی گواہی لے آئے تو پھر اس کا دعوی قبول کیا جائے گا، اور یہ دعوی قبول کرنا دلیل ہے کہ ایک ماہ میں تین حیض آ سکتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ عورت کی وہ بات قبول کی جائے گی جس کا امکانِ عقلی ہو، پس اگر وہ گواہ پیش کر دے تو اس کا دعوی مانا جائے گا، معلوم ہوا کہ ایک مہینہ میں تین حیض کا امکان عقلی ہے۔ امام بخاریؒ نے غالباً یہ اثر اسی نقطۂ نظر سے پیش کیا ہے، لیکن سرخسی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تعلیق بالمحال ہے، جیسے ﴿حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾: ظاہر ہے اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہو سکتا، پس یہ تعلیق بالمحال ہے، اسی طرح قاضی شریح نے بھی تعلیق بالمحال کی ہے، کیونکہ ایک مہینہ میں تین حیض کا امکان عقلی نہیں۔

۲- حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اُس کے حیض وہ ہیں جس پر وہ تھی، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ عورت اگر دعوی کرے کہ اسے ایک مہینہ میں تین حیض آ گئے تو اگر اس واقعہ سے پہلے بھی ایسا ہوا ہے یعنی اس کو ایک مہینہ میں تین حیض آئے ہیں تو اس کا دعوی مان لیا جائے گا، اور اگر پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا اور اب عورت اس کا دعوی کرتی ہے تو دعوی نہیں مانا جائے گا، اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ایک ماہ میں تین حیض کا امکان عقلی ہے، حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل تھے۔

۳- حضرت عطاء کہتے ہیں: حیض کی کم سے کم مدت ایک رات دن اور زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہے۔

۴- معتمر بن سلیمان اپنے ابا سلیمان سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ سے

پوچھا: ایک عورت کو حیض آیا پھر وہ پاک ہوئی پھر پانچ دن کے بعد دوبارہ حیض آیا تو پانچ دن کا طہر ہوسکتا ہے؟ ابن سیرین رحمہ اللہ نے جواب دیا: النساء أعلم بذلك: عورتیں اس کو خوب جانتی ہیں، یعنی حضرت نے کوئی فیصلہ نہیں کیا کہ دو حیضوں کے درمیان کتنے دن کا طہر ضروری ہے۔ اور شاید اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ سمجھا ہے کہ طہر کی کوئی مدت نہیں۔ باب کے آثار پورے ہوئے۔

اب یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ مسئلہ تین باتوں پر مبنی ہے، اور وہ تینوں باتیں اختلافی ہیں، لہٰذا اس مسئلہ میں لامحالہ اختلاف ہوگا۔

پہلی بات: حیض کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کیا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک کم از کم مدت تین رات دن ہیں اور زیادہ سے زیادہ مدت دس رات دن ہیں، اس سے کم یا زیادہ استحاضہ ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اقل مدت ایک رات دن اور اکثر مدت پندرہ دن ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کم سے کم مدت میں حنفیہ کے ساتھ ہیں اور زیادہ سے زیادہ مدت میں شوافع کے ساتھ، اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اقل مدت کوئی نہیں، دفعۃً خون آکر رک جائے تو بھی حیض ہے، اور مالکیہ کے نزدیک اکثر مدت سترہ دن ہیں۔

دوسری بات: عدت حیض کے ذریعہ گذاری جائے یا طہر کے ذریعہ؟ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک طہر کے ذریعہ، اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک حیض کے ذریعہ عدت گذاری جائے گی۔

تیسری بات: طہر کی مدت متعین ہے یا نہیں؟ یعنی دو حیضوں کے درمیان کم سے کم طہر کی مدت کتنی ہے؟ چاروں ائمہ متفق ہیں کہ دو حیضوں کے درمیان پندرہ دن کا طہر ضروری ہے۔

ان تین باتوں کو پیش نظر رکھ کر مسئلہ مذکورہ میں ائمہ مجتہدین کے اقوال درج ذیل ہیں:

۱- **احناف:** کے یہاں امکان عقلی کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت میں کم از کم انتالیس دن میں تین حیض آسکتے ہیں اور دوسری صورت میں ساٹھ دن میں، لہٰذا جو عورت ایک ماہ میں تین حیض آنے کا دعوی کرے، اس کا دعوی معتبر نہیں۔

پہلی صورت: طہر کے بالکل آخر میں شوہر نے طلاق دی پھر حیض شروع ہوگیا اور تین دن رہا، پھر پندرہ دن طہر رہا تو ۱۸ دن ہوئے، پھر تین دن حیض آیا، پھر پندرہ دن طہر تو ۳۶ دن ہوئے، پھر تین دن حیض آیا اس طرح انتالیس دن میں تین حیض آسکتے ہیں۔

دوسری صورت: طہر کے آخر میں طلاق دی اور اکثر مدت دس دن حیض آیا، پھر اس کے بعد پندرہ دن طہر رہا تو ۲۵ دن ہوئے، پھر دس دن حیض آیا پھر پندرہ دن طہر تو ۵۰ دن ہوگئے، پھر دس دن حیض آیا تو ساٹھ دن ہوئے —— حنفیہ کے یہاں امکان عقلی کی یہی دو صورتیں ہیں، اور پہلا قول دیانۃً ہے اور دوسرا قضاءً یعنی انتالیس دن میں اگر عورت دعوی کرے کہ اس کو تین حیض آگئے تو دیانۃً اس کی بات مان لی جائے گی مگر قاضی اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا، ساٹھ دن سے کم میں قاضی عورت کے دعوی کو خارج کردے گا۔

شوافع: کے یہاں بھی امکان عقلی کی دوصورتیں ہیں: ایک صورت میں ۳۲ دن اور ایک ساعت میں تین حیض آسکتے ہیں، اور دوسری صورت میں ۴۷ دن میں عدت پوری ہوسکتی ہے یعنی شوافع کے یہاں بھی ایک ماہ میں تین حیض نہیں آسکتے، پس عورت کا دعوی خارج کر دیا جائے گا۔

پہلی صورت: طہر کے بالکل شروع میں طلاق دی تو پندرہ دن طہر کے پھر ایک دن حیض کا، ۱۶ دن ہوئے، پھر پندرہ دن طہر کے پھر ایک دن حیض کل ۳۲ دن ہوئے، پھر پندرہ دن طہر کے تو مجموعہ ۴۷ دن ہوا۔

دوسری صورت: آخر طہر میں طلاق دی جبکہ حیض آنے میں ایک ساعت (ذرا دیر) باقی تھی، وہ ایک ساعت ایک طہر شمار ہوگی، پھر ایک دن حیض، پھر پندرہ دن طہر، ۱۶ دن اور ایک ساعت ہوئی، پھر ایک دن حیض، پھر پندرہ دن طہر، مجموعہ ۳۲ دن اور ایک ساعت ہوا۔

ملحوظہ: جن ائمہ کے نزدیک عدت طہر سے گذرتی ہے ان کے نزدیک جس طہر میں طلاق دی ہے وہ پورا ایک طہر شمار ہوگا، اگر چہ طہر کے بالکل آخر میں طلاق دی ہو، اور جو ائمہ حیض سے عدت گذارنے کے قائل ہیں ان کے یہاں بھی طلاق طہر میں دی جائے گی، ایام حیض میں طلاق دینا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی حیض میں طلاق دے تو وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا۔

مالکیہ: کے نزدیک ایک ماہ اور تین ساعتوں میں تین حیض آسکتے ہیں، اس طرح کہ طہر کے بالکل آخر میں جب ایک ساعت باقی رہی طلاق دی پس یہ ایک طہر ہوگیا پھر ایک لمحہ کے لئے حیض آیا پھر پندرہ دن طہر رہا پھر ایک ساعت حیض آیا پھر پندرہ دن طہر رہا تو تیس دن اور تین ساعتوں میں عدت پوری ہوگئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ میں شاید امام مالک کی طرف مائل ہیں، اس لئے یہ باب قائم کیا ہے۔

[۳۲۵-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ أَبِیْ رَجَاءٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِیْ أَبِیْ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِیْ حُبَیْشٍ سَأَلَتِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَقَالَتْ: إِنِّیْ أُسْتَحَاضُ فَلاَ أَطْهُرُ: أَفَأَدَعُ الصَّلاَةَ؟ فَقَالَ: " لاَ، إِنَّ ذٰلِكِ عِرْقٌ، ولٰکِنْ دَعِیْ الصَّلاَةَ قَدْرَ الأَیَّامِ الَّتِیْ کُنْتِ تَحِیْضِیْنَ فِیْهَا، ثُمَّ اغْتَسِلِیْ وَصَلِّیْ" [راجع: ۳۰۶]

وضاحت: یہ حدیث دو بار گذر چکی ہے، آنحضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جو مستحاضہ معتادہ تھیں فرمایا: جن دنوں میں تمہیں حیض آتا تھا ان دنوں میں نماز چھوڑ دو باقی دنوں میں نماز پڑھو۔ حضور ﷺ نے معاملہ حضرت فاطمہؓ کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے کہ تمہاری عادت کا اعتبار ہے، اس طرح اس حدیث سے استدلال کیا ہے، مگر استدلال بہت ہی خفی ہے، غور کریں۔

بابُ الصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ فِيْ غَيْرِ أَيَّامِ الْحَيْضِ

حیض کے علاوہ دنوں میں زرد اور گدلے رنگ کا حکم

الصُّفرۃ کے معنی ہیں: زرد۔ اور **الکُدرۃ** کے معنی ہیں: گدلا، مٹیالا، حیض کے دنوں میں کسی بھی رنگ کا خون آئے وہ حیض ہے، **حتی تری القصة البیضاء**: جب چونے جیسی سفیدی آئے تب پاک ہوگی، یعنی تمیز بالدم کا اعتبار نہیں، یہ حنفیہ کی رائے ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، تفصیل پہلے گذر چکی ہے، اور باب میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے وہ فرماتی ہیں: ہم مٹیالے اور زرد رنگ کو کچھ شمار نہیں کرتے تھے۔ حضرت ام عطیہؓ کا قول بس اتنا ہی ہے، اس میں ایام حیض اور غیر ایام حیض کی کوئی قید نہیں، امام بخاریؒ نے باب میں **فی غیر أیام الحیض** کی قید لگا کر اس قول کی شرح کی ہے کہ یہ بات غیر ایام حیض سے تعلق رکھتی ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک اس قول کا مطلب یہ ہے کہ حیض کے زمانہ میں کسی بھی رنگ کا خون آئے اس کو ہم پاکی شمار نہیں کرتے تھے **شیئًا أی شیئًا من الطھارۃ**: اور دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو پہلے گذر چکی ہے کہ مدینہ منورہ کی عورتیں ڈبیہ میں کرسف رکھ کر ان کے پاس بھیجتی تھیں، آپؓ ہر رنگ دیکھ کر فرماتیں: ابھی نماز پڑھنے میں جلدی نہ کرو، یہاں تک کہ چونے جیسی سفیدی دیکھ لو، اب ام عطیہؓ کا قول حضرت عائشہؓ کے قول کے ساتھ ملائیں گے تو اس کا مطلب یہی نکلے گا کہ ایام حیض میں کسی بھی رنگ کا خون آئے وہ حیض شمار ہوگا۔ اور امام بخاریؒ نے **فی غیر أیام الحیض** کی قید لگا کر حضرت ام عطیہؓ کے قول کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ پاکی کے زمانہ میں ان دو رنگوں کا خون حیض شمار نہیں ہوگا، اور حیض کے زمانہ میں حیض شمار ہوگا، یعنی تمیز بالدم کا اعتبار نہیں۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس قول کا مطلب یہ ہے کہ حیض کے زمانہ میں ہم ان رنگوں کو پاکی سمجھتے تھے، کتاب الحیض باب ۱۹ میں یہ بتایا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تمیز بالدم کا اعتبار ہے اور انھوں نے حیض کے چھ رنگ تجویز کئے ہیں، پھر ان میں اقوی اور اضعف تجویز کئے ہیں، اور یہ کہا ہے کہ جب اضعف خون آنے لگے تو عورت پاک ہوگئی، کدرۃ اور صفرۃ اضعف رنگ ہیں، ان کے آنے پر عورت پاک ہوجائے گی، پس شوافع کے نزدیک اس قول کا مطلب یہ ہے کہ حیض کے زمانہ میں یہ رنگ پاکی کی علامت ہیں، غرض حضرت ام عطیہؓ کے قول کے تین مطلب ہوگئے، ہر فقیہ نے اپنے مذہب کے مطابق اس کی شرح کی ہے۔

[۲۵-] بابُ الصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ فِيْ غَيْرِ أَيَّامِ الْحَيْضِ

[۳۲۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: كُنَّا لاَ نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا.

بابُ عِرْقِ الاِسْتِحَاضَةِ

استحاضہ رگ کا خون ہے

عِرق: (عین کا کسرہ) کے معنی ہیں: رگ، پہلے یہ بات بتائی ہے کہ حیض کا خون قعرِ رحم سے آتا ہے، اور استحاضہ کا خون فمِ رحم سے، جس رگ سے یہ خون آتا ہے، اس کا نام عاذل ہے اس کے پھٹنے سے خون آتا ہے۔ ترمذی میں حضرت حمنہ بنت جحشؓ کی حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: إنما هی رکضة من الشیطان: یہ خون شیطان کے ایڑ مارنے سے آتا ہے (ترمذی حدیث ۱۲۹) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا: یہ استعارہ ہے، خون کی رگوں میں بگاڑ آجاتا ہے اس سے یہ خون آتا ہے، اور یہ شریعت کی ایک تعبیر ہے، شریعت ہر نازیبا بات کو شیطان کی طرف منسوب کرتی ہے اور ہر اچھی بات کو اللہ کی طرف، پس اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ خون بیماری کی وجہ سے آتا ہے، تندرست عورت کو جو ماہواری آتی ہے وہ یہ خون نہیں ہے، غرض امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس ترجمہ سے حیض واستحاضہ کے خون کے درمیان فرق کرنا ہے۔

[۲۶-] بابُ عِرْقِ الاِسْتِحَاضَةِ

[۳۲۷-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِیُّ، قَالَ: ثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيْسٰی، عَنْ ابْنِ أَبِی ذِئْبٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، وَعَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم، أَنَّ أُمَّ حَبِيْبَةَ اسْتُحِيْضَتْ سَبْعَ سِنِيْنَ، فَسَأَلَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم، عَنْ ذٰلِكَ؟ فَأَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ، فَقَالَ: "هٰذَا عِرْقٌ" فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلاَةٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو سات سال تک استحاضہ کا عارضہ رہا، انھوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا، پس آپؐ نے ان کو غسل کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا: یہ رگ کا خون ہے، چنانچہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتی تھیں؟

تشریح: ام حبیبہؓ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ کی بہن تھیں، ان کو استحاضہ کی بیماری تھی، اور ان کی بہن حمنہ کو بھی استحاضہ کی بیماری تھی، اور ان کو نبی ﷺ نے ہر فرض نماز کے لئے یا دو نمازوں کے لئے ایک غسل کرنے کا حکم دیا تھا، چنانچہ وہ ہر نماز سے پہلے کسی بڑے برتن میں پانی بھر کر گھنٹے دو گھنٹے اس میں بیٹھتی تھیں، پھر غسل کر کے نماز پڑھتی تھیں، اور اس سے ان کو فائدہ ہوتا تھا، چنانچہ ام حبیبہؓ نے بھی اس طریقہ کو اپنایا۔

جاننا چاہئے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحاضہ ہر فرض نماز کے لئے (عند الشافعی) یا ہر فرض نماز کے وقت کے لئے (عند الاحناف) وضو کرے گی، اور نبی ﷺ نے بعض مستحاضہ عورتوں کو جو ہر فرض نماز سے پہلے غسل کرنے کا حکم دیا تھا وہ بطور

علاج تھا، کیونکہ ٹھنڈے پانی سے رگوں میں خون سکڑتا ہے، غسل کا حکم مسئلہ شرعی کے طور پر نہیں تھا۔

بابُ الْمَرْأَةِ تَحِيضُ بَعْدَ الإِفَاضَةِ

طواف زیارت کے بعد عورت کو حیض آجائے تو طواف وداع ساقط ہے

کوئی عورت حج کو گئی اور طوافِ زیارت کے بعد اس کو حیض آگیا تو وہ وطن واپس لوٹ سکتی ہے اس لئے کہ حائضہ اور نفساء پر طواف وداع واجب نہیں، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ پہلے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اختلاف تھا، وہ فرماتے تھے کہ حائضہ پر بھی طواف وداع ہے، طواف وداع کئے بغیر وہ گھر واپس نہیں آسکتی، لیکن جب حضرت عائشہؓ کی حدیث ان کے سامنے آئی تو انھوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا۔ اب اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں —— اور باب میں یہ حدیث ہے کہ جب منی سے لوٹنے کا وقت آیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آگیا، آنحضور ﷺ نے فرمایا: کیا صفیہؓ ہمیں روک دے گی؟ یعنی ان کی وجہ سے سب کو رک جانا پڑے گا؟ پھر آپؐ نے پوچھا: کیا وہ تمہارے ساتھ طواف زیارت کے لئے نہیں گئیں؟ عرض کیا گیا: طوافِ زیارت تو وہ کر چکی ہیں، مگر ابھی انھوں نے طوافِ وداع نہیں کیا، آپؐ نے فرمایا: پھر نہیں، اس لئے کہ حائضہ پر طوافِ وداع واجب نہیں۔

[۲۷-] بابُ الْمَرْأَةِ تَحِيضُ بَعْدَ الإِفَاضَةِ

[۳۲۸-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم: يَارسولَ اللهِ! إِنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ قَدْ حَاضَتْ؟ قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا، أَلَمْ تَكُنْ طَافَتْ مَعَكُنَّ؟" فَقَالُوْا: بَلٰى، قَالَ: "فَاخْرُجِيْ" [راجع: ۲۹٤]

[۳۲۹-] حدثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: ثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: رُخِّصَ لِلْحَائِضِ أَنْ تَنْفِرَ إِذَا حَاضَتْ. [انظر: ۱۷۵۵، ۱۷٦۰]

[۳۳۰-] وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ فِيْ أَوَّلِ أَمْرِهِ: إِنَّهَا لاَ تَنْفِرُ، ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: تَنْفِرُ، إِنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ لَهُنَّ. [انظر: ۱۷٦۱]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! صفیہؓ کو حیض آگیا ہے، آپؐ نے فرمایا: شاید وہ ہمیں روک دے، کیا انھوں نے تمہارے ساتھ طوافِ زیارت نہیں کیا؟ ازواج نے عرض

کیا: کیوں نہیں! تو آپؐ نے فرمایا: پس وہ نکلیں ....اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں: حائضہ کو طواف وداع کئے بغیر مکہ سے جانے کی اجازت دی گئی ہے جب اس کو حیض آجائے، یعنی روانگی کے وقت اگر حیض آگیا تو وہ روانہ ہوسکتی ہے............ (طاؤس کہتے ہیں:) اور ابن عمرؓ پہلے کہتے تھے کہ وہ مکہ سے نہیں جاسکتی، پھر میں نے ان کو یہ فرماتے سنا کہ وہ جاسکتی ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دی ہے۔

تشریح: طواف زیارت فرض ہے، اس کو کئے بغیر حائضہ وطن واپس نہیں لوٹ سکتی، اگر لوٹ گئی تو واپس آکر طواف زیارت کرنا ضروری ہوگا، اس کے بغیر نہ حج مکمل ہوگا اور نہ وہ شوہر پر حلال ہوگی، البتہ حائضہ پر طواف وداع نہیں، وہ طواف وداع کئے بغیر لوٹ سکتی ہے۔

بَابٌ إِذَا رَأَتِ الْمُسْتَحَاضَةُ الطُّهْرَ

جب مستحاضہ پاکی دیکھے تو نماز شروع کردے

مستحاضہ کو ہر مہینہ حیض آئے گا، پس جب وہ طہر کو دیکھے، چاہے حقیقتاً دیکھے یعنی خون بند ہوجائے یا حکماً دیکھے یعنی عادت کے ایام گذر جائیں اور مبتدأہ ہو تو اکثر مدت حیض گذر جائے (عندالاحناف) یا اقل مدت حیض گذر جائے (عندالشافعی) یا خون کے رنگوں سے پتا چل جائے کہ وہ پاک ہوگئی تو وہ حکماً طہر دیکھنا ہے۔ ایسی عورت غسل کرکے نماز شروع کردے اور اس کے احکام معذور کے احکام ہونگے، اب شوہر کے لئے اس سے مقاربت بھی جائز ہے، مستحاضہ کے اقسام اور احکام کے لئے دیکھئے تحفۃ الالمعی (۱:۴۰۲-۴۰۵)

فائدہ: ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحاضہ حیض سے پاک ہونے پر غسل کرے گی، پھر امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر فرض نماز کے لئے وضو کرے گی اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ہر فرض نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گی، اور ثمرۂ اختلاف اس طرح ظاہر ہوگا کہ مستحاضہ نے فرض نماز کے لئے جو وضو کیا ہے اس سے قضاء نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ کے نزدیک اس وضو سے صرف فرض نماز پڑھ سکتی ہے، اور اس کے تابع جو سنن ونوافل ہیں ان کو پڑھ سکتی ہے قضاء نماز کے لئے نیا وضو شرط ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک وقت کے اندر مستحاضہ: فرض، قضا، واجب، سنن اور نوافل سب پڑھ سکتی ہے اور قرآن کی تلاوت بھی کرسکتی ہے —— اور ابراہیم نخعی، عبداللہ بن شداد رحمہما اللہ وغیرہ کے نزدیک مستحاضہ روزانہ تین غسل کرے گی اور دو نمازیں ایک غسل سے پڑھے گی اور جمع صوری کرے گی، یعنی ظہر آخر وقت میں اور عصر اول وقت میں پڑھے گی، اسی طرح مغرب آخر وقت میں اور عشا اول وقت میں پڑھے گی اور درمیان میں وضو کرے گی ور فجر سے پہلے علاحدہ غسل کرے گی، اور مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ کے نزدیک روزانہ پانچ غسل کرے گی اور ہر نماز نئے غسل سے پڑھے گی، دلائل ترمذی میں ہیں، دیکھئے: تحفۃ الالمعی (۱:۳۹۹-۴۱۱)

[۲۸-] بابُ إِذَا رَأَتِ الْمُسْتَحَاضَةُ الطُّهْرَ

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّی وَلَوْ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، وَيَأْتِيهَا زَوْجُهَا إِذَا صَلَّتْ، الصَّلَاةُ أَعْظَمُ.

[۳۳۱-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: ثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: ثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي" [راجع: ۳۰۶]

اثر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مستحاضہ غسل کرے گی اور نماز پڑھے گی اگرچہ ایک لمحہ کے لئے پاکی دیکھے، اور اس کا شوہر اس سے مقاربت کرسکتا ہے جب وہ نماز پڑھنے لگے، اس لئے کہ نماز کا معاملہ اہم ہے۔

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ مستحاضہ طہر دیکھنے کے بعد فوراً نماز شروع کردے، چاہے حقیقتاً طہر دیکھے یا حکماً اور چاہے ایک لمحہ کے لئے طہر دیکھے، وہ مزید انتظار نہ کرے، ابن عباس طہر میں تحدید مدت کے قائل نہیں، احناف کے نزدیک اگر انقطاع اکثر مدت پر ہوا ہے تو فوراً غسل کرکے نماز ادا کرے اور اگر کم مدت پر ہوا ہے تو ایک نماز کا وقت گذرنے کے بقدر انتظار کرے، پھر غسل کرے اور نماز پڑھے، اور مستحاضہ کے ساتھ شوہر کے لئے مقاربت بھی جائز ہے، نماز اور مقاربت دونوں کے لئے طہارت شرط ہے، پس جب مستحاضہ نماز پڑھ سکتی ہے تو اس سے مقاربت بدرجۂ اولیٰ ہوسکتی ہے، اس لئے کہ نماز کا معاملہ صحبت سے اہم ہے۔

اور باب میں حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کی حدیث ہے جو بار بار آرہی ہے، اور **وإذا أدبرت فاغسلی عنك الدم** سے استدلال ہے، جب حیض نے پیٹھ پھیری تو عورت نے طہر دیکھا، پس وہ غسل کرکے نماز شروع کردے، اور فاء تعقیب مع الوصل کے لئے ہے، معلوم ہوا کہ طہر دیکھنے کے بعد عورت فوراً نماز شروع کردے گی، مزید انتظار نہیں کرے گی، یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال ہے۔

بابُ الصَّلٰوةِ عَلَى النُّفَسَاءِ وَسُنَّتِهَا

حالتِ نفاس میں مرنے والی عورت کی نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ

ہندوستانی نسخہ میں عن ہے جو غلط ہے، فتح الباری میں **علی النفساء** ہے، مصری نسخہ میں بھی یہی ہے اور وہی صحیح ہے۔

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: کسی عورت کا ایام نفاس میں انتقال ہوگیا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس کا حق صلوٰۃ ساقط نہیں ہوگا، اور یہ مسئلہ دو وجہ سے بیان کرنا پڑا:

ایک: جب عورت کا نفاس کی حالت میں انتقال ہوا تو نجاست ٹھہر گئی، اب غسل دینے سے بھی وہ نجاست دور نہیں ہوسکتی، اور نماز جنازہ کے لئے میت کا پاک ہونا ضروری ہے اس لئے سوال پیدا ہوا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ نص کے مقابلہ میں قیاس ہے، نبی ﷺ نے ایسی عورت کا جنازہ پڑھا ہے، پس جب نفساء پر نماز کا ثبوت نص سے ہے تو قیاس مردود ہے۔

دوم: حدیث میں ہے کہ جس عورت کا بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے انتقال ہوجائے وہ شہید ہے، اور بعض ائمہ کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ نہیں، پس کوئی یہ خیال کرسکتا تھا کہ نفساء کی نماز جنازہ نہیں، اس وہم کو دور کیا گیا کہ نفساء کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور وہ اختلاف شہید حقیقی کے بارے میں ہے، شہید حکمی کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، اور نفساء شہید حکمی ہے پس اس کی نماز جنازہ بالاجماع پڑھی جائے گی۔

دوسرا مسئلہ: ایسی عورت کی نماز جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہوگا؟ جواب: جو اختلاف عام عورتوں کی نماز جنازہ کے بارے میں ہے وہی اختلاف یہاں بھی ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک امام میت کے سر کے مقابل کھڑا ہوگا خواہ جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا۔ اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگر مرد کا جنازہ ہے تو سر کے مقابل اور عورت کا جنازہ ہے تو نصف بدن کے مقابل کھڑا ہوگا۔ اور احناف کے یہاں دو قول ہیں: ایک: میت کے سینہ کے مقابل کھڑا ہوگا خواہ جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا۔ دوم: مرد کے سینہ کے مقابل کھڑا ہوگا اور عورت کے نصف بدن کے مقابل۔ اور حنفیہ کے دونوں قولوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ اگر جنازہ اچھی طرح ڈھکا ہوا ہے تو امام عورت کے جنازے میں بھی سینہ کے مقابل کھڑا ہوگا اور اگر جنازہ اچھی طرح ڈھکا ہوا نہیں ہے تو پھر امام نصف بدن کے مقابل کھڑا ہوگا تاکہ پردہ ہوجائے۔

[۲۹-] بابُ الصَّلٰوةِ عَلَى النُّفَسَاءِ وَسُنَّتِهَا

[۳۳۲-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ أَبِيْ سُرَيْجٍ، قَالَ: ثَنَا شَبَابَةُ، قَالَ: ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ حُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ: أَنَّ امْرَأَةً مَا تَتْ فِيْ بَطْنٍ، فَصَلَّى عَلَيْهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَامَ وَسَطَهَا.

[انظر: ۱۳۳۱، ۱۳۳۲]

ترجمہ: حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت کا بچہ جننے کی وجہ سے انتقال ہوگیا تو نبی ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، اور آپؐ میت کے بیچ میں کھڑے ہوئے۔

تشریح: نبی ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کا جنازہ بھی کھلا ہوا ہوتا تھا اس پر نعش نہیں ہوتی تھی، کہتے ہیں کہ نعش کی وصیت سب سے پہلے حضرت فاطمۃ الکبری رضی اللہ عنہا نے کی تھی، اور سب سے پہلے ان کا جنازہ نعش کے ساتھ پڑھا گیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مرض وفات میں بہت پریشان تھیں، عورتوں نے پریشانی کی وجہ پوچھی، فرمایا: مجھے یہ فکر لاحق ہے کہ میرا

جنازہ مردوں کے سامنے رکھا جائے گا، حضرت اسماء بنت عُمیس نے جنھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی عرض کیا: ہم نے حبشہ میں عورتوں کے جنازہ کی ایک خاص شکل دیکھی ہے، وہاں چارپائی پر گول لکڑیاں رکھ کر اس میں ڈھانپ کر عورتوں کا جنازہ لایا جاتا ہے، حضرت فاطمہؓ خوش ہوگئیں اور انھوں نے وصیت کی کہ میرا جنازہ بھی اسی طرح لایا جائے، چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ نعش میں چھپا کر لایا گیا۔ غرض نبی ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کا جنازہ کھلا ہوا ہوتا تھا، اس پر نعش نہیں ہوتی تھی، اس لئے آپؐ میت کے نصف بدن کے مقابل کھڑے ہوئے تھے اور یہی احناف کا بھی قول ہے۔

بابٌ

اس پر نسخہ کا نشان بنا رکھا ہے یعنی یہ باب ایک نسخہ میں ہے اور ذ بھی لکھ رکھی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ باب صرف ابو ذر کے نسخہ میں ہے، عام نسخوں میں نہیں ہے، اور یہ باب تشحیذ اذہان کے لئے بھی ہوسکتا ہے کہ طالب علم یہاں باب لگائیں اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کا ثبوت دیں اور کالفصل من الباب السابق بھی ہوسکتا ہے۔ پس اس باب کی حدیث سے اوپر والے باب میں جو مسئلہ گذرا ہے اس پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، مگر استدلال کا نہج بدلا ہوا ہے اس لئے بابٌ کہہ کر فصل کردیا۔

اس باب میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رات میں نبی ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ میں آڑی لیٹی رہتی تھی، جب آپؐ سجدہ فرماتے تو بعض مرتبہ آپؐ کا کپڑا مجھے لگتا اور میں حالت حیض میں ہوتی تھی، اس حدیث کی روشنی میں یہاں باب لگانا ہے، نمونہ کے طور پر یہ ابواب لگا سکتے ہیں: **باب الصلوة بقُرب الحائضِ: باب الصلوة خَلْفَ الحائض، باب طهارة جَسَد الحائض۔**

اور اگر اس کو کالفصل من الباب السابق قرار دیں تو پھر گذشتہ باب سے اس کا تعلق اس طرح ہوگا کہ نفساء کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اس لئے کہ نبی ﷺ حائضہ کے پاس نماز پڑھتے تھے، اور کبھی حضور ﷺ کا کپڑا حائضہ کے بدن سے لگتا بھی تھا، پس نفاس والی عورت جس کو غسل دیدیا گیا ہے، اس کے قریب میں نماز کیوں نہیں پڑھی جاسکتی؟

[۳۰-] بابٌ

[۳۳۳-] حدثنا الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: أَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ: مِنْ كِتَابِهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهَا كَانَتْ تَكُوْنُ حَائِضًا لَاتُصَلِّيْ، وَهِيَ مُفْتَرِشَةٌ بِحِذَاءِ مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يُصَلِّيْ عَلٰى خُمْرَتِهِ، إِذَا سَجَدَ أَصَابَنِيْ بَعْضُ ثَوْبِهِ. [انظر: ۳۷۹، ۳۸۱، ۵۱۷، ۵۱۸]

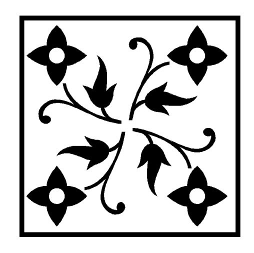
ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ حائضہ ہوتی تھیں اور نماز نہیں پڑھا کرتی تھیں اور وہ نبی ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ میں سامنے لیٹی رہتی تھیں درانحالیکہ آپ چھوٹی چٹائی پر نماز پڑھ رہے ہوتے تھے، جب آپ سجدہ فرماتے تو آپؐ کے کپڑے کا کچھ حصہ مجھے لگتا۔

وضاحت: أخبرنا أبو عوانة من كتابه: کا مطلب یہ ہے کہ ابوعوانہ نے یہ حدیث حفظ سے بیان نہیں کی بلکہ کتاب سامنے رکھ کر بیان کی.......... **كانت تكون:** یہاں کان پر کان داخل ہوا ہے پس وہ بینا ہوجائے گا یعنی ماضی استمراری بن جائے گا۔

مسئلہ (۱): اگر نمازی پر ناپاکی گرے اور نمازی اس کو ایک رکن کے بقدر تھامے رہے تو نماز فاسد ہوجائے گی، اور اگر فوراً ناپاکی الگ کردے یا ناپاکی کو تھامے ہوئے نہ ہو تو نماز صحیح ہے، مثلاً ماں نماز پڑھ رہی ہے، بچہ گود میں آکر بیٹھ گیا، اور اس کے بدن پر ناپاکی لگی ہوئی ہے تو اگر ماں بچہ کو تھامے تو نماز فاسد ہوجائے گی، اور اگر نہ تھامے بچہ تھوڑی دیر گود میں بیٹھ کر چلا گیا تو نماز صحیح ہے، یہ مسئلہ عالمگیری میں ہے۔

مسئلہ (۲): ایک لمبا چوڑا فرش ہے، اس کا ایک کنارہ ناپاک ہے، دوسرے کنارے پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ فیض الباری میں ہے کہ اگر وہ کپڑا اتنا بڑا ہے کہ ایک جانب حرکت دینے سے دوسری جانب نہیں ہلتی تو نماز درست ہے، اور اگر دوسری جانب ہلتی ہے تو وہ ایک کپڑا شمار ہوگا اور نماز صحیح نہیں ہوگی، پانی کی طہارت وعدم طہارت میں بھی احناف کے یہاں یہی مسئلہ ہے (یہ دونوں مسئلے أصابني بعض ثوبه کی مناسبت سے بیان کئے گئے ہیں)

﴿الحمد للہ کتاب الحیض کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷- کتاب التَیَمُّمِ

قَوْلُ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِنْهُ﴾[المائدة: ٦]

امام بخاریؒ نے یہاں سورۂ مائدہ کی آیت (۶) لکھ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ہار گم ہونے کے واقعہ میں سورۂ مائدہ کی یہی آیت نازل ہوئی تھی۔ سورۂ نساء کی آیت (۴۳) نازل نہیں ہوئی تھی، کتاب التفسیر میں سورۂ مائدہ کی تفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اس کی صراحت ہے کہ ہار والے واقعہ میں سورۂ مائدہ کی یہی آیت نازل ہوئی تھی (حدیث ۴۶۰۸)

بَابُ التَّیَمُّمِ

تیمّم کا بیان

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ دو غزوے ہیں: (۱) غزوۂ بنی المصطلق، اس غزوہ کو غزوۃ المریسیع بھی کہتے ہیں (۲) غزوۂ ذات الرقاع، آیت تیمّم ان دونوں میں سے کونسے غزوے میں نازل ہوئی تھی؟ اس میں اختلاف ہے، مگر تین باتیں طے ہیں: پہلی: آیتِ تیمّم واقعہ افک کے بعد کسی غزوے میں نازل ہوئی ہے، دوسری: جس غزوہ میں آیتِ تیمّم نازل ہوئی ہے اس غزوہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اور وہ غزوۂ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے ہیں، تیسری: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی اس غزوہ میں موجود تھے اور وہ بھی غزوہ خیبر کے بعد مدینہ آئے ہیں اور غزوۂ خیبر سنہ ۷ھ میں ہوا ہے۔ اور جس غزوہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی ہے، وہ غزوہ کب پیش آیا؟ اصحابِ سیر کا آخری قول سنہ ۶ھ کا ہے، ظاہر ہے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما اس میں شریک نہیں تھے، یہ قرائن ہیں کہ آیتِ تیمّم غزوۂ بنی المصطلق میں نازل نہیں ہوئی، اور غزوہ ذات الرقاع کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ خیبر کے بعد پیش آیا ہے، پس قرین صواب یہ ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں آیتِ تیمّم نازل ہوئی ہے، جبکہ حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہوا تھا، حضرت عائشہؓ کا ہار دو مرتبہ گم ہوا ہے ایک مرتبہ جب مدینہ منورہ کے قریب لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا، اس وقت ہار گم ہوا تھا اور اس وقت آیتِ تیمّم نازل ہوئی تھی، اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ سے دور ہار گم ہوا تھا، اس وقت تہمت لگی تھی، اور تہمت والا واقعہ غزوۂ بنی المصطلق کا ہے، اس میں آیتِ تیمّم نازل نہیں ہوئی اور نہ اس میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری

رضی اللہ عنہا شریک تھے، اس کے بعد کسی غزوہ میں آیتِ تیمّم نازل ہوئی ہے، یہ ایک موٹا سا فیصلہ ہے، حرف آخر نہیں۔

اور کتاب الغسل کے شروع میں بتایا ہے کہ آیتِ تیمّم میں تکرار ہے اور احکام کی آیتوں میں تکرار نہیں ہوتا مگر جہاں نسخ کا وہم ہوتا ہے وہاں تکرار ہوتا ہے اور اس کی دو ہی مثالیں ہیں ان میں سے ایک یہ آیت ہے، تیمّم کا حکم سورۂ مائدہ کی اس آیت میں بھی ہے اور سورۂ نساء کی آیت (۴۳) میں بھی۔ ان میں سے کونسی آیت اصل ہے؟ اور کونسی مکرر ہے؟ میں نے وہاں بتایا تھا کہ آیتِ نساء اصل ہے اور آیتِ مائدہ مکرر ہے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے اس کے برعکس ہے ان کے نزدیک آیتِ مائدہ اصل ہے اور آیتِ نساء میں تکرار ہے، اور قرینہ یہ ہے کہ آیتِ نساء میں منہ نہیں ہے اور تکرار کم سے کم ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ یہ امام بخاریؒ کے قول کے دلائل ہیں —— باب میں دو حدیثیں ہیں ایک میں مذکورہ آیت کا شانِ نزول ہے اور دوسری میں نبی ﷺ کی چھ خصوصیتوں کا بیان ہے، ان میں تیمّم بھی ہے، اس مناسبت سے وہ حدیث یہاں لائے ہیں۔

[۱-] بابُ التَّیَمُّمِ

[۳۳۴-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ بَعْضِ أَسْفَارِهِ، حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ - أَوْ: بِذَاتِ الْجَيْشِ - انْقَطَعَ عِقْدٌ لِيْ، فَأَقَامَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْتِمَاسِهِ، وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ، فَأَتَى النَّاسُ إِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ فَقَالُوْا: أَلاَ تَرٰى إِلٰى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ؟ أَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَالنَّاسِ، وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَجَاءَ أَبُوْ بَكْرٍ وَرَسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلٰى فَخِذِيْ، قَدْ نَامَ، فَقَالَ: حَبَسْتِ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَالنَّاسَ، وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَعَاتَبَنِيْ أَبُوْ بَكْرٍ، وَقَالَ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُوْلَ، وَجَعَلَ يَطْعُنُنِيْ بِيَدِهِ فِيْ خَاصِرَتِيْ، فَلاَ يَمْنَعُنِيْ مِنَ التَّحَرُّكِ إِلاَّ مَكَانُ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى فَخِذِيْ، فَقَامَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ أَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَاءٍ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ آيَةَ التَّيَمُّمِ، فَتَيَمَّمُوْا، فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ: مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِيْ بَكْرٍ! قَالَتْ: فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَ الَّذِيْ كُنْتُ عَلَيْهِ فَأَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهُ.

[انظر: ۳۳۶، ۳۶۷۲، ۳۷۷۳، ۴۵۸۳، ۴۶۰۷، ۴۶۰۸، ۵۱۶۴، ۵۲۵۰، ۵۸۸۲، ۶۸۴۴، ۶۸۴۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں نکلے یہاں تک کہ جب ہم بیداء نامی جگہ میں یا فرمایا: ذات الجیش نامی جگہ میں تھے تو میرا ہار ٹوٹ گیا، پس رسول اللہ ﷺ اس کو تلاش کرنے کے لئے

ٹھہرے اور آپؐ کے ساتھ لوگ بھی ٹھہرے، اور لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا پس لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: کیا نہیں دیکھتے آپ اس کو جو کیا عائشہ نے! رسول اللہ ﷺ کو روک لیا اور لوگوں کو بھی، اور نہ یہاں پانی ہے اور نہ لوگوں کے پاس پانی ہے، پس حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے درانحالیکہ رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھ کر سو رہے تھے، پس ابوبکر نے کہا: تم نے رسول اللہ ﷺ کو روک دیا اور لوگوں کو روک دیا، درانحالیکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لوگوں کے پاس پانی ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: پس ابوبکرؓ نے مجھے سرزنش کی اور کہا انھوں نے جو اللہ نے چاہا کہ وہ کہیں (یعنی حضرت ابوبکرؓ نے ڈانٹا) اور میری کوکھ میں اپنے ہاتھ سے کچوکے مارنے لگے، پس نہیں روکا مجھ کو ہلنے سے مگر رسول اللہ ﷺ کے میری ران پر سر رکھ کر سونے نے یعنی مجھے تکلیف تو بہت ہوئی مگر میں نہیں ہلی تاکہ رسول اللہ ﷺ کی نیند خراب نہ ہو، پس جب رسول اللہ ﷺ صبح میں بیدار ہوئے تو پانی نہیں تھا، پس اللہ عزوجل نے تیمّم کی آیت نازل کی، چنانچہ لوگوں نے تیمّم کرکے نماز پڑھی، نماز کے بعد حضرت اسید بن حُضیر نے (فرطِ مسرت) سے کہا: اے خاندانِ ابوبکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں! حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: پھر جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہار اس کے نیچے سے ملا۔

تشریح:

۱- حاشیہ میں فتح الباری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیتِ تیمّم غزوہ بنی المصطلق میں نازل ہوئی ہے، اور اسی غزوہ میں افک کا واقعہ پیش آیا ہے، مگر یہ بات محققین کے نزدیک صحیح نہیں، علماء محققین کی رائے یہ ہے کہ آیتِ تیمّم کا نزول غزوہ بنی المصطلق میں نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد کوئی دوسرا سفر پیش آیا ہے اس میں آیتِ تیمّم نازل ہوئی ہے، معجم طبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میرا ہار گم ہوگیا، اس پر اہل افک نے کہا جو کہا، پھر دوسرے سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئی اور میرا ہار گم ہوا اور اس کی تلاش میں رکنا پڑا تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا: بیٹی! تو ہر سفر میں لوگوں کے لئے مشقت اور بلا بن جاتی ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی، تیمّم کی سہولت نازل ہونے سے حضرت ابوبکرؓ کو خاص مسرت ہوئی اور حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہوکر تین مرتبہ فرمایا: بیٹی! تو بلاشبہ بڑی مبارک ہے —— اس روایت سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آیتِ تیمّم کا نزول غزوہ بنی المصطلق کے بعد کسی اور غزوہ میں ہوا ہے۔

۲- جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوگیا اور نبی ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے ہار تلاش کرنے کا حکم دیا، چنانچہ بعض حضرات پچھلی منزل تک ہار تلاش کرنے کے لئے گئے، اور نبی ﷺ اور صحابہ رک گئے، جب صبح تک وہ لوگ ہار تلاش کرکے واپس نہیں لوٹے اور فجر کی نماز کا وقت آگیا اور نبی ﷺ سے پانی نہ ہونے کی شکایت کی گئی تو آیتِ تیمّم نازل ہوئی، اس وقت حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ نے جو انصاری صحابی ہیں فرط مسرت سے کہا: جب بھی خاندانِ ابی بکر کے ساتھ کوئی ناگوار بات پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں آلِ ابی بکر کے لئے اور مسلمانوں کے لئے برکت کا سامان کرتے ہیں، یعنی شریعت کا کوئی ایسا حکم نازل ہوتا ہے جو مسلمانوں کے لئے مفید ہوتا ہے۔

اس میں بھی اشارہ ہے کہ اس سے پہلے افک کا واقعہ پیش آچکا ہے، افک کا واقعہ ناپسندیدہ واقعہ تھا مگر اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے اور امت کے لئے خیر کا پہلو تھا، اس واقعہ میں حضرت عائشہؓ کی براءت میں سورۂ نور کی دس آیتیں نازل ہوئی تھیں، جو قیامت تک منبر ومحراب سے تلاوت کی جاتی ہیں۔ اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوسکتی ہے؟ اور اُن آیات میں یہ اعلان کردیا گیا کہ اگر کوئی کسی پر تہمت لگائے تو چار گواہوں سے ثابت کرے ورنہ حد قذف لگے گی، اس طرح تہمت لگانے کا سدباب ہوگیا، یہی امت کے لئے خیر کا پہلو ہے۔

۳- آلِ أبی بکر: عام ہے مگر اس سے خاص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں سارا خاندان مراد نہیں............ اور ما هی بأول برکتکم: میں ھی کا مرجع برکت ہے، جو بعد میں آیا ہے، عربی میں مرجع کبھی بعد میں بھی آتا ہے۔

[۳۳۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: هُوَ الْعَوْقِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، ح: قَالَ: وَحَدَّثَنِیْ سَعِيْدُ بْنُ النَّضْرِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ الْفَقِيْرُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا جابرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیه وسلم قَالَ: " أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِیْ: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِیَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِیْ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ، وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِیْ، وَأُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِیُّ يُبْعَثُ إِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَی النَّاسِ عَامَّةً" [انظر: ۴۳۸]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں: (۱) میری رعب کے ذریعہ مدد کی گئی، ایک مہینہ کی مسافت تک (۲) اور میرے لئے پوری زمین کو نماز پڑھنے کی جگہ اور پاکی کا آلہ بنایا گیا، پس میری امت کے جس شخص کو جہاں بھی نماز پائے یعنی جہاں بھی نماز کا وقت ہوجائے پس چاہئے کہ وہ نماز پڑھے (۳) اور میرے لئے غنیمت کو حلال کیا گیا، اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے غنیمت کو حلال نہیں کیا گیا (۴) اور مجھے شفاعت دی گئی (۵) اور گذشتہ انبیاء خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کئے جاتے تھے اور میں سب لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

تشریح: نبی ﷺ کی خصوصیتیں پانچ میں منحصر نہیں، آپؐ کی اور بھی خصوصیتیں ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں أُعطیتُ سِتًّا ہے، بلکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے الخصائص الکبری میں آنحضور ﷺ کی بہت سی خصوصیتیں جمع کی ہیں۔

خصوصیات کی وضاحت

۱- آنحضور ﷺ جہاں ہوتے تھے وہاں سے ایک ماہ کی مسافت تک آپؐ کا رعب پڑتا تھا، اور مسند احمد میں ہے: يُقْذَفُ فی قلوب أعداءه: ایک ماہ کی مسافت تک آپؐ کے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈالا جاتا تھا، اور اس میں ایک ماہ سے زیادہ مسافت تک رعب پڑنے کی نفی نہیں ہے، اور ایک ماہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عموماً آپؐ کے دشمن اتنی مسافت پر تھے اس لئے اتنی مسافت کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲-آپ ﷺ کے لئے پوری زمین نماز پڑھنے کی جگہ بنادی گئی ہے، پچھلی امتیں اپنی عبادت گاہوں میں ہی نماز پڑھتی تھیں، آج بھی عیسائی اور یہودی چرچوں میں اور سینے گوگوں ہی میں نماز پڑھتے ہیں، گھر میں نماز نہیں پڑھ سکتے، لیکن اس امت کے لئے ساری زمین نماز پڑھنے کی جگہ بنائی گئی ہے، پس جہاں بھی اور جب بھی نماز کا وقت ہوجائے نماز پڑھ سکتا ہے، مسجد ہی میں نماز پڑھنا ضروری نہیں، اسی طرح ساری زمین اس امت کے لئے آلۂ تطہیر بنادی گئی ہے۔ اور یہ دونوں ایک ہی خصوصیت ہیں، اس لئے کہ نماز اور نماز کے لئے وضو اور تیمّم ایک ہی چیز ہیں، پس اس کو ایک ہی شمار کریں گے اور یہ سوال ذہن میں نہیں آنا چاہئے کہ ناپاک زمین پر نماز نہیں پڑھ سکتے؟ ناپاک مٹی سے تیمّم نہیں کرسکتے؟ اس لئے کہ یہ ممانعت لغیرہ ہے، عارض کی وجہ سے ہے ورنہ فی نفسہ پوری زمین نماز پڑھنے کی جگہ اور آلۂ تطہیر ہے —— اور **فأیُّما رجل من أمتی أدرکته الصلوۃ فلیصل**: میں آدھا مضمون ہے اور دوسرا آدھا فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دیا گیا ہے وہ آدھا مضمون یہ ہے: **وأیما رجل من أمتی أدرکته الصلوۃ ولم یجد ماءً ا فَلْیَتَیَمَّمْ**: جہاں بھی نماز کا وقت آجائے اور پانی نہ ہوتو تیمّم کرکے نماز پڑھے۔

۳-آپؐ کے لئے غنیمت کو حلال کیا گیا ہے، گذشتہ امتوں کے لئے غنیمت حلال نہیں تھی، صرف اس امت کے لئے حلال کی گئی ہے اور اس کی حکمت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کی بعثت مخصوص علاقہ اور مخصوص قوم کے لئے تھی، اس لئے ان کا جہاد وقتی تھا، اور نبی ﷺ کی بعثت ساری دنیا کی طرف ہے اور قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے آپؐ کی امت میں ہمیشہ جہاد جاری رہے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی ضرورت کے پیش نظر غنیمت کو حلال کیا ہے۔

بہ الفاظ دیگر: غنیمت میں اصل حلال نہ ہونا ہے تاکہ جو جہاد کرے اخلاص کے ساتھ کرے، اگر غنیمت حلال ہوگی تو غنیمت کے لالچ میں لوگ جہاد کریں گے، مگر امت محمدیہ کے لئے ایک مجبوری تھی، اس وجہ سے ان کے لئے غنیمت حلال کی گئی۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ گذشتہ امتوں کا جہاد معینہ مدت، معین قوم اور معین علاقہ تک محدود تھا کیونکہ ان انبیاء کی بعثت مخصوص قوم اور مخصوص علاقہ کے لئے تھی، اس لئے ان کا جہاد وقتی تھا، اور مجاہدین کے پاس کمانے کھانے کا وقت رہتا تھا، اس لئے غنیمت کو حلال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر اس امت کی صورت حال دوسری ہے، ان کا جہاد ہمیشہ جاری رہے گا اور قیامت تک جاری رہے گا، کیونکہ حضور اقدس ﷺ کی بعثت ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے، اس وجہ سے اس امت کے لئے غنیمت حلال کی گئی تاکہ سال بھر اور ہمیشہ جہاد جاری رہ سکے اور مجاہدین کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔

۴-قیامت کے دن شفاعت کبری کے لئے کوئی پیغمبر تیار نہیں ہونگے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بارگاہِ ذوالجلال میں پہنچیں گے اور تمام انسانوں کے لئے سفارش فرمائیں گے پس حساب وکتاب شروع ہوگا۔

۵-گذشتہ انبیاء مخصوص اقوام کی طرف اور معین وقت کے لئے مبعوث کئے جاتے تھے اور نبی ﷺ کی بعثت عام ہے،

آپؐ پوری دنیا کی طرف اور قیامت تک کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث کے ایک راوی یزید الفقیر ہیں، بین السطور میں لکھا ہے کہ یہ فقیر بمعنی غریب نہیں، بلکہ ان کی ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف تھی اس وجہ سے ان کو فقیر کہا جاتا تھا، ریڑھ کی ہڈی کو عربی میں فَقْرَۃ کہتے ہیں، اسی سے فقیر بنا ہے۔

بَابٌ إِذَا لَمْ يَجِدْ مَاءً ا وَلاَ تُرَابًا

فاقد الطہورین کا حکم

اگر کسی کے پاس اسباب طہارت (پانی اور مٹی) نہ ہوں تو کیا کرے؟ یہ مسئلہ منصوص نہیں، بلکہ اجتہادی ہے، امام بخاریؒ نے حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے، اس مسئلہ میں مجتہدین کی آرا مختلف ہیں:

۱- امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لا يُصلِّي ويقضي: فی الحال نماز نہ پڑھے، بعد میں قضا کرے، اس لئے کہ حدیث میں ہے: لاتقبل صلوۃٌ بغیر طُهور: پاکی کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں کی جاتی، پس جب آلۂ تطہیر موجود نہیں تو فی الحال نماز نہیں پڑھے گا، جب پانی یا مٹی پر قادر ہوگا تب وضو یا تیمّم کرکے نماز قضاء کرے گا۔

۲- امام احمد رحمہ اللہ کی رائے ہے: يُصَلِّيْ ولاَ يَقْضِيْ: فی الحال نماز پڑھے بعد میں قضا نہیں کرے گا، کیونکہ قاعدہ ہے ﴿لاَيُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَهَا﴾ انسان کو اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ حکم نہیں دیتے، اور یہ شخص اسبابِ طہارت پر قادر نہیں، پس پاکی حاصل کرنے کا مکلّف بھی نہیں، اور نماز پڑھنے پر قادر ہے اس لئے طہارت کے بغیر ہی نماز پڑھے اور قضاء کی حاجت نہیں، اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی رائے ہے۔

۳- امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لايُصلّي ولا يَقضي: نہ فی الحال نماز پڑھے اور نہ قضاء کرے، فی الحال اس لئے نہیں پڑھے گا کہ حدیث ہے: لاتقبل صلوۃ بغیر طهور: اور قضاء اس لئے نہیں کرے گا کہ ﴿لاَيُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَهَا﴾: جب وہ شرط یعنی پاکی کے ساتھ نماز ادا کرنے پر قادر نہیں تو وہ مکلّف بھی نہیں، جیسے حائضہ اور نفاس والی عورت پاکی کے ساتھ نماز پڑھنے پر قادر نہیں، تو ان کے حق میں نماز معاف ہے، فاقد الطہورین بھی انہی کی طرح ہے، پس اس کے حق میں بھی نماز کا حکم ساقط ہو جائے گا۔

۴- امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يُصلي ويَقضي: فی الحال بھی پڑھے اور بعد میں قضا بھی کرے، فی الحال تو اس لئے پڑھے کہ نماز کا وقت داخل ہوتے ہی حکم خداوندی ﴿أَقِيْمُوْا الصَّلوٰةَ﴾ متوجہ ہوتا ہے پس اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور چونکہ یہ نماز پاکی کے بغیر پڑھی گئی ہے اس لئے صحیح نہیں ہوئی اس لئے قضا بھی کرے۔

۵- اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: لاَيُصَلِّيْ بل يَتَشَبَّهُ بِالْمُصَلِّين ويَقْضِيْ: فی الحال نماز نہیں پڑھے گا البتہ نماز کی شکل بنائے گا، یعنی پاک جگہ پر کھڑا ہوگا، قبلہ رو ہوگا، تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھائے گا، رکوع سجدہ کرے گا، سلام پھیرے گا مگر

پڑھے گا کچھ نہیں، بس نمازیوں کی مشابہت اختیار کرے گا، اور بعد میں قضاء کرے گا، اور فتوی صاحبین کے قول پر ہے، مگر میں جب ایسی نوبت پیش آتی ہے (بس یا ریل میں ازدحام کی صورت میں) تو امام اعظمؒ کے قول پر عمل کرتا ہوں اور بعد میں قضا کرتا ہوں، کیونکہ سبھی لوگ امام اعظمؒ کے قول پر عمل کرتے ہیں، میں نے نمازیوں کی مشابہت کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔
غرض: صاحبین کے قول پر فتوی ہے مگر عام لوگوں کا عمل امام اعظمؒ کے قول پر ہے، اور به یفتی سے و العمل علیه اقوی ہے۔
اس کی تفصیل یہ ہے کہ احناف کو امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرنا چاہئے، مگر صاحبین کا قول دلیل سے قوی ہو تو اس پر فتوی دیا جاتا ہے، اور اس مسئلہ میں کسی کے پاس کوئی صریح دلیل نہیں، صاحبین بھی قیاس کرتے ہیں، کسی نے صحبت کر کے حج یا عمرہ کا احرام توڑ دیا تو اس کو ارکانِ حج وعمرہ کرنے ہیں، اور قضاء بھی کرنی ہے، اسی طرح رمضان میں دن میں عورت کا حیض بند ہوگیا تو اب اس کو امساک کرنا ہے، صاحبین نے حج اور روزے پر نماز کو قیاس کیا ہے، فرمایا: جب دونوں آلۂ طہارت موجود نہیں تو نمازیوں کی صورت بنائے، پھر بعد میں قضا کرے، مگر عام طور پر لوگوں کا عمل امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر ہے اور عمل: فتوی سے اقوی ہے اس لئے میں نے کہا کہ میں مجبوری میں امام صاحب کے قول پر عمل کرتا ہوں۔

[۲-] بَابٌ إِذَا لَمْ يَجِدْ مَاءً ا وَلاَ تُرَابًا

[۳۳۶-] حدثنا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيىَ، قَالَ: ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: ثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ قِلاَدَةً، فَهَلَكَتْ، فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَجُلاً فَوَجَدَهَا، فَأَدْرَكَتْهُمُ الصَّلاَةُ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَصَلَّوْا، فَشَكَوْا ذٰلِكَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ، فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ لِعَائِشَةَ: جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا، فَوَ اللّٰهِ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِيْنَهُ إِلاَّ جَعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ خَيْرًا. [راجع: ۳۳٤]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت اسماءؓ سے ہار عاریۃً لیا اور وہ راستہ میں گم ہوگیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو ہار تلاش کرنے کے لئے بھیجا، پس اس نے ہار پالیا، پس ان لوگوں کو نماز نے پالیا اور ان کے پاس پانی نہیں تھا، پس انھوں نے نماز پڑھی، اور اس کی نبی ﷺ سے شکایت کی (کہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے بغیر وضو کے نماز پڑھی) پس اللہ تعالیٰ نے آیت تیمّم نازل فرمائی۔ حضرت اُسید بن حضیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا: اللہ آپ کو بہترین بدلہ عطا فرمائیں، خدا کی قسم! نہیں پیش آیا آپ کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ واقعہ مگر اللہ نے اس واقعہ میں آپ کے لئے بھی اور مسلمانوں کے لئے بھی خیر گردانی!

تشریح:

۱- نبی ﷺ نے جن حضرات کو ہار تلاش کرنے کے لئے بھیجا تھا انھوں نے فجر کی نماز بغیر وضو کے پڑھی تھی، ان کے

پاس پانی نہیں تھا اور تیمّم کا ان کو علم نہیں تھا، گویا وہ فاقد الطہورین تھے اور نبی ﷺ نے ان کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا، معلوم ہوا کہ فاقد الطہورین فی الحال نماز پڑھے گا اور بعد میں قضا نہیں کرے گا۔

۲- نبی ﷺ نے ہار تلاش کرنے کے لئے کئی آدمی بھیجے تھے اور ان کا ایک امیر تھا اس لئے راوی نے کہا: ایک آدمی بھیجا.........اور جب اونٹ کھڑا ہوا تو سب سے پہلے اسی شخص کی ہار پر نظر پڑی اس لئے راوی نے کہا: اس نے ہار پالیا ....اور آیتِ تیمّم ان کے واپس لوٹنے سے پہلے اتر چکی تھی، اور یہاں حدیث میں یہ ہے کہ جب وہ حضرات واپس آئے اور نبی ﷺ سے شکایت کی تب آیت اتری، اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ ہر ممکن صورت کے لئے أُنزل فی کذا استعمال کرتے تھے، یہ بات شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے الفوز الکبیر میں بیان فرمائی ہے۔ پس جب وہ حضرات واپس آئے اور نبی ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے آیتِ تیمّم سنائی، اس کو راویوں نے أنزل اللہ: سے تعبیر کیا ہے۔

۳- امام بخاریؒ کا استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ عدم ذکر عدم شیئ کو مستلزم نہیں، ہوسکتا ہے نبی ﷺ نے ان کو اعادہ کا حکم دیا ہو اور انھوں نے نماز کا اعادہ کیا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نماز کا اعادہ نہ کیا ہو، پس جب احتمال نکل آیا تو استدلال باطل ہوگیا اور یہ اعادہ نہ کرنا تشریع کے وقت کی ترخیص قرار دیا جائے گا۔

بابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَخَافَ فَوْتَ الصَّلٰوةِ

مقیم بھی تیمّم کرسکتا ہے جب پانی نہ ہو اور نماز قضاء ہونے کا اندیشہ ہو

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقیم کے پاس پانی نہ ہو خواہ حقیقتاً نہ ہو یا حکماً نہ ہو تو وہ تیمّم کرسکتا ہے، جبکہ نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ قرآنِ کریم میں سفر کی قید ہے ﴿أَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ اس سے یہ مسئلہ پیدا ہوا:

۱- امام بخاریؒ اور حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ حضر میں بھی تیمّم جائز ہے، البتہ اگر پانی ملنے کی امید ہو تو آخر وقت تک پانی کا انتظار کرنا مستحب ہے، اور حنفیہ کا دوسرا قول وجوب کا ہے، اور امام بخاریؒ کے نزدیک واجب ہے یا مستحب؟ یہ بات معلوم نہیں، امام بخاریؒ نے بخاری شریف کے علاوہ کسی کتاب میں اپنی فقہی آراء ذکر نہیں کیں، اس لئے ان کے مذہب کی تفصیلات جاننے کی کوئی صورت نہیں۔ البتہ اتنی بات طے ہے کہ امام صاحب نے اس مسئلہ میں حنفیہ کی موافقت کی ہے۔

۲- امام ابو یوسف اور امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک حضر میں تیمّم جائز نہیں، مگر علامہ عینی رحمہ اللہ نے شرح اقطع سے امام ابو یوسفؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر پانی نہ ہو تو آخر وقت تک انتظار کرے پھر تیمّم کرکے نماز پڑھے، اور وقت کے اندر پانی مل جائے تو نماز کا اعادہ کرے۔

۳- امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تیمّم کرکے نماز پڑھے، اور بعد میں اعادہ کرے، حضرت رحمہ اللہ کا یہ مذہب حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔

۴-امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تیمّم کرکے نماز پڑھے، اور وقت کے اندر پانی مل جائے تو اعادہ کرے، وقت کے بعد اعادہ نہیں .... یہ ائمہ مجتہدین کی آراء ہیں، ان کو پیش نظر رکھ کر باب پڑھیں، باب میں دو آثار اور ایک حدیث ہے۔

[۳-] بابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَخَافَ فَوْتَ الصَّلٰوةِ وَبِهِ قَالَ عَطَاءٌ

[۱-] وَقَالَ الْحَسَنُ فِي الْمَرِيْضِ عِنْدَهُ الْمَاءُ وَلاَ يَجِدُ مَنْ يُنَاوِلُهُ: يَتَيَمَّمُ.

[۲-] وَأَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ أَرْضِهِ بِالْجُرُفِ، فَحَضَرَتِ الْعَصْرُ بِمِرْبَدِ الْغَنَمِ، فَصَلَّى، ثُمَّ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ فَلَمْ يُعِدْ.

امام بخاری رحمہ اللہ کی جو رائے ہے کہ اگر مقیم کے پاس پانی نہ ہو خواہ حقیقۃً نہ ہو یا حکماً نہ ہو یعنی پانی تو ہو مگر بیماری یا کسی اور عذر کی وجہ سے استعمال پر قدرت نہ ہو، تو وہ آخر وقت میں تیمّم کرکے نماز پڑھے، یہی رائے حضرت عطاء رحمہ اللہ کی بھی ہے، اور احناف کا بھی یہی مذہب ہے۔

پہلا اثر: کوئی شخص بیمار ہو اور اتنا بیمار ہو کہ جہاں پانی ہے وہاں تک نہیں جا سکتا اور دوسرا کوئی پانی لا کر دینے والا نہیں، تو حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: وہ تیمّم کرکے نماز پڑھے، کیونکہ وہ حکماً پانی نہ پانے والا ہے، پس اس کے لئے تیمّم جائز ہے۔

فائدہ: قادر بقدرت الغیر حنفیہ کے نزدیک قادر نہیں، حنفیہ عامل کی قدرت کا اعتبار کرتے ہیں، دوسرے کی قدرت کا اعتبار نہیں کرتے، مثلاً ایک شخص بیمار ناتواں ہے اس نے ناپاک کپڑا دھویا، تین مرتبہ دھویا اور نچوڑا تو کپڑا پاک ہو گیا، اگرچہ وہ کپڑا پہلوان نچوڑے گا تو اور پانی نکلے گا، مگر اس کا اعتبار نہیں، اور حضرت حسن بصریؒ نے ولا یجد من یناولہ: کی قید لگائی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قادر بقدرت الغیر کو قادر مانتے ہیں، مگر احناف اس کا اعتبار نہیں کرتے، ان کے نزدیک خود عامل کی قدرت کا اعتبار ہے۔

دوسرا اثر: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ اپنے جنگل (کھیت) گئے، جُرف میں جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جانب شمال ایک جگہ ہے وہاں حضرت کے کھیت تھے، وہاں سے واپسی میں جب مربد میں پہنچے تو عصر کی نماز کا وقت ہو گیا[1]۔ حضرت نے وہاں تیمّم کرکے عصر کی نماز پڑھی، پھر جب مدینہ پہنچے تو ابھی سورج کافی اونچا تھا، یعنی عصر کا وقت باقی تھا مگر حضرت نے عصر کی نماز کا اعادہ نہیں کیا، معلوم ہوا کہ حضر میں بھی اگر پانی نہ ہو تو تیمّم جائز ہے، پھر تیمّم سے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں، نہ وقت کے اندر نہ وقت کے بعد —— اس روایت میں یہاں تیمّم کا ذکر نہیں، مگر دوسری جگہ صراحت ہے، اور حضرت کبھی تشحیذ اذہان کے لئے ایسا کرتے ہیں، صراحت دوسری جگہ لاتے ہیں تاکہ طالب علم جد و جہد کرے اور اس

(۱) مربد وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں اونٹ چرتے ہیں، یہ جگہ مدینہ سے ایک دو میل کے فاصلہ پر تھی، اس کو مربد النعم (جانوروں کے چرنے کی جگہ) بھی کہتے تھے۔

روایت کو پالے۔

سوال: امام بخاریؒ نے ترجمہ میں خاف فوت الصلوة کی قید لگائی ہے، یعنی تیمّم کرکے نماز پڑھنا اس وقت جائز ہے جب وقت تنگ ہوجائے اور نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو، جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عصر کا وقت ہوتے ہی تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ آخر وقت تک پانی کا انتظار کرنا ضروری نہیں؟

جواب: آخر وقت تک پانی کا انتظار کرنا حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے، وجوب کا قول مرجوح ہے، اور ممکن ہے امام بخاریؒ کے نزدیک بھی آخر وقت تک نماز مؤخر کرنا مستحب ہو، واجب نہ ہو، پس کوئی اعتراض واقع نہ ہوگا —— دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت ابن عمرؓ کا ارادہ مربد میں رکنے کا ہو، اور آخر وقت تک نماز مؤخر کرنے کا حکم اس شخص کے لئے ہے جس کو پانی ملنے کی امید ہو اور حضرت ابن عمرؓ کو اس کی امید نہیں تھی، اس لئے کہ مربد میں پانی نہیں تھا، پس آپؓ نے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی، پھر اتفاقاً کام پورا ہوگیا یا ارادہ بدل گیا اور آپ مدینہ پہنچ گئے، فلا اشکال!

[۳۳۷-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيْعَةَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَيْرًا مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَقْبَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَسَارٍ، مَوْلٰى مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى أَبِيْ جُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ، فَقَالَ أَبُوْ جُهَيْمٍ: أَقْبَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ، فَلَقِيَهُ رَجُلٌ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، حَتّٰى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ، فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ عمیر کہتے ہیں: میں اور حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ عبداللہ بن یسار: ابوجُہیم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انھوں نے یہ حدیث سنائی: نبی ﷺ بیر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے کہ آپؐ سے راستہ میں ایک شخص نے ملاقات کی، اور آپؐ کو سلام کیا، نبی ﷺ نے اس کو جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ آپؐ ایک دیوار کے پاس آئے اور چہرے پر اور ہاتھوں پر مسح کیا یعنی تیمّم کیا، پھر اس کو سلام کا جواب دیا۔

تشریح: یہ حدیث یہاں مختصر ہے، تفصیلی روایت ترمذی وغیرہ میں ہے۔ نبی ﷺ استنجے سے فارغ ہوکر بیر جمل کی طرف سے آرہے تھے، آپؐ مدینہ کی ایک گلی سے گذر رہے تھے کہ ایک شخص نے سلام کیا، آپؐ نے جواب نہیں دیا، جب وہ شخص نظروں سے اوجھل ہونے لگا تو آپؐ نے تیمّم کرکے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: أما إِنَّه لم يَمْنَعْنِىْ أَنْ أَرُدَّ عليك إلا أني كنتُ لستُ بطاهرٍ: یعنی بے وضو ہونے کی وجہ سے میں نے جواب نہیں دیا، اس موقع پر نبی ﷺ پر کوئی خاص حالت طاری تھی جس کی وجہ سے آپؐ نے بے وضو اللہ کا ذکر کرنا پسند نہیں کیا۔

استدلال: اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ جب سلام کا جواب فوت ہونے کے اندیشہ سے نبی ﷺ نے حضر

میں تیمّم فرمایا تو فرض نماز کا معاملہ تو اس سے زیادہ اہم ہے، پس اس کے فوت ہونے کے اندیشہ سے تیمّم بدرجۂ اولی جائز ہوگا۔

بابٌ: هَلْ يَنْفُخُ فِيْ يَدَيْهِ بَعْدَ مَا يَضْرِبُ بِهِمَا الصَّعِيْدَ لِلتَّيَمُّمِ؟

کیا مٹی پر تیمّم کے لئے ہاتھ مارنے کے بعد ان میں پھونک کر مٹی جھاڑ دے؟

تیمّم میں ہاتھ زمین پر مارنے کے بعد اس میں پھونکنا چاہئے یا نہیں؟ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے الأبواب والتراجم میں — جو کتاب کے شروع میں ہے — فرمایا ہے کہ پھونکنا مستحب ہے تاکہ چہرہ اور ہاتھ گرد آلود نہ ہو جائیں، اور امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کر کے ایک وہم دور کیا ہے۔ اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ مٹی پانی کا بدل ہے، پس جس طرح وضو میں پانی خوب استعمال کیا جاتا ہے، اعضاء وضو کو تین تین بار دھویا جاتا ہے، اسی طرح تیمّم میں بھی مٹی کو خوب استعمال کرنا چاہئے۔

حضرتؒ نے یہ باب قائم کر کے بتایا کہ اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہی ہے مگر ایسا کرنے کا حکم نہیں، اس لئے کہ تیمّم میں مٹی کا استعمال عبادت کے طور پر ہے، تلوث مقصود نہیں، یہ اللہ کا ایک حکم ہے، جس کو بجا لانا ہے، چہرے اور ہاتھوں کو خراب کرنا مقصود نہیں، پس زمین پر ہاتھ مارنے کے بعد اس میں پھونک کر اور مٹی اڑا کر مسح کرنا چاہئے۔

اور میں نے پہلے بتایا ہے کہ باب میں جہاں بھی هل یا اور کوئی حرف استفہام آتا ہے وہاں حضرت خود فیصلہ نہیں کرتے بلکہ مسئلہ قاری کے حوالہ کرتے ہیں، یعنی روایت پڑھو اور خود فیصلہ کرو، کیونکہ روایت صریح نہیں...... یُضرب: فعل مجہول بھی ہو سکتا ہے اور بهما نائب فاعل کے قائم مقام ہوگا اور الصعید: مفعول ثانی اور للتیمم: یضرب سے متعلق ہوگا۔ اور فعل معروف بھی پڑھا جا سکتا ہے، اس صورت میں ترکیب واضح ہے۔

[٤-] بابٌ: هَلْ يَنْفُخُ فِيْ يَدَيْهِ بَعْدَ مَا يَضْرِبُ بِهِمَا الصَّعِيْدَ لِلتَّيَمُّمِ؟

[٣٣٨-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: ثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: ثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ ذَرٍّ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ: إِنِّيْ أَجْنَبْتُ فَلَمْ أُصِبِ الْمَاءَ؟ فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: أَمَّا تَذْكُرُ أَنَّا كُنَّا فِيْ سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ، فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ، وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ هٰكَذَا" فَضَرَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ، وَنَفَخَ فِيْهِمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ.

[انظر: ٣٣٩، ٣٤٠، ٣٤١، ٣٤٢، ٣٤٣، ٣٤٥، ٣٤٦، ٣٤٧]

ترجمہ: ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کیا: میں جنبی ہو گیا اور میں پانی نہیں پاتا؟ پس حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ سے کہا: کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک سفر میں تھے، پس رہے آپ تو آپ نے نماز

نہیں پڑھی، اور رہا میں تو میں نے مٹی میں لوٹ لگائی، پھر میں نے نماز پڑھی، پھر میں نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی تو آپؐ نے فرمایا: ''تیرے لئے اتنی بات کافی تھی'' پھر آپؐ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونکا (یہ جزء باب سے متعلق ہے) پھر ان کو چہرے اور ہتھیلیوں پر پھیرا۔

تشریح: یہ حدیث یہاں مختصر ہے، پورا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، یہ ان کی خلافت کے زمانہ کا واقعہ ہے، اس نے عرض کیا: مجھے جنابت لاحق ہوئی ہے اور میرے پاس پانی نہیں تو میں کیا کروں؟ تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہوں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: نہیں، پانی کا انتظار کر، اتفاق سے اس وقت حضرت عمار رضی اللہ عنہ حاضر تھے، انھوں نے عرض کیا: حضرت! کیا آپ کو وہ واقعہ یاد نہیں کہ آپ کو اور مجھ کو نبی ﷺ نے ایک سریہ میں بھیجا تھا، پھر ہم دونوں اونٹ چرانے گئے اور ایک درخت کے نیچے سو گئے، اتفاق سے ہم دونوں کو بدخوابی ہوئی، پھر میں نے مٹی میں لوٹ لگائی، سارے بدن پر مٹی ملی اور نماز پڑھی، اور آپ نے قضا کی، پھر ڈیرے میں آکر غسل کر کے نماز پڑھی، پھر جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو میں نے یہ واقعہ نبی ﷺ سے ذکر کیا، آپؐ نے میرے عمل کو درست قرار دیا اور فرمایا: تمہارے لئے یہ کافی تھا پھر آپؐ نے زمین پر ہاتھ مارا اور مٹی پھونک دی، اور چہرے اور ہتھیلیوں پر ہاتھ پھیرے —— امام بخاریؒ کا مقصود یہی جز ہے، تیمّم میں ہاتھوں سے مٹی پھونک دے پھر مسح کرے، مگر اس واقعہ میں آپؐ نے تیمّم نہیں کیا تھا بلکہ معہود تیمّم کی طرف اشارہ کیا تھا، اس لئے استدلال تام نہیں، اور امام صاحب نے بھی فیصلہ قاری کے حوالے کیا ہے۔

ملحوظہ: جنبی کے لئے تیمّم جائز ہے یا نہیں؟ اور تیمّم میں دو ضربیں ہیں یا ایک؟ اور مسح گٹوں تک ہے یا کہنیوں تک؟ یہ سب مسائل آئندہ ابواب میں آرہے ہیں۔

بابُ التَّيَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ

چہرے اور ہتھیلیوں پر تیمّم کرنا

امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک تیمّم میں ہاتھوں پر گٹوں تک مسح کیا جائے گا، امام اعظم رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت یہی ہے جو مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے، اور امام اعظمؒ کا مفتی بہ قول اور امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ تیمّم میں دو ضربیں ہیں، اور ہاتھوں پر مسح کہنیوں تک کیا جائے گا۔

اور باب میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی وہی حدیث ہے جو ابھی گذری اس میں نبی ﷺ نے حضرت عمارؓ کو جو تیمّم سکھایا تھا اس میں گٹوں تک مسح کیا تھا، معلوم ہوا کہ گٹوں تک مسح ضروری ہے، اور قیاس کا بھی یہی تقاضہ ہے اس لئے کہ آیتِ تیمّم میں غایت کا بیان نہیں اور آیت سرقہ میں بھی نہیں، اور آیتِ وضو میں إلى المرفقين کی قید ہے، اور اس پر اجماع ہے کہ چور کا ہاتھ گٹوں سے کاٹا جائے گا، سنت نبوی سے یہ بات ثابت ہے، پس آیتِ تیمّم میں بھی گٹوں تک مسح ضروری ہے، یہ

بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی ہے (ترمذی حدیث ۱۴۶)

اور جمہور کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: **التیمم ضربةٌ للوجه وضربةٌ للذراعين إلى المرفقين**: تیمّم ایک ضرب ہے چہرے کے لئے اور دوسری ضرب ہے ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔ حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی اسناد صحیح ہے، اور ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کی سند صحیح ہے اور جو اس کو غیر صحیح کہے اس کی بات پر توجہ نہ دی جائے (عمدۃ ۴: ۲۰)

دوسری دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: **التیمم ضربتان: ضربةٌ للوجه وضربةٌ لليدين إلى المرفقين**: تیمّم: دو مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنا ہے، ایک مرتبہ چہرہ کے لئے اور دوسری مرتبہ ہاتھوں کے لئے کہنوں تک، یہ حدیث طبرانی کی معجم کبیر میں ہے (مجمع الزوائد ۱: ۲۶۲) اور ضعیف ہے مگر چونکہ اس سلسلہ کی حدیثیں متعدد صحابہ سے مروی ہیں، اس لئے مجموعہ حسن لغیرہ اور قابل استدلال ہے۔

حدیث عمار رضی اللہ عنہ کا جواب:

اور جمہور کے نزدیک حضرت عمارؓ کی حدیث میں مسئلہ کا بیان نہیں ہے بلکہ معہود تیمّم کی طرف اشارہ ہے، اس کا تفصیلی واقعہ گذشتہ باب میں بیان کیا ہے، حضرت عمارؓ نے غسل کے تیمّم کو غسل پر قیاس کیا تھا اس لئے سارے بدن پر مٹی ملی تھی، جب انھوں نے اپنا واقعہ نبی ﷺ کو سنایا تو آپؐ نے فرمایا: **إنما يكفيك**: تمہارے لئے یہ کافی تھا، پھر آپؐ نے زمین پر ہاتھ مارا اور مٹی جھاڑ دی، کیونکہ تیمّم کرنا مقصود نہیں تھا، اور چہرے اور ہتھیلیوں پر ہاتھ پھیرے یعنی اشارہ کیا کہ وضو اور غسل کا تیمّم ایک ہے، غسل کے تیمّم میں پورے بدن پر مٹی نہیں ملی جائے گی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس فعلِ نبوی کو **ضربة للوجه والكفين** کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، اور ترمذی میں حضرت عمارؓ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں: **أَمَرَه بالتيمم للوجه والكفين**: لفظ أَمَرَه یا تو روایت بالمعنی ہے یا حضرت عمارؓ نے ایسا ہی سمجھا ہے۔

اس حدیث میں آپؐ نے تیمّم کا طریقہ نہیں سکھایا بلکہ معہود تیمّم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ اس حقیقت سے واقف ہیں، چنانچہ گذشتہ باب میں انھوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ فیصلہ قاری کے حوالے کیا تھا۔

اور حضرت ابن عباسؓ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ یہ نص کے مقابلہ میں قیاس ہے اس لئے معتبر نہیں، علاوہ ازیں مقیس اور مقیس علیہ میں فرق ہے، مقیس عبادت ہے جس میں احتیاط مطلوب ہے اور احتیاط مرفقین تک مسح کرنے میں ہے اور مقیس علیہ عقوبت ہے اس میں بھی احتیاط مطلوب ہے اور اس میں احتیاط یہ ہے کہ ہاتھ کا کم سے کم حصہ کاٹا جائے، چنانچہ آیت پر احتیاط کے ساتھ عمل کرنے کے لئے گٹے سے ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔

اور جمہور کی عقلی دلیل یہ ہے کہ تیمّم میں دو عضو ساقط ہیں اور دو باقی ہیں جو ساقط ہیں وہ پورے ساقط ہیں اور جو باقی ہیں ان میں چہرہ بالاجماع پورا باقی ہے، پس قیاس کا تقاضہ ہاتھوں میں یہ ہے کہ وہ بھی پورے (جتنے وضو میں دھونے ضروری

ہیں) باقی رہیں اوراس قیاس کی تائید حدیث مرفوع سے ہوتی ہے۔

[۵-] بابُ التَّیَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ

[۳۳۹-] حدثنا حَجَّاجٌ، قَالَ: ثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ أَخْبَرَنِیْ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيْهِ: قَالَ عَمَّارٌ بِهٰذَا، وَضَرَبَ شُعْبَةُ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ؛ ثُمَّ أَدْنَاهُمَا مِنْ فِيْهِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ. [راجع: ۳۳۸]

وَقَالَ النَّضْرُ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، قَالَ: سَمِعْتُ ذَرًّا، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، قَالَ الْحَكَمُ: وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: عَمَّارٌ.

[۳۴۰-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ شَهِدَ عُمَرَ، وَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ: كُنَّا فِيْ سَرِيَّةٍ فَأَجْنَبْنَا، وَقَالَ: تفل فِيْهِمَا. [راجع: ۳۳۸]

[۳۴۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ: تَمَعَّكْتُ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَكْفِيْكَ الْوَجْهُ وَ الْكَفَّيْنِ. [راجع: ۳۳۸]

[۳۴۲-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: شَهِدْتُ عُمَرَ، قَالَ لَهُ عَمَّارٌ، وَسَاقَ الْحَدِيْثَ. [راجع: ۳۳۸]

[۳۴۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: ثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: قَالَ عَمَّارٌ: فَضَرَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ الْأَرْضَ، فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ. [راجع: ۳۳۸]

(حدیث ۳۳۹) **قولہ: قال عمار بهذا:** یعنی یہ روایت اور اوپر والی روایت ایک ہیں، گذشتہ روایت کو شعبہ رحمہ اللہ سے آدم بن ابی ایاسؒ نے روایت کیا تھا اور اس کو حجاج نے اور آدم کی روایت میں آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیمّم کا ذکر ہے اور اس روایت میں حضرت شعبہ رحمہ اللہ کے تیمّم کا، روایت بیان کر کے شعبہ رحمہ اللہ نے اپنے تلامذہ کو تیمّم کر کے دکھایا، پہلے ہاتھ زمین پر مارے، پھر منہ سے قریب کر کے ہاتھوں سے مٹی جھاڑ دی، کیونکہ حضرت شعبہؒ کو بھی تیمّم نہیں کرنا تھا، پھر ہاتھوں کو چہرے اور ہتھیلیوں پر پھیرا۔

قولہ: وقال النضر: یہ شعبہ رحمہ اللہ کے تیسرے شاگرد ہیں اس میں سماعت کی صراحت ہے: **سمعتُ ذرًّا ......**

قولہ: قال الحکم: اور حکم بن عتیبہ نے صراحت کی کہ میں نے یہ حدیث عبدالرحمٰن بن ابزی کے لڑکے سعید سے سنی ہے۔

حدیث (۳۴۰) **قولہ أنہ شھد عُمر**: یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بدو نے مسئلہ پوچھا تھا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ سنایا تھا اس وقت عبدالرحمٰن بن ابزی موجود تھے،...... **قولہ: تَفَلَ فیھما**: دونوں ہاتھوں میں تھوکا یعنی پھونک ماری۔

حدیث (۳۴۱) **قولہ: الکفین**: گیلری میں الکفان لکھا ہے، اور وہی صحیح ہے فتح الباری میں بھی الکفان ہے۔ اور یہ راوی کی تعبیر ہے، نبی ﷺ نے تو تیمّم کر کے دکھایا تھا........... **قولہ: حدثنا محمد بن بشار**: اس سند میں اور دوسری سندوں میں صرف یہ فرق ہے کہ اس سند میں امام بخاری اور شعبہ رحمہما اللہ کے درمیان دو واسطے ہیں اور دوسری سندوں میں ایک واسطہ ہے۔

غرض: سب سندیں صحیح ہیں اور یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے، مگر نبی ﷺ نے جو تیمّم کیا تھا وہ وضو کے تیمّم کا حوالہ تھا یا تیمّم سکھایا تھا؟ اس میں اختلاف ہے، امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ یہ سمجھتے ہیں کہ آپؐ نے تیمّم سکھایا تھا اور جمہور کا خیال یہ ہے کہ حوالہ تھا پس یہ نص فہمی کا اختلاف ہے۔

بابٌ: الصَّعِیْدُ الطَّیِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ، یَکْفِیْہِ مِنَ الْمَاءِ

پاک مٹی مسلمان کے وضو کا سامان ہے، وہ پانی کی جگہ کافی ہے

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ تیمّم طہارت مطلقہ ہے یا طہارت ضروریہ؟ طہارت مطلقہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک تیمّم سے جب تک حدث پیش نہ آئے ہر عبادت کر سکتے ہیں، جیسے وضو طہارت مطلقہ ہے، اور ایک وضو سے جب تک حدث پیش نہ آئے ہر عبادت کر سکتے ہیں، اور طہارت ضروریہ کا مطلب یہ ہے کہ جس عبادت کے لئے تیمّم کیا ہے وہی عبادت کر سکتے ہیں، دوسری عبادت نہیں کر سکتے، دوسری عبادت کے لئے دوسرا تیمّم کرنا ضروری ہے۔

امام اعظم اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک تیمّم طہارت مطلقہ ہے، جس طرح وضو طہارت مطلقہ ہے پس ایک تیمّم سے جب تک حدث پیش نہ آئے ہر عبادت کر سکتے ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک طہارت ضروریہ ہے، لہٰذا اگر نماز جنازہ کے لئے تیمّم کیا ہے تو اس تیمّم سے قرآن نہیں پڑھ سکتے، اس کے لئے الگ سے تیمّم کرنا پڑے گا، کیونکہ قاعدہ ہے: **الضرورۃ تَتَقَدَّرُ بقدر الضرورۃ**: جو عمل ضرورت کی وجہ سے کیا گیا ہو وہ بقدر ضرورت باقی رہتا ہے، ضرورت پوری ہونے پر وہ عمل ختم ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں جو الفاظ رکھے ہیں وہ ایک حدیث مرفوع کے الفاظ ہیں جو ترمذی (حدیث ۱۲۶) میں ہے، مگر حضرت نے اس کو حدیث کے طور پر پیش نہیں کیا، فرمایا: **الصعید الطیب وَضوء المسلم**: پاک مٹی (أرض پوری زمین کو کہتے ہیں اور صعید زمین کی اوپری سطح کو) مسلمان کی پاکی کا سامان ہے **یکفیہ من**

الماء: پاک مٹی پانی کی قائم مقامی کرتی ہے، یعنی جو کام پانی کرتا ہے وہی کام پاک مٹی کرتی ہے۔ اور پانی طہارت کاملہ ہے پس مٹی بھی طہارتِ کاملہ ہوگی۔ اور ترمذی شریف کی حدیث یہ ہے: **إن الصعید الطیّب وَضوءُ المسلم و إن لم یجد الماء عشر سنین:** پاک مٹی مسلمان کی پاکی کا سامان ہے، اگرچہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے، پھر جب پانی پائے تو چاہئے کہ اس کو اپنی کھال سے چھوائے اس لئے کہ وہ بہتر ہے۔ اس حدیث کی صاف دلالت ہے کہ تیمّم طہارت کاملہ ہے، طہارت ضروریہ نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: اگر کوئی دس سال تک بھی پانی نہ پائے تو اس کے لئے تیمّم کافی ہے، یعنی جب تک کوئی ناقص وضو یا ناقض غسل پیش نہ آئے اس تیمّم سے نمازیں پڑھ سکتا ہے، البتہ وضو اور غسل اصل ہیں اور تیمّم ان کا نائب ہے، اور اصل کی موجودگی میں نائب کام نہیں کرتا، اس لئے جب پانی مل جائے تو وضو اور غسل کرنا ضروری ہوگا۔

اور باب میں تین آثار اور ایک مرفوع حدیث ہے۔

[٦-] بابٌ: الصَّعِیْدُ الطَّیِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ، یَکْفِیْهِ مِنَ الْمَاءِ

[١-] وَقَالَ الْحَسَنُ: یُجْزِئُهُ التَّیَمُّمُ مَالَمْ یُحْدِثْ.

[٢-] وَأَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَیَمِّمٌ.

[٣-] وَقَالَ یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ: لَابَأْسَ بِالصَّلَاةِ عَلَی السَّبَخَةِ وَالتَّیَمُّمِ بِهَا.

۱- حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تیمّم کافی ہے جب تک حدث پیش نہ آئے، یعنی تیمّم طہارت مطلقہ اور کاملہ ہے، ایک تیمّم سے جب تک حدث پیش نہ آئے ہر عبادت کر سکتے ہیں۔

۲- حضرت ابن عباسؓ نے ایک مرتبہ تیمّم کر کے نماز پڑھائی اور ان کے مقتدی وضو کرنے والے تھے، ان میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے، فتح الباری میں اس کی صراحت ہے، اسی طرح اگلے باب میں یہ واقعہ آرہا ہے کہ ایک سریہ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جنابت لاحق ہوئی، سردی کا زمانہ تھا اور پانی بہت ٹھنڈا تھا، حضرت نے تیمّم کر کے نماز پڑھائی اور آپؓ کے مقتدی وضو کرنے والے تھے۔ یہ واقعہ نبی ﷺ سے ذکر کیا گیا، آپؐ نے اس پر کچھ نہیں فرمایا، ان دونوں واقعوں سے معلوم ہوا کہ تیمّم طہارت مطلقہ کاملہ ہے۔ اگر طہارت ضروریہ ہوتا تو متوضّئین کی امامت درست نہ ہوتی۔

۳- یحییٰ بن سعید انصاریؒ جو جلیل القدر تابعی ہیں اور مدینہ منورہ کے قاضی رہے ہیں، فرماتے ہیں: نمناک مٹی پر نماز پڑھنے میں اور تیمّم کرنے میں کچھ حرج نہیں —— یہ اثر پیش کر کے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک دوسرے اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اسی مٹی پر تیمّم جائز ہے جس میں اگانے کی صلاحیت ہے، غیر منبت مٹی پر تیمّم جائز نہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ مُنبت اور غیر منبت کا فرق نہیں کرتے، ان کے نزدیک ہر اس چیز سے جو زمین کی جنس سے ہو، خواہ اس میں اگانے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو اس سے تیمّم جائز ہے، حضرت یحییٰ نے یہی بات فرمائی ہے اور امام بخاریؒ

بھی اسی کے قائل ہیں۔

ملحوظہ: باب کی حدیث بہت طویل ہے، جلد اول میں دو جگہ آئے گی، ہم نے قارئین کی سہولت کے لئے اس کو چند حصوں میں لکھا ہے۔

[٣٤٤-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ ثَنَا يَحْيىَ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: ثَنَا عَوْفٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ رَجَاءٍ، عَنْ عِمْرَانَ، قَالَ: كُنَّا فِيْ سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَإِنَّا أَسْرَيْنَا، حَتّٰى إِذَا كُنَّا فِيْ آخِرِ اللَّيْلِ وَقَعْنَا وَقْعَةً ــــ وَلاَ وَقْعَةَ أَحْلَى عِنْدَ الْمُسَافِرِ مِنْهَا ــــ فَمَا أَيْقَظَنَا إِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ، فَكَانَ أَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ فُلاَنٌ، ثُمَّ فُلاَنٌ ثُمَّ فُلاَنٌ ــــ يُسَمِّيْهِمْ أَبُوْ رَجَاءٍ، فَنَسِيَ عَوْفٌ ــــ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الرَّابِعُ، وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا نَامَ لَمْ نُوْقِظْهُ حَتَّى يَكُوْنَ هُوَ يَسْتَيْقِظُ، لِأَنَّا لاَ نَدْرِيْ مَا يَحْدُثُ لَهُ فِيْ نَوْمِهِ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ عُمَرُ، وَرَأَى مَا أَصَابَ النَّاسَ، وَكَانَ رَجُلاً جَلِيْدًا، فَكَبَّرَ وَرَفَعَ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيْرِ، فَمَا زَالَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ بِالتَّكْبِيرِ حَتّٰى اسْتَيْقَظَ لِصَوْتِهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ شَكَوْا إِلَيْهِ الَّذِيْ أَصَابَهُمْ، قَالَ: "لاَضَيْرَ!" أَوْ: "لاَيَضِيْرُ! ارْتَحِلُوْا" فَارْتَحَلُوْا، فَسَارَ غَيْرَ بَعِيْدٍ، ثُمَّ نَزَلَ، فَدَعَا بِالْوَضُوْءِ فَتَوَضَّأَ وَنُوْدِيَ بِالصَّلاَةِ فَصَلَّى بِالنَّاسِ. فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلاَ تِهِ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ، قَالَ:" مَا مَنَعَكَ يَا فُلاَنُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ؟" قَالَ: أَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَلاَ مَاءَ قَالَ:" عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ، فَإِنَّهُ يَكْفِيْكَ"

ترجمہ: حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، اور ہم رات میں چلتے رہے، یہاں تک کہ جب رات کا آخری پہر آ گیا تو ہم گہری نیند سو گئے ــــ اور مسافر کے لئے رات کے آخری پہر کی نیند سے زیادہ لذیذ اور میٹھی کوئی چیز نہیں ہوتی ــــ پس ہمیں بیدار نہیں کیا مگر سورج کی تمازت نے، پس پہلا شخص جو بیدار ہوا فلاں تھا، پھر فلاں، پھر فلاں ــــ ابو رجاء عمران بن ملحان عطاردی نے ان کے نام لئے تھے مگر عوف اعرابی ان کو بھول گئے ــــ پھر چوتھے نمبر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے، اور نبی ﷺ جب سوتے تھے تو ہم آپؐ کو بیدار نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ آپؐ خود بیدار ہوتے، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ آپؐ کے لئے نیند میں کیا نئی بات پیدا ہو رہی ہے، پس جب حضرت عمرؓ بیدار ہوئے اور انھوں نے وہ بات دیکھی جو لوگوں کو پہنچی یعنی فجر کی نماز قضا ہو گئی اور عمرؓ مضبوط آدمی تھے، پس انھوں نے تکبیر کہی، اور تکبیر کے ساتھ اپنی آواز بلند کی، پس وہ برابر تکبیر کہتے رہے اور تکبر کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کی آواز سے نبی ﷺ بیدار ہو گئے، پس جب آپؐ بیدار ہوئے تو لوگوں نے آپؐ سے اس بات کی شکایت کی جو ان کو پہنچی، تو آپؐ نے فرمایا: لاضَیر: یا فرمایا: لایَضیر: کچھ نقصان نہیں! کوچ کرو، پس لوگوں نے کوچ کیا، پس آپؐ چلے مگر زیادہ دور نہیں، پھر اترتے اور وضو کے لئے پانی منگوایا، پس آپؐ نے وضو کیا اور نماز کے لئے اذان دی گئی، پس آپؐ نے

لوگوں کو نماز پڑھائی، پس جب آپؐ اپنی نماز سے پھرے تو اچانک ایک آدمی علاحدہ تھا، اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی، آپؐ نے پوچھا: کس چیز نے تجھ کو اے فلاں! لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے روکا؟ اس نے کہا: مجھے جنابت لاحق ہوئی ہے اور پانی نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تو مٹی کو لازم پکڑ، پس بیشک وہ تیرے لئے کافی ہے۔

تشریح: یہ لیلۃ التعریس کا واقعہ ہے، اور یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟ حاشیہ میں اتنے اقوال ہیں کہ شد خواب من پریشاں زکثرت تعبیر ہا! یعنی ایک خواب دیکھا، لوگوں نے اس کی اتنی تعبیریں دیں کہ خواب خود پریشان ہوگیا، میرے نزدیک یہ واقعہ کے متعلقات ہیں، اصل واقعہ پر توجہ مرکوز رکھنی چاہئے، اور متعلقات میں اختلاف ہو اور تطبیق مشکل ہو تو میں صرفِ نظر کرتا ہوں اس لئے کہ دورِاول میں عام طور پر روایات بالمعنی کی جاتی تھی۔ اور راوی روایت بار بار بیان کرتا تھا، ایسی صورت میں متعلقات میں اختلاف ناگزیر ہے۔

واقعہ: ایک رات رسول اللہ ﷺ پڑاؤ نہیں کرنا چاہتے تھے، کیونکہ وقت تھوڑا رہ گیا تھا، مگر صحابہ کے اصرار پر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری لینے پر آنحضرت ﷺ نے پڑاؤ کیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح صادق کے انتظار میں کجاوے سے ٹیک لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے تاکہ صبح ہوتے ہی اذان دیں اور لوگوں کو بیدار کریں، مگر سوء اتفاق کہ وہ بھی سو گئے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہوگیا، سورج کی تمازت سے کچھ حضرات بیدار ہوئے مگر انھوں نے نبی ﷺ کو جگانے کی ہمت نہیں کی، جب نبی ﷺ آرام فرماتے تھے تو صحابہ آپؐ کو بیدار نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ کہیں آپ پر وحی آرہی ہو اور بیدار کر دیا جائے تو یہ بات نامناسب ہوگی۔ انبیاء پر خواب میں بھی وحی آتی ہے، چوتھے نمبر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے، انھوں نے جب دیکھا کہ سورج نکل آیا ہے اور سب سو رہے ہیں تو باآواز بلند مسلسل تکبیر کہنی شروع کی جس سے نبی ﷺ بیدار ہوئے، لوگ گھبرائے ہوئے تھے، آنحضور ﷺ کی نماز ان کے پڑاؤ کا اصرار کرنے کی وجہ سے قضا ہوئی تھی، انھوں نے معذرت کی اور نماز قضا ہونے کا شکوہ کیا، آپؐ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا: **إِنَّ هذا منزلٌ حَضَرَنا فيه الشيطان**: اس جگہ شیطان حاضر ہوگیا ہے اس لیے یہاں سے کوچ کرو، چنانچہ قافلہ وہاں سے روانہ ہوا اور اگلی وادی میں پہنچ کر جو قریب ہی تھی سب نے باجماعت نماز ادا کی، جب آپؐ نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے تو ایک شخص کو دیکھا جو ایک طرف بیٹھا ہوا ہے، جماعت میں شریک نہیں ہوا، آپؐ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو اس نے کہا: مجھے جنابت لاحق ہوئی ہے اور میرے پاس پانی نہیں ہے اس لئے میں نے نماز نہیں پڑھی، آپؐ نے فرمایا: اس صورت میں تمہیں مٹی استعمال کرنی چاہئے، وہ تمہارے لئے کافی ہے، یعنی مٹی پانی کے قائم مقام ہے ایسی صورت میں تیمّم کر کے نماز پڑھنی چاہئے۔ حدیث کا یہی جز امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ہے، اس جز کی وجہ سے حضرتؒ یہ حدیث لائے ہیں۔

فائدہ (۱): نبی ﷺ نے وہاں سے کوچ کرنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ وہ مکروہ وقت تھا، آپؐ نے یہ خیال فرمایا کہ یہاں بیٹھ کر انتظار کیوں کریں، چلنا تو ہے ہی، اس لئے آپؐ نے کوچ کرنے کا حکم دیا پھر اگلی وادی میں پہنچ کر باجماعت نماز

قضا فرمائی، اس وقت تک مکروہ وقت نکل چکا تھا، ایک روایت میں حتی ابیضت الشمس اور ایک روایت میں ارتفعت الشمس کی صراحت ہے، یہ احناف کا رجحان ہے، ان کے نزدیک مکروہ وقت میں فجر الیوم پڑھنا جائز نہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ناسی اور نائم کے لئے فجر الیوم مکروہ وقت میں پڑھنا جائز ہے، وہ فرماتے ہیں کہ کوچ کرنا مکان کے نقصان سے بچانے کے لئے تھا، کیونکہ وہاں شیطان حاضر ہوگیا تھا، یہ مسئلہ تفصیل سے کتاب الصلوٰۃ میں آئے گا۔

فائدہ (۲): مشہور حدیث ہے ''نبی ﷺ کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا'' اس واقعہ سے اس پر کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا، اس لئے کہ صبح صادق ہوئی یا نہیں؟ اس کا ادراک آنکھ کرتی ہے اور آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں۔

ثُمَّ سَارَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَاشْتَكٰى إِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ، فَنَزَلَ فَدَعَا فُلاَنًا ـــ كَانَ يُسَمِّيْهِ أَبُوْ رَجَاءٍ، نَسِيَهُ عَوْفٌ ـــ وَدَعَا عَلِيًّا، فَقَالَ:" اذْهَبَا فَابْتَغِيَا الْمَاءَ" فَانْطَلَقَا، فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ أَوْ: سَطِيْحَتَيْنِ مِنْ مَاءٍ عَلٰى بَعِيْرٍ لَهَا، فَقَالاَ لَهَا: أَيْنَ الْمَاءُ؟ قَالَتْ: عَهْدِيْ بِالْمَاءِ أَمْسِ هٰذِهِ السَّاعَةَ، وَنَفَرُنَا خُلُوْفًا، قَالاَ لَهَا: انْطَلِقِيْ إِذًا، قَالَتْ: إِلٰى أَيْنَ؟ قَالاَ: إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَتْ: الَّذِيْ يُقَالُ لَهُ: الصَّابِئُ؟ قَالاَ: هُوَ الَّذِيْ تَعْنِيْنَ، فَانْطَلِقِيْ، فَجَاءَ ا بِهَا إِلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَحَدَّثَاهُ الْحَدِيْثَ، قَالَ: فَاسْتَنْزَلُوْهَا عَنْ بَعِيْرِهَا، وَدَعَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِإِنَاءٍ، فَفَرَّغَ فِيْهِ مِنْ أَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ أَوْ: السَّطِيْحَتَيْنِ، وَأَوْكَأَ أَفْوَاهَهُمَا، وَأَطْلَقَ الْعَزَالِيَ، وَنُوْدِيَ فِي النَّاسِ: اسْقُوْا وَاسْتَقُوْا، فَسَقٰى مَنْ سَقٰى، وَاسْتَقٰى مَنْ شَاءَ، وَكَانَ آخِرَ ذَاكَ أَنْ أَعْطَى الَّذِيْ أَصَابَتْهُ الْجَنَابَةُ إِنَاءً مِنْ مَاءٍ، قَالَ:" اذْهَبْ فَأَفْرِغْهُ عَلَيْكَ" وَهِيَ قَائِمَةٌ تَنْظُرُ إِلٰى مَا يُفْعَلُ بِمَائِهَا، وَأَيْمُ اللّٰهِ! لَقَدْ أُقْلِعَ عَنْهَا، وَإِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْنَا أَنَّهَا أَشَدُّ مِلْأَةً مِنْهَا حِيْنَ ابْتَدَأَ فِيْهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" اجْمَعُوْا لَهَا" فَجَمَعُوْا لَهَا مِنْ بَيْنِ عَجْوَةٍ، وَدَقِيْقَةٍ، وَسَوِيْقَةٍ، حَتّٰى جَمَعُوْا لَهَا طَعَامًا، فَجَعَلُوْهُ فِيْ ثَوْبٍ، وَحَمَلُوْهَا عَلٰى بَعِيْرِهَا، وَوَضَعُوْا الثَّوْبَ بَيْنَ يَدَيْهَا، قَالَ لَهَا:" تَعْلَمِيْنَ مَا رَزِئْنَا مِنْ مَائِكِ شَيْئًا، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ هُوَ الَّذِيْ أَسْقَانَا"

ترجمہ: پھر نبی ﷺ چلے پس لوگوں نے آپؐ سے پیاس کی شکایت کی، پس آپؐ نے پڑاؤ ڈالا، پس آپؐ نے فلاں کو (راوی حدیث حضرت عمران کو) بلایا ـــ ابو رجاء اس کا نام لیتے تھے جس کو عوف بھول گئے ـــ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا، پس فرمایا: دونوں جاؤ اور پانی تلاش کرو، پس وہ دونوں چلے، اور انھوں نے ایک عورت سے پانی کی دو پکھالوں کے درمیان ملاقات کی جو اونٹ پر سوار تھی، یعنی ایک عورت اونٹ پر پانی لا رہی تھی اور پانی کی دو پکھالیں اونٹ کی دونوں جانبوں میں تھیں، اور درمیان میں وہ بیٹھی ہوئی تھی (مَزادۃ اور سطیحۃ میں راوی کو شک ہے، دونوں کے اصل معنی توشہ دان کے ہیں، یہاں مراد پانی کی پکھال ہے) پس دونوں نے اس سے پوچھا: پانی کہاں ہے؟ اس نے کہا: میرا زمانہ پانی کے

ساتھ گذشتہ کل یہ گھڑی ہے یعنی یہاں سے چوبیس گھنٹے کے فاصلہ پر پانی ہے، اور ہمارے گھر والے کام پر گئے ہوئے ہیں، یعنی سفر پر گئے ہوئے ہیں اور گھر میں ہم عورتیں ہی ہیں اس لئے ہمیں ہی پانی لانا پڑتا ہے (یہ عورت مقامی تھی، اسے معلوم تھا کہ آس پاس پانی نہیں ہے اس لئے وہ اتنی دور سے پانی لا رہی ہے اور قافلہ والے پیاسے تھے اس لئے) دونوں نے اس عورت سے کہا: تب تو (تو ہمارے ساتھ) چل! اس نے کہا: کہاں؟ دونوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس، اس نے کہا: وہ جس کو صابی (بددین) کہا جاتا ہے؟ دونوں نے کہا: وہی وہ ہیں جن کو تو مراد لے رہی ہے، پس تو چل، پس وہ دونوں اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔ اور دونوں نے آپؐ سے واقعہ بیان کیا، پس لوگوں نے اس کو اونٹ سے اتارا (پکھالیں بندھی ہوئی تھیں اس لئے اونٹ بیٹھ نہیں سکتا تھا) اور نبی ﷺ نے ایک برتن منگوایا۔ اور اس میں دونوں پکھالوں کے مونہوں سے پانی ریڑھا اور دونوں کے منہ باندھ دیئے اور نیچے کا دہانہ کھول دیا، اور لوگوں میں اعلان کیا گیا: پلاؤ اور پیئو، پس پلایا جس نے پلایا اور پیا جس نے چاہا، اور آخر میں پانی کا ایک برتن اس شخص کو دیا جس کو جنابت لاحق ہوئی تھی اور فرمایا: جا اس کو اپنے اوپر ریڑھ لے، یعنی غسل کرلے، اور وہ عورت کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی، جو کچھ اس کے پانی کے ساتھ کیا جارہا تھا، اور اللہ کی قسم! اس کا پانی لینا بند کیا گیا اور ہمارے خیال میں ایسا آتا تھا کہ اب وہ زیادہ بھری ہوئی ہیں، جب سے ان میں سے لینا شروع کیا تھا، یعنی پہلے کی بہ نسبت اب زیادہ بھری ہوئی معلوم ہوتی تھیں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اس کے لئے جمع کرو، پس لوگوں نے اس کے لئے عجوہ کھجوریں، آٹا اور ستو جمع کیا، یہاں تک کہ اس کے لئے کھانا جمع ہوا، پس ان سب چیزوں کو ایک کپڑے میں باندھا اور اس کو اونٹ پر سوار کیا اور کپڑا اس کے سامنے رکھا، پس آپؐ نے اس سے فرمایا: ''تو جانتی ہے کہ ہم نے تیرے پانی میں سے کچھ کم نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ہیں جنھوں نے ہم کو پلایا''

تشریح: قرآن میں بھی صابئ آیا ہے (البقرۃ آیت ۶۲) صابی ایک فرقہ ہے جس نے ہر دین میں سے کچھ کچھ لیا ہے، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں اور فرشتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں (فوائد عثمانی) مگر اس عورت نے صابی بددین کے معنی میں استعمال کیا ہے، جیسے بدعتی ہم کو وہابی کہتے ہیں اور چوبیس نمبر بھی کہتے ہیں، چوبیس وہابی کے نمبر ہیں، جو بھی صحیح دین پر ہوتا ہے بدعتیوں کے نزدیک وہ وہابی ہے، اور وہ اس لفظ کو گالی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اسی طرح ہر وہ شخص جو دین محمد ﷺ میں داخل ہوتا تھا اس کے لئے لفظ صابی استعمال کرتے تھے۔

ترکیب: آخر ذلك: کو کان کا اسم بھی بنا سکتے ہیں پس مرفوع پڑھیں گے اور خبر بھی، پس منصوب پڑھیں گے، اور اناءٌ واحدٌ اسم مؤخر ہوگا، اور ذاك: اسم اشارہ ہے، اصل اسم اشارہ ذا ہے اس میں کاف بھی بڑھاتے ہیں ذاك اور لام اور کاف بھی بڑھاتے ہیں، ذٰلك گیلری میں ذٰلك لکھا ہے۔

فَأَتَتْ أَهْلَهَا، وَقَدِ احْتُبِسَتْ عَنْهُمْ، فَقَالُوْا: مَا حَبَسَكِ يَا فُلاَنَةُ؟ قَالَتِ: الْعَجَبُ! لَقِيَنِيْ رَجُلاَنِ فَذَهَبَا بِيْ إِلَى هٰذَا الَّذِيْ يُقَالُ لَهُ: الصَّابِئُ، فَفَعَلَ كَذَا وَكَذَا، فَوَ اللّٰهِ إِنَّهُ لَأَسْحَرُ النَّاسِ مِنْ بَيْنِ هٰذِهِ وَهٰذِهِ ـــــ وَقَالَتْ

بِإِصْبِعِهَا الْوُسْطٰی وَالسَّبَّابَةِ، فَرَفَعَتْهُمَا إِلَى السَّمَاءِ تَعْنِي السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ —— أَوْ إِنَّهُ لَرَسُولُ اللّٰهِ حَقًّا، فَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدُ يُغِيْرُوْنَ عَلٰى مَنْ حَوْلَهَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، وَلَا يُصِيْبُوْنَ الصِّرْمَ الَّذِيْ هِيَ مِنْهُ، فَقَالَتْ يَوْمًا لِقَوْمِهَا: مَا أَرٰى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ قَدْ يَدَعُوْنَكُمْ عَمْدًا، فَهَلْ لَكُمْ فِي الْإِسْلَامِ؟ فَأَطَاعُوْهَا فَدَخَلُوْا فِي الْإِسْلَامِ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: صَبَأَ: خَرَجَ مِنْ دِيْنٍ إِلٰى غَيْرِهِ. وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: الصَّابِئِيْنَ: فِرْقَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، يَقْرَؤُوْنَ الزَّبُوْرَ، أَصْبُ: أَمِلْ [انظر: ۳۴۸، ۳۵۷۱]

ترجمہ: پس وہ اپنے گھر پہنچی درانحالیکہ وہ ان سے روک لی گئی تھی۔ یعنی لوٹنے میں دیر ہوگئی تھی، لوگوں نے پوچھا: کس چیز نے تجھے روکا اے فلانی؟ اس نے کہا: حیرت انگیز بات نے! مجھ سے دوشخصوں نے ملاقات کی، پس وہ مجھے اس آدمی کے پاس لے گئے جس کو صابی کہا جاتا ہے، پس اس نے ایسا اور ایسا کیا یعنی پورا واقعہ سنایا۔ پس بخدا! وہ لوگوں میں سب سے بڑا جادوگر ہے اِس اور اِس کے درمیان اور اپنی وسطی اور سبابہ انگلیوں سے اشارہ کیا، پس دونوں کو آسمان کی طرف اٹھایا مراد لے رہی تھی وہ آسمان اور زمین کو یعنی آسمان وزمین کے درمیان وہ سب سے بڑا جادوگر ہے یا وہ اللہ کے سچے رسول ہیں!

پس اس کے بعد مسلمان حملہ کرتے تھے مشرکین کے ان قبائل پر جو اس کے اردگرد تھے اور اس شاخ پر حملہ نہیں کرتے تھے جس سے وہ عورت تھی، پس اس نے ایک دن اپنی قوم سے کہا: جو بات میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ تمہیں بالقصد چھوڑتے ہیں، پس کیا اسلام میں تمہاری رغبت ہے؟ پس لوگوں نے اس کا کہنا مانا اور وہ سب اسلام میں داخل ہوگئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صَبَأَ کے معنی ہیں ایک دین سے دوسرے دین کی طرف نکلنا، اور ابوالعالیہ کہتے ہیں: صابئ: اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتا ہے —— سورۂ یوسف میں أَصْبُ کے معنی ہیں: میں مائل ہوجاؤں گا۔

تشریح: جب مسلمانوں کے سریے اس علاقہ کی طرف جاتے تھے جہاں کی وہ عورت تھی تو مسلمان اردگرد کے قبائل پر حملہ کرتے تھے، اور اس عورت کے قبیلہ پر حملہ نہیں کرتے تھے، جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو اس عورت نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ محض اتفاق ہے، میرا خیال ہے کہ وہ بالقصد ایسا کرتے ہیں اس لئے کہ میرا ان پر ایک احسان ہے، میں نے ان کو پانی پلایا تھا، اس احسان کے بدلے میں وہ ہم سے درگذر کرتے ہیں، پس کیوں تم اس دین کو قبول نہیں کرتے؟ چنانچہ پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔

قوله: قالت العجب: یہ مستقل جملہ ہے أی **حَبَسَنی العجبُ**: مجھے ایک حیرت انگیز بات نے روک لیا .... **من بین هذه وهذه**: جب عورت نے مذکورہ بات کہی تو اس نے وسطی اور سبابہ دو انگلیاں آسمان کی طرف اٹھائیں پھر وسطی کو زمین کی طرف جھکایا اور کہا اس اور اس کے درمیان یعنی آسمان اور زمین کے درمیان یہ سب سے بڑا جادوگر ہے، اور اگر جادوگر نہیں تو پھر برحق رسول ہے۔ دونوں میں سے ایک بات ضرور ہے۔ اور **قالت بإصبعها إلخ** جملہ معترضہ ہے .... **الصِّرم**: کے معنی حاشیہ میں لکھے ہیں: کسی بڑے گاؤں میں سے علاحدہ ہوکر چند گھر الگ بس جائیں تو وہ **الصِّرم** ہے اردو میں اس کے لئے کوئی

خاص لفظ نہیں آپ اس کو پورہ یا مزرعہ کہہ سکتے ہیں.......... حدیث میں صابی لفظ آیا ہے اس کی مناسبت سے حضرت نے اس کے معنی بیان کئے ہیں، صَبَأَ کے معنی ہیں: ایک دین سے نکل کر دوسرا دین اختیار کرنا، خواہ وہ دین صحیح ہو یا غلط۔

اور صابی اہل کتاب کا ایک فرقہ تھا جو زبور پڑھتا تھا، یہ بات ابوالعالیہ نے فرمائی ہے، اور سورۂ یوسف میں اسی مادہ سے فعل استعمال ہوا ہے: أَصبُ إليهن: میں ان عورتوں کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔

بابٌ: إِذَا خَافَ الْجُنُبُ عَلَى نَفْسِهِ الْمَرَضَ أَوِ الْمَوْتَ أَوْ خَافَ الْعَطَشَ تَيَمَّمَ

بیماری، موت یا پیاس کا ڈر ہو تو جنبی تیمّم کر سکتا ہے

اس باب میں تین مسئلے ہیں:

۱- اگر وضو یا غسل میں پانی استعمال کرنے سے مرض کا اندیشہ ہو، یعنی بیمار پڑ جانے کا، بیماری بڑھ جانے کا یا بیماری کے ٹھیک ہونے میں دیر لگنے کا خطرہ ہو تو جمہور کے نزدیک بشمول امام بخاریؒ تیمّم کرنا جائز ہے، بعض حضرات خوفِ مرض میں تیمّم کے جواز کے قائل نہیں، یہ قول حضرات عطاء، طاؤس اور صاحبین کی طرف منسوب کیا گیا ہے، مگر جمہور کے نزدیک خوف مرض میں بھی تیمّم کرنا جائز ہے، وضو کے لئے بھی اور غسل کے لئے بھی، اور وہ بیماری جس میں پانی مضر نہیں جیسے سر میں درد ہے، اس میں پانی مضر نہیں، تو جمہور کے نزدیک اس قسم کی بیماری میں تیمّم جائز نہیں، اور داؤد ظاہری کے نزدیک اس میں بھی جائز ہے اور یہ امام مالک رحمہ اللہ کی بھی ایک رائے ہے۔

۲- اگر پانی استعمال کرنے میں موت کا خطرہ ہو تو بالاجماع تیمّم جائز ہے، غسل میں تو ایسا خطرہ ہوتا ہے مگر وضو میں ایسا خطرہ نادر ہے، اس لئے حلوانی اس کو ناجائز کہتے ہیں اور شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اگر وضو میں بھی ایسا خطرہ ہو تو تیمّم جائز ہے۔

۳- پانی تو موجود ہے مگر ضرورت کے لئے ہے، وضو یا غسل میں استعمال کریں گے تو پیاس سے مر جانے کا خطرہ ہے، اور آگے دور تک پانی کی امید نہیں تو بھی تیمّم جائز ہے —— امام بخاریؒ نے اس باب میں یہ تینوں مسئلے ایک ساتھ بیان کئے ہیں، اور تینوں صورتوں میں جمہور کے نزدیک تیمّم جائز ہے۔

اس کے بعد یہ بات جاننی چاہئے کہ علماء سلف وخلف اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جنبی کے لئے بھی تیمّم جائز ہے، البتہ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک جنبی کے لئے تیمّم جائز نہیں تھا، ان کے نزدیک یہ رخصت صرف وضو کے لئے تھی، پیچھے آپ نے یہ واقعہ پڑھا ہے کہ ایک بدو نے حضرت عمرؓ سے پوچھا تھا: اگر میں سفر میں جنبی ہو جاؤں اور پانی نہ پاؤں تو کیا کروں؟ آپؓ نے فرمایا: پانی ملنے کا انتظار کرو، وہاں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ موجود تھے، انھوں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! اس کے لئے تیمّم کی گنجائش ہے، آپ وہ واقعہ یاد کریں جو ہم دونوں کے ساتھ پیش آیا تھا، اس واقعہ میں: حضرت عمرؓ نے کہا: عمار اللہ سے ڈرو! حضرت عمارؓ نے کہا: آپ نہ چاہیں تو میں یہ واقعہ بیان نہ کروں، حضرت عمرؓ نے

فرمایا: نہیں، تم جس بات کے ذمہ دار بنے ہو ہم تم کو اس کے ذمہ دار بناتے ہیں، یہ روایت متفق علیہ ہے۔ اس واقعہ میں حضرت عمرؓ نے جنبی کے لئے جواز تیمّم کا فتوی نہیں دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ کی بھی یہی رائے تھی کہ جنبی کے لئے تیمّم جائز نہیں، اور حضرت ابن مسعودؓ کوفہ کے معلم، قاضی اور بیت المال کے ذمہ دار تھے، اور کوفہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے، ان کا فتوی جواز کا تھا، اس وجہ سے لوگوں میں خلفشار رہا، جب دو بڑے آدمیوں کے فتاوی مختلف ہوں تو لوگوں میں کنفیوژن لازمی ہے، ایسی صورت میں دونوں بڑوں کو مل بیٹھنا چاہئے اور باہم گفتگو کرکے کوئی ایک رائے قائم کرنی چاہئے، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، اور دونوں بزرگوں کے درمیان جنبی کے تیمّم کے جواز وعدم جواز میں گفتگو ہوئی۔ حضرت ابوموسیٰ نے کہا: اگر جنبی ایک مہینہ تک پانی نہ پائے تو کیا کرے؟ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: وہ پانی کا انتظار کرے، اور نماز قضاء کرے اس کے لئے تیمّم جائز نہیں، ابوموسیٰ نے حضرت عمارؓ والا واقعہ پیش کیا، ابن مسعودؓ نے فرمایا: اس حدیث پر حضرت عمرؓ نے قناعت نہیں کی، یعنی حضرت عمرؓ صاحب معاملہ تھے پھر بھی انھوں نے اپنی رائے نہیں بدلی، ابوموسیٰ نے کہا: آیتِ کریمہ: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ کو آپ کیا کریں گے؟ ابن مسعودؓ نے فرمایا: لو رُخِّص لهم في هذا لَأَوْشكوا إِذَا أَبْرَدَ عليهم الماء أن يتيمموا صعيدا طيبا: اگر لوگوں کو تیمّم کی اجازت دی جائے گی تو جب پانی ٹھنڈا ہوگا کھٹ سے تیمّم کر ڈالیں گے، حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا: إنما كَرِهْتُمْ هذا لذا: اچھا اس مصلحت سے آپ ناجائز کہتے ہیں؟ (یہ حدیث ابوداؤد (حدیث ۳۲۱) اور مسلم (حدیث ۱۱۰) میں بھی ہے، مگر ان میں تقدیم وتاخیر ہے) اب بات واضح ہوگئی کہ حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک جنبی کے لئے تیمّم جائز تھا، مگر وہ مصلحتاً ناجائز کہتے تھے، حضرت عمرؓ بھی غالباً تیمّم کو جائز سمجھتے تھے مگر مصلحتاً فتوی نہیں دیتے تھے، تاکہ لوگ سہل انگاری کا شکار نہ ہوجائیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی تردید کرتے۔

[۷-] بابٌ: إِذَا خَافَ الْجُنُبُ عَلَى نَفْسِهِ الْمَرَضَ أَوِ الْمَوْتَ أَوْ خَافَ الْعَطَشَ تَيَمَّمَ

وَيُذْكَرُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ أَجْنَبَ فِيْ لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ، فَتَيَمَّمَ، وَتَلاَ: ﴿وَلاَ تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ [النساء: ۲۹] فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَلَمْ يُعَنِّفْ.

وضاحت: مذکورہ واقعہ غزوۂ ذات السلاسل کا ہے، جو ماہ جمادی الثانیہ سنہ ۸ھ میں پیش آیا تھا، آنحضور ﷺ کو خبر ملی کہ قبیلۂ بنو قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس لئے آپؐ نے اس کی سرکوبی کے لئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمایا، اور تین سو آدمی اور تیس گھوڑ سوار ان کے ساتھ کئے، پھر پیچھے سے حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو دو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا جن میں حضرات شیخین: ابوبکر وعمر

رضی اللہ عنہما بھی تھے، اسی سفر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کو بدخوابی ہوئی، سردی کی شدت تھی، اس لئے انھوں نے غسل نہیں کیا، تیمّم کرکے صبح کی نماز پڑھائی۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو انھوں نے آیتِ کریمہ ﴿وَلاَ تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ پڑھی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو ہلاک مت کرو اور مجھے غسل کرنے میں ہلاکت نظر آرہی ہے، اس لئے میں نے غسل نہیں کیا، جب سریہ مدینہ منورہ واپس آیا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے اس واقعہ کا ذکر آیا تو آپؐ نے فرمایا: اے عمرو! تم نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھائی! حضرت عمروؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ کو اپنی جان کا خطرہ نظر آیا اور اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَلاَ تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ پس آپؐ نے تبسم فرمایا اور ان کو ڈانٹا نہیں، یعنی ان کے استدلال کو سراہا اور ان کے عمل کی تائید کی (البدایہ والنہایہ ۴: ۲۷۳، ابوداؤد حدیث ۳۳۲) معلوم ہوا کہ اگر پانی استعمال کرنے کی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ ہو تو تیمّم کرنا جائز ہے، اور پیاس اور مرض کے خوف کے وقت بھی یہی حکم ہے۔

[۳۴۵-] حدثنا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ: هُوَ غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِیْ وَائِلٍ، قَالَ: قَالَ أَبُوْ مُوْسَى لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ: إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ لاَ يُصَلِّیْ؟ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: نَعَمْ، إِنْ لَمْ أَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا لَمْ أُصَلِّ، لَوْ رَخَّصْتُ لَهُمْ فِیْ هٰذَا كَانَ إِذَا وَجَدَ أَحَدُهُمُ الْبَرْدَ، قَالَ هٰكَذَا: يَعْنِیْ تَيَمَّمَ وَصَلّٰى، قَالَ: قُلْتُ: فَأَيْنَ قَوْلُ عَمَّارٍ لِعُمَرَ؟ قَالَ: إِنِّیْ لَمْ أَرَ عُمَرَ قَنِعَ بِقَوْلِ عَمَّارٍ. [راجع: ۳۳۸]

[۳۴۶-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: ثَنَا أَبِیْ، ثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: سَمِعْتُ شَقِيْقَ بْنَ سَلَمَةَ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِیْ مُوْسَى، فَقَالَ لَهُ أَبُوْ مُوْسَى: أَرَأَيْتَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِذَا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدْ مَاءً، كَيْفَ يَصْنَعُ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لاَ يُصَلِّیْ حَتّٰى يَجِدَ الْمَاءَ، فَقَالَ أَبُوْ مُوْسَى: فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِقَوْلِ عَمَّارٍ حِيْنَ قَالَ لَهُ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم: "كَانَ يَكْفِيْكَ؟" قَالَ: أَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِذٰلِكَ مِنْهُ؟ فَقَالَ أَبُوْ مُوْسَى: فَدَعْنَا مِنْ قَوْلِ عَمَّارٍ، كَيْفَ تَصْنَعُ بِهٰذِهِ الْآيَةِ؟ فَمَا دَرَى عَبْدُ اللّٰهِ مَايَقُوْلُ، فَقَالَ: إِنَّا لَوْ رَخَّصْنَا لَهُمْ فِیْ هٰذَا لَأَوْشَكَ إِذَا بَرَدَ عَلَى أَحَدِهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَدَعَهُ وَيَتَيَمَّمَ، فَقُلْتُ لِشَقِيْقٍ: فَإِنَّمَا كَرِهَ عَبْدُ اللّٰهِ لِهٰذَا؟ قَالَ: نَعَمْ. [راجع: ۳۳۸]

حدیث (۱): ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: جب کوئی شخص پانی نہ پائے تو نماز نہ پڑھے؟ ابن مسعودؓ نے کہا: جی ہاں! اگر میں ایک مہینہ تک پانی نہ پاؤں تو نماز نہیں پڑھوں گا، اگر میں لوگوں کو اس کی اجازت دوں تو جب بھی کوئی شخص پانی ٹھنڈا پائے گا اس طرح کرے گا یعنی تیمّم کرکے نماز پڑھ لے گا یعنی میں جواز کا فتوی اس لیے نہیں دیتا کہ لوگ سہل انگاری سے کام نہ لیں ابوموسیٰ کہتے ہیں: میں نے کہا: حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ سے جو بات کہی تھی وہ کہاں ہے؟ یعنی اس کا کیا جواب ہے؟ ابن مسعودؓ نے کہا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عمارؓ کی بات پر

قناعت نہیں کی! ــــــ اس حدیث میں تقدیم وتاخیر ہے، واقعہ کی صحیح نوعیت اگلی حدیث میں ہے۔

حدیث (۲): شقیق بن سلمہ کہتے ہیں: میں ابن مسعود اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کے پاس تھا، حضرت ابن مسعودؓ سے ابو موسیٰؓ نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کیا فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص جنبی ہو اور وہ پانی نہ پائے تو کیا کرے؟ ابن مسعودؓ نے فرمایا: جب تک پانی نہ پائے نماز نہ پڑھے، ابوموسیٰؓ نے کہا: آپ حضرت عمارؓ کے اس قول کے بارے میں کیا کہیں گے جب نبی ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ تمہارے لئے یہ کافی ہے؟ ابن مسعودؓ نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہیں کی، پس ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا: حضرت عمارؓ کے قول کو رہنے دیجئے! آپ اس آیتِ کریمہ کا کیا کریں گے؟ پس حضرت عبداللہ نے نہیں جانا کہ کیا کہیں یعنی وہ لاجواب ہو گئے اور فرمایا: اگر ہم لوگوں کو اس کی اجازت دیں تو ہوسکتا ہے جب کسی کو پانی ٹھنڈا معلوم ہو تو وہ پانی کو چھوڑ کر تیمّم کرلیا کرے، سلیمان اعمش نے شقیق سے کہا: تو ابن مسعودؓ نے اسی وجہ سے تیمّم کی اجازت نہیں دی؟ شقیق نے کہا: جی ہاں۔

تشریح: مناظرہ کی اصل نوعیت اس حدیث میں ہے، اوپر والی حدیث میں تقدیم وتاخیر ہے، راوی کو جس طرح حدیث پہنچی اس نے اسی طرح روایت کردی، محدثین سند کی صحت پر اعتماد کرتے ہیں، ان کو واقعہ کی صحیح نوعیت سے کچھ لینا دینا نہیں، اور مجتہدین تمام روایات جمع کرکے حقیقتِ حال معلوم کرتے ہیں۔

بابٌ: اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ

تیمّم میں مٹی پر ایک مرتبہ ہاتھ مارنا ہے

اس ترجمہ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ تیمّم میں ایک مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارنا ہے یا دو مرتبہ؟ امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک ایک مرتبہ ہاتھ مارنا ہے، ایک مرتبہ ہاتھ زمین پر مار کر چہرہ اور ہتھیلیوں پر پھیر لینا کافی ہے، اور جمہور کے نزدیک تیمّم میں دو مرتبہ ہاتھ مارنا ضروری ہے، ایک مرتبہ چہرہ کے لئے اور ایک مرتبہ ہاتھوں کے لئے، اور ہاتھوں پر مسح کہنیوں تک کرنا ہے، چند ابواب پہلے یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ تیمّم میں ہاتھوں پر مسح کہاں تک ضروری ہے؟ وہاں حضرت جابر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیثیں بیان کی تھیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تیمّم میں دو ضربیں ہیں، ایک چہرہ کے لئے اور دوسری ہاتھوں کے لئے مرفقین تک۔

اور باب میں وہی حدیث ہے جو ابھی گذری، اس میں حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کا مناظرہ ہے، اُس حدیث سے یہاں استدلال اس طرح کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عمارؓ کو جو تیمّم سکھایا تھا اس میں ایک ہی مرتبہ زمین پر ہاتھ مارا تھا اور کفین تک مسح کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ تیمّم میں ایک ہی ضرب ہے اور ہاتھوں پر مسح گٹوں تک ہے، مگر تقریب تام نہیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمارؓ کو تیمّم کا طریقہ نہیں سکھایا تھا بلکہ وضو کے تیمّم کا جس کو حضرت

عمار رضی اللہ عنہ جانتے تھے حوالہ دیا تھا ـــــ اور جنابت کے تیمّم کے بعد یہ باب لاکر امام بخاریؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کا تیمّم ایک ہے۔

[۸-] بابٌ: التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ

[۳۴۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقٍ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ، فَقَالَ لَهُ أَبُوْ مُوْسَى: لَوْ أَنَّ رَجُلاً أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا، مَاكَانَ يَتَيَمَّمُ وَيُصَلِّيْ؟ قَالَ: فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لَايَتَيَمَّمُ، وَإِنْ كَانَ لَمْ يَجِدْ شَهْرًا. فَقَالَ لَهُ أَبُوْ مُوْسىٰ: فَكَيْفَ تَصْنَعُوْنَ بِهٰذِهِ الآيَةِ فِيْ سُوْرَةِ الْمَائِدَةِ ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾[المائدة: ٦]؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لَوْ رُخِّصَ لَهُمْ فِيْ هٰذَا لَأَوْشَكُوْا إِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَتَيَمَّمُوْا الصَّعِيْدَ؟ قُلْتُ: وَإِنَّمَا كَرِهْتُمْ هٰذَا لِذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ أَبُوْ مُوْسَى: أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ: بَعَثَنِيْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه فِيْ حَاجَةٍ فَأَجْنَبْتُ، فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ، فَتَمَرَّغْتُ فِيْ الصَّعِيْدِ، كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ:" إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ أَنْ تَصْنَعَ هٰكَذَا" فَضَرَبَ بِكَفِّهِ ضَرْبَةً عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ نَفَضَهَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهَا ظَهْرَ كَفِّهِ بِشِمَالِهِ، أَوْ: ظَهْرَ شِمَالِهِ بِكَفِّهِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ؟

وَزَادَ يَعْلٰى، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِيْ مُوْسَى، فَقَالَ أَبُوْ مُوْسَى: أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ: إِنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَعَثَنِيْ أَنَا وَأَنْتَ فَأَجْنَبْتُ، فَتَمَعَّكْتُ بِالصَّعِيْدِ، فَأَتَيْنَا رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَأَخْبَرْنَاهُ فَقَالَ:" إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ هٰكَذَا" وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ وَاحِدَةً .

[راجع: ۳۳۸]

وضاحت: قوله: ثم مسحَ بها ظَهْرَ كفه إلخ: دائیں ہاتھ کی پشت پر بایاں ہاتھ پھیرا یا کہا: بائیں ہاتھ کی پشت پر دایاں ہاتھ پھیرا، صرف ہاتھ کی پشت کا ذکر ہے، باطن کف یعنی ہاتھ کی اندرونی جانب کا ذکر نہیں، یہ روایت میں اختصار ہے، نیز اس میں کفین کا مسح چہرے کے مسح سے مقدم ہے، یہ سب واقعہ کے متعلقات ہیں، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

بابٌ

قادر بقدرۃ الغیر قادر نہیں

یہ بلا ترجمہ باب ہے، اور کالفصل من الباب السابق بھی ہوسکتا ہے اور تشحیذ اذہان کے لئے نیا باب بھی ہوسکتا ہے،

اگر کالفصل من الباب السابق ہےتو پھر حدیث سے اوپر والے مسئلہ پر استدلال کریں گے ——— لیلۃ التعریس میں جو صحابی جماعت میں شریک نہیں ہوئے تھے، جب نبی ﷺ نے ان سے وجہ دریافت کی تو انھوں نے جنبی ہونے کا عذر پیش کیا، آپؐ نے فرمایا: **عليك بالصعيد**: پاک مٹی لازم پکڑو، اس حکم پر ایک مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنے سے عمل ہوجاتا ہے، پس دوضربوں کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اس حدیث سے اوپر والے مسئلہ پر استدلال ہے، چونکہ اس استدلال کی نوعیت بدلی ہوئی ہے اس لئے اس پر باب رکھ دیا ہے۔

اور اگر اس باب کو تشحیذ اذہان کے لئے قرار دیں تو پھر اس ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ قادر بقدرۃ الغیر قادر نہیں، ظاہر ہے قافلہ میں کسی نہ کسی کے پاس پانی ہوگا یا چندہ کرکے غسل کے بقدر پانی حاصل کیا جاسکتا تھا، مگر چونکہ وہ پانی لوگوں کی ضرورت کا تھا، اور سفر میں ضرورت کے بقدر ہی پانی ہوتا ہے، اس لئے نبی ﷺ نے پانی کا چندہ کرکے غسل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا: **عليك بالصعيد**: معلوم ہوا کہ قادر بقدرت الغیر قادر نہیں، اور یہی حنفیہ کی رائے ہے، پس یہاں یہ باب لگائیں گے: **بابٌ: لايُحْسِنُ سؤالُ الماء من الغير إذا ظَنَّ كونهُ مَشْغُوْلاً**: جب یہ گمان ہو کہ پانی ضرورت کے بقدر ہے تو مانگنا نہیں چاہئے یعنی اگر جنبی کے پاس پانی نہیں ہے اور ساتھیوں کے پاس پانی ہے مگر وہ ضرورت کے بقدر ہے تو پانی مانگنا اچھا نہیں، وہ پانی پر قادر نہیں، پس تیمّم کرے۔

[۹-] بابٌ

[۳٤۸-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَوْفٌ، عَنْ أَبِيْ رَجَاءٍ قَالَ: ثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ الْخُزَاعِيُّ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَأَى رَجُلاً مُعْتَزِلاً لَمْ يُصَلِّ فِيْ الْقَوْمِ، فَقَالَ: "يَافُلاَنُ مَا مَنعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ فِيْ الْقَوْمِ؟" فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَلاَ مَاءَ، قَالَ: "عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيْكَ"

[راجع: ۳٤٤]

وضاحت: چند ابواب پہلے جو طویل حدیث گذری ہے یہ وہی حدیث ہے اور **عليك بالصعيد فإنه يكفيك**: میں براعت اختتام ہے، یہ براعت استہلال کی ضد ہے، براعتِ استہلال: کتاب کے شروع میں ایسے الفاظ لانا جو مقصود کی طرف مشیر ہوں، اور براعتِ اختتام: مقصود کے ختم پر ایسا لفظ لانا جو بحث کے مکمل ہونے کی طرف مشیر ہو، **فإنه يكفيك**: میں براعتِ اختتام ہے کہ کتاب الطہارۃ کے مسائل پورے ہوگئے۔

﴿الحمدللہ! کتاب الیتمم کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کِتَابُ الصَّلَاۃ

نماز کا بیان

باب کیف فُرضت الصلاۃُ فی الإسراء؟

معراج میں نماز کس طرح فرض کی گئی؟

کتاب الصلاۃ شروع کرنے سے پہلے چند باتیں ذہن نشین کرلیں:

پہلی بات: جتنی اصطلاحات شرعیہ ہیں سب کے پہلے لغوی معنی ہوتے ہیں، پھر شریعت ان کو اپنی خاص اصطلاح بناتی ہے، اس کو منقول شرعی کہتے ہیں۔ اور لغوی اور شرعی معنی کے درمیان کبھی ادنی مناسبت ہوتی ہے، اور دونوں کا باہم جوڑ بٹھانا مشکل ہوتا ہے، جیسے صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں: تَحْرِیْكُ الصَّلَوَیْنِ: کولہے کی ہڈیوں کو ہلانا۔ جب آدمی رکوع سجدہ کرتا ہے تو پیچھے کی ہڈیاں ہلتی ہیں۔ اور بعض کے نزدیک: مصلیکے لغوی معنی ہیں: وہ گھوڑا جو ریس میں دوسرے نمبر پر آئے۔ ظاہر ہے ان معانی کے درمیان اور شرعی معنی کے درمیان مشکل سے مناسبت سمجھ میں آئے گی، اس لئے مناسبت کی بحث غیر ضروری ہے، بس شرعی معنی جان لینا کافی ہے۔

دوسری بات: شریعت میں صلوٰۃ کے اصل معنی ہیں: غایتِ انعطاف یعنی آخری درجہ کا میلان [1] پھر متعلقات کے اعتبار سے اس کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں، اللہ کا اپنے نبی ﷺ اور مؤمنین کی طرف جو میلان ہے اس کی نوعیت الگ ہے، اور فرشتوں کا نبی ﷺ کی طرف میلان الگ نوعیت کا ہے۔ اور مؤمنین کا نبی ﷺ کی طرف یا اللہ کی طرف میلان اور طرح کا ہے۔ جیسے ماں باپ کا اولاد کی طرف اور اولاد کا ماں باپ کی طرف میلان ہوتا ہے، یا بیوی کا شوہر کی طرف اور شوہر کا بیوی کی طرف میلان ہوتا ہے مگر موقع اور محل کے اعتبار سے ان کی نوعیتیں مختلف ہوتی ہیں۔

(۱) یہ معنی علامہ ابو القاسم سُہیلی رحمہ اللہ نے الروض الانف میں بیان کئے ہیں، پھر وہاں سے علامہ محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے **التعلیق الصبیح علی مشکاۃ المصابیح** (۲۶۲:۱) میں نقل کئے ہیں۔

اللہ کا: نبی ﷺ کی طرف یا مؤمنین کی طرف میلان: اللہ کا مہربانی فرمانا ہے، یہی معنی اللہ کے شایانِ شان ہیں، ارشاد پاک ہے:﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ (احزاب آیت ۵۶) اور ارشاد ہے:﴿هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ﴾ (احزاب۴۳) یہاں صلاۃ کے یہی معنی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نبی ﷺ پر اور مؤمنین پر مہربانی فرماتے ہیں۔

اور جب صلوٰۃ کا تعلق فرشتوں کے ساتھ ہو تو اس کے معنی استغفار کے ہوتے ہیں۔ استغفار میں س، ت طلب کے لئے ہیں، اور غَفر کے معنی ہیں: ڈھانکنا، چھپانا، جنگوں میں سر پر جو خود پہنتے ہیں اس کو مِغْفر کہتے ہیں، وہ اسی غفر سے بنا ہے، پس استغفار کے معنی ہیں: فرشتوں کا یہ دعا کرنا کہ اے اللہ! اپنے حبیب ﷺ کو اور مؤمنین کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لیں، ارشاد پاک ہے:﴿يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ (مؤمن آیت ۷) فرشتے مؤمنین کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں، یہی ان کی مؤمنین پر صلوٰۃ ہے۔

اور جب صلوٰۃ کا تعلق مؤمنین کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کے معنی دعا کے ہوتے ہیں، ارشاد پاک ہے:﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ﴾ (احزاب۵۶) اے مؤمنو! آنحضور ﷺ کے لئے خاص دعا کرو۔

اور جب بندوں کی صلوٰۃ کا اللہ کے ساتھ تعلق ہو تو اس کے معنی ہیں: ارکانِ مخصوصہ اور افعالِ مخصوصہ کا مجموعہ، جس کو فارسی میں نماز اور سنسکرت میں نَمنا کہتے ہیں، یہی بندوں کا اللہ کی طرف آخری درجہ کا انعطاف (میلان) ہے۔

تیسری بات: استغفار خاص ہے اور دعا عام ہے، دعا کے مفہوم میں دو باتیں شامل ہیں، ایک: آنحضور ﷺ کے لئے رحمت مانگنا، یہی استغفار کا مفہوم ہے، دوسری: نبی ﷺ پر نازل ہونے والے دین کو پھیلانے کے لئے جدوجہد کرنا، ظاہر ہے یہ کام فرشتوں کا نہیں، یہ کام مؤمنین کا ہے، پس فرشتے صرف رحمت کی دعا کرتے ہیں اور مسلمانوں پر اس کے علاوہ شریعت محمد ﷺ کو پھیلانے کی کوشش کرنا بھی ہے، مؤمنین اگر صرف دعا کریں اور دین کو پھیلانے کی کوشش نہ کریں تو یہ ناقص درود ہے۔

اس کی نظیر: لفظ تلاوت ہے، اس کے مفہوم میں قرآن کو پڑھنا اور اس میں جو احکام ہیں ان کے واجب الامتثال ہونے کا عقیدہ رکھنا اور ان پر عمل کرنا سب باتیں داخل ہیں، پس جو شخص قرآن کو سمجھ کر اور اس عقیدے کے ساتھ پڑھتا ہے کہ اس میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان کی اطاعت کرے گا تو یہ کامل تلاوت ہے، اور سمجھے بغیر قرآن کی تلاوت ناقص تلاوت ہے، کیونکہ اس صورت میں نزول قرآن کا جو مقصد ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔ اسی لئے تلاوت کا لفظ آسمانی کتابوں کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ واجب الامتثال ہونے کے عقیدہ کے ساتھ صرف آسمانی کتابوں کو پڑھا جاتا ہے، مگر بندہ ناقص تلاوت پر بھی ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: قاری کو قرآن کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں، اور الٓمٓ ایک حرف نہیں بلکہ تین حرف ہیں (مشکوٰۃ حدیث ۲۱۳۷) اسی طرح جو شخص صرف درود پر اکتفا کرتا ہے اور شریعت کی اشاعت کے لئے جدوجہد نہیں کرتا اس کا درود اگرچہ ناقص ہے، مگر ثواب اس کے حق میں بھی ثابت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[۸-] کتاب الصلاۃ

[۱-] بابٌ کَیْفَ فُرِضَتِ الصَّلاَۃُ فِیْ الإِسْرَاءِ؟

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: حَدَّثَنِیْ أَبُوْ سُفْیَانَ بْنُ حَرْبٍ فِیْ حَدِیْثِ هِرَقْلَ، فَقَالَ: یَأْمُرُنَا - یَعْنِیْ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم - بِالصَّلاَۃِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ.

تشریح:

کیف کی تین قسمیں ہیں: (۱) کیف مکانی (۲) کیف زمانی (۳) کیف حالی۔ اور کیف کبھی بمعنی کم بھی آتا ہے اور باب میں سب مراد ہیں، تفصیل درج ذیل ہے:

۱- کیف مکانی کا مطلب یہ ہے کہ نماز کہاں فرض ہوئی؟ کیا دیگر فرائض کی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معرفت نماز کی بھی فرضیت نازل ہوئی، یا اس کو فرض کرنے کے لئے کوئی خاص طریقہ اختیار کیا گیا؟ —— جواب: نماز کی رفعت وعظمت کا خیال کر کے اللہ عزوجل نے خاص طور پر حضور اقدس ﷺ کو عرش پر بلایا اور نمازوں کا تحفہ عنایت فرمایا، اس کی دلیل اسراء والی حدیث ہے جو باب میں آرہی ہے، اور یہ واقعہ معروف ومشہور ہے، آپ حضرات اس کو جانتے ہیں۔

۲- کیف بمعنی کَم کا مطلب یہ ہے کہ کتنی نمازیں فرض کی گئیں؟ ابتداء ہی سے پانچ نمازیں فرض کی گئیں یا زائد فرض کی گئیں، پھر کم کر کے پانچ کردیں؟ —— جواب: ابتداء میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں پھر گھٹا کر پانچ کردی گئیں، جب نمازیں پانچ رہ گئیں تو وحی آئی کہ یہ صورتاً پانچ ہیں مگر حقیقتاً پچاس ہیں، یعنی ان پانچ سے پچاس کا ثواب ملے گا، اور یہ ضابطہ بھی تحفۃً عطا فرمایا کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے، یہ ضابطہ اولاً نمازوں کے تعلق سے نازل ہوا تھا، پھر اس کو عام کردیا کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے، عطا میں پیغمبر کی عظمتِ شان کا لحاظ رکھا گیا اور پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر امت کے ضعف کا لحاظ کر کے پانچ کردی گئیں، مگر ان کا ثواب برقرار رکھا، ثواب نہیں گھٹایا، اس کی دلیل بھی اسراء کی حدیث ہے جو باب میں آرہی ہے۔

۳- کیف زمانی کا مطلب یہ ہے کہ نماز کب فرض ہوئی؟ مکی دور میں یا مدنی دور میں؟ —— جواب: نماز مکی دور میں فرض ہوئی ہے اس کی دلیل ہرقل کی حدیث ہے، قیصر روم ہرقل نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے جو دس یا گیارہ سوال کئے تھے جس کی تفصیل کتاب الوحی (حدیث ۶) میں گذر چکی ہے، ان میں ایک سوال یہ تھا کہ تم میں جو صاحب نبوت کا دعوی کرتے ہیں وہ تمھیں کیا تعلیم دیتے ہیں؟ ابوسفیانؓ نے کہا: وہ ہمیں نماز کا، سچائی کا اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں، یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے مگر ظاہر ہے کہ ابوسفیانؓ مدینہ نہیں آئے پس لامحالہ انھوں نے یہ بات مکی دور میں سنی ہے، معلوم ہوا کہ

نماز مکی دور میں فرض ہوئی ہے۔

۴- اور کیف حالی کا مطلب یہ ہے کہ موجود شکل میں نماز فرض ہوئی ہے یا اس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟ ــــــ

جواب: شروع میں تمام نمازیں مغرب کے علاوہ دو دو رکعت فرض کی گئی تھیں، مغرب شروع ہی سے تین رکعت فرض ہوئی ہے تاکہ وہ دن کی تمام نمازوں کو طاق بنائے، اور اس کے مقابلہ میں رات میں تہجد کے بعد وتر مشروع کیا گیا ہے، تاکہ وہ رات کی تمام نمازوں کو طاق بنائے، اور دو طاق مل کر جوڑا بنیں اور پچاس نمازوں کی تعداد پوری ہو۔

جاننا چاہئے کہ جو حکم تخفیفاً منسوخ ہوتا ہے اس کا استحباب باقی رہتا ہے، شب معراج میں پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں، پھر تخفیف ہوئی اور پانچ رہ گئیں پس ان کا استحباب آج بھی باقی ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ اور امت میں بہت سے نیک بندے آج بھی رات دن میں پچاس نمازیں (رکعتیں) پڑھتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نماز در حقیقت ایک رکعت ہے، دوسری رکعت اس کے ساتھ ملائی گئی ہے، اس لئے اس کو شفعہ کہتے ہیں، کیونکہ بندہ ایک رکعت کما حقہ نہیں پڑھ سکتا، اسی لئے ایک رکعت نماز کو دم بریدہ کہا گیا ہے۔ پس دوسری رکعت ملانا ضروری ہے، تاکہ پہلی رکعت میں جو کمی رہ گئی ہے اس کی دوسری رکعت سے تلافی ہو جائے، اور جو احکام آسانی کے لئے منسوخ ہوتے ہیں ان کا استحباب باقی رہتا ہے، چنانچہ نبی ﷺ رات دن میں پچاس رکعتیں پڑھتے تھے، آپؐ یہ تعداد فرض، واجب، سنن مؤکدہ، تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین وغیرہ کے ذریعہ پوری فرماتے تھے، اور پچاس کی تعداد میں جو کمی رہ جاتی اس کو تہجد میں پورا فرمادیا کرتے تھے، اسی وجہ سے آپؐ نے کم وبیش تہجد پڑھا ہے اور چونکہ مغرب کی تین رکعتیں ہیں اس لئے پچاس کی تعداد پوری نہیں ہوسکتی یا انچاس ہوگی یا اکیاون اس لئے پچاس کی تعداد پوری کرنے کے لئے تین رکعت وتر بڑھائی گئی، تاکہ تعداد ٹھیک پوری ہو جائے، یہ بات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے توثیق الکلام میں (جس کی میں نے شرح لکھی ہے جس کا نام ہے: ''کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟'') اور مصابیح التراویح میں (یہ رسالہ فارسی میں ہے اور مولانا اشتیاق صاحب رحمہ اللہ نے اس کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے: **أنوار المصابیح**) بیان فرمائی ہے، اور اس مسئلہ پر مفصل کلام کیا ہے۔

غرض شروع میں مغرب کے علاوہ تمام نمازیں دو دو رکعت فرض کی گئی تھیں، پھر سفر میں نمازوں کو ان کی اصل حالت پر برقرار رکھا گیا اور حضر میں ظہرین اور عشاء میں دو دو رکعت کا اضافہ کیا گیا، اور فجر میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا، بلکہ اس کی جگہ طویل قراءت مسنون کی گئی، دیگر نمازیں مشغولیت کے اوقات میں ہیں اس لئے طویل قراءت مسنون نہیں کی گئی بلکہ رکعتیں ڈبل کر دی گئیں، اور فجر کا وقت فراغت کا وقت ہے اس لئے اس میں طویل قراءت مسنون کی گئی، اور طویل قراءت مسنون کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فجر کا پورا وقت نماز میں صرف کیا جائے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فجر میں پوری سورۂ یوسف پڑھتے تھے، اور نبی ﷺ ساٹھ سے سو آیتیں پڑھتے تھے، یعنی تقریباً پون پارہ پڑھتے تھے، میرے ابا نے مجھ سے

بارہا اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ جب وہ ڈابھیل میں پڑھتے تھے تو کبھی مدرسہ کی مسجد میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فجر کی نماز پڑھاتے تھے، حضرت شاندار قاری تھے، آواز نہایت عمدہ تھی، جب آپ کا ارادہ نماز پڑھانے کا ہوتا تو صبح صادق کے دس پندرہ منٹ کے بعد مصلے پر آجاتے، مسجد میں دو چار آدمی ہوتے، جب دار الاقامہ میں طلبہ کو پتا چلتا کہ آج حضرت نماز پڑھا رہے ہیں تو بھگدڑ مچ جاتی، اور طلبہ جلدی جلدی وضو کر کے آتے اور نماز میں شریک ہو جاتے، سنت بھی نہیں پڑھتے تھے، جب حضرت نماز پوری فرماتے تو ہم صحن میں نکل کر آسمان کی طرف دیکھتے کہ سورج تو نہیں نکل آیا؟ اتنی طویل نماز پڑھاتے تھے، میرے استاذ مصری صاحب قدس سرہ بھی دار العلوم کی قدیم مسجد میں فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں ہمیشہ پون پارہ پڑھتے تھے، اور دوسری رکعت میں ایک دو رکوع پڑھتے تھے پوری مسجد میں کوئی مسبوق نہیں ہوتا تھا، فجر پڑھنے کا مسنون طریقہ یہی ہے، مگر اب لوگوں میں سستی آگئی ہے پھر ہم عجمی قرآن سمجھتے نہیں، اس لئے صورتِ حال بدل گئی ہے، بہر حال فجر میں رکعتیں نہیں بڑھائی گئیں بلکہ اس کی جگہ طویل قراءت مسنون کی گئی، اور مغرب کو سفر و حضر میں اس کی حالت پر برقرار رکھا گیا، چنانچہ سفر میں بھی مغرب تین ہی رکعت فرض ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مغرب میں قصر اس لئے نہیں کہ ڈیڑھ رکعت کیسے پڑھیں گے؟ یہ بات صحیح نہیں، اس لئے کہ قصر کے لئے آدھا ہونا ضروری نہیں، دو رکعتیں بھی پڑھ سکتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ مغرب شروع ہی سے تین رکعتیں فرض کی گئی ہیں، اور وہ سفر و حضر میں اپنی اصلی حالت پر ہے، اور فجر بھی اپنی اصلی حالت پر ہے، اور ظہرین اور عشاء کو سفر میں اصل حالت پر قرار رکھا۔ اور حضر میں ان میں دو رکعتوں کا اضافہ کیا گیا، اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو باب کے آخر میں آرہی ہے۔

خلاصۂ کلام: کیف عام ہے، چاروں قسموں کو شامل ہے، مگر **فی الإسراء** کی قید سے باب خاص ہو گیا، اب یا تو کیف بمعنی کم مراد ہے یا کیف مکانی مراد ہے، اگر حضرتؒ یہ قید نہ لگاتے تو باب چاروں قسموں کو عام رہتا۔

فائدہ (۱): معراج کا واقعہ کب پیش آیا؟ اس سلسلہ میں سن، ماہ، تاریخ اور دن سب میں اختلاف ہے، سن میں چار قول ہیں: ۵ نبوی، ۶ نبوی، ۱۱ نبوی اور ۱۲ نبوی۔ اور مہینہ کے بارے میں پانچ قول ہیں: ماہ ربیع الاول، ربیع الآخر، رجب، رمضان اور شوال۔ اور تاریخ کے بارے میں دو قول ہیں: ۱۷ اور ۲۷۔ اور دن کے بارے میں تین قول ہیں: بارکی رات، جمعہ کی رات اور پیر کی رات، اور لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۲۷ رجب کی شب میں پیش آیا ہے، واللہ اعلم (ہدایت القرآن ۵:۳۲)

فائدہ (۲): حاشیہ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کو تین مرتبہ معراج ہوئی ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ چھ مرتبہ معراج ہوئی ہے، پانچ منامی معراجیں ہیں اور ایک کے بارے میں اختلاف ہے، حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ بھی منامی تھی، باقی سب صحابہ اس کو حالت بیداری میں اور جسمانی مانتے ہیں۔

ملحوظہ: یہ طویل حدیث ہے اور مشہور ہے، آپ حضرات کی پڑھی ہوئی اور سنی ہوئی ہے، زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں،

چند ٹکڑوں میں ترجمہ اور ضروری وضاحت کے ساتھ پیش ہے۔

[۳۴۹-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ أَبُوْ ذَرٍّ يُحَدِّثُ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِيْ وَأَنَا بِمَكَّةَ، فَنزَلَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ فَفَرَجَ صَدْرِيْ، ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ جَاءَ بَطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ، مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيْمَانًا، فَأَفْرَغَهُ فِيْ صَدْرِيْ، ثُمَّ أَطْبَقَهُ، ثُمَّ أَخذَ بِيَدِيْ فَعَرَجَ بِيْ إِلىٰ السَّمَاءِ [الدُّنْيَا]، فَلَمَّا جِئْتُ إِلىٰ السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالَ جِبْرِيْلُ عليه السلام لِخَازِنِ السَّمَاءِ: افْتَحْ، قَالَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَاجِبْرِيْلُ، قَالَ: هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، مَعِيْ مُحَمَّدٌ [صلى الله عليه وسلم] فَقَالَ أَأُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَلَمَّا فُتِحَ عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا، فَإِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلىٰ يَمِيْنِهِ أَسْوِدَةٌ، وَعَلىٰ يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ، إِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِيْنِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَسَارِهِ بَكَى، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، وَالِابْنِ الصَّالِحِ، قُلْتُ لِجِبْرِيْلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا آدَمُ، وَهٰذِهِ الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَشِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيْهِ، فَأَهْلُ الْيَمِيْنِ مِنْهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ، وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِيْ عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ، فَإِذَا نَظَرَ عَنْ يَمِيْنِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى، حَتّٰى عُرِجَ بِيْ إِلىٰ السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ، فَقَالَ لِخَازِنِهَا: افْتَحْ، فَقَالَ لَهُ خَازِنُهَا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُ فَفُتِحَ"

قَالَ أَنَسٌ: فَذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ فِيْ السَّمٰوَاتِ آدَمَ، وَإِدْرِيْسَ، وَمُوْسىٰ، وَعِيْسىٰ، وَإِبْرَاهِيْمَ، وَلَمْ يُثْبِتْ كَيْفَ مَنازِلُهُمْ، غَيْرَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ آدَمَ فِيْ السَّمَاءِ الدُّنْيَا، وَإِبْرَاهِيْمَ فِيْ السَّمَاءِ السَّادِسَةِ.

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر کی چھت کھولی گئی درانحالیکہ میں مکہ میں تھا، یعنی یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے، پس حضرت جبرئیل علیہ السلام گھر میں داخل ہوئے، پس میرے سینہ کو کھولا پھر اس کو زمزم کے پانی سے دھویا، پھر ایک سونے کا تھال لائے جس میں ایمان ویقین اور دانشمندی بھری ہوئی تھی، اور اس کو میرے سینہ میں انڈیل دیا، پھر سینہ کو بند کردیا، پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے کر پہلے آسمان پر چڑھے، پس جب میں پہلے آسمان پر پہنچا تو حضرت جبرئیلؑ نے دربان سے کہا: دروازہ کھولو، اس نے پوچھا: کون ہے؟ انھوں نے کہا: یہ جبرئیلؑ ہیں (**هذا جبرئيل**: یہ التفات ہے، اور التفات سے ادبیت پیدا ہوتی ہے، تفصیل آپ نے مختصر المعانی میں پڑھی ہے) اس نے پوچھا: کیا آپ کے ساتھ اور بھی کوئی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں، اس نے پوچھا: کیا آپ کو ان کے لانے کے لئے بھیجا گیا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، پس جب دروازہ کھولا گیا تو ہم آسمان دنیا پر چڑھے، پس اچانک وہاں ایک شخص بیٹھے ہیں، ان کی دائیں جانب کچھ اشخاص ہیں اور ان کی بائیں جانب کچھ اشخاص ہیں، جب وہ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں،

پس انھوں نے کہا: خوش آمدید اے نیک پیغمبر اور اچھے بیٹے! میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ دائیں بائیں جو اشخاص ہیں وہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں، ان میں سے دائیں جانب والے جنتی ہیں اور ان کی بائیں جانب کے لوگ جہنمی ہیں، پس جب وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں، اس لئے ہنستے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو غمگین ہوتے ہیں اس لئے روتے ہیں، یہاں تک کہ حضرت جبرئیلؑ مجھے دوسرے آسمان پر لے کر چڑھے اور اس آسمان کے دربان سے بھی کہا: دروازہ کھولو، تو اس دربان نے بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وہی سوال وجواب کیا جو پہلے آسمان والے نے کیا تھا، پھر دروازہ کھول دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آسمانوں میں حضرات آدم، ادریس، موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ملاقات ہوئی (یہ سب حضرات آپؐ کے استقبال کے لئے وہاں موجود تھے) اور ان کی جگہیں بیان نہیں کیں (بالاجمال اتنا بتایا کہ یہ یہ انبیاء استقبال کے لئے آسمانوں میں تھے) بجز اس کے کہ انھوں نے یہ بیان کیا کہ پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، اور چھٹے آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے، یعنی ان دونوں کی جگہوں کی تعیین کی۔

تشریح:

۱- ایک رات سرورِ دو عالم ﷺ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہ کے مکان میں آرام فرما تھے اور نیم خوابی کی حالت تھی کہ یکا یک چھت پھٹی، اور حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اندر تشریف لائے اور آپؐ کو جگایا اور مسجدِ حرام لے گئے، آپ حطیم میں جا کر سو گئے، پھر حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام نے آپؐ کو جگایا اور زم زم پر لائے اور سینۂ مبارک چاک کیا، اور قلب مبارک کو زم زم سے دھویا، پھر ایک سونے کا تھال لائے جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا، اس ایمان وحکمت کو قلب مبارک میں بھر کر سینہ ٹھیک کر دیا، تاکہ قلب مبارک عالم ملکوت کی سیر اور تجلیات الٰہیہ اور آیاتِ ربانیہ کا مشاہدہ کر سکے اور اللہ عزوجل کے کلام کا تحمل کر سکے، بعد ازاں براق پر سوار کر کے مسجد حرام سے مسجد اقصی لے گئے، بُراق: بَرْق سے ہے جس کے معنی ہیں تجلی، اور اس سواری کو براق اس کی برق رفتاری کی وجہ سے کہا گیا ہے، یہ سواری جنت سے لائی گئی تھی، اور وہ سفید لانبے قد کا ایک چوپایہ تھا، گدھے سے کچھ بڑا اور خچر سے کچھ چھوٹا، اور یہ جو مشہور ہے کہ اس کا چہرہ عورت جیسا اور جسم گھوڑے جیسا تھا وہ محض بے اصل بات ہے، اور اس سواری کی تیز رفتاری کا حال یہ تھا کہ وہ اپنا پیر منتہائے نظر پر رکھتی تھی، آپ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے اور اس کنڈے سے اس کو باندھ دیا جس سے انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے، پھر آپؐ مسجد میں تشریف لے گئے اور اس کی محراب میں تحیۃ المسجد ادا فرمائی، اس وقت مسجد اقصیٰ منہدم کر دی گئی تھی، مگر پوری ختم نہیں ہوئی تھی محراب باقی تھی، صخرۃ اپنی جگہ پر تھا اور باقی مسجد کو کوڑی دان بنا دیا گیا تھا، تاریخ طبری وقائع سن ۱۵ ہجری میں اس کی صراحت ہے۔ پھر ایک زینہ (لفٹ) لایا گیا جس میں درجے بنے ہوئے تھے، اس کے ذریعہ آپؐ آسمانوں پر چڑھے، مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصی تک کا سفر اسراء کہلاتا ہے، اور مسجدِ اقصیٰ سے آسمانوں کے اوپر تک کی سیر معراج کہلاتی ہے، اسراء کے معنی

ہیں: رات میں چلنا، اور أسری به کے معنی ہیں: رات میں لے چلنا، چونکہ یہ سفر رات میں کرایا گیا تھا اس لئے وہ اسراء کہلاتا ہے، اور معراج کے معنی ہیں: سیڑھی، چونکہ آسمانوں پر چڑھنے کے لئے سیڑھی لگائی گئی تھی اس لئے اس سفر کو معراج کہتے ہیں، مگر عرف عام میں دونوں کے مجموعہ کو معراج کہتے ہیں۔

۲- حضرت جبرئیل علیہ السلام جو خلاف معمول چھت کھول کر اندر آئے تھے اس کی علماء نے متعدد حکمتیں بیان فرمائی ہیں، ایک حکمت یہ بیان کی ہے اس طرح آپؐ کو شق صدر پر مطمئن کرنا تھا کہ جس طرح حضرت جبرئیل کے چھت کھولنے میں نہ مٹی گری اور نہ کوئی عیب پیدا ہوا، اسی طرح وہ شق صدر کریں گے، اور بغیر کسی تکلیف کے سینہ چاک کر کے ٹھیک کر دیں گے آپؐ کو بالکل مطمئن رہنا چاہئے۔

۳- حضرت جبرئیل علیہ السلام جس سونے کے تھال میں ایمان وحکمت بھر کر لائے تھے وہ جنت کا مظروف تھا، اور جنت کے سونے چاندی کے ظروف کا استعمال جائز ہے، جنتی جنت میں وہی ظروف استعمال کریں گے، لہٰذا یہ اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ سونے کے برتن کا استعمال جائز نہیں، حضرت جبرئیلؑ نے اس کو کیسے استعمال کیا؟ علاوہ ازیں: یہ حکم انسانوں کے لئے ہے، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام انسان نہیں فرشتہ ہیں۔

۴- حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی دائیں پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو ان کی قیامت تک کی تمام نیک اولاد نکل آئی، پھر بائیں پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو ان کی قیامت تک کی تمام بری اولاد نکل آئی، یہ مضمون قرآنِ کریم (اعراف ۱۷۲) میں بھی ہے اور احادیث میں بھی، اور معراج میں نبی ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں جو لوگ دیکھے تھے وہ بنی آدم کی روحیں تھیں، دائیں جانب نیک اور جنتی روحیں تھیں ان کو دیکھ کر حضرت آدم خوش ہوتے تھے اور ہنستے تھے، اور بائیں جانب بری اور جہنمی روحیں تھیں ان کو دیکھ کر آپ غمگین ہوتے تھے اور روتے تھے۔

قَالَ أَنَسٌ: فَلَمَّا مَرَّ جِبْرِيْلُ عليه السلام بِالنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِإِدْرِيْسَ، قَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا إِدْرِيْسُ، ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوْسَى، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا مُوْسَى، ثُمَّ مَرَرْتُ بِعِيْسَى فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ هٰذَا عِيْسٰى، ثُمَّ مَرَرْتُ بِإِبْرَاهِيْمَ، فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا إِبْرَاهِيْمُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کو حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے لے کر گذرے تو انھوں نے کہا: خوش آمد نیک پیغمبر اور بہترین بھائی! میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ ادریسؑ ہیں، پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا، انھوں نے بھی یہی کہا: خوش آمدید نیک پیغمبر اور بہترین

بھائی! میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ موسیٰؑ ہیں، پھر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا، انھوں نے بھی کہا: خوش آمدید نیک پیغمبر اور بہترین بھائی! میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبرئیلؑ نے بتایا: یہ عیسیٰ ہیں، پھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گذرا انھوں نے کہا: خوش آمدید نیک پیغمبر اور بہترین بیٹے! میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ ابراہیم ہیں۔

تشریح:

۱- پہلے آسمان پر حضرت آدم سے، دوسرے پر حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ سے، تیسرے پر حضرت یوسف سے، چوتھے پر حضرت ادریس سے، پانچویں پر حضرت ہارون سے، چھٹے پر حضرت موسیٰ سے اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات ہوئی تھی، تمام انبیاء نے آپؐ کا استقبال کیا اور آپؐ کو خوش آمدید کہا اور دعائیں دیں، یہ ترتیب مسلم شریف کی حدیث (نمبر ۲۵۹) میں آئی ہے۔ اور یہاں حضرت ابوذرؓ کی حدیث میں یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چھٹے آسمان میں ملاقات ہوئی، اس کی توجیہ علماء نے یہ کی ہے کہ حضرت ابراہیم نے آپؐ کا استقبال چھٹے آسمان پر کیا تھا اور ساتویں آسمان تک آپؐ کے ساتھ رہے تھے، پس دونوں باتیں صحیح ہیں۔

۲- حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آپؐ کے اجداد میں سے ہیں اس لئے دونوں حضرات نے ابن کہا، اور باقی انبیاء نے أخ کہا، اور حضرت ادریس علیہ السلام نے بھی أخ کہا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں نہیں، یہی رائے امام بخاری رحمہ اللہ کی ہے، حضرت نے کتاب الانبیاء باب ۴ میں فرمایا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام ہی درحقیقت حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، اور وہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ہیں، مگر دوسری رائے یہ ہے کہ حضرت ادریس کا زمانہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہے، اور وہ بھی آپؐ کے اجداد میں ہیں، چنانچہ ایک روایت میں انھوں نے بھی ابن کہا ہے۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِيْ ابْنُ حَزْمٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَأَبَا حَبَّةَ الْأَنْصَارِيَّ، كَانَا يَقُوْلَانِ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "ثُمَّ عُرِجَ بِيْ حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْأَقْلَامِ" قَالَ ابْنُ حَزْمٍ، وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " فَفَرَضَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى أُمَّتِيْ خَمْسِيْنَ صَلَاةً، فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى مَرَرْتُ عَلٰى مُوْسَى، فَقَالَ: مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلٰى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ: فَرَضَ خَمْسِيْنَ صَلَاةً، قَالَ: فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ [ذٰلِكَ] فَرَاجَعْتُ، فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوْسٰى، قُلْتُ: وَضَعَ شَطْرَهَا، فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ، فَرَاجَعْتُ، فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ، فَرَاجَعْتُهُ، فَقَالَ: هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ، لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوْسَى، فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ، فَقُلْتُ: اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّيْ، ثُمَّ انْطَلَقَ بِيْ حَتّٰى انْتَهٰى بِيْ إِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى،

وَغَشِيَهَا أَلْوَانٌ لَا أَدْرِيْ مَاهِيَ، ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ، فَإِذَا فِيهَا حَبَائِلُ اللُّؤْلُؤِ، وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ"

[انظر: ١٦٣٦، ٣٣٤٢]

ترجمہ: ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھے ابن حزمؒ نے خبر دی کہ ابن عباس اور ابوحبہ انصاری رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: پھر مجھے لے کر چڑھا گیا یہاں تک کہ میں اس لیول پر پہنچ گیا، جہاں میں قلم کی سرسراہٹ سن رہا تھا، ابن حزم اور انس بن مالک کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: پس اللہ عزوجل نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں، پس میں ان کو لے کر واپس آیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا، انھوں نے پوچھا: اللہ نے آپؐ کے فائدے کے لئے آپؐ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں فرض کیں، موسیٰؑ نے کہا: اپنے رب کے پاس واپس جائیں (اور تخفیف کی درخواست کریں) اس لئے کہ آپؐ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی (وہ پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی) پس میں واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے بعض (پانچ) نمازیں معاف کردیں (شطر کا ترجمہ یہاں آدھا ٹھیک نہیں) میں پھر حضرت موسیٰ کے پاس آیا اور بتایا کہ اللہ نے کچھ نمازیں معاف کردیں، انھوں نے پھر واپس جانے کے لئے کہا اور یہ کہا کہ آپؐ کی امت اتنی نمازیں بھی نہیں پڑھ سکے گی، چنانچہ میں دوبارہ اللہ کے دربار میں پہنچا، اللہ نے کچھ اور معاف کردیں، میں نے واپس آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی خبر دی تو انھوں نے پھر واپس جانے اور تخفیف کی درخواست کرنے کے لئے کہا، چنانچہ میں پھر واپس گیا، تو اللہ عزوجل نے فرمایا: یہ پانچ ہیں اور یہ پچاس ہیں، یعنی یہ حقیقتاً پانچ ہیں مگر حکماً پچاس ہیں، ان پانچ پر پچاس کا ثواب ملے گا، ہماری بات بدلتی نہیں، پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انھوں نے کہا: پھر واپس جایئے اور تخفیف کی درخواست کیجئے، میں نے انکار کیا کہ اب مجھے واپس جانے میں شرم آتی ہے، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ باڈر کی بیری پر پہنچے، اس درخت پر مختلف الوان چھا رہے تھے، میں نہیں جانتا کہ وہ کیا تھے، پھر میں جنت میں داخل کیا گیا تو اس میں موتیوں کی رسیاں (جھاڑ فانوس) لٹک رہی تھیں، اور جنت کی مٹی مشک کی تھی۔

قولہ: قال ابن شهاب: یہاں سے دوسری حدیث شروع ہوئی ہے، پہلی حدیث ابن شہاب زہریؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی تھی، اور اس حدیث کو وہ ابن حزم کے واسطہ سے ابن عباس اور ابوحیّہ انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں۔

قولہ: قال ابن حزم وأنس: یہ تیسری حدیث ہے اور اس کو ابن شہاب: ابن حزم اور حضرت انسؓ دونوں سے روایت کرتے ہیں۔

قولہ: أَسْمَعُ فيه صَرِيْفَ الأقلام: سن رہا ہوں میں اس مقام میں قلموں کے چلنے کی آواز کو، سرسراہٹ کو —— انبیاء سے ملاقات کے بعد آپؐ آگے تشریف لے گئے اور ایسے مقام پر پہنچے جہاں کِلْکِ کرّوبیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی، یعنی

بارگاہ کے بالکل قریب پہنچ گیا (کلک: قلم، کرّوبی: مقرب فرشتہ)

قولہ: وضع شَطْرَھا: حضور اقدس ﷺ کو اللہ عزوجل نے جو خاص تحفہ عنایت فرمایا تھا وہ پچاس نمازیں تھیں، جب آپؐ یہ تحفہ لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرے اور ان کے پوچھنے پر بتلایا کہ امت کے لئے یہ سوغات ملی ہے تو انھوں نے واپس لوٹنے کا اور تخفیف کی درخواست کرنے کا مشورہ دیا، اور فرمایا: آپؐ کی امت پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی، میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، چنانچہ نبی ﷺ بارگاہِ خداوندی میں واپس گئے اور تخفیف کی درخواست کی، ہر بار پانچ نمازیں کم ہوئیں، یہاں حدیث میں لفظ شطر ہے اس کا ترجمہ بعض (کچھ) ہے، اور کسی روایت میں ایک مرتبہ میں دس یا پندرہ کم کرنے کا تذکرہ ہے وہ راوی نے چند مرتبہ کو جمع کیا ہے۔

جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی واپس جانے کے لئے کہا مگر آنحضور ﷺ نے فرمایا: اب شرم آتی ہے، پس وحی آئی کہ یہ شب وروز میں پانچ نمازیں ہیں مگر ہر نماز کا دس گنا بدلہ ہے پس مجموعہ پچاس ہو گیا، اس طرح پہلا قول حکماً برقرار رہا۔ اور یہاں حدیث میں یہ ہے کہ نبی ﷺ جب آخری مرتبہ درخواست لے کر گئے تو نمازوں کی تعداد پانچ کردی گئی، اور یہ مژدہ سنایا گیا کہ یہ حکماً پچاس ہیں، یہ واقعہ کے متعلقات میں اختلاف ہے، واقعہ کی اصل صورت وہ ہے جو میں نے اوپر بیان کی کہ جب پانچ نمازیں رہ گئیں اور حضرت موسیٰ نے پھر واپس جانے کے لئے کہا اور نبی ﷺ نے عذر کیا تو وحی آئی اور یہ خوشخبری سنائی گئی، ترمذی کی روایت (حدیث ۲۰۹) میں ثم نُودی ہے جس سے میری بیان کردہ بات کی تائید ہوتی ہے۔

سوال: آنحضور ﷺ نو مرتبہ آئے گئے اور آپؐ کو شرم نہیں آئی۔ دسویں بار درخواست کرتے ہوئے شرم کیوں آئی؟

جواب: حضرت الاستاذ علامہ بلیاوی قدس سرہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے پاس جانے سے شرم نہیں آئی بلکہ امت کے پاس خالی ہاتھ جانے سے شرم آئی، ہر بار پانچ نمازیں معاف ہو رہی تھیں، اس بار پھر جائیں گے تو وہ پانچ بھی ختم ہو جائیں گی، پس امت کے پاس خالی ہاتھ جانا پڑے گا اس سے نبی ﷺ کو شرم آئی، مگر حدیث کے الفاظ اسْتَحْیَیْتُ رَبی: کا مفاد یہ ہے کہ اللہ کے پاس جانے سے شرم آئی، اور مذکورہ اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب تک اللہ نے چاہا شرم نہیں آئی، اور جب اللہ کی مشیت ٹھہری کہ پانچ نمازیں امت پر فرض رہیں تو نبی ﷺ کے قلب اطہر میں شرم ڈالی گئی ﴿وَمَا تَشَاؤُنَ إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾

پھر آنحضور ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ (باڑ کی بیری) تک گئے، یہ جگہ نیچے والی کائنات کی سرحد ہے، اور اس سے آگے علویات کے درجات ہیں، فرشتے اعمال کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جاتے ہیں، اور متعلقہ احکام وہیں سے لاتے ہیں، اس سے آگے نیچے والے فرشتے نہیں جاسکتے، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی یہاں پہنچ کر سپر ڈال دی، اور آگے رفاقت سے معذرت کردی، شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اس مضمون کو ایک شعر میں باندھا ہے:

گر یک سرِ مُو برتر پرم ❁ فروغ تجلی بسوزد پرم
(اگر میں بال برابر بھی آگے بڑھوں تو تجلی کی چمک میرے پر جلا دے گی)

چنانچہ وہاں سے آگے حضور اقدس ﷺ تنہا گئے، اور جنت کی سیر فرمائی، اس میں موتیوں کے جھاڑ فانوس لٹکے ہوئے تھے اور جنت کی مٹی مشک کی تھی، یعنی مٹی مشک کی طرح معطر تھی —— آپؐ فرماتے ہیں: میں نے سدرۃ المنتہی کو دیکھا، اس کو طرح طرح کے رنگوں نے چھپا رکھا تھا، لیکن ان رنگوں کی حقیقت مجھے معلوم نہ ہوسکی۔ اور بعض روایت میں آیا ہے کہ اس بیری کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر تھے، اور اس کے پھل مٹکوں جیسے تھے، پھر جب اس بیری کے درخت پر بحکم خداوندی انوار چھاگئے جو چھاگئے تو اس کا حسن اس درجہ دوبالا ہوگیا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی اس کی خوبصورتی بیان نہیں کرسکتا (مسلم حدیث ۲۵۹) اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے سدرۃ المنتہی کو دیکھا جس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سونے کے پتنگے اور مختلف رنگوں کے پروانے گر رہے تھے (مسلم شریف حدیث ۲۷۹) اور وہاں آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں (مسلم حدیث ۲۸۰)

قولہ: حبائل اللُّؤْلُؤ: اس کے معنی ہیں: موتیوں کی رسیاں۔ حاشیہ میں لکھا ہے کہ اکثر محدثین کے نزدیک یہ تصحیف ہے، صحیح لفظ جنابذ ہے، آئندہ حدیث (نمبر ۳۳۴۲) میں یہی لفظ آرہا ہے اور یہ جُنْبُذ کی جمع ہے، اور یہ گنبد کی عربی ہے، گنبد فارسی لفظ ہے، ہم نے اس کا ترجمہ موتیوں کے جھاڑ فانوس کیا ہے۔

[۳۵۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ صَالِحِ بْنِ کَیْسَانَ، عَنْ عُرْوَۃَ بْنِ الزُّبَیْرِ، عَنْ عَائِشَۃَ أُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَتْ: فَرَضَ اللّٰہُ الصَّلَاۃَ حِیْنَ فَرَضَھَا رَکْعَتَیْنِ رَکْعَتَیْنِ فِیْ الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، فَأُقِرَّتْ صَلَاۃُ السَّفَرِ، وَزِیْدَ فِیْ صَلَاۃِ الْحَضَرِ. [انظر: ۱۰۹۰، ۳۹۳۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اللہ عزوجل نے جب نمازیں فرض کیں تو دو دو رکعت فرض کیں، حضر میں بھی اور سفر میں بھی، پھر سفر کی نماز کو اس کی اصلی حالت پر برقرار رکھا اور حضر کی نماز میں اضافہ فرمایا۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز شروع میں موجودہ شکل پر فرض نہیں ہوئی، بلکہ اس میں بعد میں تبدیلی آئی ہے، ابتداء میں سب نمازیں مغرب کے علاوہ دو دو رکعت فرض کی گئی تھیں، سفر میں بھی اور حضر میں بھی، پھر سفر کی نماز کو اس کی اصلی حالت پر برقرار رکھا اور حضر میں ظہرین اور عشاء میں دو دو رکعت کا اضافہ کیا اور فجر میں طویل قراءت مسنون کی، اور مغرب میں کوئی تبدیلی نہیں کی، نہ رکعت میں اضافہ کیا اور نہ طویل قراءت مسنون کی —— اور یہ حدیث امام اعظم رحمہ اللہ کی صریح دلیل ہے، ان کے نزدیک سفر میں اتمام جائز نہیں، دیگر ائمہ کے نزدیک سفر میں قصر کی اجازت رخصت ترفیہ ہے، پس اتمام جائز ہے، تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

أَبْوَابُ ثِيَابِ الْمُصَلِّيْ

بابُ وُجُوْبِ الصَّلاَةِ فِي الثِّيَابِ

صحت صلاۃ کے لئے ستر عورت شرط ہے

یہاں سے أبوابُ ثیاب المصلّی یا: أبواب سَتر العورۃ شروع ہورہے ہیں۔ کتنے کپڑوں میں نماز پڑھنی چاہئے؟ اس سلسلہ میں قرآنِ کریم میں جو ہدایت ہے، پہلے وہ جاننی چاہئے، ارشادِ پاک ہے: ﴿يٰبَنِيْ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْآتِكُمْ وَرِيْشًا، وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ (اعراف آیت ۲۶) اے آدمیو! ہم نے تم پر ایسا لباس اتارا ہے جو تمہاری شرم کی جگہوں کو چھپاتا ہے اور آرائش کے کپڑے اور پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر ہے ــــ یہ آیت لباس کے سلسلہ میں ہے، نماز کے کپڑوں کے بارے میں نہیں ہے، مگر نمازی کے کپڑوں سے اس کا من وجہ تعلق ہے۔

اس آیت میں لباس کے تین درجے بیان فرمائے ہیں:

پہلا درجہ: لباس سوءۃ (شرم کی جگہوں) کو چھپاتا ہے، سوءۃ: وہ اعضاء ہیں جن کا کھلا رہنا خود انسان کو بھی برا لگتا ہے اور دوسروں کو بھی، احناف کے نزدیک ناف کے نیچے سے گھٹنے کے نیچے تک کا حصہ سوءۃ ہے، ناف سوءۃ میں داخل نہیں، اور شوافع کے نزدیک گھٹنے بھی داخل نہیں، اور مالکیہ کے نزدیک ران بھی داخل نہیں، ان کے نزدیک ناف کے نیچے جہاں بال اُگتے ہیں وہاں سے لے کر اگلی پچھلی شرم گاہیں اور ان کا اردگرد سوءۃ ہے، ران ننگا پانہیں، کیونکہ ان کا کھولنا انسان کو خود بھی برا نہیں لگتا اور دوسروں کو بھی برا نہیں لگتا، مزدور ران کھولے ہوئے کام کرتے ہیں، تفصیل کہیں آگے آئے گی، یہاں بس اتنا جاننا چاہئے کہ ﴿يُوَارِيْ سَوْآتِكُمْ﴾ لباس کا پہلا درجہ ہے، یعنی ستر عورت ہر حال میں فرض ہے نماز کے ساتھ اس کی کوئی تخصیص نہیں۔

دوسرا درجہ: ریش کا ہے، ریش پرندے کے پروں کو کہتے ہیں، پرندے کے لئے اس کے پر زینت ہیں، پروں کے بغیر پرندہ برا معلوم ہوتا ہے، پروں کے ساتھ خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح لباس بھی انسان کے لئے زینت ہے، اس سے آدمی خوبصورت معلوم ہوتا ہے اور لباس کے اس درجہ کے ساتھ نماز کا تعلق ہے۔ ارشادِ پاک ہے: ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (اعراف ۳۱) جب نماز پڑھو تو زینت لے کر پڑھو، مزین ہوکر نماز پڑھو، ریش اور زینت کا ایک ہی مفہوم ہے اور یہ درجہ سارے بدن کو ڈھانکنا ہے، اور سر ڈھانکنا زینت میں داخل ہے یا نہیں؟ فیشن پرست سر ڈھانکنے کو زینت میں نہیں لیتے، ان کے نزدیک سر کھلا رکھنا زینت ہے، اور مردوں ہی کے لئے نہیں عورتوں کے لئے بھی سر کھلا رکھنا زینت ہے، مگر اسلامی تہذیب میں سر ڈھانپنا زینت ہے، تین کپڑے زینت ہیں: ایک: پاجامہ (پاؤں کا کپڑا) خواہ وہ لنگی ہو، شلوار ہو یا کوئی اور کپڑا ہو۔ دوسرا: وہ کپڑا جو پورے بدن کو ڈھانپے خواہ وہ کرتا ہو، چادر ہو یا کوئی اور کپڑا ہو،

تیسرا: سرپوش (سرڈھانکنے کا کپڑا) اس کا سب سے اعلی درجہ عمامہ ہے پھر ٹوپی، ان تین کپڑوں کا نام اسلامی تہذیب میں زینت ہے۔

تیسرا درجہ: پرہیزگاری والا لباس ہے، یعنی نیک لوگوں کا لباس ہے ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ اور یہ سب سے بہتر لباس ہے پس اس کو پہنو، کوٹ پتلون صالحین کا لباس نہیں، اسے مت پہنو۔

اور اللہ تعالیٰ نے لباس المتقین (پرہیزگاروں کا لباس) کہنے کے بجائے لباس التقوی (پرہیزگاری کا لباس) کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ صالحین کے لباس سے پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے۔ مفسرین کہتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جو جادوگر میدان میں اترے تھے انھوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا لباس پہن رکھا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس لباس کی برکت سے ان کو ایمان کی دولت سے نواز دیا، اور یہ تجربہ کی بات ہے جس کا جی چاہے تجربہ کرکے دیکھ لے، ایک مہینہ صالحین کا لباس پہنو اور اس کے اثرات دیکھو اور ایک مہینہ دنیا والوں کا لباس پہنو، اپنے قلب میں تبدیلی محسوس کروگے۔

سنت لباس کیا ہے؟

سنت لباس کیا ہے؟ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کا لباس سنت لباس ہے، مگر ساری دنیا کے احوال یکساں نہیں، کہیں بہت زیادہ سردی ہے اور کہیں گرمی، اور کہیں کا موسم معتدل ہے۔ اسی طرح تہذیبیں بھی مختلف ہیں اس لئے کوئی معین لباس ساری دنیا کے لئے سنت نہیں بن سکتا، اس لئے ہر زمانہ میں اور ہر جگہ صالحین کا جو لباس ہے وہی تقوی والا لباس اور سنت لباس ہے، یورپ وامریکہ میں جہاں سردی بہت زیادہ ہوتی ہے علماء اور صالحین بھی پتلون پہنتے ہیں اور اس کے اوپر کرتا پہنتے ہیں پس وہاں وہی لباس التقوی ہے۔ غرض ہر علاقہ میں اور ہر زمانہ میں علماء اور صالحین کا جو لباس ہے وہی لباس التقوی ہے۔ اس لئے اس میں جھگڑنا کہ ٹوپی دوپلی ہو یا گول، پانچ کلی کی ہو یا دس کلی کی؟ کرتا کلی دار ہو یا بغیر کلی کا؟ اس میں جھگڑنا ٹھیک نہیں، علماء اور صلحاء کس قسم کا کرتا پہنتے ہیں اور کیسی ٹوپی اوڑھتے ہیں یہی دیکھنا چاہئے، اگر سب طرح کی ٹوپیاں اوڑھتے ہیں، سب طرح کے کرتے پہنتے ہیں تو وہ سب لباس التقوی ہیں، اور وہی سنت لباس ہے، کوئی مخصوص لباس پرہیزگاری کا لباس نہیں۔

الغرض: اس آیتِ کریمہ میں لباس کے تین درجے کئے ہیں، ستر عورت کا درجہ: لباس کے اس درجہ کا نماز کے ساتھ خاص تعلق نہیں، وہ عام ہے ہر حال میں ستر عورت فرض ہے، نماز میں بھی اور نماز سے باہر بھی، اور زینت کا لباس: یہ دوسرے درجہ کا لباس ہے، اس کا نماز کے ساتھ تعلق ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے شرائط صلوٰۃ بیان کئے ہیں، ستر عورت یعنی ننگاپے کو چھپا کر نماز پڑھنا فرض ہے، مگر یہ فرضیت نماز کے ساتھ خاص نہیں، اس لئے ستر عورت کے سلسلہ کے ابواب نہیں لائے، البتہ زینت کا یعنی لباس کے دوسرے درجہ کا نماز کے ساتھ خصوصی تعلق ہے اس لئے اس سلسلہ کے ابواب لائے جو دور تک چلے گئے ہیں۔ پھر استقبال قبلہ کے ابواب لائیں گے اس لئے کہ نماز کے لئے وہ بھی شرط ہے، اور

قبلہ خود بھی ایک مسجد ہے **المسجد الحرام** سے خاص قبلہ ہی مراد ہے، اس مناسبت سے ابواب المساجد شروع ہونگے۔

[۲-] بابُ وُجُوْبِ الصَّلاَةِ فِي الثِّيَابِ

[۱-] وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾[الأعراف: ۳۱]

[۲-] وَمَنْ صَلَّى مُلْتَحِفًا فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ.

[۳-] وَيُذْكَرُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "يَزُرُّهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ" وَفِيْ إِسْنَادِهِ نَظَرٌ.

[٤-] وَمَنْ صَلَّى فِي الثَّوْبِ الَّذِيْ يُجَامِعُ فِيْهِ مَالَمْ يَرَ فِيْهِ أَذًى.

[٥-] وَأَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ لَا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.

باب: کپڑوں میں نماز کا وجوب: یہ فقہ والا وجوب نہیں، بلکہ تاکید شدید کے معنی میں ہے، ثیاب: ثوب کی جمع ہے اور اقل جمع تین ہے، پس باب کا مطلب یہ ہے کہ کم سے کم تین کپڑوں میں نماز پڑھو، اس لئے کہ یہی زینت ہے، اور زینت لے کر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

۱- ارشادِ پاک ہے: ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ **أی عند کل صلوۃ**: ہر نماز مزین ہو کر پڑھو، اور زینت تین کپڑوں سے حاصل ہوتی ہے: ایک کپڑا پاؤں کے لئے ہونا چاہئے جس کو ہم پاجامہ (پاؤں کا کپڑا) کہتے ہیں، دوسرا کپڑا اس کے اوپر ہونا چاہئے، اور ایک کپڑا سر ڈھانکنے کے لئے ہونا چاہئے، ان تین کپڑوں میں نماز پڑھنا مؤکد ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے تلامذہ سے بیان کیا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت ہے، ہم لوگ نبی ﷺ کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے اور ہمارا یہ عمل برا نہیں سمجھا جاتا تھا، حضرت ابی بن کعبؓ کی یہ بات جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے فرمایا: یہ حکم اس صورت میں ہے جب کپڑے کم ہوں، **فأما إذا وسَّع اللّٰه فالصلوۃ فی الثوبین أزکی**: اب جب اللہ تعالیٰ نے کشادگی فرمادی تو دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل ہے (مشکوۃ حدیث ۱۷۷) جب اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انھوں نے حضرت ابن مسعودؓ کی تائید کی اور نو شکلیں بتلائیں، ہر ایک میں دو دو کپڑے بتائے کہ یہ دو کپڑے پہن کر نماز پڑھو[۱] یہ روایت آگے چند صفحوں کے بعد آرہی ہے، گویا حضرت ابی بن کعبؓ نے جو ایک کپڑے میں نماز کو سنت کہا ہے وہ سنت نہیں، بلکہ مجبوری کا حکم ہے، اور مجبوری میں ایک کپڑے میں نماز ہوجاتی ہے۔ سنت: ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ہے یعنی مزین ہو کر نماز پڑھنا، اور تزئین کے لئے ایک سے زیادہ کپڑے ضروری ہیں۔

۲- اور جس نے ایک کپڑے میں لپٹ کر نماز پڑھی، اس طرح کہ ستر عورت ہوگیا اور وہ کپڑا پاک بھی ہے تو نماز ہوگئی،

(۱) اور تیسرا کپڑا ٹوپی یا عمامہ ضمناً داخل ہے، تفصیل باب ۹ میں آرہی ہے۔

اس لئے کہ نماز میں اصل فرض سترعورت ہے، اور وہ متحقق ہوگیا، پس ایک کپڑے میں بھی نماز صحیح ہے۔

۳- اور اگر کوئی شخص صرف کرتا پہن کر نماز پڑھ رہا ہو، اور شرم گاہ پر کوئی دوسرا کپڑا نہ ہو تو گریبان بند کرکے نماز پڑھنی چاہئے، اس لئے کہ اگر نمازی کی نظر اپنی شرم گاہ پر پڑ گئی تو نماز تو نہیں ٹوٹے گی، مگر اس سے نماز میں کراہیت آئے گی، اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: گریبان بند کرکے نماز پڑھو، چاہے کانٹے سے بند کرو، تاکہ رکوع وغیرہ میں اپنی شرم گاہ پر نظر نہ پڑے اور نماز مکروہ نہ ہو، معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز صحیح ہے۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی التاریخ الکبیر میں ہے اور صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ اور ابوداؤد شریف (حدیث ۶۳۲) میں بھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے، اور تضعیف کی وجہ موسیٰ بن ابراہیم ہے، امام بخاریؒ کا خیال ہے کہ یہ موسیٰ بن ابراہیم تیمی ہے جو ضعیف ہے، چنانچہ فرمایا: **فی إسنادہ نظر**۔ مگر حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ موسیٰ بن ابراہیم مخزومی ہیں اور وہ ثقہ راوی ہیں، پس یہ حدیث صحیح ہے۔

فائدہ: بعض مسائل میں ضعیف حدیث کے بغیر کام نہیں چل سکتا، امام بخاریؒ کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی حضرت اس کو لائے ہیں، کیونکہ اس مسئلہ میں دوسری کوئی روایت نہیں، اور ایسی مجبوری میں ضعیف حدیث لی جاتی ہے، امام بخاریؒ نے اس کو لیا ہے، یہ خاص یاد رکھنے کی بات ہے — غرض تین کپڑے ضروری نہیں، ایک کپڑے میں بھی جو ساتر عورت ہو اور پاک ہو نماز ہو جاتی ہے، اور یَزُرُّہ کو غائب کا صیغہ بھی پڑھ سکتے ہیں اور حاضر کا بھی، اس لئے اوپر معا لکھا ہے۔

۴- جو کپڑا پہن کر بیوی سے صحبت کی ہو اگر اس میں ناپاکی نہیں لگی اور وہ ساتر عورت ہے تو اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

۵- نبی ﷺ نے ننگے طواف کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ طواف بحکم نماز ہے، پس جب طواف میں جو فرع ہے ستر عورت ضروری ہے، تو نماز میں بدرجۂ اولیٰ ستر عورت ضروری ہوگا۔ ستر عورت کے بغیر نماز نہیں ہوگی، البتہ اگر مجبوری ہے، کوئی کپڑا میسر نہیں تو پھر درخت کے پتے یا اخبار وغیرہ لپیٹ کر نماز پڑھے، اور وہ بھی میسر نہ ہوں تو ننگے بیٹھ کر پڑھے، اور رکوع وسجود کے لئے اشارہ کرے، یہ بھی تستر کی ایک صورت ہے۔

[۳۵۱-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ، فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ، وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ، قَالَتِ امْرَأَةٌ: يَارسولَ اللهِ! إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ، قَالَ: "لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا"

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا عِمْرَانُ، قَالَ: ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيْرِيْنَ، قَالَ: حَدَّثَتْنَا أُمُّ عَطِيَّةَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بِهٰذَا. [راجع: ۳۲۴]

یہ حدیث کتاب الحیض (باب ۲۳) میں گذری ہے۔ نبی ﷺ نے سیانی لڑکیوں کو، پردہ نشین خواتین کو حتی کہ حائضہ اور

نفساء کو بھی عیدگاہ جانے کا حکم دیا تا کہ وہ وعظ ونصیحت میں اور دعاؤں میں شرکت کریں، البتہ حائضہ عورتیں نمازی عورتوں سے الگ بیٹھیں، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو (آج کی اصطلاح میں برقعہ نہ ہو) تو کیا اس پر بھی نکلنا ضروری ہے؟ آپؐ نے فرمایا: دوسری عورت سے برقعہ عاریۃً لے لے یا ایک برقعہ اور ایک چادر میں دو لپٹ کر جائیں —— اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ جب عیدگاہ جانے کے لئے پردہ ضروری ہے تو عیدگاہ میں نماز پڑھنے کے لئے پردہ کیوں ضروری نہیں ہوگا؟

فائدہ: مرد اور عورت کا ستر ایک ہے، ناف سے گھٹنے تک کا حصہ مرد کا بھی ستر ہے اور عورت کا بھی، اتنا حصہ عورت کے لئے دوسری عورت کے سامنے بے ضرورت کھولنا جائز نہیں، پھر عورت پر ستر کے علاوہ حجاب بھی ہے، محارم کے حجاب میں پیٹ اور اس کے مقابل کی پیٹھ داخل ہے، یہ حصہ عورت کے لئے محارم کے سامنے بھی کھولنا جائز نہیں، اور سینہ، اس کے مقابل کی پیٹھ، چہرہ، دونوں ہاتھ اور گھٹنے سے نیچے پنڈلی وغیرہ عورت محارم کے سامنے کھول سکتی ہے، اور اللہ کے حجاب میں چہرہ (جتنا وضو میں دھویا جاتا ہے) دونوں ہتھیلیاں گٹوں تک اور دونوں پیر ٹخنوں سے نیچے تک شامل نہیں، ان کے علاوہ پورا بدن حجاب میں داخل ہے، پس عورت پر نماز میں چہرہ، ہتھیلیاں اور قدمین کے علاوہ پورا بدن چھپانا ضروری ہے، اور اجنبیوں کے حجاب میں چہرہ بھی داخل ہے، ارشادِ پاک ہے: ﴿يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾: اے نبی! اپنی ازواج سے، بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادریں چہرہ پر تھوڑی نیچے تک لٹکا لیا کریں، جب گھر سے نکلا کریں، معلوم ہوا کہ چہرہ حجاب میں داخل ہے، پس عورت پر اجنبی کے سامنے کفین اور قدمین کے علاوہ پورا بدن چہرہ سمیت چھپانا ضروری ہے، اور کفین اور قدمین کو بھی چھپا کر نکلے تو نور علی نور، البتہ کفین اور قدمین کو چھپانا ضروری نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیتِ حجاب میں صرف چہرہ کو لیا ہے، کفین اور قدمین کو نہیں لیا —— غرض عورت پر عیدگاہ جانے کے لئے پردہ ضروری ہے، پس عیدگاہ میں نماز پڑھنے کے لئے بھی پردہ بدرجۂ اولیٰ ضروری ہوگا، یہی حدیث کی باب سے مناسبت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کی ایک دوسری سند بھی لکھی ہے، اس میں تحدیث کی صراحت ہے اس وجہ سے دوسری سند لائے ہیں۔

بابُ عَقْدِ الإِزَارِ عَلَى الْقَفَا فِيْ الصَّلوٰةِ

نماز میں لنگی گدّی پر باندھنا

اگر نمازی کے پاس ایک ہی کپڑا ہے اور وہ وسعت والا نہیں ہے تو دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، ایک: جتنا زیادہ سے زیادہ بدن اس کپڑے میں چھپ سکے چھپائے۔ دوم: کم وسعت ہے تو سینہ کے نیچے یا سینہ کے اوپر باندھے، اور زیادہ وسعت ہے تو گدی پر باندھے، یعنی چادر کا دایاں کنارہ بائیں کندھے پر اور بایاں کنارہ دائیں کندھے پر ڈال کر گدی پر پیچھے

باندھے،اس کو اردو میں گاتی باندھنا کہتے ہیں،غرض اگر ایک ہی کپڑا ہے اور گنجائش والا نہیں ہے تو اس میں زیادہ سے زیادہ بدن چھپائے،اور گاتی باندھے تا کہ کپڑا کھل نہ جائے اور نماز فاسد نہ ہو،اور کپڑا وسعت والا ہے تو اس کے لئے اگلا باب ہے۔

[۳-] بابُ عَقْدِ الإِزَارِ عَلَى الْقَفَا فِي الصَّلٰوةِ

وَقَالَ أَبُوْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَاقِدِيْ أُزْرِهِمْ عَلٰى عَوَاتِقِهِمْ.

[۳۵۲-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، قَالَ: ثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ وَاقِدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: صَلّٰى جَابِرٌ فِيْ إِزَارٍ، قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ، وَثِيَابُهُ مَوْضُوْعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ، قَالَ لَهُ قَائِلٌ: تُصَلِّيْ فِيْ إِزَارٍ وَاحِدٍ؟ فَقَالَ: إِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ أَحْمَقُ مِثْلُكَ، وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم؟ [انظر: ۳۵۳، ۳۶۱، ۳۷۰]

[۳۵۳-] حدثنا مُطَرِّفٌ: أَبُوْ مُصْعَبٍ، قَالَ: ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِيْ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: رَأَيْتُ جَابِرًا يُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَقَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ.[راجع: ۳۵۲]

حدیث (۱): حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی،اس حال میں کہ انھوں نے اپنی لنگیوں میں کندھوں پر گرہ لگا رکھی تھی —— یہ حدیث چند ابواب کے بعد سند کے ساتھ آرہی ہے۔

حدیث (۲): محمد بن المنکدر کہتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھائی،اس حال میں کہ اس کپڑے کو گدی کی جانب میں باندھ رکھا تھا،اور ان کے کپڑے اسٹینڈ پر رکھے ہوئے تھے،نماز کے بعد کسی نے ان سے کہا: آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں؟ حضرت جابرؓ نے کہا: میں نے یہ عمل اس لئے کیا ہے کہ تجھ جیسا بیوقوف میرے اس عمل کو دیکھے اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کے پاس دو کپڑے کہاں تھے؟

تشریح: صحابہ کرام قول کے علاوہ فعل سے بھی تعلیم دیتے تھے،اس لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے تلامذہ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھائی جبکہ دوسرا کپڑا وہاں موجود تھا،تا کہ تلامذہ یہ مسئلہ جان لیں کہ ایک کپڑے میں بھی نماز صحیح ہے —— **المشجب** کے معنی ہیں: لکڑی کا اسٹینڈ جو کپڑا پھیلانے کے لئے ہوتا ہے۔

حدیث (۳): محمد بن المنکدر کہتے ہیں: میں نے حضرت جابرؓ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا اور انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

تشریح: اس روایت میں عقد ازار کا تذکرہ نہیں،اس لئے یہ روایت باب سے بے جوڑ معلوم ہوتی ہے مگر اس روایت سے باب ثابت کرنا مقصود نہیں، باب پہلی روایت سے ثابت ہے، بلکہ حضرت جابرؓ کے عمل کو مرفوع کرنا مقصود ہے،حضرت جابرؓ نے جو ایک کپڑے میں نماز پڑھی تو ان کا یہ عمل حدیث مرفوع سے ثابت ہے، نبی ﷺ نے بھی ایک کپڑے میں نماز

پڑھی ہے،خواہ اس کی صورت عقد ازار کی ہو یا کوئی اور صورت ہو۔

بابُ الصَّلاَةِ فِيْ الثَّوْبِ الْوَاحِدِ مُلْتَحِفًا بِهِ

ایک کپڑے میں لپٹ کر نماز پڑھنا

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کپڑا ایک ہے اور اس میں وسعت ہے یعنی لمبا چوڑا کپڑا ہے تو اس کو باندھنا ضروری نہیں، البتہ اس میں زیادہ سے زیادہ بدن چھپانا چاہئے —— مُلْتَحِفًا کے معنی ہیں: لپٹ کر، یعنی اگر کپڑا وسعت والا ہے تو اس میں لپٹ کر یعنی زیادہ سے زیادہ بدن چھپا کر نماز پڑھنی چاہئے۔

[٤-] بابُ الصَّلاَةِ فِيْ الثَّوْبِ الْوَاحِدِ مُلْتَحِفًا بِهِ

[١-] وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِيْ حَدِيْثِهِ: الْمُلْتَحِفُ: الْمُتَوَشِّحُ، وَهُوَ الْمُخَالِفُ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ، وَهُوَ الاشْتِمَالُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ.

[٢-] قَالَ: وَقَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ: الْتَحَفَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِثَوْبٍ لَهُ، وَخَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ.

۱-امام زہری اپنی (آئندہ) حدیث میں کہتے ہیں: ملتحف یعنی متوشح اور وہ (ملتحف اور متوشح) کپڑے کے دائیں کنارے کو بائیں کندھے پر اور بائیں کنارے کو دائیں کندھے پر ڈالنے والا ہے، اور وہی اپنے دونوں مونڈھوں پر اشتمال ہے۔

تشریح: حدیثوں میں چار لفظ آئے ہیں: (۱) التحاف (۲) توشح (۳) تخالف بین الطرفین (۴) اشتمال، امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان چاروں لفظوں کا مفہوم ایک ہے، یعنی کپڑے کا دایاں کنارہ بائیں کندھے پر اور بایاں کنارہ دائیں کندھے پر ڈالنا التحاف بھی ہے، توشح بھی ہے، تخالف بین الطرفین بھی ہے اور اشتمال بھی۔

۲-حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہ کہتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک کپڑے میں لپٹ کر نماز پڑھی، اور آپؐ نے چادر کے دونوں کنارے مخالف جانب سے کندھوں پر ڈالے۔

تشریح: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ایک حقیقت کے لئے دو تعبیریں ہیں، اس سے امام زہریؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے —— اس کے بعد امام بخاریؒ نے باب میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں، ایک: حضرت عمر بن ابی سلمہؓ کی، یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ تھے، ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لڑکے ہیں، انھوں نے آپ کو ایک کپڑے میں لپٹ کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ دوسری حدیث حضرت ام ہانی کی ہے جو ابھی گذری اور تیسری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

[٣٥٤-] حدثنا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: أَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِيْ سَلَمَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ، قَدْ خَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ.[انظر: ٣٥٥، ٣٥٦]

[٣٥٥-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: ثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِيْ سَلَمَةَ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ فِيْ بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، قَدْ أَلْقَى طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ.[راجع: ٣٥٤]

[٣٥٦-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ أَبِيْ سَلَمَةَ أَخْبَرَهُ، قَالَ: رَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ، مُشْتَمِلاً بِهِ فِيْ بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ.[راجع: ٣٥٤]

(۱) عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اس حال میں کہ کپڑے کے دونوں کناروں کے درمیان تخالف کر رکھا تھا —— اور دوسری حدیث میں وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ کو حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا، درانحالیکہ آپؐ نے چادر کے دونوں کنارے کندھے پر ڈال رکھے تھے —— اور تیسری حدیث میں فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں ایک کپڑے میں لپٹ کر نماز پڑھتے دیکھا درانحالیکہ اس کے دونوں کنارے آپؐ نے دونوں کندھوں پر ڈال رکھے تھے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے حضرت عمر بن ابی سلمہؓ کی حدیث تین سندوں سے ذکر کی ہے، پہلی سند عالی ہے اس میں امام بخاریؒ اور راوی عمر بن ابی سلمہ کے درمیان تین واسطے ہیں، اور دوسری دو سندیں نازل ہیں، ان میں چار واسطے ہیں، مگر پہلی سند میں مشاہدہ کی صراحت نہیں، اس لئے دوسری سند لائے اس میں دیکھنے کی صراحت ہے، اور تیسری حدیث میں اخبار کی صراحت ہے، اور پہلی دو سندوں میں حضرت عروہ نے عمر بن ابی سلمہ سے بصیغہ عن روایت کیا ہے اور تیسری حدیث میں سماعت کی صراحت ہے۔

[٣٥٧-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبِيْ أُوَيْسٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، انَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلٰى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِيْ طَالِبٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِيْ طَالِبٍ، تَقُوْلُ: ذَهَبْتُ إِلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَامَ الْفَتْحِ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ، وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ، قَالَتْ: فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: "مَنْ هٰذِهِ؟" فَقُلْتُ: أَنَا أُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ أَبِيْ طَالِبٍ، فَقَالَ: "مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ!" فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ، فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكْعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! زَعَمَ ابْنُ أُمِّيْ أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلاً قَدْ أَجَرْتُهُ: فُلاَنَ بْنَ هُبَيْرَةَ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ" قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ: وَذَاكَ ضُحًى. [راجع: ٢٨٠]

حدیث (۲): حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں فتح مکہ کے دن نبی ﷺ کے پاس گئی، میں نے آپؐ کو غسل کرتے ہوئے پایا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کررکھا تھا، وہ کہتی ہیں: میں نے آپ کو سلام کیا، آپؐ نے پوچھا: کون عورت ہے؟ میں نے عرض کیا: ام ہانی ہوں، آپؐ نے فرمایا: ام ہانی کا آنا مبارک! جب آپؐ غسل فرماچکے تو نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور آپؐ نے آٹھ رکعتیں پڑھیں، درانحالیکہ آپؐ ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے (یہی جزباب سے متعلق ہے) جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا ماں جایا کہتا ہے کہ وہ فلاں بن ہُبیرۃ کو قتل کرے گا جس کو میں نے پناہ دی ہے، آپؐ نے فرمایا: جس کو تم نے پناہ دی ہم نے بھی اس کو پناہ دی، ام ہانی فرماتی ہیں: وہ چاشت کا وقت تھا۔

تشریح:

۱- فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ نے تمام مکہ والوں کو پناہ دی تھی، مگر بارہ آدمیوں کو مستثنیٰ کیا تھا، حکم تھا کہ وہ جہاں بھی ملیں قتل کردیئے جائیں، ان میں سے دو کو حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے پناہ دی تھی، ان میں سے ایک ان کے سابق شوہر ہُبَیْرَہ کا لڑکا تھا، اتفاق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے گھر پہنچ گئے، انھوں نے ان دونوں کو قتل کرنا چاہا، ام ہانی نے کہا: میں نے ان کو پناہ دی ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا: عورتوں کو پناہ دینے کا کیا حق ہے؟ وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ عرض کیا، آپؐ نے فرمایا: جن کو تم نے پناہ دی ہم نے بھی ان کو پناہ دی، چنانچہ وہ قتل نہیں کئے گئے۔

۲- اشراق و چاشت دو نمازیں ہیں یا ایک؟ فقہاء و محدثین کے نزدیک دونوں ایک نماز ہیں، اگر سورج نکلنے کے بعد جلدی پڑھ لی جائے تو اشراق ہے، اور دیر سے (نو، دس یا گیارہ بجے) پڑھی جائے تو چاشت ہے۔ اور صوفیاء کے نزدیک یہ دو الگ الگ نمازیں ہیں، اشراق کی کم سے کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ چار رکعتیں ہیں اور چاشت کی کم سے کم آٹھ رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں، ظاہر ہے اس مسئلہ میں صوفیاء کی رائے کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ صوفیاء شریعت کے رمز شناس نہیں، شریعت کے رمز شناس اور نصوص کو سمجھنے والے اول نمبر پر فقہاء ہیں، پھر محدثین، پس ان حضرات کی جو رائے ہے وہی صحیح ہے —— اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: چاشت کی جو روایات مروی ہیں ان میں یہ روایت سب سے اچھی ہے مگر یہ حدیث نماز چاشت کے باب میں صریح نہیں، ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے شکریہ میں یہ نفلیں پڑھی ہوں، مگر چونکہ وہ چاشت کا وقت تھا اس لئے ان کو چاشت کی نماز تصور کرلیا گیا۔

[۳۵۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ سَائِلاً سَأَلَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الصَّلَاةِ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَوَ لِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ؟". [انظر: ۳۶۵]

حدیث (۳): ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: کیا ایک کپڑے میں نماز ہوجاتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کیا تم

میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟ —— ظاہر ہے کہ ہر ایک کے پاس دو کپڑے نہیں، وہ غربت کا دور تھا، پس نماز کے لئے دو کپڑے لازم کیسے ہو سکتے ہیں؟

استدلال: اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ دو کپڑوں میں نماز افضل ہے مگر مجبوری میں ایک کپڑے میں بھی نماز صحیح ہے، البتہ اگر ممکن ہو تو ایک کپڑے سے دو کپڑوں کا کام لیا جائے، خوب بدن کو چھپا کر نماز پڑھی جائے، اسی کا نام اشتمال والتحاف ہے۔

بابٌ إِذَا صَلَّى فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَلْيَجْعَلْ عَلٰى عَاتِقَيْهِ

جب ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کو دونوں کندھوں پر ڈالے

اگر ایک کپڑا ہے اور گنجائش والا ہے تو امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مونڈھوں کو ڈھکنا فرض ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ امام بخاریؒ نے امام احمدؒ کی موافقت کی ہے، اور دیگر فقہاء کے نزدیک وسعت والے کپڑے میں بھی مونڈھوں کو ڈھکنا مستحب ہے، یہ اس باب کا مدعی ہے، تکرار نہیں ہے۔

[۵-] بابٌ إِذَا صَلَّى فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَلْيَجْعَلْ عَلٰى عَاتِقَيْهِ

[۳۵۹-] حدثنا أَبُوْعَاصِمٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَايُصَلِّيْ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، لَيْسَ عَلٰى عَاتِقِهِ شَيْئٌ" [انظر: ۳۶۰]

[۳۶۰-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: ثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُهُ أَوْ: كُنْتُ سَأَلْتُهُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَنِّيْ سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنْ صَلّٰى فِيْ ثَوْبٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ" [راجع: ۳۵۹]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ اس کے مونڈھے پر کچھ نہ ہو —— اور دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں یعنی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو چاہئے کہ وہ چادر کا دایاں کنارہ بائیں مونڈھے پر اور بایاں کنارہ دائیں مونڈھے پر ڈال لے۔

تشریح: امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی حدیث میں نہی تحریمی ہے اور دوسری حدیث میں امر وجوبی ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک وسعت والے کپڑے میں نماز میں کم از کم ایک مونڈھا ڈھکنا فرض ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ اور جمہور کے نزدیک نہی تنزیہی ہے اور امر استحبابی ہے۔ پس مونڈھوں کو ڈھکنا ان کے نزدیک مستحب ہے، جمہور کہتے ہیں: مونڈھے ستر

نہیں، اگر مونڈھے ستر ہوتے تو ہر حال میں ان کو ڈھکنا ضروری ہوتا، خواہ کپڑا وسعت والا ہو یا تنگ، پس جب تنگ کپڑے میں مونڈھوں کو ڈھکنا امام احمدؒ کے نزدیک بھی فرض نہیں تو وسعت والے کپڑے میں فرض کیسے ہوسکتا ہے؟ پس امر کو استحباب پر اور نہی کو تنزیہ پر محمول کریں گے۔

ملحوظہ (۱): شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ اس ترجمہ کا مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ وسعت والے کپڑے میں مونڈھوں کو ڈھکنا مستحب ہے، پس یہ باب جمہور کے موافقت میں ہوگا۔

ملحوظہ (۲): دوسری حدیث میں مونڈھوں کا ذکر صراحتاً نہیں، مگر مسند احمد میں اس روایت میں مونڈھوں کا ذکر ہے۔

بابٌ إِذَا كَانَ الثَّوْبُ ضَيِّقًا

جب کپڑا تنگ ہو

اگر کپڑا چھوٹا ہو تو اسے لنگی کے طور پر کمر پر یا سینہ پر حسب گنجائش باندھے، بہ تکلف اشتمال نہ کرے، اور جن ائمہ کے نزدیک ستر عواتق فرض ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ کپڑے میں گنجائش ہو —— اور باب میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا ایک کپڑے میں نماز ہوجاتی ہے؟ حضرت جابرؓ نے اپنا یہ واقعہ سنایا کہ میں ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا، رات میں مجھے ایک ضرورت پیش آئی، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، اس وقت آپؐ نماز پڑھ رہے تھے، چنانچہ حضرت جابرؓ نے آپؐ کی اقتداء کرلی، اور کپڑا جمع کرکے ٹھوڑی کے نیچے دبا کر پکڑا، آنحضور ﷺ دیکھ رہے تھے، اس لئے کہ وہ بالکل قریب میں دائیں جانب کھڑے تھے، نماز کے بعد نبی ﷺ نے آنے کی وجہ پوچھی اور فرمایا: یہ جو تم نے ایک کپڑا ابدن پر لپیٹ رکھا ہے یہ اشتمال کیوں کر رکھا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: میرے پاس ایک ہی کپڑا ہے، آپؐ نے ان کو مسئلہ سمجھایا کہ اگر ایک ہی کپڑا ہو اور وہ وسعت والا ہو تو اس کو اوڑھنا چاہئے، اور تنگ ہو تو اس کی گاتی باندھنی چاہئے، ٹھوڑی کے نیچے دبانا نہیں چاہئے، اس سے نماز میں توجہ بٹتی ہے، یہ حدیث حضرت جابرؓ نے سائل کو اس کے جواب میں سنائی ہے، معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز صحیح ہے اور کپڑا تنگ ہو تو گاتی باندھنی چاہئے۔

[٦-] بابٌ إِذَا كَانَ الثَّوْبُ ضَيِّقًا

[٣٦١-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: ثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنِ الصَّلاَةِ فِيْ الثَّوْبِ الْوَاحِدِ؟ فَقَالَ: خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ بَعْضِ أَسْفَارِهِ، فَجِئْتُ لَيْلَةً لِبَعْضِ أَمْرِيْ، فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّيْ، وَعَلَيَّ ثَوْبٌ وَاحِدٌ، فَاشْتَمَلْتُ بِهِ، وَصَلَّيْتُ إِلَى جَانِبِهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: "مَا السُّرىٰ يَاجَابِرُ؟" فَأَخْبَرْتُهُ بِحَاجَتِيْ، فَلَمَّا فَرَغْتُ، قَالَ: "مَا هٰذَا الاِشْتِمَالُ الَّذِيْ رَأَيْتُ؟" قُلْتُ: كَانَ ثَوْبًا، قَالَ: "فَإِنْ كَانَ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ، وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ" [راجع: ٣٥٢]

ترجمہ: سعید بن الحارث کہتے ہیں: ہم نے حضرت جابرؓ سے ایک کپڑے میں نماز کے بارے میں پوچھا: انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں نکلا، پس میں ایک رات کسی ضرورت سے آیا، میں نے آپؐ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا، اور میں نے ایک کپڑا اوڑھ رکھا تھا، پس میں اس میں لپٹا اور نبی ﷺ کی ایک جانب میں نماز شروع کی، جب آپؐ نے سلام پھیرا تو پوچھا: رات میں کیوں آئے ہواے جابر؟ میں نے اپنی حاجت بیان کی، جب میں اپنی بات کہہ چکا تو آپؐ نے فرمایا: اس طرح کپڑا لپیٹنے کا جو میں نے دیکھا کیا مقصد ہے؟ میں نے عرض کیا: یہ ایک کپڑا ہے (اور صحیح اسماعیلی میں ضَيِّقًا بھی ہے یعنی کپڑا تنگ ہے، اس لئے ٹھوڑی کے نیچے دبایا تھا) آپؐ نے فرمایا: اگر کپڑے میں وسعت ہو تو اس میں لپٹ جاؤ، اور تنگ ہو تو اس کی لنگی باندھ لو۔

[٣٦٢-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: ثَنَا يَحْيىَ، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ، قَالَ: كَانَ رِجَالٌ يُصَلُّوْنَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَاقِدِيْ أُزُرِهِمْ عَلٰى أَعْنَاقِهِمْ، كَهَيْئَةِ الصِّبْيَانِ، وَيُقَالُ لِلنِّسَاءِ: لَاتَرْفَعْنَ رُؤُسَكُنَّ حَتّٰى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوْسًا. [انظر: ٨١٤، ١٢١٥]

ترجمہ: حضرت سہل سے مروی ہے: لوگ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے درانحالیکہ ان کی لنگیاں ان کی گردنوں پر بندھی ہوئی ہوتی تھیں، جس طرح بچوں کی گاتی باندھتے ہیں، اور عورتوں سے کہا جاتا تھا، تم اپنا سر نہ اٹھاؤ، یہاں تک کہ مرد ٹھیک طرح سے بیٹھ جائیں۔

تشریح: سردیوں میں عورتیں بچوں کے رومال کے دونوں کنارے مونڈھوں کے اوپر سے مخالف جانب سے نکال کر پیچھے گردن پر باندھتی ہیں، صحابہ بھی اس طرح چادریں گردن پر باندھ کر نماز پڑھتے تھے، اس کو گاتی باندھنا کہتے ہیں۔ اگر کپڑا ایک ہو اور تنگ ہو اور اس میں نماز پڑھنی ہو تو باندھ کر نماز پڑھنی چاہئے، تاکہ کھلے نہ کشف عورت ہو نہ نماز فاسد ہو۔

اور دوسری بات حضرت سہلؓ نے یہ بیان کی کہ مسجدِ نبوی میں مرد و زن سب ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے، جہاں مردوں کی صفیں ختم ہوتی تھیں وہیں سے عورتوں کی صفیں شروع ہو جاتی تھیں، درمیان میں کوئی پردہ نہیں تھا، اور صحابہ عام طور پر ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے، اور جب ایک کپڑے میں نماز پڑھیں گے تو سجدہ میں پیچھے سے آدمی آدھا ننگا معلوم ہوگا، اس لئے عورتوں کو یہ تاکید کی گئی تھی کہ جب تک مرد سجدہ سے سر نہ اٹھالیں عورتیں سجدہ سے سر نہ اٹھائیں، آج کل لوگ پتلون پہن کر نماز پڑھنے آتے ہیں، اس میں ان کے جسم کا پچھلا حصہ صاف محسوس ہوتا ہے، وہ سجدہ میں نیم عریاں معلوم ہوتے ہیں، ان کو خاص طور پر یہ حدیث سنائی جائے اور صحابہ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے وہ ان کی مجبوری تھی، پس پتلون پہن کر لوگ مسجد میں نہ آئیں، اور آئیں تو اوپر کرتا پہن کر آئیں، تاکہ نیم عریاں معلوم نہ ہوں۔

قولہ: ویُقال: گیلری میں قال لکھا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مذکورہ تاکید نبی ﷺ نے خود فرمائی تھی، اور

مجہول پڑھیں تو مطلب ہوگا کہ یہ حکم عورتوں کو صحابہ نے نبی ﷺ کی طرف سے دیا تھا، نبی ﷺ نے خود عورتوں سے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔

بابُ الصَّلٰوۃ فِیْ الْجُبَّۃِ الشَّامِیَّۃِ

شامی جبہ میں نماز پڑھنا

اس ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ بلادِ کفر میں تیار شدہ کپڑے جن کی طہارت وعدم طہارت کا علم نہیں وہ اصلاً پاک ہیں اور ان کو دھوئے بغیر ان میں نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ اگر نجاست موجود ہو یا ناپاک ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو تو پھر وہ کپڑا ناپاک ہوگا، دھوئے بغیر اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں، نبی ﷺ کے زمانہ میں شام دارالکفر تھا، وہاں سے جو جبّے تیار ہوکر آتے تھے نبی ﷺ ان کو زیب تن فرماتے تھے، ان کپڑوں کی طہارت وعدم طہارت کے بارے میں کوئی تفتیش نہیں فرماتے تھے، نہ ان کو دھلواتے تھے، معلوم ہوا کہ بلادِ کفر کے کپڑوں میں اصل پاک ہونا ہے۔

[۷-] بابُ الصَّلٰوۃ فِیْ الْجُبَّۃِ الشَّامِیَّۃِ

[۱-] وَقَالَ الْحَسَنُ فِیْ الثِّیَابِ یَنْسِجُهَا الْمَجُوْسِیُّ: لَمْ یَرَ بِهَا بَأْسًا.

[۲-] وَقَالَ مَعْمَرٌ: رَأَیْتُ الزُّهْرِیَّ یَلْبَسُ مِنْ ثِیَابِ الْیَمَنِ مَا صُبِغَ بِالْبَوْلِ.

[۳-] وَصَلّٰی عَلِیُّ بْنُ أَبِیْ طَالِبٍ فِیْ ثَوْبٍ غَیْرِ مَقْصُوْرٍ.

[۳۶۳-] حدثنا یَحْیٰی، قَالَ: ثَنَا أَبُوْ مُعَاوِیَۃَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ مُغِیْرَۃَ بْنِ شُعْبَۃَ، قَالَ: کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم فِیْ سَفَرٍ، فَقَالَ: "یَا مُغِیْرَۃُ! خُذِ الإِدَاوَۃَ" فَأَخَذْتُهَا، فَانْطَلَقَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیه وسلم حَتّٰی تَوَارٰی عَنِّیْ، فَقَضٰی حَاجَتَهُ، وَعَلَیْهِ جُبَّۃٌ شَامِیَّۃٌ، فَذَهَبَ لِیُخْرِجَ یَدَهُ مِنْ کُمِّهَا، فَضَاقَتْ، فَأَخْرَجَ یَدَهُ مِنْ أَسْفَلِهَا، فَصَبَبْتُ عَلَیْهِ، فَتَوَضَّأَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلَاۃِ، وَمَسَحَ عَلٰی خُفَّیْهِ، ثُمَّ صَلّٰی.

[راجع: ۱۸۲]

۱- حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے ان کپڑوں کے بارے میں جن کو آتش پرستوں نے بُنا ہے فرمایا: ان میں نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے تیار کردہ کپڑوں میں اصل پاک ہونا ہے، پس دھوئے بغیر ان میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔

۲- معمر رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے امام زہری رحمہ اللہ کو دیکھا: وہ یمن کے وہ کپڑے پہنتے تھے جو پیشاب میں رنگے ہوئے تھے ــــ اور جب کپڑا پہنا ہے تو غالب یہ ہے کہ اس میں نماز بھی پڑھتے ہونگے، جبکہ وہ کپڑا بالیقین ناپاک ہے۔

اس کے تین جواب ہیں:

۱-ممکن ہے وہ کپڑا دھوکر پہنا ہو، بغیر دھوئے پہنا تھا اس کی روایت میں کوئی صراحت نہیں۔

۲-ممکن ہے وہ کپڑا ماکول اللحم جانور کے پیشاب میں رنگا گیا ہو، اور ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب امام زہریؒ کے نزیک پاک ہو — مگر علامہ کشمیریؒ نے مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ امام زہریؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ناپاک تھا (فیض الباری ۲:۱۱)

۳-ممکن ہے وہ افواہ ہو کہ وہ کپڑا پیشاب میں رنگا ہوا ہے، اور افواہ نجاست کا حکم لگانے کے لئے کافی نہیں۔

۳-حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک کورے کپڑے میں یعنی نئے کپڑے میں جس کو ابھی دھویا نہیں گیا تھا نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ کپڑوں میں اصل پاک ہونا ہے، اگر اس پر کوئی نجاست نہ ہو اور نجاست کا یقین اور ظن غالب بھی نہ ہو تو اس میں نماز پڑھنا صحیح ہے۔

حدیث: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پہلے گذری ہے، غزوۂ تبوک کے موقع پر رات میں سفر جاری تھا، نبی ﷺ کو حاجت محسوس ہوئی، آپؐ نے حضرت مغیرہ کو اشارہ کیا، چنانچہ وہ پانی کا برتن لے کر آپؐ کے ساتھ ہو لئے، آپؐ اتنی دور نکل گئے کہ حضرت مغیرہ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے، جب قضاء حاجت فرما کر واپس لوٹے تو حضرت مغیرہؓ نے آپ کو وضو کرایا، آپؐ نے شامی جبہ پہن رکھا تھا، اور اس کی آستینیں تنگ تھیں، جب ہاتھوں کو دھونے کا نمبر آیا تو آستین نہیں چڑھی، چنانچہ آپؐ نے ہاتھ باہر نکال کر دھوئے، اس وضو میں آپؐ نے خفین پر مسح کیا تھا، پھر نماز پڑھی۔

استدلال: اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے شامی جبہ پہنا ہے، اور شام اس وقت دار الکفر تھا، معلوم ہوا کہ بلاد کفر کے کپڑے استعمال کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّعَرِّيْ فِيْ الصَّلاَةِ وَغَيْرِهَا

نماز اور غیر نماز میں ننگا ہونے کی حرمت

ستر عورت نماز سے باہر بھی فرض ہے اور نماز کی صحت کے لئے شرط ہے، اور شرط کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی، کیونکہ جب خارج نماز کشف عورت مذموم ہے تو نماز میں تو وہ بدرجۂ اولیٰ مذموم ہوگا — یہاں کراھیۃ: بمعنی حرام ہے، محدثین وفقہاء جس چیز کی حرمت قرآن سے ثابت ہوتی ہے اس کے لئے لفظ حرمت استعمال کرتے ہیں، اور جس کی حرمت حدیثوں سے ثابت ہوتی ہے اس کو کراہیت سے تعبیر کرتے ہیں۔

[۸-] بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّعَرِّيْ فِيْ الصَّلاَةِ وَغَيْرِهَا

[۳۶۴-] حدثنا مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ، قَالَ: ثَنَا رَوْحٌ، قَالَ: ثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ، قَالَ: ثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، قَالَ:

سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، يُحَدِّثُ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجارَةَ لِلْكَعْبَةِ، وَعَلَيْهِ إِزَارُهُ، فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهُ: يَا ابْنَ أَخِيْ! لَوْ حَلَلْتَ إِزْرَاكَ، فَجَعَلْتَ عَلٰى مَنْكِبَيْكَ دُوْنَ الْحِجارَةِ، قَالَ: فَحَلَّهُ فَجَعَلَهُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ، فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ، فَمَا رُؤِىَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا. [انظر: ۱۵۸۲، ۳۸۲۹]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ لوگوں کے ساتھ کعبہ شریف کے لئے پتھر لاتے تھے، اور آپ نے لنگی باندھ رکھی تھی، آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: بھتیجے! اگر آپ اپنی لنگی کھول لیں اور اس کو اپنے مونڈھے پر پتھر کے نیچے رکھ لیں تو بہتر ہوگا (لو تمنی کا جواب محذوف ہے أی لکان أسھل علیك) راوی کہتا ہے، پس آپ نے لنگی کھولی اور اس کو اپنے مونڈھے پر رکھا پس آپ بیہوش ہوکر گر پڑے، پھر اس واقعہ کے بعد آپ کبھی ننگے نہیں دیکھے گئے۔

تشریح: کعبہ شریف مرور زمانہ سے بوسیدہ ہوگیا تھا، اس لئے قریش کو اس کی تعمیر نو کا خیال آیا، اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ پندرہ سے پینتیس سال تک کے اقوال ہیں۔ مشہور قول پینتیس سال کا ہے، اس تعمیر میں آپ نے حصہ لیا ہے، آپ بھی قریش کے لوگوں کے ساتھ پہاڑوں سے موزون پتھر تلاش کر کے لاتے تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو آپ کے چچا ہیں اور آپ سے دو سال بڑے ہیں وہ بھی پتھر لانے والوں میں شامل تھے، انھوں نے آنحضور ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ اپنی لنگی کھول کر دوہری چوہری کر کے مونڈھے پر رکھ لیں، پھر اس پر پتھر رکھیں تا کہ مونڈھا چھل نہ جائے، پھر پتھروں کی تلاش میں سب ادھر اُدھر ہوگئے، جب نبی ﷺ کو کوئی موزون پتھر ملا تو آپ نے لنگی کھول کر مونڈھے پر رکھنے کا ارادہ فرمایا، اچانک آپ بیہوش ہوکر گر پڑے، جب آپ کو ہوش آیا تو آپ کی لنگی بندھی ہوئی تھی۔ صحیحین کے علاوہ کتب حدیث میں ہے کہ فرشتوں نے آپ کی لنگی باندھی تھی (عمدۃ ۴: ۷۲) اس واقعہ کے بعد کبھی آپ ننگے نہیں دیکھے گئے۔

اس حدیث سے دو باتیں نکلیں:

ایک: جس جگہ حضور ﷺ نے لنگی کھولی تھی وہاں اور کوئی نہیں تھا، اس لئے فرشتوں نے لنگی باندھی۔

دوسری: اس زمانہ میں عربوں میں لنگی کے نیچے کچھ پہننے کا رواج تھا، اگلے باب میں جو حدیث آرہی ہے اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر بھی آپ بیہوش ہوکر گر پڑے، معلوم ہوا کہ سوءتین کے علاوہ بھی ستر ہے، جمہور اسی کے قائل ہیں، ان کے نزدیک ران بھی ستر میں داخل ہے، اگرچہ امام بخاریؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ران ستر نہیں تفصیل چند ابواب کے بعد آرہی ہے۔

بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْقَمِيْصِ وَالسَّرَاوِيْلِ وَالتُّبَّانِ وَالْقَبَاءِ

کرتا، شلوار، جانگیا اور چوغہ پہن کر نماز پڑھنا

قمیص کے معنی ہیں: کرتا، سراویل کے معنی ہیں: شلوار، یہ فارسی لفظ ہے اس کی عربی سِروال ہے اور اس کی جمع سراویل ہے،

اور تُبَّان کے معنی ہیں: جانگیا، نیکر، چڈی اور قَبَاء اور عَبَاء کے معنی ہیں: چوغہ، ایک ڈھیلا لباس جو کرتے کے اوپر پہنا جاتا ہے۔

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کپڑوں میں گنجائش ہو تو کم از کم تین کپڑوں میں نماز پڑھنی چاہئے، اگرچہ ایک کپڑے میں بھی نماز صحیح ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھی جائے، میں نے پہلے مشکوۃ شریف کے حوالہ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت ہے، ہم لوگ نبی ﷺ کے زمانہ میں ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے اور ہمارا یہ عمل برا نہیں سمجھا جاتا تھا، جب حضرت ابن مسعودؓ کو یہ قول پہنچا تو انھوں نے فرمایا: ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت نہیں، یہ اس زمانہ کی بات ہے جب کپڑوں میں تنگی تھی، اب جب اللہ نے گنجائش کردی تو اب دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

چونکہ یہ دونوں بڑے حضرات تھے، اس لئے لوگوں میں ان کی باتوں کا چرچا ہوا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر سے اس کی وضاحت کی تاکہ ہر خاص وعام کو بات پہنچ جائے، آپؓ نے فرمایا: القولُ ماقال أُبَیّ، ولم یَأْلُ ابْنُ مسعود: بات وہی ہے جو ابیؓ نے کہی مگر ابن مسعودؓ نے بھی کوتاہی نہیں کی، یعنی دونوں کی باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا: دو کپڑوں میں نماز پڑھنی چاہئے، پھر اس کی نو صورتیں بیان کیں، حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آٹھ صورتوں کے بارے میں تو کوئی شک نہیں البتہ نویں شکل کے بارے میں شک ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ شکل بیان کی تھی یا نہیں، تفصیل حدیث میں آرہی ہے۔

سوال: ابھی آپ نے کہا تھا کہ اگر کپڑوں میں گنجائش ہو تو تین کپڑوں میں نماز پڑھنی چاہئے، جبکہ حضرت عمرؓ نے دو کپڑوں میں نماز پڑھنے کی نو صورتیں بیان کی ہیں؟ تین کپڑوں کا انھوں نے ذکر نہیں کیا۔

جواب: تیسرا کپڑا ضمنی ہے، جیسے دھوبی ٹوپی کا چارج نہیں کرتا، ٹوپی جوڑے میں ضمناً شامل ہوتی ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ نے دو دو کپڑے گنائے ہیں اور عمامہ یا ٹوپی ان میں ضمناً داخل ہیں، اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ باب کی دوسری حدیث میں آرہا ہے کہ محرم نہ کرتا پہنے، نہ پاجامہ، نہ ٹوپی معلوم ہوا کہ غیر محرم یہ تین کپڑے پہنے گا، اور جب ٹوپی پہنے گا تو کیا نماز کے وقت اس کو اتار کر رکھ دے گا؟ غیر مقلدین ایسا ہی کرتے ہیں، وہ کھلے سر نماز پڑھتے ہیں اور ٹوپی پہن رکھی ہو تو نماز کے وقت اس کو اتار دیتے ہیں، اس کو حماقت کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے۔

[۹-] بابُ الصَّلاَةِ فِيْ الْقَمِيْصِ وَالسَّرَاوِيْلِ وَالتُّبَّانِ وَالْقَبَاءِ

[۳۶۵-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَامَ رَجُلٌ إِلٰى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَسَأَلَهُ عَنِ الصَّلاَةِ فِيْ الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، فَقَالَ: " أَوَ كُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ؟" ثُمَّ سَأَلَ رَجُلٌ عُمَرَ، فَقَالَ: إِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَأَوْسِعُوْا، جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ، صَلَّى رَجُلٌ فِيْ إِزَارٍ وَرِدَاءٍ، فِيْ

إِزَارٍ وَقَمِيْصٍ، فِيْ إِزَارٍ وَقَبَاءٍ، فِيْ سَرَاوِيْلَ وَرِدَاءٍ، فِيْ سَرَاوِيْلَ وَقَمِيْصٍ، فِيْ سَرَاوِيْلَ وَقَبَاءٍ، فِيْ تُبَّانٍ وَقَبَاءٍ، فِيْ تُبَّانٍ وَقَمِيْصٍ، قَالَ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ: فِيْ تُبَّانٍ وَرِدَاءٍ. [راجع: ۳۵۸]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے آپؐ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا: آپؐ نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر ایک دو کپڑے پاتا ہے؟ نہیں پاتا، پس ایک کپڑے میں نماز ہو جاتی ہے (اسی حدیث کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابیؓ نے ایک کپڑے میں نماز کو سنت کہا ہے) پھر ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے (دورِ فاروقی میں) اس سلسلہ میں پوچھا، پس حضرت عمرؓ نے فرمایا: جب اللہ نے کشادگی کی ہے تو تم بھی کشادگی کرو، یعنی بہتر ایک سے زیادہ کپڑوں میں نماز پڑھنا ہے، چاہئے کہ آدمی اپنے اوپر اپنے کپڑے جمع کرے، آدمی نماز پڑھے: (۱) لنگی اور چادر میں (۲) لنگی اور کرتے میں (۳) لنگی اور چوغہ میں (۴) پائجامہ اور چادر میں (۵) پائجامہ اور کرتے میں (۶) پائجامہ اور چوغہ میں (۷) جانگیا اور چوغہ میں (۸) جانگیا اور کرتے ہیں۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: میرا گمان ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا: (۹) جانگیا اور چادر میں۔

قولہ: جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْه ثيابه: یہ جملہ خبریہ بمعنی انشاء ہے، أی لِيَجْمَعْ رجلٌ عليه ثيابه، اور ثیاب: جمع ہے، اور اقل جمع تین ہے، لہٰذا تین کپڑے مراد ہونگے، پس تاویل کرکے ٹوپی کو اس میں داخل کریں گے۔

قولہ: صَلَّى رجلٌ فِي إزارٍ: یہ فعل ماضی بمعنی امر ہے أی لِيُصَلِّ رجلٌ فی إزار............ اور قباء یا لمبا کرتا پہن رکھا ہو تو پائجامہ پہننا ضروری نہیں۔ جانگیا اور انڈرویئر بھی کافی ہے، کیونکہ کرتے میں اور قباء میں پورا بدن چھپ جاتا ہے۔

[۳۶٦-] حدثنا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ؟ فَقَالَ: " لَايَلْبَسُ الْقَمِيْصَ، وَلَا السَّرَاوِيْلَ، وَلَا الْبُرْنُسَ، وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَاوَرْسٌ، فَمَنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتّٰى يَكُوْنَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ" — وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ. [راجع: ۱۳٤]

وضاحت: یہ حدیث تفصیل کے ساتھ کتاب العلم کے آخری باب میں گذر چکی ہے، اور یہاں اس سے استدلال یہ ہے کہ محرم تین کپڑے: کرتا، پاجامہ اور ٹوپی نہیں پہنے گا، پس غیر محرم ان کو پہنے گا، اور نماز بھی ان تین کپڑوں میں پڑھے گا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ٹوپی کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ ضمناً لباس میں داخل ہے۔

بَابُ مَا يَسْتُرُ مِنَ الْعَوْرَةِ

وہ ستر جس کا چھپانا ضروری ہے

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ وہ ننگا پا جس کا ستر واجب ہے اور جس کے کشف سے نماز نہیں ہوتی وہ ستر کیا ہے؟ امام

بخاریؒ کے نزدیک صرف سوء تین (اگلی پچھلی شرم گاہیں) اوران کا ارد گرد ننگا پا ہیں، ان کو چھپانا فرض ہے نماز میں بھی اور غیر نماز میں بھی، ان کے کھلنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اور سوء تین کے علاوہ کوئی چیز ننگا پا نہیں، امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، اوران کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص ایک کپڑے میں احتباء نہ کرے درانحالیکہ اس کی شرم گاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو، اس حدیث میں نبی ﷺ نے شرم گاہ کی تخصیص کی ہے، معلوم ہوا کہ صرف قبل ودبر ننگا پا ہیں، اگران کے علاوہ بھی کوئی عضو ننگا پا ہوتا تو نبی ﷺ اس کا بھی ذکر کرتے، سوء تین کی تخصیص نہ کرتے۔

اوراحناف کے نزدیک ناف کے نیچے سے گھٹنے کے نیچے تک سب ننگا پا ہے۔ اورامام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیث سے فرج کا ننگا پا ہونا تو ثابت ہوتا ہے مگر غیر فرج کا ننگا پا نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے جو حنفیہ کے نزدیک معتبر نہیں، رہی یہ بات کہ نبی ﷺ نے فرج کی تخصیص کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبل ودبر اغلظ العورات ہیں، ران وغیرہ اس درجہ کا ننگا پا نہیں، اس لئے شرم گاہ کی تخصیص کی۔

[۱۰-] بابُ مَا يَسْتُرُ مِنَ الْعَوْرَةِ

[۳۶۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: ثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّـهُ قَالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ، وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ، لَيْسَ عَلٰى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْئٌ. [انظر: ۱۹۹۱، ۲۱٤٤، ۲۱٤۷، ۵۸۲۰، ۵۸۲۲، ٦۲۸٤]

حدیث (۱): ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا کپڑے میں ٹھوس لپٹ جانے سے، اوراس سے کہ آدمی ایک کپڑے میں حبوہ بنائے درانحالیکہ اس کی شرم گاہ پراس کپڑے میں سے کچھ نہ ہو۔

تشریح: ایک کپڑا بدن پراس طرح لپیٹ لینا کہ دونوں ہاتھ اندر بند ہوجائیں ممنوع ہے، بعض مرتبہ اچانک ہاتھوں سے کام لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، مثلاً چل رہا تھا کہ اچانک ٹھوکر لگی تو ہاتھ سے ٹیک لگانے کی ضرورت پیش آئے گی، اور ہاتھ جلدی نکل نہ سکیں گے تو گر پڑے گا، اسی طرح ایک کپڑے میں حبوہ بنانا یعنی گھٹنے کھڑے کرکے چاروں طرف سے کپڑا لپیٹ کر بیٹھنا جبکہ شرم گاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو ممنوع ہے، کبھی کسی کے دھکا دینے سے آدمی گر پڑتا ہے یا اونگھتے ہوئے گر جاتا ہے تو ننگا پا کھل جائے گا، غرض کپڑا پہننے کی ایسی ہیئت ممنوع ہے جس سے بوقت ضرورت ہاتھ نہ نکل سکیں، یا ننگا ہوجانے کا اندیشہ ہو۔

اس حدیث کا ماسیق لاجلہ الکلام بس اتنا ہے کہ اس طرح حبوہ بنا کر بیٹھنا کہ شرم گاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو ممنوع ہے، کیونکہ اغلظ العورات کھلنے کا اندیشہ ہے، البتہ نیکر، چڈی وغیرہ پہن رکھی ہو تو اس طرح حبوہ بنا سکتا ہے، کیونکہ اب اگر گرے گا بھی تو زیادہ سے زیادہ ہلکی شرم گاہ ران وغیرہ کھلے گی، بڑی شرم گاہیں قبل ودبر نہیں کھلیں گے، بس اتنی بات اس حدیث کا مقصود ہے،

رہی یہ بات کہ کونسے اعضاء ننگا پاہیں اور کونسے نہیں؟ اس سے یہ حدیث بحث نہیں کرتی۔

[۳٦۸-] حدثنا قَبِيْصَةُ بْنُ عُقْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِيْ الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعَتَيْنِ: عَنِ اللِّمَاسِ، وَالنِّبَاذِ، وَأَنْ يَشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ، وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ.[انظر ٥٨٤، ٥٨٨، ١٩٩٣، ٢١٤٥، ٢١٤٦، ٥٨١٩، ٥٨٢١]

حدیث (۲): حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے دو بیعوں سے: بیع ملامسہ سے اور بیع منابذہ سے منع فرمایا، اور ایک کپڑے میں ٹھوس لپٹ جانے سے اور ایک کپڑے میں حبوہ کرنے سے منع فرمایا۔

تشریح: اس حدیث سے بھی وہی استدلال اور جواب ہیں جو اوپر گذرے، اور یہاں حدیث میں اگرچہ لیس علی فرجه شیئ کی قید نہیں، مگر اوپر والی حدیث سے وہ قید یہاں بھی آئے گی —— اور لِمَاس: باب مفاعلہ کا مصدر ہے، لامَسَ مُلامَسَةً ولِمَاسًا کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو چھونا، اور نباذ بھی مصدر ہے، نابَذَ مُنابَذَةً وَنِبَاذًا کے معنی ہیں: ایک دوسرے کی طرف پھینکنا، زمانۂ جاہلیت کا دستور تھا کہ اگر سودا کرتے ہوئے بائع مبیع مشتری کی طرف پھینک دے یا مشتری ثمن بائع کی طرف پھینک دے تو سودا پکا ہو گیا، اب دوسرے فریق کو بولنے کا اختیار نہیں، اور ملامسہ کی شکل یہ ہوتی تھی کہ بائع ثمن کو ہاتھ لگادے یا مشتری مبیع کو ہاتھ لگادے تو سودا پکا ہو گیا، ان دونوں بیعوں میں غرر (دھوکا) ہے اس لئے شریعت نے ان دونوں کی ممانعت کی۔ تفصیل کتاب البیوع میں آئے گی۔

[۳٦۹-] حدثنا إِسْحَاقُ، قَالَ: ثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: ثَنَا ابْنُ أَخِيْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: بَعَثَنِيْ أَبُوْ بَكْرٍ فِيْ تِلْكَ الْحَجَّةِ فِيْ مُؤَذِّنِيْنَ يَوْمَ النَّحْرِ، نُؤَذِّنُ بِمِنًى: أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ العَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ، قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: ثُمَّ أَرْدَفَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلِيًّا فَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِـ ﴿بَرَاءَةٌ﴾ قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِيْ أَهْلِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ: لَايَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.

[انظر: ١٦٢٢، ٣١٧٧، ٤٣٦٣، ٤٦٥٥، ٤٦٥٦، ٤٦٥٧]

حدیث (۳): ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حج میں (۹ ہجری کے حج میں جس کے آپؓ امیر تھے) یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو اعلان کرنے والوں کے ساتھ بھیجا تا کہ ہم منی میں اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے، اور نہ کوئی شخص بیت اللہ کا ننگے طواف کرے، حمید بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں: پھر نبی ﷺ نے پیچھے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو براءت کا اعلان کرنے کا حکم دیا، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: پس حضرت علیؓ نے

ہمارے ساتھ منی والوں میں یوم النحر میں اعلان کیا: اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے اور نہ کوئی شخص بیت اللہ کا ننگے طواف کرے۔

تشریح:

۱- اس حدیث میں لفظ عُرْیَان ہے،، اس سے استدلال کیا ہے کہ عرف میں تعری اور عدم تعری کا مدار سوء تین کے کشف وستر پر ہے، جس کے سبیلین کھلے ہوں اور سارا بدن چھپا ہوا ہو اس کو ننگا اور بے تمیز کہا جاتا ہے، اور جس نے سوء تین چھپا رکھے ہوں اور باقی بدن کھلا ہو تو اس کو کوئی ننگا نہیں کہتا، مزدور اسی طرح کام کرتے ہیں، اور کوئی ان کو ننگا نہیں کہتا، معلوم ہوا کہ صرف سوء تین ننگا پا ہیں۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک عرف یہی ہے مگر احکام عرف کے تابع نہیں ہوتے، لفظ کے جو لغوی معنی ہیں اس کے تابع ہوتے ہیں، جیسے ترمذی میں حدیث ہے: تحریمها التکبیر: یہاں تکبیر کے کیا معنی ہیں؟ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: اللہ اکبر کہنا مراد ہے، چنانچہ ان کے نزدیک خاص اللہ أکبر سے نماز شروع کرنا فرض ہے، مگر امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ عرف حادث ہے، جس وقت قرآن نازل ہوا تکبیر کے یہ معنی نہیں تھے بلکہ اس کے معنی ہیں: اللہ کی بڑائی بیان کرنا، ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ میں یہی معنی ہیں، پس ذکر مشعر تعظیم سے نماز شروع کر سکتے ہیں، اسی طرح امام بخاری اور امام مالک رحمہما اللہ نے عریانیت وعدم عریانیت کا جس چیز پر مدار رکھا ہے وہ عرف حادث ہے، احکام میں اس کا اعتبار نہیں، بلکہ دیگر قرائن ودلائل سے طے کریں گے کہ کونسے اعضاء ننگا پا ہیں اور کونسے اعضاء ننگا پا نہیں؟

۲- حج سن ۸ ہجری میں فرض ہوا ہے اور ۹ ہجری میں مسلمانوں نے پہلا حج کیا ہے۔ نبی ﷺ اس سال حج کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ حج کرایا تھا، ان کے مکہ روانہ ہونے کے بعد سورہ براءت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں، جن میں حج کے موقع پر اعلانِ براءت کا حکم دیا تھا، چنانچہ آنحضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا، اور ہدایت کی کہ منی کے دنوں میں یہ اعلان کریں کہ جن قبائل کے ساتھ ناجنگ میعادی معاہدہ ہے وہ معاہدہ اس کی مدت تک باقی رہے گا اور جن قبائل کے ساتھ ایسا کوئی معاہدہ نہیں ان کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے، اس کے بعد ان پر حملہ ہو سکتا ہے اور یہ اعلان کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر اس لئے بھیجا تھا کہ اس زمانہ کا دستور تھا کہ معاہدوں کا اعلان یا تو خود بادشاہ کرے یا اس کے خاندان کا کوئی فرد کرے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے خاندان کے نہیں تھے، اس لئے یہ اعلان کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو بھیجا گیا۔

اس موقع پر تین اعلان اور بھی کئے گئے، وہ اعلان دیگر صحابہ کرتے تھے، حضرت علیؓ خاص براءت کا اعلان کرتے تھے پھر ان کے ساتھ دیگر اعلان بھی کرتے تھے، ان میں سے ایک اعلان یہ تھا کہ اس سال کے بعد کوئی بیت اللہ کا ننگے طواف نہیں کرے گا، یہی جزء باب سے متعلق ہے۔

بابُ الصَّلاَۃِ بِغَیْرِ رِدَاءٍ

چادر (کرتے) کے بغیر نماز پڑھنا

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ ناف سے اوپر ستر نہیں، پس کرتے کے بغیر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے صرف لنگی باندھ کر نماز پڑھی ہے، جبکہ چادر موجود تھی۔ مُلْتَحِفًا بہ: مطلق ہے، کپڑے میں لپٹ کر اور کپڑا باندھ کر: دونوں مطلب ہو سکتے ہیں، اور ظاہر ہے لنگی کمر پر باندھی جاتی ہے، پس اوپر کا حصہ کھلا رہے گا، معلوم ہوا کہ ننگا پا ناف تک ہے، اس کے اوپر ننگا پا نہیں۔

[۱۱-] بابُ الصَّلاَۃِ بِغَیْرِ رِدَاءٍ

[۳۷۰-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ ابْنُ أَبِیْ الْمَوَالِیْ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰی جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ، وَھُوَ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ مُلْتَحِفًا بِہٖ، وَرِدَاؤُہُ مَوْضُوْعٌ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا: یَا أَبَا عَبْدِ اللّٰہِ! تُصَلِّیْ وَرِدَاؤُكَ مَوْضُوْعٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَحْبَبْتُ أَنْ یَرَانِیْ الْجُھَّالُ مِثْلُکُمْ، رَأَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یُصَلِّیْ کَذَا. [راجع: ۳۵۲]

ترجمہ: محمد بن المنکدر کہتے ہیں: میں حضرت جابرؓ کے پاس گیا اور وہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے، اس میں لپٹ کر اور ان کی چادر (قریب میں) رکھی ہوئی تھی، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا: اے ابوعبداللہ! آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں، درانحالیکہ آپ کی چادر یہیں قریب میں رکھی ہوئی ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں میں نے پسند کیا کہ دیکھیں مجھ کو تم جیسے بڑے نادان۔ میں نے نبی ﷺ کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

استدلال: ملتحفا بہ: کے اطلاق سے استدلال کیا ہے، حضرت جابرؓ نے لنگی میں لپٹ کر یا لنگی باندھ کر نماز پڑھی، اور لنگی کمر پر باندھی جاتی ہے، معلوم ہوا کہ ناف سے اوپر ستر نہیں۔

بابُ مَا یُذْکَرُ فِیْ الْفَخِذِ

ران کے سلسلہ کی روایات

اگلی پچھلی شرم گاہیں اور ان کا ارد گرد بالاجماع ننگا پا ہیں، اور اگلی شرم گاہ کا ارد گرد جنگا سے کہلاتے ہیں، جہاں ران پر پیشاب کا عضو لگتا ہے وہ جنگا سے ہیں۔ اور دبر (گانڈ) کے حوالی سرینیں ہیں، اور جنگا سے اور سرینیں جہاں ختم ہوتی ہیں وہاں سے رانیں شروع ہوتی ہیں، رانیں عورت ہیں یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سلسلہ میں روایات مختلف

ہیں اور اقوی ران کا ننگا پانہ ہونا ہے، مگر احتیاط اس میں ہے کہ رانوں کو ننگا پا مان لیا جائے۔ اور امام مالک اور اصحاب ظواہر کے نزدیک رانیں ننگا پا نہیں، اور جمہور کے نزدیک ہیں، البتہ گھٹنوں میں اختلاف ہے، امام شافعی رحمہ اللہ گھٹنے کو عورت نہیں مانتے اور امام اعظم کے نزدیک وہ بھی ننگا پا ہیں۔

[۱۲-] بابُ مَا یُذْکَرُ فِی الْفَخِذِ

[۱-] قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ: وَیُرْوَی عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَرْھَدٍ،وَمُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: "اَلْفَخِذُ عَوْرَۃٌ" وَقَالَ أَنَسٌ: حَسَرَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ فَخِذِہٖ، قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ: وَحَدِیْثُ أَنَسٍ أَسْنَدُ، وَحَدِیْثُ جَرْھَدٍ أَحْوَطُ، حَتّٰی نَخْرُجَ مِنْ اخْتِلَافِھِمْ.

[۲-] وَقَالَ أَبُوْ مُوْسٰی: غَطَّی النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم رُکْبَتَیْہِ حِیْنَ دَخَلَ عُثْمَانُ.

[۳-] وَقَالَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ: أَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ صلی اللہ علیہ وسلم، وَفَخِذُہٗ عَلٰی فَخِذِیْ، فَثَقُلَتْ عَلَیَّ، حَتّٰی خِفْتُ أَنْ تَرُضَّ فَخِذِیْ.

۱- حضرت ابن عباس، جرہد اور محمد بن جحش رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً مروی ہے کہ ران ننگا پا ہے، حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ترمذی (أبواب الأدب) میں ہے اور اس کا ایک راوی ابو یحییٰ القتّات ضعیف ہے، اور حضرت جرہدؓ کی حدیث بھی ترمذی میں ہے وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ ان کے پاس سے گذرے درانحالیکہ وہ ران کھولے ہوئے تھے، آپؐ نے فرمایا: غَطِّ فَخِذَكَ فإنها من العورۃ: ران کو چھپاؤ، کیونکہ وہ ننگا پا ہے، یہ حدیث ترمذی کے علاوہ موطا مالک، اور امام بخاری کی التاریخ الکبیر میں بھی ہے اور اس کی سند میں اضطراب ہے، امام ترمذیؒ نے اس کو حسن کہا ہے۔

اور تیسری حدیث محمد بن جحش [۱] رضی اللہ عنہ کی ہے جو مسند احمد، التاریخ الکبیر، طبرانی اور مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابو کثیر کے علاوہ اس کے سب راوی بخاری ومسلم کے راوی ہیں، اور ابو کثیر محمد بن جحش کے آزاد کردہ ہیں، اور ان کی کسی نے توثیق نہیں کی، یعنی وہ مستور راوی ہے۔ محمد بن جحشؓ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معمرؓ کے پاس سے گذرا، وہ اپنے گھر کے باہر بازار میں بیٹھے ہوئے تھے، اور ان کی دونوں رانیں کھلی تھیں، نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: غَطِّ فخذیك فإن الفخذین عورۃ: اپنی رانیں چھپاؤ، کیونکہ رانیں ننگا پا ہیں، ان تینوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ ران ننگا پا ہے، مگر تینوں حدیثوں میں کچھ کچھ کمزوری ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اپنی ران کھولی، یہ حدیث باب میں آرہی ہے اور اعلی درجہ کی

(۱) یہ دادا کی طرف نسبت ہے، باپ کا نام عبد اللہ ہے، اور یہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں۔ باپ بیٹے دونوں صحابی ہیں۔

صحیح ہےاوراس کا حاصل یہ ہے کہ ران ننگا پانہیں، ورنہ نبی ﷺ اس کو کیوں کھولتے ؟

اب امام بخاریؒ فرماتے ہیں: حضرت انسؓ کی حدیث اسند ہے یعنی سند کے اعتبار سے اصح ہے اور حضرت جرہدؓ کی حدیث لینے میں احتیاط ہے، تاکہ رواۃ کے اختلاف سے ہم نکل جائیں، کسی روایت کے خلاف کرنا لازم نہ آئے۔

فائدہ: اختلاف کی رعایت کرنا اس وقت مستحب ہے جب اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آئے، مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وضو میں ترتیب اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک موالات فرض ہیں، اب اگر کوئی اس اختلاف کی رعایت کرے اور ترتیب سے اور پے بہ پے وضو کرے تو بڑی اچھی بات ہے، ایسا ضرور کرنا چاہئے یہ مستحب ہے، البتہ اگر اپنے مذہب کا مکروہ لازم آئے تو پھر مراعاتِ خلاف مستحب نہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے، یہاں اختلاف کی رعایت کرنے میں اپنے مذہب کا مکروہ لازم آئے گا۔ اس لئے مراعاتِ خلاف جائز نہیں، اسی طرح صحابہ میں اختلاف ہو تو ایسی شکل اختیار کرنی چاہئے کہ کسی کا اختلاف باقی نہ رہے، اور روایات میں اختلاف ہو تو ایسی شکل اختیار کرنی چاہئے کہ کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ کے سلسلہ میں یہی بات لکھی ہے، عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ دونوں طرف کے دلائل ہیں، پس احتیاط زیورات کی زکوٰۃ نکالنے میں ہے، اس صورت میں کسی کا اختلاف باقی نہیں رہے گا، نہ روایتوں کا اور نہ ائمہ کا، امام بخاریؒ نے بھی یہاں یہی بات فرمائی ہے کہ سند کے اعتبار سے اچھی روایت حضرت انسؓ کی ہے، مگر حضرت جرہدؓ کی حدیث پر عمل کرنے میں احتیاط ہے، اس لئے اسی پر عمل کرنا چاہئے، تاکہ نہ روایتوں کا اختلاف باقی رہے اور نہ ائمہ کا۔

مگر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرت انسؓ کی حدیث بے شک اسند (اصح) ہے مگر صریح بھی ہے یا نہیں؟ حضرت انسؓ کی حدیث صریح نہیں، پس یہ حدیث ان تین حدیثوں کے معارض نہیں، اور مقابل روایات کا مجموعہ حسن لغیرہ ہے اور وہ مسئلہ باب میں صریح بھی ہیں، پس انہی حدیثوں کو لیا جائے گا، اور انہی حدیثوں پر مسئلہ کا مدار رکھا جائے گا۔

تفصیل: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مسلم شریف (حدیث ۱۳۶۵ باب غزوۃ خیبر) میں ہے وہاں حَسَرَ کے بجائے انْحَسَرَ ہے، یعنی نبی ﷺ نے ران کھولی نہیں بلکہ کھل گئی، جب آپؐ خیبر پہنچے ہیں تو فجر کی نماز کے بعد آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ چاروں طرف گھوڑے دوڑائیں، اور آپؐ نے خود بھی اپنا گھوڑا دوڑایا، تاکہ فوجی مشق بھی ہو اور دشمن پر رعب بھی پڑے۔ حضرت انسؓ اپنے سوتیلے والد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر پیچھے بیٹھے تھے اور ان کے اور نبی ﷺ کے گھوڑے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے، اسی دوران ہوا سے آنحضور ﷺ کی ران کھل گئی، حضرت انسؓ نے آپؐ کی ران دیکھی، پس اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں، کیونکہ آپؐ کی ران خود بخود کھل گئی تھی، مسلم شریف میں لفظ انْحَسَرَ ہے، اور حَسَرَ بھی کبھی لازم آتا ہے، مصباح اللغات میں ہے: حَسَرَ (ن، ض) حُسُوْرا الشیئُ: کھل جانا، حَسَرَ (ن، ض)

حَسْرًا الشیئَ: کھولنا۔ پس حَسَرَ بھی انحسر کے معنی میں ہے۔

علاوہ ازیں: یہ فعلی روایت ہے اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی روایتیں قولی ہیں، اور تعارض کے وقت احناف قولی روایت کو لیتےہیں، اور فعلی روایت کی تاویل کرتے ہیں، پس یہاں بھی قولی روایت لی جائے گی اور فعلی روایت کی تاویل کریں گے، اور وہ تاویل یہ ہے کہ حَسَرَ: انْحَسَرَ کے معنی میں ہے یعنی نبی ﷺ نے ران کھولی نہیں خود بخود کھل گئی تھی۔

اور دوسری تاویل یہ ہے کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں فخذ سے قدم مراد ہے، چنانچہ حضرت انسؓ کی اسی حدیث میں جو آگے آرہی ہے (حدیث نمبر ۶۱۰) یہ ہے کہ میں حضرت ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر پیچھے بیٹھا تھا، اور میرا قدم آنحضور ﷺ کے قدم سے لگ رہا تھا، اس میں فخذ کا تذکرہ نہیں، پس یہاں بھی فخذ سے مجازاً قدم مراد لیا جائے گا۔

۲- ایک دن نبی ﷺ کسی باغ میں کنویں پر تشریف فرما تھے، پاؤں کنویں کے اندر لٹکا رکھے تھے، اور رانیں کھول رکھی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور آپؐ کے برابر دائیں جانب بیٹھ گئے اور آپؐ اپنی حالت پر رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے، وہ بھی آپؐ کے برابر بائیں جانب بیٹھے اور آپؐ اپنی حالت پر رہے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور سامنے بیٹھے تو آپؐ نے ران چھپالی، اور فرمایا: عثمان سے فرشتے بھی شرماتے ہیں، مجھے بھی شرم آئی۔

اس حدیث سے ران کے ستر نہ ہونے پر استدلال کیا گیا ہے مگر تقریب تام نہیں، کیونکہ یہ روایت بہت مختلف طرح سے آئی ہے، کسی میں ران کھولنے کا ذکر ہے اور کسی میں گھٹنہ کھولنے کا، یہاں گھٹنہ کھولنے کا ذکر ہے، درحقیقت آپؐ کی لنگی گھٹنے کے قریب تھی اور کچھ گھٹنا کھلا ہوا تھا اس کو راویوں نے توسعاً کشف فخذ سے تعبیر کیا ہے، پس اس حدیث سے بھی تقریب تام نہیں۔

۳- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو کاتب وحی ہیں آنحضور ﷺ کے بالکل قریب بیٹھے تھے، اسی دوران آپؐ پر وحی کے آثار طاری ہوئے، جب وحی کا نزول ہوتا تھا تو آپؐ پر نا قابل برداشت بوجھ پڑتا تھا، چنانچہ غیر اختیاری طور پر آپؐ کی ران حضرت زیدؓ کی ران پر پڑ گئی، حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: مجھ پر اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ میری ران پھٹ جائے گی۔

اس حدیث سے اس طرح استدلال ہے کہ اگر ران ننگا پا ہوتی تو آنحضور ﷺ اپنی ران حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ران پر نہ رکھتے اور غیر اختیاری طور پر ران گر گئی تھی تو بعد میں تنبیہ فرماتے، نبی کا غیر اختیاری فعل بھی جس پر آپؐ نے بعد میں تنبیہ نہ فرمائی ہو حجت ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ ران عورت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ سوءتین میں تو جو غلظ العورات ہیں اتصال کے روادار نہیں ہوتے، نہ کسی چیز کی حیلولت کے ساتھ اور نہ حیلولت کے بغیر، اور ران وغیرہ میں جو خف العورات ہیں کپڑے وغیرہ کی حیلولت کے ساتھ اتصال کو معیوب نہیں سمجھتے، اس لئے نبی ﷺ نے اپنے غیر اختیاری فعل پر کوئی تنبیہ نہیں فرمائی۔

اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہی حدیث ہے جس کو امام بخاریؒ نے اسند کہا ہے، طویل حدیث ہے اور بخاری شریف میں تیس سے زیادہ جگہ آئی ہے، اور مختلف طرح سے آئی ہے، سب روایتوں کا خلاصہ درج ذیل ہے:

خیبر میں یہود آباد تھے، جو بدعہدی کرکے جنگ احزاب میں کفار مکہ کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے، صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ ذی الحجہ اور اوائل محرم میں مدینہ منورہ میں قیام فرما رہے، اور آخر محرم سنہ ۷ھ میں اللہ کے حکم سے خیبر پر چڑھائی کی، اور خیبر میں رات میں پہنچے اور فجر کی نماز اول وقت غلس میں ادا فرمائی، پھر صحابہ کو خیبر کی گلی کوچوں میں گھوڑے دوڑانے کا حکم دیا، تاکہ دشمن مرعوب ہو، چنانچہ گھوڑ سواروں نے سارے خیبر میں ہنگامہ بپا کردیا، نبی ﷺ بھی بنفس نفیس خیبر کی گلیوں میں گھوڑا دوڑا رہے تھے، یہود پھاوڑے اور کدال لے کر اپنے کاروبار کے لئے گھروں سے نکلے تو یہ منظر دیکھ کر خوف زدہ ہوگئے اور یہ کہتے ہوئے کہ محمد (ﷺ) بہت بڑا لشکر لے کر آگئے، الٹے پاؤں بھاگے، آپؐ نے تین مرتبہ نعرہ لگایا اور یہ آیت پڑھی: ﴿إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ (الصفات ۱۷۷) یہود آپؐ کو دیکھتے ہی مع اہل وعیال قلعہ بند ہوگئے، خیبر میں یہود کے متعدد قلعے تھے، آپؐ نے ان قلعوں پر حملے شروع کئے اور یکے بعد دیگر سب فتح کر لئے۔

فتح خیبر کے بعد جب قیدی جمع کئے گئے تو ان میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، جو بعد میں ام المؤمنین بنیں، وہ حُیَی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں، اور ان کا شوہر کنانۃ بن ابی الحقیق بھی سردار تھا، دونوں غزوۂ خیبر میں مارے گئے تھے۔

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ سے ایک باندی مانگی، آپؐ نے ان کو اجازت دیدی، انھوں نے حضرت صفیہؓ کا انتخاب کیا، قیدیوں کے ذمہ دار نے حاضر خدمت ہوکر عرض کیا: صفیہ: بنونضیر اور بنوقریظہ کے سردار کی لڑکی اور دوسرے سردار کی بیوی ہے، وہ آپؐ کے سواء کسی اور کے لائق نہیں، چنانچہ آپؐ نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور سات غلام کے بدلہ میں حضرت صفیہ کو خرید لیا پھر ان کو آزاد کرکے ان سے نکاح فرمایا (ابوداؤد ۲: ۴۲۱ باب ماجاء فی سهم الصفی)

خیبر سے چل کر آپؐ مقام صہباء میں رکے، جو خیبر سے ایک منزل پر ہے، وہاں رسم عروسی ادا فرمائی اور یہیں ولیمہ کیا۔

اور ولیمہ عجیب شان سے کیا، چمڑے کا ایک دسترخوان بچھایا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اعلان کرو کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے، کوئی کھجور لایا، کوئی پنیر، کوئی ستو اور کوئی گھی، جب کچھ سامان جمع ہوگیا تو سب نے مل کر کھالیا، اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی نہیں تھی۔

حضرت صفیہؓ جب آپؐ کی زوجیت میں آئیں تو آپؐ نے ان کے رخسار پر ایک نشان دیکھا، آپؐ نے پوچھا: یہ نشان کیسا ہے؟ حضرت صفیہؓ نے بتایا کہ ایک روز میں اپنے شوہر کی گود میں سر رکھ کر سو رہی تھی کہ خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آگیا، یہ خواب میں نے اپنے شوہر سے بیان کیا، اس نے زور سے طمانچہ مارا اور کہا: تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے، یثرب کے بادشاہ سے آنحضور ﷺ کی طرف اشارہ تھا (رواہ ابوحاتم والطبرانی)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں روایات مختلف ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مالِ غنیمت میں سے نبی ﷺ نے ان کو منتخب کیا تھا، اسی لئے ان کا نام صفیہ (منتخب کردہ) پڑا تھا، پھر آپؐ نے ان کو آزاد کرکے ان سے نکاح کرلیا تھا، اور مہر آزادی کو مقرر کیا تھا، حضرت انسؓ کی یہ روایت بخاری شریف میں تیس سے زیادہ مرتبہ آئی ہے، اس روایت میں یہی

بات ہے اور دیگر روایات میں یہ ہے کہ وہ پہلے حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصہ میں گئی تھیں، انھوں نے نبی ﷺ سے ایک باندی لینے کی اجازت طلب کی تھی، آپؐ نے اجازت دیدی تھی، چنانچہ وہ حضرت صفیہ کو لے گئے، پھر قیدیوں کے ذمہ دار نے اطلاع دی کہ وہ سردار کی بیٹی اور دوسرے سردار کی بیوی ہیں، وہ آپؐ کے علاوہ کے حصہ میں نہیں جانی چاہئیں، چنانچہ آپؐ نے ان کو سات بردوں کے عوض خرید لیا تھا یا بدل لیا تھا، پھر آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا تھا، پس اس صورت میں ان کا ثمن ان کا مہر ہوگا، محض عتق مہر نہیں ہوگا، پس غیر مال مہر ہوسکتا ہے یا نہیں: یہ مسئلہ ختم ہوگیا۔

[۳۷۱-] حدثنا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عُلَيَّةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم غَزَا خَيْبَرَ، فَصَلَّيْنَا عِنْدَهَا صَلَاةَ الْغَدَاةِ بِغَلَسٍ، فَرَكِبَ نَبِيُّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَرَكِبَ أَبُوْ طَلْحَةَ، وَأَنَا رَدِيْفُ أَبِيْ طَلْحَةَ، فَأَجْرَى نَبِيُّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ زُقَاقِ خَيْبَرَ، وَإِنَّ رُكْبَتِيْ لَتَمَسُّ فَخِذَ نَبِيِّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ حَسَرَ الإِزَارَ عَنْ فَخِذِهِ، حَتّٰى إِنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى بَيَاضِ فَخِذِ نَبِيِّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَلَمَّا دَخَلَ الْقَرْيَةَ قَالَ: " اللّٰهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ! إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ" قَالَهَا ثَلَاثًا.

قَالَ: وَخَرَجَ الْقَوْمُ إِلٰى أَعْمَالِهِمْ، فَقَالُوْا: مُحَمَّدٌ قَالَ: عَبْدُ الْعَزِيْزِ، وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا: وَالْخَمِيْسُ يَعْنِيْ الْجَيْشَ قَالَ: فَأَصَبْنَاهَا عَنْوَةً، فَجُمِعَ السَّبْيُ فَجَاءَ دِحْيَةُ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! أَعْطِنِيْ جَارِيَةً مِنَ السَّبْيِ، قَالَ: "اذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً" فَأَخَذَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلٰى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! أَعْطَيْتَ دِحْيَةَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ سَيِّدَةَ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيْرِ، لَا تَصْلُحُ إِلَّا لَكَ، قَالَ:" ادْعُوْهُ بِهَا" فَجَاءَ بِهَا، فَلَمَّا نَظَرَ إِلَيْهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" خُذْ جَارِيَةً مِنَ السَّبْيِ غَيْرَهَا"

قَالَ: فَأَعْتَقَهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَتَزَوَّجَهَا، فَقَالَ لَهُ ثَابِتٌ: يَا أَبَا حَمْزَةَ! مَا أَصْدَقَهَا؟ قَالَ: نَفْسَهَا، أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا، حَتّٰى إِذَا كَانَ بِالطَّرِيْقِ جَهَّزَتْهَا لَهُ أُمُّ سُلَيْمٍ، فَأَهْدَتْهَا لَهُ مِنَ اللَّيْلِ، فَأَصْبَحَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَرُوْسًا، فَقَالَ: مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْئٌ فَلْيَجِئْ بِهِ، وَبَسَطَ نِطَعًا، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْئُ بِالتَّمْرِ، وَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْئُ بِالسَّمْنِ، قَالَ: وَأَحْسِبُهُ قَدْ ذَكَرَ السَّوِيْقَ، قَالَ: فَحَاسُوْا حَيْسًا، فَكَانَتْ وَلِيْمَةَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.[انظر: ٦١٠، ٩٤٧، ٢٢٢٨، ٢٢٣٥، ٢٨٨٩، ٢٨٩٣، ٢٩٤٣، ٢٩٤٤، ٢٩٤٥، ٢٩٩١، ٣٠٨٥، ٣٠٨٦، ٣٣٦٧، ٣٦٤٧، ٤٠٨٣، ٤٠٨٤، ٤١٩٧، ٤١٩٨، ٤١٩٩، ٤٢٠٠، ٤٢٠١، ٤٢١١، ٤٢١٣، ٥٠٨٥، ٥١٥٩، ٥١٦٩، ٥٣٨٧، ٥٤٢٥، ٥٥٢٨، ٥٩٦٨، ٦١٨٥، ٦٣٦٣]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے غزوۂ خیبر فرمایا پس ہم نے وہاں فجر کی نماز غلس میں

پڑھی، پھر آپؐ گھوڑے پر سوار ہوئے اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی سوار ہوئے، اور میں ابوطلحہؓ کے پیچھے بیٹھا تھا، پس آپؐ نے خیبر کی گلیوں میں گھوڑا دوڑایا، اور میرا گھٹنا نبی ﷺ کی ران کو چھو رہا تھا، پھر آپؐ نے اپنی ران پر سے لنگی کھولی (یہی جزء باب سے متعلق ہے) یہاں تک کہ میں آپؐ کی ران کی سفیدی کو دیکھ رہا ہوں، پس جب آپؐ آبادی میں داخل ہوئے تو فرمایا: بڑائی اللہ کے لئے ہے، خیبر اجڑا! بیشک ہم جب کسی قوم کے آنگن میں اترتے ہیں تو ڈرائے ہوؤں کی صبح بری ہوتی ہے۔ یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ فرمائی۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں: اور لوگ اپنے کاموں کے لئے نکلے، پس انھوں نے کہا: محمدؐ آگئے (**جاء محمد**) عبدالعزیز کہتے ہیں: اور ہمارے بعض اساتذہ نے **والخمیس** بھی کہا: خمیس کے معنی ہیں: بڑا لشکر، اور واؤ بمعنی مع ہے، **أی جاء محمد مع الخمیس**: محمد بہت بڑا لشکر لے کر آگئے، پس ہم نے خیبر کو لڑ کر فتح کیا، اور قیدی جمع کئے گئے، پس حضرت دحیہؓ آئے اور انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! مجھے قیدیوں میں سے ایک باندی عنایت فرمائیں، آپؐ نے فرمایا: جاؤ اور ایک باندی لے لو، چنانچہ انھوں نے حضرت صفیہ کو لے لیا۔ پس ایک شخص (قیدیوں کا ذمہ دار) نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپؐ نے دحیہؓ کو صفیہ بنت حیی دی ہے جو قریظہ اور نضیر کی سردار ہے، وہ آپؐ کے علاوہ کسی اور کے لئے مناسب نہیں، آپؐ نے فرمایا: دحیہؓ کو صفیہ کے ساتھ بلاؤ، پس وہ ان کو لے کر آئے، جب نبی ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپؐ نے فرمایا: قیدیوں میں سے ان کے علاوہ کوئی اور باندی لے لو۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں: پس نبی ﷺ نے ان کو آزاد کیا اور ان سے نکاح فرمایا، حضرت انسؓ سے ثابت بُنانی نے پوچھا: اے ابوحمزہ! صفیہ کو مہر کیا دیا؟ حضرت انسؓ نے کہا: خود ان کی ذات، آپؐ نے ان کو آزاد کیا اور نکاح فرمایا یعنی (یہ آزاد کرنا ہی مہر ٹھہرا) یہاں تک کہ جب آپؐ راستہ میں تھے، حضرت ام سلیمؓ نے ان کو نبی ﷺ کے لئے تیار کیا اور اسی شب میں آنحضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا، پس نبی ﷺ نے دولھا ہونے کی حالت میں صبح کی، پس آپؐ نے فرمایا: جس کے پاس جو کچھ ہو لائے اور ایک چمڑے کا دسترخوان بچھایا، پس کوئی کھجور لایا اور کوئی گھی لایا، راوی کہتا ہے: اور میرا گمان ہے کہ حضرت انسؓ نے ستو کا بھی ذکر کیا، حضرت انسؓ کہتے ہیں: پس لوگوں نے ملیدہ بنایا اور یہ نبی ﷺ کا ولیمہ تھا۔

تشریح:

۱۔ خمیس بڑے لشکر کو کہتے ہیں، اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے پانچ حصے ہوتے ہیں، مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ۔

۲۔ اعتاق (آزاد کرنا) مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اعتاق مہر بن سکتا ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک نہیں بن سکتا، اور جمہور اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے ان کو سات غلاموں کے بدلے میں لے کر آزاد کیا تھا، پھر نکاح فرمایا تھا، اور ان غلاموں کو ان کا مہر بنایا تھا، اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بلاعوض ان کو آزاد کیا تھا پھر انھوں نے اپنی ذات آپؐ کو ہبہ کر دی تھی، اس صورت میں آپؐ پر مہر کی ادائیگی ضروری نہیں تھی۔ سورۃ

الاحزاب آیت ۵۰ میں آپؐ کی جو چند خصوصیات بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے: ﴿وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾ یعنی اگر کوئی مؤمن عورت اپنی ذات نبی ﷺ کو ہبہ کردے اور آپؐ اس کو قبول فرمالیں تو وہ عورت آپؐ کے لئے حلال ہے یعنی اس سے بھی نکاح ہوجاتا ہے، اور آپؐ پر کوئی مہر واجب نہیں ہوتا۔

بابٌ فِيْ كَمْ تُصَلِّى الْمَرْأَةُ مِنَ الثِّيَابِ؟

عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے؟

بعض لوگ کہتے ہیں: عورت کو دو، تین یا چار کپڑوں میں نماز پڑھنی چاہئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوئی عدد ضروری نہیں، پورے بدن کا ستر ضروری ہے، خواہ یہ مقصد ایک کپڑے سے حاصل ہوجائے۔ جاننا چاہئے کہ جمہور کے نزدیک چہرہ جتنا وضو میں دھویا جاتا ہے، دونوں ہتھیلیاں گٹوں تک اور دونوں پیر ٹخنوں سے نیچے تک مستثنیٰ ہیں، عورت ان کو کھلا رکھ کر نماز پڑھے تو جائز ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قدمین تحت الکعبین بھی مستثنیٰ نہیں، عورت پر نماز میں ان کا ستر ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی —— اور امام بخاریؒ نے اس مسئلہ پر کہ عورت کا ایک کپڑے میں نماز پڑھنا صحیح ہے: جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ تقریب تام نہیں، اگرچہ مسئلہ صحیح ہے، صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: فجر پڑھ کر عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی نکلتی تھیں، غلس (تاریکی) کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں، اس حدیث میں یہ جملہ ہے: مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ: مُروط: مِرط کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: اونی چادر، نماز پڑھ کر عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی نکلتی تھیں، غلس کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں، اس سے یہ استدلال کرنا کہ عورتیں بس اسی ایک چادر میں نماز پڑھتی تھیں، اس کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا نہیں ہوتا تھا، یہ استدلال شاید صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ چادر تو بمنزلہ برقعہ کے تھی، ہاں حضرت عکرمہ کے قول سے استناد صحیح ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک کپڑے میں بھی اگر عورت سارا بدن چھپالے تو نماز صحیح ہے، معلوم ہوا کہ عورت کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے کپڑوں کی کوئی تعداد متعین نہیں۔

[۱۳-] بابٌ فِيْ كَمْ تُصَلِّى الْمَرْأَةُ مِنَ الثِّيَابِ؟

وَقَالَ عِكْرِمَةُ: لَوْ وَارَتْ جَسَدَهَا فِيْ ثَوْبٍ جَازَ.

[۳۷۲-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَقَدْ كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّى الْفَجْرَ، فَيَشْهَدُ مَعَهُ نِسَاءٌ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ، مُتَلَفِّعَاتٍ فِيْ مُرُوْطِهِنَّ، ثُمَّ يَرْجِعْنَ إِلٰى بُيُوْتِهِنَّ، مَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ. [انظر: ۵۷۸، ۸۶۷، ۸۷۲]

ترجمہ: عکرمہ کہتے ہیں: اگر عورت نے ایک کپڑے میں سارا جسم چھپالیا تو نماز صحیح ہے.......... صدیقہؓ فرماتی ہیں:

نبی ﷺ فجر پڑھا کرتے تھے، پس مسلمان عورتیں آپؐ کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتی تھیں، درانحالیکہ وہ سر سے پیر تک اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں، پھر اپنے گھروں کو لوٹتی تھیں، کوئی ان کو پہچان نہیں سکتا تھا ـــــ یعنی تاریکی میں نماز پوری ہوجاتی تھی، اور تاریکی ہی میں عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی گھروں کو لوٹتی تھیں، اور ابھی اتنی تاریکی ہوتی تھی کہ ان کو پہچاننا مشکل ہوتا تھا۔

تشریح: فجر کی نماز غلس میں افضل ہے یا اسفار میں؟ یہ مسئلہ آگے آئے گا، یہاں تو بس یہ استدلال ہے کہ ایک کپڑے میں نماز صحیح ہے، اور میں نے بتایا ہے کہ تقریب تام نہیں، اس لئے کہ عورتیں جو ایک چادر میں لپٹ کر آتی تھیں وہ چادر بمنزلہ برقعہ کے تھی، پس اس حدیث سے استدلال مشکل ہے۔

بابٌ: إِذَا صَلَّى فِيْ ثَوْبٍ لَهُ أَعْلاَمٌ وَنَظَرَ إِلٰى عَلَمِهَا

پھول بوٹے والے کپڑے میں نماز پڑھی، اور نماز میں پھولوں کو دیکھا

أعلام: علَم کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: پھول بوٹے، پھول اور بوٹا ایک ہیں، ایسا کپڑا جس میں پھول بوٹے بنے ہوں اگر کوئی اس کو پہن کر نماز پڑھے اور دوران نماز اس کی نظر بوٹوں پر پڑے تو بھی نماز صحیح ہے، لیکن نماز میں ایسا کپڑا نہ پہننا اولیٰ ہے، تاکہ نماز کی طرف پورا دھیان رہے، حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کو ایک چادر ہدیۃً پیش کی، اس میں پھول بوٹے تھے، آپؐ نے کرتے کی جگہ اس کو اوڑھا اور نماز پڑھی، نماز کے بعد آپؐ نے وہ چادر اتار دی اور ایک صاحب کو دے کر فرمایا: اسے ابوجہم کو واپس کردو، اور اس کے بدلہ میں ان کے پاس جو انجانیہ چادر ہے وہ لے آؤ، وہ سادہ چادر تھی، اس میں پھول بوٹے نہیں تھے، اس حدیث سے دو باتیں نکلیں: ایک: آپؐ نے نماز نہیں لوٹائی معلوم ہوا کہ ایسی چادر میں نماز پڑھنا صحیح ہے۔ دوم: آپؐ نے وہ چادر لوٹا دی معلوم ہوا کہ ایسی چادر کا ترک اولیٰ ہے۔

[١٤-] بابٌ: إِذَا صَلَّى فِيْ ثَوْبٍ لَهُ أَعْلاَمٌ وَنَظَرَ إِلٰى عَلَمِهَا

[٣٧٣-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، قَالَ: أَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى فِيْ خَمِيْصَةٍ لَهَا أَعْلاَمٌ، فَنَظَرَ إِلٰى أَعْلاَمِهَا نَظْرَةً، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ:" اذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهِ إِلٰى أَبِيْ جَهْمٍ، وَائْتُوْنِيْ بِإِنْبِجَانِيَّةِ أَبِيْ جَهْمٍ، فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِيْ آنِفًا عَنْ صَلاَتِيْ.

وَقَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " كُنْتُ أَنْظُرُ إِلٰى عَلَمِهَا، وَأَنَا فِيْ الصَّلاَةِ، فَأَخَافُ أَنْ تَفْتِنَنِيْ" [انظر: ٧٥٢، ٥٨١٨]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ایسی چادر میں نماز پڑھی جس میں پھول بوٹے

تھے، نماز کے دوران آپؐ کی ان پر اچٹتی نظر پڑھی، جب آپؐ نے نماز پوری فرمائی تو فرمایا: میری یہ چادر ابوجہمؓ کے پاس لے جاؤ، اور ابوجہم کی انجانیہ چادر میرے پاس لاؤ، اس لئے کہ ان بوٹوں نے ابھی مجھے نماز سے غافل کیا، یعنی ان کی وجہ سے میری توجہ نماز سے ہٹی —— اور ہشام کی روایت میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں ان بوٹوں کو دیکھ رہا تھا درانحالیکہ میں نماز میں تھا، اور مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ بوٹے مجھے فتنہ میں مبتلا کر دیں، یعنی میری نماز خراب کر دیں۔

وضاحت: خمیصة: سرخ یا سیاہ دھاری دار چادر، یعنی کپڑے کی زمین الگ ہو اور اس میں سرخ یا سیاہ دھاریاں ہوں ....حضرت أبو الجهم بن حذیفہ قریشی صحابی ہیں اور أبو الجُهیم بن الصمہ انصاری ہیں، حضرت اُبَیؓ کے بھانجے ہیں، انھوں نے آپؐ کو سلام کیا تھا اور آپؐ نے تیمّم کر کے جواب دیا تھا —— إنبجانية: جگہ کی طرف نسبت ہے۔

بابٌ: إِنْ صَلَّى فِيْ ثَوْبٍ مُصَلَّبٍ أَوْ تَصَاوِيْرَ هَلْ تَفْسُدُ صَلاَتُهُ؟ وَمَا يُنْهَى مِنْ ذٰلِكَ

اگر ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جس پر صلیب یا کوئی اور تصویر بنی ہوئی ہو تو کیا نماز فاسد ہوگی؟ اور ایسے کپڑے میں نماز کی ممانعت

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

ایک: وہ کپڑا جس میں کوئی ایسی تصویر بنی ہوئی ہو جس کی پوجا کی جاتی ہے، جیسے صلیب کی تصویر، عیسائیوں کے یہاں صلیب کی پوجا کی جاتی ہے اس میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جواب یہ ہے کہ نماز ہو جائے گی مگر ایسا کپڑا اور ایسا مصلی استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

دوسرا مسئلہ: کسی جگہ ہر طرف تصویریں لگی ہوئی یا بنی ہوئی ہوں اور ان کے درمیان آدمی نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی مگر ایسی جگہ نماز نہیں پڑھنی چاہئے —— تصاویر کا عطف ثوب پر ہے، اور إن صَلَّى فی تصاویر: کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جس میں تصویریں تھیں، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھی جہاں دائیں بائیں، آگے پیچھے چاروں طرف تصویریں ہوں، دونوں صورتوں میں نماز صحیح ہوگی مگر ترک اولیٰ ہے، اور جاندار کی تصویر بھی حرام ہے، پس اس کا بھی یہی حکم ہے۔

[۱۵-] بابٌ: إِنْ صَلَّى فِيْ ثَوْبٍ مُصَلَّبٍ أَوْ تَصَاوِيْرَ هَلْ تَفْسُدُ صَلاَتُهُ؟ وَمَا يُنْهَى مِنْ ذٰلِكَ

[۳۷۴-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: نَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ، سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "أَمِيْطِيْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا، فَإِنَّهُ لاَ تَزَالُ تَصَاوِيْرُهُ تَعْرِضُ فِيْ صَلاَتِيْ" [انظر: ۵۹۵۹]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک پردہ تھا جس سے انھوں نے گھر کا ایک کونہ چھپا رکھا تھا، نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: اپنا یہ پردہ ہم سے دور کرو، اس لئے کہ اس کی تصویریں برابر نماز میں میرے سامنے آتی رہتی ہیں۔

تشریح: قِرام: باریک پردہ جس میں مختلف رنگ ہوں، حضرت عائشہؓ نے گھر کے کسی کونے میں ایسا پردہ لٹکا رکھا تھا، دوران نماز وہ پردہ نبی ﷺ کو نظر پڑتا تھا، جس کی وجہ سے توجہ بٹتی تھی، آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: اس پردہ کو ہٹادو، اس کی وجہ سے میری نماز خراب ہوتی ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے اس کو پھاڑ کر بیٹھنے کا گدا بنادیا، یہی جزء باب سے متعلق ہے کہ اگر نمازی کے سامنے، دائیں بائیں تصویریں ہوں تو نماز صحیح ہے مگر ایسی جگہ نماز نہیں پڑھنی چاہئے اور جب تصویریں نمازی کے سامنے ہوں اور نماز صحیح ہوجاتی ہے تو تصویریں نمازی کے بدن پر ہوں یعنی نمازی نے ایسا کپڑا پہن رکھا ہو تو بھی نماز صحیح ہے۔

بَابُ مَنْ صَلَّى فِيْ فَرُّوْجِ حَرِيْرٍ ثُمَّ نَزَعَهُ

جس نے ریشم کی عباء میں نماز پڑھی پھر اس کو نکال دیا

فروج: اس عباء کو کہتے ہیں جس کا گریبان پیچھے کی طرف ہو، اور باب میں مسئلہ یہ ہے کہ ریشم کے کپڑے میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ ریشم مردوں کے لئے حرام ہے، اگر کوئی ریشم کا کپڑا پہن کر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ ریشم حرام ہے لیکن اگر کوئی اس میں نماز پڑھے تو نماز ہوجائے گی —— اور باب میں جو حدیث ہے وہ مسئلہ باب میں صریح نہیں۔ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ ریشم کا جبّہ پہن کر نماز پڑھی، وہ جبہ آپؐ کو کسی نے ہدیہ دیا تھا، نماز کے بعد آپؐ نے اس کو ناگواری کے ساتھ اتار دیا اور فرمایا: یہ متقیوں کے لئے مناسب نہیں، اور مسلم شریف میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے اس سے منع کیا (حدیث ۲۰۷۵ أبواب اللباس) یعنی اس واقعہ کے بعد ریشم کی حرمت نازل ہوئی، پس اس حدیث سے جواز پر استدلال مشکل ہے، لیکن مسئلہ اپنی جگہ صحیح ہے کہ نماز درست ہوجائے گی۔

[۱۶-] بَابُ مَنْ صَلَّى فِيْ فَرُّوْجِ حَرِيْرٍ ثُمَّ نَزَعَهُ

[۳۷۵-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: نَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيْدَ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: أُهْدِيَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَرُّوْجُ حَرِيْرٍ، فَلَبِسَهُ فَصَلَّى فِيْهِ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِيْدًا كَالْكَارِهِ لَهُ، وَقَالَ: "لَايَنْبَغِيْ هٰذَا لِلْمُتَّقِيْنَ" [انظر: ۵۸۰۱]

ترجمہ: حضرت عقبہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کو ریشم کا جبہ ہدیۃً پیش کیا گیا، آپؐ نے اس کو پہن کر اس میں نماز پڑھی،

پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اس کو سختی سے اتار دیا، اس کو ناپسند کرنے والے کی طرح، اور فرمایا یہ متقیوں کے لئے زیبا نہیں۔

بابُ الصَّلاَۃُ فِیْ الثَّوْبِ الأَحْمَرِ

سرخ کپڑے میں نماز پڑھنا

سرخ کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے، سرخ کپڑا مردوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، شرنبلانی نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس میں آٹھ اقوال ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک قول استحباب کا بھی ہے، اور سرخ ٹوپی کی اجازت تو بالاتفاق مروی ہے (شامی ۵: ۲۵۳ مطبع زکریا) اور باب میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو سرخ جوڑے میں دیکھا: حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (ترمذی کتاب الاذان باب ۳۱) نبی ﷺ نے جو سرخ جوڑا زیب تن فرمایا تھا، وہ حِبَری کپڑا تھا یعنی اس کی زمین سفید تھی، اور اس میں سرخ دھاریاں تھیں، اور قریب قریب تھیں اس لئے وہ لال کپڑا محسوس ہوتا تھا، مگر حقیقت میں وہ لال نہیں تھا، جیسے آج کل لال رومال اوڑھتے ہیں، ان کی زمین سفید ہوتی ہے اور ان میں سرخ پھول ہوتے ہیں، اس لئے سرخ رومال کہلاتے ہیں۔

سرخ دھاری دار کپڑا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے، اور جن روایتوں میں سرخ رنگ کی ممانعت آئی ہے وہ احمر قانی یعنی تیز سرخ رنگ کی ممانعت ہے، ایسا رنگ مست کن ہوتا ہے، جو مردوں کے شایانِ شان نہیں، اس لئے اس کو ناپسند کیا گیا ہے، البتہ عورتوں کے لئے زیبا ہے اس لئے ان کے لئے جائز ہے۔

[۱۷-] بابُ [الصَّلاَۃُ] فِیْ الثَّوْبِ الأَحْمَرِ

[۳۷۶-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَۃَ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ عُمَرُ بْنُ أَبِیْ زَائِدَۃَ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِیْ جُحَیْفَۃَ، عَنْ أَبِیْہِ، قَالَ: رَأَیْتُ رسولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ قُبَّۃٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَیْتُ بِلاَلاً أَخَذَ وَضُوْءَ رسولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم، وَرَأَیْتُ النَّاسَ یَبْتَدِرُوْنَ ذَاکَ الْوَضُوْءَ، فَمَنْ أَصَابَ مِنْہُ شَیْئًا تَمَسَّحَ بِہٖ، وَمَنْ لَمْ یُصِبْ مِنْہُ شَیْئًا أَخَذَ مِنْ بَلَلٍ یَدِ صَاحِبِہٖ، ثُمَّ رَأَیْتُ بِلاَلاً أَخَذَ عَنَزَۃً فَرَکَزَھَا، وَخَرَجَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ حُلَّۃٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا، صَلَّی إِلَی الْعَنَزَۃِ بِالنَّاسِ رَکْعَتَیْنِ، وَرَأَیْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ یَمُرُّوْنَ بَیْنَ یَدَیِ الْعَنَزَۃِ.

[راجع: ۱۸۷]

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک سرخ چمڑے کے خیمہ میں دیکھا، اور

میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا: انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے وضو کا پانی لیا، اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس وضو کے پانی پر جھپٹ رہے ہیں، پس جس کو اس پانی میں سے کچھ مل گیا اس نے وہ پانی بدن پر مل لیا، اور جس کو کچھ نہ ملا اس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ کی تری میں سے لیا اور اپنے چہرہ وغیرہ پر ملا، پھر میں نے حضرت بلالؓ کو دیکھا: انھوں نے ایک بلّم لیا اور اس کو (میدان میں) گاڑا، اور نبی ﷺ سرخ جوڑے میں لنگی اٹھائے ہوئے نکلے، آپؐ نے لوگوں کو اس بلّم کی طرف منہ کرکے دو رکعت پڑھائیں، اور میں نے لوگوں کو اور جانوروں کو دیکھا کہ وہ بلّم کے پرے سے گذر رہے ہیں۔

تشریح: یوم النفر یعنی ۱۳ ذی الحجہ کو حج سے فارغ ہونے کے بعد نبی ﷺ نے بطحاء نامی میدان میں قیام فرمایا تھا اور عصر تا عشاء تین نمازیں وہاں ادا فرمائی تھیں، حضرت ابو جحیفہؓ نے اس موقعہ کی منظر کشی کی ہے، نبی ﷺ چمڑے کے ایک سرخ خیمہ میں تشریف فرما تھے، عصر کی نماز کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ وضو کا پانی لائے پھر برتن میں جو پانی بچا اس کو لے کر باہر نکلے تو صحابہ اس تبرک کو حاصل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے، اور اس میں سے لے کر چہرہ، ہاتھ اور بدن پر ملنے لگے، اور جب تبرک ختم ہو گیا تو جو صحابہ رہ گئے تھے انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں پر سے تری لے کر چہرہ وغیرہ پر ملی، پھر حضرت بلالؓ نے ایک جگہ چھوٹا بلّم گاڑا، جس کو سترہ بنا کر نبی ﷺ نے عصر پڑھائی، اور قصر پڑھائی، اور لوگ اور جانور اس سترہ کے پرے سے گذر رہے تھے، آپؐ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی، کیونکہ سترہ کے پرے سے گذرنا جائز ہے، اس موقع پر حضور اقدس ﷺ نے سرخ جوڑا زیب تن فرمایا تھا، یہی جزء باب سے متعلق ہے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِيْ السُّطُوْحِ وَالْمِنْبَرِ وَالْخَشَبِ

چھتوں پر، منبر پر اور لکڑی پر نماز پڑھنا

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ کیا زمین پر نماز پڑھنی ضروری ہے یا کسی اور چیز پر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں؟ اور یہ مسئلہ اس لئے پیدا ہوا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: **جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مسجدًا**: پس یہ خیال ہو سکتا ہے کہ زمین پر ہی نماز پڑھنا ضروری ہوگا چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں، ان کے نزدیک چٹائی وغیرہ پر فرض نماز اس طرح پڑھنا کہ سجدہ بھی اسی پر ہو جائز نہیں، ان کے نزدیک زمین یا جنس زمین پر سجدہ کرنا فرض ہے، البتہ نفلوں میں گنجائش ہے۔ مگر اب مالکیہ کے یہاں بھی اس پر عمل نہیں رہا، سوڈان کا ایک طالب علم تھا احمد میرف، بڑا ذہین تھا اور مالکی تھا میں نے اس سے اس سلسلہ میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہمارے یہاں اس پر عمل نہیں۔ غرض امام بخاریؒ نے یہ باب لا کر بتایا کہ زمین ہی پر نماز پڑھنا ضروری نہیں، دوسری چیزوں پر: چھت، منبر اور لکڑی وغیرہ پر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

فائدہ: جُعلت لی الأرض مسجداً: میں جو زمین کی تخصیص ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ زمین کے ہر خطہ پر نماز پڑھی جا سکتی ہے، کوئی جگہ بالذات ممنوع نہیں، اور ناپاک زمین پر نماز پڑھنے کی ممانعت لغیرہ ہے، عارض کی وجہ سے ہے اور

عارض زمین کا ناپاک ہونا ہے۔ اگر وہ عارض باقی نہ رہے تو پھر اس جگہ بھی نماز پڑھنا صحیح ہے۔ زمین پر یا زمین کی جنس پر نماز پڑھنا ضروری ہے، یہ اس حدیث کا مفاد نہیں (۱)

[۱۸-] بابُ الصَّلٰوۃ فِیْ السُّطُوْحِ وَالْمِنْبَرِ وَالْخَشَبِ

[۱-] قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ: وَلَمْ یَرَ الْحَسَنُ بَأْسًا أَنْ یُصَلّٰی عَلٰی الْجَمْدِ، وَالْقَنَاطِرِ، وَإِنْ جَرٰی تَحْتَهَا بَوْلٌ، أَوْ فَوْقَهَا، أَوْ أَمَامَهَا، إِذَا کَانَ بَیْنَهُمَا سُتْرَۃٌ.

[۲-] وَصَلّٰی أَبُوْ هُرَیْرَۃَ عَلٰی ظَهْرِ الْمَسْجِدِ بِصَلَاۃِ الإِمَامِ.

[۳-] وَصَلّٰی ابْنُ عُمَرَ عَلَی الثَّلْجِ.

۱- حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: برف پر اور پل پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ پل کے نیچے، یا اوپر یا سامنے پیشاب بہہ رہا ہو، جبکہ نمازی اور ناپاکی کے درمیان کوئی آڑ ہو، معلوم ہوا کہ نہ زمین پر نماز پڑھنا ضروری ہے اور نہ زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے، کسی بھی چیز پر نماز پڑھ سکتے ہیں اور کسی بھی چیز پر سجدہ کر سکتے ہیں، بس اس جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے، بلکہ اگر نمازی کے نیچے، اوپر یا سامنے ناپاکی ہو اور درمیان میں آڑ ہو تو نماز صحیح ہے، مثلاً ایک شخص پل پر نماز پڑھ رہا ہے اور نیچے گندہ پانی بہہ رہا ہے خواہ وہ پل سے لگ کر بہہ رہا ہو، یا منفصل ہو، اسی طرح گٹر پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھ رہا ہے اور گٹر کے اندر ناپاکی ہے تو بھی نماز صحیح ہے اس لئے کہ ناپاکی اور نمازی کے درمیان آڑ ہے۔ اسی طرح ناپاک کپڑے پر پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھے تو بھی نماز صحیح ہے، کیونکہ درمیان میں آڑ ہے مگر یہ ضروری ہے کہ کپڑا مُشَرَّج نہ ہو، یعنی اوپر والا کپڑا نیچے والے کپڑے کے ساتھ سیا ہوا نہ ہو، اگر سی کر دونوں کو ایک کر دیا ہے تو نماز صحیح نہیں ہوگی، اسی طرح نمازی کے اوپر سے یا سامنے سے ناپاکی بہہ رہی ہے اور درمیان میں کوئی آڑ ہے تو بھی نماز صحیح ہے۔

فائدہ: جب ہر چیز پر نماز پڑھنا صحیح ہے اور زمین پر یا جنس زمین پر سجدہ کرنا ضروری نہیں، تو پھر کشتی میں، ریل گاڑی میں، ہوائی جہاز میں اور خلائی گاڑی میں بھی نماز پڑھنا صحیح ہے، اور اس مسئلہ میں اب کوئی اختلاف نہیں رہا، پہلے اختلاف تھا اب سب متفق ہیں کہ شرائط صلوٰۃ کا لحاظ کر کے ریل گاڑی اور ہوائی جہاز وغیرہ میں نماز پڑھنا صحیح ہے۔

۲و۳- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مسجد کی چھت پر امام کی اقتدا میں نماز پڑھی، امام نیچے تھا اور مسجد بھر گئی تھی اس لئے حضرت نے چھت پر نماز پڑھی، جیسے مسجد فوقانی میں نماز پڑھتے ہیں، اور حضرت ابن عمرؓ نے برف پر نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ زمین کے علاوہ پر بھی نماز صحیح ہے۔

(۱) زمین کی جنس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو جلانے سے نہ جلیں، جیسے اینٹ پتھر وغیرہ، اور جو چیزیں آگ میں جل جائیں جیسے چٹائی اور کپڑا وغیرہ وہ زمین کی جنس سے نہیں۔

[۳۷۷-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: نَا سُفْيَانُ، قَالَ: نَا أَبُوْ حَازِمٍ، قَالَ: سَأَلُوْا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ؟ فَقَالَ: مَابَقِيَ فِي النَّاسِ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ، هُوَ مِنْ أَثْلِ الْغَابَةِ، عَمِلَهُ فُلاَنٌ مَوْلٰى فُلاَ نَةٍ لِرَسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَقَامَ عَلَيْهِ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ عُمِلَ وَوُضِعَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، كَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهُ، فَقَرَأَ وَرَكَعَ ، وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهُ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى، فَسَجَدَ عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ عَادَ إِلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَأَ، ثُمَّ رَكَعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى حَتّٰى سَجَدَ بِالْأَرْضِ، فَهٰذَا شَأْنُهُ.

وَقَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: قَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: سَأَلَنِيْ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ، قَالَ: وَإِنَّمَا أَرَدْتُ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ أَعْلٰى مِنَ النَّاسِ، فَلاَ بَأْسَ أَنْ يَكُوْنَ الإِمَامُ أَعْلٰى مِنَ النَّاسِ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ، قَالَ: فَقُلْتُ: إِنَّ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ كَانَ يُسْأَلُ عَنْ هٰذَا كَثِيْرًا: فَلَمْ تَسْمَعْهُ مِنْهُ؟ قَالَ: لاَ.

[انظر: ٤٤٨، ٩١٧، ٢٠٩٤، ٢٥٦٩]

حدیث (۱): ابوحازم کہتے ہیں: لوگوں نے حضرت سہل بن سعدؓ سے پوچھا: نبی ﷺ کا منبر کس لکڑی کا تھا؟ آپؓ نے فرمایا: اب دنیا میں کوئی باقی نہیں رہا جو اس بات کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو یعنی جو صحابہ اس کو جانتے تھے وہ اٹھ چکے، تنہا میں ہی باقی رہ گیا ہوں اس لئے میں ہی اس کو سب سے زیادہ جانتا ہوں[1] وہ غابہ مقام کے جھاؤ کے درخت کی لکڑی کا تھا جس کو رسول اللہ ﷺ کے لئے فلاں شخص نے جو فلاں عورت کا آزاد کردہ تھا بنایا تھا (اس کا نام میمون تھا اور وہ عائشہ انصاریہ کا آزاد کردہ تھا) جب منبر تیار ہو کر مسجد میں رکھا گیا تو نبی ﷺ نے اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھائی (تاکہ سب آپؐ کی نماز کو دیکھیں اور سیکھیں) پس آپؐ نے قبلہ کی طرف رخ کر کے تکبیر تحریمہ کہی، اور لوگوں نے آپؐ کے پیچھے (نیچے) صف بنائی، پس آپؐ نے قراءت کی اور رکوع کیا، پس لوگوں نے آپؐ کے ساتھ رکوع کیا، پھر آپ نے سر اٹھایا پھر الٹے پاؤں لوٹے اور زمین پر سجدہ کیا (منبر پر سجدہ کرنے کی جگہ نہیں تھی اس لئے آپؐ نے نیچے اتر کر سجدہ کیا، اور الٹے پاؤں اس لئے لوٹے کہ قبلہ سے انحراف نہ ہو) پھر منبر پر گئے پھر قراءت کی پھر رکوع کیا، پھر سر اٹھایا، پھر الٹے پاؤں لوٹے یہاں تک کہ زمین پر سجدہ کیا، یہ اس منبر کا حال ہے جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: علی بن المدینی نے فرمایا: مجھ سے یہ حدیث امام احمدؒ نے پوچھی اور کہا: میں نے خاص اس جزء کا ارادہ کیا ہے کہ نبی ﷺ لوگوں سے بلند جگہ پر تھے، یعنی خاص اس جزء کی وجہ سے میں نے تم سے یہ حدیث پوچھی ہے، اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام لوگوں سے بلند جگہ ہو سکتا ہے اس میں کچھ حرج نہیں، ابن المدینی کہتے ہیں: میں نے

(۱) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی ہیں اس لئے فرمایا کہ یہاں میرے سوا اس کو جاننے والا کوئی نہیں۔

امام احمدؒ سے کہا: سفیان بن عیینہ سے اس حدیث کے بارے میں بکثرت پوچھا جاتا تھا پس کیا آپؐ نے ان سے یہ حدیث نہیں سنی؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔

تشریح:

۱- منبر رسول عائشہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ میمون نجار نے بنایا تھا، اور اس میں تین درجے تھے، اور غابہ نامی جگہ کے جھاؤ کے درخت کی لکڑی کا بنایا تھا، یہ جنگلی درخت ہے، جب یہ منبر مسجدِ نبوی میں رکھا گیا تو نبی ﷺ نے اس پر چڑھ کر نماز پڑھائی، نیچے نماز پڑھانے کی صورت میں آپؐ کو سب نمازی دیکھ نہیں سکتے تھے، اس لئے آپؐ نے منبر پر چڑھ کر نماز پڑھائی تاکہ سب صحابہ آپؐ کو دیکھیں اور آپؐ کی حرکات وسکنات اور رکوع وسجود کو محفوظ کریں، اور نماز کا طریقہ سیکھیں، یہ وجہ مسلم شریف کی حدیث (نمبر ۵۴۴) میں ہے، اور اس حدیث سے ترجمہ کے تینوں جزء ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

۲- نبی ﷺ نے جو زمین پر سجدہ کیا تھا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے، بلکہ منبر پر سجدہ کرنے کی جگہ نہیں تھی، اس لئے نیچے اتر کر سجدہ فرمایا تھا —— اور عمل قلیل کے ساتھ منبر سے اترا جاسکتا ہے، لہٰذا یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ منبر سے اترنے کے لئے آپؐ نے عمل کثیر کیا ہوگا؟ عمل کثیر یہ ہے کہ دوقدم سے زیادہ مسلسل چلے، اس سے کم چلنا، یا دوقدم چل کر ایک رکن کے بقدر ٹھہر جانا پھر دوقدم چل کر رک جانا عمل قلیل ہے۔

۳- علی بن المدینی اور امام احمد بن حنبل خواجہ طاش ہیں یعنی استاذ شریک بھائی ہیں، امام احمدؒ نے ابن المدینیؒ سے یہ حدیث سنانے کی درخواست کی تو ابن المدینی نے ان کو حدیث سنائی، پھر ابن المدینی نے پوچھا: سفیان بن عیینہؒ سے یہ حدیث طلبہ بار بار پوچھتے تھے اور آپ ان کے خاص شاگرد ہیں تو کیا آپ نے ان سے یہ حدیث نہیں سنی؟ امام احمدؒ نے کہا: حدیث تو سنی ہے، مگر یہ خاص جزء کہ نبی ﷺ نے منبر پر چڑھ کر نماز پڑھائی: یہ جزء نہیں سنا، اس لئے میں نے آپ سے یہ حدیث سنی، پھر فرمایا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا کہ اگر امام کسی بلند جگہ پر ہو اور مقتدی نیچے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور جب یہ جائز ہے تو اس کا برعکس یعنی امام نیچے ہو اور مقتدی بلند جگہ ہوں: یہ بھی جائز ہے، یہ واقعہ کی صحیح صورت ہے۔ یہاں حدیث میں تقدیم وتاخیر ہے، اس لئے بات واضح نہیں ہوتی۔

۴- اگر امام تنہا کسی اونچی جگہ کھڑا ہو اور وہ جگہ قد آدم یا زیادہ بلند ہو تو یہ مکروہ ہے، اس میں یہود کی مشابہت ہے ان کا امام تنہا ایسی ہی بلند جگہ پر کھڑا ہوتا ہے۔ اور قدم آدم سے کم اونچائی ہو یا امام کے ساتھ اس بلند جگہ پر چند مقتدی بھی ہوں تو پھر مضائقہ نہیں، اور یہی حکم برعکس صورت کا ہے، یعنی تنہا امام نیچے ہو اور سب مقتدی قد آدم سے زیادہ اونچے ہوں تو بھی مکروہ ہے۔ اور امام کے ساتھ بعض مقتدی بھی نیچے ہوں، باقی اوپر ہوں خواہ قدم آدم سے زیادہ اوپر ہوں اس میں مضائقہ نہیں۔

[۳۷۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدُ الطَّوِيْلُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم سَقَطَ عَنْ فَرَسِهِ فَجُحِشَتْ سَاقُهُ أَوْ: كَتِفُهُ، وَآلَى مِنْ

نِسَائِهِ شَهْرًا، فَجَلَسَ فِيْ مَشْرُبَةٍ لَهُ، دَرَجَتُهَا مِنْ جُذُوْعٍ، فَأَتَاهُ أَصْحَابُهُ يَعُوْدُوْنَهُ، فَصَلَّى بِهِمْ جَالِسًا وَهُمْ قِيَامٌ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ: " إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا، وَإِنْ صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا" وَنَزَلَ لِتِسْعٍ وَّعِشْرِيْنَ، فَقَالُوْا: يَارسولَ اللهِ، إِنَّكَ آلَيْتَ شَهْرًا، فَقَالَ: "إِنَّ الشَّهْرَ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ"[انظر: ٦٨٩، ٧٣٢، ٧٣٣، ٨٠٥، ١١١٤، ١٩١١، ٢٤٦٩، ٥٢٠١، ٥٢٨٩، ٦٦٨٤]

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھوڑے سے گر گئے پس آپؐ کی پنڈلی یا شانہ چھل گیا، اور آپؐ نے اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کے لئے ایلاء کیا، پس آپؐ اپنے بالا خانہ میں قیام پذیر ہو گئے جس کے زینے کھجور کے تنوں کے تھے، پس آپؐ کے پاس صحابہ آئے تا کہ وہ آپؐ کی بیمار پرسی کریں، پس آپؐ نے ان کو نماز پڑھائی درانحالیکہ وہ کھڑے ہو کر اقتداء کر رہے تھے، جب آپؐ نے سلام پھیرا تو فرمایا: ''امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، لہٰذا جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو، جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو، اور اگر امام کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو'' اور آپؐ انتیس دن پر بالا خانہ سے اتر آئے، صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپؐ نے ایک ماہ کے لئے ایلاء فرمایا تھا، آپؐ نے فرمایا: بیشک یہ مہینہ انتیس دن کا ہے۔

تشریح: یہ حدیث بخاری میں دس جگہ آئی ہے اور دیگر کتب حدیث میں بھی آئی ہے، اور مختلف طرح سے آئی ہے، اس لئے واقعہ کی جو صحیح صورت ہے اس کو سمجھ لینا چاہئے۔

سب سے پہلے یہ بات جاننی چاہئے کہ دو واقعے تقریباً ایک زمانہ میں پیش آئے ہیں، ایک: جب نبی ﷺ کی مختلف جگہوں سے آمدنی بڑھ گئی تو ازواج مطہرات نے نفقہ میں زیادتی کا مطالبہ کیا، ان کے اس مطالبہ سے نبی ﷺ کو ناگواری ہوئی، اس لئے کہ آمدنی بڑھی تھی مگر خرچہ بھی بڑھ گیا تھا، اسلام تیزی سے پھیلنا شروع ہوا تھا، روزانہ وفود آ رہے تھے ان کا تعاون کرنا، سرایا کی روانگی اور آلات حرب کی خریداری وغیرہ ضروریات اسی آمدنی سے آپؐ پوری فرماتے تھے، اس لئے ازواج کے مطالبہ سے ناراض ہو کر آپؐ نے ایک ماہ تک ازواج کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی یعنی ایلاء لغوی کیا، اور بالا خانہ میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ پر تھا قیام فرمایا۔ انہی دنوں میں آپؐ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے اچانک گھوڑا کسی بات سے بدکا، اور بھاگا اور کھجور کے ایک درخت کے پاس سے اس طرح گذرا کہ جسم اطہر گھوڑے اور درخت کے بیچ میں آ گیا اور آپؐ کی ایک جانب چھل گئی، پس بیماری کے دن بھی آپؐ نے بالا خانے میں گذارے، مسجد میں تشریف نہیں لاتے تھے، ایک دن صحابہ بیمار پرسی کے لئے گئے اتفاق سے اس وقت آپؐ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، صحابہ نے موقع غنیمت جانا اور آپؐ کی اقتداء کر لی، اور کھڑے ہو کر اقتداء کی، آپؐ نے اشارہ سے ان کو بٹھا دیا، پھر جب سلام پھیرا تو فرمایا: امام اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے لہٰذا جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، اور جب امام کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم کھڑے ہو کر اقتداء کرو اور

جب امام بیٹھ کرنماز پڑھائے توتم بیٹھ کراقتداءکرو۔

پھر جب انتیس دن پورے ہوئے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مہینہ پورا ہونے کی خبر دی تو آپؐ بالاخانہ سے اترے اور یکے بعد دیگرے سب ازواج کے پاس گئے، سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور آیات تخییر سنائیں جو اکیسویں پارہ کے آخری رکوع میں ہیں، پھر اختیار دیا، حضرت عائشہؓ نے آپؐ کو اختیار کیا، اور یہ بھی عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ نے ایک ماہ کے لئے ایلاء کیا تھا، اور ابھی انتیس دن ہوئے ہیں، حضرت عائشہؓ نے خیال کیا کہ شاید آپؐ بھول گئے ہوں اور مبادا بے خبری میں آپؐ کی قسم ٹوٹ جائے، آپؐ نے فرمایا: یہ مہینہ انتیس دن کا ہے، پھر آپؐ دیگر ازواج کے پاس تشریف لے گئے، اور سب کو آیات تخییر سنائیں، سب نے آپؐ کو اختیار کیا۔ یہ واقعہ کی صحیح صورت ہے، اور یہ حدیث مختلف طرح سے آئی ہے، اور ایسی جگہوں کے لئے میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ کے متعلقات ہیں، ان میں اختلاف کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے، اصل واقعہ پر توجہ مرکوز رکھنی چاہئے —— اور حدیث کی باب سے مناسبت واضح ہے کہ آپؐ نے چھت پر نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ زمین پر نماز پڑھنا ضروری نہیں۔

ملحوظہ: اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر اقتداء کریں گے یہ مسئلہ آگے آرہا ہے۔

بابٌ: إِذَا أَصَابَ ثَوْبُ الْمُصَلِّى امْرَأَتَهُ إِذَا سَجَدَ

سجدہ میں نمازی کا کپڑا اس کی بیوی سے لگے تو نماز درست ہے

ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے، برابر میں بیوی بیٹھی یا لیٹی ہے، جب اس نے سجدہ کیا تو اس کا کپڑا بیوی کو لگا تو کیا حکم ہے؟ اور اس باب کا کیا مقصد ہے؟ حضرت الاستاذ مرادآبادی قدس سرہ نے فرمایا: یہاں سے دور تک ذیلی ابواب ہیں، اور ان تمام ابواب کا مقصد یہ ہے کہ غیر ارض پر نماز صحیح ہے، اوپر جنرل باب گذرا ہے کہ زمین اور غیر زمین سب پر نماز پڑھنا صحیح ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ فرائض میں زمین یا زمین کی جنس پر سجدہ کرنا ضروری ہے، امام بخاریؒ نے تردید کی تھی کہ غیر ارض پر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اب اس جنرل باب کے ذیلی ابواب شروع ہو رہے ہیں، ان سب بابوں میں بس یہی دیکھنا ہے کہ نبی ﷺ نے غیر ارض پر نماز پڑھی ہے، لہٰذا اب ہر باب کا الگ مقصد تجویز کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور اگر آپ الگ مقصد چاہتے ہیں تو پھر اس باب کا مقصد یہ ہے کہ بیوی کے نمازی کے قریب ہونے سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، حتی کہ اگر نمازی کا کپڑا حائضہ بیوی کو لگے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حیض کی حالت میں نبی ﷺ کے سامنے لیٹی رہتی تھیں اور آپؐ نماز پڑھتے تھے، بعض مرتبہ آپؐ کا کپڑا حضرت میمونہؓ کو لگتا تھا پھر بھی آپؐ نماز جاری رکھتے تھے، معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے قریب ہونے سے اور اس پر نمازی کا کپڑا پڑنے سے نماز پر اثر نہیں پڑتا، نماز صحیح ہوجاتی ہے۔

[۱۹-] بابٌ: إِذَا أَصَابَ ثَوْبُ الْمُصَلِّی امْرَأَتَهُ إِذَا سَجَدَ

[۳۷۹-] حدثنا مُسَدَّدٌ، عَنْ خَالِدٍ، قَالَ: نَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ، قَالَتْ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّیْ، وَأَنَا حِذَاءَهُ، وَأَنَا حَائِضٌ، وَرُبَّمَا أَصَابَنِیْ ثَوْبُهُ إِذَا سَجَدَ، قَالَتْ: وَكَانَ يُصَلِّیْ عَلٰی الْخُمْرَةِ.[راجع: ۳۳۳]

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے درانحالیکہ میں آپؐ کے سامنے حالت حیض میں لیٹی ہوتی تھی، اور بسا اوقات آپؐ کا کپڑا مجھے لگتا تھا جب آپ سجدہ کرتے تھے، حضرت میمونہؓ کہتی ہیں: اور آپ کھجور کی چھوٹی چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔

تشریح: خُمرة: کے معنی ہیں: چھوٹی چٹائی، جس پر صرف بیٹھ سکیں، ایسی چٹائی سجدہ کی جگہ رکھتے تھے، اور نیچے کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تھے اور سجدہ چٹائی پر کرتے تھے۔ غرض نبی ﷺ نے سجدہ خمرہ پر کیا جو زمین کی جنس سے نہیں، اس لئے کہ وہ جلانے سے جل جاتا ہے، معلوم ہوا کہ غیر زمین پر بھی سجدہ کر سکتے ہیں۔

بابُ الصَّلٰوةِ عَلَی الْحَصِيْرِ

بڑی چٹائی پر نماز پڑھنا

غیر ارض پر نماز کی ایک صورت یہ ہے کہ بڑی چٹائی پر نماز پڑھی جائے، حصیر: اتنی بڑائی چٹائی کو کہتے ہیں جس پر کھڑے ہوکر نماز پڑھے اور سجدہ بھی اس پر کرے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے گھر ایک چٹائی پر نماز پڑھی اور انھوں نے اور یتیم نے آپؐ کی اقتداء کی اور ان کی نانی ملیکہ اور ایک روایت میں ہے کہ ام سُلیم ان کے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ معلوم ہوا کہ غیر ارض پر نماز صحیح ہے۔

[۲۰-] بابُ الصَّلٰوةِ عَلَی الْحَصِيْرِ

[۱-] وَصَلَّی جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، وَأَبُوْ سَعِيْدٍ فِیْ السَّفِيْنَةِ قَائِمًا.

[۲-] وَقَالَ الْحَسَنُ: تُصَلِّیْ قَائِمًا مَالَمْ تَشُقَّ عَلٰی أَصْحَابِكَ، تَدُوْرُ مَعَهَا، وَإِلَّا فَقَاعِدًا.

[۳۸۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِیْ طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ لَهُ، فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ قَالَ: " قُوْمُوْا فَلْأُصَلِّیْ لَكُمْ" قَالَ أَنَسٌ: فَقُمْتُ إِلٰی حَصِيْرٍ لَنَا، قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا لُبِسَ، فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ، فَقَامَ رسولُ

اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم، وَصَفَفْتُ أَنَا وَالْیَتِیْمُ وَرَاءَ ہُ، وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَرَائِنَا فَصَلّٰی لَنَا رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ انْصَرَفَ. [انظر: ۷۲۷، ۸۶۰، ۸۷۱، ۸۷۴، ۱۱۶٤]

۱- کشتی میں نماز پڑھنا جائز ہے فرائض بھی اور نوافل بھی، البتہ شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، یعنی قبلہ رخ ہوکر پاک جگہ کھڑے ہوکر نماز پڑھنا ضروری ہے، اور عذر ہو تو بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت جابر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما نے کشتی میں کھڑے ہوکر نماز پڑھی ہے، معلوم ہوا کہ زمین اور زمین کی جنس پر نماز پڑھنا ضروری نہیں، ہر جگہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔

۲- حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کھڑے ہوکر نماز پڑھ جب تک رفقائے سفر کے لئے دشواری نہ ہو، گھومے تو کشتی کے ساتھ ورنہ بیٹھ کر پڑھ ـــــ حضرت حسنؒ نے تین مسئلے بیان کئے ہیں مگر امام بخاریؒ نے عبارت اتنی مختصر کردی ہے کہ سمجھنا مشکل ہوگیا ہے:

(۱) کشتی میں نماز کھڑے ہوکر پڑھے یا بیٹھ کر؟ ـــــ **جواب**: اگر عذر نہ ہو تو کھڑے ہوکر پڑھے، اور عذر ہو، چکر یا گھمیر آرہی ہو یا آسکتی ہو تو بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔

(۲) کشتی میں استقبال قبلہ ضروری ہے یا نہیں؟ ـــــ **جواب**: استقبال قبلہ ضروری ہے اور دوران نماز کشتی گھوم جائے تو نمازی بھی گھوم جائے، ٹرین میں بھی یہی حکم ہے، اس میں بھی عذر نہ ہو تو قیام ضروری ہے اور استقبال قبلہ بھی ضروری ہے، اور جب ٹرین گھومے تو نمازی بھی اس کے ساتھ گھومے۔

(۳) کشتی میں نماز پڑھنا اولیٰ ہے یا زمین پر اتر کر؟ آج کل بڑی دخانی کشتیاں سمندر کے بیچ میں ہوا کی رفتار سے چلتی ہیں، ان کو بار بار کنارے لگانا مشکل ہے، پہلے چھوٹی بوٹیں چلتی تھیں، اور سمندر کے کنارے کنارے چلتی تھیں، ان کو کنارے پر لگا کر زمین پر نماز پڑھنے میں کوئی خاص دشواری نہیں تھی، پس کیا کشتی میں نماز پڑھ لے یا زمین پر اتر کر نماز پڑھنی چاہئے؟ ـــــ **جواب**: دونوں صورتیں درست ہیں، البتہ اگر کشتی میں نماز پڑھنے کی صورت میں رفقائے سفر کے لئے دشواری ہو تو پھر نیچے اتر کر نماز پڑھنا اولیٰ ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی نانی مُلیکہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کو اس کھانے پر مدعو کیا جو انھوں نے آپؐ کے لئے بنایا تھا، آپؐ نے اس میں سے کھایا، پھر فرمایا: اٹھو میں تمہیں نماز پڑھاؤں (یہ نماز آپؐ نے گھر میں خیر و برکت کے لئے پڑھی تھی) حضرت انسؓ کہتے ہیں: پس میں ہماری اس چٹائی کی طرف کھڑا ہوا جو لمبے عرصہ تک استعمال کرنے کی وجہ سے میلی ہوگئی تھی، پس میں نے اس کو پانی سے دھوکر صاف کیا (یہاں نَضَح کے معنی غسل کے متعین ہیں، چھینٹا دینے کے معنی نہیں ہوسکتے، چھینٹا دینے سے تو چٹائی اور میلی ہوجائے گی، حضرات ابوحنیفہ و مالک نے بول غلام کے مسئلہ میں نضح کے معنی غسل کے لئے ہیں، یہ حدیث دلیل ہے کہ نضح غسل کے معنی میں آتا ہے) پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور میں اور یتیم آپؐ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور بڑھیا (نانی ملیکہ) ہمارے پیچھے کھڑی ہوئی (معلوم ہوا کہ

عورتوں کی صف بچوں کے بعد ہے) پس آپؐ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں پھر آپ تشریف لے گئے۔
تشریح: نبی ﷺ نے چٹائی پر نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ غیر ارض پر نماز صحیح ہے، یہی اس حدیث سے استدلال ہے۔

بابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْخُمْرَۃِ

چھوٹی چٹائی پر نماز پڑھنا

خمرۃ چھوٹی چٹائی کو کہتے ہیں، اس کو سجدہ کی جگہ رکھ کر پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہیں اور اس پر سجدہ کرتے ہیں، اور عام اوقات میں اس پر بیٹھتے تھے، نبی ﷺ نے خمرہ پر بھی نماز پڑھی ہے۔

[۲۱-] بابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْخُمْرَۃِ

[۳۸۱-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِیْدِ، قَالَ: نَا شُعْبَۃُ، قَالَ: نَا سُلَیْمَانُ الشَّیْبَانِیُّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ مَیْمُوْنَۃَ، قَالَتْ: کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یُصَلِّیْ عَلَی الْخُمْرَۃِ. [راجع: ۳۳۳]

بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْفِرَاشِ

بستر پر نماز پڑھنا

فراش کے معنی ہیں: بچھونا، بستر، اس پر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں اور یہ بھی غیر ارض پر نماز پڑھنے کی ایک صورت ہے۔

[۲۲-] بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْفِرَاشِ

وَصَلّٰی أَنَسُ بْنُ مَالِکٍ، عَلٰی فِرَاشِہٖ، وَقَالَ أَنَسٌ: کُنَّا نُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَیَسْجُدُ أَحَدُنَا عَلٰی ثَوْبِہٖ.

[۳۸۲-] حدثنا إِسْمَاعِیْلُ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ مَالِکٌ، عَنْ أَبِیْ النَّضْرِ مَوْلٰی عُمَرَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ، عَنْ أَبِیْ سَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، أَنَّھَا قَالَتْ: کُنْتُ أَنَامُ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم، وَرِجْلَایَ فِیْ قِبْلَتِہٖ، فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِیْ، فَقَبَضْتُ رِجْلَیَّ، فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُھُمَا، قَالَتْ: وَالْبُیُوْتُ یَوْمَئِذٍ لَیْسَ فِیْھَا مَصَابِیْحُ.

[انظر: ۳۸۳، ۳۸۴، ۵۰۸، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۹، ۹۹۷، ۱۲۰۹، ۶۲۷۶]

[۳۸۳-] حدثنا یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ، قَالَ: نَا اللَّیْثُ، عَنْ عُقَیْلٍ، عَنِ ابْنِ شِھَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِیْ عُرْوَۃُ، أَنَّ عَائِشَۃَ أَخْبَرَتْہُ، أَنَّ رسولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یُصَلِّیْ وَھِیَ بَیْنَہُ وَبَیْنَ الْقِبْلَۃِ، عَلٰی فِرَاشِ أَھْلِہٖ،

اعْتِرَاضَ الْجَنَازَةِ. [راجع: ٣٨٢]

[٣٨٤-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيْدَ، عَنْ عِرَاكٍ، عَنْ عُرْوَةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّيْ، وَعَائِشَةُ مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، عَلَى الْفِرَاشِ الَّذِيْ يَنَامَانِ عَلَيْهِ. [راجع: ٣٨٢]

اثر: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے بستر پر نماز پڑھی اور فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (گرمیوں میں) نماز پڑھا کرتے تھے، پس ہم میں سے ایک اپنے کپڑے پر سجدہ کرتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ بستر اور کپڑا نہ زمین ہے اور نہ زمین کی جنس سے، پس ثابت ہوا کہ غیر ارض پر نماز صحیح ہے۔

حدیث (۱): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے لیٹی رہتی تھی اور میرے پاؤں آپؐ کے سجدہ کی جگہ میں ہوتے تھے، پس جب آپؐ سجدہ کا ارادہ فرماتے تو مجھے چوکا دیتے پس میں اپنے پاؤں سکیڑ لیتی، پھر جب آپؐ اگلی رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو میں پاؤں پھیلا لیتی، صدیقہ نے فرمایا: ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

تشریح: حضور اقدس ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بستر ایک ہوتا تھا، دونوں اس پر سوتے تھے، اور آپؐ اسی پر رات میں نماز پڑھتے تھے۔ اس حدیث میں اگرچہ فراش پر نماز پڑھنے کا ذکر نہیں مگر اشارۃ النص سے یہ بات نکلتی ہے ——— **والبیوت یومئذ:** یہ حضرت عائشہؓ نے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے کہ آپؓ ایسی بے تمیزی کیوں کرتی تھیں کہ نبی ﷺ کے سجدہ کی جگہ میں پاؤں پھیلا کر رکھتیں؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے، آپؐ کی حیات میں مسجد نبوی میں بھی چراغ نہیں جلتا تھا، ازواج مطہرات کے حجروں میں چراغ کہاں سے جلتا؟ اس لئے اندھیرے میں پتا نہیں چلتا تھا کہ پاؤں کہاں جا رہے ہیں اور آپؐ تہجد بہت طویل پڑھتے تھے، اس لئے بے خبری میں پاؤں آپؐ کے سجدہ کی جگہ میں چلے جاتے تھے۔

حدیث (۲): صدیقہ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے درانحالیکہ میں آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان گھر والوں کے بستر پر جنازہ کی طرف آڑی لیٹی رہتی تھی ——— اس حدیث کے اشارۃ النص سے بھی یہ بات نکلتی ہے کہ آپؐ بستر پر نماز پڑھتے تھے۔

حدیث (۳): حضرت عروہؒ کہتے ہیں: نبی ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے درانحالیکہ صدیقہؓ آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان اس بستر پر آڑی لیٹی ہوئی ہوتی تھیں جس پر وہ دونوں سوتے تھے۔

تشریح: ان سب حدیثوں سے ایک بات صراحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ آپؐ بستر پر سجدہ فرماتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ غیر ارض پر سجدہ کر سکتے ہیں۔

بابُ السُّجُوْدِ عَلَى الثَّوْبِ فِيْ شِدَّةِ الْحَرِّ

سخت گرمی میں کپڑے پر سجدہ کرنا

گرمیوں میں سفر میں جب جنگل میں باجماعت نماز ہوتی تھی تو صحابہ آنحضور ﷺ کے پیچھے زمین کی تپش سے بچنے کے لئے جو چادر انھوں نے اوڑھ رکھی ہوتی تھی اس کا ایک پلّہ بچھا کر اس پر سجدہ کرتے تھے، یہ بھی غیر ارض پر نماز پڑھنے کی ایک صورت ہے۔

[۲۳-] بابُ السُّجُوْدِ عَلَى الثَّوْبِ فِيْ شِدَّةِ الْحَرِّ

وَقَالَ الْحَسَنُ: كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُوْنَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِيْ كُمِّهِ.

[۳۸۵-] حدثنا أَبُوْالْوَلِيْدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ: نَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ غَالِبٌ الْقَطَّانُ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ فِيْ مَكَانِ السُّجُوْدِ. [انظر: ۵۴۲، ۱۲۰۸]

اثر: حسن بصریؒ فرماتے ہیں: صحابہ پگڑی پر بھی سجدہ کرتے تھے اور ٹوپی پر بھی، اور دوران سجدہ ان کے ہاتھ آستینوں میں ہوتے تھے، ظاہر ہے جب پگڑی پر اور ٹوپی پر سجدہ کریں گے تو درمیان میں کپڑا حائل ہوگا، اسی طرح جب سجدہ میں ہاتھ آستینوں میں ہونگے تو ہاتھوں اور زمین کے درمیان میں بھی کپڑا حائل ہوگا، پس یہ بھی غیر ارض پر نماز پڑھنے کی ایک صورت ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، پس ہم میں سے ایک کپڑے کا کنارہ گرمی کی تپش سے بچنے کے لئے سجدہ کی جگہ میں رکھتا تھا، اور اس پر سجدہ کرتا تھا۔

بابُ الصَّلوٰةِ فِي النِّعَالِ

چپلوں میں نماز پڑھنا

جوتے چپل پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، اور ظاہر ہے اس صورت میں پاؤں اور زمین کے درمیان چپل حائل رہیں گے پس یہ بھی غیر ارض پر نماز پڑھنے کی ایک صورت ہے۔ جاننا چاہئے کہ آنحضور ﷺ اور صحابہ سے چپل پہن کر نماز پڑھنا ثابت ہے، مگر میری نظر سے کوئی روایت ایسی نہیں گذری جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آنحضور ﷺ اور صحابہ مسجد میں جوتے پہن کر نماز پڑھتے تھے، غالباً یہ واقعات میدانِ جنگ کے ہیں، میدانِ جنگ میں نماز کے لئے وقت تھوڑا ہوتا ہے، اور جس حال میں ہوں اسی حال میں نماز پڑھ لینی ہوتی ہے۔ غیر مقلدین کہتے ہیں: نبی ﷺ اور صحابہ مسجد نبوی میں چپلوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں، اور غیر مقلدین کی خواہش یہ ہے کہ مسجد میں لوگ جوتے چپل پہن کر آئیں اور

نماز پڑھیں، لیکن اگر وہ ایسا کریں تو مسلمان ان کے سروں پر جوتے بجائیں گے، اس لئے وہ اس کی ہمت نہیں کرتے۔ جیسے آنحضور ﷺ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کے علاوہ نو مسجدیں اور بھی تھیں (۱) مگر عورتیں جماعت میں شریک ہونے کے لئے صرف مسجدِ نبوی میں آتی تھیں، مدینہ منورہ کی باقی مساجد میں عموماً عورتیں نہیں آتی تھیں، اور ان کا مسجدِ نبوی میں آنا درحقیقت دین سیکھنے کے لئے اور زیارتِ نبوی کے لئے تھا، میرے علم میں ایسی کوئی روایت نہیں جس سے عورتوں کا مدینہ کی باقی مساجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانا ثابت ہوتا ہو، اسی طرح اس کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ آنحضور ﷺ اور صحابہ مسجدِ نبوی میں چپلوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔

فائدہ: جوتے چپل میں نماز پڑھنے کے لئے شرط یہ ہے کہ جوتے چپل پاک ہوں، اور سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں زمین سے لگیں خواہ بالواسطہ لگیں یا بلاواسطہ، بوٹ آگے سے پتلے ہوتے ہیں اور ان کی نوک اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان جگہ رہتی ہے اس لئے ان کو پہن کر نماز پڑھنا صحیح نہیں، کیونکہ ان میں سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں بالواسطہ بھی زمین سے نہیں لگتیں، اس لئے نماز صحیح نہیں ہوگی۔

[۲٤-] بابُ الصَّلٰوۃِ فِیْ النِّعَالِ

[۳۸٦-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِیْ إِیَاسٍ، قَالَ: نَا شُعْبَۃُ، قَالَ: أَنَا أَبُوْ مَسْلَمَۃَ سَعِیْدُ بْنُ یَزِیْدَ الْأَزْدِیُّ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ: أَکَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یُصَلِّیْ فِیْ نَعْلَیْہِ؟ قَالَ: نَعَمْ. [انظر: ۵۸۵۰]

بَابُ الصَّلٰوۃِ فِیْ الْخِفَافِ

چمڑے کے موزوں میں نماز پڑھنا

چمڑے کے موزے پہن کر بھی نماز پڑھنا جائز ہے اور یہ بھی غیر ارض پر نماز پڑھنے کی ایک صورت ہے۔

[۲۵-] بَابُ الصَّلٰوۃِ فِیْ الْخِفَافِ

[۳۸۷-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: نَاشُعْبَۃُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ إِبْرَاھِیْمَ، یُحَدِّثُ عَنْ ھَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: رَأَیْتُ جَرِیْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ بَالَ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَی خُفَّیْہِ، ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی، فَسُئِلَ، فَقَالَ: رَأَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَنَعَ مِثْلَ ھٰذَا، قَالَ إِبْرَاھِیْمُ: فَکَانَ یُعْجِبُھُمْ، لِأَنَّ جَرِیْرًا کَانَ مِنْ آخِرِ مَنْ أَسْلَمَ.

(۱) ان مسجدوں کے نام یہ ہیں: مسجدِ بنی عمرو، یہ قبیلۂ بنی نجار کی مسجد تھی، مسجدِ بنی ساعدۃ، مسجد بنی عبیدۃ، مسجد بنی سلمہ، مسجد راتج، یہ قبیلہ بنی عبدالاشہل کی مسجد تھی، مسجد بنی زریق، مسجد بنی غفار، مسجد اسلم، مسجد جہینہ۔ ابوداؤد شریف کے آخر میں ایک رسالہ مراسیل ابی داؤد لگا ہوا ہے اس کے صفحہ ۵ پر یہ تفصیل ہے۔

[۳۸۸-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: نَا أَ بُوْ أُسَامَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ وَصَلَّى. [راجع: ۱۸۲]

حدیث (۱): ہمام بن الحارث کہتے ہیں: میں نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو دیکھا: انھوں نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، پھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی، پس ان سے اس بارے میں پوچھا گیا: پس انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپؐ نے ایسا ہی کیا، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: محدثین اس حدیث کو بہت پسند کرتے تھے، اس لئے کہ حضرت جریر آخر میں ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔

تشریح: خوارج اور شیعوں نے یہ شوشہ چھوڑا تھا کہ مسح علی الخفین کی حدیثیں منسوخ ہیں، وہ کہتے تھے کہ یہ دور اول میں ایک رخصت تھی، آیتِ وضو (المائدہ ۶) سے وہ حکم منسوخ ہوگیا۔ اس لئے حضرت جریرؓ کو خفین پر مسح کرتے دیکھ کر طلبہ نے دریافت کیا۔ حضرت جریرؓ نے فرمایا میں خفین پر مسح کیوں نہ کروں، جبکہ میں نے نبی ﷺ کو خفین پر مسح کرتے دیکھا ہے؟ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: محدثین کو حضرت جریر کی یہ حدیث بہت پسند تھی اس لئے کہ وہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد مسلمان ہوئے تھے، پس یہ واضح دلیل ہے کہ مسح علی الخفین کی حدیثیں منسوخ نہیں۔

ملحوظہ: حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ نبی ﷺ کی وفات سے پچاس دن پہلے مسلمان ہوئے ہیں، اور تحفۃ الالمعی میں بھی شہرت کی بنا پر یہ بات لکھی گئی ہے، مگر یہ بات صحیح نہیں، وہ آپؐ کی حیات کے آخری سال میں مسلمان ہوئے ہیں، اور حضرت جریر کا تعارف کتاب العلم (باب ۴۳) میں گذرا ہے۔

حدیث (۲): یہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو پہلے کئی مرتبہ آچکی ہے، غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی ﷺ نے خفین پر مسح کیا ہے اور اس میں نماز پڑھی ہے، اسی مناسبت سے یہاں یہ حدیث لائے ہیں۔

بَابٌ إِذَا لَمْ يُتِمَّ السُّجُوْدَ

جو شخص سجدہ صحیح نہ کرے

غیر ارض پر نماز پڑھنے کے سلسلہ کے ابواب پورے ہوئے۔ ان ابواب سے یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ سجدہ کا معاملہ کوئی خاص اہمیت کا معاملہ نہیں، جس طرح چاہے سجدہ کرسکتا ہے، ٹوپی پر کرے، پگڑی پر کرے، کسی بھی چیز پر سجدہ کرے نماز ہوجائے گی، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ بات لاکر تنبیہ فرمائی کہ سجدے کا معاملہ نماز کے ارکان میں سب سے زیادہ اہم ہے، ایک شخص سجدہ ٹھیک سے نہیں کررہا تھا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا تو فرمایا: تیری نماز نہیں ہوئی، اور راوی کا خیال ہے کہ آپؓ نے یہ بھی فرمایا: اگر اسی طرح نماز پڑھتا ہوا مرگیا تو تو حضورؐ کے طریقہ پر نہیں مرے گا، اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے ارکان ستہ میں سجدہ کا معاملہ خاص اہمیت کا حامل ہے، اس لئے کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہونی چاہئے۔

[۲٦-] بابٌ إِذَا لَمْ يُتِمَّ السُّجُوْدَ

[۳۸۹-] حدثنا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ، نَا مَهْدِیٌّ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ أَبِی وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ: أَنَّهُ رَأَى رَجُلاً لاَيُتِمُّ رُكُوْعَهُ وَلاَ سُجُوْدَهُ، فَلَمَّا قَضٰى صَلاَتَهُ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ: مَا صَلَّيْتَ! قَالَ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ: لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم. [انظر: ۷۹۱، ۸۰۸]

ترجمہ: ابووائل کہتے ہیں: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا جو رکوع اور سجدے ٹھیک سے نہیں کررہا تھا، جب اس نے نماز پوری کی تو آپؓ نے اس سے کہا: تو نے نماز نہیں پڑھی یعنی تیری نماز نہیں ہوئی، ابووائل کہتے ہیں: اور میرا گمان ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے یہ بھی فرمایا: اگر تو مر گیا تو محمد ﷺ کے طریقہ پر نہیں مرے گا۔

بابٌ: يُبْدِیْ ضَبْعَيْهِ وَيُجَا فِیْ جَنْبَيْهِ فِی السُّجُوْدِ

سجدے میں بازو علاحدہ اور پہلو جدا رکھے

سجدہ کے سلسلہ میں ایک ہدایت یہ ہے کہ سجدہ میں پیٹ ران سے اور دونوں ہاتھ پہلوؤں سے الگ رہنے چاہئیں، جب لمبا سجدہ کریں گے تبھی پیٹ ران سے الگ رہے گا، اور بازو کھولیں گے اور پہلو سے الگ کریں گے تبھی پیشانی اور ناک زمین پر دب کر لگیں گے، مگر باجماعت نماز میں دائیں بائیں کا خیال کرکے ہاتھوں کو پھیلانا چاہئے۔

[۲۷-] بابٌ: يُبْدِیْ ضَبْعَيْهِ وَيُجَا فِیْ جَنْبَيْهِ فِی السُّجُوْدِ

[۳۹۰-] أَخْبَرَنَا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنِ ابْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ، أَنَّ النبیَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا صَلّٰى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ، حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ.
وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِی جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ نَحْوَهُ. [انظر: ۸۰۷، ۳۵٦٤]

ترجمہ: عبداللہ بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب نماز پڑھتے تھے تو (سجدہ میں) دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی کرتے تھے، یہاں تک کہ بغل کی سفیدی ظاہر ہوجاتی تھی، لیث کہتے ہیں: مجھ سے جعفر بن ربیعہ نے اس کے مانند بیان کیا۔ تحدیث کی صراحت کے لئے دوسری سند لائے ہیں۔

وضاحت: بُحینة: عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ کی دادی ہیں، اور اعلام متناسبہ میں ابن کا الف نہ پڑھتے ہیں نہ لکھتے ہیں۔ مگر اعلام غیر متناسبہ میں ابن کا الف پڑھتے تو نہیں مگر لکھتے ہیں، اور ابن پر پہلے نام کا اعراب آتا ہے، قرآن کریم میں عیسیٰ ابن مریم میں الف لکھا ہوا ہے کیونکہ مریم حضرت عیسیٰ کی والدہ ہیں، اسی طرح رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول: سلول دادی کا نام ہے اس لئے اس کا الف لکھتے ہیں، البتہ جہاں اعلام متناسبہ کا ابن شروع سطر میں آئے وہاں الف لکھتے ہیں۔

أَبْوابُ اسْتِقْبالِ الْقِبْلَةِ

یہاں سے استقبال قبلہ کے ابواب شروع ہو رہے ہیں، مگر امام بخاریؒ نے کوئی عنوان قائم نہیں کیا، فتح الباری میں حافظؒ نے یہاں یہ عنوان رکھا ہے: أبواب استقبال القبلة وما يتبَعُهَا من آداب المساجد: میں نے پہلے بتلایا تھا کہ کعبہ شریف جو قبلہ ہے وہ درحقیقت مسجد ہے، پہلے لوگ اس میں اندر جا کر نماز پڑھتے تھے، اور اس کے دو دروازے تھے، ایک سے داخل ہوتے تھے اور دوسرے سے نکلتے تھے، لیکن اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جب قریش نے کعبہ شریف کی تعمیر کی تو اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے صرف ایک دروازہ رکھا اور وہ بھی قد آدم اونچا، تاکہ جس کو چاہیں داخل ہونے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں، چنانچہ لوگوں نے باہر ہی نماز پڑھنا شروع کر دیا، اس وقت سے آج تک یہی سلسلہ چلا آرہا ہے ﴿فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ میں مسجد حرام سے کعبہ شریف مراد ہے۔ معلوم ہوا کہ کعبہ شریف ایک مسجد ہے پس جب استقبال قبلہ کے ابواب آئیں گے تو لامحالہ آداب المسجد کے ابواب بھی آئیں گے، اس لئے حافظ رحمہ اللہ کا قائم کردہ عنوان بالکل صحیح ہے، مگر میں نے اس عنوان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، یہاں أبواب استقبال القبلة کا عنوان لگایا ہے اور جہاں سے ابواب المساجد شروع ہوں گے وہاں دوسرا عنوان: أبواب آداب المساجد آئے گا۔

بابُ فَضْلِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی اہمیت

لفظ فضل امام ترمذی رحمہ اللہ عام طور پر ثواب کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ اہمیت کے معنی میں، یعنی اس عمل کی شریعت میں کیا اہمیت ہے؟ ثواب کے معنی میں عام طور پر امام بخاریؒ یہ لفظ استعمال نہیں کرتے، مگر اہمیت اور ثواب میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

حضرتؒ نے سب سے پہلے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ استقبال قبلہ نماز کی ایسی شرط ہے جو پوری نماز میں مستمر رہتی ہے، قبلہ کی طرف سے توجہ بالکل نہیں ہٹنی چاہئے، حتی کہ سجدہ میں بھی جب قبلہ کی طرف منہ رکھنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی، پیروں کو موڑ کر انگلیاں قبلہ کی طرف رکھنی چاہئیں یعنی حتی الامکان استقبالِ قبلہ کا لحاظ رکھنا چاہئے، جیسے سجدہ نام ہے طرف اعلیٰ کو طرف اسفل کے لیول پر لے آنے کا اور طرف اعلی سر کے اوپر کا حصہ ہے اور طرف اسفل پاؤں کی تلی ہے، مگر دونوں کو بیک وقت

زمین پر رکھنا ممکن نہیں، اس لئے پیروں میں سے انگلیاں لیں اور سر میں سے ماتھا اور ناک لئے اور ان کو ایک لیول پر کر دیا تو سجدہ متحقق ہو گیا۔

اسی لئے سجدہ میں ایک رکن کے بقدر پاؤں کی کم از کم ایک انگلی زمین پر ٹکنا ضروری ہے، اگر پورے سجدہ میں ایک رکن کے بقدر پاؤں کی ایک انگلی بھی زمین پر نہیں لگی تو سجدہ متحقق نہیں ہوگا اور نماز نہیں ہوگی۔

اسی طرح یہاں بھی سجدہ میں استقبالِ قبلہ ممکن نہیں اس لئے پیروں کی انگلیاں موڑ کر ان کو قبلہ کی طرف کر دینا چاہئے، تاکہ پوری نماز میں قبلہ کی طرف توجہ رہے۔ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں جس میں چند صحابہ اکٹھا تھے نماز پڑھ کر دکھائی تھی یہ حدیث تفصیل سے آگے آرہی ہے، اس نماز میں ابوحمیدؓ نے پیروں کو موڑ کر انگلیاں قبلہ کی طرف کی تھیں۔

[۲۸-] بابُ فَضْلِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ

يَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ، قَالَهُ أَبُوْ حُمَيْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۳۹۱-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ قال: أَنَا ابْنُ الْمَهْدِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ مَيْمُوْنَ بْنِ سِيَاهٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا، فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهِ، فَلَا تُخْفِرُوْا اللّٰهَ فِىْ ذِمَّتِهِ"[انظر: ۳۹۲، ۳۹۳]

ترجمہ: متوجہ رکھے اپنے دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف، یہ بات حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ نے کہی ہے (یہ قولی حدیث نہیں ہے بلکہ فعلی حدیث ہے، ایک مجلس میں چند صحابہ اکٹھا تھے۔ حضرت ابوحمیدؓ نے کہا کہ مجھے نبی ﷺ کی نماز تم سے زیادہ یاد ہے، پھر انھوں نے چار رکعت پڑھ کر دکھائی اس نماز میں انھوں نے سجدہ میں پاؤں موڑ کر انگلیاں قبلہ کی طرف کی تھیں، راوی نے اس کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے یہ حدیث تفصیل سے آگے آرہی ہے)

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہماری طرح نماز پڑھی، اور (نماز میں) ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا، اور ہمارا ذبیحہ کھایا پس وہ شخص وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ہے، پس تم اللہ کی ذمہ داری میں رخنہ اندازی مت کرو، یعنی ایسے مسلمان کو مت ستاؤ وہ اللہ اور اس کے رسول کی گارنٹی میں ہے، پس جو اس کو ستائے گا وہ اللہ کی ذمہ داری میں رخنہ اندازی کرے گا، اس سے اللہ کو غصہ آئے گا اور وہ اس کو سزا دیں گے۔

تشریح:

جس شخص میں تین باتیں پائی جائیں:

(۱) وہ مسلمانوں کی طرح نماز پڑھے، نماز سب پڑھتے ہیں جانور بھی پڑھتے ہیں ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيْحَهُ﴾

ہر مخلوق اپنی نماز اور اپنی تسبیح جانتی ہے البتہ سب کی نمازوں کا طریقہ الگ ہے، جانوروں کی نماز الگ انداز کی ہے، یہود ونصاریٰ کی الگ اور ہندوؤں کی الگ، ہندو ڈنڈوت کرتے ہیں یعنی ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ یہی ان کی نماز ہے، یہ نمازیں مراد نہیں بلکہ مسلمانوں کی طرح نماز پڑھے۔

(۲) اور نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرے، یہود ونصاریٰ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے ہیں اور ہندو مورتیوں کی طرف منہ کرتے ہیں اور مسلمان کعبہ شریف کی طرف منہ کرتے ہیں۔ پس وہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔

(۳) اور مسلمان کا ذبیحہ کھائے —— تو وہ مسلمان ہے اور ایسا شخص اللہ ورسول کی گارنٹی میں ہے، اس کو ستانا اللہ کے غصہ کو بھڑکانا ہے، جو شخص ایسے بندہ کو ستاتا ہے وہ اللہ ورسول کی گارنٹی میں رخنہ اندازی کرتا ہے، ایسے شخص کو اللہ ضرور سزا دیں گے۔

قوله: فلا تُخْفِرُوْا اللّٰہَ فی ذمتہ: یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا مضمون فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا گیا ہے، پس تقدیر عبارت ہے: فلاتُخْفِرُوْا اللّٰہَ فی ذمتہ وذمۃ رسولہ: اور تثنیہ کی ضمیر اس لئے نہیں لائے کہ اللہ ورسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

فائدہ نماز میں کعبہ شریف کی طرف منہ کرنا کعبہ کی پرستش کرنا نہیں ہے، نماز اللہ کے لئے پڑھی جاتی ہے اور کعبہ شریف کو ملت کی شیرازہ بندی کے لئے قبلہ مقرر کیا گیا ہے۔ آریہ سماجیوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ ہندو مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں اور مسلمان کعبہ کی پوجا کرتے ہیں، کعبہ بھی اینٹ پتھر کا ہے۔ حضرت نانوتوی قدس سرہ نے کتاب قبلہ نما میں اس کا جواب دیا ہے کہ مسلمان کعبہ کی پرستش نہیں کرتے بلکہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اور کعبہ شریف قبلہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے، کعبہ کو اہل نظر 'قبلہ نما' کہتے ہیں، یعنی کعبہ شریف قبلہ نہیں ہے، قبلہ تو اللہ کی ذات ہے اسی کی عبادت کی جاتی ہے، اور کعبہ شریف 'قبلہ نما' ہے۔ قبلہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے، اور ملت کی شیرازہ بندی کے لئے اس کو قبلہ مقرر کیا گیا ہے کیونکہ اگر کوئی ایک پوئنٹ مقرر نہیں کیا جائے گا تو ہر شخص جدھر اس کا جی چاہے گا نماز پڑھے گا، ایک ہی مسجد میں کسی کا منہ مشرق کی طرف ہوگا، کسی کا مغرب کی طرف، کسی کا جنوب کی طرف اور کسی کا شمال کی طرف، تو عجیب تماشا ہوگا۔ اس لئے کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کیا گیا ہے تاکہ پوری ملت ایک رخ پر نماز پڑھے، اسی لئے اگر قبلہ معلوم نہ ہو تو تحری کر کے جدھر غالب گمان ہو ادھر نماز پڑھنے کا حکم ہے ﴿فَأَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہیں پس اگر قبلہ معلوم نہ ہو تو تحری کرو اور نماز پڑھو، اب قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں، چنانچہ نماز کے بعد اگر وقت کے اندر بھی خطا ظاہر ہو جائے تو بھی نماز کا اعادہ واجب نہیں، معلوم ہوا کہ نماز درحقیقت اللہ کے لئے ہے، کعبہ شریف کی پوجا نہیں ہے۔

قادیانیوں کا استدلال اور اس کا جواب:

سوال: قادیانی کہتے ہیں: ہم بھی مسلمان ہیں اس لئے کہ ہم بھی مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں، نماز میں کعبہ

شریف کی طرف منہ کرتے ہیں، مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص میں یہ تین باتیں ہوں وہ مسلمان ہے اور اللہ ورسول کی گارنٹی میں ہے، ہم میں بھی یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہیں، پس ہم بھی مسلمان ہیں، ہمیں غیر مسلم کہنا صحیح نہیں، ہمیں ستانا بھی جائز نہیں، ہمیں ستانا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں رخنہ ڈالنا ہے اور اس کے غصہ کو بھڑکانا ہے۔

جواب: حدیث میں مذکور تین باتیں مسلمان کی ذاتیات نہیں، بلکہ عرضیات (علامات) ہیں اور علامتیں اگر ذاتیات کے موافق ہوں تو ان پر حکم لگانا درست ہے ورنہ نہیں، جیسا کہ اگلی دو حدیثوں میں آرہا ہے کہ **لا إلٰه إلا الله** کے بعد یہ علامتیں کارآمد ہیں، اور قادیانیوں میں اگر یہ علامتیں پائی جاتی ہیں تو مسلمان کی ذاتیات ان میں نہیں پائی جاتیں اس لئے وہ ان علامتوں کے باوجود مسلمان نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان کی ذاتیات یعنی جن پر ایمان واسلام کا مدار ہے وہ **لا إله إلا الله، محمد رسول الله**: ہیں یعنی ایک اللہ کو معبود ماننا اور اسی کی بندگی کرنا اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو دین لے کر آئے ہیں اس کو تمام اجزاء کے ساتھ تسلیم کرنا۔

بہ الفاظِ دیگر: مسلمان کی ذاتیات وہ ہیں جو ایمان مجمل میں لی گئی ہیں: **آمنتُ بالله كما هو بأسمائه وصفاته وقَبِلْتُ جميعَ أَحكامه**: یعنی اللہ تعالیٰ پر اور ان کی صفات ذاتیہ وفعلیہ پر ایمان لانا، اور اللہ نے اپنے آخری رسول کے ذریعہ جو احکام بھیجے ہیں ان سب کو دل سے قبول کرنا۔

یہ مسلمان کی ذاتیات ہیں اور چونکہ یہ عقائد ہیں، اس لئے مخفی ہیں، ان کو پہچاننا مشکل ہے اس لئے مذکورہ حدیث میں اس کی چند واضح علامتیں بیان کی گئی ہیں، جن کے ذریعہ مسلمان کو پہچانا جاسکتا ہے، مگر یہ علامتیں اس وقت علامتیں ہیں جب وہ ذاتیات کے موافق ہوں، ورنہ وہ نفاق اور زندقہ ہیں، اور **قبلتُ جميع أحكامه** میں تمام ضروریات دین شامل ہیں یعنی دین کی وہ تمام بدیہی باتیں جو ایک پڑھا لکھا مسلمان جانتا ہے اور مانتا ہے ان سب کو ماننے کے بعد یہ علامات پائی جائیں تو وہ مسلمان ہے، قادیانی چونکہ ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں جبکہ وہ ضروریات دین میں سے ہے اور قرآنِ کریم میں مصرح ہے، قادیانی اس کی غلط تاویل کرتے ہیں کہ تشریعی نبوت ختم ہوئی ہے، امتی نبی آسکتا ہے یہ تاویل چودہ سو سال سے کوئی نہیں جانتا تھا، قادیانیوں نے یہ تاویل گھڑی ہے پس اس تاویل کے ساتھ ختم نبوت کو ماننا نہ ماننا ہے، جیسے کوئی نماز کو اس کے معروف معنی میں نہ مانے، زکوٰۃ اور حج کو ان کے معروف معنی میں نہ مانے ان کے نئے معانی گھڑے تو وہ ماننا ماننا نہیں۔

جیسے انسان کی ذاتیات ہیں حیوانِ ناطق، حیوان یعنی جاندار ہونا اور ناطق یعنی اپنے مافی الضمیر کو الفاظ کی مدد سے سمجھانا اور دوسرا اپنے مافی الضمیر کو الفاظ کی مدد سے سمجھائے تو اس کو سمجھنا یہ ذاتیات ہیں، پھر قد کا سیدھا ہونا اور جسم کا بغیر بالوں والا ہونا جو انسان کی عرضیات ہیں ان کے ذریعہ سے انسان کو پہچانا جاسکتا ہے، مگر یہ عرضیات اس وقت عرضیات ہیں جب ذاتیات کے موافق ہوں، پس اگر کوئی جاندار یا ناطق نہ ہو اور سیدھے قد والا ہو، بالوں سے خالی کھال والا ہو تو اس کو انسان

نہیں کہہ سکتے، اسی طرح قادیانیوں میں چونکہ مسلمان کی ذاتیات نہیں پائی جاتیں اس لئے حدیث میں مذکور عرضیات یعنی علامات ان کو مسلمان قرار دینے کے لئے کافی نہیں۔

حدیث کی باب سے مطابقت:

پہلی تطبیق: من صَلّی صَلاَ تَنا میں قیام، رکوع، سجود، قومہ، جلسہ، قعدہ، استقبال قبلہ، بدن، کپڑے اور جگہ کی طہارت سب داخل ہیں پھر آپؐ نے استقبال قبلہ کو الگ سے بیان کیا اس سے قبلہ کی اہمیت اور استقبالِ قبلہ کا مستقل مطلوب ہونا معلوم ہوا، یہ استقبالِ قبلہ کی اہمیت کی واضح دلیل ہے۔

دوسری تطبیق: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا: نبی ﷺ نے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان امتیاز کرنے والی تین باتیں ذکر فرمائیں، ان میں ایک استقبالِ قبلہ کو لیا اس سے استقبالِ قبلہ کی اہمیت نکلتی ہے۔

تیسری تطبیق: حضرت الاستاذ قدس سرہ نے فرمایا: تین باتوں سے تین چیزیں حاصل ہوتی ہیں: اموال محفوظ ہوتے ہیں، خون محفوظ ہوتا ہے اور بندہ اللہ ورسول کی ذمہ داری میں چلا جاتا ہے، ان تین باتوں میں سے ایک استقبالِ قبلہ ہے اس سے استقبالِ قبلہ کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

[۳۹۲-] حدثنا نُعَيْمٌ، قَالَ: نَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيْلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِذَا قَالُوْهَا، وَصَلُّوْا صَلَاتَنَا، وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا، وَأَكَلُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ، إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ.

[راجع: ۳۹۱]

[۳۹۳-] وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، قَالَ نَا حُمَيْدٌ، قَالَ سَأَلَ مَيْمُوْنُ بْنُ سِيَاهٍ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَقَالَ: يَا أَبَا حَمْزَةَ! وَمَا يُحَرِّمُ دَمَ الْعَبْدِ وَمَالَهُ؟ فَقَالَ: مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَصَلّٰى صَلَاتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَهُوَ الْمُسْلِمُ، لَهُ مَا لِلْمُسْلِمِ، وَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُسْلِمِ.

وَقَالَ ابْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ: أَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ، قَالَ: نَا حُمَيْدٌ، قَالَ: نَا أَنَسٌ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[راجع: ۳۹۱]

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ لا إلٰه إلا الله کہیں۔ پس جب وہ یہ کلمہ کہیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں اور ہمارا ذبیحہ کھائیں تو ہم پر ان کا خون اور ان کے اموال حرام ہیں، مگر اسلام کے حق کی وجہ سے، اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

حدیث (۳): اور ابن المدینیؒ کہتے ہیں: ہم سے خالد بن الحارث نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہم سے حمید طویل نے

بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میمون بن سیاہ نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا: اے ابوحمزہ! آدمی کے خون اور مال کو کیا چیز حرام کرتی ہے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: جس نے گواہی دی اس بات کی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی، اور ہم جیسی نماز پڑھی اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے، اس کے لئے وہ حقوق ہیں جو مسلمانوں کے لئے ہیں، اور اس پر وہ ذمہ داریاں ہیں جو مسلمانوں پر ہیں —— اور ابن ابی مریم نے یحییٰ سے، انھوں نے حمید سے، انھوں نے حضرت انسؓ سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے اس کو روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا باب سے وہی تعلق ہے جو اوپر گذرا، اور اس حدیث کی وجہ سے لوگوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے وہ اس حدیث کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک دنیا میں ایک بھی کافر موجود ہے جنگ جاری رکھی جائے، حالانکہ اس حدیث میں جنگ کا نہیں بلکہ جنگ بندی کا بیان ہے۔ اگر دشمن جنگ کے دوران ایمان لے آئے تو فوراً جنگ بند کردینا ضروری ہے، اب وہ ہمارا بھائی ہے اس کو جانی یا مالی نقصان پہنچانا جائز نہیں۔ تفصیل کتاب الایمان باب ۱۷ میں گذر چکی ہے۔

قوله: إلا بِحَقِّهَا: ھا ضمیر کلمۂ اسلام کی طرف راجع ہے، یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد اگر وہ مسلمان کوئی ایسا جرم کرے جس کی سزا اللہ کے قانون میں جان یا مال لینا ہو تو حکم خداوندی کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی، مثلاً مسلمان ہونے کے بعد زنا کرے اور وہ شادی شدہ ہو تو سنگسار کیا جائے گا، یا مرتد ہوجائے یا کسی کو ناحق قتل کرے تو ارتداد کے جرم میں اور قصاص میں قتل کیا جائے گا، ایمان لانے سے اور مسلمان ہونے سے وہ قانونی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

قوله وحسابهم على الله: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کلمۂ اسلام پڑھ کر اپنا مؤمن ہونا ظاہر کرے ہم اس کو مؤمن مان کر جنگ بند کردیں گے، اور اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کریں گے، اگر اس کی نیت میں کھوٹ ہے تو اس کا حساب آخرت میں اللہ تعالیٰ لیں گے، وہ عالم الغیب ہیں، دلوں کے رازوں سے واقف ہیں وہ اس کا پورا پورا حساب چکائیں گے، ہم تو ظاہر پر احکام دائر کریں گے، اور اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کریں گے البتہ اگر وہ اپنا مؤمن ہونا بھی ظاہر کرتا ہے اور مندروں میں جاکر بتوں کے سامنے ڈنڈوت بھی کرتا ہے یا حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی نبوت کو جاری مانتا ہے اور بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتا ہے یا غلام احمد قادیانی کذاب کو بھی نبی مانتا ہے تو ظاہر ہے اب وہ مسلمان نہیں، اور اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ نہیں کریں گے۔

قوله: وقال علي بن عبد الله: اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حمید طویل نے بصیغہ عن روایت کیا ہے اور اس میں انقطاع کا احتمال ہے اس لئے امام بخاریؒ نے دوسری سند پیش کی ہے کہ حمید طویل کی موجودگی میں میمون نے حضرت انسؓ سے یہ سوال کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ حمید طویل نے حضرت انسؓ سے بلاواسطہ یہ حدیث سنی ہے، پھر مزید تقویت کے لئے چوتھی سند ذکر کی ہے، جس میں حمید طویل نے **حدثنا أنس** کہہ کر حدیث بیان کی ہے۔

ملحوظہ: بعض نسخوں میں حدیث مرفوع مقدم ہے اور حدیث موقوف مؤخر، مصری نسخہ میں اسی طرح ہے، مگر ہم نے ہندوستانی نسخہ کی پیروی کی ہے۔

فائدہ: مرتد کو جو قتل کیا جاتا ہے وہ اسلام کے حق کی وجہ سے یعنی فتنہ کے سد باب کے لئے قتل کیا جاتا ہے، عورت اگر مرتد ہوجائے تو اس کو قتل نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کو گھر میں نظر بند کردیا جاتا ہے۔ مرد کو نظر بند نہیں کرسکتے اس لئے کہ یہ بات مرد کی وضع کے خلاف ہے، چنانچہ اسلام میں جیل کی سزا نہیں، اور جب مرتد کو نظر بند نہیں کرسکتے تو وہ لوگوں سے ملے گا اور اسلام کو بدنام کرے گا اور فتنہ پھیلائے گا، اس لئے فتنہ کے سد باب کے لئے اس کو قتل کیا جاتا ہے۔ اور یہ حکم ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ کے معارض نہیں، اس لئے کہ آیتِ کریمہ کا مطلب ہے: **لا إکراہ فی قبول الدین**: دین میں آنے کے لئے زبردستی نہیں، جس کا جی چاہے اسلام میں آئے اور جس کا جی چاہے نہ آئے، مگر جب ایک مرتبہ اسلام قبول کرلیا تو اب واپس نہیں لوٹ سکتا، اگر کوئی لوٹے گا تو اس کو قتل کردیا جائے گا، تاکہ اس کے فتنہ کا سد باب ہوجائے ﴿وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ فتنہ قتل سے زیادہ سنگین جرم ہے، لہٰذا مرتد کے ضرر سے عوام الناس کو بچانے کے لئے اس کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ اور یہ کلمۂ اسلام کا حق ہے۔

بابُ قِبْلَةِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَأَهْلِ الشَّامِ وَالْمَشْرِقِ

مدینہ منورہ، ملک شام اور اہل مشرق کا قبلہ

اہل مشرق سے مراد عراق وغیرہ ہیں، اور یہ دورِ اول کی اصطلاح ہے۔ عراق وغیرہ کے لوگوں کو اہل مشرق کہا جاتا تھا۔ اس کے مقابل لفظ مغرب تھا، بحر ابیض کے شمال کی طرف جو ممالک ہیں اسپین، قرطبہ وغیرہ وہ سب مغرب کہلاتے تھے، بوسنیا جہاں چند دنوں پہلے مسلمانوں پر مظالم ہوئے ہیں وہ بھی مغرب میں ہے۔ اور علامہ ابن البرؒ بھی مغرب کے تھے، قرطبہ کے رہنے والے تھے اور قرطبہ مغرب میں ہے۔

اور اس ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ کعبہ شریف سے شمال کی طرف رہتے ہیں ان کا قبلہ جنوب کی طرف ہے، جیسے مدینہ منورہ کعبہ شریف سے شمال کی طرف ہے، عراق، شام اور یورپ وغیرہ ممالک بھی کعبہ شریف سے شمال کی طرف ہیں، پس ان کا قبلہ جنوب کی طرف ہے، اگر وہ مشرق یا مغرب کی طرف نماز پڑھیں گے تو ان کی نماز صحیح نہیں ہوگی اس لئے کہ ان کا قبلہ مشرق ومغرب کی طرف نہیں ہے، بلکہ جنوب کی طرف ہے اور دلیل یہ ہے کہ استقبال واستدبار والی روایت میں آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے: **ولکن شرِّقوا أو غرِّبوا**: استنجے میں مشرق ومغرب کی طرف منہ اور پیٹھ کرنے کا حکم آپ ﷺ نے اس لئے دیا ہے کہ ان کا قبلہ مشرق ومغرب میں نہیں ہے، کعبہ شریف سے جو شمال میں رہتا ہے اس کا قبلہ جنوب کی طرف ہے اور جو جنوب میں رہتا ہے اس کا قبلہ شمال کی طرف ہے اور جو مغرب میں رہتا ہے اس کا قبلہ مشرق کی طرف ہے، اور جو مشرق میں رہتا ہے اس کا قبلہ مغرب کی طرف ہے، جیسے ہم مشرق میں رہتے ہیں تو ہمارا قبلہ مغرب کی طرف ہے، اور جو

مغرب میں رہتے ہیں جیسے افریقہ وغیرہ ان کا قبلہ مشرق کی طرف ہے، اور یہ بہت موٹی سی بات ہے۔

[۲۹-] بابُ قِبْلَةِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَأَهْلِ الشَّامِ وَالْمَشْرِقِ

لَيْسَ فِيْ الْمَشْرِقِ وَلاَ فِيْ الْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ، لِقَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " لاَتَسْتَقْبِلُوْا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا"

[۳۹۴-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: نَا سُفْيَانُ، قَالَ: نَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ، فَلاَ تَسْتَقْبِلُوْا الْقِبْلَةَ، وَلاَ تَسْتَدْبِرُوْهَا، ولٰكِنْ شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا"

قَالَ أَبُوْ أَيُّوْبَ: فَقَدِمْنَا الشَّامَ، فَوَجَدْنَا مَرَاحِيْضَ بُنِيَتْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ، فَنَنْحَرِفُ وَنَسْتَغْفِرُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.

وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أَيُّوْبَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ.[راجع: ۱٤٤]

وضاحت: یہ حدیث تفصیل سے کتاب الوضوء (باب ۱۱) میں گذر چکی ہے، اور یہاں بس اتنا استدلال ہے کہ جو لوگ کعبہ شریف سے جانب شمال یا جانب جنوب رہتے ہیں ان کا قبلہ مشرق و مغرب میں نہیں ہے، اگر وہ مشرق و مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے تو ان کی نماز صحیح نہیں ہوگی، اور دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اہل مدینہ کو بوقت استنجاء مشرق ومغرب کی طرف منہ اور پیٹھ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور مدینہ منورہ کعبہ شریف سے جانب شمال واقع ہے .... **مراحیض:** مرحاض کی جمع ہے رَحَضَ الثوبَ (ف) کے معنی ہیں: کپڑا دھونا، اور مراد بیت الخلاء ہے، کیونکہ وہاں پانی سے استنجاء کیا جاتا ہے .... **وعن الزهری:** یہ دوسری سند سماعت کی صراحت کے لئے لائے ہیں، پہلی سند میں عطاء نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے بصیغہ عن روایت کیا ہے۔

بابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَ ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾

مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانا

اس ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ کعبہ شریف سے جانب مشرق رہتے ہیں ان کا قبلہ جانب مغرب ہے، جیسے ہم مشرق میں رہتے ہیں تو ہمارا قبلہ مغرب ہے، نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں طواف کا دوگانہ مقام ابراہیم کے پیچھے ادا فرمایا ہے اس طرح کہ مقام ابراہیم اور کعبہ شریف دونوں کو سامنے لیا، مقام ابراہیم وہ جگہ ہے جہاں وہ پتھر رکھا ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا تھا، وہ پتھر بیت اللہ شریف کے دروازہ اور حطیم کے درمیان مشرق کی طرف چند قدم کے فاصلہ پر ایک چھوٹے سے گنبد میں رکھا ہوا ہے، اس پر گلاس (کانچ) چڑھا ہوا ہے وہ پتھر نظر آتا ہے،

کہتے ہیں کہ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں، اللہ عزوجل نے اس جگہ طواف کا دوگانہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ اور یہ امر استحبابی ہے، فرض وواجب نہیں۔

مقام ابراہیم قبلہ نہیں ہے، صرف نماز پڑھنے کی جگہ ہے، پس اگر اس طرح کھڑا ہو کہ مقام ابراہیم بھی سامنے آجائے اور کعبہ شریف بھی سامنے آجائے تو نماز صحیح ہے، اور اگر صرف مقام ابراہیم سامنے ہو اور کعبہ شریف کا استقبال نہ ہو تو نماز صحیح نہیں، اور اس کی ایک ہی صورت ہے کہ مقام ابراہیم سے مشرق کی طرف کھڑا ہو اور منہ مغرب کی طرف کرے تو دونوں سامنے ہونگے اور نماز صحیح ہوگی، نبی ﷺ نے طواف کا دوگانہ اسی طرح ادا فرمایا تھا پس ثابت ہوا کہ کعبہ سے جو مشرق کی طرف ہو اس کا قبلہ جانب مغرب ہے۔

[۳۰-] بابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَ: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾

[۳۹۵-] حدثنا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، قَالَ: سَأَلْنَا ابْنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ لِلْعُمْرَةِ، وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، أَيَأْتِيْ امْرَأَتَهُ؟ فَقَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا، وَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ، وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، و﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [انظر: ۱۶۲۳، ۱۶۲۷، ۱۶۴۵، ۱۶۴۷، ۱۷۹۳]

[۳۹۶-] وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، فَقَالَ: لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتّٰى يَطُوْفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ.

[انظر: ۱۶۲۴، ۱۶۴۶، ۱۷۹۴]

حدیث (۱): عمرو بن دینار کہتے ہیں: ہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جس نے عمرہ کا طواف کیا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کی، پس کیا وہ اپنی بیوی سے صحبت کرسکتا ہے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: نبی ﷺ مکہ پہنچے، پس بیت اللہ کے سات چکر لگائے اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں ادا فرمائیں (یہی جزء باب سے متعلق ہے) اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی فرمائی، اور بالیقین تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے، یعنی حضرت ابن عمرؓ نے گول مول جواب دیا کوئی واضح بات نہیں فرمائی۔

حدیث (۲): اور ہم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہی مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا: بیوی سے صحبت جائز نہیں یہاں تک کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے۔

تشریح: پہلے یہ بات بتائی ہے کہ جس سال نبی ﷺ نے حج کیا تھا اس سال ذوالحلیفہ سے سب نے صرف حج کا احرام باندھا تھا، پھر مکہ پہنچ کر وحی آئی تھی کہ جو لوگ قربانی ساتھ نہیں لائے وہ حج کا احرام عمرہ کے احرام سے بدل دیں اور طواف وسعی کرکے احرام کھول دیں۔

اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو رائیں تھیں جو کسی نے نہیں لیں، ایک رائے یہ تھی کہ جو بھی شخص میقات سے حج کا احرام باندھ کر آئے، اور اس کے ساتھ قربانی نہ ہو تو کعبہ شریف پر نظر پڑتے ہی اس کا حج کا احرام عمرہ کے احرام سے بدل جائے گا، حضرت ابن عباسؓ کی یہ رائے کسی نے نہیں لی، کیونکہ وہ حکم اسی سال کے لئے خاص تھا، ہمیشہ کے لئے وہ حکم نہیں تھا۔

اور دوسری رائے حضرت ابن عباسؓ کی یہ تھی کہ جس نے عمرہ کا احرام باندھا وہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے سے پہلے بیوی سے صحبت کر سکتا ہے، حضرت کی یہ رائے بھی کسی نے نہیں لی، اس لئے کہ عمرہ طواف وسعی کے بعد مکمل ہوتا ہے۔

چنانچہ طلبہ نے حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے اس سلسلہ میں دریافت کیا، حضرت ابن عمرؓ نے تو گول مول جواب دیا، مگر حضرت جابرؓ نے دوٹوک کہا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے سے پہلی بیوی سے صحبت جائز نہیں اور مسئلہ بھی یہی ہے۔

استدلال: نبی ﷺ نے مقام ابراہیم کے پیچھے طواف کا دوگانہ ادا فرمایا تھا جیسا کہ ابن عمرؓ کی روایت میں ہے، یعنی مقام ابراہیم سے مشرق میں کھڑے ہوئے اور مغرب کی طرف منہ کر کے اس طرح نماز پڑھی کہ مقام ابراہیم بھی سامنے آ گیا اور کعبہ شریف کا استقبال بھی ہو گیا، معلوم ہوا کہ جو لوگ کعبہ شریف سے مشرق میں رہتے ہیں ان کا قبلہ جانب مغرب ہے، کیونکہ مقام ابراہیم کی طرف منہ کرنے کی متعدد شکلیں ہو سکتی ہیں، مگر آپ ﷺ نے ایک معین شکل اختیار فرمائی، کیونکہ کعبہ شریف کا استقبال بھی ضروری تھا اور اس کی یہی ایک صورت تھی کہ مقام ابراہیم کے مشرق میں کھڑے ہوں اور مغرب کی طرف منہ کریں تو مقام ابراہیم اور کعبہ دونوں سامنے آ جائیں۔

[۳۹۷-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: نَا يَحْيىَ، عَنْ سَيْفٍ، يَعْنِيْ ابْنَ أَبِيْ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سِمِعْتُ مُجَاهِدًا، قَالَ: أُتِيَ ابْنُ عُمَرَ، فَقِيْلَ لَهُ: هٰذَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ الْكَعْبَةَ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَأَقْبَلْتُ وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَدْ خَرَجَ، وَأَجِدُ بِلاَلاً قَائِمًا بَيْنَ الْبَابَيْنِ، فَسَأَلْتُ بِلاَلاً، فَقُلْتُ: أَصَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ الْكَعْبَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، رَكْعَتَيْنِ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ اللَّتَيْنِ عَلٰى يَسَارِهِ إِذَا دَخَلْتَ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى فِيْ وَجْهِ الْكَعْبَةِ رَكْعَتَيْنِ. [انظر: ٤٦٨، ٥٠٤، ٥٠٥، ٥٠٦، ١١٦٧، ١٥٩٨، ١٥٩٩، ٢٩٨٨، ٤٢٨٩، ٤٤٠٠]

[۳۹۸-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْبَيْتَ دَعَا فِيْ نَوَاحِيْهِ كُلِّهَا، وَلَمْ يُصَلِّ حَتّٰى خَرَجَ مِنْهُ، فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِيْ قُبُلِ الْكَعْبَةِ، وَقَالَ: " هٰذِهِ الْقِبْلَةُ "[انظر: ١٦٠١، ٣٣٥١، ٣٣٥٢، ٤٢٢٨]

حدیث (۲): مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن عمرؓ کے پاس آیا گیا، پس ان سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں

تشریف لے گئے ہیں، یعنی ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اطلاع دی کہ آپ ﷺ کعبہ شریف میں تشریف لے گئے ہیں۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: پس میں متوجہ ہوا یعنی مسجدِ حرام میں آیا درانحالیکہ نبی ﷺ کعبہ شریف سے باہر تشریف لا چکے تھے اور میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ شریف کے دروازہ کے دونوں پٹوں کے درمیان کھڑا ہوا پایا، پس میں نے بلالؓ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے کعبہ شریف میں نماز پڑھی؟ انھوں نے کہا: ہاں، دو رکعتیں پڑھیں، ان دوستونوں کے درمیان جو آپؐ کی بائیں جانب ہونگے، جب آپ داخل ہوں، پھر آپؐ باہر تشریف لائے پھر کعبہ شریف کے چہرے میں دو رکعتیں پڑھیں۔

حدیث (۳): ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بیت اللہ میں تشریف لے گئے تو آپؐ نے بیت اللہ کے سب کونوں میں دعا فرمائی، اور نماز نہیں پڑھی، یہاں تک کہ بیت اللہ سے باہر تشریف لائے، جب آپؐ باہر تشریف لائے تو آپؐ نے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے دو رکعتیں پڑھیں، پھر فرمایا: ''یہ قبلہ ہے''

تشریح:

۱- یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے، حضرت ابن عمرؓ اپنے ڈیرے میں تھے، کسی نے ان کو خبر دی کہ نبی ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے ہیں، وہ جلدی سے مسجد حرام میں پہنچے، آپ ﷺ باہر تشریف لا چکے تھے، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ دروازے میں کھڑے تھے، حضرت ابن عمرؓ نے ان سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے بیت اللہ میں نماز پڑھی؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، بیت اللہ میں داخل ہونے پر بائیں جانب جو تین ستون ہیں ان میں سے دوستونوں کے درمیان آپؐ نے دو رکعت پڑھیں، پھر آپؐ نے باہر نکل کر کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے دو رکعتیں پڑھیں۔

یہی جزء باب سے متعلق ہے، جو شخص کعبہ کے دروازہ والی جانب میں نماز پڑھے گا وہ کعبہ شریف سے مشرق کی جانب ہوگا، اور کعبہ مغرب میں ہوگا، پس ثابت ہوا کہ جو کعبہ سے مشرق میں رہنے والا ہو اس کا قبلہ مغرب میں ہے۔

۲- حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ میں نماز پڑھی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا انکار کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: آپؐ نے بیت اللہ میں نماز نہیں پڑھی، صرف چاروں کونوں میں تکبیر کہی، اور دعا کی۔ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت مرسلِ صحابی ہے اس لئے کہ وہ اس وقت نبی ﷺ کے ساتھ نہیں تھے، البتہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، اور وہ بھی نماز کا انکار کرتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے یہ بات حضرت اسامہ ہی سے لی ہے مسلم میں محمد بن ابی بکر بن جریج کے طریق میں اس کی صراحت ہے (مسلم حدیث ۳۹۵، کتاب الحج)

اور علماء نے حضرت بلالؓ کی حدیث کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ ان کی حدیث مثبت ہے اور حضرت اسامہؓ کی حدیث نافی ہے، اور تعارض کے وقت مثبت کو ترجیح دی جاتی ہے، کیونکہ وہ مبنی بر علم ہوتی ہے، اور نافی مبنی بر عدم علم ہوتی ہے، یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپؐ کو بیت اللہ میں نماز پڑھتے دیکھا ہے اور اس کو روایت کیا ہے اور حضرت اسامہ رضی اللہ

عنہ نے نہیں دیکھا تو انھوں نے انکار کیا۔

رہی یہ بات کہ حضرت اسامہؓ بھی تو بیت اللہ میں آنحضور ﷺ کے ساتھ تھے پھر انھوں نے آپ کو نماز پڑھتے کیوں نہیں دیکھا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت اسامہؓ باہر آیا جایا کرتے تھے آنحضور ﷺ نے جب کعبہ شریف کو غسل دیا تو پانی لانے کی اور غسالہ باہر پھینکنے کی خدمت حضرت اسامہ کے ذمہ تھی، اس لئے جب وہ پانی لینے کے لئے یا غسالہ پھینکنے کے لئے باہر گئے، نبی ﷺ نے نماز پڑھی اس لئے ان کے علم میں یہ بات نہیں آئی، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسلسل آپؐ کے ساتھ موجود رہے ہیں، ان کے ذمہ کعبہ کو دھونے کی خدمت تھی۔

۳- حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے باہر نکل کر کعبہ کی طرف منہ کر کے دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا کہ یہ قبلہ ہے یعنی مشرق میں رہنے والوں کا قبلہ جانب مغرب ہے، یہی جزء باب سے متعلق ہے۔

فائدہ: کعبہ شریف میں چھ ستون تھے، اور نبی ﷺ نے اس طرح نماز پڑھی تھی کہ دو ستون آپ کی بائیں جانب، ایک ستون دائیں جانب اور تین ستون پیچھے تھے، یہ تفصیل ابن عمرؓ کی حدیث میں آئی ہے، جو مسلم شریف (حدیث ۳۸۸) میں ہے۔

بابُ التَّوَجُّهِ نَحوَ الْقِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ

نماز میں ہر حال میں کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے

پہلا باب تھا کہ کعبہ سے شمال میں رہنے والوں کا قبلہ جنوب ہے، اور دوسرا باب تھا کہ کعبہ سے مشرق میں رہنے والوں کا قبلہ مغرب ہے اب عام باب لائے ہیں کہ نماز میں ہر شخص کے لئے قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے، خواہ وہ کسی بھی جانب کا رہنے والا ہو، اس باب میں تین مسند حدیثیں ہیں: حضرت براء کی، حضرت جابر کی اور حضرت ابن مسعود کی اور ایک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی معلق روایت ہے۔

[۳۱-] بابُ التَّوَجُّهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ

وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، وَكَبِّرْ"

[۳۹۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ، قَالَ: نَا إِسْرَائِيْلُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَلّٰى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، وَكَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾ فَتَوَجَّهَ نَحْوَ الْقِبْلَةِ، وَقَالَ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ - وَهُمُ الْيَهُوْدُ -: ﴿مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا، قُلْ لِلّٰهِ

الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ﴾ [البقرة: ١٤٤] فَصَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم رَجُلٌ، ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَ مَا صَلَّى، فَمَرَّ عَلٰى قَوْمٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فِيْ صَلاَةِ الْعَصْرِ يُصَلُّوْنَ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَقَالَ: هُوَ يَشْهَدُ أَنَّـهُ صَلَّى مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَأَنَّـهُ تَوَجَّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ، فَتَحَرَّفَ الْقَوْمُ، حَتّٰى تَوَجَّهُوْا نَحْوَ الْكَعْبَةِ. [راجع: ٤٠]

وقال أبو هريرة: یہ لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جو ترمذی میں ہے، اس حدیث کا نام ہے: **حدیثُ المُسِيْءِ صلاتَه**: خراب نماز پڑھنے والے کا واقعہ، ایک شخص نے تعدیل ارکان کے بغیر نماز پڑھی تھی، آپ نے اس کو بار بار نماز لوٹانے کا حکم دیا، پھر جب اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں تو ایسی ہی نماز پڑھنا جانتا ہوں، آپ مجھے سکھائیں کہ میں کس طرح نماز پڑھوں، پس آپ نے اس کو نماز سکھائی، فرمایا: قبلہ کی طرف منہ کرو، پھر تکبیر تحریمہ کہو (الی آخرہ) اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے خواہ کسی جہت میں نماز پڑھ رہا ہو۔

حدیث (۱): حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف سولہ مہینے یا سترہ مہینے نماز پڑھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ آپ کعبہ کی طرف متوجہ کئے جائیں، یعنی بیت اللہ آپ کی امت کا قبلہ ہو، اس لئے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا اور آپ ملتِ ابراہیمی اسماعیلی پر مبعوث کئے گئے تھے، چنانچہ اللہ عزوجل نے یہ آیت پاک نازل فرمائی: ''ہم دیکھ رہے ہیں آپ کا بار بار آسمان کی طرف دیکھنا'' پس آپ نے قبلہ کی طرف رخ پھیرلیا اور بیوقوفوں نے یعنی یہود نے کہا: ''کس چیز نے پھیر دیا ان کو اس قبلہ سے جس پر وہ تھے، آپ کہیں: اللہ ہی کے لئے مشرق ومغرب ہیں، اللہ راہنمائی فرماتے ہیں جس کی چاہتے ہیں سیدھے راستہ کی طرف'' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شخص نے نماز پڑھی، پھر وہ نماز پڑھنے کے بعد نکلا، پس وہ انصار کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا جو عصر کی نماز میں تھے، وہ لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے، پس اس نے کہا: وہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے درانحالیکہ آپ نے کعبہ کی طرف منہ پھیرلیا ہے، پس لوگ گھوم گئے یہاں تک کہ سب نے کعبہ کی طرف منہ کرلیا۔

تشریح: اس حدیث کی شرح کتاب الایمان (باب ۳۰) میں آچکی ہے، اور یہاں یہ استدلال کرنا ہے کہ جب تحویل قبلہ کی وحی آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ہی میں گھوم گئے تھے، اسی طرح بنو حارثہ کی مسجد میں انصار بھی قبلہ کی طرف گھوم گئے تھے، معلوم ہوا کہ ہر حال میں استقبال قبلہ ضروری ہے۔

ملحوظہ: ارشادِ پاک: ﴿يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ﴾ میں کعبہ شریف کی افضلیت کی طرف اشارہ ہے، اگرچہ بیت المقدس بھی اللہ کا گھر ہے، مگر کعبہ اس سے افضل ہے، اس لئے افضل الانبیاء اور افضل الامت کے لئے اس کو قبلہ مقرر کیا گیا۔

[٤٠٠-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: نَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: نَا يَحْيىَ بْنُ أَبِیْ كَثِيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّیْ عَلٰى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ، فَإِذَا أَرَادَ الْفَرِيْضَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ. [انظر: ١٠٩٤، ١٠٩٩، ٤١٤٠]

حدیث (۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر نماز پڑھا کرتے تھے جدھر بھی سواری آپ کو لے کر رخ کرتی، پھر جب آپ فرض نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو سواری سے اترتے اور قبلہ کی طرف منہ کرتے۔

تشریح: آنحضور ﷺ سفر میں اونٹ پر نفلیں پڑھتے تھے سواری کا رخ جدھر بھی ہو، البتہ فرض پڑھنے کے لئے نیچے اترتے تھے، اور کعبہ کی طرف منہ کرتے تھے، معلوم ہوا کہ ہر حال میں استقبالِ قبلہ ضروری ہے، البتہ عذر کا حکم الگ ہے، مثلاً جہتِ قبلہ معلوم نہ ہو تو تحری کر کے نماز پڑھے، یا سواری پر نفل پڑھ رہا ہے اور سواری چل رہی ہے تو یہ بھی ایک عذر ہے، اس صورت میں بھی استقبالِ قبلہ ضروری نہیں۔

فائدہ: اونٹ پر نفلیں پڑھنا جائز ہے اور اس صورت میں نہ استقبالِ قبلہ ضروری ہے نہ جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے، اور رکوع وسجود اشارے سے کرے گا، اور یہی حکم کار اور بس کا ہے، ان میں بھی نفل نماز پڑھ سکتے ہیں، اور سنن مؤکدہ بھی نفل ہیں پس ان کو بھی کار اور بس میں پڑھ سکتے ہیں، اور استقبالِ قبلہ اور جگہ کا پاک ہونا ضروری نہیں، البتہ یہ شرط ہے کہ وہ اونٹ، کار اور بس وغیرہ کو چلا نہ رہا ہو، اور یہ مسئلہ آگے آ رہا ہے۔

[٤٠١-] حدثنا عُثْمَانُ، قَالَ: نَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ: صَلَّى النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم — قَالَ إِبْرَاهِيْمُ: لاَ أَدْرِیْ زَادَ أَوْ نَقَصَ — فَلَمَّا سَلَّمَ، قِيْلَ لَهُ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَحَدَثَ فِیْ الصَّلاَةِ شَيْئٌ؟ قَالَ: "وَمَا ذَاكَ؟" قَالُوْا: صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا، فَثَنٰى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، فَلَمَّا أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قَالَ: "إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِی الصَّلاَةِ شَيْئٌ لَنَبَّأْتُكُمْ بِهِ، وَلٰكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ، أَنْسىٰ كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِیْ، وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِیْ صَلاَتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ، فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ لِيُسَلِّمْ، ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ" [انظر: ٤٠٤، ١٢٢٦، ٦٦٧١، ٧٢٤٩]

حدیث (۳): ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نبی ﷺ نے نماز پڑھی —— ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھے یاد نہیں کہ آپؐ نے نماز میں زیادتی کی یا کمی —— پھر جب آپؐ نے سلام پھیرا تو آپؐ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کیا بات ہوئی؟ لوگوں نے بتایا: آپؐ نے اتنی اور اتنی رکعتیں پڑھی ہیں، یعنی بھول سے آگاہ کیا، پس آپؐ نے دونوں پاؤں موڑے اور قبلہ کی طرف منہ کیا (یہی جزء باب سے متعلق ہے) اور دو

سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔ پھر جب آپؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر نماز میں کوئی بات پیدا ہوئی ہوتی تو میں تمہیں اس سے آگاہ کرتا، لیکن میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں، بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو، پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلایا کرو، اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے تو چاہئے کہ وہ درست بات سوچے، پھر اس پر بناء کرے، پھر چاہئے کہ سلام پھیرے پھر دو سجدے کرے''

تشریح: یہ حدیث طویل ہے، تفصیل سے آگے آئے گی، اور پوری تفصیلی حدیث ترمذی وغیرہ سنن میں ہے، ایک مرتبہ نبی ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی، اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور حجرہ میں تشریف لے گئے، لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں، بعض نے کہا کہ نماز میں کمی ہوگئی، اور وہ مسجد سے نکل گئے، ذوالیدین نامی ایک صحابی آنحضور ﷺ کے پیچھے حجرہ میں گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا نماز میں کمی ہوئی یا آپؐ بھول گئے؟ آپؐ نے فرمایا: دونوں میں سے کچھ نہیں ہوا، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ نے دو رکعتیں پڑھائی ہیں، چنانچہ آپؐ مسجد میں تشریف لائے اور محراب کے قریب ایک لکڑی پر تشبیک کر کے اور ہاتھوں پر ٹھوڑی رکھ کر کھڑے ہوئے اور صحابہ سے پوچھا: ذوالیدین کیا کہتے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ آپؐ نے دو ہی رکعتیں پڑھائی ہیں، چنانچہ آپؐ قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور باقی دو رکعتیں پڑھائیں (یہی جزء باب سے متعلق ہے) اور آخر میں سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا، پھر آپؐ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور تین باتیں فرمائیں:

پہلی بات: اگر نماز میں کوئی تبدیلی ہوئی ہوتی تو میں تمہیں پہلے سے آگاہ کرتا، میرا آگاہ نہ کرنا دلیل ہے کہ نماز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

فائدہ: نبی ﷺ نے استنجے کے وقت استقبال واستدبار سے مطلقاً منع کیا تھا، اگر اس حکم میں کوئی تبدیلی ہوئی ہوتی تو آپؐ اس سے امت کو آگاہ کرتے، کیونکہ یہ آپؐ کا فرض منصبی ہے۔ چپکے سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے بیت الخلاء میں اس پر عمل نہ کرتے، وہ تو اتفاق تھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھ لیا، ورنہ امت کو اس کا پتہ کیسے چلتا۔ غرض آپؐ کا اس سلسلہ میں امت کو کوئی ہدایت نہ دینا دلیل ہے کہ استقبال واستدبار کے مسئلہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، پس حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کی تاویل کی جائے گی، اس سے مسئلہ مستنبط نہیں کیا جائے گا۔

دوسری بات: یہ فرمائی کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں، جیسے تمہیں بھول لگتی ہے مجھے بھی بھول لگتی ہے، اگر نماز میں مجھ سے کوئی بھول ہو جائے تو مجھے یاد دلایا کرو یعنی لقمہ دیا کرو۔

تشریح: قرآنِ کریم میں ہے: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾: آپؐ کہہ دیں کہ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں، البتہ یہ بات ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے اور تمہارے پاس وحی نہیں آتی، پس سب بشر ایک درجہ کے نہیں، البتہ بشریت کے جو تقاضے ہیں: بھوک لگنا، پیاس لگنا، چھوٹے بڑے استنجے کا تقاضا ہونا، بیوی کی ضرورت ہونا وغیرہ امور میں آنحضور ﷺ اور لوگوں کا حال یکساں ہے، اور بشریت کے احوال میں سے ایک بھولنا بھی ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ

آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾: اور قبل ازیں ہم نے آدمؑ کو ایک حکم دیا تھا، پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہیں پائی۔ اور آنحضور ﷺ نے فرمایا: نَسِیَ آدمُ فَنَسِیَتْ ذریتہ: یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت میں بھول وراثت میں منتقل ہوئی ہے، اور نبی ﷺ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت میں ہیں پس ضروری ہے کہ بھول آپؐ میں بھی ہو، اس لئے آپؐ نے فرمایا: جس طرح تمہیں بھول لگتی ہے مجھے بھی بھول لگتی ہے، لہٰذا آئندہ اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو لقمہ دے کر مجھے آگاہ کر دیا کرو۔

تیسری بات: یہ فرمائی کہ جب کسی کو نماز میں شک ہو جائے، مثلاً ظہر پڑھ رہا تھا، شک ہو گیا کہ اس نے تین رکعتیں پڑھیں یا چار؟ تو غور کرے اور سوچے اور غالب گمان پر عمل کرے اور آخر میں سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے، یہ بعد السلام سجدۂ سہو کی روایت ہے اور قولی روایت ہے، اور احناف تعارض کے وقت قولی روایت کو لیتے ہیں، تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

جاننا چاہئے کہ شک کے مسئلہ میں تین روایتیں ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ اگر رکعتوں کی تعداد میں شک ہو جائے تو از سرِنو نماز پڑھے، یہ ابن عمرؓ کی حدیث ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے (بحوالہ نصب الرایہ ۲: ۱۷۳) دوسری روایت یہاں ہے کہ تحری کرے اور ظن غالب پر عمل کرے، اور سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے، اور تیسری روایت یہ ہے کہ بناء علی الاقل کرے، مثلاً تین اور چار میں شک ہو تو تین سمجھے اور سلام سے پہلے سجدہ کرے۔ یہ حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ہے اور ترمذی میں ہے (حدیث ۴۰۸)

احناف نے تینوں روایتوں کو جمع کیا ہے اور مسئلہ کی تین صورتیں کی ہیں: اگر شک پہلی مرتبہ پیش آیا ہے یا شاذ و نادر پیش آتا ہے، سال دو سال میں ایک آدھ مرتبہ پیش آتا ہے تو جس رکن میں شک پیش آئے اسی رکن میں سلام پھیر دے، اور از سرِنو نماز پڑھے، اور اگر شک پیش آتا رہتا ہے تو اگر وہ صاحب رائے ہے تو غور و فکر کر کے کوئی رائے قائم کرے اور ظن غالب پر عمل کرے، اور اگر صاحبِ رائے نہیں ہے تو بناء علی الاقل کرے اور جہاں قعدہ اخیرہ کا احتمال ہو وہاں قعدہ کرے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

احناف نے اس طرح تینوں روایتوں کو جمع کیا ہے، اور ائمہ ثلاثہؒ ہر صورت میں بناء علی الاقل کرواتے ہیں، اور جہاں قعدہ اخیرہ کا احتمال ہوتا ہے وہاں قعدہ اخیرہ کرواتے ہیں، اور امام شعبی اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کے نزدیک ہر صورت میں نماز از سرِنو پڑھے گا۔

فائدہ: ذی رائے شخص کو تحری نماز کا وظیفہ جاری رکھتے ہوئے کرنی ہے، ورنہ اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے درمختار میں یہی مسئلہ لکھا ہے، اور علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ چاہے وظیفہ موقوف کر کے سوچے اور چاہے وظیفہ جاری رکھ کر سوچے ہر صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے اور علامہ کشمیری قدس سرہ نے صاحب درمختار کے قول کو اظہر (قوی) قرار دیا ہے۔

بابُ مَاجَاءَ فِیْ الْقِبْلَةِ

استقبالِ قبلہ کی روایات

یہ عمومی باب ہے، اس باب پر استقبالِ قبلہ کے ابواب پورے ہوجائیں گے، اوراس باب میں وہ روایتیں ہیں جو استقبالِ قبلہ کے سلسلہ کی ہیں۔اوران کا کوئی خاص موضوع نہیں، جوبھی روایت حضرت رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق ہے اس کو لے آئے ہیں۔

استقبالِ قبلہ کے سلسلہ میں فقہاء کے مزاج مختلف ہیں:

۱- امام شافعی رحمہ اللہ قبلہ کے مسئلہ میں سب سے زیادہ سخت ہیں، ان کے نزدیک عین کعبہ کا استقبال ضروری ہے، جہت کعبہ کا استقبال کافی نہیں، حضرت رحمہ اللہ کی اس رائے پر عمل کرنا مشکل ہے، دنیا میں ہر جگہ سے عین قبلہ کا استقبال کیسے ممکن ہے؟ دوسری بات امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ فرمائی ہے کہ قبلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اگر کسی نے تحری کرکے نماز پڑھی، پھر خطا ظاہر ہوئی تو اس نماز کا اعادہ واجب ہے وقت کے اندر بھی اور وقت کے بعد بھی۔

۲- اور امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں تھوڑا توسع ہے وہ عین قبلہ کے استقبال کو ضروری قرار نہیں دیتے البتہ جو نماز تحری کرکے پڑھی گئی ہے پھر خطا ظاہر ہوئی تو وقت کے اندر اس کا اعادہ واجب ہے اور وقت کے بعد مستحب ہے۔

۳- اور حنفیہ کے نزدیک اور بھی توسع ہے، ان کے نزدیک عین کعبہ کا استقبال ضروری نہیں، جہت کعبہ کا استقبال کافی ہے اور جو نماز تحری کرکے پڑھی گئی خطا ظاہر ہونے پر اس کا اعادہ نہ واجب ہے اور نہ مستحب، نہ وقت کے اندر اور نہ وقت کے بعد۔

۴- اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ توسع ہے، وہ فرماتے ہیں: کوئی شخص بھول گیا اور اس نے کعبہ کے علاوہ کی طرف نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہے، سہو ونسیان مترادف ہیں، یعنی مُتَعَمِّداً کے علاوہ جتنی صورتیں ہوسکتی ہیں سب میں نماز صحیح ہے، بعد میں خطا ظاہر ہو تو کوئی اعادہ نہیں، اور حنفیہ صرف تحری کی صورت میں اگر خطا ظاہر ہو تو اعادہ کا حکم نہیں دیتے، لیکن جہل، نسیان اور سہو وغیرہ حنفیہ کے نزدیک عذر نہیں، ان صورتوں میں نماز کا اعادہ واجب ہے (۱)

[۳۲-] بابُ مَاجَاءَ فِی الْقِبْلَةِ

وَمَنْ لَمْ يَرَ الإِعَادَةَ عَلٰى مَنْ سَهَا، فَصَلَّى إِلٰى غَيْرِ الْقِبْلَةِ، وَقَدْ سَلَّمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ رَكْعَتَيِ

(۱) استقبالِ قبلہ کے مسئلہ میں احناف کے یہاں دو مسئلوں میں توسع ہے: ایک: تحری کرکے نماز پڑھی اور بعد میں خطا ظاہر ہوئی تو نماز صحیح ہوگئی، اعادہ واجب نہیں، دوم: نماز میں حدث پیش آگیا تو وضو کرکے بناء کرسکتا ہے، اگرچہ وضو کے لئے جانے میں قبلہ سے چہرہ اور سینہ پھر جائے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، بناء کرسکتا ہے۔

الظُّهْرِ، وَأَقْبَلَ عَلٰى النَّاسِ بِوَجْهِهِ، ثُمَّ أَتَمَّ مَا بَقِيَ.

[٤٠٢-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: وَافَقْتُ رَبِّيْ فِيْ ثَلَاثٍ:

[١-] قُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى؟ فَنَزَلَتْ: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾

[٢-] وَآيَةُ الْحِجَابِ، قُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! لَوْ أَمَرْتَ نِسَاءَ كَ أَنْ يَحْتَجِبْنَ، فَإِنَّهُ يُكَلِّمُهُنَّ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ.

[٣-] وَاجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ الْغَيْرَةِ عَلَيْهِ، فَقُلْتُ لَهُنَّ: ﴿عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ﴾ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ. [انظر: ٤٤٨٣، ٤٧٩٠، ٤٩١٦]

وَقَالَ ابْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ: أَنَا يَحْيىَ بْنُ أَيُّوْبَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ حُمَيْدٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا بِهٰذَا.

مسئلہ: اگر کوئی شخص جہتِ قبلہ بھول گیا، اور غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی، پھر خطا ظاہر ہوئی تو ایک رائے (امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے) یہ ہے کہ نماز ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

دلیل: رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ظہر کی نماز پڑھائی، اور دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، جب صحابہ نے غلطی بتلائی تو آپ کعبہ کی طرف پھرے اور باقی نماز پڑھائی۔

اس سے استدلال اس طرح ہے کہ نبی ﷺ کا چہرہ اور سینہ قبلہ سے پھر گیا، مگر یہ جہل کی وجہ سے تھا، اس لئے کہ آپؐ نے اپنے خیال میں نماز پوری کر لی تھی، معلوم ہوا کہ اگر جہل کی وجہ سے نماز میں استقبالِ قبلہ نہ رہے یا غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی جائے تو نماز صحیح ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں، اور یہی حکم سہو و نسیان کا بھی ہے۔

مگر یہ استدلال تام نہیں، کیونکہ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب نماز میں چلنا پھرنا اور باتیں کرنا جائز تھا، اب یہ حدیث اپنے تمام اجزاء کے ساتھ منسوخ ہے۔

حدیث (۱): حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے پروردگار کی تین باتوں میں موافقت کی:

(۱) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کاش ہم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناتے پس یہ آیت اتری: ''اور بناؤ تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ''

(۲) اور آیتِ حجاب، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کاش آپؐ اپنی ازواج کو پردہ کرنے کا حکم دیتے اس لئے کہ ان سے نیک اور بد سب ہم کلام ہوتے ہیں، پس پردے کی آیت نازل ہوئی۔

(۳) اور نبی ﷺ کی بیویاں آپؐ پر غیرت کے معاملہ میں جمع ہوئیں، تو میں نے ان سے کہا: اگر نبی ﷺ تم کو

طلاق دیدیں تو ہوسکتا ہے: آپؐ کا پروردگار آپؐ کو تم سے اچھی بیویاں دیدے، پس یہی آیت نازل ہوئی۔

قولہ: وافقْتُ ربی فی ثلاث: میں نے تین باتوں میں اپنے پروردگار کی موافقت کی، یہ تعبیر تعظیماً ہے، حقیقی تعبیر: وَافَقَنِیْ ربی فی ثلاث ہے یعنی میرے پروردگار نے تین باتوں میں میری موافقت کی، میری رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی، مگر یہ تعبیر بے ادبی والی تعبیر تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے تعبیر بدل دی اور فی ثلاث حصر کے لئے نہیں ہے، ذکرِ عدد نفی ماعدا کو مستلزم نہیں۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں بائیس موافقات عمر ذکر کئے ہیں۔

موافقاتِ عمرؓ کی شرح:

۱- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ مقامِ ابراہیم کو مصلی (نماز پڑھنے کی جگہ) بنایا جائے چنانچہ اسی کے مطابق آیت نازل ہوئی ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ اس آیت میں مقام ابراہیم کو مصلیٰ (نماز پڑھنے کی جگہ) بنانے کا حکم ہے، قبلہ بنانے کا حکم نہیں، چنانچہ آنحضور ﷺ نے طواف کا دوگانہ اس طرح پڑھا کہ مقام ابراہیم بھی سامنے آگیا اور کعبہ بھی —— اور یہی جزء باب سے متعلق ہے۔

اور یہ سوال ذہن میں نہیں آنا چاہئے کہ آیت میں استقبالِ قبلہ کا ذکر نہیں، اس لئے کہ مقام ابراہیم پر جو طواف کا دوگانہ پڑھنا ہے اس میں منہ کعبہ کی طرف کرنا ہے، کیونکہ مقام ابراہیم قبلہ نہیں ہے، صرف مصلیٰ ہے۔ پس اشارۃ النص سے قبلہ کا ذکر نکل آیا، چنانچہ آنحضور ﷺ نے جب طواف کے بعد مقام ابراہیم پر طواف کا دوگانہ پڑھا تو آپؐ اس طرح کھڑے ہوئے تھے کہ مقام ابراہیم بھی سامنے آگیا اور کعبہ شریف بھی۔

۲- حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ ازواج مطہرات کے لئے پردہ ہو کیونکہ جب وہ ضرورت کے لئے گھر سے نکلیں گی تو ہرکس وناکس ان سے بات کرے گا، یہ بات ان کی شان کے خلاف ہے، چنانچہ پردہ کا حکم نازل ہوا ﴿يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے، بیٹیوں سے اور سبھی مسلمان عورتوں سے کہہ دیں کہ جب وہ گھر سے نکلیں تو اپنی چادریں اپنے اوپر کھینچ لیں یعنی بوقت ضرورت نکلیں، مگر چہرہ چھپا کر نکلیں، پھر خاص ازواج مطہرات کے تعلق سے یہ حکم بھی آیا: ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ اپنے گھروں میں رکی رہو، بے ضرورت گھروں سے مت نکلو۔

۳- ایک مرتبہ تمام ازواج نفقہ (خرچ) میں زیادتی کا مطالبہ لے کر آپؐ کے پاس جمع ہوئیں جس کی وجہ سے آپؐ ازواج سے ناراض ہوگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تم کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہو، آنحضور ﷺ اگر تم کو طلاق دیدیں تو اللہ تعالیٰ آپؐ کے لئے تم سے اچھی بیویاں مہیا کردیں گے، چنانچہ اسی مضمون کی آیت سورۃ التحریم میں نازل ہوئی۔

قولہ: وقال ابن أبی مریم: یہ سند سماعت کی صراحت کے لئے لائے ہیں، پہلی سند میں حمید نے حضرت انسؓ سے بصیغہ عن روایت کیا ہے اور اس سند میں سماعت کی صراحت ہے۔

قوله: في الغيرة عليه: ازواج کا نبی ﷺ پر غیرت کھانا: روایت کے یہ الفاظ واقعہ کے مطابق نہیں، صحیح الفاظ آگے اسی روایت (حدیث ۴۴۸۳) میں آرہے ہیں: بَلَغَنِيْ مُعَاتَبَةُ النبی صلی الله علیه وسلم بعضَ نسائه: مجھے اطلاع ملی کہ نبی ﷺ اپنی بعض بیویوں سے ناراض ہوگئے ہیں۔ واقعہ کے مطابق یہی تعبیر ہے۔

اور غیرت کے معنی ہیں حمیت، اور بیوی کا شوہر پر غیرت کھانا یہ ہے کہ بیوی کو اس پر ناگواری ہو کہ اس کے شوہر کی توجہ کسی غیر کی طرف ہے۔ ظاہر ہے یہ معنی آپ کے شایانِ شان نہیں، اس لئے صحیح تعبیر معاتبہ ہے، یعنی آپ ازواج سے ناراض ہوگئے۔

فائدہ: اگر ترجمہ کے ایک سے زیادہ اجزاء ہوں تو ہر حدیث کا ہر جزء سے منطبق ہونا ضروری نہیں، کسی ایک جزء سے حدیث کا منطبق ہونا کافی ہے، یہ حدیث ترجمہ کے پہلے جزء سے متعلق ہے۔

[۴۰۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِيْ صَلَاةِ الصُّبْحِ، إِذْ جَاءَ هُمْ آتٍ، فَقَالَ: إِنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، فَاسْتَقْبِلُوْهَا، وَكَانَتْ وُجُوْهُهُمْ إِلَى الشَّامِ، فَاسْتَدَارُوْا إِلَى الْكَعْبَةِ. [انظر: ٤٤٨٨، ٤٤٩٠، ٤٤٩١، ٤٤٩٣، ٤٤٩٤، ٧٢٥١]

حدیث (۲): ابن عمرؓ سے مروی ہے: دریں اثناء کہ لوگ قباء میں صبح کی نماز میں تھے کہ اچانک ان کے پاس ایک آنے والا آیا، اور اس نے کہا: بیشک رسول اللہ ﷺ پر رات قرآنِ کریم نازل کیا گیا ہے اور آپ کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پس تم بھی قبلہ کی طرف رخ کرلو، اور ان کے چہرے شام (بیت المقدس) کی طرف تھے، پس وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

تشریح: پہلے بتایا ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو آپ مسجد بنوسلمہ میں ظہر پڑھا رہے تھے، آپ نے دو رکعت پڑھائی تھیں کہ نماز میں وحی نازل ہوئی، پس آپ اور صحابہ شمال کی جانب سے جنوب کی جانب گھوم گئے، اور باقی دو رکعتیں کعبہ شریف کی طرف پڑھیں، اس وجہ سے مسجد بنوسلمہ کو مسجد القبلتین کہتے ہیں۔ پھر آپ نے عصر کی نماز مسجدِ نبوی میں کعبہ شریف کی طرف منہ کرکے پڑھائی ایک صحابی یہاں سے عصر پڑھ کر مسجد بنوحارثہ کے پاس سے گذرے وہاں نماز ہورہی تھی اور لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے، جب انھوں نے تحویل قبلہ کی خبر دی تو لوگ نماز ہی میں قبلہ کی طرف گھوم گئے، پھر اگلے دن ایک صحابی مسجدِ نبوی میں فجر پڑھ کر قباء پہنچے وہاں لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے جب انھوں نے تحویل کی خبر دی تو وہ بھی نماز ہی کے اندر کعبہ شریف کی طرف گھوم گئے، اور ان صحابی کا یہ کہنا کہ رات میں تحویل کا حکم نازل ہوا ہے: یہ بات ان کے اپنے علم کے اعتبار سے ہے، انھوں نے تحویل کے بعد نبی ﷺ کے پیچھے پہلی نماز فجر کی پڑھی تھی، اس لئے انھوں نے گمان کیا کہ رات میں تحویل کا حکم آیا ہے۔

استدلال: قبا والوں کو جب تحویل قبلہ کی خبر دی گئی تو وہ ایک رکعت بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے حالانکہ اب

بیت المقدس قبلہ نہیں رہا تھا پھر بھی انھوں نے نماز نہیں لوٹائی، کیونکہ انھوں نے بیت المقدس کی طرف ایک رکعت لاعلمی میں پڑھی تھی، معلوم ہوا کہ لاعلمی میں غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی جائے تو وہ صحیح ہے۔ یہ حدیث کا باب سے ارتباط ہے۔

اور اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، جب احکام نئے نازل ہوتے ہیں تو شریعت سہولت دیتی ہے اور کوتاہیوں سے چشم پوشی کرتی ہے پس اس واقعہ سے استدلال صحیح نہیں۔

فائدہ: آنحضور ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی میں فجر کی نماز غلس میں ہوتی تھی، اور مدینہ منورہ میں جو نو مسجدیں تھیں ان میں فجر کی نماز اسفار میں ہوتی تھی، یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔ ایک شخص مسجدِ نبوی میں نماز پڑھ کر قباء گیا ہے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر ہے، اس وقت وہاں جماعت ہو رہی ہے، معلوم ہوا کہ صحابہ اسفار کر کے فجر کی نماز پڑھتے تھے۔

اور مسجدِ نبوی میں نمازِ فجر غلس میں اس لئے ہوتی تھی کہ عام طور پر لوگ تہجد پڑھنے کے لئے مسجدِ نبوی میں آتے تھے، اور وہ آدھی رات سے آنے شروع ہو جاتے تھے، مسجدِ نبوی بستی سے دور مدینہ کی ایک جانب میں تھی، اس کے آس پاس آبادی نہیں تھی، اس لئے یہاں حق اللہ اور حق العباد دونوں کا تقاضہ تھا کہ وقت ہوتے ہی نماز پڑھ لی جائے، چنانچہ آنحضرت ﷺ اول وقت میں نماز فجر پڑھا کرتے تھے، اور مدینہ منورہ کی باقی مساجد کی صورت حال اس سے مختلف تھی، وہاں صبح صادق کے وقت نمازی حاضر نہیں ہوتے تھے، تاخیر سے پہنچتے تھے، اس لئے آپؐ نے وہاں کے نمازیوں کو حکم دیا تھا: أَسْفِرُوْا بالفجر فإنه أَعْظَمُ للأجر: روشنی کر کے یعنی تاخیر سے فجر پڑھا کرو، اس میں زیادہ ثواب ہے، اسفار میں نماز پڑھنے میں جماعت بڑی ہوگی اس لئے ثواب زیادہ ملے گا۔

[٤٠٤-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: نَا يَحْيىَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الظُّهْرَ خَمْسًا، فَقَالُوْا: أَزِيْدَ فِيْ الصَّلاَةِ؟ قَالَ: " وَمَا ذَاكَ؟" قَالُوْا: صَلَّيْتَ خَمْسًا، فَثَنَى رِجْلَيْهِ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ. [راجع: ٤٠٠]

حدیث (۳): ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھائیں، صحابہ نے عرض کیا: کیا نماز میں اضافہ ہو گیا؟ آپؐ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ یعنی یہ بات کیوں کہہ رہے ہو؟ صحابہ نے کہا: آپؐ نے پانچ رکعتیں پڑھائیں پس آپؐ نے اپنے دونوں پاؤں پھیرے اور دو سجدے (سہو کے لئے) کئے۔

استدلال: وہی ہے جو اوپر گذرا کہ آپؐ پانچ رکعت پڑھا کر لوگوں کی طرف گھوم گئے، اور آپؐ کا چہرہ اور سینہ قبلہ سے پھر گیا، پھر جب آپ کو غلطی کی خبر دی گئی تو آپؐ نے قبلہ رخ ہو کر دو سجدے کئے، آپؐ کا یہ پھرنا لاعلمی کی وجہ سے تھا، معلوم ہوا کہ اگر کوئی لاعلمی میں کعبہ سے پھر جائے یا غیر کعبہ کی طرف نماز پڑھ لے تو کوئی مضائقہ نہیں، نماز صحیح ہے —— اور جواب بھی اوپر آچکا کہ یہ واقعہ دور اول کا ہے اور یہ منسوخ ہے پس اس سے استدلال درست نہیں۔

أَبْوَابُ آدَابِ الْمَسَاجِدِ

استقبالِ قبلہ کے ابواب پورے ہوئے، یہاں سے آدابُ المساجد کے ابواب شروع ہورہے ہیں، اور میں نے پہلے بتایا ہے کہ قبلہ خود ایک مسجد ہے، اس مناسبت سے استقبالِ قبلہ کے بعد مساجد کے آداب کا بیان لائے ہیں۔ اور آداب: ادب کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: مَا يُحْمَدُ فِعْلُهُ، وَلاَ يُذَمُّ تَرْكُهُ: جس کا کرنا تعریف کیا جائے اور نہ کرنا برائی نہ کیا جائے یعنی وہ کام کرو تو واہ واہ! اور نہ کرو تو کوئی بات نہیں، جیسے اونچی جگہ بیٹھ کر وضو کرنا۔ مگر یہ فقہی اصطلاح ہے، یہاں یہ معنی مراد نہیں، یہاں آداب بمعنی احکام ہے، آداب المساجد یعنی احکام المساجد کا بیان شروع ہورہا ہے، جس میں ہر قسم کے احکام کا بیان آئے گا، صرف آداب ہی کا بیان نہیں ہے۔

بابُ حَكِّ الْبُزَاقِ بِالْيَدِ مِنَ الْمَسْجِدِ

ہاتھ سے مسجد سے تھوک کھرچنا

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ اگر مسجد میں کوئی گندی چیز پڑی ہو تو ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ اس کو صاف کرے، خادم مسجد کا انتظار نہ کرے۔ نبی پاک ﷺ نے کسی مسجد کی دیوار میں تھوک دیکھا، آپؐ کو ناگوار ہوا، آپؐ نے خود اس کو صاف کیا، کسی سے نہیں کہا، یہی بالید کا مطلب ہے، بعض حضرات نے آئندہ باب کے قرینہ سے بالید کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے لکڑی وغیرہ سے نہیں بلکہ ہاتھ سے اس کو صاف کیا تھا، مگر شاید یہ مطلب صحیح نہیں اس لئے کہ آگے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث (نمبر ۴۱۴) آرہی ہے، اس میں صراحت ہے کہ آپؐ نے کنکری سے اس تھوک کو صاف کیا تھا، تھوک خشک ہوگیا تھا، اس لئے کنکری سے کھرچ دیا، مگر امام بخاری رحمہ اللہ ظاہری الفاظ کے مطابق بھی باب قائم کرتے ہیں۔ یہاں حدیث میں چونکہ بالید ہے اس لئے حضرتؒ نے باب رکھ دیا۔

[۳۳-] بابُ حَكِّ الْبُزَاقِ بِالْيَدِ مِنَ الْمَسْجِدِ

[۴۰۵-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: نا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَأَى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ، فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ، حَتّٰى رُؤِيَ فِي وَجْهِهِ، فَقَامَ فَحَكَّهُ بِيَدِهِ، فَقَالَ:" إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلاَتِهِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ، أَوْ: إِنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلاَ يَبْزُقَنَّ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهِ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ

تَحْتَ قَدَمِهِ" ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَصَقَ فِيهِ، ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ، فَقَالَ: "أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا" [راجع: ۲٤۱]

حدیث(۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جدارِ قبلی میں بلغم دیکھا، پس آپؐ کو یہ بات ناگوار ہوئی یہاں تک کہ آپؐ کے چہرے میں ناگواری کے آثار دیکھے گئے، پس آپؐ کھڑے ہوئے اور اپنے ہاتھ سے اس کو کھرچ دیا اور فرمایا: تم میں سے ایک جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے، یا فرمایا: بیشک اس کا پروردگار اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے کوئی قبلہ کی جانب ہرگز نہ تھوکے، بلکہ اپنی بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوکے، پھر آپؐ نے اپنی چادر کا کنارہ لیا اور اس میں تھوکا یعنی تھوکنے کا اشارہ کیا پھر بعض کو بعض پر لوٹایا یعنی مل دیا، پھر فرمایا: یا اس طرح کرے۔

تشریح: نخامہ کے معنی ہیں: بلغم، اور بُزاق کے معنی ہیں: تھوک اور مُخاط کے معنی ہیں: رینٹ، حدیثوں میں تینوں لفظ آئے ہیں۔ یہ راویوں کے الفاظ ہیں، جب آپؐ نے جدارِ قبلی میں بلغم، تھوک یا رینٹ دیکھی تو آپؐ کو نہایت ناگوار ہوا اور چہرۂ انور پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے، پھر آپؐ نے خود اس کو صاف کیا کسی سے صاف کرنے کے لئے نہیں کہا، پھر فرمایا: بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے، دو آدمی قریب منہ کر کے بات کریں اس کو سرگوشی کہتے ہیں، یعنی نماز میں بندہ اللہ سے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے۔ پس سامنے نہ تھوکے کیونکہ یہ گویا اللہ پر تھوکنا ہے، بلکہ ضرورت پڑے تو بائیں طرف تھوکے یا بائیں پیر کے نیچے تھوکے، دائیں طرف نہ تھوکے اس طرف نیکیاں لکھنے والا فرشتہ ہے اور یہ بات اس وقت ہے جب جنگل میں، گھر میں یا کچی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو اور اگر مسجد پکی ہو یا فرش بچھا ہوا ہو تو بائیں طرف اور پیر کے نیچے بھی نہ تھوکے بلکہ اپنے کپڑے میں تھوکے پھر اس کو مل دے، پھر بعد میں اس کو دھوڈالے اگر چاہے۔

رہی یہ بات کہ قبلہ کی طرف تھوکنے کی ممانعت عام ہے یا نماز کے ساتھ خاص ہے؟ جمہور کے نزدیک نماز کے ساتھ خاص ہے، نماز سے باہر قبلے کی طرف تھوک سکتے ہیں، مگر امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے، نماز کے اندر اور نماز کے باہر دونوں حالتوں میں یہ ممانعت ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ نماز کے علاوہ بھی قبلہ کی طرف نہیں تھوکتے تھے، اور فیض الباری میں ہے کہ یہ ممانعت نماز کے ساتھ خاص ہے، نماز میں قبلہ کی طرف نہ تھوکے باقی اوقات میں تھوک سکتا ہے۔

[٤٠٦-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَأَى بُصَاقًا فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ فَحَكَّهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: "إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ قِبَلَ وَجْهِهِ إِذَا صَلَّى" [انظر: ۷۵۳، ۱۲۱۳، ٦۱۱۱]

[٤٠٧-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَأَى فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ مُخَاطًا أَوْ بُصَاقًا أَوْ نُخَامَةً فَحَكَّهُ.

حدیث (۲): ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے جدارِ قبلی میں تھوک دیکھا، پس آپؐ نے اس کو کھرچ دیا، پھر آپؐ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو وہ اپنے سامنے نہ تھوکے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتے ہیں، جب وہ نماز پڑھتا ہے —— اس حدیث کی بناء پر شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ یہ ممانعت نماز کے ساتھ خاص ہے، اور دوسری حدیث کا ترجمہ واضح ہے۔

بابُ حَكِّ الْمُخَاطِ بِالْحَصَى مِنَ الْمَسْجِدِ

کنکری سے مسجد سے رینٹ صاف کرنا

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب میں پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر لائے ہیں: وہ فرماتے ہیں: کوئی شخص مسجد گیا اور ناپاکی پر چلا تو اگر ناپاکی تر ہے تو پیر دھوئے اس لئے کہ پیر ناپاک ہوگئے، اور اگر ناپاکی خشک ہے تو پیر جھاڑ کر صاف کردے، پیروں کو دھونا ضروری نہیں، یہ اثر لاکر امام بخاریؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر کوئی مسجد میں تھوک، بلغم یا رینٹ دیکھے اور وہ تر ہو تو مسجد کو دھو کر صاف کرے، اور خشک ہو تو دھونا ضروری نہیں، پونچھ کر مسجد کو صاف کردینا کافی ہے۔

[۳۴-] بابُ حَكِّ الْمُخَاطِ بِالْحَصَى مِنَ الْمَسْجِدِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنْ وَطِئْتَ عَلَى قَذَرٍ رَطْبٍ فَاغْسِلْهُ، وَإِنْ كَانَ يَابِسًا فَلاَ.

[۴۰۸، ۴۰۹-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: نَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: أَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَبَا سَعِيْدٍ حَدَّثَاهُ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَأَى نُخَامَةً فِيْ جِدَارِ الْمَسْجِدِ، فَتَنَاوَلَ حَصَاةً فَحَتَّهَا، فَقَالَ: " إِذَا تَنَخَّمَ أَحَدُكُمْ فَلاَ يَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْهِهِ، وَلاَ عَنْ يَمِيْنِهِ، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى" [انظر: ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۴، ۴۱۶]

ترجمہ واضح ہے اور حكّ اور حتّ کے ایک ہی معنی ہیں: کھرچ کر صاف کرنا .... إذا تَنَخَّمَ: جب تم میں سے کوئی ناک کی رینٹ ڈالے تو اپنے چہرے کے سامنے رینٹ نہ ڈالے الی آخرہ۔ یہ حدیث بھی نماز کے ساتھ خاص ہے۔

بابٌ: لاَيَبْصُقْ عَنْ يَمِيْنِهِ فِي الصَّلاَةِ

نماز میں اپنی دائیں طرف نہ تھوکے

فی الصلوٰۃ کی قید لگا کر امام بخاریؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ سامنے اور دائیں تھوکنے کی ممانعت نماز کے ساتھ خاص ہے، نماز کے باہر سامنے اور دائیں تھوک سکتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ نماز سے باہر دائیں

طرف یا سامنے تھوکنے میں کوئی حرج نہیں، مگر امام نوویؒ اس مسئلہ میں سختی کرتے ہیں ان کے نزدیک یہ ممانعت عام ہے نہ نماز کے اندر قبلہ کی طرف اور دائیں طرف تھوکنا جائز ہے اور نہ نماز سے باہر، اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے وہ نماز سے باہر بھی قبلہ کی طرف نہیں تھوکتے تھے، اور فتح الباری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عمل لکھا ہے، ان کے نزدیک بھی یہ ممانعت عام تھی، مگر امام بخاریؒ کے نزدیک یہ ممانعت نماز کے ساتھ خاص ہے، یہی شاہ صاحب قدس سرہ کی رائے ہے اور یہی جمہور کی رائے ہے۔

[۳۵-] بابٌ: لَايَبْصُقْ عَنْ يَمِيْنِهِ فِيْ الصَّلَاةِ

[۴۱۰، ۴۱۱-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: نَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَبَا سَعِيْدٍ أَخْبَرَاهُ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَأَى نُخَامَةً فِيْ حَائِطِ الْمَسْجِدِ، فَتَنَاوَلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَصَاةً فَحَتَّهَا، ثُمَّ قَالَ: " إِذَا تَنَخَّمَ أَحَدُكُمْ فَلاَ يَتَنَخَّمْ قِبَلَ وَجْهِهِ، وَلاَ عَنْ يَمِيْنِهِ، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى" [راجع: ۴۰۸، ۴۰۹]

[۴۱۲-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: نَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ قَتَادَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" لاَ يَتْفِلَنَّ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلاَ عَنْ يَمِيْنِهِ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ رِجْلِهِ الْيُسْرِى. [راجع: ۲۴۱]

وضاحت: لايَتْفِلَنَّ أحدُكم: ہرگز نہ تھوکے تم میں سے کوئی، تفَلَ (ن،ض) تفْلاً: تھوکنا .... یہ روایتیں مطلق ہیں، ان میں فی الصلوۃ کی قید نہیں، اس باب میں یہ روایتیں لاکر حضرتؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ روایتیں نماز کے ساتھ خاص ہیں۔

بابٌ: لِيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى

بائیں طرف یا بائیں پیر کے نیچے تھوکے

اس باب میں فی الصلوۃ کی قید نہیں لگائی اس لئے کہ بائیں طرف اور بائیں پیر کے نیچے تھوکنا مطلقاً جائز ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

[۳۶-] بابٌ: لِيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى

[۴۱۳-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: ثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: نَا قَتَادَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِيْ الصَّلاَةِ، فَإِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهُ، فَلاَ يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلاَ عَنْ يَمِيْنِهِ،

وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ" [راجع: ٢٤١]

[٤١٤-] حدثنا عَلِيٌّ، قَالَ: نَا سُفْيَانُ، قَالَ: نَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَبْصَرَ نُخَامَةً فِيْ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، فَحَكَّهَا بِحَصَاةٍ، ثُمَّ نَهٰى أَنْ يَبْزُقَ الرَّجُلُ بَيْنَ يَدَيْهِ أَوْ عَنْ يَمِيْنِهِ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى.

وَعَنِ الزُّهْرِيِّ سَمِعَ حُمَيْدًا عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ نَحْوَهُ. [راجع: ٤٠٩]

وضاحت: بَصَرَ اور أَبْصَرَ دونوں کے معنی ہیں: دیکھنا.......... **وعن الزهری إلخ:** اس دوسری سند میں سماعت کی صراحت ہے، پہلی سند میں زہری نے حمید سے بصیغہ عن روایت کیا ہے۔

بابُ كَفَّارَةِ الْبُزَاقِ فِيْ الْمَسْجِدِ

مسجد میں تھوکنے کا کفارہ

اگر مسجد میں تھوکدانی رکھی ہے اور کوئی اس میں تھوکتا ہے تو یہ مسجد میں تھوکنا نہیں، عرف میں اس کو مسجد میں تھوکنا نہیں کہتے جسے عرف میں مسجد میں تھوکنا کہتے ہیں وہ بڑی غلطی ہے، خطیئۃ کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، اور ظاہر ہے جان بوجھ کر مسجد میں کوئی نہیں تھوکتا، کبھی بے اختیار تھوک نکل جاتا ہے، مکھی یا مچھر منہ میں گھس جاتا ہے، کھنکھارتا ہے پس بے اختیار تھوک نکل کر مسجد میں گر جاتا ہے، یا چھینک آتی ہے اور تھوک نکل جاتا ہے: یہ غلطی ہے، آنحضور ﷺ نے اس کو گناہ نہیں فرمایا خطیئۃ قرار دیا ہے، یعنی یہ بڑی غلطی ہے، اس غلطی کی تلافی یہ ہے کہ اس کو صاف کر دیا جائے، نبی ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد کا فرش کچا تھا اس لئے آپ نے فرمایا: و کفارتُها دَفْنُها: اس غلطی کی تلافی یہ ہے کہ تھوک کو دفن کر دے، اس پر مٹی ڈال دے اور اگر فرش پکا ہو یا چٹائی وغیرہ بچھی ہوئی ہو تو اس کو صاف کر دے، غلطی کی تلافی ہو جائے گی۔

[٣٧-] بابُ كَفَّارَةِ الْبُزَاقِ فِيْ الْمَسْجِدِ

[٤١٥-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: نَا شُعْبَةُ، قَالَ: نَا قَتَادَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " الْبُزَاقُ فِيْ الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ، وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا"

بابُ دَفْنِ النُّخَامَةِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں بلغم کو دفن کرنا

یہ بات ابھی آچکی ہے مگر امام بخاریؒ معمولی فرق کی وجہ سے بھی نیا عنوان قائم کرتے ہیں، تاکہ مسئلہ سے متعلق جتنی

روایات ہیں ان کو پیش کردیں، امام بخاریؒ صرف حدیثیں نہیں لاتے بلکہ ہر حدیث پر نیا عنوان بھی لگادیتے ہیں تا کہ افادۂ مزید ہوجائے۔

[۳۸-] باب دَفْنِ النُّخَامَةِ فِي الْمَسْجِدِ

[٤١٦-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ، سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلاَةِ فَلاَ يَبْصُقْ أَمَامَهُ، فَإِنَّمَا يُنَاجِي اللّٰهَ مَادَامَ فِي مُصَلَّاهُ، وَلاَ عَنْ يَمِيْنِهِ، فَإِنَّ عَنْ يَمِيْنِهِ مَلَكًا، وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ، فَيَدْفِنُهَا"[راجع: ٤٠٨]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو اپنے سامنے کی طرف نہ تھوکے اس لئے کہ وہ اللہ سے سرگوشی کرتا ہے جب تک وہ نماز میں رہتا ہے، اور نہ دائیں طرف تھوکے اس لئے کہ اس کی دائیں طرف فرشتہ ہے، اور چاہئے کہ اپنی بائیں طرف تھوکے یا پاؤں کے نیچے تھوکے پھر اس کو دفن کردے۔

تشریح: دائیں طرف تھوکنے کی ممانعت نیکیاں لکھنے والے فرشتہ کے احترام میں ہے اور برائیاں لکھنے والا فرشتہ بائیں طرف ہوتا ہے، مگر جب بندہ نماز شروع کرتا ہے تو وہ اب کیا گناہ کرے گا؟ اس لئے وہ فرشتہ ہٹ جاتا ہے۔

بابٌ إِذَا بَدَرَهُ الْبُزَاقُ فَلْيَأْخُذْ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ

بے اختیار تھوک نکل جائے تو اس کو کپڑے میں لیلے

بَدَرَهُ البُزاقُ کے معنی ہیں: تھوک نے اس سے سبقت کی یعنی اچانک تھوک نکل گیا، تو اس کو کپڑے یا رومال وغیرہ میں لے کر مل دے۔

[۳۹-] بابٌ إِذَا بَدَرَهُ الْبُزَاقُ فَلْيَأْخُذْ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ

[٤١٧-] حدثنا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: نَا زُهَيْرٌ، قَالَ: نَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَأَى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ، فَحَكَّهَا بِيَدِهِ، وَرُؤِيَ مِنْهُ كَرَاهِيَةٌ، أَوْ: رُؤِيَ كَرَاهِيَتُهُ لِذٰلِكَ، وَشِدَّتُهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ:" إِنَّ أَحَدُكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلاَ تِهِ فَإِنَّمَا يُنَاجِي رَبَّهُ، أَوْ: رَبُّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قِبْلَتِهِ، فَلاَ يَبْزُقَنَّ فِي قِبْلَتِهِ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ" ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ، فَبَزَقَ فِيْهِ، وَرَدَّ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ، قَالَ:" أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا "

[راجع: ٢٤١]

وضاحت: رُؤِىَ منه کراهيةٌ اور رُؤِىَ کراهيته لذلك: دونوں جملوں کا ایک مطلب ہے یعنی آپؐ کے چہرے میں

کراہیت (ناگواری) دیکھی گئی۔ اور أو شک راوی کا ہے وشِدَّتُه علیه: اور تھوکنے کا آپؐ پر بہت بوجھ پڑا، فبَزَقَ فیه: آپؐ نے کپڑے میں تھوکا یعنی تھوکنے کا اشارہ کیا، پھر فرمایا: اگر نماز میں تھوکنا ناگزیر ہوجائے تو اس طرح کپڑے میں تھوک کر اس کو مل دے۔

بابُ عِظَةِ الإمَامِ النَّاسَ فِيْ إتْمَامِ الصَّلوٰةِ وَذِكْرِ الْقِبْلَةِ

امام کا لوگوں کو صحیح نماز پڑھنے کی نصیحت کرنا اور قبلہ کا تذکرہ

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ امام لوگوں کو صحیح نماز پڑھنے کے سلسلہ میں نصیحت کرے، اب ہمارے ائمہ نے اس فریضہ کو چھوڑ دیا ہے، ائمہ عام طور پر مقتدیوں کی تربیت نہیں کرتے۔ تبلیغ والے گشت کرکے نوجوانوں کو مسجد میں لاتے ہیں پھر جب وہ چلے جاتے ہیں تو وہ نوجوان بھی مسجد سے غائب ہوجاتے ہیں، کیونکہ ان کو نماز نہیں آتی، اور وہ کسی سے کہہ نہیں سکتے کہ مجھے نماز نہیں آتی، ان کو نماز سکھانا اور ان کو سنبھالنا امام کی ذمہ داری ہے، ائمہ کہتے ہیں: یہ ہماری ذمہ داری نہیں، ہمارا کام نماز پڑھانا ہے۔ عزیزو! تنخواہ سے آگے آخرت کے لئے بھی کچھ کرنا چاہئے۔ امام کو چاہئے کہ ایسے نوجوانوں کو لے کر بیٹھے، اور تدبیر سے ان کی اصلاح کرے، ان کو نماز سکھلائے۔

نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب نماز شروع کریں تو پہلے نیت کریں، اور نیت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دل میں ارادہ کریں کہ میں ظہر کی نماز امام کے پیچھے پڑھ رہا ہوں اور زبان سے بھی کہہ لیں تو اچھا ہے، پھر تکبیر کہے: اللہ أکبر، اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے پھر ناف کے نیچے باندھے، باقاعدہ ہاتھ باندھ کر جوانوں کو دکھائے، پھر ثنا یاد کرائے اور کسی سے نہ پوچھے کہ تجھے ثنا آتی ہے یا نہیں؟ بلکہ سب کو ایک ساتھ ثنا پڑھائے اور بار بار پڑھائے، اور کئی دن تک پڑھائے، جن کو یاد ہے ان کی پکی ہوجائے گی اور جن کو یاد نہیں ان کو یاد ہوجائے گی، یوں تربیت کرے، اور تکبیر تحریمہ سے سلام تک کے سب مسائل ایک ساتھ بیان نہ کرے، بلکہ تھوڑے تھوڑے مسائل بیان کرے۔

بہر حال امام کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو صحیح نماز پڑھنے کے سلسلہ میں نصیحت کرے، اور کسی مقتدی میں کوئی برائی دیکھے تو عام نصیحت کرے، کسی کو خاص طور پر مخاطب نہ بنائے، مثلاً امام نے دیکھا کہ بعض لوگ پتلون پہن کر مسجد میں آتے ہیں اور ان کی پتلون ٹخنوں سے نیچے ہوتی ہے تو عام نصیحت کرے کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہننا جائز نہیں، اور نماز میں خاص طور پر اس کا خیال رکھا جائے، نماز میں کپڑا ٹخنوں سے نیچے نہیں ہونا چاہئے، اس طرح عام نصیحت کرے۔

غرض یہ امام کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ صحیح نماز پڑھنے کے سلسلہ میں لوگوں کو نصیحت کرے، اور خاص طور پر قبلہ کا تذکرہ کرے تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ قبلہ کس سمت میں ہے، اب تو مسجدوں میں محراب ہوتی ہے، اس کو دیکھ کر ہر شخص قبلہ کی سمت جان لیتا ہے مگر دورِ اول میں مسجدیں عام گھروں کی طرح تھیں نہ ان میں محراب تھی اور نہ مینارے اور نہ صفیں بچھی

ہوئی تھیں، اگر ایسی صورت ہو تو امام لوگوں کو قبلہ کے بارے میں بتلائے، تاکہ لوگ سمت قبلہ کو جان لیں اور صحیح نماز پڑھیں، یہ اس باب کا مقصد ہے۔

فائدہ: عِظَةٌ مصدر ہے وَعَظَ یَعِظُ (ض) وَعْظًا وَعِظَةً کے معنی ہیں: نصیحت کرنا، اور قبلہ کا تذکرہ بطور مثال ہے کہ قبلہ وغیرہ کے سلسلہ میں امام لوگوں کو نصیحت کرے یہ امام کا اخلاقی فریضہ ہے۔

[۴۰-] بابُ عِظَةِ الإِمَامِ النَّاسَ فِیْ إِتْمَامِ الصَّلٰوۃِ، وَذِکْرِ الْقِبْلَةِ

[۴۱۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِی الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِی هَاهُنَا؟ فَوَ اللّٰهِ مَا یَخْفِیٰ عَلَیَّ خُشُوْعُکُمْ وَلاَ رُکُوْعُکُمْ، إِنِّیْ لَأَرَاکُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِیْ" [انظر: ۷۴۱]

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم دیکھتے ہو میرے قبلہ کو یہاں؟ یعنی کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھ رہا ہوں اس لئے مجھے تمہاری کچھ خبر نہیں؟ بخدا! مجھ پر نہ تمہارا خشوع پوشیدہ ہے اور نہ تمہارے رکوع، میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

تشریح: مسجدِ نبوی کا فرش کچا تھا، اس میں سنگریزے اور مٹی تھی، نہ کوئی صف تھی اور نہ کوئی نشان تھا، اس لئے شروع میں نبی ﷺ صفیں سیدھی کرنے کا اہتمام کرتے تھے، تیر کی لکڑی سینوں پر رکھ کر صفیں درست فرماتے تھے، جب صفیں صحیح ہو جاتیں تو نماز شروع فرماتے، پھر جب آپؐ نے محسوس کیا کہ لوگ صفیں سیدھی کرنے کا طریقہ سیکھ گئے تو آپؐ نے اہتمام چھوڑ دیا، اور یہ ہدایت فرمائی کہ ٹخنے سے ٹخنہ اور کندھے سے کندھا ملاؤ، بیچ میں فاصلہ مت رکھو، کیونکہ انگلیوں کے ذریعہ صف سیدھی نہیں ہو سکتی، پاؤں چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، اور ایڑیوں سے صف سیدھی ہو سکتی ہے مگر ایڑیاں دیکھنا مشکل ہے اس لئے آپؐ نے ہدایت دی کہ ٹخنے سے ٹخنہ ملاؤ، یعنی اس طرح کھڑے ہوؤ کہ سب کے ٹخنے ایک لائن میں آجائیں، اگر ایک طرف سے سوئی ٹخنہ میں داخل کی جائے تو سب ٹخنوں میں سے ہو کر نکل جائے۔

صحابہ نے اس طریقہ سے صفیں سیدھی کرنا شروع کر دیا جب آپؐ نے دیکھا کہ لوگ صفیں سیدھی کرنا سیکھ گئے ہیں تو آپؐ نے اہتمام چھوڑ دیا، لیکن اس کے بعد کبھی صف میں خلل پایا گیا تو آنحضور ﷺ نے ڈانٹا، ترمذی میں حدیث ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: لَتُسَوُّنَّ صُفوفکم أو لَیُخالِفَنَّ اللّٰهُ بَیْنَ وُجُوْهِکُمْ: یا تو اپنی صفیں سیدھی کرو یا آپس میں اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔ صف کی درستگی اور اتحاد میں اور نادرستگی اور اختلاف میں کیا مناسبت ہے؟ جواب: معلوم نہیں، مگر یہ بات بدیہی ہے جو چاہے تجربہ کرکے دیکھ لے، ایک مہینہ بالکل صفیں سیدھی کرکے نماز پڑھو، چھوٹے موٹے اختلاف ختم ہو جائیں گے، اور ایک مہینہ ٹیڑھی میڑھی صفوں کے ساتھ نماز پڑھو جو اختلاف دبے ہوئے ہیں وہ بھی ابھر آئیں گے بلکہ نئے اختلاف

پیدا ہوجائیں گے۔

باب کی حدیث میں بھی ایک طرح کی ڈانٹ ہے نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ادھر قبلہ کی طرف منہ کرکے کھڑا ہوں اس لئے مجھے تمہاری کچھ خبر نہیں، بخدا! میں جس طرح آگے دیکھتا ہوں پیچھے بھی دیکھتا ہوں، تمہارے رکوع، سجود اور خشوع وغیرہ مجھ پر مخفی نہیں، یہ نبی ﷺ نے ڈانٹا ہے۔

فائدہ: آنحضور ﷺ کا آگے دیکھنا جسمانی تھا، اور پیچھے دیکھنا معجزہ تھا، اور معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا جب اللہ چاہتے ہیں ظاہر ہوتا ہے۔

مناسبت: قبلتی هاهنا: سے باب کا دوسرا جزء ثابت ہوا، اور آپ کا یہ فرمانا کہ میں پیچھے بھی تمہاری نمازوں کو دیکھتا ہوں: یہ آپ نے نصیحت فرمائی کہ رکوع وسجود ٹھیک سے کرو، اس سے باب کا پہلا جزء ثابت ہوا۔

[۴۱۹-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: نَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم صَلَاةً، ثُمَّ رَقِيَ الْمِنبَرِ، فَقَالَ فِيْ الصَّلَاةِ وَفِيْ الرُّكُوْعِ: "إِنِّيْ لَأَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ كَمَا أَرَاكُمْ" [انظر: ۷۴۲، ۶۶۴۴]

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں نبی ﷺ نے کوئی نماز پڑھائی، پھر آپ منبر پر چڑھے پس آپ نے نماز اور رکوع کے بارے میں فرمایا یعنی نصیحت فرمائی کہ نماز میں رکوع وسجود ٹھیک سے کرو، اور نماز میں خشوع وخضوع ہونا چاہئے "بیشک میں البتہ تمہیں دیکھتا ہوں (یہ قال کا مقولہ ہے) اپنے پیچھے سے (وَرَاءِ میں ی پوشیدہ ہے اصل ورائی ہے) جیسا کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں اپنے سامنے سے (مِن أمامی پوشیدہ ہے)

اور حدیث کی باب سے مناسبت واضح ہے، آپ نے ٹھیک نماز پڑھنے کے سلسلہ میں نصیحت فرمائی ہے، اور نماز آپ نے قبلہ رخ پڑھائی ہے پس اشارۃ النص سے باب کا دوسرا جزء بھی ثابت ہوگیا۔

بابٌ: هَلْ يُقَالُ مَسْجِدُ بَنِيْ فُلَانٍ؟

کیا 'فلاں قبیلہ کی مسجد' کہنا جائز ہے؟

مسجد کی کسی آدمی کی طرف یا کسی قبیلہ یا محلّہ کی طرف نسبت کرنا جائز ہے؟ شبہ یہ ہے کہ مسجد اللہ کی ملکیت ہے، پس فلاں کی مسجد کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اس کو مکروہ کہتے تھے، اور ان کی دلیل یہ آیت پاک تھی: ﴿إِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا﴾: مسجدیں اللہ کی ملکیت ہیں پس اللہ کے ساتھ تم کسی کو مت پکارو یعنی مسجد کی کسی کی طرف نسبت مت کرو۔

مگر امام بخاریؒ جواز ثابت کررہے ہیں کیونکہ اضافت معمولی تعلق کی وجہ سے بھی ہوتی ہے، کبھی بانی کی طرف اور کبھی متولی کی طرف نسبت کرتے ہیں، کبھی مسجد کے پاس جو قوم آباد ہوتی ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہیں، اور آیت کریمہ کا وہ مطلب نہیں جو حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے بلکہ آیت کا مطلب ہے کہ مسجدوں میں صرف اللہ کی بندگی کی جائے، ان میں اعمال شرکیہ نہ کئے جائیں، پس زیر بحث مسئلہ سے آیت کا کچھ تعلق نہیں، اس لئے نسبت کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔

[۴۱-] بابٌ: هَلْ يُقَالُ مَسْجِدُ بَنِي فُلَانٍ؟

[۴۲۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي أُضْمِرَتْ: مِنَ الحَفْيَاءِ، وَأَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ، وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلٰى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ، وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ فِيْمَنْ سَابَقَ بِهَا.

[انظر: ۲۸۶۸، ۲۸۶۹، ۲۸۷۰، ۷۳۳۶]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تضمیر شدہ گھوڑوں کی ریس کرائی حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک، اور غیر تضمیر شدہ گھوڑوں کی ثنیۃ الوداع سے مسجدِ بنی زریق تک، اور عبداللہ بن عمرؓ ان لوگوں میں تھے جنھوں نے گھوڑے دوڑائے۔

تشریح: تضمیر کے لغوی معنی ہیں: دبلا کرنا۔ اور تضمیر کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے گھوڑے کو خوب کھلاتے پلاتے ہیں جب وہ موٹا تازہ ہوجاتا ہے تو اس کو اندھیرے اور گرم کمرے میں رکھتے ہیں، اور اس کی خوراک کم کرتے ہیں، یہاں تک کہ معمولی خوراک پر لے آتے ہیں جس سے اس کا بدن چھریرا ہوجاتا ہے، اور خوب طاقت آجاتی ہے اس لئے آنحضور ﷺ نے ان کو حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک دوڑایا، ان کے درمیان چھ میل (تقریباً دس کلومیٹر) کا فاصلہ ہے، اور غیر تضمیر شدہ گھوڑوں کو ثنیۃ الوداع سے مسجدِ بنی زریق تک دوڑایا، ان کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے، حضرت ابن عمرؓ نے بھی اپنا گھوڑا دوڑایا تھا اور ان کا گھوڑا غیر تضمیر شدہ تھا اور اس دوڑ میں حضرت ابن عمرؓ اول آئے تھے ان کا گھوڑا ان کو لے کر مسجد کی دیوار پھاند گیا تھا، آپؐ جہاد کے مقصد سے ایسی دوڑ کرایا کرتے تھے، اور استدلال مسجدِ بنی زریق سے ہے کہ اس طرح کی نسبت جائز ہے۔

بابُ الْقِسْمَةِ وَتَعْلِيْقِ الْقِنْوِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں مال تقسیم کرنا اور کھجور کے خوشے لٹکانا

اس باب میں دو مضمون ہیں: ایک: کیا مسجد میں مال بانٹنا جائز ہے؟ دوم: نبی ﷺ کے عہد مبارک میں مسجدِ نبوی اور صفہ ساتھ ساتھ تھے، صفہ کے معنی ہیں: چبوترہ، جو طلبہ باہر سے پڑھنے آتے تھے وہ اسی چبوترے پر اپنا سامان رکھتے تھے اور

وہیں رہتے تھے اور پڑھتے تھے، وہ ضیوف الاسلام تھے یعنی مسلمانوں کے مہمان تھے، آج کل طالبانِ علوم نبوت کو مہمانانِ رسول کہا جاتا ہے مگر میرے علم میں اس کی کوئی اصل نہیں، حقیقت میں وہ مسلمانوں کے مہمان ہیں، ابوداؤد کی حدیث میں ان کو ضیوف الاسلام کہا گیا ہے، پس جب یہ اسلام کے مہمان ہیں تو سبھی مسلمانوں کے مہمان ہیں، چنانچہ سبھی مسلمان ان کی کفالت کرتے تھے، آنحضور ﷺ بھی ان کی خدمت کرتے تھے اور دوسرے مسلمان بھی، جن کے گھروں میں گنجائش ہوتی تھی وہ اپنی گنجائش کے مطابق طلبہ کو ساتھ لے جاتے تھے اور کھانا کھلاتے تھے، اور بعض لوگ کھجوروں کے خوشے مسجد میں لٹکا دیا کرتے تھے، ایک خوشہ میں دس پندرہ کلو کھجور ہوتی ہے، جب دو چار کھجوریں پک جاتی ہیں تو خوشہ کاٹ لیتے ہیں اور گھروں میں لٹکا دیتے ہیں کھجوریں پکتی رہتی ہیں اور لوگ کھاتے رہتے ہیں۔ مسجدِ نبوی میں خاص جگہ پر خوشے لٹکائے جاتے تھے اور ان پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نگراں تھے، وہ کھجوریں طلبہ میں تقسیم کرتے تھے۔

مسجدیں ذکر وصلوٰۃ کے لئے ہیں حدیث میں ہے: **إنما هي لذكر الله وقراءة القرآن والصلوة**: جب مسجدیں ذکر واذکار، تلاوت قرآن اور نمازوں کے لئے ہیں تو کیا ان میں اور کام مثلاً مال تقسیم کرنا، کھجوروں کے خوشہ لٹکانا وغیرہ جائز ہیں؟ حدیث سے تنگی نظر آتی ہے کہ مسجدوں میں مذکورہ امور ہی کرنے چاہئیں، دوسرے کام مسجدوں میں نہیں کرنے چاہئے۔ مگر امام بخاری رحمہ اللہ واقعات کی روشنی میں اس مسئلہ میں توسع کرنا چاہتے ہیں، چونکہ مسجد میں مال تقسیم کرنا، کھجوروں کے خوشہ لٹکانا حدیث سے ثابت ہے اس لئے عام نفع کے کام مسجدوں میں انجام دینا جائز ہے۔ یہاں حدیث میں اگرچہ خوشے لٹکانے کا ذکر نہیں مگر ابومحمد ابن قتیبہ کی کتاب غریب الحدیث میں اسی حدیث میں خوشے لٹکانے کا بھی ذکر ہے، اور امام بخاریؒ ایسا کرتے ہیں کہ حدیث کے دیگر طرق میں جو مضمون آتا ہے اس کو پیش نظر رکھ کر باب قائم کرتے ہیں۔

اور غیر مقلدین اس باب اور اس طرح کے جو دوسرے ابواب آرہے ہیں ان کی وجہ سے کہتے ہیں کہ مسجد میں ہر کام جائز ہے، اونٹ بھی مسجد میں باندھ سکتے ہیں، اور امام بخاریؒ کے جملہ ابواب کا حاصل بھی یہی ہے کہ مسجد میں ہر کام کر سکتے ہیں، مگر ہمیں دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں:

پہلی بات: ابتدائی احوال اور بعد کے احوال میں فرق کرنا چاہئے، جب مسجدِ نبوی بنائی گئی تھی اس وقت اور جگہیں نہیں تھیں یہ ایک مجبوری تھی اس لئے سارے کام مسجد سے لئے جاتے تھے، مسجد میں مال ڈھیر کرتے تھے، مسجد میں تقسیم کرتے تھے، اور قیدیوں کو بھی مسجد ہی کے ستونوں سے باندھتے تھے، لیکن بعد میں احوال بدل گئے اس لئے بعد کے احوال میں اور بالکل ابتدائی احوال میں فرق کرنا پڑے گا، آج بھی جب کسی غریب بستی میں مدرسہ قائم کرتے ہیں تو مسجد ہی میں مدرسہ قائم کرتے ہیں، وہیں بچے اور بڑے پڑھتے ہیں وہیں مسجد میں سوتے ہیں، پھر جب دوسری جگہ کا انتظام ہو جاتا ہے تو مسجد میں تعلیم وقیام موقوف کر دیا جاتا ہے۔

آنحضور ﷺ نے جب مسجدِ نبوی بنائی تھی تو اس میں کواڑ نہیں تھے، مسجد کھلی تھی، رات میں کتے گھس آتے تھے، پیشاب

کرتے تھے اور رال ٹپکاتے تھے، پس اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب مسجدیں ایسی ہی ہوں، اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو وہ نادان ہے۔ یہ سب ابتدائی احوال کی روایتیں ہیں جب کہ جگہ کی تنگی تھی، پس ان سے مسائل میں استدلال کرنا درست نہیں۔

دوسری بات: مسجد کے عام طور پر دو حصے ہوتے ہیں: ایک عبادت خانہ ہوتا ہے اور دوسرا متعلقاتِ مسجد ہوتے ہیں، صحن، وضوخانہ وغیرہ متعلقات مسجد ہیں اور عرف میں سب پر مسجد کا اطلاق کیا جاتا ہے، لیکن دونوں کے احکام الگ الگ ہیں، عبادت خانہ یعنی مسجدِ شرعی کے احکام الگ ہیں اور متعلقاتِ مسجد یعنی مسجد عرفی کے احکام الگ ہیں، اور روایات میں یہ بات مصرّح ہے کہ مسجدِ نبوی کے آگے صحن تھا، اس میں جنازہ پڑھا جاتا تھا، کوئی مہمان آتا تو وہ اپنا اونٹ وہیں بیٹھاتا تھا، عرف میں اس پر بھی مسجد کا اطلاق کرتے ہیں، لہٰذا اگر آپ عرف کا سہارا لے کر مسجد شرعی کے لئے بھی یہ سب احکام ثابت کرنے لگیں تو یہ حقیقت حال سے ناواقفیت کی دلیل ہوگی۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے دور تک جو ابواب قائم کئے ہیں اور جو روایتیں پیش کی ہیں ان میں یہ دونوں باتیں ملحوظ رکھنی ضروری ہیں، ان روایات میں مسجد سے یا تو مسجد عرفی مراد ہے یا یہ ابتدائی احوال کی باتیں ہیں جیسے نماز میں ابتداء میں بہت سے امور جائز تھے پھر آہستہ آہستہ ان کو ختم کیا گیا، اسی طرح مسجد میں ابتداء میں بہت سے کام ضرورت کی وجہ سے کئے جاتے تھے، مگر بعد میں وہ ختم کردیئے گئے، ان دو باتوں کو پیش نظر رکھ کر ابواب واحادیث پڑھنی چاہئیں۔

[۴۲-] بابُ الْقِسْمَةِ وَتَعْلِيقِ الْقِنْوِ فِي الْمَسْجِدِ

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: الْقِنْوُ: الْعِذْقُ، وَالاِثْنَانِ، قِنْوَانِ، وَالْجَمَاعَةُ أَيْضًا قِنْوَانٌ، مِثْلُ صِنْوٍ وَصِنْوَان.

[۴۲۱-] وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ - يَعْنِيْ ابْنَ طَهْمَانَ - عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ، فَقَالَ: " انْثُرُوْهُ فِي الْمَسْجِدِ" وَكَانَ أَكْثَرَ مَالٍ أُتِيَ بِهِ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، فَخَرَجَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى الصَّلاَةِ، وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهِ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلاَةَ جَاءَ فَجَلَسَ إِلَيْهِ، فَمَا كَانَ يَرَى أَحَدًا إِلَّا أَعْطَاهُ، إِذْ جَاءَ الْعَبَّاسُ، فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَعْطِنِيْ، فَإِنِّيْ فَادَيْتُ نَفْسِيْ وَفَادَيْتُ عَقِيْلاً، فَقَالَ لَهُ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم :" خُذْ" فَحَثَى فِيْ ثَوْبِهِ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَلَمْ يَسْتَطِعْ، فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! أُؤْمُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ إِلَيَّ. قَالَ:" لاَ" قَالَ: فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ، قَالَ:" لاَ" فَنَثَرَ مِنْهُ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ، فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! مُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ إِلَيَّ، قَالَ: "لاَ" قَالَ: فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ، قَالَ:" لاَ" فَنَثَرَ مِنْهُ، ثُمَّ احْتَمَلَهُ، فَأَلْقَاهُ عَلَى كَاهِلِهِ، ثُمَّ انْطَلَقَ، فَمَا زَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُتْبِعُهُ بَصَرَهُ حَتّٰى خَفِيَ عَلَيْنَا، عَجَبًا مِنْ حِرْصِهِ، فَمَا قَامَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَثَمَّةَ مِنْهَا دِرْهَمٌ. [انظر: ۳۰۴۹، ۳۱۶۵]

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قِنْو کے معنی ہیں: کھجور کا خوشہ، گچھا، اس کا تثنیہ قنوانِ اور جمع قنوانٌ ہے، تثنیہ میں نون

کا کسرہ ہوگا اور جمع میں عامل کے مطابق اعراب آئے گا، جیسے صِنْو کا تثنیہ اور جمع صنوان ہیں، اور ایسے الفاظ جن کا تثنیہ اور جمع ایک ہوں: کم ہیں، بلکہ کبھی مفرد اور جمع میں صرف اعراب کا فرق ہوتا ہے، جیسے فَلَك (مفرد) اور فُلْك (جمع) اور ایک جڑ سے کھجور کے دو تنے نکلیں تو وہ صِنوانِ (تثنیہ) ہیں اور تین یا زیادہ نکلیں تو صنوانٌ (جمع) ہیں۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بحرین سے مال لایا گیا، آپؐ نے فرمایا: اس کو مسجد میں ڈھیر کردو، اور وہ ان مالوں میں سب سے زیادہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے گئے، پس رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے نکلے اور آپؐ نے اس کی طرف التفات نہیں فرمایا، پس جب آپؐ نے نماز پوری فرمائی تو آپؐ مال کے پاس آئے اور بیٹھے، پس نہیں دیکھتے تھے آپ کسی کو مگر اس کو دیتے تھے یعنی جو بھی نظر پڑتا اس کو دیتے تھے، اچانک عباس رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے دیجئے، اس لئے کہ میں نے (بدر میں) اپنا بھی فدیہ دیا ہے اور (اپنے بھتیجے) عقیل (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی) کا بھی، آپؐ نے ان سے فرمایا: ''لے لو'' چنانچہ انھوں نے اپنے کپڑے میں مال بھرا پھر اس کو اٹھانے کی کوشش کی مگر اٹھا نہ سکے، پس انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! کسی کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے اٹھوائے، آپؐ نے فرمایا: نہیں، انھوں نے کہا: آپؐ اٹھوا دیں، آپؐ نے فرمایا: نہیں، پس انھوں نے اس میں سے کچھ کم کیا پھر اٹھانے لگے (مگر اٹھا نہ سکے) پس انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! کسی سے اٹھوا دیجئے، آپؐ نے فرمایا: نہیں، انھوں نے کہا: آپؐ خود اٹھوا دیجئے، آپؐ نے فرمایا نہیں، پس انھوں نے کچھ اور کم کیا، پھر اس کو بہ مشقت اٹھایا اور اس کو اپنے کندھے پر ڈال لیا، پھر چلے، پس آنحضور ﷺ ان کو برابر دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگئے، تعجب کرتے ہوئے ان کی حرص سے۔ اور جب تک وہاں ایک درہم رہا آپؐ کھڑے نہیں ہوئے۔

تشریح: حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے جو بحرین کے گورنر تھے بحرین سے نبی ﷺ کی خدمت میں مال بھیجا تھا، گورنر اپنی عملداری سے پایۂ تخت میں مال بھیجتے تھے اور اب تک جتنے اموال آئے تھے ان میں یہ سب سے زیادہ مال تھا۔ آنحضور ﷺ کے حکم سے اس کو مسجد (کے صحن) میں ڈھیر کردیا گیا، جب آپؐ نماز فجر کے لئے نکلے تو آپؐ سیدھے مصلے پر تشریف لے گئے آپؐ نے اس مال کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، اس لئے کہ وہ مال مسجدِ شرعی سے باہر بلاط (پتھر کے پختہ فرش) پر ڈھیر کیا گیا تھا، مسجدِ شرعی میں ہوتا تو اس پر آپ کی نظر پڑتی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ مال کے پاس آکر بیٹھے اور اس کو تقسیم فرمایا اور ہر آدمی کو دیا۔ اور جب تک مال نمٹ نہیں گیا آپؐ وہاں سے نہیں اٹھے۔

استدلال: اس واقعہ سے استدلال یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے مسجد میں مال تقسیم کیا، اور مسجد ہی میں اس کو ڈلوایا، معلوم ہوا کہ مسجد میں یہ کام جائز ہیں۔

مگر یہ استدلال محل نظر ہے، کیونکہ مال جہاں ڈھیر کیا گیا تھا اور جہاں سے آپؐ نے مال تقسیم فرمایا تھا وہ مسجدِ شرعی نہیں تھی بلکہ مسجدِ عرفی تھی، مسجدِ شرعی کے سامنے جو صحن تھا اس میں مال ڈھیر کیا گیا تھا اور وہیں سے آپؐ نے تقسیم فرمایا تھا، مسجد

میں تو فجر کی نماز پڑھی گئی تھی۔

بابُ مَنْ دُعِیَ لِطَعَامٍ فِی الْمَسْجِدِ، وَمَنْ أَجَابَ مِنْهُ

مسجد میں کھانے کی دعوت دینا اور اس کو قبول کرنا

کسی کو مسجد میں کھانے کی دعوت دی گئی اس نے وہ دعوت قبول کی تو یہ جائز ہے اور مسجد میں باتیں کرنے کی جو ممانعت ہے یہ صورت اس میں داخل نہیں، ممنوع کلام وہ ہے جو فضول ہو، اور جس سے شور وشغب ہو۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، اور آپؐ کا کئی دن کا فاقہ تھا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد ہیں آپؐ کی آواز سے آپؐ کا فاقہ محسوس کرلیا وہ گھر گئے اور اپنی اہلیہ ام سُلیم رضی اللہ عنہا سے پوچھا: گھر میں کھانے کے لئے کچھ ہے؟ میں نے آنحضور ﷺ کی آواز سے محسوس کیا ہے کہ آپؐ کا فاقہ ہے، حضرت ام سُلیمؓ نے رات کی چند باسی روٹیاں نکالیں اور ان کو اوڑھنی میں لپیٹا اور حضرت انسؓ کے بغل میں دبایا اور باقی کپڑا ان کے گلے میں باندھ دیا تاکہ روٹیاں گرانہ دیں، وہ آنحضور ﷺ کے پاس آکر کھڑے ہوئے، آپؐ نے پوچھا: کھانا لائے ہو؟ انسؓ نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپؐ نے حاضرین سے فرمایا: چلو ابوطلحہ کی دعوت ہے، اور آپؐ نے حضرت انسؓ سے فرمایا: گھر پہنچ کر ہمارے آنے کی اطلاع دو، جب حضرت ابوطلحہؓ نے سنا کہ آنحضور ﷺ کئی لوگوں کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں تو ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، انھوں نے ام سُلیمؓ سے کہا: اب کیا ہوگا ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں کہ ہم سب کو کھلا سکیں، ام سلیمؓ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول جانیں، ہم نے سب کو دعوت نہیں دی، آپؐ نے دعوت دی ہے۔ آنحضور ﷺ تشریف لائے اور آپؐ نے روٹیاں چورنے کے لئے فرمایا: روٹیاں ایک پیالہ میں توڑی گئیں، پھر اس میں گھی ڈالا گیا۔

پھر اس کو خوب مل دیا ملیدہ تیار ہوگیا، پھر آپؐ نے اس میں دعا فرمائی اور کچھ پڑھ کر دم کیا، اور ابوطلحہؓ سے کہا: دس دس آدمیوں کو بلاؤ، گھر میں اتنے ہی آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہوگی، چنانچہ لوگ آتے رہے اور سب نے شکم سیر ہوکر کھایا، کل اسّی آدمی تھے، پھر آنحضور ﷺ نے نوش فرمایا اور گھر والوں نے بھی کھایا اور جو بچ گیا وہ تقسیم کیا گیا۔

یہ معجزہ کی روایت ہے جو تفصیل سے کتاب المناقب اور کتاب الاطعمہ میں آئے گی، اس میں آنحضور ﷺ نے مسجد میں لوگوں کو دعوت دی ہے اور لوگوں نے مسجد ہی میں وہ دعوت قبول کی ہے۔ معلوم ہوا کہ مسجد میں دعوت دینا اور اس کو قبول کرنا جائز ہے۔

[۴۳-] بابُ مَنْ دُعِیَ لِطَعَامٍ فِی الْمَسْجِدِ، وَمَنْ أَجَابَ مِنْهُ

[۴۲۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّـهُ سَمِعَ أَنَسًا: وَجَدْتُ

النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْمَسْجِدِ، وَمَعَهُ نَاسٌ فَقُمْتُ، فَقَالَ لِیْ: " أَرْسَلَكَ أَبُوْ طَلْحَةَ؟" فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: " لِطَعَامٍ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ: " قُوْمُوْا" فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَیْنَ أَیْدِیْهِمْ.

[انظر: ۳۵۷۸، ۵۳۸۱، ۵۴۵۰، ٦٦٨٨]

بابُ الْقَضَاءِ وَاللِّعَانِ فِیْ الْمَسْجِدِ بَیْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

مسجد میں مقدمہ کا فیصلہ کرنا اور مرد وزن کے درمیان لعان کرانا

قضاء کے لئے بہترین جگہ جامع مسجد ہے، وہاں ہر شخص بے تکلف آ سکتا ہے پس قاضی کو جامع مسجد میں بیٹھنا چاہئے تا کہ فریادی بے تکلف وہاں آئیں مگر امام شافعی رحمہ اللہ مسجد کو دار القضاء بنانے کی اجازت نہیں دیتے، وہ قضاء فی المسجد والی حدیثوں کو ابتدائی احوال پر محمول کرتے ہیں، ان کے علاوہ دیگر ائمہ اس کو پسند کرتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قاضی کا مسجد میں بیٹھنا مِن الأَمْرِ القدیم المعمول بہ یعنی آنحضور ﷺ کے زمانہ سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے، نیز قضا ایک عبادت ہے اور عبادت کے لئے سب سے زیادہ موزون جگہ مسجد ہے، پس قضاء مسجد ہی میں ہونی چاہئے۔

امام بخاریؒ نے باب میں لعان کو بھی لیا ہے مگر لعان کا معاملہ غور طلب ہے کیونکہ لعان میں میاں بیوی میں سے ایک بالیقین جھوٹا ہے اور وہ اپنے جھوٹ پر مصر بھی ہے، اس لئے لعان مسجد میں جائز نہیں ہونا چاہئے، مگر اس میں ایک دوسرا پہلو ہے، مسجد میں آدمی جھوٹی قسم کھانے سے ڈرتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عراق میں ایک واقعہ پیش آیا، ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی، ایک دی یا تین؟ اس میں اختلاف ہوا، حضرت عمرؓ نے شوہر کو لکھا کہ مجھ سے حج میں آ کر ملو، اتفاق سے جب اس کی حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی تو آپؓ طواف کر رہے تھے، آپؓ نے اس سے وہیں کہا کہ قسم کھا کہ تو نے ایک طلاق دی ہے، اس نے کہا: اگر آپ کسی اور جگہ قسم لیتے تو میں قسم کھا لیتا، مگر بیت اللہ کے پاس جھوٹی قسم کیسے کھاؤں! پھر اس نے اقرار کیا کہ اس نے تین طلاقیں دی ہیں۔ اس واقعہ سے مجھے یہ سمجھانا ہے کہ متبرک جگہوں میں: مسجد میں، بیت اللہ کے پاس، منبر پر چڑھ کر مجمع میں جھوٹی قسم کھانے سے آدمی ڈرتا ہے، اس اعتبار سے مسجد میں لعان جائز ہونا چاہئے، چنانچہ امام بخاریؒ نے اس کا بھی جواز ثابت کیا۔

ملحوظہ: باب کی حدیث میں قضاء فی المسجد کا ذکر نہیں، صرف لعان کا ذکر ہے، مگر لعان اور قضاء میں چولی دامن کا ساتھ ہے، اس لئے قضاء فی المسجد لعان کے ضمن میں خود بخود ثابت ہو جائے گی۔

سوال: لعان مرد اور عورت کے درمیان ہی ہوتا ہے دو مردوں اور دو عورتوں کے درمیان نہیں ہوتا، پھر باب میں بین الرجال والنساء بڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: یہ عبارت ایک نسخہ میں ہے اور جو عبارت بعض نسخوں میں ہو اس کو لے کر اعتراض نہیں کرنا چاہئے، یہ قاعدہ

ہمیشہ یادرکھنا چاہئے اور جواب چاہئے تو سنو: عورتوں کا مسجد میں آکر مردوں کے سامنے قسمیں کھانا شاید اس میں کچھ تنگی ہو، یہ بات حجاب کے خلاف ہے اس لئے امام بخاریؒ نے یہ عبارت بڑھائی کہ اس میں کچھ تنگی نہیں، نہ یہ بات پردے کے خلاف ہے، عورت باپردہ کھڑی ہوکر قسم کھاسکتی ہے، جیسے نبی ﷺ کے زمانہ میں عورتیں نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آتی تھیں اور آنحضور ﷺ کی مجلس میں بھی شریک ہوتی تھیں، اور مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا تھا، مردوں کی صفیں جہاں ختم ہوتی تھیں وہیں سے عورتوں کی صفیں شروع ہوتی تھیں اسی طرح مجلس نبوی میں مردوں کے پیچھے عورتیں بیٹھتی تھیں اور اس میں کوئی بے پردگی نہیں ہوتی تھی، اسی طرح لعان میں بھی عورت باپردہ کھڑی ہوکر مسجد میں قسم کھاسکتی ہے، اس میں کوئی بے پردگی نہیں، اس کی صراحت کے لئے حضرت نے یہ عبارت بڑھائی ہے۔

[٤٤-] بابُ الْقَضَاءِ وَاللِّعَانِ فِی الْمَسْجِدِ بَیْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

[٤٢٣-] حدثنا یَحْیَی، قَالَ: نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَنَا ابْنُ جُرَیْجٍ، قَالَ: أَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: أَنَّ رَجُلاً قَالَ: یَارسولَ اللّٰهِ! أَرَأَیْتَ رَجُلاً وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلاً أَیَقْتُلُهُ؟ فَتَلاَعَنَا فِی الْمَسْجِدِ وَأَنَا شَاهِدٌ.

[انظر: ٤٧٤٥، ٤٧٤٦، ٥٢٥٩، ٥٣٠٨، ٥٣٠٩، ٦٨٦٥، ٧١٦٥، ٧١٦٦، ٧٣٠٤]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کیا فرماتے ہیں اس شخص کے بارے میں جو اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو پائے، کیا وہ اس کو قتل کردے؟ پس دونوں نے مسجد میں لعان کیا اور میں اس وقت موجود تھا۔

تشریح: یہ حدیث بہت مختصر ہے، تفصیلی واقعہ کتاب التفسیر میں آئے گا۔ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی، پس سورۃ النور کی آیات (۶-۹) نازل ہوئیں، اور آپؐ نے دونوں میں لعان کرایا۔

مسئلہ: اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو گواہوں سے اس کو ثابت کرے، اور نہ کرسکے تو حکم یہ ہے کہ زوجین باہم لعان کریں، یعنی چند مؤکد قسمیں کھائیں، بایں طور کہ پہلے مرد چار مرتبہ اللہ کی قسم کھاکر گواہی دے کہ وہ یقیناً سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی پھٹکار! پھر عورت چار مرتبہ قسم کھائے اور یہ گواہی دے کہ شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ سچا ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب نازل ہو، پھر قاضی دونوں کے درمیان تفریق کردے، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ایک انصاری نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی، نبی ﷺ نے دونوں کو قسمیں کھلائیں ثُمَّ فَرَّقَ بَیْنَهُمَا: پھر دونوں کے درمیان تفریق کردی (حدیث ۶۳۰۶) امام اعظم رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں کہ لعان کے بعد قاضی میاں بیوی میں تفریق کرے گا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خود بخود طلاق واقع ہوجائے گی۔ تفریق کی ضرورت نہیں۔

اور بچہ کے نسب کا انکار کرنا بھی زنا کی تہمت ہے، پس اس صورت میں بھی لعان ہوگا اور لعان کے بعد بچہ ماں کے ساتھ

لاحق کیا جائے گا، باپ سے اس کا نسب منقطع ہو جائے گا، اور اب اس بچہ کو اور اس کی ماں کو طعنہ دینا جائز نہیں کیونکہ ارشاد پاک ہے: ﴿وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ یعنی لعان کرنے سے عورت سے عذاب ٹل جاتا ہے، اور بچہ کو یا ماں کو طعنہ دینا بھی عذاب ہے، پس یہ جائز نہیں، مزید تفصیل کتاب الطلاق میں آئے گی۔

بابٌ: إِذَادَخَلَ بَيْتًا يُصَلِّىْ حَيْثُ شَاءَ أَوْ حَيْثُ أُمِرَ، وَلاَ يَتَجَسَّسُ

کسی کے گھر جائے تو جہاں چاہے یا جہاں حکم دیا جائے نماز پڑھے، ٹوہ نہ لگائے

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر جائے اور وہاں ادخال برکت کے لئے نماز پڑھنا چاہئے تو جہاں چاہے نماز پڑھے، یا صاحبِ خانہ جہاں کہے وہاں نماز پڑھے، بہر صورت دوسرے کے گھر میں تجسس نہ کرے، تجسس کے معنی ہیں: ٹوہ لگانا، یہاں وہاں دیکھنا، ایسا بالکل نہ کرے، باب میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، آپؓ اپنی قوم کے امام تھے، بینائی میں کچھ کمزوری تھی، انھوں نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنی قوم کا امام ہوں، اور میں جہاں نماز پڑھاتا ہوں اس جگہ اور میرے گھر کے درمیان ایک نالہ ہے، بارش کے زمانہ میں اس میں پانی بھر جاتا ہے اور میں مسجد تک نہیں پہنچ سکتا، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنے گھر میں مسجد بناؤں اور لوگوں کو وہاں نماز پڑھاؤں،، آپؐ میرے گھر تشریف لائیں اور نماز پڑھیں میں اس جگہ کو مسجد بناؤں گا، آپؐ نے آنے کا وعدہ فرمایا، پھر ایک صبح نو دس بجے آپؐ حضرت عتبانؓ کے گھر تشریف لے گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، آپؐ نے جاتے ہی پوچھا: تم کہاں چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ حضرت عتبانؓ نے ایک جگہ بتائی تو آپؐ نے وہاں باجماعت دو رکعت ادا فرمائیں، اتنی دیر میں محلّہ والوں کو آپؐ کی آمد کی خبر ہوگئی، چنانچہ وہ جمع ہو گئے، حضرت عتبانؓ نے کھچڑا بنایا تھا وہ پیش کیا، دورانِ گفتگو ابنُ الدُّخَیْشِنْ کا تذکرہ آیا کہ وہ نظر نہیں آ رہا، کسی نے کہا: وہ منافق ہے، اللہ و رسول سے محبت نہیں رکھتا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: کیا وہ لا إلٰہ إلا اللہ نہیں کہتا؟ کیا وہ اس کلمہ سے اللہ کی خوشنودی نہیں چاہتا؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں مگر یارسول اللہ! ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی دلچسپیاں منافقین کے ساتھ ہیں، وہ ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور ان کے مشوروں میں شریک رہتا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص کسی کے گھر جائے اور ادخال برکت کے لئے نماز پڑھنا چاہے تو صاحب خانہ سے معلوم کرے، جہاں وہ کہے وہاں نماز پڑھے یا جہاں چاہے نماز پڑھے مگر تجسس نہ کرے۔

[٤٥-] بابٌ: إِذَادَخَلَ بَيْتًا يُّصَلِّىْ حَيْثُ شَاءَ أَوْ حَيْثُ أُمِرَ، وَلاَ يَتَجَسَّسُ

[٤٢٤-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: نَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ،

عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَتَاهُ فِي مَنْزِلِهِ، فَقَالَ:" أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ لَكَ مِنْ بَيْتِكَ؟" قَالَ: فَأَشَرْتُ لَهُ إِلٰى مَكَانٍ، فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

[انظر: ٤٢٥، ٦٦٧، ٦٨٦، ٨٣٨، ٨٤٠، ١١٨٦، ٤٠٠٩، ٤٠١٠، ٥٤٠١، ٦٤٢٣، ٦٩٣٨]

نوٹ: نوافل جماعت کے ساتھ جائز ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ کتاب التہجد باب ۳۶ میں آئے گا۔

بَابُ الْمَسَاجِدِ فِي الْبُيُوْتِ

گھروں میں مسجدیں بنانا

اس باب میں بھی حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو گذشتہ باب میں گذری ہے، اور اس باب کا حاصل یہ ہے کہ ہر گھر میں نماز کے لئے کوئی مخصوص کمرہ ہونا چاہئے، آج کل لوگوں کے پاس مصلے ہیں وہ گھر میں جہاں چاہتے ہیں بچھا کر نماز پڑھ لیتے ہیں، مگر وہاں بچے ہوتے ہیں، شور مچاتے ہیں اور نماز خراب کرتے ہیں، اس لئے ہر گھر میں نماز کے لئے ایک کمرہ خاص ہونا چاہئے، اور وہ مسجد کی طرح پاک صاف رہنا چاہئے، گھر کے سب افراد وہاں نماز پڑھیں، تا کہ اطمینان سے نماز ادا ہو۔

مگر اب گھر بھی تو چھوٹے ہو گئے ہیں اس لئے کوئی کمرہ نماز کے لئے خاص کرنا مشکل ہے، مگر جن گھروں میں گنجائش ہو ان میں یہ انتظام بہ آسانی ہوسکتا ہے۔

اور یہ جو کمرہ نماز کے لئے خاص کیا گیا ہے وہ گھر کی مسجد ہے عورت رمضان میں اس میں اعتکاف بھی کرسکتی ہے، مگر اس کے لئے مسجد کے احکام نہیں، حائضہ، نفساء اور جنبی وہاں داخل ہوسکتے ہیں۔ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں مسجد بنائی تھی، تا کہ اہل محلّہ وہاں آ کر نماز پڑھیں۔ یہ حدیث کا باب سے ربط ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے گھر میں مسجد بنائی تھی وہاں بھی ایک مرتبہ آپؐ نے جماعت سے نماز پڑھی ہے۔

لغت: گھر: خانہ، رہنے کی جگہ، گھیر: بڑا مکان، صحن خانہ، احاطہ۔

[٤٦-] بَابُ الْمَسَاجِدِ فِي الْبُيُوْتِ

وَصَلَّى الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فِي مَسْجِدِ دَارِهِ جَمَاعَةً.

[٤٢٥-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: نَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُوْدُ ابْنُ الرَّبِيْعِ الأَنْصَارِيُّ، أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ، وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الأَنْصَارِ، أَنَّهُ أَتَى رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِيْ، وَأَنَا

أُصَلِّيْ لِقَوْمِيْ، فَإِذَا كَانَتِ الأَمْطَارُ سَالَ الْوَادِيْ الَّذِيْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ، لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ بِهِمْ، وَوَدِدْتُ يَارسولَ اللّٰهِ! أَنَّكَ تَأْتِيْنِيْ فَتُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى، قَالَ: فَقَالَ لَهُ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى" قَالَ عِتْبَانُ: فَغَدَا عَلَيَّ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَبُوْ بَكْرٍ حِيْنَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَذِنْتُ لَهُ، فَلَمْ يَجْلِسْ حِيْنَ دَخَلَ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ: "أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟" قَالَ: فَأَشَرْتُ لَهُ إِلٰى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ، فَقَامَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَكَبَّرَ، فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، قَالَ: وَحَبَسْنَاهُ عَلٰى خَزِيْرَةٍ صَنَعْنَاهَا لَهُ، قَالَ: فَثَابَ فِيْ الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ ذَوُوْ عَدَدٍ، فَاجْتَمَعُوْا، فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ: أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِنِ أَوْ:ابْنُ الدُّخْشُنِ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: ذٰلِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَا تَقُلْ ذٰلِكَ، أَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، يُرِيْدُ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ؟" قَالَ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ! قَالَ: فَإِنَّا نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيْحَتَهُ إِلٰى الْمُنَافِقِيْنَ، قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ"

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: ثُمَّ سَأَلْتُ الْحُصَيْنَ بْنَ مُحَمَّدٍ الأَنْصَارِيَّ، وَهُوَ أَحَدُ بَنِيْ سَالِمٍ، وَهُوَ مِنْ سَرَاتِهِمْ، عَنْ حَدِيْثِ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ فَصَدَّقَهُ بِذٰلِكَ. [راجع: ٤٢٤]

ترجمہ: محمود بن الربیع انصاری رضی اللہ عنہ (صحابی صغیر) کہتے ہیں: حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ جو بدری صحابہ میں سے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنی نظر کواوپرا محسوس کرتا ہوں یعنی میری بینائی کمزور ہوگئی ہے، اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں اور جب بارش ہوتی ہے تو وہ نالہ بہنے لگتا ہے جو میرے اور ان کے درمیان ہے، پس میں اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ ان کی مسجد میں جاؤں اور انہیں نماز پڑھاؤں، پس میں چاہتا ہوں اے اللہ کے رسول کہ آپؐ میرے گھر تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں، پس میں اس جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤں (یہی جزء باب سے متعلق ہے)

راوی کہتے ہیں: پس ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں عنقریب ایسا کروں گا اگر اللہ نے چاہا، حضرت عتبانؓ کہتے ہیں: پس ایک صبح رسول اللہ ﷺ میرے یہاں تشریف لائے درانحالیکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے جس وقت سورج بلند ہوگیا پس آپؐ نے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی، میں نے آپؐ کو اجازت دی، آپؐ گھر میں داخل ہوکر بیٹھے نہیں بلکہ فرمایا: تم کہاں چاہتے ہو کہ میں تمہارے گھر میں نماز پڑھوں؟ حضرت عتبانؓ کہتے ہیں: میں نے گھر کے ایک کونہ کی طرف اشارہ کیا، پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور آپؐ نے تکبیر کہی، پس ہم کھڑے ہوئے اور ہم نے صف بنائی، پس آپؐ نے دو رکعتیں پڑھائیں، پھر سلام پھیرا۔

حضرت عتبانؓ کہتے ہیں: اور ہم نے آپؐ کو روک لیا اس کھچڑے پر جو ہم نے آپؐ کے لئے تیار کیا تھا۔ حضرت عتبانؓ کہتے ہیں: پس محلّہ والوں میں سے چند آدمی گھر میں کود آئے (ذُوُوْ عدد تکثیر کے لئے بھی ہوسکتا ہے یعنی کافی آدمی آگئے) پس وہ سب ایک جگہ جمع ہوگئے، پس ان میں سے کسی نے کہا: مالک ابن الدُّخَیْشِنْ کہاں ہے؟ وہ نظر نہیں آرہا! (ابن الدُّخَیْشِنْ صحیح نام ہے یا ابن الدُّخْشِن، اس میں راوی کو شک ہے) پس کسی نے کہا: وہ منافق ہے، وہ اللہ اور رسول سے محبت نہیں کرتا، آپؐ نے فرمایا: ایسی بات مت کہو کیا تم اس کو نہیں دیکھتے کہ وہ لا إله إلا الله کہتا ہے، اس کلمہ سے اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے؟ یعنی وہ اخلاص سے یہ کلمہ پڑھتا ہے اور صدق دل سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے ایسا بندہ منافق کیسے ہوسکتا ہے؟ اس نے کہا: اللہ ورسول بہتر جانتے ہیں (اور) کہا: بیشک ہم اس کی منافقین کے ساتھ دلچسپیاں اور خیر خواہی دیکھتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ عزوجل نے جہنم کی آگ پر حرام کیا ہے ہر اس شخص کو جو لا إله إلا الله کہتا ہے درانحالیکہ وہ اس کلمہ سے اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے، یعنی جو سچے دل سے اس کلمہ کو پڑھتا ہے اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں: پھر میں نے حصین بن محمد انصاریؓ سے جو قبیلہ بنی سالم کے تھے اور قبیلہ کے سرداروں میں سے تھے محمود بن الربیع کی حدیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔

تشریح: اس حدیث کے راوی محمود بن الربیعؓ ہیں، اور وہ صحابی صغیر ہیں، پس کسی کو وہم ہوسکتا تھا کہ اللہ جانیں محمود نے حضرت عتبانؓ سے یہ حدیث سنی ہے یا نہیں؟ اس لئے ان کا مصدق حصین بن محمد انصاری رضی اللہ عنہ کو لائے، حصین بن محمدؓ قبیلہ بنی سالم کے تھے اور سرداروں میں سے تھے اور حضرت عتبانؓ بھی اسی قبیلہ کے تھے، ابن شہابؒ نے ان سے حضرت محمود کی حدیث کی تصدیق چاہی تو انھوں نے تصدیق کی کہ محمودؓ نے جو حدیث بیان کی ہے وہ صحیح ہے۔

جاننا چاہئے کہ بنیادی عقیدہ لا إله إلا الله ہے مگر اس میں محمد رسول اللہ شامل ہے، اور یہ دوسرا جزء تبدیل ہوتا رہا ہے، ایک زمانہ میں لا إله إلا الله کے ساتھ آدم صفیّ اللّٰہ تھا، پھر نوح رسول الله، پھر ابراہیم خلیل اللہ، پھر موسیٰ کلیم اللہ، پھر عیسیٰ روح اللہ لگنے لگا اب محمد رسول اللہ لگتا ہے۔ اور کتاب الایمان کے شروع میں میں نے بتایا ہے کہ عقائد اگر پھیلائے جائیں تو بہت ہیں، بہشتی زیور میں پچاس عقیدے بیان کئے ہیں، اور اگر ان کو سمیٹا جائے تو وہ چھ عقیدے رہ جاتے ہیں، جن کا ذکر حدیث جبرئیل میں ہے اور ان کو ایمان مفصل میں لیا گیا ہے، اور اگر مزید سمیٹا جائے تو دو عقیدے رہ جاتے ہیں جو کلمہ طیبہ میں لئے گئے ہیں یعنی توحید اور رسالت محمدی کا اقرار، پھر مزید سمیٹا جائے تو بنیادی عقیدہ لا إله إلا الله رہ جاتا ہے جس میں رسالت محمدی وغیرہ تمام عقائد شامل ہیں۔

اور توحید ورسالت کا اقرار کرنے والے پر جہنم کی آگ حرام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے جہنم حرام ہے، مگر اس عقیدہ کا حامل بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں جاسکتا ہے مگر وہ وہاں ہمیشہ نہیں رہے گا ایک نہ ایک دن اس کلمہ کی برکت سے جہنم سے نکال لیا جائے گا، توحید ورسالت کا اقرار کرنے والا جہنم میں جائے گا ہی نہیں خواہ وہ کتنے ہی گناہ

کرے، یہ حدیث کا مطلب نہیں ہے۔ دیگر نصوص سے گنہ گار مسلمانوں کا جہنم میں جانا پھر وہاں سے نکال لیا جانا ثابت ہے۔

بابُ التَّيَمُّنِ فِيْ دُخُوْلِ الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ

دخولِ مسجد وغیرہ اچھے کام دائیں جانب سے کرنے چاہئیں

ہر اچھا کام دائیں جانب سے کرنا چاہئے اور برا کام بائیں جانب سے۔ اس قاعدہ سے جب مسجد میں داخل ہو تو پہلے دایاں پیر مسجد میں رکھے اور جب نکلے تو پہلے بایاں پیر نکالے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی عمل تھا، اور جاننا چاہئے کہ مسجدیں دو ہیں: مسجدِ شرعی اور مسجدِ عرفی، عبادت خانہ مسجدِ شرعی ہے اور اس کے متعلقات مسجدِ عرفی ہیں اور مسجد میں داخل ہونے کی جو دعا ہے یا مسجد میں پہلے دایاں پیر رکھنے کی جو سنت ہے اس سے مسجدِ شرعی مراد ہے مسجدِ عرفی مراد نہیں۔

[٤٧-] بابُ التَّيَمُّنُ فِيْ دُخُوْلِ الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِرِجْلِهِ الْيُمْنٰى، فَإِذَا خَرَجَ بَدَأَ بِرِجْلِهِ الْيُسْرٰى.

[٤٢٦-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: نَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وسلم يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِيْ شَأْنِهِ كُلِّهِ: فِيْ طُهُوْرِهِ، وَتَرَجُّلِهِ، وَتَنَعُّلِهِ. [راجع: ١٦٨]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ تمام (اچھے) کاموں میں حتی الامکان دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے (مثلاً) وضو غسل میں، تیل کنگھا کرنے میں اور جوتا چپل پہننے میں —— یہ تین چیزیں بطور مثال ہیں، مسجد میں داخل ہونا بھی اسی ضابطے کے تحت آتا ہے۔

بابٌ

[الف] هَلْ يُنْبَشُ قُبُوْرُ مُشْرِكِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَيُتَّخَذُ مَكَانَهَا مَسَاجِدُ؟

[ب] وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْقُبُوْرِ

(الف) کیا مشرکوں کی قبریں کھود کر مٹی پھینک دینا اور وہاں مسجد بنانا جائز ہے؟

(ب) اور قبروں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

اس باب میں دو مسئلے ہیں اور دونوں میں گہرا تعلق ہے:

پہلا مسئلہ: مشرکوں کی قبریں کھود کر مٹی دوسری جگہ ڈال دی جائے اور وہاں مسجد بنائی جائے تو جائز ہے، قبریں باقی رکھ کر مسجد بنانا درست نہیں، یعنی مردوں کی مٹی وہیں رہے، صرف قبروں کا نشان ختم کر دیا جائے اور وہاں مسجد بنالی جائے یہ درست نہیں، اس کو قبروں پر مسجد بنانا سمجھا جائے گا، اب جہاں مسجدِ نبوی ہے وہاں پہلے زمانہ جاہلیت کے مشرکوں کی قبریں تھیں جب مسجد بنائی گئی تو ان قبروں کو کھود کر مٹی منتقل کر دی گئی پھر وہاں مسجد بنائی گئی نَبَشَ (ن) نَبْشًا کے معنی ہیں: کچھ نکالنے کے لئے مٹی کھودنا، پس نَبَشَ الْقَبْرَ کے معنی ہیں: قبر کھودنا تاکہ اس سے مردہ یا اس کی مٹی نکالی جائے۔

اور قبر کو باقی رکھ کر اس پر یا اس کے پاس مسجد بنانا اس لئے درست نہیں کہ یہود و نصاری پر اسی لئے لعنت کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنے انبیاء اور اولیاء کی قبروں پر مسجدیں بنائی تھیں۔

دوسرا مسئلہ: قبروں کے درمیان نماز پڑھنا مکروہ ہے، خواہ قبر پر کھڑے ہو کر پڑھے یا قبر کی طرف منہ کر کے پڑھے، یا قبروں کے درمیان پڑھے، تینوں صورتیں مکروہ ہیں، قبر پر نماز پڑھنے میں قبر کی اہانت ہے جیسے قبر پر چلنے، بیٹھنے اور سونے میں قبر کی اہانت ہے اور شریعت نے قبور کے ساتھ توہین کا معاملہ کرنے کی اجازت نہیں دی اور قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا قبر کی غیر معمولی تعظیم ہے، شریعت نے اس کی بھی اجازت نہیں دی، اور قبروں کے درمیان نماز پڑھنا بھی ممنوع ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ قبر کے پاس نماز پڑھ رہے ہیں تو فرمایا: قبر قبر! یعنی اس سے ہٹ کر نماز پڑھو، مگر ان کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا، معلوم ہوا کہ قبر کے پاس پڑھی ہوئی نماز درست ہے، البتہ قبر کے پاس نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

مسئلہ: مسلمانوں کی قبروں کو اکھاڑنا جائز نہیں، پس اگر کسی ایسی جگہ مسجد بنانی ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ قبر کو دفن کر دیا جائے یعنی اس کے چاروں طرف دیوار کر کے اس پر چھت ڈال دی جائے اور قبر کو بالکل چھپا دیا جائے، پھر اس پر مسجد بنائی جائے تو اس کی گنجائش ہے، مگر ضروری ہے کہ قبر تک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ نہ رکھا جائے، اس طرح قبر دفن ہو جائے گی، اور یہ بھی نبش کی ایک صورت ہے۔

الجاھلیة: کی قید اتفاقی ہے زمانۂ جاہلیت کے مشرک ہوں یا آج کے مشرک ہوں سب کا حکم ایک ہے —— **ویُتخذ مکانَها مساجدُ**: **مکانَها** کو منصوب اور **مساجدُ** کو مرفوع پڑھ سکتے ہیں، **مکان**: مفعول فیہ ہوگا اور **مساجد** مفعول ثانی نائب فاعل ہوگا، اور اس کے برعکس پڑھیں تو **مکانُها** مفعول اول نائب فاعل ہوگا اور **مساجدَ** مفعول ثانی۔

ملحوظہ: کسی بزرگ کی قبر کے قریب مسجد بنانا یا مسجد میں یا مسجد کے آس پاس کسی کو دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ تفصیل سے کتاب الجنائز میں آئے گا۔

[۴۸-] بابٌ

[الف] هَلْ يُنْبَشُ قُبُوْرُ مُشْرِكِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَيُتَّخَذُ مَكَانَهَا مَسَاجِدُ؟

لِقَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: "لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ"

[ب] وَمَا یُکْرَهُ مِنَ الصَّلَاةِ فِی الْقُبُوْرِ، وَرَأَی عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ یُصَلِّیْ عِنْدَ قَبْرٍ، فَقَالَ: الْقَبْرَ الْقَبْرَ! وَلَمْ یَأْمُرْهُ بِالإِعَادَةِ.

[٤٢٧-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی، قَالَ: نَا یَحْیٰی، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِیْ أَبِیْ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أُمَّ حَبِیْبَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ ذَکَرَتَا کَنِیْسَةً رَأَیْنَهَا بِالْحَبَشَةِ، فِیْهَا تَصَاوِیْرُ، فَذَکَرَتَا لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: "إِنَّ أُولٰئِكَ إِذَا کَانَ فِیْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ، فَمَاتَ، بَنَوْا عَلٰی قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوْا فِیْهِ تِیْكَ الصُّوَرَ، أُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ" [انظر: ٤٣٤، ١٣٤١]

حدیث (۱): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے ایک گرجا گھر کا ذکر کیا جو انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، جس میں تصویریں تھیں، دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: "بیشک یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں کوئی نیک بندہ ہوتا اور وہ مرجاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس میں اس کی تصویر بناتے، یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں"

تشریح: یہ مرضِ وفات کا واقعہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کمرہ میں چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اور ازواج مطہرات جمع تھیں، حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے ایک چرچ کا تذکرہ کیا جو انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس چرچ میں تصویریں تھیں ان کا بھی تذکرہ کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات سنی تو سر سے چادر ہٹائی اور فرمایا: ان لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی مرجاتا تھا تو وہ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے تھے۔ اور صاحبِ قبر کا فوٹو دیوار پر بناتے تھے یا اس کا مجسمہ بنا کر عبادت خانہ میں رکھتے تھے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں، معلوم ہوا کہ قبر پر مسجد تعمیر کرنا موجب لعنت کام ہے، اسی مناسبت سے یہاں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

[٤٢٨-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ أَبِی التَّیَّاحِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَدِیْنَةَ، فَنَزَلَ أَعْلَی الْمَدِیْنَةِ فِیْ حَیٍّ یُقَالُ لَهُمْ بَنُوْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، فَأَقَامَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْهِمْ أَرْبَعَ عَشْرَةَ لَیْلَةً، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلٰی بَنِی النَّجَّارِ، فَجَاؤُوْا مُتَقَلِّدِیْنَ السُّیُوْفَ، کَأَنِّیْ أَنْظُرُ إِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی رَاحِلَتِهِ، وَأَبُوْ بَکْرٍ رِدْفُهُ، وَمَلَأُ بَنِی النَّجَّارِ حَوْلَهُ، حَتّٰی أَلْقٰی بِفِنَاءِ أَبِیْ أَیُّوْبَ، وَکَانَ یُحِبُّ أَنْ یُصَلِّیَ حَیْثُ أَدْرَکَتْهُ الصَّلَاةُ، وَیُصَلِّیْ فِیْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ، وَأَنَّهُ أَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَأَرْسَلَ إِلٰی مَلَاءٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ، فَقَالَ: "یَا بَنِی النَّجَّارِ! ثَامِنُوْنِیْ بِحَائِطِکُمْ هٰذَا" قَالُوْا: لَا وَاللّٰهِ! لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، قَالَ أَنَسٌ: فَکَانَ فِیْهِ مَا أَقُوْلُ لَکُمْ: قُبُوْرُ الْمُشْرِکِیْنَ، وَفِیْهِ خَرِبٌ، وَفِیْهِ نَخْلٌ، فَأَمَرَ النَّبِیُّ

صلى الله عليه وسلم بِقُبُوْرِ الْمُشْرِكِيْنَ فَنُبِشَتْ، ثُمَّ بِالْخِرَبِ فَسُوِّيَتْ، وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ، فَصَفُّوْا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ، وَجَعَلُوْا عِضَادَتَيْهِ الْحِجَارَةَ، وَجَعَلُوْا يَنْقُلُوْنَ الصَّخْرَ، وَهُمْ يَرْتَجِزُوْنَ، وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَعَهُمْ، وَهُوَ يَقُوْلُ:

اَللّٰهُمَّ لَاخَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الآخِرَةْ ۞ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةْ

[راجع: ۲۳٤]

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، پس آپ مدینہ کے بالائی حصہ میں ایک قبیلہ میں فروکش ہوئے جن کو بنوعمرو بن عوف کہا جاتا ہے، نبی ﷺ ان میں چودہ دن ٹھہرے (ہمارے نسخہ میں أربع وعشرین صحیح نہیں، صحیح أربع عشرة ہے، گیلری میں یہی لکھا ہے اور مصری نسخہ میں بھی یہی ہے) پھر آپؐ نے بنوالنجار کے پاس آدمی بھیجا (بنوالنجار آپؐ کے ننھیالی تھے) وہ تلواریں باندھے ہوئے حاضر ہوئے (حضرت انسؓ کہتے ہیں) گویا میں نبی ﷺ کو آپؐ کی سواری پر دیکھ رہا ہوں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے پیچھے بیٹھے ہیں اور بنوالنجار کی جماعت آپؐ کے اردگرد چل رہی ہے، یہاں تک کہ آپؐ نے اپنا سامان حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے صحن میں اتارا اور آپؐ یہ بات پسند کیا کرتے تھے کہ جہاں بھی نماز کا وقت ہوجائے نماز پڑھ لیں، اور آپؐ بکریوں کے باڑوں میں بھی نماز پڑھتے تھے (اس لئے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں کوئی مسجد نہیں تھی) اور آپؐ نے مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا، پس آپؐ نے بنوالنجار کی جماعت کے پاس آدمی بھیجا، اور ان سے فرمایا: اے بنوالنجار! تم مجھے اپنا یہ باغ قیمت سے دیدو، انھوں نے کہا: نہیں، بخدا! ہم اس کی قیمت صرف اللہ عزوجل سے طلب کرتے ہیں، یعنی ہم لوجہ اللہ یہ باغ آپ کو دیتے ہیں، حضرت انسؓ کہتے ہیں: میں تمہیں بتاتا ہوں اس باغ میں کیا تھا: مشرکین کی قبریں، ویران جگہ اور کچھ کھجور کے درخت تھے، پس نبی ﷺ نے مشرکین کی قبروں کے بارے میں حکم دیا پس وہ کھود دی گئیں (یہی جزء باب سے متعلق ہے) اور ویران جگہ کے بارے میں حکم دیا، پس اسے ہموار کیا گیا، اور کھجوروں کے درختوں کے بارے میں حکم دیا پس وہ کاٹ دیئے گئے، پھر ان کھجوروں کے تنوں کو قبلہ کی دیوار میں برابر برابر کھڑا کیا گیا، اور ان کی دونوں جانبوں میں پتھر لگائے گئے، لوگ پتھر لا رہے تھے اور رجز پڑھ رہے تھے، اور نبی ﷺ ان کے ساتھ تھے، اور آپؐ فرما رہے تھے۔

اے اللہ! کچھ خیر نہیں مگر آخرت کی خیر ÷ پس آپ انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمائیں

تشریح: آنحضور ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو آپؐ پہلے قبا میں فروکش ہوئے، قبا میں قبیلہ بنوعمرو بن عوف رہتا تھا، وہاں آپؐ نے چودہ دن قیام فرمایا اور اس دوران وہاں ایک مسجد تعمیر فرمائی جو مسجد قباء کے نام سے معروف ہے، پھر جب مدینہ منورہ روانگی کا ارادہ فرمایا تو بنوالنجار کو بلوایا، یہ آپؐ کے ننھیالی تھے، آپؐ کے پردادا ہاشم کا نکاح بنوالنجار کی ایک خاتون سلمی بنت عمرو سے ہوا تھا، اور ماں جس خاندان کی ہوتی ہے وہ ننھیال کہلاتا ہے پس دادی کا خاندان بھی ننھیال ہوا۔

بنوالنجار تلواریں لٹکائے ہوئے حاضر خدمت ہوئے، پس آپؐ اونٹنی پر سوار ہوکر مدینہ منورہ کے لئے چلے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اور بنوالنجار آپؐ کے جلو میں چل رہے تھے، آپؐ نے مدینہ منورہ میں بنوالنجار کے یہاں قیام فرمایا، مگر آپؐ کا یہ قیام ارادی نہیں تھا بلکہ اتفاقی تھا۔

جب آپؐ قبا سے روانہ ہوئے تو مدینہ کا ہر قبیلہ خواہش رکھتا تھا کہ آپؐ اس کے یہاں اتریں، مگر آپؐ نے فرمایا: میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے، جہاں اللہ کا حکم ہوگا وہیں رکے گی، اس کا راستہ چھوڑ دو، اور آپؐ نے خود بھی نکیل اونٹنی کی گردن پر ڈال دی، ناقہ تمام محلوں سے نکل کر ایک باغ میں جو دو یتیموں کا تھا اور اجڑا ہوا تھا وہاں جا کر بیٹھ گئی، پھر اونٹنی اٹھی اور کچھ دور جا کر واپس لوٹی اور اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی، اور اپنی گردن زمین پر ڈال دی، وہاں سے قریب بنوالنجار کا محلّہ تھا اور سب سے قریب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان تھا، وہ ناقہ سے کجاوہ لے کر گھر چل دیئے، آپؐ نے فرمایا: ''آدمی اپنے کجاوہ کے ساتھ ہوتا ہے'' چنانچہ آپؐ نے حضرت ابوایوبؓ کے گھر قیام فرمایا، اور وہ باغ یتیموں کے اولیاء سے خریدا اور وہاں مسجد تعمیر فرمائی۔

مسجد کی تعمیر میں تقریباً چھ ماہ لگے، اس دوران آپؐ جہاں بھی نماز کا وقت ہوتا نماز پڑھ لیتے تھے، بکریوں کے باڑے میں بھی آپؐ نے نماز پڑھی ہے۔

صحابہ پہاڑوں سے تعمیر کے لئے پتھر لاتے تھے خود نبی ﷺ بھی ان کے ساتھ پتھر لاتے تھے، اس موقع پر صحابہ بھی رجز پڑھ رہے تھے اور نبی ﷺ بھی دعا دے رہے تھے، رجز موزون کلام کی ایک قسم ہے [1] اور انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ محنت کا کام کرتے ہوئے نشاط پیدا کرنے کے لئے کوئی موزون کلام دوہراتا ہے اور عام طور پر رجزیہ کلام چند فقروں پر مشتمل ہوتا ہے، مگر صحابہ کرامؓ اور حضور ﷺ کا رجزیہ کلام ذکر پر، تذکرۂ آخرت پر اور دعاء پر مشتمل تھا۔

مسجدِ نبوی کی چھت چھپر کی تھی اور محراب بیت المقدس کی طرف بنائی گئی تھی، اور عقبی حصہ میں آنحضور ﷺ کے لئے کمرے بنائے گئے تھے، پھر جب قبلہ بدلا تو محراب حجروں کی جگہ آ گئی، اور کمرے بدستور باقی رہے، جو بعد میں مسجد میں شامل کر لئے گئے۔

استدلال: اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ جہاں مسجدِ نبوی بنائی گئی ہے وہاں مشرکین کی قبریں تھیں، آپؐ نے وہ قبریں

---

(۱) رجز شعر ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ عام علماء عروض اور اہل ادب کی رائے یہ ہے کہ یہ شعر نہیں اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ رجز آنحضور ﷺ سے ثابت ہے جبکہ شعر کہنے کی قرآن کریم میں نبی ﷺ سے نفی کی گئی ہے ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ﴾: نہ ہم نے آپؐ کو شعر کی تعلیم دی اور نہ شعر کہنا آپؐ کے شایانِ شان ہے۔ اور آپؐ نے رجز پڑھا ہے یہ دلیل ہے کہ رجز شعر کی قسم سے نہیں ہے، اور جن حضرات نے رجز کو شعر کی قسم قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں شعر وہ کلام موزون ہے جس میں قصد وارادہ کا دخل ہو، اور نبی ﷺ سے رجز کے طور پر جو ثابت ہے اس میں آپؐ کے قصد وارادہ کا دخل نہیں تھا، اس لئے وہ شعر کی تعریف میں نہیں آتا (ایضاح البخاری ۳: ۱۷۴)

پھڑ وادیں اوران کی مٹی دوسری جگہ ڈلوادی اور وہاں مسجد بنائی۔معلوم ہوا کہ مشرکین کی قبروں کا نبش اور وہاں مسجد بنانا جائز ہے۔

قوله: وجعلوا عِضَادَتَيْهِ الحجارةَ: اس جملہ کا مطلب بعض شارحین نے یہ لکھا ہے کہ جدارِ قبلی کھجوروں کے تنوں کی صف بندی کر کے تیاری کی گئی تھی، اور یہ مطلب بھی لکھا ہے کہ ستونوں کی جگہ کھجور کے تنے استعمال کئے گئے تھے اور ان تنوں کے درمیانی خلاء کو پتھروں سے پُر کیا گیا تھا، **عِضَادَتَيْه** کی ضمیر نخل کی طرف لوٹ رہی ہے، اور **عضادة** کا ترجمہ ہے: بازو، دروازے کی چوکھٹ، اور وہ چیزیں جو جانبین کو پُر کریں یہاں یہ آخری معنی ہو سکتے ہیں۔

بابُ الصَّلَاةِ فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ

بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنا

بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے، نبی ﷺ وہاں نماز پڑھتے تھے، خواہ باڑے میں بکریاں ہوں یا نہ ہوں، اس لئے کہ بکری غریب جانور ہے، نمازی کو اس سے کوئی خطرہ نہیں، رہی یہ بات کہ کپڑا بچھا کر نماز پڑھے یا کپڑا بچھائے بغیر؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے، جن ائمہ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کے فضلات پاک ہیں ان کے نزدیک کوئی چیز بچھائے بغیر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں اور جن ائمہ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کے فضلات ناپاک ہیں ان کے نزدیک پاک چیز بچھا کر نماز پڑھے۔

نوٹ: ماکول اللحم جانوروں کے فضلات کی طہارت وعدم طہارت کا مسئلہ کتاب الوضوء باب ۶۶ میں گذر چکا ہے۔

[٤٩-] بابُ الصَّلَاةِ فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ

[٤٢٩-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ فِيْ مَرَابِضَ الْغَنَمِ، ثُمَّ سَمِعْتُهُ بَعْدُ يَقُوْلُ: كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَبْلَ أَنْ يُبْنَى الْمَسْجِدُ. [راجع: ٢٣٤]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھا کرتے تھے (ابوالتیاح کہتے ہیں) پھر میں نے اس کے بعد آپؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: نبی ﷺ مسجدِ نبوی تعمیر ہونے سے پہلے بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھا کرتے تھے، یعنی حضرت انسؓ کبھی قبل أن یُبنی المسجد کہتے تھے اور کبھی نہیں کہتے تھے۔

بابُ الصَّلَاةِ فِيْ مَوَاضِعِ الإِبِلِ

اونٹوں کی جگہوں میں نماز پڑھنا

اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تمام ائمہ کہتے ہیں: اونٹوں کے باڑوں میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے،

کیونکہ اونٹ اگر باڑے میں موجود ہیں تو خطرہ ہے کہ وہ کوئی شرارت کریں، پس نماز میں اطمینان نہیں ہوگا اور اگر اونٹ باڑے میں نہیں ہیں تو بھی وہاں نماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ اونٹوں کا باڑھا ناہموار ہوتا ہے اور وہاں بدبو بھی ہوتی ہے۔

البتہ اگر کوئی وہاں نماز پڑھ لے تو امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نماز صحیح نہیں، نماز واجب الاعادہ ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھو اور اونٹوں کے باڑوں میں نماز مت پڑھو'' (ترمذی حدیث ۳۵۵)

اور جمہور کے نزدیک بشمول امام بخاریؒ اونٹوں کے باڑوں میں پڑھی ہوئی نماز صحیح ہے ان کے نزدیک ممانعت بر بناء مصلحت ہے، اونٹ کینہ توز جانور ہے اور جب وہ مخلّی بالطبع ہوتا ہے یعنی اس پر کاٹھی یا ہودج بندھا ہوا نہیں ہوتا تو وہ شرارت کرتا ہے، پس وہاں نماز پڑھنے میں دل کی حضوری میں خلل پڑے گا۔

علاوہ ازیں جہاں اونٹ بیٹھتے ہیں وہاں زمین میں کھڈے پڑ جاتے ہیں اور اس جگہ بدبو بھی ہوتی ہے جبکہ بکریوں کی صورت حال اس سے مختلف ہے وہ مسکین جانور ہے اور بکریوں کے باڑے عام طور پر روزانہ صاف کئے جاتے ہیں اور وہاں بدبو بھی کم ہوتی ہے اور زمین ہموار ہوتی ہے اس لئے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی اجازت دی اور اونٹوں کے باڑے میں منع فرمایا۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ باب میں جو حدیث لائے ہیں اس سے تقریب تام نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں اونٹ بٹھا کر اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ نبی ﷺ بھی ایسا کرتے تھے، اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ اونٹوں کے باڑوں میں مطلقاً نماز پڑھنا جائز ہے: یہ مضبوط استدلال نہیں، اس لئے کہ اونٹ پر جب کاٹھی یا ہودج بندھا ہوا ہوتا ہے تو وہ شرارت نہیں کرتا، اس لئے اس حدیث سے اونٹ کے باڑوں میں نماز کے جواز پر استدلال مضبوط استدلال نہیں، ہاں یہ کہا جائے کہ امام صاحب نے مواضع کہا ہے جو أعطان (باڑوں) سے عام ہے یعنی اونٹ کے پاس نماز پڑھنا درست ہے تو حدیث سے استدلال تام ہے۔

[۵۰-] بابُ الصَّلاَةِ فِیْ مَوَاضِعِ الإِبِلِ

[۴۳۰-] حدثنا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يُصَلِّي إِلَى بَعِيْرِهِ، وَقَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَفْعَلُهُ. [انظر: ۵۰۷]

وضاحت: یہاں حدیث میں لفظ بعیر ہے مگر دوسری جگہ اس حدیث میں راحلۃ (حدیث ۵۰۷) ہے اور راحلہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جس پر کجاوہ وغیرہ بندھا ہوا ہو، ایسی حالت میں اونٹ شرارت نہیں کرتا، اسی طرح اگر اگلے پیر میں رسّی باندھ دی جائے تو بھی خاموش بیٹھا رہتا ہے، حرکت نہیں کرتا، پس اس کے قریب نماز پڑھنا جائز ہے۔

بَابُ مَنْ صَلَّى وَقُدَّامَهُ تَنُّوْرٌ، أَوْ نَارٌ، أَوْ شَيْءٌ مِمَّا يُعْبَدُ، فَأَرَادَ بِهِ وَجْهَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ

نمازی کے سامنے تندور یا آگ یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی پرستش کی جاتی ہے اور وہ اللہ کے لئے نماز پڑھے تو کیا حکم ہے؟

ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے سامنے تندور یا چولھا جل رہا ہے یا آگ، انگیٹھی یا موم بتی وغیرہ جل رہی ہے یا کوئی ایسی چیز ہے جس کی غیر مسلم پرستش کرتے ہیں مثلاً صلیب لٹک رہی ہے یا ہنومان وغیرہ کی تصویر ہے: ایسی جگہ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر نماز پڑھنے والا لوجہ اللہ نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے وہم وگمان میں بھی آگ اور تصویر وغیرہ کی تعظیم نہیں ہے تو وہاں نماز پڑھنا صحیح ہے مگر فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے اس لئے کہ اس میں غیر اللہ کی پرستش کا شائبہ ہے، پس حتی الامکان ایسی جگہ نماز پڑھنے سے بچنا چاہئے۔

فائدہ: تنور: اردو میں تندور بن جاتا ہے اور نمازی کے سامنے آگ ہو تو اس میں مجوسیوں کے ساتھ مشابہت ہے، مجوسی آگ کو پوجتے ہیں اور وہ آگ کو بالکل سامنے رکھتے ہیں پس اگر نمازی کے سامنے موم بتی جل رہی ہو اور وہ کسی اونچی جگہ رکھی ہوئی ہو تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔

[۵۱-] بَابُ مَنْ صَلَّى وَقُدَّامَهُ تَنُّوْرٌ، أَوْ نَارٌ، أَوْ شَيْءٌ مِمَّا يُعْبَدُ، فَأَرَادَ بِهِ وَجْهَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: أَخْبَرَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ وَأَنَا أُصَلِّيْ"

[۴۳۱-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ قَالَ: "أُرِيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ" [راجع: ۲۹]

ترجمہ: ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میرے سامنے نماز پڑھنے کی حالت میں جہنم لائی گئی .... اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سورج گہن ہوا پس نبی ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی پھر فرمایا: "مجھے جہنم دکھائی گئی، پس میں نے آج جیسا گھبرا دینے والا منظر کبھی نہیں دیکھا"

تشریح: یہ حدیث بار بار گذری ہے، نبی ﷺ کو صلوٰۃ کسوف میں نماز کے دوران جدار قبلی میں جنت وجہنم کا منظر دکھایا گیا، اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا کہ اگر نمازی کے سامنے آگ ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں، مگر تقریب تام نہیں، اس لئے کہ یہ عالم مثال کی آگ تھی، عالم ناسوت کی آگ نہیں تھی۔

اس کی نظیر: جب نمازیں فرض ہوئیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو دن آپؐ کو نمازیں پڑھائیں اس واقعہ سے یہ

استدلال کرنا کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز درست ہے، اس لئے درست نہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عالم مثال میں امامت کی تھی، عالم ناسوت میں امامت نہیں کی تھی، صحابہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو نہیں دیکھ رہے تھے، اور آنحضور ﷺ اور صحابہ عالم ناسوت میں تھے، اس لئے اس سے متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء کے جواز پر استدلال کرنا درست نہیں، اسی طرح صلوٰۃ کسوف میں آنحضور ﷺ کے سامنے جو جہنم لائی گئی تھی وہ عالم مثال کی جہنم تھی، عالم ناسوت کی نہیں تھی اس لئے اس سے بھی استدلال درست نہیں۔

بابُ کَرَاهِيَةِ الصَّلٰوةِ فِی الْمَقَابِرِ

قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

باب کی حدیث میں نبی ﷺ نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

پہلی بات: تمہارے گھروں میں تمہاری نمازوں میں سے کچھ کردانو یعنی سب نمازیں مسجد میں مت پڑھو، گھروں میں بھی کچھ نمازیں پڑھو، اس سے گھر میں برکت ہوگی، شیاطین وہاں سے ہٹ جائیں گے، جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہے وہاں سے شیاطین بھاگتے ہیں اور گھر کے دیگر افراد: بیوی بچوں کو ترغیب ہوگی۔

مگر اس حکم سے فرائض مستثنیٰ ہیں، ان کو مسجد میں پڑھنا ہے، کیونکہ مسجدیں فرائض کی ادائیگی کے لئے بنائی گئی ہیں پس اگر لوگ فرض نمازیں بھی گھروں میں پڑھیں گے تو مسجدیں ویران ہوجائیں گی، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''تمہاری نمازوں میں زیادہ فضیلت والی نماز وہ ہے جسے تم گھروں میں پڑھو، مگر فرائض مستثنیٰ ہیں (ترمذی حدیث ۴۵۹) یعنی فرائض مسجدوں میں پڑھنے ہیں، اور علماء نے واجب اور سنن مؤکدہ کو بھی فرائض کے تابع کیا ہے ان کے علاوہ دیگر نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے، مزید وضاحت کتاب التہجد (باب ۳۷) میں آئے گی۔

دوسری بات: اور گھروں کو قبرستان مت بناؤ، اس جملہ کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں:

ایک: گھروں میں مردوں کو دفن مت کرو، تدفین گورغریباں میں ہونی چاہئے، اس لئے کہ گھروں میں نمازیں پڑھنی ہونگی، پس اگر گھروں میں قبریں ہونگی تو ہوسکتا ہے نماز میں قبر سامنے پڑے، جبکہ قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔

دوم: گھروں کو اعمال سے ویران مت کرو، جیسے قبرستان اعمال سے ویران ہیں، وہاں کوئی عمل نہیں ہوتا، ہر شخص مرا پڑا ہے اس طرح گھروں کو اعمال سے معطل مت کرو، وہاں نمازیں پڑھو، اعمالِ صالحہ سے ان کو آباد کرو۔

ملحوظہ: اور آنحضور ﷺ کی تدفین جو مکان میں ہوئی ہے وہ آپ کی خصوصیت ہے۔

مسئلہ: اگر قبرستان بڑا ہو اور بعض حصہ میں قبریں نہ ہوں یا نمازی کے سامنے دیوار وغیرہ ہو تو قبرستان میں نماز پڑھنا

جائز ہے، اگرچہ قبلہ کی جانب میں قبریں (مستور) ہوں، اسی طرح کہیں قبرستان میں جنازہ پڑھنے کی جگہ بنی ہوئی ہوتی ہے مگر سامنے دیوار ہوتی ہے اس لئے وہاں جنازہ پڑھنے میں کچھ حرج نہیں۔

[٥٢-] بابُ كَرَاهِيَةِ الصَّلٰوةِ فِيْ الْمَقَابِرِ

[٤٣٢-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىٰ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ، عَنِ ابنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " اجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلاَتِكُمْ، وَلاَ تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا" [انظر: ١١٨٧]

بابُ الصَّلٰوةِ فِيْ مَوَاضِعِ الْخَسْفِ وَالْعَذَابِ

دھنسی ہوئی زمین میں اور جہاں عذاب آیا ہے وہاں نماز پڑھنا

خَسْف کے معنی ہیں: زمین کا دھنسنا، جو ایک عذاب ہے، اللہ تعالیٰ کا عذاب مختلف شکلوں میں آتا ہے، جہاں زمین دھنسی ہے یا کوئی اور عذاب آیا ہے وہاں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، روایات پڑھ کر خود فیصلہ کرو کہ ایسی جگہوں میں نماز پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

سب سے پہلے حضرتؒ یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب لشکر کے ساتھ صفین جا رہے تھے تو راستہ میں بابل (1) پڑا، وہاں عصر کی نماز کا وقت ہوگیا، حضرت علیؓ نے وہاں نماز پڑھنے کو پسند نہیں کیا، اس علاقہ سے نکل کر نماز پڑھی، پھر فرمایا: ''مجھے نبی ﷺ نے بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اس لئے کہ وہ جگہ ملعون ہے'' یہ حدیث ابو داؤد میں ہے اور حد درجہ ضعیف ہے۔

اور اس کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں:

پہلا مطلب: نبی ﷺ نے بابل کی سرزمین میں نماز پڑھنے سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ وہاں کوئی عذاب آیا ہے، کیا عذاب آیا ہے؟ یہ بات معلوم نہیں، مگر کوئی عذاب ضرور آیا ہے اس لئے آپؐ نے وہاں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ امام بخاریؒ نے اسی مطلب کا لحاظ کر کے باب رکھا ہے کہ جہاں کوئی عذاب آیا ہو وہاں نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

دوسرا مطلب: آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس ارشاد کے ذریعہ تنبیہ کی ہے کہ وہ خلافت کو کوفہ نہ لے جائیں، آنحضور ﷺ کے بعد تین خلفاء مدینہ منورہ میں رہے، پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو خلافت کو کوفہ لے گئے، کوفہ کو دار السلطنت بنایا، کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی تھی، اس لئے ان سے نبرد آزما ہونا ضروری تھا اور مدینہ سے شام تک لشکر بھیجنے میں دشواری تھی، اس لئے آپؓ نے کوفہ کو دار الخلافہ بنایا تا کہ بہ سہولت حضرت

(1) بابل: اردو میں باء کے پیش کے ساتھ اور عربی میں باء کے زیر کے ساتھ ہے ۱۲

معاویہؓ سے نمٹا جا سکے، کوفہ سے شام قریب ہے اور نبی ﷺ کے زمانہ میں کوفہ نہیں تھا، کوفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بسایا ہے اس لئے نبی ﷺ نے بابل کا لفظ استعمال کیا جو کوفہ کے قریب معروف جگہ ہے وہاں نماز مت پڑھنا یعنی کوفہ میں خلافت نہ لے جانا، کیونکہ وہاں خلافت لے جائیں گے تو وہاں نمازیں بھی پڑھیں گے۔

اس کی نظیر: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دم عثمانؓ کا مطالبہ کرنے کے لئے عراق جا رہی تھیں تو ایک جگہ کتے بھونکنے لگے، حضرت عائشہؓ نے پوچھا: یہ کونسی جگہ ہے؟ بتایا گیا: فلاں جگہ ہے، حضرت عائشہؓ اس جگہ کا نام سن کر سہم گئیں، انھوں نے واپس لوٹنے کا ارادہ کیا اور کہا کہ ایک مرتبہ ہم ازواج آنحضور ﷺ کے پاس جمع تھیں، اس وقت آپؐ نے فرمایا تھا: ''تم میں سے ایک پر فلاں جگہ کے کتے بھونکیں گے'' یہ وہی جگہ ہے، اس لئے حضرت عائشہؓ نے واپس لوٹنے کا ارادہ کیا مگر لوگوں نے تاویل کر کے ان کا ذہن صاف کر دیا اور وہ آگے بڑھیں اور جنگ جمل ہوئی۔

پس جس طرح حضرت عائشہؓ کو ایک اشارہ دیا تھا اگرچہ نبی ﷺ نے ان کا نام نہیں لیا تھا اسی طرح اس حدیث میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ وہ کوفہ کو دار الخلافہ نہ بنائیں مگر اس مصلحت سے جو میں نے ابھی بیان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دار الخلافہ بنایا —— جاننا چاہئے کہ پہلا مطلب راجح ہے اور اس کی وجہ آگے آ رہی ہے۔

اور دوسری حدیث باب میں یہ لائے ہیں کہ جب نبی ﷺ تبوک تشریف لے جا رہے تھے تو ثمود کے علاقہ سے گذرے، آپؐ نے پہلے ہی سے صحابہ کو ہدایت دی تھی کہ اس علاقہ سے روتے ہوئے گذرو، اور رونا نہ آئے تو رونی صورت بنا کر گذرو، اور خود آپؐ نے بھی سر مبارک جھکا دیا، اور سواری تیز کر دی، اور اس علاقہ سے گذر گئے۔ اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ جب معذبین کے علاقہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں تو وہاں نماز پڑھنے کی بدرجۂ اولیٰ اجازت نہ ہوگی۔

[۵۳-] بابُ الصَّلٰوۃِ فِیْ مَوَاضِعِ الْخَسْفِ وَالْعَذَابِ

وَیُذْکَرُ أَنَّ عَلِیًّا رضی اللہ عنہ کَرِہَ الصَّلَاۃَ بِخَسْفِ بَابِلَ.

[۴۳۳-] حدثنا إِسْمَاعِیْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ مَالِکٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ دِیْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رضی اللّٰہ عَنْہُمَا: أَنَّ رسولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ''لَا تَدْخُلُوْا عَلٰی ھٰؤُلَآءِ الْمُعَذَّبِیْنَ إِلَّا أَنْ تَکُوْنُوْا بَاکِیْنَ، فَإِنْ لَمْ تَکُوْنُوْا بَاکِیْنَ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَیْھِمْ، لَا یُصِیْبُکُمْ مَا أَصَابَھُمْ''

[انظر: ۳۳۸۰، ۳۳۸۱، ۴۴۱۹، ۴۴۲۰، ۴۷۰۲]

وضاحت: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث جس میں نبی ﷺ نے ان کو بابل میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے ابوداؤد میں ہے اور وہ حد درجہ ضعیف ہے، اس لئے امام بخاریؒ وہ مرفوع حدیث نہیں لائے بلکہ موقوف حدیث لائے کہ حضرت علیؓ نے بابل میں نماز پڑھنے کو ناپسند کیا۔

اوراس حدیث کے علماء نے جو دو مطلب بیان کئے ہیں ان میں سے پہلا مطلب راجح ہے، اس لئے کہ دوسرے مطلب پر بنیادی اشکال یہ ہوگا کہ جب نبی ﷺ نے منع فرمایا تھا تو پھر حضرت علیؓ نے کوفہ کو دارالخلافہ کیوں بنایا؟ علاوہ ازیں: ابوداؤد کی حدیث میں لأنها ملعونة بھی ہے، اس میں صاف اشارہ ہے کہ بابل میں عذاب نازل ہوا ہے اس لئے وہاں نماز پڑھنا ممنوع ہے، نیز بابل کوفہ کے علاقہ میں نہیں ہے، اگر بابل کوفہ کے علاقہ میں ہوتا تو حضرت علیؓ نے جس طرح وہاں نماز پڑھنے کو ناپسند کیا تھا آپؓ کوفہ میں بھی نماز نہ پڑھتے، ان وجوہ سے پہلا مطلب راجح ہے اور امام بخاریؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ معذّب جگہوں میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے، اور حضرت علیؓ کی یہ معلق حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: مت داخل ہوؤ تم ان عذاب دیئے ہوؤں پر مگر یہ کہ تم رونے والے ہوؤ، پس اگر تم رونے والے نہ ہوؤ تو ان پر داخل مت ہوؤ، یعنی اگر کوئی دوسرا راستہ ہو تو معذبین کے علاقہ سے مت گذرو بلکہ دوسرے راستہ سے گذرو، اور مجبوری ہو، کوئی دوسرا راستہ نہ ہو تو پھر روتے ہوئے یا روہانی صورت بنا کر گذرو، اگر رونا نہ آئے اور روہانی صورت بھی نہ بنا سکو تو پھر وہاں سے مت گذرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی وہ عذاب پہنچ جائے جو ان کو پہنچا تھا۔

سوال: ثمود پر ہزاروں سال پہلے عذاب آیا تھا، اس عذاب کا اثر اب کیسے ظاہر ہوگا؟

جواب: متفق علیہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل پر بھیجا گیا تھا، وہ عذاب بالکلیہ ختم نہیں ہوا، وقتاً فوقتاً اس کا اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے پس قوم ثمود پر جو عذاب آیا تھا اس کے اثرات بھی باقی رہ سکتے ہیں۔

اس کی نظیر: کوئی بھی باطل نظریہ جب ایک مرتبہ وجود میں آجاتا ہے تو وہ بالکلیہ ختم نہیں ہوتا، خواہ اس نظریہ کے حامل ختم ہو جائیں، جیسے معتزلہ کا نظریہ تھا کہ عقل ونقل میں تعارض ہو تو بالادستی عقل کو حاصل ہوگی، اور اہل السنہ والجماعہ کا عقیدہ تھا کہ نقل عقل پر مقدم ہوگی، آج اگرچہ معتزلہ نہیں رہے مگر ان کا نظریہ مودودیوں کی صورت میں باقی ہے، وہ بھی عقل کو نقل پر ترجیح دیتے ہیں، اسی طرح کسی قوم پر جو عذاب آتا ہے وہ بھی بالکلیہ ختم نہیں ہوتا، وقتاً فوقتاً اس کا اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

سابقہ باب سے مناسبت: بعض قبریں بھی عذاب کی جگہ ہوتی ہیں، اس لئے امام بخاریؒ **کراهية الصلوة فی المقابر** کے بعد یہ باب لائے ہیں کہ مواضع عذاب میں نماز مت پڑھو، یہ دونوں بابوں میں مناسبت ہے اور مواضع عذاب میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے یعنی اس جگہ اگر کوئی نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی مگر خلافِ اولی ہے، کیونکہ مواضع عذاب میں ٹھہرنا اور وہاں نماز پڑھنا بڑی جسارت کی بات ہے اور آثار عذاب سے لاپرواہی ہے۔

بابُ الصَّلاَةِ فِی الْبِیْعَةِ

چرچ میں نماز پڑھنا

یہود ونصاری کے معابد میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ مندر میں نماز پڑھنے کا مسئلہ حضرتؒ نے نہیں چھیڑا اس لئے کہ

جزیرۃ العرب میں کوئی مشرک نہیں رہا تھا، مگر یہود و نصاری تھے، وہ اسلامی ملک کے شہری تھے وہاں ان کے عبادت خانے تھے اس لئے یہ مسئلہ بیان کیا کہ یہود و نصاری کے معابد میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر وہاں تصویریں ہوں تو ان میں داخل ہونا ہی ممنوع ہے چہ جائیکہ نماز پڑھنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام گئے تھے تو راستہ میں ایک جگہ ایک پادری کے مہمان بنے، اس نے حضرت عمرؓ کی دعوت کی اور چرچ دیکھنے کی درخواست کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہم تمہارے چرچوں میں داخل نہیں ہوتے اس لئے کہ وہاں ایسے مجسمے ہیں جن میں صورتیں اور تصویریں ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چرچ دیکھنے نہیں گئے، یہی حکم مندروں کا بھی ہے۔

میں رنگون گیا تھا وہاں بدھسٹوں کا ایک بہت بڑا مندر ہے، دنیا بھر کے لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں، مجھ سے بھی دوستوں نے اس کو دیکھنے کے لئے کہا، میں نے منع کر دیا، کیونکہ وہاں چاروں طرف گوتم بدھ کی مورتیاں ہیں، وہاں جانے کا کوئی جواز نہیں، پھر وہ مجھے ایک جھرنا دکھانے کے لئے لے گئے جو پہاڑ کے اندر سے بہتا ہے، جب اس کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ چاروں طرف بُدھا کی تصویریں ہیں، میں نے احباب سے کہا: واپس چلو، مجھے جھرنا نہیں دیکھنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا ہے کہ چرچوں میں تصویریں اور مجسمے ہوتے ہیں اس لئے ہم چرچوں میں نہیں جاتے، پس وہاں نماز پڑھنے کا کیا سوال ہے؟ اور یہی حکم مندروں کا بھی ہے۔

البتہ اگر غیر مسلموں کے عبادت خانہ میں تصویریں وغیرہ ممنوعات شرعیہ نہ ہوں تو پھر وہاں جانا بھی جائز ہے اور وہاں نماز پڑھنا بھی جائز ہے، مثلاً کسی چرچ یا مندر کا بڑا احاطہ ہے، تصویریں اور مورتیاں اپنی جگہ ہیں اس احاطہ میں کوئی مورتی اور تصویر نہیں تو اس احاطہ میں جانا بھی جائز ہے اور وہاں نماز پڑھنا بھی جائز ہے، اس سلسلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل ہے وہ چرچ میں نماز پڑھتے تھے مگر جس چرچ میں تصویریں ہوتی تھیں اس میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔

ملحوظہ: بِیْعة: نصاری کے عبادت خانہ کو کہتے ہیں، اور یہودیوں کے عبادت خانہ کو صَومَعة کہتے ہیں۔

[٥٤-] بابُ الصَّلاَۃِ فِیْ الْبِیْعَةِ

[١-] وَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہَ عَنْہُ: إِنَّا لاَ نَدْخُلُ کَنَائِسَکُمْ مِنْ أَجْلِ التَّمَاثِیْلِ الَّتِی فِیْهَا الصُّوَرُ.

[٢-] وَکَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ یُصَلِّیْ فِی الْبِیْعَةِ إِلاَّ بِیْعَةً فِیْهَا تَمَاثِیْلُ.

[٤٣٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلاَمٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ ذَکَرَتْ لِرَسولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیه وسلم کَنِیْسَةً، رَأَتْهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ، یُقَالُ لَهَا: مَارِیَةُ، فَذَکَرَتْ لَهُ مَا رَأَتْ فِیْهَا مِنَ الصُّوَرِ، فَقَالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیه وسلم: "أُولٰئِکَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِیْهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ أَو: الرَّجُلُ الصَّالِحُ، بَنَوْا عَلٰی قَبْرِہِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوْا فِیْهِ تِلْکَ الصُّوَرَ، أُولٰئِکَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰہِ"[راجع: ٤٢٧]

وضاحت: یہ وہی حدیث ہے جو چند ابواب پہلے گذری ہے کہ نبی ﷺ مرض وفات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کمرہ میں چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اور ازواج مطہرات سب جمع تھیں، حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے ایک چرچ کا تذکرہ کیا جو انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا جس کا نام ماریہ تھا، اور یہ بات بھی ذکر کی کہ اس میں تصویریں تھیں، جب نبی ﷺ نے یہ بات سنی تو آپؐ نے سر سے چادر ہٹائی اور فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں کوئی نیک بندہ مرجاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس میں اس نیک بندے کی تصویر بناتے، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاری کے عبادت خانوں میں اگر تصویریں اور مجسمے ہوں تو وہاں نماز نہیں پڑھنی چاہئے، البتہ اگر وہاں ممنوعات شرعیہ نہ ہوں تو پھر وہاں جانے میں اور نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس تشریف لے گئے ہیں تو آپؓ وہاں کے چرچوں میں گئے ہیں، اتفاق سے نماز کا وقت آگیا تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا: یہاں سے چلو، نماز کا وقت ہوگیا ہے، چرچ کے پادری نے کہا: حضرت یہیں نماز پڑھ لیجئے، آپؓ نے انکار کیا اور فرمایا کہ اگر میں یہاں نماز پڑھوں گا تو مسلمان اس جگہ کا دعوی کریں گے کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز پڑھی ہے اس لئے یہ جگہ ہماری ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں نماز نہیں پڑھی وہاں سے نکل کر دوسری جگہ نماز پڑھی، اس چرچ میں تصویریں نہیں تھیں اس لئے حضرت عمرؓ وہاں گئے اور نماز اس لئے نہیں پڑھی کہ آئندہ مسلمان اس جگہ کا دعوی نہ کریں، معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے عبادت خانہ میں اگر ممنوعات شرعیہ نہ ہوں تو جانا اور نماز پڑھنا جائز ہے۔

فائدہ: تماثیل: تمثال کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: پیکر محسوس، اور وہ پیکر جو کسی جاندار کی صورت ہو اس کے لئے الصُّور لفظ ہے ـــــ اور ماریہ کسی عورت کا نام ہے اس نے وہ چرچ بنایا ہوگا، اور یہ وہی لفظ ہے جو عربی میں مریم بنا ہے اور انگریزی میں 'میری' ہے۔

بابٌ

یہ باب کالفصل من الباب السابق ہے، اور اس باب کی حدیث سے اوپر والے باب پر الگ طرح سے استدلال کرنا ہے، یہود و نصاری کے معابد میں اگر تماثیل نہ ہوں تو بھی وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے، ابھی میں نے کہا تھا کہ یہود و نصاری کے عبادت خانوں میں تصاویر نہ ہوں تو ان میں داخل ہونا جائز ہے اور ان میں نماز بھی پڑھ سکتے ہیں مگر وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ صالحین کے پڑوس میں وہ معابد بنائے گئے ہیں، وہ معابد درحقیقت انہی قبروں کی وجہ سے بنائے گئے ہیں، پہلے قبریں بنتی ہیں پھر ان کے پڑوس میں وہ معابد بنائے جاتے ہیں، پس وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اسی کے حکم میں وہ مسجدیں ہیں جن کے پاس نیک لوگوں کی قبریں بنائی گئی ہیں، بریلویوں میں اس کا بہت رواج ہے، بلکہ اب تو دیوبندی بھی ان کے قریب پہنچ گئے ہیں، صرف ایک بالشت کا فرق رہ گیا ہے، یہ بات حضرت مولانا محمد منظور نعمانی قدس سرہ نے خود مجھ سے کہی

ہے۔ حضرت قدس سرہ کا پوری زندگی بریلویوں سے مقابلہ اور مناظرہ رہا ہے، اس لئے وہ دیو بندیت سے بھی واقف ہیں اور بریلویت کی رگ رگ سے بھی واقف ہیں، انھوں نے خود مجھ سے یہ بات فرمائی ہے۔

[۵۵-] بابٌ

[۴۳۵، ۴۳۶-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، قَالَا: لَمَا نَزَلَ بِرَسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً لَهُ عَلٰى وَجْهِهِ، فَإِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ، فَقَالَ وَهُوَ كَذٰلِكَ: "لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اتَّخُذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ" يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا.

[انظر: ۱۳۳۰، ۱۳۹۰، ۳۴۵۳، ۳۴۵۴، ۴۴۴۱، ۴۴۴۳، ۴۴۴۴، ۵۸۱۵، ۵۸۱۶]

[۴۳۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ"

ترجمہ: حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ کا مرض موت شروع ہوا تو آپؐ اپنی چادر بار بار چہرہ پر ڈالتے تھے، پھر جب گھٹن محسوس ہوتی تو چہرہ کھول دیتے، آپؐ نے اسی حال میں فرمایا: ''یہود ونصاری پر اللہ کی لعنت! انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا'' آپؐ ڈرا رہے تھے اُس عمل سے جو انھوں نے کیا۔

تشریح: یہ حدیث گذر چکی ہے، البتہ یہ الفاظ یُحَذِّر ما صنعوا: پہلی بار آئے ہیں، یعنی آنحضور ﷺ نے اپنی امت کو اس بات سے ڈرایا ہے کہ قبر اطہر کے ساتھ اور صالحین کی قبروں کے ساتھ وہ معاملہ نہ کریں جو یہود ونصاری نے اپنے صلحا اور انبیاء کی قبروں کے ساتھ کیا ہے، اب قبر اطہر مسجدِ نبوی میں ہے، جب قبر اطہر بنی تھی اس وقت وہ مسجد سے علاحدہ تھی پھر بعد میں جب مسجد کی توسیع کی گئی تو قبر اطہر مسجد میں آگئی، اور یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے اور اس کی وجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمائی ہے کہ اگر قبر اطہر گورغریباں میں بنتی تو وہاں لوگ اس کو سجدہ کرتے اور کنٹرول کرنا مشکل ہوجاتا اس لئے قبر اطہر کمرہ میں بنی تاکہ وہاں خرافات نہ ہوں، آج بھی قبر اطہر پر خرافات نہیں ہوتے، سعودی گورنمنٹ اس سلسلہ میں بہت سخت ہے، بلکہ دیو بندیوں کی مسجدوں کے پاس جو قبریں بنی ہوئی ہیں ان میں بھی ابھی خرافات وبدعات نہیں ہوتیں، مگر آگے اندیشہ ہے، اس لئے کہ ابھی اللہ کے فضل سے دیو بندیوں میں علم ہے، جب دیو بندیوں میں بھی جہالت آئے گی تو سب خرافات شروع ہوجائیں گے اللہ تعالیٰ اس برے دن سے امت مسلمہ کی حفاظت فرمائیں۔

قولہ: اتخذوا قبور: اس جملہ کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں: ایک: جہاں انبیاء اور اولیاء کی قبریں ہوں وہاں مسجد تعمیر نہ کی جائے۔ دوم: انبیاء اور اولیاء کی قبروں پر سجدے نہ کئے جائیں جیسے بریلوی قبروں پر باقاعدہ نماز کی طرح سجدہ

کرتے ہیں۔

حدیث کے یہ دونوں مطلب ہوسکتے ہیں اور یہ دونوں کام موجب لعنت ہیں، اللہ کے رسولؐ نے یہود ونصاری پر یہ کام کرنے کی وجہ سے لعنت فرمائی ہے، پس اگر آپؐ کی امت یہ کام کرے گی تو وہ بھی لعنت کی مستحق ہوگی۔

بابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: جُعِلَتْ لِیَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا

ساری زمین نماز پڑھنے کی جگہ اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے

یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لائے ہیں اوپر جو ابواب آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جگہ نماز پڑھنا ناجائز یا مکروہ ہے جب کہ حدیث میں ہے کہ ساری زمین نبی ﷺ کے لئے نماز پڑھنے کی جگہ بنائی گئی ہے، اس لئے یہ باب لاکر اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ ساری زمین بالذات نماز پڑھنے کی جگہ ہے اور بعض جگہ نماز پڑھنا جو ممنوع یا مکروہ ہے وہ بالغیر ممنوع یا مکروہ ہے، مثلاً جگہ ناپاک ہے اس لئے وہاں نماز پڑھنا جائز نہیں، یہ غیر کی وجہ سے ممانعت ہے اگر یہ عارض نہ ہوتا تو وہاں نماز پڑھنا جائز ہوتا۔ ترمذی میں حدیث ہے: نبی ﷺ نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع کیا (ترمذی حدیث ۳۴۶) اسی طرح اوپر ابواب میں جو بعض جگہ نماز پڑھنے کی ممانعت یا کراہت آئی ہے وہ بھی ممانعت اور کراہت لغیرہ ہے، ورنہ فی نفسہ ساری زمین آنحضور ﷺ کے لئے اور آپؐ کی امت کے لئے نماز پڑھنے کی جگہ بنائی گئی ہے۔

[۵۶-] بابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: جُعِلَتْ لِیَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا

[۴۳۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَيَّارٌ، هُوَ أَبُوْ الْحَكَمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ الْفَقِيْرُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: " أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِيْ: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا، وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِيْ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلٰى النَّاسِ كَافَّةً، وَأُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ "[راجع: ۳۳۵]

وضاحت: یہ حدیث کتاب التیمم کے شروع میں گذرچکی ہے، تفصیل وہاں پڑھیں، اور آنحضور ﷺ کا جو رعب کافروں پر پڑتا تھا اور ایک ماہ کی مسافت تک پڑتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ کے دشمن اس وقت ایک ماہ کی مسافت تک تھے ——— اور وأیما رجل: کا تعلق دوسرے جملہ سے ہے، اور گیلری میں واؤ کے بجائے فا ہے فأیما رجل: اور یہی صحیح ہے، پس یہ بات دوسری خصوصیت پر متفرع ہے، یعنی جہاں بھی نماز کا وقت ہوجائے نماز پڑھ لی جائے، یہ اس امت کی خصوصیت ہے دیگر امتوں کے لئے نماز معابد میں پڑھنا ضروری تھا۔

بابُ نَوْمِ الْمَرْأَةِ فِي الْمَسْجِدِ

عورت کا مسجد میں سونا

یہ باب عورتوں کے تعلق سے ہے۔عورت مسجد میں سوسکتی ہے یا نہیں؟ اور آئندہ باب مردوں کے تعلق سے آرہا ہے، اور دونوں بابوں کا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں سونے کا کیا حکم ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس کا قیام مسجد میں ہو وہ مسجد میں سوسکتا ہے، مثلاً کوئی مسافر ہے جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں وہ مسجد میں ٹھہرا ہوا ہے تو وہ وہیں مسجد میں سو بھی سکتا ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اگرچہ مرد میں احتلام کا احتمال ہے اور عورت میں حیض شروع ہونے کا، مگر یہ احتمالات مسجد میں سونے کے لئے مانع نہیں، اسی طرح کوئی شخص مسجد میں ہے اور نیند غالب آگئی تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔

باب کی حدیث میں ایک واقعہ ہے، ایک حبشن تھی جو عرب کے کسی قبیلہ کی باندی تھی، مالک نے اس باندی کو آزاد کردیا اور اس زمانہ کا دستور تھا کہ غلام باندی آزاد ہوکر چلے نہیں جاتے تھے، بلکہ آزاد کرنے والے کے ساتھ ہی رہتے تھے اور وہ آزاد کرنے والے کے خاندان کا فرد سمجھے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک دلہن کا ہار گم ہوگیا، جو سرخ چمڑے کے تسمے کا بنا ہوا تھا، اتفاق سے وہاں سے ایک چیل گذری اس نے گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر اس کو اچک لیا، لوگوں نے اس باندی پر شک کیا، اس کو پکڑ کر مارا پیٹا، اور اس کی تلاشی لی حتی کہ شرم گاہ کی بھی تلاشی لی، ابھی تلاشی لی ہی جارہی تھی کہ اوپر سے چیل گذری اور اس نے وہ ہار ڈال دیا، اس باندی نے کہا: لو، تمہارا ہار یہ رہا، تم نے مجھ پر خواہ مخواہ شک کیا۔

اس واقعہ سے وہ حبشن ان لوگوں سے اتنی بددل ہوگئی کہ وطن کو چھوڑ کر مدینہ منورہ چلی آئی اور مسلمان ہوگئی، مدینہ میں اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اس لئے مسجدِ نبوی کے صحن میں اس کے لئے خیمہ لگایا گیا، وہ اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتی تھی اور ہمیشہ مجلس کے آخر میں ایک شعر پڑھتی تھی:

وَيَوْمُ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِيبِ رَبِّنَا ۞ أَلَا إِنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ أَنْجَانِيْ

اور ہار والا دن عجائبِ قدرت میں سے ہے ۞ سنو! اس نے مجھے دارالکفر سے نجات دی!

جب اس حبشن نے کئی مرتبہ یہ شعر پڑھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے پوچھا: ہار والا دن کیا ہے؟ پس اس نے یہ واقعہ سنایا۔

استدلال: اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ اس حبشن کے لئے مسجد میں کٹیا بنائی گئی تھی وہ وہیں رہتی تھی اور وہیں سوتی تھی، معلوم ہوا کہ عورت کے لئے مسجد میں سونا جائز ہے ——— مگر میں نے پہلے بتایا ہے کہ ابتدائی احوال اور بعد کے احوال میں فرق کرنا ضروری ہے، نیز مسجدِ شرعی اور مسجدِ عرفی کا فرق کرنا بھی ضروری ہے، عرف میں دونوں پر مسجد کا اطلاق کیا جاتا

ہے، مگر مسائل میں فرق کیا جاتا ہے، اس حبشن کی کٹیا مسجدِ شرعی میں نہیں بنائی گئی تھی بلکہ صحن مسجد میں بنائی گئی تھی، پس اس سے عورت کے مسجد میں سونے پر استدلال کرنا شاید استدلال تام نہیں۔

[۵۷-] بابُ نَوْمِ الْمَرْأَةِ فِي الْمَسْجِدِ

[۴۳۹-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ وَلِيْدَةً كَانَتْ سَوْدَاءَ، لِحَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ، فَأَعْتَقُوْهَا فَكَانَتْ مَعَهُمْ، قَالَتْ: فَخَرَجَتْ صَبِيَّةٌ لَهُمْ، عَلَيْهَا وِشَاحٌ أَحْمَرُ مِنْ سُيُوْرٍ، قَالَتْ: فَوَضَعَتْهُ أَوْ: وَقَعَ مِنْهَا، فَمَرَّتْ بِهِ حُدَيَّاةٌ، وَهُوَ مُلْقًى، فَحَسِبَتْهُ لَحْمًا، فَخَطِفَتْهُ، قَالَتْ: فَالْتَمَسُوْهُ فَلَمْ يَجِدُوْهُ، قَالَتْ: فَاتَّهَمُوْنِيْ بِهِ، قَالَتْ: فَطَفِقُوْا يُفَتِّشُوْنِيْ، حَتَّى فَتَّشُوْا قُبُلَهَا، قَالَتْ: وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَقَائِمَةٌ مَعَهُمْ، إِذْ مَرَّتِ الْحُدَيَّاةُ فَأَلْقَتْهُ، قَالَتْ: فَوَقَعَ بَيْنَهُمْ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: هٰذَا الَّذِيْ اتَّهَمْتُمُوْنِيْ بِهِ، زَعَمْتُمْ وَأَنَا مِنْهُ بَرِيْئَةٌ، وَهُوَ ذَا هُوَ، قَالَتْ: فَجَاءَ تْ إِلىٰ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَأَسْلَمَتْ، قَالَتْ: عَائِشَةُ فَكَانَتْ لَهَاخِبَاءٌ فِيْ الْمَسْجِدِ أَوْ: حِفْشٌ. قَالَتْ: فَكَانَتْ تَأْتِيْنِيْ فَتَحَدَّثُ عِنْدِيْ، قَالَتْ فَلاَ تَجْلِسُ عِنْدِيْ مَجْلِسًا إِلَّا قَالَتْ:

وَيَوْمُ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِيْبِ رَبِّنَا ۞ أَلَا إِنَّـهُ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ أَنْجَانِيْ

قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ لَهَا: مَاشَأْنُكِ لاَ تَقْعُدِيْنَ مَعِيْ مَقْعَدًا إِلَّا قُلْتِ هٰذَا؟ قَالَتْ فَحَدَّثَتْنِيْ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ.

[انظر: ۳۸۳۵]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ عرب کے کسی قبیلہ کی ایک کالی (حبشن) باندی تھی —— ولیدۃ کے معنی ہیں: لڑکی، اور باندی کو بھی ولیدۃ کہتے ہیں —— وہ دلہن تھی، اس کو بچی مجازاً کہا گیا ہے —— اس پر سرخ چمڑے کی پٹیوں کا زیور تھا، باندی کہتی ہے: اس نے وہ ہار رکھا یا وہ گر گیا پس وہاں سے ایک چیل گذری درانحالیکہ وہ ہار پڑا ہوا تھا چیل نے اس ہار کو گوشت سمجھا اور اس کو جھپٹ لیا، باندی کہتی ہے: پس ان لوگوں نے وہ ہار تلاش کیا اور اس کو نہیں پایا، باندی کہتی ہے: پس انھوں نے اس کا مجھ پر الزام رکھا، باندی کہتی ہے: پس انھوں نے میری تلاشی لینی شروع کی یہاں تک کہ انھوں نے اس کی شرم گاہ کی بھی تلاشی لی، باندی کہتی ہے: بخدا! میں ان کے ساتھ کھڑی تھی کہ اچانک وہ چیل گذری پس اس نے وہ ہار ڈال دیا، باندی کہتی ہے: پس وہ ہار ان کے درمیان میں گرا، باندی کہتی ہے: پس میں نے کہا: یہی وہ ہار ہے جس کا تم نے مجھ پر الزام دھرا ہے، تم نے گمان کیا ہے (کہ میں نے وہ ہار چرایا ہے) حالانکہ میں اس سے بری ہوں، لو وہ ہار یہ رہا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: پس وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئی اور مسلمان ہوگئی، صدیقہ فرماتی ہیں: پس اس کے لئے مسجد میں خیمہ یا کہا: کٹیا (چھوٹی جھونپڑی) تھی، صدیقہ فرماتی ہیں: پس وہ میرے پاس آتی تھی اور مجھ سے باتیں کرتی تھی، صدیقہ کہتی ہیں:

پس نہیں بیٹھتی تھی وہ میرے پاس کوئی بیٹھنا مگر کہتی تھی

اور ہار والا دن عجائبِ قدرت میں سے ہے ❁ سنو! اس نے مجھے دارالکفر سے نجات دی !

صدیقہ فرماتی ہیں: میں نے اس سے پوچھا: تیرا کیا معاملہ ہے تو جب بھی میرے پاس بیٹھتی ہے تو یہ بات کہتی ہے؟ صدیقہ فرماتی ہیں: پس اس نے مجھ پر یہ واقعہ بیان کیا۔

بابُ نَوْمِ الرِّجَالِ فِیْ الْمَسْجِدِ

مردوں کا مسجد میں سونا

اوپر بتلایا ہے کہ جس کے لئے مسجد میں قیام کی اجازت ہے اس کے لئے مسجد میں سونے کی بھی اجازت ہے اور جس کے لئے قیام کی اجازت نہیں اس کے لئے سونے کی بھی اجازت نہیں، مسافر اور وہ شخص جس پر نیند غالب آگئی اور بے ارادہ آنکھ لگ گئی ان کے لئے گنجائش ہے، پس عمومی احوال میں مسجد میں سونا نہیں چاہئے نہ دن میں اور نہ رات میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: لَایَتَّخِذُہ مَبِیْتًا وَمَقِیْلاً: مسجد کو رات میں سونے کی جگہ اور قیلولہ کرنے کی جگہ بنانا جائز نہیں۔

(ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ۱۲۵)

امام بخاری رحمہ اللہ سب سے پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی معلق حدیث لائے ہیں کہ نبی ﷺ نے قبیلۂ عکل کے لوگوں کو مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا، ان کا رہنا اور سونا سب مسجد میں تھا، اور دوسری معلق روایت حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی لائے ہیں کہ اصحابِ صفہ (چبوترے والے) فقراء اور غریب لوگ تھے، صفہ مسجدِ نبوی کا وہ حصہ تھا جس پر سائبان پڑا ہوا تھا اور جس میں نبی ﷺ کے مدرسہ کے نادار اور غریب طلبہ رہتے تھے، ان کے پاس دوسرا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، اس لئے ان کا رہنا سونا سب صفہ میں تھا۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہجرت کے بعد مسجدِ نبوی میں سوتے تھے، اس وقت وہ نوجوان تھے اور ان کی شادی نہیں ہوئی تھی، اسی طرح ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو کر گھر سے نکل گئے، جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ؐ نے ان کو تلاش کرایا، وہ مسجد میں سو رہے تھے اور بدن سے چادر گر گئی تھی اور بدن مٹی مٹی ہو گیا تھا، آپ ؐ وہاں تشریف لے گئے اور بدن صاف کرتے ہوئے فرمایا: قُمْ أَبَا تُراب! اے مٹی والے اٹھو، حضرت علیؓ کو یہ جملہ اتنا پسند آیا کہ انھوں نے یہی اپنی کنیت رکھ لی، ان تمام احادیث سے امام بخاریؒ کا استدلال یہ ہے کہ مردوں کے لئے مسجد میں سونا جائز ہے۔

[۵۸-] بابُ نَوْمِ الرِّجَالِ فِیْ الْمَسْجِدِ

[۱-] وَقَالَ أَبُوْ قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: قَدِمَ رَهْطٌ مِنْ عُكْلٍ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، وَكَانُوْا

فِیْ الصُّفَّةِ.

[۲-] وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِیْ بَكْرٍ: كَانَ أَصْحَابَ الصُّفَّةِ الْفُقَرَاءُ.

[۴۴۰-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ نَافِعٌ، قَالَ: أَخْبَرَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: أَنَّـهُ كَانَ يَنَامُ وَهُوَ شَابٌّ أَعْزَبُ لاَ أَهْلَ لَهُ، فِیْ مَسْجِدِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم.

[انظر: ۱۱۲۱، ۱۱۵٦، ۳۷۳۸، ۳۷٤۰، ۷۰۱۵، ۷۰۲۸، ۷۰۳۰]

قولہ: قدم رَهْطٌ: رھط کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے اور یہ آٹھ آدمی تھے، تین قبیلہ عکل کے، چار قبیلہ عرینہ کے اور ایک کسی اور قبیلہ کا تھا، ان کا تذکرہ پہلے آچکا ہے کہ ان کو مدینہ کی آب وہوا راس نہیں آئی، اور جوی بیماری ہوگئی تو آپؐ نے ان کو صدقات کے اونٹوں میں بھیج دیا اور ان کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا، یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں گذر چکی ہے۔

قولہ: وقال عبد الرحمن: یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جو کتاب مواقیت الصلوٰۃ (باب ۴۱) میں آئی ہے، اصحابِ صفہ غریب ونادار لوگ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرما رکھا تھا کہ جس کے پاس کھانے میں دو کی گنجائش ہو وہ تیسرے کو اور چار کی گنجائش ہو تو وہ پانچویں اور چھٹے کو لے جائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان میں سے تین کو ساتھ گھر لائے تھے (الی آخرہ)

حدیث (۱): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ مسجد نبوی میں سویا کرتے تھے درانحالیکہ وہ نوجوان تھے ان کی شادی نہیں ہوئی تھی، لا أهل له: أعزب کی تفسیر ہے اور فی مسجد النبی: جار مجرور ینامُ کے ساتھ متعلق ہیں۔

تشریح: امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی وجہ سے یہ بات فرمائی ہے کہ مسجد میں علی الاطلاق سونا جائز ہے، خواہ سونے والا مسافر ہو یا غیر مسافر، دن میں سوئے یا رات میں، اور یہ مسئلہ حضرتؒ نے کتاب الام میں لکھا ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک مسجد کو مَبیت (رات میں سونے کی جگہ) اور مَقیل (قیلولہ کرنے کی جگہ) بنانا جائز نہیں، البتہ معتکف اور مسافر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، ان کے لئے مسجد میں سونا جائز ہے، اور ان کی دلیل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ ایک مرتبہ مسجدِ نبوی میں سو رہے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گذر ہوا تو آپؐ نے ان کو پاؤں لگا کر بیدار کیا، اور فرمایا: ألا أراك نائِمًا فيه: کیا میں آپ کو مسجد میں سویا ہوا نہیں دیکھ رہا؟ یعنی مسجد میں کیوں سو رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: غَلَبَتْنِي عَيْنَایَ: یارسول اللہ! میری آنکھ لگ گئی تھی، یعنی میں بالقصد نہیں سویا، بے اختیار سو گیا، آپؐ نے عذر قبول کیا اور کچھ نہ فرمایا۔ یہ حدیث دارمی (۱: ۳۲۵) میں ہے، معلوم ہوا کہ مقامی لوگوں کے لئے مسجد میں سونا جائز نہیں، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ابتدائی احوال پر محمول ہے، جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچے ہیں تو مہاجرین کے پاس رہنے اور سونے کے لئے معقول انتظام نہیں تھا، اس لئے نوجوان مسجد میں سوتے تھے اور ان کے ماں باپ گھر میں سوتے تھے، پھر جب حالات بدل گئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں سے خطاب فرمایا: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! تَزَوَّجُوْا: اے نوجوانو! گھر بساؤ، غرض حضرت ابن عمرؓ وغیرہ نوجوانوں کا مسجد میں سونا عذر کی بناء پر تھا اس کے ذریعہ مسجد میں سونے کی عام اجازت پر استدلال کرنا درست نہیں۔

اسی طرح اصحابِ صفہ کا مسجد میں سونا بھی عذر کی بناء پر تھا، وہ فقراء اور مساکین تھے، ان کے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، وہ مسجد میں رہتے تھے، احادیث یاد کرتے تھے اور آنحضور ﷺ اور مسلمان ان کی کفالت کرتے تھے۔ اور جب طلبہ کی تعداد بڑھ جاتی اور چبوترہ پر جگہ نہ رہتی تو مسجد میں بھی سوتے تھے، جیسے بعض مدرسے مسجد میں قائم کئے جاتے ہیں، اور طلبہ مسجد میں سوتے ہیں، یہ سونا بر بناء عذر ہے، اگر دوسری جگہ موجود ہو تو طلبہ کے لئے مسجد میں سونا جائز نہیں، اور اگر مجبوری ہو، متبادل انتظام نہ ہو، تو پھر وقتی طور پر گنجائش ہے اور دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے مگر اربابِ مدرسہ کو چاہئے کہ پہلی فرصت میں دوسرا انتظام کریں۔

[۴۴۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِیْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِیْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: جَاءَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَيْتَ فَاطِمَةَ فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِی الْبَيْتِ، فَقَالَ: أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ؟ قَالَتْ: كَانَ بَيْنِیْ وَبَيْنَهُ شَيْئٌ، فَغَاضَبَنِیْ، فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِیْ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِإِنْسَانٍ: "انْظُرْ أَيْنَ هُوَ" فَجَاءَ فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! هُوَ فِی الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ، فَجَاءَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُضْطَجِعٌ، قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ، وَأَصَابَهُ تُرَابٌ، فَجَعَلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَمْسَحُهُ عَنْهُ، وَيَقُوْلُ: "قُمْ أَبَا تُرَابٍ! قُمْ أَبَا تُرَابٍ!" [انظر: ۳۷۰۳]

حدیث (۲): حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے، آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر میں نہیں پایا، آپؐ نے پوچھا: تمہارے چچازاد بھائی کہاں ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: میرے اور ان کے درمیان کچھ بات ہوگئی اور وہ ناراض ہو کر گھر سے چلے گئے، انھوں نے میرے پاس قیلولہ نہیں کیا، نبی ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: دیکھو وہ کہاں ہیں؟ وہ شخص تلاش کر کے واپس آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! وہ مسجد میں سو رہے ہیں، پس نبی ﷺ وہاں تشریف لے گئے درانحالیکہ وہ لیٹے ہوئے تھے اور ان کی چادر گرگئی تھی، اور ان کو مٹی لگی تھی (اس لئے کہ مسجد نبوی کا فرش کچا تھا) پس نبی ﷺ ان کے بدن سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا: اے مٹی والے اٹھو! اے مٹی والے اٹھو!

تشریح: اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ مقامی لوگ جن کے پاس سکونت ہے وہ بھی اگر کسی مصلحت سے مسجد میں سونا چاہیں تو کوئی تنگی نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کے مسجد میں سونے پر نکیر نہیں فرمائی۔

[۴۴۲-] حدثنا يُوْسُفُ بْنُ عِيْسٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِیْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ سَبْعِيْنَ مِنْ أَصْحَابِ الصُّفَّةِ، مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ، إِمَّا إِزَارٌ وَإِمَّا كِسَاءٌ، قَدْ رَبَطُوْا فِیْ أَعْنَاقِهِمْ، فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ، وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ، وَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ كَرَاهِيَةَ أَنْ تُرَى عَوْرَتُهُ.

حدیث (۳): حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ستر اصحابِ صفہ کو دیکھا ہے ان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کے پاس سوتی چادر ہو، یا تو لنگی ہوتی تھی یا اونی چادر ہوتی تھی (دو کپڑے کسی کے پاس نہیں ہوتے تھے) انھوں نے وہ چادر اپنی گردن میں باندھی ہوتی تھی، ان میں سے کوئی چادر نصف پنڈلی تک پہنچتی تھی اور کوئی ٹخنوں تک، پس وہ اس کو ہاتھوں سے پکڑے رہتا تھا، اس اندیشہ سے کہ اس کا ننگا پا دیکھا جائے۔

تشریح: رداء کے معنی ہیں: سوتی چادر اور کساء کے معنی ہیں: اونی چادر، اور اس حدیث میں اصحابِ صفہ کی تعداد ستر آئی ہے اور یہ تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، اور جب ان کی غربت کا یہ حال تھا کہ کسی کے پاس دو چادریں نہیں تھیں تو رہنے کا گھر کہاں سے ہوگا؟ وہ مسجد ہی میں رہتے تھے اور مسجد ہی میں سوتے تھے، معلوم ہوا کہ مسجد میں سونا جائز ہے۔ یہ اس حدیث سے استدلال ہے مگر تقریب تام نہیں اس لئے کہ اصحابِ صفہ کا مسجد میں سونا بر بناء عذر تھا، اور عذر میں مسجد میں سو سکتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مسجد میں لیٹے تھے، سونے کے ارادہ سے مسجد میں نہیں لیٹے تھے، بس اتفاقاً آنکھ لگ گئی تھی۔

بابُ الصَّلٰوۃِ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ

جب سفر سے لوٹے تو نفل نماز پڑھے

اب تین باب حقوق مسجد سے متعلق ہیں، دو مثبت پہلو سے اور ایک منفی پہلو سے، مثبت پہلو سے جو ابواب ہیں ان میں پہلا باب یہ ہے کہ جب آدمی لمبے سفر سے لوٹے تو محلّہ کی مسجد میں شکرانے کی دو نفلیں پڑھے، یہ مسجد کا حق ہے۔

مگر یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ نبی ﷺ سفر سے لوٹنے کے بعد مسجد میں جو دو نفلیں پڑھتے تھے وہ نماز فی نفسہ مطلوب تھی یا اس کا کوئی اور مقصد تھا؟ جیسے نبی ﷺ کا معمول تھا کہ آپؐ عیدگاہ ایک راستہ سے جاتے تھے اور دوسرے راستہ سے لوٹتے تھے، یہ حکم عام ہے یا امراء کے ساتھ خاص ہے؟ ایک رائے یہ ہے کہ یہ حکم امراء کے ساتھ خاص ہے، ان کو عیدگاہ راستہ بدل کر آنا جانا چاہئے اس لئے کہ امراء کو دیکھنے کا عوام میں غیر معمولی جذبہ پایا جاتا ہے، اگر امیر جس راستہ سے عیدگاہ گیا ہے اسی راستہ سے لوٹے گا تو واپسی میں وہاں بھیڑ جمع ہو جائے گی، اس لئے امیر ایک راستہ سے عیدگاہ جائے اور دوسرے راستہ سے لوٹے، تاکہ لوگ راستہ میں بھیڑ نہ کریں، نیز اس میں امیر کی حفاظت بھی ہے، جس راستہ سے گیا ہے اسی راستہ سے لوٹے گا تو دشمن گھات لگا سکتا ہے۔

مگر علماء کی عام طور پر رائے یہ ہے کہ یہ سنت عام ہے ہر شخص کے لئے یہ حکم ہے، مگر یہ بات غور طلب ہے۔ اگر یہ سنت عام ہوتی تو صحابہ اس پر عمل کرتے، حالانکہ صحابہ سے اس پر عمل کرنا مروی نہیں، صرف آنحضور ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ آپؐ راستہ بدل کر عیدگاہ آتے جاتے تھے، کسی صحابی کے بارے میں یہ بات مروی نہیں۔ آنحضور ﷺ کے بعد سو سال تک صحابہ کا دور ہے اگر یہ سنت عام ہوتی تو صحابہ کا اس پر ضرور عمل ہوتا۔

اسی طرح صرف آنحضور ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ آپؐ جب لمبے سفر سے لوٹتے تو مسجد میں دو نفلیں ادا فرماتے، مگر صحابہ کا یہ معمول نہیں تھا۔ میرے علم میں ایسی کوئی روایت نہیں کہ صحابہ بھی سفر سے لوٹنے کے بعد پہلے مسجد میں دو نفلیں پڑھتے ہوں۔

اس لئے شاید یہ نماز فی نفسہ مطلوب نہیں، بلکہ لغیرہ مطلوب ہے، آنحضور ﷺ جب سفر سے لوٹتے تو پہلے مسجدِ نبوی میں دو نفلیں پڑھتے اتنے میں شمع رسالت کے پروانے مسجدِ نبوی میں جمع ہوجاتے، آپؐ ان سے ملاقات فرماتے پھر گھر میں تشریف لے جاتے، پس جو لوگ مقتدی اور پیشوا ہیں اور جن سے ملنے کے لوگ مشتاق ہیں ان کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ سفر سے لوٹنے کے بعد فوراً گھر میں نہ چلے جائیں بلکہ پہلے مسجد میں جا کر دو نفلیں ادا کریں تاکہ اتنی دیر میں زیارت کے متمنی مسجد میں جمع ہوجائیں، پس ان سے ملاقات کرکے پھر گھر میں جائیں۔

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو حقوق مسجد میں لیا ہے کہ ہر شخص کو لمبے سفر سے لوٹنے کے بعد گھر میں داخل ہونے سے پہلے محلّہ کی مسجد میں دو نفلیں پڑھنی چاہئیں، یہ مسجد کا ایک حق ہے۔

[۵۹-] بابُ الصَّلاَةِ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيْهِ.

[۴۴۳-] حدثنا خَلاَّدُ بْنُ يَحْيىَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ فِيْ الْمَسْجِدِ- قَالَ مِسْعَرٌ: أُرَاهُ قَالَ: ضُحًى- فَقَالَ: صَلِّ رَكْعَتَيْنِ. وَكَانَ لِيْ عَلَيْهِ دَيْنٌ، فَقَضَانِيْ، وَزَادَنِيْ. [انظر: ۱۸۰۱، ۲۰۹۷، ۲۳۰۹، ۲۳۸۵، ۲۳۹۴، ۲۴۰۶، ۲۴۷۰، ۲۶۰۳، ۲۶۰۴، ۲۷۱۸، ۲۸۶۱، ۲۹۶۷، ۳۰۸۷، ۳۰۸۹، ۳۰۹۰، ۴۰۵۲، ۵۰۷۹، ۵۰۸۰، ۵۲۴۳، ۵۲۴۴، ۵۲۴۵، ۵۲۴۶، ۵۲۴۷، ۵۳۶۷، ۶۳۸۷]

حدیث (۱): غزوۂ تبوک میں تین مخلص صحابہ پیچھے رہ گئے تھے ان میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب ایک مہینہ کے بعد آنحضور ﷺ تبوک سے واپس لوٹے تو آپؐ سیدھے مسجدِ نبوی میں تشریف لے گئے اور وہاں دو رکعتیں ادا فرمائیں، اسی دوران پیچھے رہ جانے والے منافقین مسجد میں جمع ہوگئے اور انھوں نے جھوٹے اعذار پیش کئے آپؐ نے سب کے اعذار قبول فرمالئے، مگر ان تین مخلص صحابہ نے کوئی عذر پیش نہیں کیا بلکہ صاف کہہ دیا کہ یارسول اللہ! ہمارا کوئی عذر نہیں، محض مال ودولت اور آرام وآسائش نے ہمیں غزوہ سے پیچھے رکھا۔ یہ لمبا واقعہ ہے جو آئندہ بخاری میں آئے گا۔ دو ڈھائی صفحہ کی روایت ہے، اس واقعہ میں حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے غزوۂ تبوک سے لوٹنے کے بعد سب سے پہلے مسجد نبوی میں دو رکعتیں پڑھیں، اسی مناسبت سے یہاں یہ حدیث لائے ہیں۔

حدیث (۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس آیا درانحالیکہ آپؐ مسجدِ نبوی میں تھے۔ مسعر کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ میں چاشت کے وقت مسجد میں آیا، آپؐ نے فرمایا: دو رکعتیں پڑھ لو، اور میرا آپؐ پر قرض تھا، پس آپؐ نے میرا قرض چکایا اور مجھے زائد عطا فرمایا۔

تشریح: یہ حدیث بخاری شریف میں پچیس سے زائد مرتبہ آئی ہے اور یہاں بہت مختصر ہے، پورا واقعہ یہ ہے کہ ایک غزوہ سے واپسی پر جب مدینہ منورہ قریب آیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی کو بھگا رہے تھے، اونٹنی دُبلی اور مریل تھی، آنحضور ﷺ پیچھے سے آئے اور اونٹنی کو چھڑی ماری تو وہ برق رفتار ہوگئی، پھر آپؐ نے دریافت کیا کہ جلدی کیوں ہے؟ حضرت جابرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے شادی کی ہے، میں چاہتا ہوں کہ رات سے پہلے مدینہ پہنچ جاؤں، آپؐ نے پوچھا: کنواری سے شادی کی ہے یا بیوہ سے؟ انھوں نے کہا: بیوہ سے۔ آپؐ نے فرمایا: کنواری سے کیوں نہیں کی، تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی! انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ابا جان (حضرت عبداللہ) جنگ احد میں شہید ہوگئے ہیں اور انھوں نے سات یا فرمایا: نو بہنیں چھوڑی ہیں پس میں ایک ایسی عورت لایا ہوں جو ان بہنوں کو سنبھالے، یعنی اگر کنواری سے شادی کرتا تو گھر میں ایک لڑکی اور آجاتی، اس لئے ایک ذمہ دار عورت گھر میں لایا ہوں تا کہ وہ ان کی تربیت کرے، یہ سن کر آپؐ نے ان کو دعائیں دیں، پھر آپؐ نے فرمایا: یہ اونٹنی مجھے بیچ دو، حضرت جابرؓ نے عرض کیا: یہ تو نکمی تھی۔ آپؐ کی چھڑی کی برکت سے اس میں جان پڑی ہے، یہ آپؐ کی نذر ہے۔ آپؐ نے قبول نہ کی اور بیچنے پر اصرار کیا، چنانچہ آپؐ نے وہ اونٹنی چند اوقیہ چاندی کے بدل خرید لی، حضرت جابرؓ نے مدینہ تک اس پر جانے کی شرط کی تو آپؐ نے منظور کرلی۔ حضرت جابرؓ رات سے پہلے گھر پہنچ گئے، اور آپؐ کی عادت مبارکہ رات میں شہر میں داخل ہونے کی نہیں تھی اس لئے آپؐ نے مدینہ سے باہر قیام فرمایا، پھر صبح مدینہ میں داخل ہوئے۔ حضرت جابرؓ اونٹنی لے کر حاضر خدمت ہوئے اس وقت آپؐ مسجدِ نبوی میں تھے اور وہ چاشت کا وقت تھا۔ آپؐ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا: دو رکعتیں پڑھ لو، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ان کی رقم ادا کرنے کا انتظام کرو۔ حضرت بلالؓ آنحضور ﷺ کے خزانچی تھے، آنحضور ﷺ نے تول کر ان کو ثمن ادا کیا، حضرت جابرؓ ثمن لے کر جانے لگے آدھی مسجد تک پہنچے تھے کہ آپؐ نے ان کو واپس بلوایا، اور پوٹلی میں جو چاندی بچ گئی تھی وہ بھی ان کو عنایت فرمائی، پھر جب واپس جانے لگے تو پھر بلایا اور وہ اونٹنی بھی لوٹا دی۔

استدلال: اس واقعہ میں یہ ہے کہ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ اونٹ لے کر حاضر خدمت ہوئے تو آپؐ نے ان سے دو رکعتیں پڑھنے کے لئے فرمایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے حق مسجد قرار دیا، لیکن میرے خیال میں آنحضور ﷺ نے ان کو کام میں لگایا ہے تا کہ اتنی دیر میں ثمن کا انتظام کرلیا جائے، اس کو حق مسجد قرار دینا غور طلب ہے۔ حضرت جابرؓ نے تو رات مدینہ میں گذاری ہے، پس اس کو حق مسجد کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ علاوہ ازیں مسلمانوں میں اس کا رواج بھی نہیں، بلاشبہ آنحضور ﷺ کا یہ معمول تھا، مگر کسی صحابی کے بارے میں یہ عمل مروی نہیں، نہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں اور نہ آپؐ کے بعد

سوسالہ دورصحابہ میں۔ اگر یہ عام سنت ہوتی تو صحابہ کا اس پر ضرور عمل ہوتا، اور تابعین اس کو روایت کرتے، مگر میرے علم میں ایسی کوئی روایت نہیں، اس لئے میں نے یہ بات کہی ہے کہ یہ نماز فی نفسہ مطلوب نہیں بلکہ لغیرہ مطلوب ہے تا کہ اس دوران زیارت کے متمنی حضرات مسجد میں آجائیں اور ملاقات کرلیں، پھر آپؐ گھر تشریف لے جاتے تھے۔ واللہ اعلم

بابٌ: إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَّجْلِسَ

جب مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھے

یہ حقوق مسجد سے متعلق دوسرا باب ہے، جب بھی آدمی مسجد میں آئے اور وہ باوضوء ہو اور مکروہ وقت نہ ہو تو بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھنی چاہئے۔ جمہور کے نزدیک یہ مسجد کا حق ہے اور مستحب ہے۔ اصحابِ ظواہر سے وجوب منقول ہے، اسی لئے جمعہ کے دن دورانِ خطبہ آنے والے کو بھی وہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، کیونکہ تحیۃ المسجد ان کے نزدیک واجب ہے، بعض فقہاء بھی خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد کے قائل ہیں مگر وہ وجوب کے قائل نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک دورانِ خطبہ اگر کوئی مسجد میں آئے تو وہ تحیۃ المسجد نہیں پڑھے گا اس لئے کہ تحیۃ المسجد مستحب ہے اور خطبہ سننا واجب ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ مختصر تحیۃ المسجد پڑھے پھر خطبہ سنے۔ غرض تحیۃ المسجد حقوق مسجد میں سے ہے اور یہ بندوں کا رب المسجد کو سلام کرنے کا طریقہ ہے اور جو شخص مسجد میں آتے ہی سنت شروع کردے تو تحیۃ المسجد خود بخود ادا ہوجائے گی، جیسے کوئی وضو کے بعد فوراً سنت شروع کردے تو تحیۃ الوضوء کا ثواب مل جائے گا، نیت کی ضرورت نہیں۔ اور اگر نیت کرلے تو اچھا ہے۔

اور جو شخص مسجد میں آکر پہلے بیٹھ گیا پھر تحیۃ المسجد پڑھی تو یہ بھی درست ہے، بیٹھنے سے تحیۃ المسجد فوت نہیں ہوتی، البتہ زیادہ دیر بیٹھنے سے تحیۃ المسجد فوت ہوجائے گی، اور کم وبیش کی تعیین رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دی گئی ہے، مسند دارمی میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ وہ تحیۃ المسجد پڑھے بغیر بیٹھ گئے، آنحضور ﷺ نے دریافت کیا: أَرَكَعْتَ رَكْعَتَيْنِ؟ کیا تم نے تحیۃ المسجد پڑھی؟ حضرت ابوذرؓ نے نفی میں جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا: قُمْ فَارْكَعْهُمَا: اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو۔ مسند دارمی میں اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: بیٹھنے سے تحیۃ المسجد فوت نہیں ہوتی۔

[٦٠-] بابٌ: إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَّجْلِسَ

[٤٤٤-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ" [انظر: ١١٦٣]

بابُ الْحَدَثِ فِيْ الْمَسْجِدِ

مسجد میں ریح خارج کرنا

یہ منفی پہلو سے حقوق مسجد سے متعلق باب ہے، مسجد میں ریح خارج کرنا بعض علماء کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے اور کبیری میں مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ البتہ معتکف کو اس حکم سے مستثنیٰ کرنا ہوگا اس لئے کہ وہ رہتا ہی مسجد میں ہے، اگر وہ ریح خارج کرنے کے لئے مسجد سے باہر جائے گا تو ریح اوپر چڑھ جائے گی۔

اور مسجد میں ریح خارج کرنا مکروہ اس لئے ہے کہ اس سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ دعائیں بند کردیتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: فرشتے برابر نمازی کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ ریح خارج نہ کرے، جب وہ ریح خارج کرتا ہے تو فرشتے دعا بند کردیتے ہیں، اس لئے مسجد میں ریح خارج کرنا مکروہ ہے۔

[٦١-] بابُ الْحَدَثِ فِي الْمَسْجِدِ

[٤٤٥-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِيْ الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِنَّ الْمَلاَ ئِكَةَ تُصَلِّيْ عَلٰى أَحَدِكُمْ مَادَامَ فِيْ مُصَلاَّهُ الَّذِىْ صَلَّى فِيْهِ، مَالَمْ يُحْدِثْ، تَقُوْلُ: اللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ، اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ" [راجع: ١٧٦]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ملائکہ تم میں سے ہر ایک کے لئے برابر دعائیں کرتے ہیں جب تک وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ میں رہتا ہے، جہاں اس نے نماز پڑھی ہے، جب تک وہ ریح خارج نہ کرے، فرشتے کہتے ہیں: اے اللہ اس کی مغفرت فرما، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔

تشریح: مسجد میں جس جگہ نماز پڑھی ہے خاص اس جگہ بیٹھنا ضروری نہیں، مسجد کے کسی بھی حصہ میں بیٹھ کر ذکر واذکار اور تلاوت قرآن میں مشغول رہے تو فرشتے دعا کرتے ہیں —— اور ملائکہ کی طرف بتاویل طائفہ مؤنث کی ضمیر لوٹائی ہے۔

بَابُ بُنْيَانِ الْمَسْجِدِ

مسجد بنانے کا ثواب

عہدِ نبوی میں مسجدِ نبوی سادہ اور کچی تھی، اس کی دونوں جانبوں میں پتھر لگائے گئے تھے اور بیچ میں کچی اینٹیں بھری گئی تھیں، اور ستونوں کی جگہ کھجور کے تنے کھڑے کئے گئے تھے، اور چھت کھجور کے پتوں کی ڈالی گئی تھی، پھر جب مسجد تنگ پڑنے لگی تو آنحضور ﷺ نے پرانی مسجد باقی رکھ کر اس میں توسیع کی، وہ اضافہ بھی سادہ اور کچا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے توسیع فرمائی مگر سادہ اور کچی بنائی، پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو مسجد بوسیدہ ہوگئی، اور چھوٹی بھی پڑتی تھی، اس لئے آپؓ نے ساری مسجد شہید کردی اور خالص اپنے مال سے ازسرنو مسجد تعمیر کی اور پختہ بنائی، اس وقت لوگوں میں چہ می گوئیاں ہوئیں کہ یہ تو کسری کا محل بن گیا، حضرت عثمانؓ نے لوگوں سے خطاب کیا اور صورتِ حال واضح کی، فرمایا: میں نے یہ کام ازراہ ثواب کیا ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس نے اللہ کے لئے کوئی مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں حویلی بناتے ہیں''

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بناءِ مسجد کے سلسلہ میں تین باتیں ذکر فرمائی ہیں:

پہلی بات: مسجد کی تعمیر سادہ یعنی تکلفات سے پاک ہونی چاہئے تاکہ لوگوں کی نمازوں میں خلل نہ پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مسجدِ نبوی کی توسیع کی تھی تو اس بات کی خاص طور پر تاکید فرمائی تھی، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی یہ بات مروی ہے۔

دوسری بات: مسجد تعمیر کرتے وقت سردی، گرمی، بارش اور نمازیوں کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہئے، جیسے یورپ وامریکہ میں مسجد میں معذوروں کے لئے ڈھلان بنانا ضروری ہے، ان کے لئے چھوٹے بڑے استنجے کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ عورتوں کا الگ انتظام کرنا ضروری ہے اس کے بغیر حکومت پرمیشن نہیں دیتی، وہاں مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے عورتیں بھی آتی ہیں۔، معذور بھی آتے ہیں، اور عام طور پر لوگ گاڑیوں میں آتے ہیں اس لئے ہر مسجد کے ساتھ پارکنگ بھی ضروری ہے، ہمارے یہاں عورتیں مسجدوں میں نہیں آتیں اس لئے ہم ان کے لئے کوئی علاحدہ جگہ نہیں بناتے، اور معذور بھی نہیں آتے، اور آتے ہیں تو کسی نہ کسی طرح چڑھ جاتے ہیں، اور لوگ پیدل ہی نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں اس لئے پارکنگ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ غرض تعمیر مسجد میں نمازیوں کی راحت وسکون کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ کے قول سے یہ بات ثابت ہے۔

تیسری بات: مسجد کی بنیاد تقوی اور پرہیز گاری پر ہونی چاہئے۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے مسجد بنائی جائے، ریاء وسمعہ اور تفاخر سے احتراز کیا جائے، اس سلسلہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول لائے ہیں۔

[۶۲-] بَابُ بُنْيَانِ الْمَسْجِدِ

[۱-] وَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: كَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ مِنْ جَرِيْدِ النَّخْلِ.

[۲-] وَأَمَرَ عُمَرُ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ: أَكِنُّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ، وَإِيَّاكَ أَنْ تُحَمِّرَ أَوْ تُصَفِّرَ فَتَفْتِنَ النَّاسَ.

[۳-] قَالَ أَنَسٌ: يَتَبَاهَوْنَ بِهَا، ثُمَّ لَايَعْمُرُوْنَهَا إِلَّا قَلِيْلًا.

[۴-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارَى.

۱-حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسجدِ نبوی کی چھت کھجور کے پتّوں کی تھی (یہ طویل حدیث (نمبر ۸۱۳) کا ٹکڑا ہے، جو آگے آرہی ہے) —— مسجدِ نبوی تعمیر کرنے کے لئے نبی ﷺ نے جو باغ خریدا تھا، وہ دو یتیموں کا تھا، اس کے بعض حصے میں کھجور کے درخت تھے، آپؐ نے وہ درخت کٹوا کر ان کے تنے ستونوں کی جگہ کھڑے کئے تھے، اور ان کے پتوں کا چھپر ڈالا تھا۔

۲-حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی بنانے کا حکم دیا، اور فرمایا: میں لوگوں کو بارش سے بچاؤں گا، اور بچ تو سرخ کرنے سے یا زرد کرنے سے، پس آزمائش میں ڈالے تو لوگوں کو (کَنَّ (ض) الشیئَ: چھپانا، بچانا............ حَمَّرَ الشیئَ: سرخ کرنا .... صَفَّرَ الشیئَ: زرد رنگ میں رنگنا، زرد بنانا............ فَتَنَ (ض) فَتْنًا: آزمائش میں ڈالنا)

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مسجدِ نبوی کی تجدید اور اضافہ کا حکم دیا تو دو باتیں فرمائیں:

ایک: اضافہ کا مقصد بیان کیا کہ میں مسجد میں اس لئے اضافہ کر رہا ہوں کہ لوگوں کو بارش سے بچاؤں یعنی اب مسجد چھوٹی پڑ رہی ہے، بہت سے لوگوں کو دھوپ اور بارش میں کھڑا ہونا پڑتا ہے، ان کی سہولت کے پیشِ نظر مسجد میں اضافہ کر رہا ہوں۔

معلوم ہوا کہ بنائے مسجد میں گرمی، سردی اور بارش وغیرہ سے بچنے کا اور نمازیوں کی راحت وسہولت کا خیال رکھنا چاہئے۔

دوسری بات: ٹیپ ٹاپ سے منع کیا، فرمایا: مسجد کو لال پیلا کرنے سے بچو، ایسا کروگے تو لوگ آزمائش میں پڑ جائیں گے، یعنی اگر تم لال پیلی مسجد بناؤ گے، غیر معمولی رنگ وروغن اور زیبائش کروگے تو لوگوں کی نماز خراب ہوگی، وہ نماز میں مسجد کی خوبصورتی میں گم ہوجائیں گے اور حضورِ قلب کی دولت سے محروم ہوجائیں گے۔ معلوم ہوا کہ مسجد سادہ اور تکلفات سے پاک ہونی چاہئے۔

۳-حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک وقت آرہا ہے جب لوگ مسجدیں بنانے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے، مگر اعمال سے بہت کم لوگ ان کو آباد کریں گے، لاہور میں ایک زمین لب سڑک تھی، اس کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے:

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے ❁ من ہے اپنا پرانا پاپی برسوں میں نمازی بن نہ سکا

۴-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تم ضرور مسجدوں کو مزین کروگے جیسا یہود ونصاری نے اپنی عبادت گاہوں کو مزین کیا —— اس میں ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے، مسجدوں میں غیر ضروری خرچ کرنا اور حد سے زیادہ مزین کرنا مناسب نہیں، اس سے بچنا چاہئے۔

[٤٤٦-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، قَالَ: ثَنَا نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَخْبَرَهُ: أَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ، وَسَقْفُهُ الْجَرِيْدُ، وَعُمُدُهُ خَشَبُ النَّخْلِ، فَلَمْ يَزِدْ فِيْهِ أَبُوْ بَكْرٍ شَيْئًا، وَزَادَ فِيْهِ عُمَرُ، وَبَنَاهُ عَلٰى بُنْيَانِهِ

فِیْ عَهْدِ رسولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم بِاللَّبِنِ وَالْجَرِیْدِ، وَأَعَادَ عُمُدَهُ خَشَبًا، ثُمَّ غَیَّرَهُ عُثْمَانُ، فَزَادَ فِیْهِ زِیَادَةً کَثِیْرَةً، وَبَنَی جِدَارَهُ بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوْشَةِ وَالْقَصَّةِ، وَجَعَلَ عُمُدَهُ مِنْ حِجَارَةٍ مَنْقُوْشَةٍ، وَسَقَفَهُ بِالسَّاجِ.

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں مسجدِ نبوی کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی، اوراس کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی اوراس کے ستون کھجور کی لکڑی کے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اضافہ کیا اوراس کو آنحضور ﷺ کے زمانہ کی بنیادوں پر کچی اینٹوں اور کھجور کے پتوں سے بنایا، اورلکڑی کے ستونوں کو لوٹایا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو بدل دیا اوراس میں بہت زیادہ اضافہ کیا، اوراس کی دیوار منقش پتھروں اور چونے سے تعمیر کی۔ اوراس کے ستون منقش پتھروں کے لگائے اوراس کی چھت سال کی لکڑی کی بنائی۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مسجدِ نبوی کی توسیع کی تو پوری مسجد ازسرنو بنائی، اورآنحضور ﷺ کے زمانہ کی بنیادوں پر بنائی، اوراس میں کچھ اضافہ کیا، اور جیسی آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسجد سادہ اور خام تھی ویسی ہی بنائی، اور پرانے ستون ہی دوبارہ استعمال کئے، البتہ چھپر کھجور کے پتوں کا نیا ڈالا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوری مسجد کا نقشہ بدل دیا، دیواریں منقش پتھر اور چونے سے تعمیر کیں اور سال کی لکڑی کی چھت ڈالی، سال کی لکڑی بہت قیمتی اور مضبوط ہوتی ہے اورزیادہ تر ہندوستان میں پیدا ہوتی ہے، حاشیہ میں لکھا ہے کہ وہ لکڑی ہندوستان سے منگوائی گئی تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل سے معلوم ہوا کہ مسجد ازسرنو بنانا، مضبوط اور پختہ بنانا اوراس میں اعتدال سے نقش ونگار کرنا اوراسے خوبصورت بنانا جائز ہے، البتہ بہت زیادہ ٹیپ ٹاپ مناسب نہیں اس سے نمازیوں کی نماز میں خلل پڑسکتا ہے۔

بابُ التَّعَاوُنِ فِی بِنَاءِ الْمَسْجِدِ

مسجد باہمی تعاون سے بنانا

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: مسلمانوں کو مل کر باہمی تعاون سے مسجد بنانی چاہئے، خود ہی خرچہ کریں اورخود ہی مزدوری کریں، بستی سے باہر مسجد کا چندہ نہ کیا جائے۔ آج کل مسلمانوں کا عجیب حال ہوگیا ہے، چھوٹی مسجد کا چندہ بھی دنیا بھر میں کیا جاتا ہے، جب گاؤں کا ہر شخص اپنے پیسوں سے اپنا گھر بناتا ہے تو سارا گاؤں مل کر اللہ کا گھر کیوں نہیں بنا سکتا؟ اللہ کا گھر گاؤں والے اپنی گنجائش کے مطابق بنائیں۔ دورتک چندہ کرنا کیا ضروری ہے؟ مکہ والوں نے کعبہ شریف بنایا تھا تو مکہ ہی میں چندہ کیا تھا، چندہ کم ہوا تو حطیم کا حصہ باہر نکال دیا، اور کعبہ کو چھوٹا بنایا اورخود ہی مزدوری کی آنحضور ﷺ بھی پتھر اٹھا کر لانے والوں میں شامل تھے، مسجد نبوی کی تعمیر میں بھی مسلمانوں نے بشمول سید الاولین والآخرین خود ہی مزدوری کی ہے، پس آج کل

جو صورتِ حال مسجدوں کے تعلق سے چل پڑی ہے وہ ٹھیک نہیں، مسلمانوں کو مل کر باہمی تعاون سے مسجد بنانی چاہئے، اور اپنی حیثیت کے مطابق بنانی چاہئے۔

دوسرا مسئلہ: مسجد کی تعمیر میں کفار کا حصہ نہیں ہونا چاہئے، معمار اور مزدور بھی اگر مسلمان میسر ہوں تو غیر مسلم معماروں اور مزدوروں سے کام نہ لیا جائے، اس لئے کہ مسجد بنانا خالص اسلامی کام ہے اگرچہ فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم لوجہ اللہ مسجد کی تعمیر میں چندہ دے تو اس شرط کے ساتھ اس کو قبول کر سکتے ہیں کہ اس کی طرف سے یا اس کی قوم کی طرف سے احسان جتلانے کا اندیشہ نہ ہو، یعنی چھوٹا چندہ لے سکتے ہیں، چھوٹے چندہ میں یہ اندیشہ نہیں ہوتا، اور کتابوں میں یہ حیلہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی کافر مسجد میں پیسے لگانا چاہتا ہے تو کسی مسلمان کو ہبہ کر دے، اور وہ مسلمان اپنی طرف سے وہ پیسہ مسجد میں لگائے، یعنی خالص حلال وطیب مال سے مسجد تعمیر کرنی چاہئے، اور ظاہر ہے کافر کا مال مال مزکّی نہیں پس اس کا مال راست مسجد میں نہیں لگانا چاہئے۔

[٦٣-] بابُ التَّعَاوُنِ فِي بِنَاءِ الْمَسْجِدِ

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ أَنْ يَعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللهِ﴾ الآية: [التوبة: ١٧]

[٤٤٧-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُخْتَارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَاءُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ وَلِابْنِهِ عَلِيٍّ: انْطَلِقَا إِلَى أَبِيْ سَعِيْدٍ، فَاسْمَعَا مِنْ حَدِيْثِهِ، فَانْطَلَقْنَا فَإِذَا هُوَ فِيْ حَائِطٍ يُصْلِحُهُ، فَأَخَذَ رِدَاءَ هُ فَاحْتَبٰى، ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا حَتّٰى أَتَى عَلٰى ذِكْرِ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: كُنَّا نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً، وَعَمَّارٌ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ، فَرَآهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَيَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْهُ، وَيَقُوْلُ: "وَيْحَ عَمَّارٍ! تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ يَدْعُوْهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَيَدْعُوْنَهُ إِلَى النَّارِ." قَالَ: يَقُوْلُ عَمَّارٌ: أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ! [انظر: ٢٨١٢]

آیتِ کریمہ: یہ سورۂ توبہ کی آیت ہے، یہ آیت لکھ کر امام بخاریؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مسجد کی تعمیر مسلمانوں کو باہمی تعاون سے کرنی چاہئے، تعمیر مسجد میں غیر مسلموں کا پیسہ قبول نہیں کرنا چاہئے۔

اور اس آیت کریمہ کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

ایک: مسجد کی ظاہری تعمیر میں غیر مسلموں کا حصہ نہیں ہونا چاہئے۔ چندہ ظاہری تعمیر ہے، اور معمار اور مزدور بھی ظاہری تعمیر کرتے ہیں لہٰذا معمار اور مزدور بھی غیر مسلم نہیں ہونے چاہئیں، اور غیر مسلموں کا چندہ بھی نہیں لینا چاہئے، صرف مسلمانوں کا اور مسلمانوں میں بھی ان کا چندہ مسجد میں لگنا چاہئے جن کا مال حلال وطیب اور مزکّی ہے۔

اس آیت کریمہ میں یہ مضمون ہے کہ کعبہ شریف کا متولی کون ہوگا؟ ظاہر ہے غیر مسلم کعبہ شریف کا متولی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ تولیت ظاہری تعمیر ہے اور مسجد کی ظاہری تعمیر مسلمان کرتے ہیں پس غیر مسلم متولی کیسے ہوسکتا ہے؟

اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسجد کی معنوی تعمیر کون کرتا ہے؟ مسجد میں اعمالِ صالحہ کرنا مسجد کی معنوی تعمیر ہے، ایک مسجد بہت شاندار ہے مگر وہاں نماز پڑھنے والے چار آدمی ہیں تو وہ مسجد ویران ہے اور دوسری مسجد سیدھی سادی اور کچی ہے مگر نمازیوں سے بھری رہتی ہے تو وہ مسجد آباد ہے، یہ معنوی تعمیر مشرک نہیں کرتے، وہ تو مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں وہ مسجد میں اللہ کی عبادت کیا کریں گے؟ ﴿شَاهِدِيْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾: وہ اپنے کفر پر خود گواہ ہیں پس وہ مسجد میں آ کر کیا عبادت کریں گے؟ مسجد کی معنوی تعمیر مسلمان ہی کرتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے مطلب کے اعتبار سے آیت کریمہ لکھی ہے۔

حدیث: عکرمہ کہتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے اور اپنے بیٹے علی سے کہا: دونوں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے حدیثیں سنو، ہم دونوں گئے اچانک حضرت ابوسعیدؓ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے (انھوں نے جا کر کہا کہ ہم پڑھنے آئے ہیں پس حضرت ابوسعیدؓ نے کام بند کر دیا) اور اپنی چادر لی اور حبوہ بنا کر بیٹھ گئے (یہ آرام کرسی بنائی) پھر انھوں نے ہم سے حدیثیں بیان کرنی شروع کیں، یہاں تک کہ مسجدِ نبوی کی تعمیر کا تذکرہ آیا تو انھوں نے فرمایا: ہم ایک ایک اینٹ اٹھا کر لاتے تھے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں، نبی ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپؐ نے ان کے بدن سے مٹی جھاڑی اور فرمایا: عمار پر اللہ مہربانی فرمائیں! اس کو باغی جماعت قتل کرے گی، یہ ان کو جنت کی طرف بلا رہا ہوگا اور وہ اس کو جہنم کی طرف بلا رہے ہوں گے، ابوسعیدؓ کہتے ہیں: پس حضرت عمارؓ نے کہا: میں فتنوں سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

تشریح:

ا- عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ ہیں، وہ بھگوڑے تھے، پڑھتے نہیں تھے، حضرت ابن عباسؓ ان کے پیروں میں زنجیر ڈال دیا کرتے تھے زبردستی ان کو پڑھایا ہے، بعد میں وہ حضرت ابن عباسؓ کے علوم کے وارث بنے۔

اور علی حضرت ابن عباسؓ کے صاحبزادے ہیں، جس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی ہے اسی دن وہ پیدا ہوئے ہیں، اس لئے حضرت علیؓ کے نام پر ابن عباسؓ نے ان کا نام علی رکھا ہے، ابوالحسن ان کی کنیت تھی، خلفائے بنوعباس کے جدامجد ہیں، بنوامیہ کے بعد بنوعباس خلیفہ بنے ہیں وہ انہی ابوالحسن علی کی اولاد ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے دونوں کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس حدیثیں پڑھنے کے لئے بھیجا، جب یہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو اتفاق سے اس وقت حضرت ابوسعیدؓ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے، انھوں نے حدیثیں سنانے کی درخواست کی تو حضرت ابوسعیدؓ نے کام بند کر دیا اور ایک جگہ چادر کا حبوہ (۱) بنا کر بیٹھ گئے، اور حدیثیں بیان کرنی شروع کیں، اس دن ابوسعیدؓ نے جو حدیثیں بیان کیں ان میں سے ایک حدیث یہ بیان کی کہ جب مسجدِ نبوی تعمیر کی جا رہی تھی تو

(۱) حبوہ یہ ہے کہ سرین کے بل بیٹھ کر دونوں پنڈلیاں رانوں سے ملا کر گھٹنے کھڑے کر لئے جائیں پھر کمر اور پنڈلیوں کے گرد کوئی کپڑا وغیرہ باندھ دیا جائے یہ ایک قسم کی آرام کرسی ہے۔

سب صحابہ ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے، اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ دو دو لا رہے تھے، ہمارے یہاں اینٹیں چھوٹی ہوتی ہیں مزدور ایک ساتھ دس بارہ اینٹیں اٹھاتا ہے مگر عرب میں اور یورپ وامریکہ وغیرہ میں اتنی بڑی اینٹیں ہوتی ہیں کہ آدمی ایک ہی اینٹ اٹھا سکتا ہے۔ نبی ﷺ بھی اینٹیں اٹھا کر لانے والوں میں شامل تھے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ تشریف رکھیں، آپؐ کے حصہ کی اینٹ میں لاؤں گا، اس لئے وہ دو اینٹیں لا رہے تھے، اور پسینہ پسینہ ہوگئے تھے، مونڈھے پر سے چادر گرگئی تھی اور بدن گرد آلود ہوگیا تھا، آنحضور ﷺ نے ان کے بدن سے مٹی جھاڑی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ عمار پر رحم فرمائیں ان کو باغی جماعت قتل کرے گی۔ جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج کے ہاتھوں وہ شہید ہوئے، اس وقت تک عام طور پر لوگ یہ حدیث نہیں جانتے تھے۔ آج یہ حدیث بخاری میں آگئی تو سب جاننے لگے۔

جب حضرت عمارؓ شہید ہوئے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہؓ سے کہا: غضب ہوگیا! عمار ہماری فوج کے ہاتھوں مارے گئے اور آنحضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کو باغی جماعت قتل کرے گی۔ حضرت معاویہؓ نے کہا: ہم نے ان کو قتل نہیں کیا، علیؓ نے قتل کیا ہے، وہ ان کو میدان کارزار میں کیوں لائے؟ اگر وہ ان کو میدان میں نہ لاتے تو وہ مارے نہ جاتے، عجیب تاویل کی!

جب جنگ صفین ہورہی تھی اس وقت وہ اجتہادی مسئلہ تھا، اور اجتہادی مسائل میں ہر فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور اپنی بات کی تاویل کرتا ہے، جیسے فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں احناف کی ایک رائے ہے اور شوافع کی دوسری رائے ہے، ظاہر ہے دونوں باتیں صحیح نہیں ہوسکتیں، کوئی ایک ضرور خطا پر ہے مگر ابھی ہم خطا وصواب کو نہیں جان سکتے، ابھی اس پر پردہ پڑا ہوا ہے اور جب تک پردہ پڑا رہے گا ہر شخص اپنی بات کی تاویل کرے گا، جنگ صفین کی بنیاد بھی اجتہاد پر تھی، اور ہر فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا، اور اپنے موقف کی تاویل کرتا تھا۔

جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ذرا سا پردہ ہٹا، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تاویل کرکے پھر اس پر پردہ ڈال دیا، تمام اجتہادی مسائل میں ایسا ہی ہوتا ہے، فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں شوافع نے بھی کتب خانہ بھر دیا ہے اور احناف نے بھی، پھر مرور زمانہ کے ساتھ کبھی اجتہاد پر سے پردہ ہٹتا ہے تو صواب وخطا کا پتا چل جاتا ہے جیسے آج دوٹوک فیصلہ ہوگیا ہے کہ جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی تھی اور صواب پر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

اور بعض اجتہادی مسائل وہ ہیں جن سے پردہ قیامت کے دن ہی ہٹے گا جب سینوں کے راز طشت از بام ہونگے ﴿وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

۲- لفظ وَیْح تین طرح استعمال ہوتا ہے: (۱) صرف وَیْ ﴿وَيْكَأَنَّهُ لَايُفْلِحُ الْكَافِرُوْنَ﴾ (۲) وَیْحٌ (۳) وَیْحَكَ اور تینوں کے معنی وہی ہیں جو وَیْلٌ کے ہیں، ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے اور اس کے معنی ہیں: سخت عذاب، پس وَیْح

عَمارٍ کالفظی ترجمہ ہے: عمار کے لئے سخت عذاب ہے یا عمار کے لئے جہنم کی وادی ہے۔ مگر عرف میں پیار کے موقع پر یہ لفظ استعمال کرتے ہیں، جیسے ہم اردو میں کہتے ہیں: ارے باؤلے! باؤلا پاگل کو کہتے ہیں، پاگل کی اصل پادرگل ہے، پاؤں کیچڑ میں، شراب پی کر نالی میں گر گیا، پاؤں کیچڑ میں ہوگیا، مگر عرف میں اس کو پیار کے موقع پر استعمال کرتے ہیں، اسی طرح وَیْحٌ بھی پیار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اردو محاورہ میں اس کا کوئی ترجمہ ممکن نہیں۔

اور اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ عمار پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں! یہ بندہ کتنی مشقت برداشت کر رہا ہے، اپنی اینٹ بھی لا رہا ہے اور اللہ کے رسول کے حصہ کی اینٹ بھی لا رہا ہے، مگر لوگوں کا اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ ایک ایسی جماعت جو حکومت سے بغاوت کرنے والی ہوگی وہ اسے قتل کرے گی، اور اس کا قصور صرف یہ ہوگا وہ ان کو جنت کی طرف بلا رہا ہوگا اور وہ اس کو جہنم کی طرف بلا رہے ہوں گے۔

اس جملہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک فریق کے مقتول جنت میں جائیں گے اور دوسرے فریق کے مقتول جہنم میں، صفین کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تھا آپؓ نے فرمایا: **قتلا نا وقتلاھم فی الجنة**: ہمارے مقتول اور ان کے مقتول سب جنت میں جائیں گے، پس اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ عمارؓ جس جماعت کے ساتھ ہونگے وہ جماعت حق پر ہوگی، جنت کی طرف بلانے کا یہی مطلب ہے اور دوسری جماعت جو ان کو قتل کرے گی وہ حق پر نہیں ہوگی، جہنم کی طرف بلانے کا یہی مطلب ہے۔

بابُ الاِسْتِعَانَةِ بِالنَّجَّارِ وَالصُّنَّاعِ فِيْ أَعْوَادِ الْمِنبَرِ وَالْمِسْجِدِ

بڑھئی اور کاریگروں سے منبر اور مسجد کے کاموں میں مدد لینا

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر میں معمار، مزدور، بڑھئی، لوہار اور دیگر کاریگروں کی مدد حاصل کی جاسکتی ہے، اگر وہ خود بناء مسجد کی طرف متوجہ نہ ہوں تو گفت وشنید کر کے بالمعاوضہ یا بلا معاوضہ ان کی خدمات حاصل کی جائیں، اور مجبوری میں غیر مسلم کاری گروں کی خدمات بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ نبی ﷺ نے مسجدِ نبوی کا منبر بنانے کے لئے ایک انصاری عورت کے غلام کی خدمت حاصل کی ہے، اس عورت کا نام راجح قول کے مطابق عائشہ انصاریہ تھا اور غلام کا نام میمون تھا جو نجّاری کرتا تھا۔ نجار کے معنی ہیں: بڑھئی، اس نے مقام غابہ کے جھاؤ کی لکڑی سے منبر تیار کیا تھا، معلوم ہوا کہ مسجد اور اس کے متعلقات میں کاری گروں سے مدد لی جاسکتی ہے، اور حدیث میں صرف بڑھئی کا ذکر ہے، مگر بڑھئی اور دیگر کاری گروں میں کوئی فرق نہیں، پس ہر کاری گر سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے، اور مسند احمد میں روایت ہے کہ جب مسجدِ نبوی تعمیر ہو رہی تھی تو گارا بنانے کی خدمت آپؐ نے حضرت طلق بن علی یمامی رضی اللہ عنہ کو سونپی تھی وہ گارا بنانا اچھا جانتے تھے، معلوم ہوا کہ تعمیر مسجد میں بہتر سے بہتر کاری گروں کی خدمات حاصل کی جائیں۔

[٦٤-] بابُ الاِسْتِعَانَةِ بِالنَّجَّارِ وَالصُّنَّاعِ فِیْ أَعْوَادِ الْمِنبَرِ وَالْمَسْجِدِ

[٤٤٨-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ، عَنْ أَبِیْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ، قَالَ: بَعَثَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ عیه وسلم إِلٰی امْرَأَةٍ: مُرِیْ غُلاَمَكِ النَّجَّارَ يَعْمَلْ لِیْ أَعْوَادًا أَجْلِسْ عَلَيْهِنَّ. [راجع: ٣٧٧]

[٤٤٩-] حدثنا خَلَّادُ بْنُ يَحْيیٰ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَلاَ أَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ، فَإِنَّ لِیْ غُلاَمًا نَجَّارًا؟ قَالَ: إِنْ شِئْتِ، فَعَمِلَتِ الْمِنْبَرَ. [انظر: ٩١٨، ٢٠٩٥، ٣٥٨٤، ٣٥٨٥]

لغات: نَجَّار کے معنی ہیں: بڑھئی، اور الصُّنَّاع: الصانع کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: کاری گر، **فی أعواد المنبر**: منبر کی لکڑیوں میں یعنی منبر بنانے میں، **والمسجد**: یہ تخصیص بعد التعمیم ہے یعنی مسجد اور مسجد کے متعلقات بنانے میں بڑھئی اور دیگر کاری گروں کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

حدیث (۱): حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے نبی ﷺ نے ایک عورت کے پاس بھیجا کہ تو اپنے بڑھئی غلام کو حکم دے کہ وہ میرے لئے چند لکڑیاں بنائے یعنی ایسا منبر بنائے جس میں کئی درجے ہوں جن پر میں (تقریر کے لئے) بیٹھا کروں۔

حدیث (۲): اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں آپؐ کے لئے کوئی ایسی چیز بناؤں جس پر آپ بیٹھا کریں، اس لئے کہ میرا غلام بڑھئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو'' (تو بنواؤ) چنانچہ اس عورت نے منبر بنایا۔

تشریح: ان دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے، پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے از خود منبر بنانے کا حکم دیا اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت نے منبر بنانے کی درخواست کی، آپؐ نے از خود اس کا حکم نہیں دیا۔

اس تعارض کا حل یہ ہے کہ اولاً عورت نے درخواست کی ہوگی مگر اس وقت منبر کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہوگی اس لئے آپؐ نے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا، پھر جب منبر کی ضرورت محسوس کی گئی تو آپؐ نے حضرت سہلؓ کے ذریعہ منبر کی تیاری کے لئے کہلا بھیجا اور منبر کا آئیڈیا بھی دیا کہ منبر میں چند درجے ہوں، جن پر بیٹھ کر خطاب کیا جاسکے، یہ تطبیق ابن بطال رحمہ اللہ نے دی ہے، جو حاشیہ میں ہے۔

اور **فَعَمِلَتِ المنبر** میں اسناد مجازی ہے، منبر غلام نے بنایا تھا مگر اس عورت کے حکم سے بنایا تھا اس لئے اس کی طرف نسبت کی گئی۔

بابُ مَنْ بَنَی مَسْجِدًا

مسجد بنانے کا ثواب

اس باب میں مسجد بنانے کی فضیلت کا بیان ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر کی تو مسجد پختہ بنائی، اس میں منقش پتھروں کی دیواریں اور ستون کھڑے کئے اور سال کی لکڑی کی چھت ڈالی اس پر لوگوں میں چہ می گوئیاں ہوئیں کہ یہ کسری کا محل بن گیا اور بیت المال کا مال بے حساب بہادیا، حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خالص اپنے مال سے مسجد تعمیر کی تھی، بیت المال کا ایک پیسہ بھی اس میں نہیں لگایا تھا، آج بھی سعودیہ کے بادشاہ حرمین کی توسیع وغیرہ میں جو کروڑوں ریال خرچ کرتے ہیں وہ سب اپنی جیب خاص سے کرتے ہیں، حکومت کا ایک پیسہ بھی اس میں صرف نہیں کرتے اسی لئے وہ خادم الحرمین کہلاتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے مال سے مسجدِ نبوی کی تعمیر کی تھی، بیت المال کا کوئی پیسہ اس میں صرف نہیں کیا تھا، جب لوگوں میں چہ می گوئیاں ہوئیں تو ایک دن آپؓ نے تقریر فرمائی اور پوری صورت حال واضح کی اور فرمایا: میں نے یہ مسجد اس لئے بنائی ہے کہ میں نے آنحضور ﷺ سے سنا ہے: ''جو شخص اللہ کی خوشنودی کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں محل بناتے ہیں'' اس حدیث سے مسجد بنانے کی فضیلت ثابت ہوئی، اور یہی اس باب کا مدعی ہے۔

[٦٥-] بابُ مَنْ بَنَی مَسْجِدًا

[٤٥٠-] حدثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو، أَنْ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ، أَنَّ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللهِ الْخَوْلَانِيَّ، أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللهِ عَنْهُ، يَقُوْلُ عِنْدَ قَوْلِ النَّاسِ فِيْهِ حِيْنَ بَنَى مَسْجِدَ الرَّسُوْلِ صلى الله عليه وسلم: إِنَّكُمْ أَكْثَرْتُمْ، وَإِنِّيْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" مَنْ بَنَى مَسْجِدًا - قَالَ بُكَيْرٌ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: يَبْتَغِيْ بِهِ وَجْهَ اللهِ - بَنَى اللّٰهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ "

ترجمہ: عبید اللہ خولانی سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو لوگوں کے ان کے بارے میں چہ می گوئیاں کرنے کے وقت میں جب انھوں نے مسجدِ نبوی بنائی تو فرماتے ہوئے سنا: تم لوگوں نے بہت زیادہ کیا یعنی تم میرے مسجد بنانے کے سلسلہ میں بہت باتیں کرتے ہو، حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے مسجد بنائی —— بُکیر کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ عاصم نے یہ بھی کہا تھا کہ اس کے ذریعہ وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے —— تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے مانند جنت میں گھر بنائیں گے۔

تشریح:

قولہ: بَنَی:عام ہے، جوثواب پہلی مرتبہ مسجد بنانے کا ہے وہی ثواب مسجد کوتوڑ کر دوبارہ تعمیر کرنے کا ہے، نیز مسجد کے متعلقات بنانے کا اور مرمت کرنے کا اور جائز رنگ وروغن کرنے کا بھی ہے۔

قولہ: مسجداً:تنوین تنکیر کے لئے ہے یعنی مذکورہ ثواب ہر مسجد بنانے کا ہے خواہ بڑی مسجد بنائے یا چھوٹی،اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صغیراً کان أو کبیراً کی صراحت ہے (ترمذی حدیث ۳۲۹) اور حضرت عثمانؓ کی حدیث کے ایک طریق میں ولو کَمَفْحَصِ قَطَاۃٍ بھی ہے، یعنی اگر قطات (بٹیر یا چھوٹے تیتر) کے انڈے دینے کی جگہ کے بقدر مسجد بنائے تو بھی مسجد بنانے کا ثواب ملے گا (یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے)

اور اس جملہ کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں: ایک: یہ چھوٹا ہونے میں مبالغہ ہے۔ دوسرا: مسجد چندہ سے بنائی جائے، پس جس کا معمولی چندہ ہے اس کے لئے بھی یہ ثواب ہوگا۔

قولہ: یبتغی بہ وجہ اللہ: یعنی اللہ کی خوشنودی کے لئے مسجد بنائی، دکھاوا یا کسی اور غرض سے مسجد نہیں بنائی، ابن جوزی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: جس نے مسجد بنا کر اپنے نام کا کتبہ لگایا تو یہ کام اخلاص سے بہت بعید ہے، یعنی اس کا یہ فعل اللہ کی خوشنودی کے لئے نہیں رہا[1] پس معمار اور مزدور جو دِہاڑی پر کام کرتے ہیں وہ مذکورہ ثواب کے حق دار نہیں ہونگے۔

البتہ علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ اگر مزدور وغیرہ ثواب کی نیت بھی کرلیں تو وہ کچھ نہ کچھ اجر پائیں گے، اور نیت کے احوال سے اللہ تعالیٰ واقف ہیں مگر ایک علامت یہ ہے کہ مزدور تندہی اور چستی سے کام کریں، یا وقت مقررہ سے زیادہ کام کریں اور اس کی اجرت نہ لیں تو یہ ثواب کی نیت ہونے کا ایک قرینہ ہے۔

قولہ: بَنَی اللّٰہُ: یہ اسناد مجازی ہے جس طرح کہا جاتا ہے: بَنَی الأمیرُ المدینۃَ: امیر نے شہر بسایا، حالانکہ تعمیر کرنے والے معمار اور مزدور ہوتے ہیں مگر چونکہ تعمیر امیر کے حکم سے ہوتی ہے اس لئے اس کی طرف نسبت کردی جاتی ہے، اسی طرح یہاں بھی اسناد مجازی ہے۔

قولہ: مثلَہ: یہ مثلیت بناء میں ہے مَبْنَی میں نہیں ہے، یعنی بندے نے اللہ کے لئے مسجد بنائی پس اللہ تعالیٰ اس کے لئے گھر بنائیں گے، مگر جو مسجد بنائی گئی ہے اس میں مثلیت نہیں، بندہ اپنی گنجائش یا لوگوں کی حاجت کے بقدر مسجد بناتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق اس کے لئے محل بناتے ہیں۔ حضرت واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: بَنَی اللّٰہُ لہ بَیْتًا فی الْجَنَّۃِ أَفْضَلَ منہ: معلوم ہوا کہ مَبْنَی میں مثلیت نہیں، صرف بناء میں ہے۔ حضرت واثلہؓ کی حدیث معجم طبرانی کبیر میں ہے۔

(۱) اگر مسجد بنانے والے کی مرضی اور علم کے بغیر کتبہ لگایا جائے تو یہ مستثنیٰ ہے۔ ابن جوزیؒ کے قول کا مصداق یہ ہے کہ مسجد بنانے والا خود یا اس کی مرضی سے کتبہ لگایا جائے پس یہ اخلاص سے بعید ہے۔

واقعہ: حاتم طائی سے کسی نے دو درہم کا سوال کیا، حاتم نے اس کو درہموں کی دو تھیلیاں دیں۔ ایک تھیلی میں سو درہم ہوتے ہیں، کسی نے حاتم سے کہا: اس نے تو دو درہم مانگے تھے؟ حاتم نے جواب دیا: اس نے اپنی حاجت کے بقدر مانگا تھا اور ہم نے اپنے حوصلے کے بقدر دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنی شان عالی کے مطابق محل بنائیں گے۔

بابٌ: يَأْخُذُ بِنُصُوْلِ النَّبْلِ إِذَا مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد سے تیر لے کر گذرے تو اس کو پھل کی طرف سے پکڑے

نُصول: نَصْلٌ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: پھل، اور نَبْلٌ کے معنی ہیں: تیر، اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد سے تیرے لے کر گذرے تو تیر کو پَر کی طرف سے نہ پکڑے بلکہ پھل کی طرف سے پکڑے تاکہ کوئی زخمی نہ ہو، جیسے اگر چھری کسی کو دینی ہو تو دستہ کی طرف سے دینی چاہئے دھار کی طرف سے نہیں دینی چاہئے۔ اسی طرح تیر پَر کی طرف سے پکڑ کر مسجد میں سے نہ گذرے، بلکہ پھل کی طرف سے پکڑے تاکہ کوئی زخمی نہ ہو، اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ مسجد میں ہتھیار کے ساتھ داخل ہونا جائز ہے مگر احتیاط شرط ہے، مثلاً تیر کو پیکان کی طرف سے پکڑ کر مسجد میں سے گذرے، اور یہی حکم تمام مجامع، مارکیٹ اور بازار وغیرہ کا ہے۔

[٦٦-] بابٌ: يَأْخُذُ بِنُصُوْلِ النَّبْلِ إِذَا مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ

[٤٥١-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: قُلْتُ لِعَمْرٍو: أَسَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: مَرَّ رَجُلٌ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ سِهَامٌ، فَقَالَ لَهُ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَمْسِكْ بِنِصَالِهَا "

[انظر: ٧٠٧٣، ٧٠٧٤]

ترجمہ: سفیان کہتے ہیں: میں نے عمرو بن دینار سے پوچھا: کیا آپؒ نے حضرت جابرؓ سے یہ حدیث سنی ہے کہ ایک شخص مسجد میں سے گذرا درانحالیکہ اس کے پاس تیر تھا، تو نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: اس کو پھل کی طرف سے پکڑ ــــــ تو عمرو بن دینار نے کہا: ہاں، یہ جملہ آگے (حدیث ۷۰۷۳) میں آرہا ہے۔

بابُ الْمُرُوْرِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد سے گذرنا

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ بوقت ضرورت مسجد میں سے گذرنے کی اجازت ہے مگر مسجد کو ممر (گذرگاہ) اور طریق نہیں بنانا چاہئے یہ مسجد کی شان کے خلاف ہے پس اس باب کو بھی منفی پہلو سے حقوق مسجد میں شمار کر سکتے ہیں۔ حدیث وہی ہے جو

اوپر باب میں گذری اس میں لفظ مَرَّ آیا ہے، جس میں سے مرور نکال کر حضرتؒ نے باب ثابت کیا ہے۔

[٦٧-] بابُ الْمُرُوْرِ فِي الْمَسْجِدِ

[٤٥٢-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَ بُوْ بُرْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَنْ مَرَّ فِيْ شَيْئٍ مِنْ مَسَاجِدِنَا أَوْ أَسْوَاقِنَا بِنَبْلٍ، فَلْيَأْخُذْ عَلٰى نِصَالِهَا، لاَ يَعْقِرْ بِكَفِّهِ مُسْلِمًا" [انظر: ٧٠٧٥]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہماری مسجدوں میں سے یا ہمارے بازاروں میں سے تیر لے کر گذرے تو چاہئے کہ وہ اس کو پیکان کی طرف سے پکڑے تا کہ وہ اپنی ہتھیلی (ہاتھ) سے کسی مسلمان کو زخمی نہ کر دے ـــــ أو أسواقنا میں أو تنویع کا ہے، شک راوی کا نہیں، اسی لئے میں نے کہا تھا کہ تمام مجامع کا یہی حکم ہے۔

بابُ الشِّعْرِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں شعر پڑھنا

مسجد میں اشعار پڑھنا بعض علماء کے نزدیک مطلقاً ممنوع ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے (ترمذی حدیث ۳۳۲) مگر یہ رائے صحیح نہیں۔ اس لئے کہ نبی ﷺ نے تناشد اشعار سے منع فرمایا ہے اور تناشد اشعار بیت بازی کو کہتے ہیں جس میں باری باری سبھی اشعار سناتے ہیں، یہ ممنوع ہے اس لئے کہ اس میں لوگ ایک دوسرے کو داد دیتے ہیں اور بہت شور وشغب ہوتا ہے اور اشعار بھی اچھے برے ہر طرح کے ہوتے ہیں، اس لئے اس میں مسجد کی بے حرمتی ہے البتہ دوران وعظ یا دوران درس بطور استشہاد شعر پڑھنے کی گنجائش ہے، بلکہ مسجد میں حمد ونعت پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر کھڑے ہو کر کفار کی ہجو میں اور آنحضور ﷺ کی مدح میں اشعار سناتے تھے، اور آپؐ ان کو دعا دیتے تھے کہ اے اللہ! حسان کی روح القدس سے یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ مدد فرما، معلوم ہوا کہ مسجد میں اشعار پڑھنا مطلقاً ممنوع نہیں، البتہ بیت بازی ممنوع ہے۔

[٦٨-] بابُ الشِّعْرِ فِي الْمَسْجِدِ

[٤٥٣-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ سَلَمَةَ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّه سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ ثَابِتٍ الأَنْصَارِيَّ، يَسْتَشْهِدُ أَبَا هُرَيْرَةَ: أَنْشُدُكَ اللّٰهَ! هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" يَا حَسَّانُ أَجِبْ عَنْ رسولِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ!" قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: نَعَمْ. [انظر: ٣٢١٢، ٦١٥٢]

ترجمہ: ابوسلمہؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو سنا درانحالیکہ وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو گواہ بنارہے تھے کہ میں آپؓ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے حسان! رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جواب دو، اے اللہ! حسان کو روح القدس کے ذریعہ تقویت پہنچا؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: ہاں میں نے یہ سنا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں اگرچہ مسجد میں اشعار پڑھنے کا ذکر نہیں، مگر اسی حدیث کے دوسرے طریق میں مسجد میں اشعار پڑھنے کا ذکر ہے، وہ حدیث کتاب بدء الخلق (حدیث ۳۲۲۱) میں آرہی ہے۔ سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں سے گذرے درانحالیکہ حضرت حسان اشعار پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے گھور کر دیکھا یا کسی اور طرح سے ناگواری کا اظہار کیا اس پر حضرت حسانؓ نے کہا: میں مسجد میں اشعار پڑھتا تھا درانحالیکہ مسجد میں تم سے بہتر یعنی آنحضرت ﷺ موجود ہوتے تھے، پھر انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو قسم دے کر پوچھا: کیا تم نے نبی ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے کہ اے حسان! نبی ﷺ کی طرف سے جواب دو، اے اللہ: روح القدس (حضرت جبرئیلؑ) کے ذریعہ حسانؓ کی مدد فرما؟ حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا: جی ہاں، میں نے یہ ارشاد سنا ہے۔ اس حدیث میں مسجد میں اشعار پڑھنے کی صراحت ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ طریقہ ہے کہ آپ کبھی حدیث کے دیگر طرق میں جو الفاظ آئے ہوتے ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر باب قائم کرتے ہیں اس لئے یہاں ترجمہ میں فی المسجد کی قید بڑھائی، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی اشعار جیسے حمد ونعت وغیرہ یا وہ اشعار جن میں کفار کی ہجو کی گئی ہو یا ان کے دلخراش طعنوں کا جواب دیا گیا ہو: ایسے اشعار مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔

بابُ أَصْحَابِ الْحِرَابِ فِيْ الْمَسْجِدِ

مسجد میں چھوٹے نیزوں والے

الحراب: الحَرَبَة کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: چھوٹا نیزہ۔ عید کے دن حبشہ کے لوگوں نے مسجدِ نبوی میں چھوٹے نیزوں کی مشق کی تھی، حبشہ کے لوگ اس کھیل کے ماہر تھے۔ اور فتح الباری میں امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ کھیل مسجد سے باہر کھیلا گیا تھا، یعنی مسجد شرعی سے باہر تھا، مسجدِ نبوی میں آگے صحن تھا جس کو روایتوں میں بلاط کہا گیا ہے اس میں وہ کھیل کھیلا گیا تھا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حجرہ سے آنحضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوکر وہ فوجی مشق دیکھی تھی۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے بہت احتیاط سے ترجمہ قائم کیا ہے، فرمایا: أصحابُ الحراب فی المسجد: چھوٹے نیزے والے مسجد میں: اس کا کیا حکم ہے؟ دیکھنے والے اور کھیلنے والے سب اس کا مصداق ہوسکتے ہیں، غرض حضرتؒ نے بہت احتیاط سے باب قائم کیا ہے۔

[٦٩-] بابُ أَصْحَابِ الْحِرَابِ فِيْ الْمَسْجِدِ

[٤٥٤-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ: لَقَدْ رَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمًا عَلٰى بَابِ حُجْرَتِيْ، وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ فِيْ الْمَسْجِدِ، وَرسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَسْتُرُنِيْ بِرِدَائِهِ، أَنْظُرُ إِلٰى لَعِبِهِمْ" [انظر:٤٥٥، ٩٥٠، ٩٨٨، ٢٩٠٦، ٣٥٢٩، ٩٣٣١، ٥١٩٠، ٥٢٣٦]

[٤٥٥-] زَادَ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:" رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِحِرَابِهِمْ" [راجع: ٤٥٤]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک دن اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھا درانحالیکہ حبشہ والے مسجد (مسجدِ عرفی) میں کھیل رہے تھے (یہی جزء باب سے متعلق ہے) اور رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی چادر میں چھپا رکھا تھا درانحالیکہ میں دیکھ رہی تھی، ان کے کھیل کو، اور ابراہیم بن المنذر کی سند میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا درانحالیکہ حبشہ والے اپنے چھوٹے نیزوں سے کھیل رہے تھے، یعنی اوپر والی حدیث میں نیزہ کا ذکر نہیں تھا اس دوسری حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

تشریح: یہ کھیل مسجدِ شرعی میں نہیں، بلکہ مسجدِ عرفی میں کھیلا گیا تھا جیسا کہ فتح الباری کے حوالہ سے میں نے امام مالک رحمہ اللہ کا قول بیان کیا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ نے آپؐ کی چادر کے پردے میں آپؐ کے پیچھے آپؐ کے کندھے پر منہ رکھ کر یہ کھیل دیکھا تھا، پھر جب آپؐ نے محسوس کیا کہ وہ تھک گئی ہیں تو آپؐ نے پوچھا: تمہارا جی بھر گیا؟ انھوں نے کہا: ہاں تو آپؐ نے فرمایا: پس چلی جاؤ، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت میلان قلبی کے بغیر پردے کے پیچھے سے مردوں کو دیکھ سکتی ہے، البتہ مرد اجنبی عورت کو نہیں دیکھ سکتا، نہ شہوت (میلان قلبی) سے نہ اس کے بغیر۔

بَابُ ذِكْرِ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِيْ الْمَسْجِدِ

مسجد کے منبر پر بیع وشراء کا ذکر

حافظ عسقلانی، علامہ عینی اور علامہ سندھی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ مسجد میں بیع وشراء کے احکام بیان کرنا جائز ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ مسجد میں مبیع حاضر کئے بغیر بیع وشراء جائز ہے، کیونکہ مبیع حاضر کئے بغیر بیع وشراء محض کلام ہے اور کلام بھی کلام مباح کے قبیل سے ہے پس یہ جائز ہے، اور ہماری فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ مبیع حاضر کئے بغیر مسجد میں بیع وشراء جائز ہے، لیکن شاہ صاحبؒ نے اس کو جو باب کا مقصد

قرار دیا ہے وہ بعید معلوم ہوتا ہے، راجح بات وہی ہے جو علامہ سندھی وغیرہ نے فرمائی ہے۔

اور باب میں یہ حدیث ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ایک یہودی کی باندی تھیں۔ اور بہت سمجھ دار اور نیک خاتون تھیں، انھوں نے اپنے آقا سے ایک بڑی رقم پر کتابت کا معاملہ کرلیا تھا، ان کے پاس بدلِ کتابت ادا کرنے کے لئے رقم نہیں تھی، وہ مدد مانگنے کے لئے حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں [1] حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا: میں تمہاری مدد کروں گی لیکن اگر تم چاہو تو اپنے آقا سے بات کرو وہ پوری رقم میں تم کو بیچ دے، میں خرید کر تمہیں آزاد کردوں گی۔ حضرت بریرہؓ نے اپنے آقا سے گفتگو کی، اس نے شرط لگائی کہ تمہاری ولاء مجھے ملے تو میں تیار ہوں [2] حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا فتح الرقاب [3] کا وظیفہ جانتی تھیں، ایسے شخص کے پاس ہدایا بہت آتے ہیں، اس یہودی نے سوچا کہ مرنے تک بریرہ بہت مالدار ہو جائیں گی۔ اس لئے اس نے ولاء کی شرط لگائی کہ عائشہ تمہیں آزاد کرسکتی ہیں مگر جب تم مروگی تو تمہاری میراث مجھے ملے گی۔

حضرت عائشہؓ نے آنحضور ﷺ سے اس سلسلہ میں بات کی، آپؐ نے فرمایا: تم خرید کر آزاد کردو، ولاء اسی کو ملے گی جو آزاد کرے گا، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے حضرت بریرہؓ کو خرید کر آزاد کردیا، پھر آنحضور ﷺ نے منبر سے یہ مسئلہ بیان کیا کہ لوگ سودے میں ایسی شرطیں کیوں لگاتے ہیں جو شرعاً جائز نہیں۔ اگر وہ ایسی سو شرطیں بھی لگائیں گے تو ان کا کچھ اعتبار نہ ہوگا، ولاء اسی کو ملے گی جو آزاد کرے گا۔

اس حدیث میں آنحضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا ہے: اِبْتَاعِیْهَا فَأَعْتِقِیْهَا: اس میں خریدنے کا، آزاد کرنے کا اور ضمناً بیچنے کا بھی تذکرہ آگیا، آپؐ نے منبر سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے، یہی باب سے مناسبت ہے۔ مسجد میں بیع وشراء کا تذکرہ کرنا جائز ہے، یہ مسائل کی تعلیم ہے اور تعلیم عبادت ہے جس کے لئے سب سے زیادہ موزون جگہ مسجد ہے پس بیع وشراء کی تعلیم مسجد میں بلا کراہت جائز ہے۔

---

(۱) بریرہؓ سے ان کے آقا نے نو اوقیہ چاندی پر کتابت کی تھی، ہر سال ان کو ایک اوقیہ چاندی ادا کرنی تھی، ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، پہلی قسط کی ادائیگی کے سلسلہ میں مدد مانگنے کے لئے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی تھیں (بخاری حدیث ۲۱۶۸)

(۲) غلام باندی کو آزاد کرنے سے مُعْتِق (آزاد کرنے والے) اور مُعتَق (آزاد شدہ) کے درمیان ایک رشتہ (تعلق) قائم ہوتا ہے، اس کا نام 'ولاء' ہے، وہ نسبی رشتہ کی طرح ایک رشتہ ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: الولاء لُحْمَةٌ کَلُحْمَةِ النَّسَبِ: ولاء نسبی رشتہ کی طرح ایک رشتہ ہے (بیہقی ۶: ۲۴۰) پس جس طرح نسب بدل نہیں سکتا ولاء بھی بدل نہیں سکتی، اور جس طرح نسب کی بنیاد پر میراث ملتی ہے ولاء کی بنیاد پر بھی میراث ملتی ہے۔ اگر کسی میت کے ذوی الفروض اور عصبہ نسبی نہ ہوں تو عصبہ سببی وارث ہوتا ہے، عصبہ سببی یہی آزاد کرنے والا ہے۔

(۳) فتح الرقاب یعنی گردنیں مسخر کرنے والا وظیفہ، یہ لفظ مزاحاً استعمال کیا ہے، ایسا کوئی وظیفہ نہیں، اور حضرت الاستاذ کی مراد یہ ہے کہ بعض بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ فتوحات کا دروازہ کھول دیتے ہیں، ان کے پاس ہدایا خوب آتے ہیں ۱۲

ملحوظہ: یہ حدیث بخاری شریف میں بار بار آئے گی، اور مختلف طرح سے آئے گی، تمام روایتوں کو پیش نظر رکھ کر جو صحیح صورت تھی وہ میں نے عرض کی، اس لئے جو اختلافات آئیں ان کی تاویل کرو یا واقعہ کے متعلقات قرار دے کر صرف نظر کرو، اور اس حدیث میں دو مسئلے اور بھی ہیں، خیارِ عتق کا مسئلہ اور ملک بدلنے سے حکم بدلنے کا مسئلہ: یہ مسائل آگے اپنی جگہ آئیں گے۔

[۷۰-] بَابُ ذِكْرِ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ عَلَى الْمِنبَرِ فِي الْمَسْجِدِ

[۴۵۶-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَحْيىٰ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَتَتْهَا بَرِيْرَةُ تَسْأَلُهَا فِيْ كِتَابَتِهَا، فَقَالَتْ: إِنْ شِئْتِ أَعْطَيْتُ أَهْلَكِ، وَيَكُوْنُ الْوَلَاءُ لِيْ، وَقَالَ أَهْلُهَا: إِنْ شِئْتِ أَعْطَيْتِهَا ــــ وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: إِنْ شِئْتِ أَعْتَقْتِهَا، وَيَكُوْنُ الْوَلَاءُ لَنَا ــــ فَلَمَّا جَاءَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذَكَّرْتُهُ ذٰلِكَ فَقَالَ: "ابْتَاعِيْهَا فَأَعْتِقِيْهَا، فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ"

ثُمَّ قَامَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْمِنبَرِ ــــ وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: فَصَعِدَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْمِنْبَرِ ــــ فَقَالَ: " مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ؟! مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَيْسَ لَهُ، وَإِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ"

وَرَوَاهُ مَالِكٌ، عَنْ يَحْيىٰ، عَنْ عَمْرَةَ: أَنَّ بَرِيْرَةَ، وَلَمْ يَذْكُرْ: صَعِدَ الْمِنْبَرَ.

قَالَ عَلِيٌّ: قَالَ يَحْيىٰ، وَعَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ يَحْيىٰ، عَنْ عَمْرَةَ نَحْوَهُ، وَقَالَ جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، عَنْ يَحْيىٰ سَمِعْتُ عَمْرَةَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ[انظر: ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰]

ترجمہ: صدیقہ فرماتی ہیں: بریرہؓ ان کے پاس آئیں، درخواست کر رہی تھیں وہ ان سے اپنی کتابت کے معاملہ میں یعنی بدلِ کتابت کے ادا کرنے میں مدد کی خواستگار تھیں۔ صدیقہؓ نے کہا: اگر تم چاہو تو میں تمہارے آقاؤں کو رقم ادا کردوں، اور میراث میرے لئے ہو۔ یعنی تم خود کو کتابت سے عاجز کردو، کتابت فسخ ہو جائے گی، پھر تمہارا آقا تمہیں نو اوقیہ (۳۶۰ درہم) میں مجھے بیچ دے میں تمہیں خرید کر آزاد کردونگی، اور تمہاری میراث مجھے ملے گی یہ روایات کا اختلاف ہے، حضرت عائشہؓ کو ولاء (میراث) سے کچھ مطلب نہیں تھا۔

اور سفیان بن عیینہؒ نے ایک مرتبہ کہا: اگر آپ چاہیں تو بریرہ کو آزاد کردیں، اور ولاء ہمارے لئے ہوگی (یہ حدیث علی المدینی (استاذ امام بخاری) نے ابن عیینہ سے بار بار سنی ہے، صرف ایک مرتبہ انھوں نے ولاء کا بھی ذکر کیا ہے)

پس جب نبی ﷺ آئے تو میں نے آپ کو یہ بات یاد دلائی یا میں نے آپؐ سے یہ بات ذکر کی (اگر ذَکَّرْتُ (باب

تفعیل سے) ہے تو پہلے معنی ہیں، اور ذَکَرْتُ (مجرد سے) ہے تو دوسرے معنی ہیں، پہلی صورت میں مطلب ہوگا کہ حضرت عائشہؓ ایک مرتبہ پہلے یہ بات آپؐ سے کہہ چکی تھیں، مگر آپؐ بھول گئے اس لئے انھوں نے دوبارہ یاد دلایا، مگر صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے پہلی مرتبہ ذکر کیا تھا، پس صحیح ذَکَرْتُ (مجرد) ہے۔

پس نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم ان کو خرید کر آزاد کردو، اور ولاء اس کے لئے ہوگی جس نے آزاد کیا ہے''

پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے —— اور سفیان نے ایک مرتبہ کہا: رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے قَام اور صَعِدَ کا فرق ظاہر کیا، مطلب دونوں کا ایک ہے —— پس آپؐ نے فرمایا: لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں، یعنی جو جائز نہیں ہیں، جس نے کوئی ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو اس شرط کا کوئی اعتبار نہیں، یعنی وہ شرط باطل ہے، اگرچہ وہ سو شرطیں ہوں۔

سند کی بحث:

۱- اس حدیث کو امام مالک رحمہ اللہ نے یحیٰ انصاری سے، انھوں نے عمرہ سے روایت کیا ہے کہ بریرہ الی آخرہ، اور انھوں نے منبر پر چڑھنے کا ذکر نہیں کیا، یعنی یہ سند مرسل ہے، اس میں حضرت عائشہؓ کا ذکر نہیں، اور نبی ﷺ کے منبر پر تقریر کرنے کا بھی ذکر نہیں۔

۲- علی بن المدینیؒ کہتے ہیں: یحیٰ بن سعید قطانؒ اور عبدالوہاب بن عبدالمجیدؒ: یحیٰ بن سعید انصاریؒ سے اور وہ عمرۃ سے اسی طرح روایت کرتے ہیں یعنی یہ سند بھی مرسل ہے، اس میں بھی حضرت عائشہؓ کا ذکر نہیں، اور منبر سے تقریر کرنے کا بھی ذکر نہیں۔

۳- اور جعفر بن عون: یحیٰ انصاریؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے عمرۃ سے سنا، وہ کہتی ہیں: میں نے عائشہؓ سے سنا یعنی اس میں سماعت کی صراحت ہے اور یہ سند مسند ہے، آخر میں عائشہؓ کا ذکر ہے۔

خلاصۂ کلام: اس حدیث کو علی بن المدینی چار اساتذہ سے روایت کرتے ہیں: ابن عیینہؒ سے، یحیٰ بن سعید قطانؒ سے، عبدالوہاب بن عبدالمجیدؒ سے اور جعفر بن عونؒ سے، اور یہ چاروں شیوخ یحیٰ بن سعید انصاری سے روایت کرتے ہیں، اور ان کی سندوں میں فرق یہ ہے کہ یحیٰ قطان اور عبدالوہاب کی سندیں مرسل ہیں ان میں حضرت عائشہؓ کا ذکر نہیں، اور نبی ﷺ کے منبر پر تقریر کرنے کا بھی ذکر نہیں، اور ابن عیینہ کی سند متصل ہے اور اس میں منبر سے تقریر کرنے کا ذکر بھی ہے جس سے ترجمہ کا ثبوت ہوتا ہے اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو پہلے لیا ہے، اور جعفر بن عون کی سند بھی متصل ہے اور اس میں یحیٰ کی عمرہ سے سماعت کی صراحت ہے اور ابن عیینہ کی حدیث بصیغہ عن ہے —— اور امام مالک رحمہ اللہ کی سند یہاں معلق ہے، کتاب المکاتب میں (حدیث ۲۵۶۴) عبداللہ بن یوسف کے طریق سے موصولاً ذکر کی گئی ہے، یہاں امام مالکؒ یحیٰ انصاری سے روایت کرتے ہیں، اور ان کی حدیث مرسل ہے، اس میں بھی حضرت عائشہؓ کا ذکر نہیں، نیز منبر پر تقریر کرنے کا ذکر بھی نہیں۔

فائدہ: وہ معاملات جن میں اقالہ ہوسکتا ہے یعنی وہ معاملات وجود میں آنے کے بعد ختم ہوسکتے ہیں فقہاء کی اصطلاح میں وہ 'بیوع' کہلاتے ہیں ان میں اگر کوئی شرط فاسد لگائی جائے تو معاملہ فاسد ہوجاتا ہے اور شرط فاسد وہ ہے جس میں احد المتعاقدین کا یا مبیع کا فائدہ ہو درانحالیکہ مبیع اہل استحقاق میں سے ہو، مثلاً کپڑا خریدا اور مشتری نے شرط لگائی کہ بائع اس کو سی کر دے گا، یا گھوڑا بیچا اور بائع نے شرط لگائی کہ وہ اس پر ایک مہینہ تک سواری کرے گا، یا غلام اس شرط پر بیچا کہ مشتری روزانہ صبح اس کو ناشتے میں پراٹھے کھلائے گا اس شرط میں مبیع (غلام) کا فائدہ ہے اور وہ اہل استحقاق میں سے ہے پس یہ شرط فاسد ہے، اس سے بیع بھی فاسد ہوجائے گی۔

اور وہ معاملات جن کا اقالہ نہیں ہوسکتا یعنی جو ہونے کے بعد ختم نہیں ہوسکتے، فقہاء کی اصطلاح میں وہ 'یمین' کہلاتے ہیں۔ اگر ان میں شرط فاسد لگائی جائے تو وہ شرط خود فاسد ہوجاتی ہے اور معاملہ درست رہتا ہے۔ مشہور حدیث ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ثلاثٌ جِدُّهن جِدٌّ، وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: النکاح والطلاق والعتاق: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی سنجیدگی ہے اور دل لگی بھی سنجیدگی ہے: نکاح طلاق اور عتاق، یعنی یہ تینوں معاملے جب ہوگئے تو واپس نہیں ہوسکتے، خواہ سنجیدگی سے ان کو کیا ہو یا مذاق میں، اور یہ تین بطور مثال ہیں ہدایہ آخرین میں ایسے معاملات ڈیڑھ سطر میں لکھے ہیں، عتق بھی ان میں سے ایک ہے، اس میں بھی اقالہ نہیں ہوسکتا، پس اگر اس میں کوئی شرط فاسد لگائی جائے تو وہ شرط خود فاسد ہوجائے گی اور عتق صحیح ہوگا، پس خاص یاد رکھنے کی بات اس حدیث میں یہ ہے کہ ولاء کی شرط اعتاق میں تھی جو از قبیل یمین ہے، بیع میں یہ شرط نہیں تھی، پس بیع بھی درست ہوگی اور اعتاق بھی اور شرط فاسد ہوجائے گی۔

بَابُ التَّقَاضِیْ وَالْمُلاَزَمَةِ فِیْ الْمَسْجِدِ

مسجد میں قرض کا مطالبہ کرنا اور مدیون کو گھیرنا

التَّقَاضِیْ کے معنی ہیں: قرض کا مطالبہ کرنا، تقاضہ کرنا۔ اور **المُلاَزَمَةَ** کے معنی ہیں: مدیون کو گھیرنا، اس کے پیچھے لگنا۔ یہاں حدیث میں باب کے دوسرے جزء کے بارے میں کوئی لفظ نہیں، مگر یہی حدیث آگے **کتاب الخصومات** (حدیث ۲۴۲۴) میں آرہی ہے، وہاں الفاظ ہیں: **فَلَقِيَه ولَزِمَه**: پس باب کے دونوں جزء حدیث سے ثابت ہیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا ابن ابی حدرد پر قرضہ تھا، اتفاق سے مسجدِ نبوی میں دونوں کی ملاقات ہوگئی، حضرت کعبؓ نے اپنے قرض کا مطالبہ کیا، ابن ابی حدردؓ نے عذر کیا کہ میرے پاس قرض ادا کرنے کا انتظام نہیں۔ دونوں میں تکرار ہوئی اور دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں، آنحضور ﷺ اپنے حجرہ سے سن رہے تھے، آپؐ مسجد میں تشریف لائے یا کمرے کا پردہ ہٹایا اور حضرت کعبؓ کی طرف اشارہ کیا کہ آدھا قرض چھوڑ دو، کعبؓ نے قبول کرلیا، پس آپؐ نے ابن ابی حدردؓ سے کہا: جاؤ اور آدھا قرضہ ادا کردو، حضرت کعبؓ نے مسجد میں اپنے قرض کا مطالبہ کیا ہے اور قرض کے سلسلہ میں ابن

ابی حدردؓ کو گھیرا ہے اور یہی باب ہے، پس مسجد میں قرض کا مطالبہ کرنا اور مدیون کو گھیرنا جائز ہے۔

[٧١-] بَابُ التَّقَاضِيْ وَالْمُلاَزَمَةِ فِي الْمَسْجِدِ

[٤٥٧-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ كَعْبٍ: أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِيْ حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا، حَتّٰى سَمِعَهُمَا رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ فِيْ بَيْتِهِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ، فَنَادَى: "يَا كَعْبُ" قَالَ: لَبَّيْكَ يَارسولَ اللّٰهِ! قَالَ: "ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هٰذَا" وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَيِ الشَّطْرَ، قَالَ: لَقَدْ فَعَلْتُ يَارسولَ اللّٰهِ! قَالَ: "قُمْ فَاقْضِهِ" [انظر: ٤٧١، ٢٤١٨، ٢٤٢٤، ٢٧٠٦، ٢٧١٠]

ترجمہ: حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن ابی حدردؓ سے مسجدِ نبوی میں قرض کا مطالبہ کیا جو کعبؓ کا ان پر تھا (فی المسجد: تقاضی کے ساتھ متعلق ہے) پس دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں کی آوازیں سنیں درانحالیکہ آپؐ حجرہ میں تھے، پس آپؐ ان کی طرف نکلے یہاں تک کہ آپؐ نے اپنے حجرہ کا پردہ کھولا، یعنی پردہ ہٹا کر حجرہ سے باہر سر نکالا، اور پکار کر کہا: اے کعب! انھوں نے عرض کیا: حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: اپنے قرض میں سے اتنا معاف کردو اوران کی طرف اشارہ کیا یعنی آدھے کا اشارہ کیا یعنی آدھا قرض معاف کردو، حضرت کعبؓ نے عرض کیا: میں نے کیا اے اللہ کے سول! یعنی میں نے آدھا قرضہ معاف کردیا، آپؐ نے ابن ابی حدردؓ سے کہا: کھڑے ہوؤ اور آدھا قرض ادا کرو۔

تشریح: پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ نبی ﷺ لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو وہاں دو شخص باہم جھگڑ رہے تھے آپؐ ان کے درمیان صلح کرانے میں مشغول ہوگئے اور شبِ قدر کا علم ذہن سے نکل گیا، وہ غالباً یہی واقعہ ہے، اور وہ کوئی دوسرا واقعہ بھی ہوسکتا ہے، اور یہ روایت بار بار آئے گی اور الفاظ کا اختلاف بھی آئے گا، بعض روایات میں آئے گا کہ جس وقت جھگڑا ہو رہا تھا نبی ﷺ وہاں سے گذرے، یہ واقعہ کے متعلقات ہیں اور یہ جملہ کہ آپؐ ان کی طرف نکلے یہاں تک کہ حجرہ کا پردہ کھولا: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے پردہ ہٹا کر سر مبارک نکالا، اور پکار کر حضرت کعبؓ سے کہا۔

بابُ كَنْسِ الْمَسْجِدِ وَالْتِقَاطِ الْخِرَقِ وَالْقَذَى وَالْعِيْدَانِ

مسجد میں جھاڑو دینا اور چیتھڑے تنکے اور لکڑی کے ٹکڑے چننا

كَنْس کے معنی ہیں: جھاڑو دینا، التقاط کے معنی ہیں: چننا۔ الخِرَق: الخِرْقَة کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: کپڑے

کے ٹکڑے، چیتھڑے، القَذَی کے معنی ہیں: خاشاک، تنکے، اور عیدان: عود کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: لکڑی۔

اس ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ مسجد کو صاف ستھرا رکھنا چاہئے اس لئے کہ مسجد کی صفائی ایک پسندیدہ عمل ہے، ہم اپنے گھروں کو صاف کرتے ہیں، پس مسجد کو کیوں صاف نہ کریں؟ اور مسجد کو صاف رکھنے کی مختلف صورتیں ہیں: جھاڑو دینا اور چیتھڑے، تنکے اور لکڑی کے ٹکڑے پڑے ہوں تو ان کو چن لینا اور باہر ڈال دینا مسجد کو صاف رکھنے کی صورتیں ہیں۔

سوال: ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد سے کنکریاں اٹھا کر باہر لے جاتا ہے تو کنکریاں قسم دیتی ہیں کہ ہمیں باہر مت لے جاؤ، اس حدیث کے ایک راوی ابو بدر کہتے ہیں: میرا خیال یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ نے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے (ابوداؤد حدیث ۴۶۰) اس حدیث کی رو سے مسجد کو صاف کرنا درست نہیں، کوڑا قسم دے گا کہ مجھے باہر مت لے جاؤ۔

جواب: باب کی حدیث اور ابوداؤد کی حدیث کے مصداق الگ الگ ہیں، جو کنکریاں قسم دیتی ہیں وہ دور نبوی میں مسجد کا جزء تھیں، کوڑا کباڑ نہیں تھیں اور جھاڑو لگانے سے خس وخاشاک باہر نکلتے ہیں، وہ قسم نہیں دیتے، انھوں نے تو خود دخل در معقولات کر رکھا ہے، پس ان کو تو دفع کرنا ہی چاہئے۔

[۷۲-] بابُ كَنْسِ الْمَسْجِدِ وَالْتِقَاطِ الْخِرَقِ وَالْقَذَى وَالْعِيْدَانِ

[۴۵۸-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيْ رَافِعٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَجُلاً أَسْوَدَ أَوِ: امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَ يَقُمُّ الْمَسْجِدَ، فَمَاتَ، فَسَأَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْهُ؟ فَقَالُوْا: مَاتَ: قَالَ: "أَفَلاَ كُنْتُمْ آذَنْتُمُوْنِيْ بِهِ؟ دُلُّوْنِيْ عَلٰى قَبْرِهِ" أَوْ قَالَ: "عَلَى قَبْرِهَا" فَأَتَى قَبْرَهُ فَصَلَّى عَلَيْهَا.

[انظر: ۴۶۰، ۱۳۳۷]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک کالا آدمی یا کالی عورت مسجدِ نبوی میں صفائی کیا کرتی تھی (أو شک راوی کا ہے اور مرد کی رعایت میں فعل مذکر لائے ہیں) پس وہ مر گیا تو نبی ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت کیا لوگوں نے بتایا کہ اس کا انتقال ہو گیا، آپؐ نے فرمایا: تم نے مجھے اس کی خبر کیوں نہ کی؟ میری اس کی قبر کی طرف راہنمائی کرو، پس آپؐ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔

تشریح: چند ابواب پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ ایک حبشن پر اس کے آقا کے قبیلہ والوں نے ہار چوری کرنے کا الزام لگایا تھا اور اس کو مارا پیٹا تھا، اور اس کی شرم گاہ تک کی تلاشی لی تھی، جس کی وجہ سے وہ عورت بددل ہو کر مدینہ آ گئی تھی اور مسلمان ہو گئی تھی، اور آنحضور ﷺ نے اس کے لئے مسجدِ نبوی میں کٹیا یا خیمہ لگوایا تھا وہ وہیں رہتی تھی۔ اور مسجدِ نبوی کی صفائی کرتی تھی، میرا خیال ہے کہ یہ اسی عورت کا واقعہ ہے، جب اس کا انتقال ہوا تو صحابہ نے نماز جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کر دیا

اور نبی ﷺ کو اس کی خبر نہ کی، جب آپؐ نے مسجد میں کوڑا دیکھا تو آپؐ نے اس کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ عورت جو مسجد نبوی کی صفائی کرتی تھی کہاں ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس کا تو انتقال ہوگیا، آپؐ نے فرمایا: تم نے مجھے اس کی خبر کیوں نہ کی؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! معمولی عورت تھی، رات کا وقت تھا، آپ کو کیا تکلیف دیتے، ہم نے خود نماز جنازہ پڑھ کر دفن کردیا، نبی ﷺ نے فرمایا: تمہاری قبریں تاریکی سے بھری رہتی ہیں، میرے نماز پڑھنے سے ان میں روشنی ہوتی ہے، چنانچہ آپؐ قبرستان تشریف لے گئے اور آپؐ نے اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی —— آنحضور ﷺ نے اس کی قبر پر جا کر نماز پڑھی اس سے مسجد میں جھاڑو دینے کی فضیلت نکلی، وہ عورت چونکہ مسجدِ نبوی کی صفائی کرتی تھی اس لئے آپؐ نے اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔

بابُ تَحْرِيْمِ تِجَارَةِ الْخَمْرِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں شراب کے کاروبار کی حرمت کا بیان

شراب گندی چیز ہے، ایسی خبیث چیز کا تذکرہ شاید مسجد میں جائز نہ ہو اس لئے یہ باب قائم کیا کہ شراب کا تذکرہ مسجد میں نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض مرتبہ اس کا تذکرہ ضروری ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے شراب، سود اور خنزیر وغیرہ کے احکام بیان کرنے ہوں گے تو نام لئے بغیر کیسے بیان کریں گے؟

اور یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ شراب کی حرمت پہلے نازل ہوئی ہے اور سود کی بعد میں فتح مکہ کے موقع پر حرمت نازل ہوئی ہے، فتح مکہ کے دن آنحضور ﷺ نے جو تقریر فرمائی ہے اس میں ایک بات یہ فرمائی تھی کہ آج سے ہر قسم کا سود حرام ہے، اور سب سے پہلا سود جو میں ختم کرتا ہوں وہ میرے چچا عباسؓ کا سود ہے۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب سود کی حرمت نازل ہوئی تو آپ مسجد میں تشریف لے گئے، اور منبر سے آپؐ نے لوگوں کو وہ آیتیں سنائیں۔ اور اعلان فرمایا کہ اب سود حرام ہے، اس موقع پر آپؐ نے شراب کی تجارت کی حرمت کا بھی اعلان کیا، الشیئ بالشیئ یُذکر: بات میں سے بات نکلتی ہے، سود بھی حرام ہے، شراب بھی حرام ہے، اس لئے سود کے ساتھ شراب کی حرمت کا بھی تذکرہ فرمایا۔

[٧٣-] بابُ تَحْرِيْمِ تِجَارَةِ الْخَمْرِ فِي الْمَسْجِدِ

[٤٥٩-] حدثنا عَبْدَانُ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا أُنْزِلَتِ الآيَاتُ مِنْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرِّبَا، خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلَى الْمَسْجِدِ، فَقَرَأَهُنَّ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ حَرَّمَ تِجَارَةَ الْخَمْرِ. [انظر: ٢٠٨٤، ٢٢٢٦، ٤٥٤٠، ٤٥٤١، ٤٥٤٢، ٤٥٤٣]

ترجمہ: صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب سورۂ بقرہ میں ربا کے سلسلہ کی آیتیں نازل کی گئیں تو نبی ﷺ گھر سے

نکلے اور وہ آیتیں لوگوں کے سامنے تلاوت فرمائیں، پھر شراب کی تجارت کو حرام فرمایا۔

تشریح: جب آیاتِ ربا ﴿اَلَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ الرِّبَا لَایَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ (بقرۃ آیات ۲۷۵-۲۷۹) نازل ہوئیں تو نبی ﷺ نے منبر پر یہ آیتیں تلاوت فرمائیں اور سود کی حرمت کا اعلان کیا، اور ساتھ ہی شراب کی تجارت کی حرمت کا بھی اعلان کیا، آیاتِ خمر سورۂ مائدہ (آیت ۹۰و۹۱) میں ہیں، اور وہ سود کی حرمت سے بہت پہلے نازل ہوچکی ہیں، مگر بات میں سے بات نکلتی ہے، سود بھی حرام ہے اور شراب بھی حرام ہے، شرابی بھی مخبوط الحواس ہوتا ہے اور سودی بھی دنیا کی حرص میں ہمیشہ مخبوط الحواس رہتا ہے، اور قیامت کے دن وہ واقعی شرابی کی طرح مخبوط الحواس ہوگا اس مناسبت سے آپؐ نے شراب کا بھی تذکرہ فرمایا، اور یہ شراب وسود کی حرمت کا اعلان مسجد میں فرمایا، پس ترجمہ ثابت ہوگیا کہ ان کا مسجد میں تذکرہ جائز ہے۔

بابُ الْخَدَمِ لِلْمَسْجِدِ

مسجد کے لئے خادم رکھنا

مسجد کے لئے بالمعاوضہ یا بلا معاوضہ خادم رکھنا جائز ہے، اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ ہر مسلمان مسجد کا خادم ہے اگر کسی کو خادم مقرر کیا جائے گا تو یہ دوسروں کا حق مارنا ہے، یہ شبہ بیکار ہے، عہدِ نبوی میں اس کا ثبوت ہے، مسجدِ نبوی کی دیکھ بھال اور صفائی ایک حبشن کیا کرتی تھی، اور یہ بات الگ ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں جو خدمت گار مقرر ہوتے تھے وہ بلا معاوضہ مقرر ہوتے تھے اور بعد میں ضرورت کی وجہ سے بامعاوضہ مقرر کئے جانے لگے، مگر اس سے اتنی بات ثابت ہوگئی کہ مسجد کے لئے خادم مقرر کرنا خواہ وہ تنخواہ دار ہو یا بلا تنخواہ: جائز ہے۔ اور اس کا رواج صرف اسی امت میں نہیں بلکہ امم سابقہ میں بھی اس کا رواج تھا، مسجد کے لئے خدام متعین ہوتے تھے۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی والدہ نے جب ان کا حمل ٹھہرا تو منت مانی تھی کہ میرے جولڑکا پیدا ہوگا میں اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کرتی ہوں اس زمانہ میں بچہ پیدا ہوتے ہی بیت المقدس کو دیدیا جاتا تھا، وہ وہیں پلتا بڑھتا تھا اور بڑا ہوکر زندگی بھر خادم رہتا تھا، اور اس کی ضروریات بیت المقدس ہی سے پوری ہوتی تھیں، مگر صرف لڑکے وقف کئے جاتے تھے، چنانچہ جب لڑکی پیدا ہوئی تو حضرت مریم کی والدہ پریشان ہوگئیں کہ میری نذر کا کیا ہوگا؟ میرے یہاں تو لڑکی پیدا ہوئی؟ واقعہ تم پڑھ چکے ہو، اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ مسجد کے لئے خادم مقرر کرنے کا امم سابقہ میں بھی رواج تھا، اور اس امت کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ اگر مسجد کی خدمت کے لئے کوئی شخص متعین کیا جائے تو جائز ہے۔

قولہ: الخدم: یہ خادم کی جمع ہے، اور جمع لاکر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مسجد کے لئے اگر ضرورت ہو تو ایک سے زیادہ خادم مقرر کئے جاسکتے ہیں، سعودیہ میں چھوٹی مساجد میں ایک ہی آدمی سرکاری ملازم ہوتا ہے، وہی اذان دیتا ہے، وہی تکبیر کہتا

ہے، وہی نماز پڑھاتا ہے اور وہی مسجد صاف کرتا ہے، اور بڑی مساجد میں کئی کئی خدام ہوتے ہیں، حرمین شریفین میں بے شمار خدام ہیں۔ غرض جیسی مسجد ہو اس کے اعتبار سے خدام مقرر کئے جاسکتے ہیں۔

[۷۴-] بابُ الْخَدَمِ لِلْمَسْجِدِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا﴾[آل عمران: ۳۵] مُحَرَّرًا لِلْمَسْجِدِ يَخْدُمُهُ.

[۴۶۰-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ وَاقِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيْ رَافِعٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ امْرَأَةً أَوْ: رَجُلاً كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ - وَلاَ أُرَاهُ إِلَّا امْرَأَةً - فَذَكَرَ حَدِيْثَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ صَلَّى عَلٰى قَبْرِهَا. [راجع: ۴۵۸]

وضاحت: ابن عباسؓ نے فرمایا: ﴿مُحَرَّرًا﴾ کا مطلب ہے: مسجد کے لئے آزاد کیا ہوا، جو بڑا ہو کر بیت المقدس کی خدمت کرے گا، اور حدیث وہی ہے جو گذشتہ سے پیوستہ باب میں گذر چکی ہے کہ ایک حبشن مسجدِ نبوی میں صفائی کیا کرتی تھی۔ حدیث میں شک راوی ہے کہ وہ خادم مرد تھا یا عورت، راوی کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ عورت تھی، اور بعض روایات میں تعیین ہے کہ وہ خادم عورت تھی اور اس کا نام أُمِّ مِحْجَنْ تھا[۱] —— ولا أراه إلا امرأة: حضرت ابو ہریرہؓ کا کلام بھی ہوسکتا ہے اور ابو رافع کا بھی (عمدۃ)

بابُ الْأَسِيْرِ أَوِ الْغَرِيْمِ يُرْبَطُ فِي الْمَسْجِدِ

قیدی یا مدیون کو مسجد میں باندھنا

اوپر غریم کے بارے میں باب آیا تھا اس باب میں اسیر بڑھا دیا تو نیا باب ہوگیا، قیدی کو مسجد میں باندھ سکتے ہیں، اسی طرح مقروض اگر قرض ادا نہ کرے تو اس کو بھی مسجد میں باندھ سکتے ہیں۔ یہ دورِ اول کے احوال ہیں، اس وقت حوالات اور جیل خانہ نہیں تھا، سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جیل کے نام سے ایک مکان خریدا ہے، دورِ اول میں قیدیوں کو مسجد میں کسی ستون سے باندھ دیا کرتے تھے، پس ابتدائی احوال اور بعد کے احوال میں فرق کرنا چاہئے مگر حضرتؒ نے فرق کئے بغیر ابواب قائم کئے ہیں۔

[۷۵-] بابُ الْأَسِيْرِ أَوِ الْغَرِيْمِ يُرْبَطُ فِي الْمَسْجِدِ

[۴۶۱-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: أَنَا رَوْحٌ، وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ،

(۱) صحیح ابن خزیمہ میں ابو ہریرہؓ سے بالتعیین مروی ہے کہ وہ خادم حبشن تھی اور بیہقی کی روایت میں اس کا نام ام محجن آیا ہے (عمدۃ ۴: ۲۳۰)

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم، قَالَ: "إِنَّ عِفْرِیْتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ عَلَیَّ الْبَارِحَةَ – أَوْ: کَلِمَةً نَحْوَهَا – لِیَقْطَعَ عَلَیَّ الصَّلَاةَ، فَأَمْکَنَنِی اللّٰهُ مِنْهُ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَرْبِطَهُ إِلٰی سَارِیَةٍ مِنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ، حَتّٰی تُصْبِحُوْا، وَتَنْظُرُوْا إِلَیْهِ کُلُّکُمْ، فَذَکَرْتُ قَوْلَ أَخِیْ سُلَیْمَانَ: ﴿رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْکًا لَایَنْبَغِیْ لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِیْ﴾ [ص: ۳۵] قَالَ رَوْحٌ: فَرَدَّهُ خَاسِئًا. [انظر: ۱۲۱۰، ۳۲۸٤، ۳٤۲۳، ٤۸۰۸]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک ایک طاقت ور جن یعنی دیو نے گذشتہ رات مجھ پر حملہ کیا —— یا آپؐ نے اس کے مانند کوئی کلمہ فرمایا —— تاکہ وہ میری نماز کو خراب کردے، پس اللہ نے مجھے اس پر قدرت دیدی، پس میں نے اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون سے باندھنے کا ارادہ کیا (یہی جزء ترجمۃ الباب سے متعلق ہے) تاکہ تم سب صبح میں اس کو دیکھو، پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی بات یاد آگئی کہ اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لئے مناسب نہ ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ الاستاذ روح کی روایت میں یہ اضافہ ہے: پس آپؐ نے اس کو دھتکار دیا۔

تشریح: عفریت کے معنی ہیں: طاقت ور، یہ لفظ قرآنِ کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں آیا ہے، وہاں مترجمین نے دیو ترجمہ کیا ہے۔ لیکن لغت میں اس کے معنی طاقت ور لکھے ہیں، اس لئے حدیث میں من الجن کی قید آئی ہے، اس لئے کہ یہ لفظ دیو اور بھوت کے لئے خاص نہیں۔

حضور اقدس ﷺ تہجد پڑھ رہے تھے، اچانک ایک طاقت ور جن یعنی دیو نے آپؐ پر حملہ کیا، تَفَلَّتَ علیه کے معنی ہیں: کودنا، حملہ کرنا تاکہ وہ آپ کی نماز خراب کردے۔ لِیَقْطَعَ کا ترجمہ نماز فاسد کرنے کے نہیں ہیں بلکہ اس کا ترجمہ ہے تاکہ وہ آپؐ کی نماز خراب کردے۔ آگے کتاب الصلوٰۃ ہی میں حدیث پڑھوگے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: یَقطع الصلوٰۃ الکلبُ والحمارُ والمرأۃُ: کتا، گدھا اور عورت نمازی کے سامنے سے گذر جائیں تو نماز خراب ہوجاتی ہے، نماز فاسد ہوجاتی ہے یہ ترجمہ صحیح نہیں، یعنی خشوع وخضوع باقی نہیں رہتا، اس جن نے بھی نماز خراب کرنے کے لئے آنحضور ﷺ پر حملہ کیا، آپؐ نے فرمایا: اللہ نے مجھے اس پر قابو دیدیا، اور میں نے ارادہ کیا کہ اس کو پکڑ کر مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب صبح میں اس کا نظارہ کرو، مگر مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آگئی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لئے مناسب نہ ہو، چنانچہ چرند وپرند، جنات وانسان اور ہوا وغیرہ پر آپؐ کی حکومت تھی، اگر آنحضور ﷺ جن کو پکڑ کر باندھ دیتے تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت نہیں رہی، آنحضور ﷺ کو بھی جنات پر حکومت حاصل تھی اس لئے آپؐ نے ارادہ بدل دیا اور اس کو دھتکار دیا —— یہ نبی ﷺ نے جو دیو کو ستون سے باندھنے کا ارادہ کیا تھا یہی قیدی کو مسجد کے ستون سے باندھنا ہے اور اسی مناسبت سے یہ حدیث لائے ہیں۔

بابُ الِاغْتِسَالِ إِذَا أَسْلَمَ، وَرَبْطِ الْأَسِيْرِ أَيْضًا فِيْ الْمَسْجِدِ

اسلام قبول کرنے والے کا غسل کرنا اور قیدی کو مسجد میں باندھنا

یہ گذشتہ باب کا ضمیمہ ہے، رَبط الأسیر فی المسجد: تو گذشتہ باب میں آگیا، اس کے ساتھ ایک دوسرا جزء بھی بڑھایا کہ جب غیر مسلم اسلام قبول کرے تو اس کو چاہئے کہ غسل کرے، زیر ناف اور بغل کے بال کاٹے، سر منڈوائے، ناخن کترے اور کپڑے دھولے، یہ کام مستحب ہیں۔

[۷۶-] بابُ الِاغْتِسَالِ إِذَا أَسْلَمَ، وَرَبْطِ الْأَسِيْرِ أَيْضًا فِيْ الْمَسْجِدِ

وَكَانَ شُرَيْحٌ يَأْمُرُ الْغَرِيْمَ أَنْ يُحْبَسَ إِلٰى سَارِيَةِ الْمَسْجِدِ.

[۴۶۲-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ سَعِيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ، فَجَاءَ تْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِيْ حَنِيْفَةَ، يُقَالُ لَهُ: ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِيْ الْمَسْجِدِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "أَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ" فَانْطَلَقَ إِلٰى نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ، فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ. [انظر ۴۶۹، ۲۴۲۲، ۲۴۲۳، ۴۳۷۲]

اثر: قاضی شریح جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا اور بعد میں سب خلفاء نے ان کو اس عہدہ پر برقرار رکھا، ان کے پاس ایک مقروض لایا گیا جو قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا تھا، قاضی شریح نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دو —— یہ اثر باب کے دوسرے جزء سے متعلق ہے، اور یہاں یہ اثر اس لئے لائے ہیں کہ یہ باب گذشتہ باب سے پیوستہ ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے چند گھوڑ سواروں کو نجد کی طرف بھیجا پس وہ قبیلہ بنی حنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ لائے، جن کو ثمامہ بن اُثال کہا جاتا تھا، صحابہ نے ان کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دیا، پس نبی ﷺ اس کی طرف نکلے، آپؐ نے فرمایا: ''ثمامہ کو چھوڑ دو'' پس وہ مسجد سے قریب ایک کھجور کے باغ میں گئے، وہاں انھوں نے غسل کیا، پھر مسجد میں آئے، اور اللہ کی وحدانیت اور نبی ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا، یعنی اسلام قبول کیا۔

تشریح: یہاں یہ حدیث بہت مختصر آئی ہے، تفصیلی روایت کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفۃ (حدیث ۴۳۷۲) میں ہے۔ نبی ﷺ نے ۱۰ محرم الحرام سنہ ۶ ہجری میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تیس سواروں کو قرطاء کی جانب روانہ فرمایا، قرطاء قبیلۂ بنی بکر کی ایک شاخ ہے، انھوں نے ان پر چھاپہ مارا جس میں دس آدمی مقتول ہوئے اور باقی بھاگ

گئے، ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ واپسی میں یہ لوگ قبیلۂ بنی حنیفہ[1] کے سردار ثمامۃ بن اثال کو پکڑ لائے، اور آپؐ کے حکم سے مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے ان کو باندھ دیا، ستون سے باندھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قیدی ہل بھی نہ سکے، بلکہ پاؤں وغیرہ میں رسی باندھ کر ستون سے اس طرح باندھ دیتے تھے کہ قیدی بھاگ نہ جائے۔ نبی ﷺ جب ان کے پاس سے گذرے تو پوچھا: ثمامہ! تمہارا کیا گمان ہے؟ انھوں نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ اگر آپ قتل کریں تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جو قتل کا مستحق ہے اور اگر انعام واحسان فرمائیں تو ایک شکرگذار پر انعام واحسان فرمائیں گے۔ اور اگر مال مطلوب ہے تو جتنا چاہیں حاضر کروں، آپؐ یہ سن کر گذر گئے، پھر دوسرے دن ان کے پاس سے گذرے اور وہی سوال کیا، انھوں نے بھی وہی جواب دیا۔ آپؐ خاموش وہاں سے گذر گئے، تیسرے دن پھر ان کے پاس سے گذرے اور وہی سوال کیا، انھوں نے پھر وہی جواب دیا، آپؐ نے صحابہ سے فرمایا: ثمامہ کو کھول دو، چنانچہ وہ رہا ہوگئے، اور مسجدِ نبوی سے قریب ایک نخلستان میں گئے، وہاں جا کر غسل کیا، پھر مسجد میں آئے اور شہادتین ادا کیں اور نبی ﷺ سے عرض کیا: اب سے پہلے آپؐ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے مبغوض نہیں تھا اور اب آپؐ کے چہرے سے زیادہ روئے زمین پر کوئی چہرہ مجھے محبوب اور پیارا نہیں ہے، اور اس سے پہلے آپؐ کے دین سے زیادہ کوئی دین مجھے مبغوض نہیں تھا اور آج سب سے زیادہ آپؐ ہی کا دین مجھ کو محبوب ہے، اور آپؐ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مجھے مبغوض نہیں تھا، اور اب آپؐ کے شہر سے زیادہ مجھ کو کوئی شہر محبوب نہیں، پھر کہا: میں عمرہ کرنے جا رہا تھا کہ آپ کے سوار مجھ کو گرفتار کر لائے، اب آپ جو حکم دیں بجالاؤں گا، آپؐ نے ان کو عمرہ کرنے کا حکم دیا اور بشارت دی کہ تم محفوظ رہو گے کوئی تم کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ جب مکہ پہنچے تو کسی کافر نے کہا: ثمامہ بے دین ہوگیا! حضرت ثمامہؓ نے کہا: ہرگز نہیں، میں محمد ﷺ کے ساتھ مسلمان ہوگیا ہوں، یعنی اللہ کا مطیع وفرمانبردار بندہ ہوگیا ہوں، کان کھول کر سن لو! میں کبھی تمہارے مذہب کی طرف نہیں لوٹوں گا اور یمامہ سے جو غلہ تمہارے پاس آتا ہے اب اس کا ایک دانہ بھی تمہارے پاس نہیں آئے گا، یہاں تک کہ نبی ﷺ اجازت دیں۔

حضرت ثمامہؓ نے یمامہ پہنچ کر غلہ کی برآمدی بند کر دی، قریش نے مجبور ہو کر آپؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؐ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، ہم آپؐ کے رشتہ دار ہیں، آپؐ ثمامہؓ سے کہیں: وہ غلہ بھیجنا جاری رکھیں، آپؐ نے حضرت ثمامہؓ کو خط لکھوایا کہ غلہ نہ روکیں (فتح الباری ۸:۶۸)

مناسبت: حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو مسجدِ نبوی کے ستون سے باندھا گیا، اس سے باب کا دوسرا جزء ثابت ہوا، اور انھوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے غسل کیا، اس سے باب کا پہلا جزء ثابت ہوا ـــــ اور حضرت ثمامہؓ کو مسجد میں

(۱) مسیلمہ کذاب بھی اسی قبیلہ کا تھا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک باندی بھی اسی قبیلہ کی تھی جس سے محمد بن الحنفیہ پیدا ہوئے ہیں جو شجاعت میں حضرت علیؓ کا ثانی تھے۔

باندھنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس وقت قیدی کو باندھنے کے لئے کوئی دوسری جگہ نہیں تھی، اور دوسری مصلحت یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کی نماز اور بارگاہِ خداوندی میں ان کے عجز و نیاز کو دیکھیں اور ان کے اندر کی ظلمتیں دور ہوں، چنانچہ اس کا خاطر خواہ فائدہ نمودار ہوا اور وہ بغیر کہے خود حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

فائدہ: اگر نومسلم نے جنابت کی حالت میں اسلام قبول کیا ہے تو مسلمان ہونے کے بعد اس پر غسل کرنا فرض ہے اور اگر نومسلم اسلام قبول کرتے وقت جنبی نہیں ہے تو غسل کرنا مستحب ہے۔ اور کپڑے دھونا اور بال کٹوانا بھی مستحب ہے۔ اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: نومسلم خواہ جنبی ہو یا پاک اسلام قبول کرنے کے بعد اس پر غسل کرنا فرض ہے، ان کی دلیل قیس بن عاصم کی حدیث ہے جب وہ مسلمان ہوئے ہیں تو نبی ﷺ نے ان کو بیری کے پانی سے غسل کرنے کا حکم دیا تھا (ترمذی حدیث ۶۰۷) امام اعظم رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ امر استحباب کے لئے تھا وجوب کے لئے نہیں تھا اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ایک لاکھ سے زیادہ افراد مسلمان ہوئے ہیں، مگر آپؐ نے کسی کو غسل کا حکم نہیں دیا صرف قیس بن عاصمؓ کو حکم دیا،، اگر نومسلم پر غسل واجب ہوتا تو آپ ہر مسلمان ہونے والے کو یہ حکم دیتے۔ اور اس سلسلہ کی روایات درجہ تواتر تک پہنچ جاتیں، معلوم ہوا کہ حدیث مذکور میں امر استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں ہے۔

بابُ الْخِیْمَةِ فِی الْمَسْجِدِ لِلْمَرْضَی وَغَیْرِهِمْ

مسجد میں بیمار وغیرہ کے لئے خیمہ لگانا

مسجد میں بیمار وغیرہ کے لئے خیمہ لگانا جائز ہے، یہاں بھی مسجدِ شرعی اور مسجدِ عرفی میں فرق کرنا ضروری ہے، حدیث شریف میں مسجد میں جو خیمہ لگانے کا ذکر ہے وہ مسجدِ شرعی میں نہیں تھا، بلکہ مسجدِ عرفی میں لگایا گیا تھا، مگر حضرت رحمہ اللہ مسجدِ شرعی اور مسجدِ عرفی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔

[۷۷-] بابُ الْخِیْمَةِ فِی الْمَسْجِدِ لِلْمَرْضَی وَغَیْرِهِمْ

[۴۶۳-] حدثنا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أُصِيْبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فِي الْأَكْحَلِ، فَضَرَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ، لِيَعُوْدَهُ مِنْ قَرِيْبٍ، فَلَمْ يَرُعْهُمْ - وَفِي الْمَسْجِدِ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ - إِلَّا الدَّمُ يَسِيْلُ إِلَيْهِمْ، فَقَالُوْا: يَا أَهْلَ الْخَيْمَةِ! مَا هٰذَا الَّذِي يَأْتِيْنَا مِنْ قِبَلِكُمْ؟ فَإِذَا سَعْدٌ يَغْذُوْ جُرْحُهُ دَمًا، فَمَاتَ مِنْهَا.

[انظر: ۲۸۱۳، ۳۹۰۱، ۴۱۱۷، ۴۱۲۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کوخندق کے دن اکحل نامی رگ میں زخم لگایا گیا، پس نبی ﷺ نے مسجد میں ان کا خیمہ لگایا تا کہ آپؐ ان کی قریب سے عیادت کریں، پس نہیں گھبراہٹ میں ڈالا لوگوں کو ـــــ اور مسجد میں بنی غفار کا بھی ایک خیمہ تھا (یہ جملہ معترضہ ہے) ـــــ مگر اس خون نے جوان کی طرف بہہ کر آرہا تھا، پس انھوں نے کہا: اے خیمہ والو! یہ کیسا خون ہے جوتمہاری طرف سے بہہ کر آرہا ہے؟ پس اچانک حضرت سعدؓ کے زخم سے خون بہنا شروع ہوگیا تھا، اوراسی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

تشریح: حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بڑے درجہ کے صحابی ہیں، قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ نبی ﷺ کا ان سے خاص تعلق تھا، غزوۂ خندق میں ان کے بازو میں تیر لگا جوان کے بازو کو چھوتا ہوا گذر گیا، اس سے ان کے بازو کی خون کی رگ کٹ گئی، جس کو اکحل یا ابجل کہتے ہیں، یہ رگ جسم کے ہر حصہ میں ہوتی ہے، عربی میں ہر حصہ کی رگ کا الگ نام ہے، اردو میں اس کو رگ ہفت اندام کہتے ہیں، نبی ﷺ نے لوہا گرم کر کے اس کو دو مرتبہ داغا تا کہ خون بند ہوجائے، مگر اس جگہ ورم ہوگیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی: الٰہی! مجھے موت نہ آئے جب تک میری آنکھیں بنوقریظہ کے معاملہ میں ٹھنڈی نہ ہوجائیں، چنانچہ خون بند ہوگیا، آپؐ نے ان کی دیکھ بھال اور عیادت کی آسانی کے لئے مسجدِ نبوی میں ان کا خیمہ لگوایا تھا، پھر جب بنوقریظہ ان کے فیصلہ پر اتر آئے تو آپؐ نے ان کو بلوایا آپؐ گدھے پر سوار ہوکر تشریف لائے جب سواری قریب آئی تو آپؐ نے ان کے قبیلہ کے لوگوں سے کہا: **قوموا إلی سیدکم**: اپنے سردار کی طرف اٹھو یعنی ان کو سواری سے اتارو، حضرت سعدؓ نے آکر فیصلہ کیا کہ بنوقریظہ کے مردوں کو قتل کیا جائے اوران کی عورتوں کو باقی رکھا جائے، ان سے مسلمان کام لیں، نبی ﷺ نے فرمایا: سعد نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ کو منظور ہے۔ بنوقریظہ کی تعداد چارسو تھی، جب ان کا قتل نمٹ گیا تو حضرت سعدؓ اپنے خیمہ میں سو رہے تھے، اچانک خیمہ میں بکری گھس آئی اوراس نے ٹھیک زخم کی جگہ پر پیر رکھ دیا، جس سے رگ کھل گئی، اور خون بہنے لگا، مسجدِ نبوی کے صحن میں قبیلہ بنی غفار کا بھی ایک خیمہ تھا جس میں رُفیدہ نام کی ایک خاتون اپنے متعلقین کے ساتھ مقیم تھی، جب خون بہہ کر ان کے خیمہ میں گیا تو انھوں نے کہا: یہ کیسا خون ہے جوتمہاری طرف سے آرہا ہے؟ غرض خون بہہ جانے کی وجہ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا، اورامام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمہ ثابت ہوگیا کہ مسجد میں مریض اورغیر مریض کے لئے خیمہ لگانا جائز ہے۔

فائدہ: جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فیصلہ کے لئے بلائے گئے تو وہ گدھے پر سوار ہوکر آئے تھے، جب وہ کیمپ کے قریب پہنچے تو نبی ﷺ نے ان کے قبیلہ کے لوگوں سے فرمایا: **قوموا إلی سیدکم**: اپنے سردار کی طرف اٹھو، یعنی وہ بیمار ہیں ان کو سہارا دے کر اتارو، کچھ لوگ اس سے قیامِ تعظیمی کے جواز پر استدلال کرتے ہیں مگر یہ استدلال صحیح نہیں، یہ استدلال اس وقت درست ہوتا جب **قوموا لسیدکم** ہوتا یعنی اپنے سردار کے لئے اٹھو، جب کہ حدیث میں لام نہیں بلکہ إلی ہے اور اس کے معنی وہ ہیں جو اوپر بیان کئے گئے۔

بابُ إِدْخَالِ الْبَعِيْرِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْعِلَّةِ

کسی وجہ سے مسجد میں اونٹ داخل کرنا

اس ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی ضرورت ہو تو مسجد میں اونٹ لے جاسکتے ہیں، العلۃ کے معنی ہیں: ضرورت، حاجت، یہ منطقیوں والی علت نہیں ہے، اگر مسجد ایسی ہو کہ اس میں اونٹ جاسکے اور کوئی ضرورت وحاجت ہو تو مسجد میں اونٹ لے جاسکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر مطاف میں اونٹ پر بیٹھ کر تقریر فرمائی ہے، اور حجۃ الوداع میں طوافِ زیارت بھی اونٹ پر کیا ہے، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی بیماری کی وجہ سے آنحضور ﷺ کی اجازت سے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ضرورت وحاجت کے وقت مسجد میں اونٹ کو داخل کرنا جائز ہے۔

[۷۸-] بابُ إِدْخَالِ الْبَعِيْرِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْعِلَّةِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: طَافَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى بَعِيْرِهِ.

[٤٦٤-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ: عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: شَكَوْتُ إِلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنِّيْ أَشْتَكِيْ، قَالَ: " طُوْفِيْ مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ " فَطُفْتُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ إِلٰى جَنْبِ الْبَيْتِ، يَقْرَأُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَسْطُوْرٍ. [انظر: ١٦١٩، ١٦٢٦، ١٦٣٣، ٤٨٥٣]

حدیث (۱): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اونٹ پر بیٹھ کر طواف فرمایا۔ فیض الباری میں ہے کہ یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے، آنحضور ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر بھی اونٹ پر بیٹھ کر طواف فرمایا تھا اور حجۃ الوداع میں بھی۔ مگر روایتوں میں بہت زیادہ غت ربود ہوگیا ہے، کونسی روایت فتح مکہ کی ہے اور کونسی حجۃ الوداع کی؟ اس میں امتیاز کرنا مشکل ہوگیا ہے۔

تشریح: فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے اونٹ پر طواف سیکورٹی کے نقطہ نظر سے کیا تھا۔ مکہ ابھی فتح ہوا تھا، اس لئے طواف کرنے والوں میں کوئی بدنیت ہوسکتا تھا، اس لئے آپؐ نے اونٹ پر بیٹھ کر طواف فرمایا، جب آپؐ اونٹ پر تھے اور چاروں طرف صحابہ تھے تو اب کوئی دشمن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔

سوال: آنحضور ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ پھر احتیاط کی ضرورت کیا تھی؟

جواب: آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کو کوئی قتل نہیں کرسکتا مگر مادون النفس اذیت پہنچا سکتا ہے، غزوۂ احد میں دندانِ مبارک شہید ہوا ہے اور پیشانی زخمی ہوئی ہے۔ غرض آپؐ نے سیکورٹی کے پیش نظر اونٹ پر طواف کیا تھا اور حجۃ

الوداع میں اونٹ پر طواف اس لئے فرمایا تھا کہ سب صحابہ آپؐ کو دیکھیں اور طواف کرنے کا طریقہ سیکھیں، یہ دونوں علتیں منصوص نہیں، علماء کی بیان کردہ ہیں۔

استدلال: امام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمہ ثابت ہو گیا کہ مسجد میں اونٹ لے جا سکتے ہیں مگر میں نے پہلے بتایا ہے کہ مسجدِ حرام درحقیقت کعبہ شریف ہے، اور اس کے اردگرد جو کھلی جگہ ہے وہ مطاف (طواف کرنے کی جگہ) ہے وہ مسجد نہیں۔ آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں وہ مسجد نہیں تھی، آنحضور ﷺ کے زمانہ کا نقشہ یہ تھا کہ کعبہ شریف کے اردگرد جو کھلی جگہ ہے وہاں لوگ نماز پڑھتے تھے اور طواف کرتے تھے، مگر پہلے کعبہ شریف کے اندر جا کر نماز پڑھتے تھے، پھر جب قریش نے کعبہ تعمیر کیا اور اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے ایک دروازہ بند کر دیا اور ایک دروازہ قدِ آدم اونچا کر دیا تو لوگ باہر مطاف میں نماز پڑھنے لگے، مطاف کے فوراً بعد لوگوں کے مکانات شروع ہو جاتے تھے اور ان کے بیچ میں مطاف میں آنے کے راستے تھے، یہ آنحضور ﷺ کے زمانہ کا نقشہ ہے، پس آنحضور ﷺ مطاف میں اونٹ لے گئے ہیں، مسجد میں نہیں لے گئے، بلکہ متعلقات مسجد میں لے گئے ہیں، اور متعلقاتِ مسجد میں اونٹ لے جانے میں کوئی اشکال نہیں، مسجدِ نبوی کے متعلقات میں بھی اونٹ لے جانے کے کئی واقعات مروی ہیں۔ حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ جب اپنی قوم کی طرف سے وافد بن کر آئے ہیں تو انھوں نے مسجد میں اونٹ بٹھایا ہے، وہ عارضی مسجد بھی ہو سکتی ہے جو دورانِ سفر پڑاؤ کی جگہ میں آپؐ کے خیمہ کے قریب بنائی جاتی تھی اور یہ واقعہ مسجدِ نبوی کا بھی ہو سکتا ہے، مگر انھوں نے متعلقاتِ مسجد میں اونٹ باندھا تھا مسجدِ شرعی میں نہیں باندھا تھا، پس ان روایات سے استدلال صحیح نہیں۔

حدیث (۲): حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ سے اپنے بیمار ہونے کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا: لوگوں کے پیچھے سوار ہو کر طواف کر لو، پس میں نے طواف کیا درانحالیکہ آپؐ بیت اللہ کے قریب نماز پڑھا رہے تھے اور سورۂ طور تلاوت فرما رہے تھے۔

تشریح: حجۃ الوداع میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں انھوں نے طوافِ وداع نہیں کیا تھا، جب مدینہ واپس لوٹنے کا وقت آیا تو انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں بیمار ہوں اور میں نے ابھی تک طوافِ دواع نہیں کیا، اور کمزوری کی وجہ سے طواف کرنے کی ہمت نہیں، آپؐ نے فرمایا: جب نماز شروع ہو جائے تو نمازیوں کے پیچھے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کر لینا، چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا اس وقت آپؐ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے اور سورۂ طور تلاوت فرما رہے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے دورانِ طواف سورۂ طور سنی۔ یہ تفصیل آئندہ حدیث (نمبر ۱۶۲۶) میں آ رہی ہے۔

مگر اس پر اعتراض یہ ہے کہ نبی ﷺ دس تا تیرہ ذی الحجہ منیٰ میں رہے ہیں، اور تیرہ کی ظہر کے بعد منیٰ سے لوٹے ہیں اور بطحاء نامی میدان میں قیام فرمایا ہے اور آدھی رات کے قریب مدینہ منورہ لوٹ گئے ہیں۔ پس حضرت ام سلمہؓ کا نمازِ فجر میں طوافِ وداع کرنا اور دورانِ طواف لسان نبوت سے سورۂ طور سننا کس طرح ممکن ہے؟

میرا خیال یہ ہے کہ یہ عمرہ کے طواف کا واقعہ ہے۔ پہلے بتایا تھا کہ ذوالحلیفہ سے سب نے حج کا احرام باندھا تھا، پھر مکہ پہنچ کر وحی آئی کہ جن کے پاس ہدی کا جانور نہیں وہ حج کا احرام عمرہ کے احرام سے بدل دیں اور طواف وسعی کر کے احرام کھول دیں، ازواج مطہرات کے پاس ہدی نہیں تھی، انھوں نے بھی طواف وسعی کر کے احرام کھول دیا تھا، غالباً حضرت ام سلمہؓ نے یہ شکایت اس وقت کی تھی کہ یارسول اللہ! میں بیمار ہوں، عمرہ کا طواف کس طرح کروں؟ آپؐ نے فرمایا: نمازِ فجر کے وقت طواف کر لینا، اس وقت نماز میں سورۂ طور سنی ہے۔ غرض یہ طوافِ وداع نہیں ہے، طوافِ عمرہ ہے اور حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

بابٌ

یہ باب بلاعنوان ہے اور طلبہ کی تمرین کے لئے ہے۔ یہاں درج ذیل ابواب رکھے جاسکتے ہیں:

۱- **بابُ إدخال المِصْبَاحِ و الْعَصَا و النِّعال فی المسجد لِلْعِلَّةِ:** یعنی ضرورت پڑے تو چراغ، لاٹھی اور جوتے مسجد میں لے جاسکتے ہیں۔

۲- **بابُ الِاسْتِضَاءَ ةِ فِی طریق المسجد:** یعنی روشنی ساتھ لے کر مسجد جانا جائز ہے، اس سے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی۔ ترمذی میں حدیث ہے: **بَشِّرِ الْمَشَّائِیْنَ إلی الْمَسَاجِدِ فی الظُّلَمِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ:** تاریکیوں میں مسجدوں کی طرف بہت زیادہ چلنے والوں کو قیامت کے دن کامل روشنی کی خوشخبری سنادیجئے، اس حدیث سے یہ خیال ہوسکتا تھا کہ روشنی لے کر مسجد نہیں جانا چاہئے، اس لئے یہ باب رکھا کہ اس میں کچھ حرج نہیں، اس سے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی۔

پہلا باب شارحین کرام نے رکھا ہے اور دوسرا باب حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے باندھا ہے۔

اور باب میں یہ واقعہ ہے کہ دو انصاری صحابی: حضرت اُسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر، عشاء کے بعد دیر تک نبی ﷺ کے پاس رہے، پھر دونوں اپنے گھروں کی طرف لوٹے، دونوں کے ہاتھ میں ڈنڈے تھے، دیہات کے لوگ رات میں ہمیشہ ڈنڈا ساتھ لے کر چلتے ہیں، کیونکہ راستہ میں کتا پریشان کرسکتا ہے، سانپ مل سکتا ہے، جب مسجدِ نبوی سے نکلے تو ایک کی لاٹھی کا سرا چمکنے لگا، ٹارچ بن گیا، دونوں اس کی روشنی میں چلتے رہے، پھر ایک جگہ پہنچے جہاں سے دونوں کو الگ الگ ہونا تھا تو دوسرے کی لاٹھی بھی چمکنے لگی، یہ اپنی ٹارچ کے ساتھ گھر گئے اور وہ اپنی ٹارچ کے ساتھ۔

یہ کرامت کی روایت ہے، شرح عقائد میں آپ نے پڑھا ہے کہ اولیاء کی کرامتیں برحق ہیں، نبی کے ہاتھ پر جو خرق عادت بات ظاہر ہو وہ معجزہ کہلاتی ہے اور ولی کے ہاتھ پر خرق عادت بات ظاہر ہو وہ کرامت کہلاتی ہے، معجزہ اسم فاعل واحد مؤنث ہے، بعض لوگ جیم کا زبر پڑھتے ہیں یہ غلط ہے اور اس کے معنی ہیں: عاجز کرنے والی بات، یعنی انبیاء کے ہاتھ سے جو خرق عادت بات ظاہر ہوتی ہے وہ انبیاء کے دشمنوں کو اس کے مانند لانے سے عاجز کر دیتی ہے، اس لئے وہ معجزہ کہلاتی

ہے، اور کرامت کے معنی ہیں: عزت، ولی کی عزت افزائی کے لئے وہ بات ظاہر کی جاتی ہے، وہ کسی کو دکھانے کے لئے نہیں ہوتی۔ غرض معجزہ اور کرامت خرقِ عادت کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں اور دونوں میں کچھ خاص فرق نہیں۔

[۷۹-] بابٌ

[٤٦٥-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ أَبِیْ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ: أَنَّ رَجُلَیْنِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَحَدُهُمَا عَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ وَأَحْسِبُ الثَّانِیَ أُسَیْدَ بْنَ حُضَیْرٍ فِیْ لَیْلَةٍ مُظْلِمَةٍ، وَمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَیْنِ یُضِیْئَانِ بَیْنَ أَیْدِیْهِمَا، فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَاحِدٌ، حَتّٰی أَتٰی أَهْلَهُ. [انظر: ۳٦۳۹، ۳۸۰۵]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے دو شخص ایک اندھری رات میں نبی ﷺ کے پاس سے نکلے، ان میں سے ایک عباد بن بشرؓ تھے، اور میرا گمان یہ ہے کہ دوسرے اسید بن حضیرؓ تھے (فی لیلة مظلمة: جار مجرور خرجا سے متعلق ہیں) اور ان دونوں کے ساتھ چراغوں کے مانند تھا جو ان کے ہاتھوں میں چمک رہا تھا۔ پھر جب وہ دونوں جدا جدا ہوئے تو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ہو گیا، یہاں تک کہ وہ دونوں اپنے گھر پہنچے —— یہ روایتوں کا اختلاف ہے اصل واقعہ وہ ہے جو میں نے اوپر بیان کیا۔

بابُ الْخَوْخَةِ وَالْمَمَرِّ فِی الْمَسْجِدِ

مسجد میں پھاٹک کھولنا اور گذرنا

الخَوْخَةُ کے معنی ہیں: کھڑکی، چھوٹا دروازہ، بڑے پھاٹک میں جو چھوٹا دروازہ ہوتا ہے وہ خوخہ کہلاتا ہے، جب مسجد کی طرف چھوٹا دروازہ ہوگا تو لامحالہ آدمی اس میں سے گذرے گا، اس لئے باب کا دوسرا جزء ہے: و المَمَرّ فی المسجد:

اس باب میں کوئی خاص مسئلہ نہیں بس حدیث کو سمجھنا ہے۔ پہلے کتاب الوضوء (باب ۴۵) میں ایک حدیث گذری ہے کہ مرض وفات میں ایک دن آنحضور ﷺ نے فرمایا: مجھ پر ایسی سات مشکوں کا پانی ڈالو جن کے تسمے کھولے نہ گئے ہوں، شاید میں لوگوں سے کوئی عہد باندھوں، چنانچہ آپؐ ایک لگن میں بٹھائے گئے جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا تھا پھر آپؐ پر سات مشکوں کا پانی ڈالا گیا، پھر آپؐ لوگوں کی طرف نکلے درانحالیکہ آپؐ نے شدت درد کی وجہ سے سر پر کپڑا باندھ رکھا تھا، آپؐ نے منبر پر بیٹھ کر تقریر فرمائی اس تقریر میں فرمایا کہ اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا: وہ دنیا میں رہنا چاہے تو دنیا میں رہے اور ہمارے پاس جو نعمتیں ہیں ان سے مستفیض ہونا چاہے تو ہمارے پاس آئے، اس بندے نے اللہ کے پاس جو نعمتیں ہیں ان کو اختیار کیا، یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ پر ہمارے ماں باپ قربان!

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے دل میں کہا: آنحضور ﷺ ایک نیک بندے کا تذکرہ فرمارہے ہیں، اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سے زیادہ جاننے والے تھے وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ نیک بندے خود آنحضور ﷺ ہیں، آپ کو اختیار دیا گیا تھا اور آپؐ نے اللہ کے یہاں جانے کو پسند کیا تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روئے تھے، نبی ﷺ نے ان کو تسلی دی کہ مت روؤ، پھر ان کی شان میں دو باتیں فرمائیں:

پہلی بات: رفاقت (ساتھ دینے) میں اور مالی تعاون میں جتنا بڑا احسان مجھ پر ابوبکرؓ کا ہے اتنا بڑا احسان کسی کا نہیں۔

دوسری بات: اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کو خلیل (جگری دوست) بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، مگر میں نے اللہ کو اپنا جگری دوست بنایا ہے، اور ابوبکرؓ کے ساتھ اخوت اسلامی کا تعلق ہے۔

اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت نکلی، اگر آپؐ کسی کو جگری دوست بناتے تو حضرت ابوبکرؓ کو بناتے، جیسے **لو کان بعدی نبی لکان عمر** سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت نکلتی ہے۔

پھر نبی ﷺ نے فرمایا: جتنی کھڑکیاں مسجد کی طرف کھلتی ہیں سب بند کردی جائیں، آنحضور ﷺ کے حجروں کی کھڑکیاں بھی مسجد کی طرف کھلتی تھیں، حضرت ابوبکر، عمر، عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کے گھروں کی کھڑکیاں بھی مسجد کی طرف کھلتی تھیں، آپؐ نے سب کھڑکیاں بند کرادیں اور فرمایا: صرف ابوبکرؓ کی کھڑکی کھلی رہے، اس میں اشارہ تھا کہ نبی ﷺ کی وفات قریب آچکی ہے اور آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنیں گے جن کی وجہ سے ان کو بار بار مسجد میں آنا پڑے گا اس لئے ان کی کھڑکی کھلی رہنے دی۔

[۸۰-] بابُ الْخَوْخَةِ وَالْمَمَرِّ فِي الْمَسْجِدِ

[٤٦٦-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ: نا فُلَيْحٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ، وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: خَطَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: " إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ" فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي: مَا يُبْكِي هٰذَا الشَّيْخَ! إِنْ يَكُنِ اللّٰهُ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، فَكَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم هُوَ الْعَبْدُ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا، فَقَالَ: " يا أَبَا بَكْرٍ! لَا تَبْكِ، إِنَّ [مِنْ] أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ، لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ" [انظر: ٣٦٥٤، ٣٩٠٤]

[٤٦٧-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ، قَالَ: نَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ، قَالَ: نَا أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ يَعْلَى بْنَ حَكِيْمٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: خَرَجَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيْهِ،

عَاصِبًا رَأْسَهُ بِخِرْقَةٍ، فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: " إِنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَمَنَّ عَلَيَّ فِيْ نَفْسِهِ وَمَالِهِ مِنْ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ أَبِيْ قُحَافَةَ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنَ النَّاسِ خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا، وَلٰكِنْ خُلَّةُ الإِسْلَامِ أَفْضَلُ، سُدُّوْا عَنِّيْ كُلَّ خَوْخَةٍ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ أَبِيْ بَكْرٍ"

[انظر: ٣٦٥٦، ٣٦٥٧، ٦٧٣٨]

حدیث (۱): ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے تقریر فرمائی، آپؐ نے فرمایا: بیشک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا دنیا کے درمیان اور ان نعمتوں کے درمیان جو اللہ کے پاس ہیں، پس اس بندے نے ان نعمتوں کو اختیار کیا جو اللہ کے پاس ہیں۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روئے (راوی کہتے ہیں) پس میں نے اپنے دل میں سوچا: اِن حضرت کو کس بات نے رلایا! اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا دنیا کے درمیان اور ان نعمتوں کے درمیان جو اللہ کے پاس ہیں، پس اس بندے نے اللہ کے پاس کی نعمتوں کو اختیار کیا (اس میں رونے کی کیا بات ہے؟) پس رسول اللہ ﷺ ہی وہ بندے تھے یعنی جب چند روز کے بعد آپؐ کا وصال ہو گیا تو ہم نے جانا کہ وہ نیک بندے خود آنحضور ﷺ تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے، آپؐ نے فرمایا: اے ابوبکر! مت روؤ، بیشک رفاقت میں اور مال میں مجھ پر سب سے بڑا احسان ابوبکرؓ کا ہے (آئندہ اسی حدیث (نمبر ۳۹۰۴) میں مِن أمَنِّ الناس ہے وہاں سے ہم نے یہاں مِن بڑھایا ہے اور کھڑی دو قوسوں کے درمیان رکھا ہے) اور اگر میں کسی کو جگری دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، لیکن (میرا ان کے ساتھ) اسلامی اخوت اور اسلامی مودت کا تعلق ہے (اخوت ومودت مترادف ہیں) مسجد میں کوئی دروازہ نہ چھوڑا جائے مگر اس کو بند کر دیا جائے سوائے ابوبکرؓ کے دروازہ کے، اور اگلی حدیث میں خوخہ لفظ ہے اس لئے حضرت نے باب میں لفظ خوخہ رکھا ہے، اور وہی اصل لفظ ہے، اور یہ روایت بالمعنی ہے۔

قوله: وعن بُسر بن سعید: میں واوٴ ہے یا نہیں؟ اس میں شارحین میں اختلاف ہے، بعض شراح کا خیال ہے کہ یہ واوٴ کاتبوں کی غلطی سے لکھا گیا ہے اور عبید بن حنین: بُسر بن سعید سے روایت کرتے ہیں، مگر یہ بات صحیح نہیں۔ یہاں واوٴ صحیح ہے اور ابوالنضر: عبید بن حنین اور بُسر بن سعید دونوں سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، چنانچہ مسلم شریف (حدیث ۶۱۷۱) میں بھی اسی طرح (عن عبید بن حنین وبسر بن سعید) ہے اور یہاں عن حرف جر کو لوٹا کر عطف کیا گیا ہے، عربی میں کبھی حرف جر کو لوٹا کر بھی عطف کرتے ہیں، اس سے بعض حضرات کو غلط فہمی ہوئی اور انھوں نے کہہ دیا کہ یہاں واوٴ کاتبوں کی غلطی سے لکھا گیا ہے، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں۔ ابوالنضر اس حدیث کو دو اساتذہ سے روایت کرتے ہیں پس یہاں واوٴ صحیح ہے۔

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک فضیلت منقول ہے، مسند احمد (۱:۳۳۱) میں روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: سُدُّوْا أبوابَ المسجد غیرَ باب علی: علی کے دروازہ کے علاوہ مسجد کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں، پس

ان دونوں روایتوں میں تعارض ہے، کیونکہ مسند احمد کی روایت کا مفاد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دروازہ بند نہیں کیا گیا، اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دروازہ بھی بند کر دیا گیا۔

اس تعارض کا حل یہ ہے کہ یہ دوالگ الگ زمانوں کی روایتیں ہیں، مسند احمد والی روایت بہت پہلے کی ہے، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر کا ایک ہی دروازہ تھا اور وہ مسجد میں کھلتا تھا اور دیگر صحابہ کے گھروں کے دوازے مسجد کی دوسری طرف بھی کھلتے تھے، اس لئے آپؐ نے تمام دوازے بند کروادیئے اور حضرت علیؓ کا دروازہ کھلا رکھا، اور دوسروں کو مسجد میں آنے جانے کی سہولت کے لئے کھڑکیاں کھلی رکھنے کی اجازت دی، پھر مرض وفات میں سب کھڑکیاں بند کرادیں تو حضرت علیؓ کا دروازہ بھی بند ہوگیا، کیونکہ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری طرف دروازہ کھول لیا تھا۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: طبع سلیم رکھنے والوں کے لئے اس روایت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر استدلال بالکل واضح ہے۔

حدیث (۲): یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، اور دونوں روایتیں ایک ہیں ـــــ **عَاصِبًا رأسه بِخِرْقَة**: آپؐ نے سر کپڑے سے باندھ رکھا تھا اس لئے کہ سر میں شدید درد تھا ـــــ **ولكن خلة الإسلام أفضل**: خلت اسلامی، اخوت اسلامی اور مودت اسلامی ایک ہی ہیں، اور یہ خلت کے بعد دوسرا درجہ ہے جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے اعلی وارفع ہیں ان کے برابر نہ کسی کے ساتھ مودت تھی اور نہ اخوت ـــــ اس حدیث میں **خوخة** لفظ ہے، اس مناسبت سے باب میں یہ لفظ رکھا ہے اور پہلی روایت بالمعنی ہے۔

بَابُ الْأَبْوَابِ وَالْغَلَقِ لِلْكَعْبَةِ وَالْمَسَاجِدِ

کعبہ شریف اور مساجد میں دروازے لگانا اور ان میں تالا ڈالنا

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ عام مساجد ہوں یا خاص، جیسے کعبہ شریف ان میں دروازے لگانا اور ان دروازوں کو بند رکھنا جائز ہے، فتح مکہ کے موقع پر آنحضور ﷺ نے عثمان بن طلحہؓ سے جو کعبہ شریف کے چابی بردار تھے چابی منگوائی، اور تالا کھول کر کعبہ شریف میں تشریف لے گئے اس کو غسل دیا اور اندر جو تصویریں بنی ہوئی تھیں ان کو صاف کیا اور اندر دو رکعت نفل ادا فرمائیں، اس سے معلوم ہوا کہ کعبہ شریف کا دروازہ تھا اور وہ بند رہتا تھا اور آج بھی بند رہتا ہے، اسی طرح ابن ابی ملیکہ نے ابن جریج سے کہا: اگر تو ابن عباسؓ کی مساجد اور ان کے دروازے دیکھتا تو حیرت انگیز بات دیکھتا، یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مساجد کے دروازے بہت شاندار تھے، حضرت ابن عباسؓ طائف کے گورنر تھے وہاں انھوں نے متعدد مسجدیں بنوائی تھیں، اور ایک خاص مسجد جو مسجد ابن عباسؓ کے نام سے معروف ہے جس میں حضرت سبق پڑھاتے تھے، میں نے اس مسجد کی زیارت کی ہے، وہاں تقریر بھی کی ہے وہاں ایک کتب خانہ ہے اس کو بھی دیکھا ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی قبر بھی وہیں ہے اس کی بھی زیارت کی ہے۔ ظاہر ہے وہ مسجد بار بار بنی ہے، حضرت ابن عباسؓ کے زمانہ کی مساجد ابن جریج

کے زمانہ میں نہیں تھیں اس لئے ابن ابی ملیکہ نے ان سے کہا: اگر تو ابن عباس کی مساجد اور ان کے دروازے دیکھتا تو عجیب بات دیکھتا، معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباسؓ نے جو مساجد بنائی تھیں ان کے دروازے تھے۔

[۸۱-] بَابُ الْأَبْوَابِ وَالْغَلَقِ لِلْكَعْبَةِ وَالْمَسَاجِدِ

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَقَالَ لِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: قَالَ لِيْ ابْنُ أَبِيْ مُلَيْكَةَ: يَا عَبْدَ الْمَلِكِ! لَوْ رَأَيْتَ مَسَاجِدَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبْوَابَهَا!

[٤٦٨-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالاَ: نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَدِمَ مَكَّةَ فَدَعَا عُثْمَانَ بْنَ طَلْحَةَ، فَفَتَحَ الْبَابَ، فَدَخَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَبِلاَلٌ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ، ثُمَّ أُغْلِقَ الْبَابُ، فَلَبِثَ فِيْهِ سَاعَةً، ثُمَّ خَرَجُوْا قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَبَدَرْتُ، فَسَأَلْتُ بِلاَلاً، فَقَالَ: صَلَّى فِيْهِ، فَقُلْتُ فِيْ أَيٍّ؟ قَالَ: بَيْنَ الْأُسْطُوَانَتَيْنِ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَذَهَبَ عَلَيَّ أَنْ أَسْأَلَهُ كَمْ صَلَّى؟ [راجع: ٣٩٧]

وضاحت: الغَلَق کے معنی ہیں: تالا، اور لو رأیت مساجد ابن عباس وأبوابها: میں اگر لو شرطیہ ہے تو جزاء محذوف ہے أی لَرَأَيْتَ أَمْرًا عجبًا اور اگر لو تمنی کا ہے تو کچھ محذوف نہیں، اور فَبَدَرْتُ کے معنی ہیں: پس میں تیزی سے آیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے خیمہ میں تھے کسی نے بتایا کہ نبی ﷺ کعبہ شریف میں تشریف لے گئے ہیں، تو وہ تیزی سے مسجد حرام میں پہنچے اس وقت نبی ﷺ کعبہ شریف سے باہر آچکے تھے، تفصیل أبواب استقبال القبلة میں گذری ہے وہاں ملاحظہ کریں، اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ جو کعبہ شریف کے چابی بردار تھے بعض حضرات کہتے ہیں وہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے، جب آپؐ خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! چابی مجھے عنایت فرمایئے تاکہ سقایہ کے ساتھ حجابت (کلید برادری) کا شرف بھی ہمیں حاصل ہوجائے، لیکن آپؐ نے حضرت عثمانؓ ہی کو چابی عنایت فرمائی اور فرمایا: اے آلِ ابی طلحہ! ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لے لو، تم سے ظالم اور غاصب ہی اس کو لے گا، چنانچہ آج تک چابی اسی خاندان کے پاس ہے —— فذهب عليَّ: میرے ذہن سے نکل گیا کہ پوچھوں: آپؐ نے کتنی رکعتیں پڑھیں تھیں؟

بابُ دُخُوْلِ الْمُشْرِكِ فِيْ الْمَسْجِدِ

غیر مسلم کا مسجد میں آنا

مسجد میں غیر مسلم کا داخلہ جائز ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک ہر مسجد میں غیر مسلم آسکتا ہے، حتی کہ مسجدِ حرام میں بھی

آ سکتا ہے، اور شوافع مسجدِ حرام کا استثناء کرتے ہیں، اس کے علاوہ ہر مسجد میں غیر مسلم داخل ہوسکتا ہے، سرخسی رحمہ اللہ نے السیر الکبیر کی شرح میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ذکر کی ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کسی بھی مسجد میں غیر مسلم داخل نہیں ہوسکتا، نہ مسجدِ حرام میں اور نہ اس کے علاوہ مساجد میں، اور یہ اختلاف سورۂ توبہ کی ایک آیت کے سمجھنے میں اختلاف کی وجہ سے ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُوْا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾: بیشک مشرکین ناپاک ہیں، پس وہ اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آئیں۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب مسجدِ حرام میں آنے کی ممانعت ہے تو دنیا کی تمام مساجد اللہ کا گھر ہیں اور محترم ہیں، لہٰذا کسی بھی مسجد میں مشرکین نہیں آسکتے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حکم مسجدِ حرام کے ساتھ خاص ہے، اس لئے کہ مسجدِ نبوی میں غیر مسلم آئے ہیں اور نبی ﷺ نے ان کو مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا ہے، اس پر صحابہ کو اشکال بھی ہوا تھا کہ مشرکین نجس ہیں، ان کو مسجد میں کیسے ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا کہ ان کی نجاست ان کے عقیدوں میں ہے، ان کے ظاہر بدن پر کوئی نجاست نہیں، پس مسجد میں ٹھہرانے میں کچھ حرج نہیں، معلوم ہوا کہ مشرکین کا دیگر مساجد میں داخلہ جائز ہے۔ اور مذکورہ آیت مسجدِ حرام کے ساتھ خاص ہے۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں حج کے لئے آنے کی ممانعت ہے، مسجد میں آنے کی ممانعت نہیں ہے، پیچھے آپ نے پڑھا ہے کہ سنہ ۹ ہجری میں حج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کرایا تھا اس حج میں نبی ﷺ کے حکم سے چار اعلان کئے گئے تھے، ان میں سے ایک اعلان یہ تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہیں آئے گا۔ اس آیت میں بھی حج کے لئے آنے کی ممانعت ہے پھر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے کہ غلہ کے تاجر تو تمام مشرکین ہیں، اگر وہ حج میں نہیں آئیں گے تو مکہ والے کیا کھائیں گے؟ اللہ نے فرمایا: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾: اگر تمہیں محتاجگی کا اندیشہ ہے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد اپنے فضل سے تمہیں بے نیاز کردیں گے، چنانچہ غلہ کے وہ سب تاجر مسلمان ہوگئے، اور جو اندیشہ تھا وہ ٹل گیا۔

غرض حنفیہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مطلق مسجد میں آنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ حج میں آنے کی ممانعت ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مسجدِ نبوی میں غیر مسلم آئے ہیں اور نبی ﷺ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا ہے اور مسجدیں محترم ہونے میں اور اللہ کا گھر ہونے میں سب برابر ہیں، پس مسجدِ حرام میں بھی مشرکین آسکتے ہیں۔

اور امام احمد رحمہ اللہ کی اس مسئلہ میں وہی رائے ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ کی ہے اور سعودی گورنمنٹ حنبلی ہے اس لئے جہاں سے حرم شریف شروع ہوتا ہے وہیں سے دو راستے الگ کردیئے ہیں ایک پر للمسلمین لکھا ہے وہ راستہ مکہ جاتا ہے، اور دوسرے پر لغیر المسلمین لکھا ہے وہ طائف جاتا ہے۔

[۸۲-] بابُ دُخُوْلِ الْمُشْرِكِ فِي الْمَسْجِدِ

[۴۶۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: نا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ سَعِيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: بَعَثَ رسولُ

اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم خَیْلًا قِبَلَ نَجْدٍ، فَجَاءَ تْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِیْ حَنِیْفَةَ، یُقَالُ لَهُ: ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، فَرَبَطُوْهُ بِسَارِیَةٍ مِنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ. [راجع: ٤٦٢]

وضاحت: یہ حدیث چند ابواب پہلے گذری ہے، قبیلہ بنوحنیفہ کے سردار ثمامۃ بن اثال کو مسجد میں باندھا گیا تھا، وہ اس وقت مشرک تھے، معلوم ہوا کہ مشرک مسجد میں داخل ہوسکتا ہے۔

باب رَفْعِ الصَّوْتِ فِی الْمَسْجِدِ

مسجد میں زور سے بولنا

مسجد میں زور سے بولنے کا کیا حکم ہے؟ باب میں دو حدیثیں ہیں، پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں زور سے بولنا جائز نہیں، اور دوسری حدیث سے کچھ گنجائش نکلتی ہے۔ پہلی حدیث یہ ہے کہ مسجدِ نبوی میں دو شخص گفتگو کررہے تھے اور زور سے بول رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سائب بن یزید کو جو تابعی ہیں اور جو کچھ فاصلہ پر تھے کنکری پھینک کر اپنی طرف متوجہ کیا، پھر اشارہ سے ان کو اپنے پاس بلایا، اور فرمایا: ان دونوں کو بلا کر لاؤ جو زور سے باتیں کررہے ہیں، یہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا واقعہ ہے، جب وہ دونوں آئے تو آپؓ نے ان سے پوچھا: کہاں کے ہو؟ انھوں نے کہا ہم طائف کے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم نبی ﷺ کی مسجد میں زور سے بول رہے ہو، جبکہ آپؐ یہاں لیٹے ہوئے ہیں، تم دونوں باہر کے ہو اور آدابِ مسجد سے واقف نہیں ہو اس لئے معاف کرتا ہوں اگر تم مدینہ کے ہوتے تو سخت سزا دیتا۔

اور دوسرا واقعہ وہ ہے جو چند ابواب پہلے گذرا ہے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا اور تقاضے میں جھگڑے کی نوبت آئی، فریقین کی آوازیں بلند ہوگئیں، آپؐ نے اپنے حجرہ میں سے ان کی آوازیں سنیں، آپؐ نے پردہ ہٹا کر سر نکالا اور حضرت کعب کو پکار کر کہا کہ آدھا قرض معاف کردو، حضرت کعبؓ نے معاف کردیا، پس آپؐ نے ابن ابی حدرد سے کہا کہ جاؤ آدھا قرض ادا کرو۔

پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں زور سے بولنا مطلقاً جائز نہیں، حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہی بات مروی ہے، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سائب بن یزید کو پکارا نہیں بلکہ کنکری پھینک کر ان کو اپنی طرف متوجہ کیا، پھر اشارہ سے بلایا، اگر آپؓ ان کو آواز دیتے تو مسجد میں زور سے بولنا لازم آتا۔

اور دوسری روایت سے کچھ گنجائش معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے حضرت کعبؓ کو پکارا تھا پھر ان کے درمیان تصفیہ کرایا تھا اور ان کے زور سے بولنے پر کوئی نکیر نہیں فرمائی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں دونوں روایتیں جمع کرکے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بے ضرورت مسجد میں آواز بلند کرنا جائز نہیں، البتہ مذاکرۂ علمی اور دوسری دینی یا دنیوی

ضرورت سے اگر مسجد میں آواز بلند ہوجائے اور شوروغوغا کی حدتک نہ پہنچے تو اس کی گنجائش ہے۔ فیض الباری (۳۹:۲) میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ مسجد میں سبق پڑھا رہے تھے، اور زور سے تقریر فرمارہے تھے، سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ان کو ٹوکا کہ آپ مسجد میں زور سے بولتے ہیں؟ امام اعظم رحمہ اللہ نے عذر کیا کہ کیا کروں، زور سے بولے بغیر طلبہ سمجھتے نہیں، اس مجبوری میں زور سے بول رہا ہوں۔

تم اپنے اساتذہ میں غور کرو جو اساتذہ زور سے اور صاف بولتے ہیں طلبہ ان کی بات سمجھتے ہیں اور جو اساتذہ آہستہ بولتے ہیں طلبہ ان کی بات نہیں سمجھتے، امام اعظم رحمہ اللہ نے یہی عذر کیا ہے کہ اگر زور سے نہ بولوں تو طلبہ سمجھتے نہیں، معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت مسجد میں زور سے بول سکتے ہیں، البتہ اتنی زور سے مسجد میں بولنا کہ شوروغوغا ہوجائے جائز نہیں۔

[۸۳-] بابُ رَفْعِ الصَّوْتِ فِی الْمَسْجِدِ

[۴۷۰-] حدثنا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ نَجِیْحِ الْمَدِیْنِیُّ، قَالَ: نَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ الْقَطَّانُ، قَالَ: نَا الْجُعَیْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ یَزِیْدُ بْنُ خُصَیْفَةَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ، قَالَ: کُنْتُ قَائِمًا فِیْ الْمَسْجِدِ، فَحَصَبَنِیْ رَجُلٌ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَقَالَ: اذْهَبْ فَأْتِنِیْ بِهٰذَیْنِ، فَجِئْتُهُ بِهِمَا، فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتُمَا؟ أَوْ: مِنْ أَیْنَ أَنْتُمَا؟ قَالَا: مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ، قَالَ: لَوْ کُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُکُمَا، تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَکُمَا فِیْ مَسْجِدِ رسولِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم؟

[۴۷۱-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، قَالَ: نَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِیْ یُوْنُسُ بْنُ یَزِیْدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ کَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ کَعْبَ بْنَ مَالِكٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَقَاضَی ابْنَ أَبِیْ حَدْرَدٍ دَیْنًا کَانَ لَهُ عَلَیْهِ، فِیْ عَهْدِ رسولِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فِی الْمَسْجِدِ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتّٰی سَمِعَهَا رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم وَهُوَ فِیْ بَیْتِهِ، فَخَرَجَ إِلَیْهِمَا رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم حَتّٰی کَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ، وَنَادَی کَعْبَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: لَبَّیْكَ یَارسولَ اللّٰهِ! فَأَشَارَ بِیَدِهِ أَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَیْنِكَ، قَالَ: کَعْبٌ: قَدْ فَعَلْتُ یَارسولَ اللّٰهِ! قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "قُمْ فَاقْضِهِ" [راجع: ۴۵۷]

ترجمہ: سائب بن یزید کہتے ہیں: میں مسجد میں کھڑا تھا، مجھے ایک شخص نے کنکری ماری، میں نے دیکھا تو اچانک وہ حضرت عمرؓ تھے، آپؓ نے فرمایا: جا ان دونوں کو بلا لا، میں دونوں کو بلا کر لایا تو آپؓ نے پوچھا: تم دونوں کس قبیلہ کے ہو؟ یا فرمایا: تم کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے کہا: طائف سے آئے ہیں، آپؓ نے فرمایا: اگر تم مدینہ کے ہوتے تو میں تم دونوں کو سزا دیتا، کیا تم نبی ﷺ کی مسجد میں آواز بلند کررہے ہو؟ (ہمزہ استفہام پوشیدہ ہے أی أترفعان) اور دوسری حدیث کا ترجمہ چند ابواب پہلے گذر چکا ہے۔

بابُ الْحلَقِ وَالْجُلُوْسِ فِی الْمِسْجِدِ

مسجد میں حلقہ بنانا اور بیٹھنا

الحلق: حاء کا زبر اور زیر دونوں صحیح ہیں، یہ حَلَقَة کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں: گول دائرہ بنا کر بیٹھنا، تھوڑے لوگ ہوں تو بیٹھنے کا یہی طریقہ ہے اور لوگ زیادہ ہوں تو مل کر بیٹھیں، جس طرح آپ حضرات بیٹھے ہیں۔ نبی ﷺ کی مجلس میں صحابہ دونوں طرح بیٹھتے تھے، اور مسجد میں بھی دونوں طرح بیٹھنا جائز ہے، ترمذی میں حدیث ہے: نبی ﷺ نے جمعہ کے دن جامع مسجد میں حلقے لگانے سے منع فرمایا، یہ حدیث یا تو امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح نہیں یا پھر وہ جمعہ کے ساتھ خاص ہے اس لئے امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کیا کہ مسجد میں مطلق بیٹھنا اور حلقہ بنا کر بیٹھنا: دونوں طریقے جائز ہیں، باب کی پہلی دو حدیثوں میں صرف جلوس کا ذکر ہے، اور تیسری حدیث میں حلقہ بنا کر بیٹھنے کا ذکر ہے۔

[۸٤-] بابُ الْحلَقِ وَالْجُلُوْسِ فِی الْمِسْجِدِ

[٤٧٢-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: نَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: مَا تَرَى فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ؟ قَالَ:" مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا خَشِيَ الصُّبْحَ أَحَدُكُمْ صَلَّى وَاحِدَةً، فَأَوْتَرَتْ لَهُ مَا صَلَّى" وَإِنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: اجْعَلُوْا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا، فَإِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَمَرَ بِهِ. [انظر: ٤٧٣، ٩٩٠، ٩٩٣، ٩٩٥، ١١٣٧]

[٤٧٣-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رُجُلاً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يَخْطُبُ فَقَالَ: كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ؟ قَالَ:" مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا خَشِيْتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ، تُوْتِرْ مَا قَدْ صَلَّيْتَ"

وَقَالَ الْوَلِيْدُ بْنُ كَثِيْرٍ: حَدَّثَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَجُلاً نَادَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ فِيْ الْمَسْجِدِ. [راجع: ٤٧٢]

حدیث (۱): ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا درانحالیکہ آپؐ منبر پر تھے، آپؐ رات کی نماز (تہجد) کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: رات کی نماز دو دو، دو دو رکعتیں ہیں، پس جب تم میں سے کوئی صبح کا اندیشہ کرے تو ایک رکعت پڑھے، پس وہ ایک رکعت اس کی نمازوں کو طاق بنا دے گی، اور ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے: اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ اس لئے کہ نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔

حدیث (۲): ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا درانحالیکہ آپؐ تقریر فرما رہے

تھے، اس نے عرض کیا: رات کی نمازیں کس طرح ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: دو دو دو دو رکعتیں ہیں، پس جب صبح کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت کے ذریعہ طاق بناؤ، طاق بنائے گی وہ ایک رکعت اس نماز کو جو تو نے پڑھی ہے (تُوْتِرْ جواب امر مجزوم ہے اور اس کو مستقل جملہ بھی بنا سکتے ہیں، پس وہ مرفوع ہوگا اور مطلب ہوگا کہ وتر حقیقی رات کی سب نمازوں کو طاق بنا دے گی)

اور دوسری سند سے ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پکار کر کہا (معلوم ہوا کہ مجمع بڑا تھا اس لئے زور سے بولنا پڑا) درانحالیکہ آپؐ مسجد میں تھے۔

تشریح: ان حدیثوں سے بس یہ استدلال کرنا ہے کہ صحابہ اور آنحضور ﷺ مسجد میں بیٹھے تھے، پس مسجد میں جلوس کا جواز ثابت ہوا، اور حدیث میں دو مسئلے اور بھی ہیں:

ایک: تہجد گذاروں کو ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا چاہئے، یہ مسئلہ ہے یا مصلحت؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسئلہ ہے، چنانچہ ان کے نزدیک رات میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا افضل ہے، بلکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تو رات میں ایک سلام سے دو سے زیادہ نفلیں پڑھنا جائز ہی نہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مصلحت ہے یعنی آنحضور ﷺ نے تہجد گذاروں کو ان کی بھلائی کی بات بتائی ہے، چونکہ تہجد طویل پڑھے جاتے ہیں، نبی ﷺ بہت لمبے تہجد پڑھتے تھے اور صحابہ کا بھی یہی معمول تھا اس لئے آپؐ نے یہ ہدایت فرمائی کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرو، اس میں سہولت ہے پھر کچھ آرام کر کے تازہ دم ہو کر اگلا دوگانہ شروع کرو، چار رکعتیں ایک ساتھ طویل پڑھنے سے آدمی تھک جائے گا، تفصیل کتاب التہجد (باب ۱۰) میں آئے گی۔

اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وتر حقیقی ایک رکعت ہے یا تین رکعتیں؟ امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وتر کی تین رکعتیں ہیں ایک رکعت وتر پڑھنا جائز نہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر حقیقی ایک رکعت ہے، مگر ایک سلام سے تین رکعت وتر پڑھنا بھی جائز ہے، اور یہ اختلاف اس حدیث کو سمجھنے میں ہوا ہے یعنی یہ نص فہمی کا اختلاف ہے، دلائل کا اختلاف نہیں، تفصیل ابواب الوتر میں آئے گی۔

[٤٧٤-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ، أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلٰى عَقِيْلِ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ، أَخْبَرَهُ، عَنْ أَبِيْ وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، قَالَ: بَيْنَمَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ الْمَسْجِدِ، فَأَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ، فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَذَهَبَ وَاحِدٌ، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ، وَأَمَّا الآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ، وَأَمَّا الآخَرُ فَأَدْبَرَ ذَاهِبًا، فَلَمَّا فَرَغَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ؟ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللّٰهِ فَآوَاهُ اللّٰهُ، وَأَمَّا الآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللّٰهُ مِنْهُ، وَأَمَّا الآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ" [راجع: ٦٦]

وضاحت: اس حدیث کی شرح کتاب العلم (باب ۸) میں گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ کریں، اور یہاں یہ استدلال ہے کہ مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنا جائز ہے، نبی ﷺ اور حضرات صحابہ مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھے تھے۔

بابُ الِاسْتِلْقَاءِ فِی الْمِسْجِدِ

مسجد میں چت لیٹنا

اِسْتَلْقٰی علی ظَهْره: چت لیٹنا، سیدھا ہو کر پڑنا، پیٹھ پر لیٹ کر آرام کرنا۔ سونا یعنی نیند لگ جانا اس کے مفہوم میں داخل نہیں، مسجد میں چت لیٹنا جائز ہے جبکہ کشف عورت کا اندیشہ نہ ہو، یعنی اگر نیند آجائے تو ستر کھلنے کا اندیشہ نہ ہو، مثلاً پائجامہ پہن رکھا ہو یا لنگی پہنی ہو مگر چوکنا سویا ہو اور کشف عورت کا اندیشہ نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، صحیح احادیث میں مسجد میں پیر پر پیر رکھ کر لیٹنے سے منع کیا گیا ہے، اور یہاں حدیث ہے کہ عباد بن تمیم کے چچا نے نبی ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا، درانحالیکہ آپؐ نے پیر پر پیر رکھ رکھا تھا، یہ تعارض ہے اس لئے بعض علماء نے ان روایات کو ناسخ ومنسوخ قرار دیا ہے، ممانعت کی روایت منسوخ ہے اور باب کی روایت ناسخ ہے لیکن عام طور پر علماء ناسخ ومنسوخ قرار نہیں دیتے بلکہ تطبیق دیتے ہیں کہ ممانعت کشف عورت کے اندیشہ کی صورت میں ہے، اور اجازت اطمینان کی صورت میں ہے۔

[۸۵-] بابُ الِاسْتِلْقَاءِ فِی الْمِسْجِدِ

[۴۷۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ، عَنْ عَمِّهِ أَنَّهُ رَأَى رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ، وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى.

وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، قَالَ: كَانَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ. [انظر: ۵۹۶۹، ۶۲۸۷]

ترجمہ: عباد بن تمیم اپنے چچا عبداللہ بن زید بن عاصم سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا درانحالیکہ آپؐ نے ایک پیر دوسرے پیر رکھ رکھا تھا — اور ابن شہاب نے بواسطہ سعید بن المسیب روایت کیا ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بھی ایسا کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے بہ ظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ ایک پیر کھڑا کر کے اس پر دوسرا پیر رکھ کر چت لیٹے تھے، مگر ایک نسخہ میں باب میں وَمَدِّ الرِّجل بھی ہے، وہ نسخہ گیلری میں ہے۔ اس جملہ سے امام بخاریؒ نے حدیث کی شرح کی ہے کہ نبی ﷺ جو پیر پر پیر رکھ کر لیٹے تھے تو آپؐ نے پیر لمبے کر رکھے تھے اور اس صورت میں کشف عورت کا اندیشہ نہیں ہوتا پس یہ جائز ہے، اور ممانعت والی احادیث کا محمل وہ صورت ہے جب کشف عورت کا اندیشہ ہو۔

قولہ وعن ابن شہاب: یہ تعلیق بھی ہوسکتی ہے اور سابق سند سے متصل بھی ہوسکتی ہے، اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ حضرات

شیخین کا عمل لاکر امام بخاریؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ممانعت والی احادیث منسوخ ہیں اس لئے کہ نبی ﷺ کے بعد حضرات شیخین سے بھی پاؤں پر پاؤں رکھ کر لیٹنا ثابت ہے اگر ممانعت باقی ہوتی تو حضرات شیخین اس طرح نہ لیٹتے۔ مگر میں نے کہا کہ ناسخ ومنسوخ ماننے کی ضرورت نہیں، دونوں حدیثوں کا محمل الگ الگ تجویز کیا جائے، اگر کشف عورت کا اندیشہ ہوتو ممانعت ہے اور اطمینان ہوتو اجازت ہے۔

بابُ الْمَسْجِدِ يَكُوْنُ فِيْ الطَّرِيْقِ مِنْ غَيْرِ ضَرَرٍ بِالنَّاسِ فِيْهِ

راستے میں مسجد کا ہونا جبکہ لوگوں کو کوئی ضرر نہ پہنچے

یہاں مسجد کے لغوی معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں اور شرعی معنی بھی۔ اگر لغوی معنی مراد ہیں تو راستہ میں مسجد بنانے کا مطلب ہے: راستہ میں نماز پڑھنا، لوگ اسٹیشن پر، پلیٹ فارم پر، ایرپورٹ پر اور دیگر عوامی جگہوں میں نماز پڑھتے ہیں اس میں کچھ حرج نہیں، جبکہ راستہ میں نماز پڑھنے سے لوگوں کو ضرر نہ پہنچے، بس اس ایک بات کا خیال رکھ کر راستہ میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

اور اگر شرعی مسجد بنانا مراد ہے تو حکومت کی اجازت ضروری ہے، ویران زمین کی آبادکاری کے مسئلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک محض آبادکاری سے آدمی زمین کا مالک نہیں ہوتا، حکومت کی اجازت ضروری ہے، خواہ اجازت لاحقہ ہو یا سابقہ، اسی طرح راستہ عام لوگوں کا حق ہے اور حکومت عوام کے حقوق کی محافظ ہے، اس لئے راستہ میں مسجد بنانے کے لئے حکومت کی اجازت ضروری ہے۔ اور شاہ صاحب قدس سرہ نے فیض الباری میں فرمایا ہے کہ جہاں مماکست ہو یعنی بعض مسجد بنانے کے حق میں ہوں اور بعض مخالفت کررہے ہوں تو ایسی جگہ مسجد بنانا جائز نہیں، البتہ اگر سب لوگ مسجد بنانے پر متفق ہوں تو پھر راستہ میں مسجد بناسکتے ہیں۔

فائدہ: باب میں فیه مصری نسخہ میں نہیں ہے اور فتح الباری میں بھی نہیں ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے، لیکن ہمارے ہندوستانی نسخہ میں ہے اور ضمیر طریق کی طرف لوٹتی ہے، یعنی راستہ میں مسجد بنانے سے اگر لوگوں کو کوئی ضرر نہ پہنچے تو بناسکتے ہیں۔ اور فیه کے اوپر بین السطور میں جو لکھا ہے وہ صحیح نہیں، صحیح بات وہ ہے جو میں نے بیان کی، اس پر زیادہ سے زیادہ یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ طریق مؤنث سماعی ہے، اس کی طرف مذکر ضمیر کیسے لوٹے گی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ طریق اگرچہ مؤنث سماعی ہے مگر لفظ مذکر ہے، اس لئے اس کی طرف کبھی مذکر ضمیر بھی لوٹاتے ہیں۔

[۸٦-] بابُ الْمَسْجِدِ يَكُوْنُ فِي الطَّرِيْقِ مِنْ غَيْرِ ضَرَرٍ بِالنَّاسِ فِيْهِ

وَبِهِ قَالَ الْحَسَنُ وَأَيُّوْبُ وَمَالِكٌ.

[٤٧٦-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: نَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ،

أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَتْ: لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ إِلَّا وَهُمَا يَدِيْنَانِ الدِّيْنَ، وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ إِلَّا يَأْتِيْنَا فِيْهِ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَعَشِيَّةً، ثُمَّ بَدَا لِأَبِىْ بَكْرٍ فَابْتَنَى مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهِ، فَكَانَ يُصَلِّىْ فِيْهِ، وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَيَقِفُ عَلَيْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِكِيْنَ وَأَبْنَاؤُهُمْ، يَعْجَبُوْنَ مِنْهُ وَيَنْظُرُوْنَ إِلَيْهِ، وَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ رَجُلًا بَكَّاءً وَلَا يَمْلِكُ عَيْنَيْهِ إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ، فَأَفْزَعَ ذٰلِكَ أَشْرَافَ قُرَيْشٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ.

[انظر: ۲۱۳۸، ۲۲۶۳، ۲۲۶٤، ۲۲۹۷، ۳۹۰۵، ٤۰۹۳، ۵۸۰۷، ۶۰۷۹]

اثر: حضرات حسن بصری، ایوب سختیانی اور امام مالک رحمہم اللہ راستہ میں مسجد بنانے کے جواز کے قائل ہیں، اور احناف بھی اس کو جائز کہتے ہیں، البتہ اذن امام کی شرط لگاتے ہیں۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے ماں باپ کو دین دار پایا ہے اور کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا مگر نبی ﷺ اس دن کے دونوں کناروں میں یعنی صبح وشام ہمارے یہاں تشریف لاتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے ظاہر ہوا یعنی ان کی رائے بنی تو انھوں نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی (یہی جزء باب سے متعلق ہے) پس وہ اس میں نماز پڑھتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے، پس ان کے پاس مشرکین کی عورتیں اور بچے ٹھٹھ لگاتے تھے اور ان کے پڑھنے اور رونے پر حیرت کرتے تھے اور ان کو دیکھتے رہتے تھے۔ اور ابوبکرؓ بہت زیادہ رونے والے تھے، جب وہ قرآن پڑھتے تو ان کا آنکھوں پر قابو نہیں رہتا تھا، پس اس سے قریش کے شرفاء گھبرا گئے۔

تشریح: یہ حدیث یہاں بہت مختصر ہے، تفصیلی حدیث آگے آئے گی۔ اس حدیث میں پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے باہمی تعلقات کا نقشہ کھینچا ہے، پھر حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت کا تذکرہ کیا ہے۔

مکی دور میں جب کفار کا ظلم وستم بہت بڑھ گیا تو نبی ﷺ نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دیدی، لوگ حبشہ ہجرت کرکے جانے لگے، ایک وقت کے بعد کفار کے مظالم سے تنگ آکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا اور حبشہ جانے کے ارادہ سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے، راستہ میں بَرك الغِماد نامی جگہ میں قبیلہ قارہ کے سردار ابنُ الدَّغِنَة سے حضرت ابوبکرؓ کی ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: میری قوم نے مجھے مکہ سے نکال دیا ہے اس لئے نکل کھڑا ہوا ہوں، اللہ کی زمین میں گھوموں گا اور اللہ کی بندگی کروں گا، ابن الدغنہ نے کہا: آپ جیسا آدمی نہ مکہ سے نکلتا ہے اور نہ نکالا جاتا ہے، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں یعنی مقروض کے قرضے ادا کرتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور قدرتی آفات میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں[1] آپ جیسا آدمی مکہ میں نہیں رہے گا تو مکہ والوں کا کیا ہوگا؟ آپ واپس چلیں میں آپ کو پناہ دوں گا، چنانچہ ابن الدغنہ حضرت ابوبکر

(۱) یہ وہی پانچ صفات ہیں جو حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا نے آنحضور ﷺ کی شان میں بیان کی تھیں جب آپؐ پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی تھی اور آپؐ گھبرائے ہوئے گھر پہنچے تھے، تفصیل کتاب الوحی میں گذری ہے۔

رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مکہ آیا اور رؤسائے مکہ کو جمع کر کے اعلان کیا کہ آج سے ابوبکر میری پناہ میں ہیں، مکہ کے رؤساء نے اس سے کہا: تم بڑے آدمی ہو، ہم تمہاری پناہ کو قبول کرتے ہیں مگر ہماری ایک شرط ہے، ابوبکر گھر کے صحن میں نماز پڑھتے ہیں، اس سے متصل راستہ ہے اور وہ زور سے قرآن پڑھتے ہیں اور روتے ہیں، ہماری عورتیں اور بچے وہاں ٹھٹھ لگا کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور ان کا پڑھنا اور رونا حیرت سے دیکھتے ہیں ہمیں ان کے بے دین ہوجانے کا خطرہ ہے۔ آپ ابوبکر سے کہیں کہ وہ گھر میں جو چاہیں کریں گھر کے صحن میں نماز نہ پڑھیں۔ ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ بات کہی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شرط قبول کر لی اور کچھ دن گھر میں نماز پڑھتے رہے، لیکن پھر حضرت کی رائے بدل گئی اور انھوں نے صحن میں نماز پڑھنی شروع کر دی، مکہ والوں نے ابن الدغنہ کو بلوایا اور کہا ابوبکرؓ نے شرط کی خلاف ورزی شروع کر دی ہے، آپ ابوبکرؓ سے کہیں یا تو شرط کے مطابق گھر میں نماز پڑھیں یا تمہاری پناہ واپس کر دیں، ہم نہیں چاہتے کہ تمہاری پناہ میں رخنہ پڑے، ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ بات کہی، حضرت ابوبکرؓ نے اس کی پناہ واپس کر دی۔

استدلال: یہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گھر کے صحن میں نماز پڑھنے کے لئے جگہ متعین کی تھی جس سے متصل راستہ تھا اس کو امام بخاریؒ راستہ میں مسجد بنانا کہہ رہے ہیں، حالانکہ یہ مسجد بنانا نہیں ہے، ہجرت سے پہلے ایسے حالات نہیں تھے کہ مکہ میں کوئی مسجد بنائے، کعبہ شریف میں نماز پڑھنا بھی مشکل تھا دوسری مسجد کیسے بناتے؟ پس یہ استدلال کمزور ہے۔

فائدہ: اس روایت میں ہے کہ نبی ﷺ روزانہ صبح وشام حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے جاتے تھے، اور دوسری روایت میں روزانہ ملاقات کرنے سے منع فرمایا ہے: زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا: گاہ بہ گاہ ملاقات کر واس سے محبت بڑھے گی، پس یہ گونہ تعارض ہے۔

پس جاننا چاہئے کہ باب کی حدیث کا مصداق گہرے تعلقات ہیں، اور دوسری حدیث کا مصداق عام تعلقات ہیں، اگر تعلقات سرسری ہوں تو گاہ بہ گاہ ملاقات کرنی چاہئے، تاکہ بارِ خاطر نہ ہو، اور قریبی اور گہرے تعلقات ہوں تو روزانہ ملاقات کر سکتے ہیں اس سے فریقین کو فرحت حاصل ہوتی ہے —— اور تعلقات کی نوعیت کا فیصلہ رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دیا جائے گا، علاوہ ازیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حیثیت وزیر کی بھی تھی، اور بادشاہ کو وزیر سے بار بار مشورہ کرنا پڑتا ہے، پس یہ دو حدیثیں دو بابوں کی ہیں، اس لئے ان میں کچھ تعارض نہیں۔

بابُ الصَّلاَةِ فِیْ مَسْجِدِ السُّوْقِ

بازار کی مسجد میں نماز پڑھنا

مسجد سوق سے بازار کا وہ چبوترہ وغیرہ مراد ہے جو بازار والے نماز کے لئے بنا لیتے ہیں، مسجدِ شرعی مراد نہیں، نبی ﷺ کے زمانہ میں بازار کی نوعیت آج کل کی پینٹھوں جیسی تھی، دن بھر وہاں ہماہمی رہتی اور شام کو ہو کا عالم ہوجاتا، وہاں اگر کوئی

شخص تنہا یا باجماعت نماز پڑھے تو جائز ہے۔ اور وہاں باجماعت نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب ملے گا، یہ اس ترجمہ کا مقصد ہے۔

عبداللہ بن عونؒ نے جو بڑے فقیہ ہیں اور حضرات حسن بصری اور محمد بن سیرین رحمہما اللہ کے معاصر ہیں اپنے گھر کی مسجد میں جس میں دروازہ تھا یعنی دروازہ بند کرنے کے بعد کوئی شخص نہیں آسکتا تھا: باجماعت نماز پڑھی ہے (۱) معلوم ہوا کہ گھر میں باجماعت نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب ملے گا، اگر جماعت کا ثواب نہ ملے تو گھر میں جماعت کرنے کا فائدہ کیا؟ پس بازار میں بھی باجماعت نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب ملے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث آگے بخاری میں آرہی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جماعت کی نماز تنہا نماز سے پچیس گنا فضیلت رکھتی ہے۔ یہ حدیث مطلق ہے ہر اس نماز کو شامل ہے جو باجماعت پڑھی جائے خواہ وہ مسجد شرعی میں پڑھی جائے یا بازار یا گھر میں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ستائیس گنا ثواب کا ذکر ہے۔

رہی یہ بات کہ مسجدِ شرعی میں جو نماز باجماعت پڑھی جائے اس میں مسجد کا الگ سے ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کوئی صراحت نہیں، پس جب کوئی دلیل نہیں تو قطعیت کے ساتھ کوئی بات کہنا مشکل ہے، البتہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ بندہ جب مسجد جانے کے ارادہ سے گھر سے نکلتا ہے اور شاندار وضو کر کے جاتا ہے تو ہر قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک نیکی لکھی جاتی ہے، اور جب تک وہ نماز کے انتظار میں رہتا ہے حکماً نماز میں ہوتا ہے اور فرشتے اس کے لئے بخشش و مرحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں، ظاہر ہے گھر میں اور بازار میں نماز پڑھنے والے کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی، مسجدِ شرعی میں جا کر نماز پڑھنے والے ہی کو یہ فضیلت حاصل ہوگی۔

[۸۷-] بابُ الصَّلاَةِ فِیْ مَسْجِدِ السُّوْقِ

وَصَلَّى ابْنُ عَوْنٍ فِیْ مَسْجِدٍ فِیْ دَارٍ یُغْلَقُ عَلَیْهِمُ الْبَابُ.

[۴۷۷-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: نَا أَبُوْ مُعَاوِیَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم، قَالَ:" صَلاَةُ الْجَمِیْعِ تَزِیْدُ عَلٰی صَلاَ تِهٖ فِیْ بَیْتِهٖ وَصَلاَ تِهٖ فِیْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَعِشْرِیْنَ دَرَجَةً، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، وَأَتَى الْمَسْجِدَ لاَ یُرِیْدُ إِلاَّ الصَّلاَةَ، لَمْ یَخْطُ خَطْوَةً إِلاَّ رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ خَطِیْئَةً، حَتّٰی یَدْخُلَ الْمَسْجِدَ. وَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِیْ صَلاَةٍ مَا كَانَتْ تَحْبِسُهُ وَتُصَلِّیْ الْمَلاَئِكَةُ عَلَیْهِ مَا دَامَ فِیْ مَجْلِسِهِ الَّذِیْ یُصَلِّیْ فِیْهِ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَالَمْ یُؤْذِ، یُحَدِّثْ فِیْهِ. [راجع: ۱۷۶]

(۱) یہ مسجدِ شرعی نہیں تھی بلکہ گھر میں نماز پڑھنے کے لئے جو جگہ مختص کی جاتی ہے وہ جگہ تھی۔

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جماعت کی نماز اس نماز پر جو آدمی نے اپنے گھر میں پڑھی ہے اور اس نماز پر جو اپنی دکان میں پڑھی ہے پچیس گنا بڑھ جاتی ہے، پس بیشک تم میں سے ایک آدمی جب وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مسجد میں آتا ہے، نہیں ارادہ کرتا وہ مگر نماز ہی کا تو نہیں اٹھاتا وہ کوئی قدم مگر اس پر اللہ اس کا ایک درجہ بلند فرماتے ہیں اور اس کا ایک گناہ معاف فرماتے ہیں، یہاں تک کہ وہ مسجد میں آجاتا ہے، اور جب وہ مسجد میں آجاتا ہے تو وہ حکماً نماز میں ہوتا ہے، جب تک کہ وہ نماز کا انتظار کرتا ہے اور فرشتے اس کے لئے بخشش ورحمت کی دعا کرتے ہیں، جب تک کہ وہ اس جگہ میں ہوتا ہے جہاں وہ نماز پڑھتا ہے: اے اللہ! اس کی بخشش فرما، اے اللہ! اس پر رحم فرما، جب تک وہ ایذاء نہ پہنچائے، جب تک وہ گوز نہ مارے (یُحدث سے پہلے مَالَم پوشیدہ ہے)

تشریح:

۱-اس حدیث میں گھر اور دوکان میں پڑھی ہوئی نماز سے مسجد میں باجماعت پڑھی ہوئی نماز کو پچیس گنا فضیلت والا بتایا گیا ہے، معلوم ہوا کہ دوکان میں نماز پڑھنا جائز ہے، یہی اس حدیث سے استدلال ہے۔

۲-اس حدیث میں پچیس گنا ثواب کا ذکر ہے اور ابن عمرؓ کی حدیث میں ستائیس گنا ثواب مروی ہے اور وہ روایت بھی اعلی درجہ کی صحیح ہے اور دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ نفس جماعت کا ثواب پچیس گنا ہے لیکن اگر جماعت میں مزید خصوصیات پیدا ہو جائیں، مثلاً امام نیک آدمی ہو، یا مجمع بڑا ہو یا جماعت میں نیک لوگ شامل ہوں تو پھر ثواب بڑھ کر ستائیس گنا ہو جائے گا۔

اور دوسری تطبیق علماء نے یہ دی ہے کہ نفس جماعت کا ثواب خواہ کہیں پڑھی گئی ہو پچیس گنا ہے اور مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب ستائیس گنا ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا: جماعت کے فوائد ایک زاویہ سے پچیس ہیں اور دوسرے اعتبار سے ستائیس، پس جس زاویہ سے دیکھا جائے اس کا اعتبار ہوگا (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۳: ۵۷۵ میں ہے)

اور جماعت کی نماز منفرد کی نماز سے اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ تنہا نماز پڑھنے والے کو نہ نماز کا انتظار رہتا ہے، نہ کہیں جانا ہے، نہ امام کی قراءت سننی ہے بلکہ وہ وضو بھی ڈھنگ سے نہیں کرتا، جلدی جلدی وضو کر کے چھوٹی چھوٹی سورتوں سے نماز نمٹا دیتا ہے، اور پڑ کر سو جاتا ہے یا کام میں مصروف ہو جاتا ہے، اور باجماعت نماز پڑھنے والا وضو بھی ڈھنگ سے کرتا ہے، مسجد میں بھی جاتا ہے، جس میں ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے اور گناہ معاف ہوتا ہے، نماز کا انتظار بھی کرتا ہے اور منتظر صلوٰۃ بحکم صلوٰۃ ہوتا ہے، امام کی قراءت بھی سنتا ہے اور نماز کے لئے ایک معتد بہ ٹائم صرف کرتا ہے، غرض اس کی نماز منفرد کی نماز سے ہر اعتبار سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے اس لئے باجماعت نماز کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

۳-حدیث میں وضو کی قید عربوں کے عرف کے اعتبار سے ہے، چونکہ عربوں کی مسجدوں میں وضو کا انتظام نہیں ہوتا،

لوگ گھر سے وضو کر کے آتے ہیں، اس لئے حدیث میں یہ قید آئی ہے۔ یہ بات علامہ کشمیری قدس سرہ نے فیض الباری (۲:۳۷) میں فرمائی ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ مسجد جانے ہی کے لئے گھر سے نکلا ہو دوسرے کسی کام کے لئے نہ نکلا ہو، جبھی مذکورہ ثواب ملے گا، ایک شخص سبزی لینے کے لئے بازار گیا اور نماز بھی پڑھتا آیا تو اس کو مذکورہ ثواب نہیں ملے گا، جو نماز پڑھنے ہی کے لئے گھر سے نکلا اور راستہ سے سبزی بھی لیتا آیا تو اس کو یہ ثواب ملے گا۔

قولہ: أَوحطَّ عنه خطيئَةَ: مصری نسخہ میں واؤ ہے اور گیلری میں بھی واؤ لکھا ہے اور وہی صحیح ہے اور ہمارے نسخہ میں جو أو ہے وہ بمعنی واؤ ہے۔

۴- جو شخص نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھا ہے وہ حکماً نماز میں ہے، اس کے لئے فرشتے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اسی طرح جو نماز کے بعد مسجد میں بیٹھا ہے اور ذکر واذکار یا تلاوت میں مشغول ہے اس کے لئے بھی فرشتے دعا کرتے ہیں، اور اس وقت تک کرتے ہیں جب تک وہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائے یا مسجد میں ریح خارج نہ کرے۔ یہ بھی تکلیف پہنچانے کی ایک صورت ہے، فرشتوں کو اس سے اذیت پہنچتی ہے، اس لئے وہ دعا بند کردیتے ہیں، اسی طرح کسی اور مخلوق کو اذیت پہنچائے، اس کی جو بھی صورت ہو، تو فرشتے دعا موقوف کردیتے ہیں۔

قولہ: مادام فی مجلسه الذی يُصلی فيه: مجلس سے مسجد مراد ہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے خاص وہ جگہ جہاں نماز پڑھی ہے مراد نہیں، پس پوری مسجد میں کسی بھی جگہ بیٹھ کر ذکر واذکار میں مشغول ہو تو فرشتے اس کے لئے دعا کریں گے۔

بابُ تَشْبِيْكِ الْأَصَابِعِ فِي الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ

مسجد وغیرہ میں انگلیوں میں جال بنانا

شَبَكَة کے معنی ہیں: جال، اور تشبیك کے معنی ہیں: انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا اور جال بنانا۔ نماز میں یا انتظارِ نماز کی حالت میں یا نماز کے لئے مسجد کی طرف جاتے ہوئے تشبیک کرنا ممنوع ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد جانے کے لئے گھر سے نکلے تو وہ ہرگز تشبیک نہ کرے (ترمذی حدیث ۳۹۶)

اور تشبیک کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ وہ جالبِ نوم ہے یعنی تشبیک کرنے سے آرام ملتا ہے اور نیند آتی ہے، ورنہ اس کا مقدمہ اونگھ یا اس کا بھی مقدمہ سستی ضرور پیدا ہوتی ہے، اور نمازی کو اور نماز کا انتظار کرنے والے کو ایسی کیفیت اختیار نہیں کرنی چاہئے جو سستی پیدا کرے، اس سے نماز بے مزہ ہوجائے گی، چنانچہ ان حالات میں فقہاء نے انگلیاں چٹخانے کو بھی منع کیا ہے، اس کی وجہ بھی طبیعت میں سستی پیدا ہونا اور نیند آنا ہے۔

اور اس ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ تشبیک مطلقاً ممنوع نہیں، صرف اس وقت ممنوع ہے جب نماز کے لئے تیاری کرچکا ہو، تفہیم وتعلیم کی غرض سے، اور غور وفکر کے وقت مسجد میں بھی اور غیر مسجد میں بھی تشبیک جائز ہے اور نبی ﷺ سے ثابت ہے۔

[۸۸-] بابُ تَشْبِيْكِ الْأَصَابِعِ فِي الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ

[۴۷۸، ۴۷۹-] حدثنا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ بِشْرٍ، نا عَاصِمٌ، نا وَاقِدٌ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ - أَوِابْنِ عَمْرٍو- قَالَ شَبَّكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَصَابِعَهُ.[انظر: ۴۸۰]

[۴۸۰-] وَقَالَ عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ، نا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ سَمِعْتُ هٰذَا الْحَدِيْثَ مِنْ أَبِيْ [فَلَمْ أَحْفَظْهُ] فَقَوَّمَهُ لِيْ وَاقِدٌ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِيْ وَهُوَ يَقُوْلُ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو! كَيْفَ بِكَ إِذَا بَقِيْتَ فِيْ حُثَالَةٍ مِنَ النَّاسِ بِهٰذَا.[راجع: ۴۷۹]

حدیث: ابن عمرؓ یا ابن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی انگلیوں میں جال بنایا، اور عاصم بن علی: عاصم بن محمد سے روایت کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث اپنے ابا سے سنی مگر میں نے اس کو محفوظ نہیں کیا۔ پھر اس کو ٹھیک کیا واقد نے اپنے ابا کی سند سے، واقد کہتے ہیں: میں نے اپنے ابا سے سنا، درانحالیکہ وہ کہہ رہے ہیں: عبداللہ بن عمرو نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمرو! تیرا کیا حال ہوگا جب تو لوگوں کے کوڑے میں رہ جائے گا؟ مذکورہ حدیث آخر تک۔

تشریح:

۱- حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے اور ہمارے ہندوستانی نسخہ میں فربری اور حماد بن شاکر سے ابو رمیح کی نقل کے مطابق ہے جس کو ابو مسعود دمشقی نے اپنی کتاب الاطراف میں ذکر کیا ہے اور اس حدیث میں شک ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن عمر کی ہے یا عبداللہ بن عمرو بن العاص کی، اور اس شک کو دور کرنے کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیق ذکر کی ہے: عاصم بن محمد کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث اپنے ابا محمد بن زید سے سنی، مگر وہ مجھے اچھی طرح محفوظ نہیں، پھر میرے بھائی واقد بن محمد نے اپنے ابا محمد بن زید سے یہ حدیث سنی اور ٹھیک طرح سے یاد رکھی، محمد بن زید کہتے ہیں: نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے فرمایا: اے عبداللہ! تیرا کیا حال ہوگا جب تو لوگوں کے کوڑے میں رہ جائے گا؟ یعنی یہ حدیث عبداللہ بن عمرؓ کی نہیں ہے بلکہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی ہے —— عاصم بن علی امام بخاریؒ کے استاذ ہیں، مگر یہ حدیث ان سے باقاعدہ نہیں پڑھی، بلکہ مجلس مذاکرہ میں حاصل کی ہے، امام بخاریؒ ایسی روایتوں کو قَالَ سے ذکر کرتے ہیں۔

۲- یہ روایت علامہ عینی رحمہ اللہ نے حمیدی کی کتاب الجمع بین الصحیحین کے حوالہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے: قَالَ: كيف أَنْتَ يا عبدَ اللّٰهِ! إِذَا بَقِيْتَ فِيْ حُثَالَةٍ مِنَ النَّاسِ قد مَرَجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَأَمَانَاتُهُمْ، وَاخْتَلَفُوْا، فَصَارُوْا هٰكَذَا: وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، قَالَ: فَكَيفَ أَفْعَلُ يارسولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: تَأْخُذُ مَا تَعْرِفُ، وَتَدَعُ مَا تُنْكِرُ، وَتُقْبِلُ عَلَى خَاصَّتِكَ، وَتَدَعُهُمْ وَعَوَامَّهُمْ: یعنی نبی ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ! تیرا کیا حال ہوگا جب تو کوڑے جیسے

لوگوں کے درمیان رہ جائے گا، ان کے عہد و پیمان اور ان کی امانتیں ضائع ہوچکی ہونگی، اور وہ باہم مختلف ہوگئے ہونگے اور اس طرح ہوگئے ہونگے: اور آپؐ نے انگلیوں کے درمیان جال بنایا، ابن عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے ایسی صورتِ حال میں کیا کرنا چاہیے؟ آپؐ نے فرمایا: دین میں جو چیزیں معروف ہیں انہیں اختیار کرنا اور منکر کو چھوڑ دینا، خواص کو لازم پکڑنا اور عوام سے کنارہ کشی اختیار کرلینا (عمدۃ القاری ۴: ۲۶۰)

نبی ﷺ نے لوگوں کے اختلافات اور اچھے برے کی تمیز ختم ہوجانے کی منظر کشی کرنے کے لئے انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر اشارہ فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم و تفہیم اور معنویات کو محسوس بنانے کے لئے مسجد اور خارج مسجد میں تشبیک کرنا جائز ہے۔

فائدہ: یہ حدیث عصر حاضر کے مسلمانوں کے لئے رہنما اصول کی حیثیت رکھتی ہے، جب صورتِ حال ابتر ہوجائے، عہد و پیمان کی پابندی اور امانت و دیانت کی پاسداری معاشرے سے رخصت ہوجائے اور لوگ باہمی اختلافات کا شکار ہوکر اچھے برے کی تمیز کھو بیٹھیں اس حال میں نبی ﷺ کی ہدایت یہ ہے کہ دین کی جو باتیں معروف ہیں ان پر مضبوطی سے عمل کیا جائے اور منکرات اور برائیوں سے بچنے کی پوری کوشش کی جائے اور عوام سے کنارہ کشی اختیار کرلی جائے، اور خواص یعنی علماء، صلحاء اور اولیاء سے وابستگی اختیار کی جائے، اللہ تعالیٰ اس زریں نصیحت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

[۴۸۱-] حدثنا خَلَّادُ بْنُ يَحْيىَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا " وَشَبَّكَ صلى الله عليه وسلم أَصَابِعَهُ. [انظر: ۲۴۴۶، ۶۰۲۶]

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا بعض بعض کو مضبوط کرتا ہے (اور یہ بات سمجھانے کے لئے) آپؐ نے اپنی انگلیوں کے درمیان جال بنایا۔

تشریح: اس حدیث میں اتحاد و اتفاق کی تعلیم دی گئی ہے، اتحاد و اتفاق میں جو قوت ہے وہ تشتت و افتراق میں نہیں، چند کمزور باہم مل کر قوی ہوجاتے ہیں اور مضبوط پہلوان تنہا پچھاڑ دیا جاتا ہے، نبی ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کیں اور محسوس طور پر سمجھایا کہ جس طرح اینٹیں ایک دوسرے میں گھس کر اور دیواریں ایک دوسرے سے جڑ کر مضبوط ہوتی ہیں، اسی طرح مسلمان بھی اسی وقت سرخ رو ہوسکتے ہیں جب وہ ایک اور نیک بن جائیں، پوری ملت ایک صالح اکائی بن جائے، تب عزت کا تاج ان کے سر کی زینت بن سکتا ہے۔

[۴۸۲-] حدثنا إِسْحَاقُ، قَالَ: نَا ابْنُ شُمَيْلٍ، قَالَ: أَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِحْدَى صَلاَ تَيِ الْعَشِيِّ - قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ: قَدْ سَمَّاهَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ،

ولٰكِنْ نَسِيْتُ أَنَا ـــــ قَالَ: فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، فَقَامَ إِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِيْ الْمَسْجِدِ، فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا كَأَنَّهُ غَضْبَانُ، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى الْيُسْرَى، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، وَوَضَعَ خَدَّهُ الْأَيْمَنَ عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى، وَخَرَجَتِ السَّرَعَانُ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالُوْا: قُصِرَتِ الصَّلَاةُ، وَفِيْ الْقَوْمِ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَا أَنْ يُكَلِّمَاهُ، وَفِيْ الْقَوْمِ رَجُلٌ فِيْ يَدَيْهِ طُوْلٌ، يُقَالُ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ، قَالَ: يَا رسولَ اللّٰهِ أَنَسِيْتَ أَمْ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ؟ قَالَ: " لَمْ أَنسَ وَلَمْ تُقْصَرْ" فَقَالَ: " أَكَمَا يَقُوْلُ ذُو الْيَدَيْنِ؟" فَقَالُوْا: نَعَمْ، فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى مَا تَرَكَ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ، ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ، فَرُبَّمَا سَأَلُوْهُ: ثُمَّ سَلَّمَ؟ فَيَقُوْلُ: نُبِّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ: ثُمَّ سَلَّمَ.

[انظر: ٧١٤، ٧١٥، ١٢٢٧، ١٢٢٩، ٦٠٥١، ٧٢٥٠]

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے شام کی دونمازوں (ظہرین) میں سے کوئی ایک نماز پڑھائی ـــــ ابن سیرینؒ کہتے ہیں: حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کا نام لیا تھا مگر میں بھول گیا ـــــ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: پس ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا، پھر آپؐ ایک لکڑی کی طرف کھڑے ہوئے جو مسجد میں گڑی ہوئی تھی، پس آپؐ نے اس پر ٹیک لگائی گویا آپؐ غصہ میں ہیں، اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں کے درمیان جال بنایا، اور اپنا دایاں رخسار اپنی بائیں ہتھیلی کی پیٹھ پر رکھا، اور جلد باز لوگ مسجد کے دروازہ سے نکل گئے، انھوں نے کہا کہ نماز میں کمی کردی گئی، اور مجمع میں حضرات شیخین تھے، پس وہ دونوں آپؐ سے اس سلسلہ میں گفتگو کرنے سے ڈرے، اور لوگوں میں ایک شخص تھا جس کے ہاتھوں میں درازی تھی، جس کا لقب ذوالیدین تھا، اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپؐ بھول گئے یا نماز میں کمی کردی گئی؟ آپؐ نے فرمایا: نہ میں بھولا اور نہ کمی کی گئی، پس آپؐ نے پوچھا: ذوالیدین کیا کہہ رہے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ذوالیدین ٹھیک کہہ رہے ہیں، پس آپؐ آگے بڑھے اور باقی نماز پڑھائی، پھر سلام پھیرا پھر تکبیر کہی اور اپنے سجدوں کے مثل یعنی نماز کے سجدوں کے مثل یا اس سے بھی لمبا سجدہ کیا، پھر سر مبارک اٹھایا اور تکبیر کہی، پھر تکبیر کہی اور اپنے سجدوں کے مثل یا اس سے بھی لمبا سجدہ کیا پھر سر مبارک اٹھایا اور تکبیر کہی، پس بعض مرتبہ لوگوں نے ابن سیرین سے پوچھا: کیا آپؐ نے سلام پھیرا؟ انھوں نے کہا: مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرت عمرانؓ نے فرمایا: پھر آپؐ نے سلام پھیرا۔

تشریح: اس حدیث میں جو واقعہ ہے اس کی صحیح نوعیت یہ تھی کہ آپؐ نے ظہرین میں سے کوئی نماز پڑھائی اور دو یا تین رکعت پر سلام پھیر دیا، اور حجرہ میں تشریف لے گئے، لوگوں میں چہ می گوئیاں ہوئیں مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ آنحضور ﷺ سے اس سلسلہ میں گفتگو کرے، مسجد میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بھی تھے ان کی بھی ہمت نہ ہوئی، اور پیچھے کچھ جلد باز لوگ یہ کہتے ہوئے مسجد سے نکل گئے کہ نماز میں کمی کردی گئی۔ ذوالیدین نامی ایک صحابی آنحضور ﷺ کے حجرہ میں گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا نماز میں کمی ہوئی یا آپؐ بھول گئے؟ آپؐ نے فرمایا: دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہوئی، نہ کمی

ہوئی نہ بھول ہوئی۔ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک بات ضرور ہوئی ہے، چنانچہ آپؐ غصہ میں مسجد میں تشریف لائے اور محراب کے قریب ایک لکڑی تھی آپؐ نے دونوں ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر اس لکڑی پر دونوں ہاتھ رکھے اور بائیں ہاتھ کی پشت پر دایاں رخسار رکھا پھر لوگوں سے پوچھا: ذوالیدین کیا کہتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ صحیح کہہ رہے ہیں، آپؐ نے نماز کم پڑھائی ہے۔ چنانچہ آپؐ قبلہ کی طرف گھوم گئے اور باقی نماز پڑھائی اور آخر میں سلام کے بعد سجدۂ سہو فرمایا۔

مناسبت: جب آنحضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو آپؐ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کیں، یہی باب ہے۔ تشبیک مطلقاً ممنوع نہیں۔ غور وفکر کے وقت تشبیک کرنا خواہ مسجد کے اندر ہو یا مسجد سے باہر جائز ہے، نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے —— اور اس حدیث میں اور بھی مسائل ہیں مثلاً نماز میں کلام کا مسئلہ، قبل السلام یا بعد السلام سجدۂ سہو کا مسئلہ: یہ مسائل اپنی جگہ آئیں گے۔

قولہ: نُبِّئتُ أن عمران: محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے تلامذہ نے دریافت کیا کہ نبی ﷺ نے سجدہ سہو کے بعد سلام پھیرا یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ نے سجدہ سہو کے بعد سلام پھیرا، یعنی محمد بن سیرینؒ نے حضرت عمرانؓ سے براہ راست یہ بات نہیں سنی، درمیان میں کوئی واسطہ ہے، حضرت عمرانؓ کی یہ حدیث ابوداؤد (حدیث ۱۰۱۸) میں ہے۔

بابُ الْمَسَاجِدِ الَّتِیْ عَلَی طُرُقِ الْمَدِیْنَةِ

وَالْمَوَاضِعِ الَّتِیْ صَلَّی فِیْهَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم

مدینہ شریف کے راستوں کی مسجدیں

اور وہ جگہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہے

یہ ابواب المساجد کا آخری باب ہے، نبی ﷺ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان بہت سے اسفار فرمائے ہیں: چار عمرے فرمائے ہیں، فتح مکہ کے لئے سفر فرمایا ہے، حجۃ الوداع کے لئے سفر فرمایا ہے اور ایک معین راستہ پر سفر فرمایا ہے اس راستہ میں آپؐ نے کہاں کہاں نمازیں پڑھی ہیں؟ اور اس راستہ میں کہاں کہاں مسجدیں بنی ہوئی ہیں؟ یہ دو باتیں اس باب کا موضوع ہیں۔

جاننا چاہئے کہ آنحضور ﷺ نے جہاں جہاں نمازیں پڑھی ہیں سب جگہ مسجدیں بنی ہوئی نہیں ہیں، اور جہاں مسجدیں بنی ہوئی ہیں ان سب جگہوں میں آنحضور ﷺ نے نماز نہیں پڑھی، بعض مسجدیں وہ ہیں جہاں آپؐ نے نماز پڑھی ہے جیسے ذوالحلیفہ کی مسجد جو اہل مدینہ کی میقات ہے، وہاں آپؐ نے نمازیں پڑھی ہیں، پھر ایک کیکر کے درخت کے نیچے طواف کا

دوگانہ ادا فرمایا ہے، ٹھیک اسی جگہ ذوالحلیفہ میں مسجد بنی ہوئی ہے، اور بہت سی مسجدیں حکومتوں نے یا لوگوں نے مسافروں کی سہولت کے لئے بنائی ہیں، وہاں آنحضور ﷺ نے نماز نہیں پڑھی، وہ مساجد الطریق ہیں۔

نیز یہ بات بھی جاننی چاہئے کہ مکہ اور مدینہ کے راستہ میں جتنی مساجد ہیں سب کا احاطہ کرنا مقصود نہیں، اور نہ ان جگہوں کا احاطہ کرنا مقصود ہے، جن میں نبی ﷺ نے نمازیں پڑھی ہیں، بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جن مساجد کی نشاندہی کی ہے ان کا بیان مقصود ہے۔

اس باب میں ایک طویل حدیث ہے، حضرت الاستاذ علامہ مرادآبادی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت الاستاذ شیخ الہند قدس سرہ اس حدیث کو سمجھاتے نہیں تھے، صرف عبارت پڑھا دیتے تھے، اس لئے کہ جس راستہ پر نبی ﷺ نے سفر کیا ہے اب وہ راستہ باقی نہیں رہا، اور نہ وہ مسجدیں باقی ہیں، اب حکومت نے دوسرا راستہ بنایا ہے، اب ساری ٹریفک اسی پر چلتی ہے، پھر اس روایت کو موقع ہی پر سمجھا جا سکتا ہے، دارالحدیث میں بیٹھ کر وہ جگہیں مشخص نہیں کی جاسکتیں؟ اس لئے شیخ الہند قدس سرہ صرف حدیث پڑھا دیتے تھے اور کچھ کلام نہیں فرماتے تھے مگر حضرت الاستاذ قدس سرہ اس روایت کو خوب مزے لے کر پڑھاتے تھے اور بڑی تفصیل فرماتے تھے، وہ تفصیل ایضاح البخاری میں ہے جو حضرت الاستاذ قدس سرہ کی تقریر ہے، اور جسے حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری نے مرتب کیا ہے، میں کتاب سمجھانے کی حد تک کلام کرونگا، اس سے زیادہ تفصیل ایضاح البخاری میں دیکھیں۔

مساجد طریق کی شرعی حیثیت:

نبی ﷺ نے جہاں اتفاقاً کوئی نماز پڑھی یا پڑھائی ہے اس مقام کو کوئی فضیلت حاصل ہے یا نہیں؟ یہ حدیث گونہ فضیلت پر دلالت کرتی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسی جگہیں ڈھونڈھ کر وہاں نماز پڑھتے تھے، بلکہ انھوں نے تو وہ جگہیں بھی یاد رکھی تھیں جہاں سفر میں نبی ﷺ نے پیشاب فرمایا تھا، اور ان جگہوں میں پیشاب کرنے کی ہیئت بنا کر بیٹھتے تھے، مگر پیشاب نہیں کرتے تھے، مگر ان کے ابا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو فقاہت میں ان سے بہت بڑھے ہوئے تھے ان کا مزاج دوسرا تھا۔ عمدۃ القاری اور فتح الباری میں یہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سفر میں تھے، فجر کے بعد وہ ایک جگہ پہنچے، وہاں انھوں نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی، وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے یہاں نماز پڑھی ہے اس لئے لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو ناپسند کیا اور فرمایا: اہل کتاب اسی لئے ہلاک ہوئے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو غیر معمولی اہمیت دیدی اور وہاں معابد بنا لئے۔ اگر نماز کا وقت آجائے تو وہاں اتر کر نماز پڑھے ورنہ آگے بڑھ جائے (عمدۃ القاری ۴:۲۷۵)

اس اثر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذہن پڑھا جاسکتا ہے، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی یہی ذہن تھا، وہ بھی ایسے

اتفاقی آثار کے قائل نہیں تھے، سعودی گورنمنٹ بھی ایسے آثار کو پسند نہیں کرتی، وہ ابن تیمیہؒ کے نظریات کی حامل ہے۔
البتہ وہ جگہیں جہاں نبی ﷺ نے بالقصد نماز پڑھی ہے، جیسے قبا کی مسجد نبی ﷺ نے تعمیر فرمائی ہے اور آپؐ نے گاہ بہ گاہ وہاں جاکر نماز پڑھی ہے، یا مدینہ منورہ کی دوسری مساجد جہاں بالقصد آپؐ نے نماز پڑھی ہے ایسے آثار کے نہ ابن تیمیہؒ منکر ہیں، نہ سعودی حکومت، مسجد قباء میں ہر وقت لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے، حکومت نے بھی وہاں لوگوں کی ضروریات کا انتظام کیا ہے مگر یہ گفتگو حقیقی آثار کے بارے میں ہے، فرضی آثار کی کوئی حیثیت نہیں۔

[۸۹-] بابُ الْمَسَاجِدِ الَّتِیْ عَلٰی طُرُقِ الْمَدِیْنَةِ وَالْمَوَاضِعِ الَّتِیْ صَلّٰی فِیْهَا النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم

[۴۸۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِیْ بَكْرٍ الْمُقَدَّمِیُّ، قَالَ: ثَنَا فُضَیْلُ بْنُ سُلَیْمَانَ، قَالَ: نَا مُوْسَی بْنُ عُقْبَةَ، قَالَ: رَأَیْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، یَتَحَرَّی أَمَاكِنَ مِنَ الطَّرِیْقِ، فَیُصَلِّیْ فِیْهَا، وَیُحَدِّثُ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ یُصَلِّیْ فِیْهَا، وَأَنَّهُ رَأَی النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم یُصَلِّیْ فِیْ تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ.
قَالَ: وَحَدَّثَنِیْ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ كَانَ یُصَلِّیْ فِیْ تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ، وَسَأَلْتُ سَالِمًا فَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا وَافَقَ نَافِعًا فِی الْأَمْكِنَةِ كُلِّهَا، إِلَّا أَنَّهُمَا اخْتَلَفَا فِیْ مَسْجِدٍ بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ.
[انظر: ۱۵۳۵، ۲۳۳۶، ۷۳۴۵]

باب کا ترجمہ اور وضاحت: مدینہ کے راستوں پر یعنی مکہ مدینہ کے درمیانی راستہ پر کہاں کہاں مساجد ہیں؟ طالب علم پوچھتا ہے: یہ تو الٹی بات ہوگئی، مدینہ سے مکہ کے راستے پر کہنا چاہئے؟ **جواب:** مکہ کی اہمیت بڑھانے کے لئے حضرت رحمہ اللہ نے یہ حسن تعبیر اختیار کی ہے، اگر مدینہ سے مکہ کے راستہ پر فرماتے تو مدینہ کی اہمیت بڑھتی اس لئے حضرت نے تعبیر بدل دی، اس کی نظیر پہلے گذری ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے میرے رب کی تین باتوں میں موافقت کی۔ حالانکہ صحیح تعبیر یہ تھی کہ میرے رب نے میری تین باتوں میں موافقت کی۔ مگر یہ تعبیر اللہ کے شایانِ شان نہیں تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے تعبیر بدل دی، اسی طرح امام بخاریؒ نے بھی یہاں تعبیر بدل دی ہے۔
حدیث (۱): موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عمرؓ کے صاحبزادے سالم کو دیکھا وہ راستہ کی چند جگہوں کا قصد کرتے تھے، پس ان جگہوں میں نماز پڑھتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ ان کے ابا ان جگہوں میں نماز پڑھا کرتے تھے اور بیشک انھوں نے (ابن عمرؓ نے) نبی ﷺ کو ان جگہوں میں نماز پڑھتے دیکھا ہے —— موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں: اور مجھ سے نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ وہ (ابن عمرؓ) ان جگہوں میں نماز پڑھا کرتے تھے، اور میں نے

سالم سے پوچھا پس میں نہیں جانتا ان کو مگر انھوں نے نافع کی موافقت کی سبھی جگہوں میں، یعنی دونوں کا بیان تمام جگہوں میں متفق تھا، مگر شرف الروحاء کی مسجد میں دونوں میں اختلاف رہا۔

تشریح: موسیٰ بن عقبہ امام المغازی ہیں اور سالم و نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے راوی ہیں، سالم صاحبزادے ہیں اور نافع مولیٰ ہیں، دونوں کو ابن عمرؓ کی تمام روایتیں یاد تھیں، اس کے بعد لمبی حدیث ہے، وہ موسیٰ بن عقبہ نے نافع سے روایت کی ہے پھر سالم سے اس کی تصدیق چاہی ہے، سالم نے حرف بحرف اس کی تصدیق کی ہے، صرف شرف الروحاء میں جو مسجد ہے اس کے بارے میں دونوں میں اختلاف ہوا ہے، شرف کے معنی ہیں: بلندی اور روحاء ایک جگہ کا نام ہے، روحاء سے متصل جو اونچی جگہ ہے وہاں کی مسجد کی تعیین میں نافع اور سالم کے بیانات مختلف ہیں، یا یہ اختلاف ہوا کہ نافع نے اس کو ذکر کیا اور سالم نے اس کو ذکر نہیں کیا(۱)

ملحوظہ: اگلی حدیث نافع کی ہے جو ان سے موسیٰ بن عقبہ نے روایت کی ہے، اور وہ درحقیقت نو حدیثیں ہیں، ہمارے ہندوستانی نسخوں میں وہ ایک ہی حدیث ہوگئی ہے، مصری نسخہ میں ہر حدیث الگ ہے اور ہر حدیث پر نیا نمبر پڑا ہوا ہے، ہم نے مصری نسخہ کی پیروی کی ہے، اور پہلی حدیث میں دو مقامات کا ذکر ہے، پس کل دس مقامات کا تذکرہ ہے۔

[٤٨٤-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ، قَالَ: نَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، قَالَ: نَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَنْزِلُ بِذِىْ الْحُلَيْفَةِ حِيْنَ يَعْتَمِرُ، وَفِىْ حَجَّتِهِ حِيْنَ حَجَّ، تَحْتَ سَمُرَةٍ فِىْ مَوْضِعِ الْمَسْجِدِ الَّذِىْ بِذِىْ الْحُلَيْفَةِ، وَكَانَ إِذَا رَجَعَ مِنْ غَزْوَةٍ، وَكَانَ فِىْ تِلْكَ الطَّرِيْقِ، أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ هَبَطَ بَطْنَ وَادٍ، فَإِذَا ظَهَرَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ، أَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِىْ عَلٰى شَفِيْرِ الْوَادِىْ الشَّرْقِيَّةِ، فَعَرَّسَ ثَمَّ حَتّٰى يُصْبِحَ، لَيْسَ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الَّذِىْ بِحِجَارَةٍ، وَلَا عَلٰى الْأَكَمَةِ الَّتِىْ عَلَيْهَا الْمَسْجِدُ، كَانَ ثَمَّ خَلِيْجٌ يُصَلِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ عِنْدَهُ، فِىْ بَطْنِهِ كُثُبٌ، كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ثَمَّ يُصَلِّىْ، فَدَحَا فِيْهِ السَّيْلُ بِالْبَطْحَاءِ، حَتّٰى دَفَنَ ذٰلِكَ الْمَكَانَ الَّذِىْ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُصَلِّىْ فِيْهِ.

[انظر: ١٥٣٢، ١٥٣٣، ١٧٩٩]

(۱) روحاء کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، کوئی کہتا ہے: یہ مدینہ سے دو دن کی مسافت پر ایک آبادی کا نام ہے، کوئی ۳۶ میل اور کوئی ۴۱ میل بتاتا ہے، اور ایک روایت میں نبی ﷺ نے اس کو جنت کی وادی فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھ سے پہلے یہاں ستر پیغمبروں نے نماز پڑھی ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کے ستر ہزار افراد کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہاں سے گذرے ہیں، بہر حال یہ وادی پہلے ہی سے متبرک تھی، پھر نبی ﷺ کے نماز پڑھنے کی وجہ سے اس کے تقدس میں مزید اضافہ ہوگیا (ماخوذ از ایضاح البخاری ۳: ۳۰۰)

حدیث (۱): نافع کہتے ہیں: عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو بتایا کہ نبی ﷺ ذوالحلیفہ میں اترا کرتے تھے جب آپؐ عمرہ کا ارادہ فرماتے، یا جب آپؐ نے حج کا سفر فرمایا، ایک کیکر کے درخت کے نیچے، اس مسجد کی جگہ میں جواب ذوالحلیفہ میں ہے اور جب آپؐ کسی غزوہ سے واپس تشریف لاتے اور آپؐ اس راستہ میں ہوتے یعنی اس راستہ سے لوٹتے یا حج وعمرہ سے واپس تشریف لاتے تو وادی (عقیق) کے پیٹ میں اترتے، یعنی وادی عقیق کے درمیان سے گذرتے۔ پس جب آپؐ وادی کے بیچ سے اوپر چڑھتے تو بطحاء میں جو وادی عقیق کے مشرقی کنارہ پر واقع ہے اونٹ بٹھاتے، پس وہاں رات گذارتے، یہاں تک کہ صبح کرتے، یہ جگہ اس مسجد کے پاس نہیں ہے جو پتھروں کی بنی ہوئی ہے اور نہ اس ٹیلے پر ہے جس پر مسجد بنی ہوئی ہے، وہاں ایک گہری وادی تھی، ابن عمرؓ اس کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے، اس وادی کے بیچ میں ریت کے تودے تھے، نبی ﷺ وہاں نماز پڑھا کرتے تھے، پس اس میں پانی کی رَو سنگریزوں کو دھکیل لائی، یہاں تک کہ وہ جگہ چھپ گئی جہاں ابن عمرؓ نماز پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں دو جگہ نماز پڑھنے کا ذکر ہے ایک ذوالحلیفہ میں دوسرے بطحاء میں، نبی ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب آپؐ حج یا عمرہ کے لئے تشریف لے جاتے تو ذوالحلیفہ میں پہلا پڑاؤ کرتے تا کہ تمام ساتھی تیار ہو کر وہاں اکٹھا ہو جائیں، پھر اگلی منزل کے لئے سفر شروع ہوتا۔ حجۃ الوداع میں ذوالحلیفہ میں ایک کیکر کے درخت کے قریب آپؐ کا خیمہ نصب کیا گیا تھا، آپؐ نے اسی کیکر کے درخت کے نیچے احرام کا دوگانہ پڑھا تھا، پھر تلبیہ پڑھ کر احرام شروع کیا تھا، اب ٹھیک اسی جگہ مسجد بنی ہوئی ہے، جس میں نہانے دھونے کا معقول انتظام ہے، لوگ وہیں سے احرام باندھتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی وہ مسجد بنی ہوئی تھی۔

اور جب آپؐ حج یا عمرہ یا کسی غزوہ سے لوٹتے تو آپؐ کی نماز پڑھنے کی جگہ دوسری تھی، وادی عقیق کے مشرقی کنارہ پر بطحاء میں آپؐ قیام فرماتے، بطحاء اس میدان کو کہتے ہیں جہاں پانی کی رو سے سنگریزے جمع ہو گئے ہوں، وہیں آپؐ صبح تک قیام فرماتے، آپؐ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپؐ رات میں مدینہ میں داخل نہیں ہوتے تھے، اس لئے کہ آپؐ کے ساتھ بڑا مجمع ہوتا تھا، اگر آپ رات میں مدینہ میں داخل ہونگے تو لوگ بے چین ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں: آپ عورتوں کو موقع دینا چاہتے تھے کہ وہ خود کو شوہروں کے لئے تیار کرلیں، جس جگہ آپؐ رات گذارتے تھے اس کو معرَّس (رات گذارنے کی جگہ) بھی کہتے ہیں، نافع کہتے ہیں: یہاں دو مسجدیں بنی ہوئی ہیں: ایک مسجد پتھروں کی بنی ہوئی ہے اور دوسری مسجد ایک ٹیلہ پر ہے، یہ دونوں مسجدیں نبی ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ نہیں ہیں، آپؐ نے جہاں نماز پڑھی تھی اس کے قریب ایک گہری کھائی تھی جس میں ریت کے تودے تھے، اس وادی میں آپؐ نے نماز پڑھی تھی۔ حضرت ابن عمرؓ بھی وہیں نماز پڑھتے تھے، مگر اب وہ جگہ بے نشان ہو گئی ہے، پانی کے بہاؤ سے سنگریزوں نے اس جگہ کو پاٹ دیا ہے۔

[۴۸۵-] وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَّى حَيْثُ الْمَسْجِدُ الصَّغِيْرُ الَّذِيْ دُوْنَ الْمَسْجِدِ الَّذِيْ بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ، وَقَدْ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُعْلِمُ الْمَكَانَ الَّذِيْ كَانَ صَلَّى فِيْهِ النَّبِيُّ صلی اللہ

عليه وسلم، يَقُوْلُ: ثَمَّ عَنْ يَمِيْنِكَ حِيْنَ تَقُوْمُ فِيْ الْمَسْجِدِ تُصَلِّيْ، وَذٰلِكَ الْمَسْجِدُ عَلٰى حَافَةِ الطَّرِيْقِ الْيُمْنٰى، وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلٰى مَكَّةَ، بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَسْجِدِ الأَكْبَرِ رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ أَوْ نَحْوُ ذٰلِكَ.

حدیث (۲): اورابن عمرؓ نے نافع سے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے اُس جگہ نماز پڑھی ہے جہاں اب وہ چھوٹی مسجد ہے جوشرف الروحاء کی مسجد کے قریب ہے، اورابن عمرؓ (مختلف طرح سے) اس جگہ کی نشاندہی کیا کرتے تھے، جہاں نبی ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔ کہتے تھے: وہ جگہ آپ کی دائیں طرف پڑے گی جب آپ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوں گے، اوروہ (چھوٹی) مسجد مکہ کی طرف جاتے ہوئے راستہ کے داہنے کنارہ پر واقع ہے، اس چھوٹی اور بڑی مسجد کے درمیان کم وبیش ایک پتھر پھینکنے کے بقدر فاصلہ ہے۔

تشریح: شرف کے معنی ہیں: اونچائی، بلندی۔ اور روحاء جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے دودن کے فاصلہ پر یا ۳۶ میل پر واقع ہے، مکہ جاتے ہوئے پہلے آبادی کا ایک بالائی حصہ آتا ہے، اس کوشرف الروحاء کہتے ہیں، اور آبادی سے باہر نکلتے ہوئے جو حصہ آتا ہے اس کو منصرف الروحاء کہتے ہیں، شرف الروحاء میں دو مسجدیں ہیں: ایک بڑی مسجد ہے جس کا کوئی پس منظر نہیں، اور دوسری چھوٹی مسجد ہے: وہ نبی ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ ہونے کی بنیاد پر بنائی گئی ہے، وہ مسجد مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ کے دائیں کنارے پر واقع ہے، اوراس کا بڑی مسجد سے اتنا فاصلہ ہے کہ ایک مسجد سے پتھر پھینکا جائے تو دوسری مسجد میں جاگرے، قبلہ روکھڑے ہونے والے کی دائیں جانب وہ جگہ پڑتی ہے۔

[۴۸۶-] وَأَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّيْ إِلٰى الْعِرْقِ الَّذِيْ عِنْدَ مُنْصَرِفِ الرَّوْحَاءِ، وَذٰلِكَ الْعِرْقُ انْتِهَاءُ طَرَفِهِ عَلٰى حَافَةِ الطَّرِيْقِ، دُوْنَ الْمَسْجِدِ الَّذِيْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُنْصَرَفِ، وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلٰى مَكَّةَ، وَقَدِ ابْتُنِيَ ثَمَّ مَسْجِدٌ، فَلَمْ يَكُنْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ فِيْ ذٰلِكَ الْمَسْجِدَ، كَانَ يَتْرُكُهُ عَنْ يَسَارِهِ وَوَرَاءَهُ، وَيُصَلِّيْ أَمَامَهُ إِلٰى الْعِرْقِ نَفْسِهِ، وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَرُوْحُ مِنَ الرَّوْحَاءِ، فَلاَ يُصَلِّيْ الظُّهْرَ حَتّٰى يَأْتِيَ ذٰلِكَ الْمَكَانَ، فَيُصَلِّيْ فِيْهِ الظُّهْرَ، وَإِذَا أَقْبَلَ مِنْ مَكَّةَ: فَإِنْ مَرَّ بِهِ قَبْلَ الصُّبْحِ بِسَاعَةٍ، أَوْ مِنْ آخِرِ السَّحَرِ، عَرَّسَ حَتّٰى يُصَلِّيَ بِهَا الصُّبْحَ.

حدیث (۳): اور بیشک ابن عمرؓ نماز پڑھا کرتے تھے اس پہاڑی کے پاس جو منصرف الروحاء کے نکال پر واقع ہے اور اس پہاڑی کا کنارہ راستہ کے کنارہ سے ملا ہوا ہے جو اس مسجد کے قریب ہے جو مکہ جاتے ہوئے پہاڑی اور منصرف الروحاء کے نکال کے درمیان ہے، اوراب اس جگہ ایک مسجد بنادی گئی ہے مگر ابن عمرؓ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے، اس کو اپنے بائیں اور پیچھے چھوڑ دیا کرتے تھے، اور مسجد کے سامنے پہاڑی کی طرف اپنا رخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ اورابن عمرؓ زوال کے بعد روحاء سے روانہ ہوتے تھے، پس ظہر نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ اس جگہ میں پہنچ جاتے تھے، پس وہاں ظہر پڑھتے تھے اور جب آپؓ مکہ سے واپس آتے تو اگر صبح سے ایک ساعت پہلے یا آخر شب میں وہاں سے گذرتے تو رات وہاں

گذارتے یہاں تک کہ فجر کی نماز اس جگہ پڑھتے۔

تشریح: روحاء ایک وسیع وعریض علاقہ ہے اس کا ابتدائی حصہ شرف الروحاء کہلاتا ہے، اور اس کا نکال منصرف الروحاء کہلاتا ہے، روحاء کے نکال پر ایک پہاڑی ہے جس کا ایک کنارہ راستہ کے کنارہ سے ملا ہوا ہے اس کے قریب ایک مسجد ہے جو مسافروں کی سہولت کے لئے بنائی گئی ہے، وہ نبی ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ نہیں، ابن عمرؓ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ اس مسجد کو اپنے بائیں اور پیچھے چھوڑ کر پہاڑی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے، اور مکہ جاتے ہوئے وہاں ظہر پڑھتے تھے اور واپسی میں وہاں رات گذارتے تھے اور فجر پڑھتے تھے۔

[۴۸۷-] وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ حَدَّثَهُ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَنْزِلُ تَحْتَ سَرْحَةٍ ضَخْمَةٍ دُوْنَ الرُّوَيْثَةِ، عَنْ يَمِيْنِ الطَّرِيْقِ وَوِجَاهَ الطَّرِيْقِ، فِيْ مِكَانٍ بَطْحٍ سَهْلٍ، حَتّٰى يُفْضِيَ مِنْ أَكَمَةٍ دُوَيْنَ بَرِيْدِ الرُّوَيْثَةِ بِمِيْلَيْنِ، وَقَدِ انْكَسَرَ أَعْلَاهَا فَانْثَنَى فِيْ جَوْفِهَا وَهِيَ قَائِمَةٌ عَلٰى سَاقٍ وَفِيْ سَاقِهَا كُثُبٌ كَثِيْرَةٌ.

حدیث (۴): اور ابن عمرؓ نے نافع سے بیان کیا کہ نبی ﷺ ایک بہت بڑے درخت کے نیچے ٹھہرا کرتے تھے (سَرْحَة کے معنی ہیں: بڑا درخت اور ضَخْمَة اس کی تاکید کے لئے ہے) رُوَیْثَة کے ورے، راستہ کی دائیں جانب اور راستہ کے سامنے ایک کشادہ نرم ہموار جگہ میں، یہاں تک کہ آپؐ رویثہ کی ڈاک چوکی سے لگے ہوئے ٹیلے سے دو میل آگے نکل جاتے تھے، اور اس درخت کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا ہے اور وہ اس کے جوف (کھوکھلے تنے) میں گھس گیا ہے اور وہ اپنے تنے پر کھڑا ہے اور اس کے تنے کے پاس ریت کے بہت سارے تودے ہیں۔

تشریح: رُویثہ مدینہ منورہ سے ۱۷ فرسخ کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے اور روحاء سے ۱۴ میل ہے اس منزل میں نبی ﷺ ایک بڑے درخت کے نیچے پڑاؤ کرتے تھے، اور وہیں نماز پڑھتے تھے وہ درخت مکہ والے راستہ کی دائیں طرف اور سامنے پڑتا ہے، یعنی اس راستہ میں گھوم ہے کہ درخت دائیں جانب ہونے کے باوجود سامنے معلوم ہوتا ہے اور وہ درخت کشادہ اور نرم وہموار زمین میں واقع ہے، اور رُویثہ کی ڈاک چوکی سے قریب جو پہاڑی ہے اس سے دو میل کی مسافت پر ہے، اور اس درخت کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کا اوپری تنا ٹوٹ کر اس کے کھوکھلے تنے میں گھس گیا ہے اور اس کے برابر میں بہت سارے ریت کے تودے ہیں۔

[۴۸۸-] وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى فِيْ طَرَفِ تَلْعَةٍ مِنْ وَرَاءِ الْعَرْجِ، وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلٰى هَضْبَةٍ، عِنْدَ ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ قَبْرَانِ أَوْ ثَلَاثَةٌ، عَلَى الْقُبُوْرِ رَضْمٌ مِنْ حِجَارَةٍ، عَنْ يَمِيْنِ الطَّرِيْقِ، عِنْدَ سَلِمَاتِ الطَّرِيْقِ، بَيْنَ أُوْلٰئِكَ السَّلِمَاتِ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَرُوْحُ مِنَ الْعَرْجِ بَعْدَ أَنْ تَمِيْلَ الشَّمْسُ بِالْهَاجِرَةِ، فَيُصَلِّي الظُّهْرَ فِيْ ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ.

حدیث(۵):اور ابن عمرؓ نے نافع کو بتایا کہ نبی ﷺ نے مقام عرج کے ایک ٹیلے کے کنارہ پر نماز پڑھی ہے جبکہ آپ ہضبہ کی طرف جارہے ہوں، اس مسجد کے پاس دو یا تین قبریں ہیں ان قبروں پر پتھر کی سِلیں رکھی ہوئی ہیں جو راستہ کے پتھروں کے درمیان راستہ کی دائیں طرف واقع ہیں، ابن عمر عرج سے دوپہر کا سورج ڈھلنے کے بعد ان پتھروں کے درمیان چلتے تھے اور اس مسجد میں ظہر پڑھتے تھے۔

تشریح: یہ مقام عرج میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے، عرج ایک جگہ کا نام ہے جو رُوَیثہ سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں ہضبہ کی طرف جاتے ہوئے ایک ٹیلہ پڑتا ہے اس کے کنارہ پر نبی ﷺ نے نماز پڑھی ہے، اس مسجد کے قریب جہاں آپؐ نے نماز پڑھی ہے دو یا تین قبریں ہیں، یہ قبریں راستہ کے پتھروں کے پاس ہیں۔ ابن عمرؓ انہی پتھروں کے درمیان دوپہر میں سورج ڈھلنے کے بعد عرج سے چلتے تھے اور اس مسجد میں ظہر ادا کرتے تھے۔

[۴۸۹-] وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَزَلَ عِنْدَ سَرَحَاتٍ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيْقِ، فِيْ مَسِيْلٍ دُوْنَ هَرْشَى، ذٰلِكَ الْمَسِيْلُ لَاصِقٌ بِكُرَاعِ هَرْشَى، بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطَّرِيْقِ قَرِيْبٌ مِنْ غَلْوَةٍ، وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُصَلِّى إِلٰى سَرْحَةٍ، هِيَ أَقْرَبُ السَّرَحَاتِ إِلَى الطَّرِيْقِ، وَهِيَ أَطْوَلُهُنَّ.

حدیث(۶):اور ابن عمرؓ نے نافع کو بتایا کہ نبی ﷺ نے ان بڑے درختوں کے پاس پڑاؤ ڈالا جو راستہ کی بائیں طرف نشیبی جگہ میں واقع ہیں (مَسیل کے معنی ہیں: پانی کا نالا، مراد ہے نشیبی جگہ) جو ہرشی پہاڑی کے قرب ہے، یہ نشیبی جگہ ہرشی کے کنارہ سے ملی ہوئی ہے، اس کے اور راستہ کے درمیان ایک تیر پھینکنے کے بقدر فاصلہ ہے (یعنی چارسو ہاتھ کے بقدر فاصلہ ہے) اور ابن عمرؓ اس درخت کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے جو راستہ سے سب سے زیادہ قریب ہے اور سب سے اونچا درخت ہے۔

تشریح: ھرشیٰ بروزن فَعْلیٰ ایک پہاڑی کا نام ہے جو مکہ کے راستہ میں ایسی جگہ واقع ہے جہاں شام اور مدینہ کے راستے ملتے ہیں، اس پہاڑی کے قریب جو نشیبی جگہ اور پانی کی گذرگاہ ہے وہاں راستہ کی بائیں جانب بڑے سایہ دار درخت تھے، نبی ﷺ نے ان درختوں کے قریب پڑاؤ کیا تھا، آپؐ کے اترنے کی جگہ ہرشی پہاڑی کے کناروں سے ملی ہوئی تھی اور اس مسیل اور راستہ کے درمیان کا فاصلہ ایک تیر پھینکنے کے بقدر یعنی تقریباً چارسو ہاتھ تھا ان درختوں میں راستہ سے جو سب سے زیادہ قریب اور سب سے بلند درخت تھا اس کے قریب ابن عمرؓ نماز پڑھا کرتے تھے۔

[۴۹۰-] وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَنْزِلُ فِي الْمَسِيْلِ الَّذِيْ فِيْ أَدْنٰى مَرِّ الظَّهْرَانِ قِبَلَ الْمَدِيْنَةِ، حِيْنَ نَهْبِطُ مِنَ الصَّفْرَاوَاتِ، يَنْزِلُ فِيْ بَطْنِ ذٰلِكَ الْمَسِيْلِ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيْقِ، وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلٰى مَكَّةَ، لَيْسَ بَيْنَ مَنْزِلِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَبَيْنَ الطَّرِيْقِ إِلَّا رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ.

حدیث(۷):اور ابن عمرؓ نے نافع کو بتایا کہ نبی ﷺ اترا کرتے تھے پانی کی اس گذرگاہ (نشیبی جگہ) میں جو مدینہ کی

طرف مرالظہران کے پاس ہے، جب آپؐ صفراوات کی وادیوں سے اتریں گے تو اس نشیبی جگہ کے بیچ میں اتریں گے، اور یہ جگہ مکہ جاتے ہوئے راستہ کی بائیں طرف ہے نبی ﷺ کے اترنے کی جگہ اور راستہ کے درمیان ایک پتھر پھینکنے کے بقدر فاصلہ ہے۔

تشریح: یہ مرالظہران میں نماز پڑھنے کا تذکرہ ہے، اس کا دوسرا نام بطن مرو ہے، یہ ایک وادی ہے جہاں سے مکہ کا فاصلہ چودہ میل رہ جاتا ہے، مرالظہران کے قریب مدینہ کی جانب جو پانی کی گذرگاہ یعنی نشیبی جگہ ہے وہاں نبی ﷺ نے پڑاؤ ڈالا تھا، آدمی مکہ جاتے ہوئے صفراوات کی وادیوں سے گذر کر اسی نالے میں اترتا ہے، آپؐ کے پڑاؤ ڈالنے کی جگہ اور راستہ کے درمیان صرف پتھر پھینکنے کے بقدر فاصلہ ہے، یعنی اگر راستہ سے پتھر پھینکا جائے تو وہ آپؐ کے اترنے کی جگہ میں گرے گا۔

[۴۹۱-] وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَنْزِلُ بِذِي طُوًى، وَيَبِيْتُ حَتّٰى يُصْبِحَ، يُصَلِّي الصُّبْحَ حِيْنَ يَقْدَمُ مَكَّةَ، وَمُصَلّٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذٰلِكَ عَلٰى أَكَمَةٍ غَلِيْظَةٍ، لَيْسَ فِيْ الْمَسْجِدِ الَّذِيْ بُنِيَ ثَمَّ، ولٰكِنْ أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ عَلٰى أَكَمَةٍ غَلِيْظَةٍ.[انظر: ۱۷۶۷، ۱۷۶۹]

حدیث (۸): اور ابن عمرؓ نے نافع کو بتایا کہ نبی ﷺ ذوطوی نامی جگہ میں اترا کرتے تھے اور صبح تک وہیں ٹھہرتے تھے، مکہ جاتے وقت آپؐ فجر کی نماز وہیں پڑھا کرتے تھے، اور یہاں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ ایک بڑے ٹیلے پر ہے، یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں اب مسجد بنادی گئی ہے، بلکہ اس سے نیچے اتر کر ایک بڑے ٹیلے پر ہے۔

تشریح: ذوطوی مکہ مکرمہ سے تین میل سے کچھ کم فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے، یہ آپؐ کے سفر کی آخری منزل ہے، یہاں آپؐ رات گذارتے تھے اور فجر پڑھ کر مکہ میں داخل ہوتے تھے، یہاں ایک ٹیلہ پر مسجد بنی ہوئی ہے مگر وہ آپؐ کی نماز پڑھنے کی جگہ نہیں، بلکہ اس سے نیچے کی طرف ایک بڑے ٹیلے پر آپؐ نے نماز پڑھی ہے۔

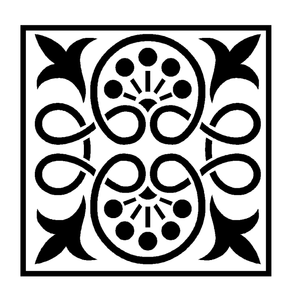
[۴۹۲-] وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اسْتَقْبَلَ فُرْضَتَيِ الْجَبَلِ، الَّذِيْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَبَلِ الطَّوِيْلِ نَحْوَ الْكَعْبَةِ، فَجَعَلَ الْمَسْجِدَ الَّذِيْ بُنِيَ ثَمَّ يَسَارَ الْمَسْجِدِ بِطَرَفِ الْأَكَمَةِ، وَمُصَلَّى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَسْفَلَ مِنْهُ عَلَى الْأَكَمَةِ السَّوْدَاءِ، تَدَعُ مِنَ الْأَكَمَةِ عَشَرَةَ أَذْرُعٍ أَوْ نَحْوَهَا، ثُمَّ تُصَلِّيْ مُسْتَقْبَلَ الْفُرْضَتَيْنِ مِنَ الْجَبَلِ الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْكَعْبَةِ.

حدیث (۹): اور ابن عمرؓ نے نافع کو بتایا کہ نبی ﷺ نے اس پہاڑ کے دونوں جھکے ہوئے کناروں کو سامنے کی طرف لیا جو آپؐ کے اور اس اونچے پہاڑ کے درمیان ہے جو کعبہ کی جانب واقع ہے، پھر ابن عمرؓ نے اس مسجد کو جو وہاں بنائی گئی ہے اس مسجد کی بائیں طرف لیا جو ٹیلے کے کنارے پر ہے، اور نبی ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ کالے ٹیلے پر اس سے نیچے ہے، تم

اس ٹیلے سے تقریباً دس ہاتھ چھوڑ دو، پھر اس پہاڑ کے جو آپ کے اور کعبہ کے درمیان ہے دونوں جھکے ہوئے کناروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔

تشریح: یہ اوپر والی حدیث ہی کا تتمہ ہے، ذوطوی نامی جگہ میں ٹیلے پر جو مسجد بنی ہوئی ہے اس سے نیچے ایک بڑے ٹیلے پر نبی ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ ابن عمرؓ نے اس کی علامت یہ بتائی ہے کہ اس جگہ جانب کعبہ ایک اونچا پہاڑ ہے جس کے دو درے ہیں جو پہاڑ میں جانے کے راستے ہیں، وہاں بھی ایک مسجد ہے، ابن عمرؓ نے اس مسجد کو ٹیلے پر جو مسجد ہے اس کی بائیں طرف لیا اور بتایا کہ نبی ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ اس سے نیچے کالے رنگ کے ٹیلے پر ہے، اس ٹیلے پر دس ہاتھ کے قریب جگہ چھوڑ کر اس اونچے پہاڑ کے دونوں دروں کو سامنے رکھ کر نماز پڑھی جائے تو نبی ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ میں نماز پڑھو گے۔

فائدہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جن مسجدوں کا تذکرہ کیا ہے وہ سب مسجدیں نبی ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ میں نہیں بنائی گئی تھیں، بلکہ بعض مسافروں کی سہولت کو پیش نظر رکھ کر بنائی گئی تھیں وہ مساجد الطریق ہیں، مگر جب تک موقع پر جا کر ان کو دیکھا نہ جائے دارالحدیث میں بیٹھ کر الفاظ کی مدد سے ان کو سمجھا نہیں جا سکتا، اور اب اس کی بھی کوئی صورت نہیں رہی اس لئے کہ ان میں سے اکثر مساجد اور جو علامتیں ابن عمرؓ نے بتائی ہیں: باقی نہیں رہیں، اسی لئے شارحین نے بھی الفاظ کی تشریح کی حد تک محنت کی ہے، اور شیخ الہند قدس سرہ جب یہاں پہنچتے تھے تو حدیث شریف پڑھا دیتے تھے اور مطلق کلام نہیں فرماتے تھے، اس لئے کہ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں (ان حدیثوں کی شرح میں ایضاح البخاری سے استفادہ کیا گیا ہے)



أَبْوَابُ سُتْرَةِ الْمُصَلِّي

یہاں سے سترہ کے سلسلہ کے ابواب شروع ہورہے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں کوئی عنوان نہیں رکھا، اور نہ بسم اللہ لکھی ہے، اس لئے کہ یہ مستقل ابواب نہیں ہیں، بلکہ أبواب المساجد میں داخل ہیں، اور دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ مسجد ہی میں نماز نہیں پڑھتا، خارج مسجد بھی نماز پڑھتا ہے، مسجد میں تو سترہ کی ضرورت نہیں، قبلہ کی جانب جو دیوار ہے وہ کافی ہے، مگر خارج مسجد سترہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس مناسبت سے ابواب المساجد کے ذیل میں سترہ کے ابواب لائے ہیں، اور آخر میں چند ابواب ایسے آئیں گے جن کا تعلق مسجد سے ہوگا، سترہ سے نہیں ہوگا، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے أبواب المساجد: کتاب مواقیت الصلاۃ تک چلے گئے ہیں۔

باب سُتْرَةِ الإِمَامِ سُتْرَةُ مَنْ خَلْفَهُ

امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے بھی سترہ ہے

جمہور بشمول امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ امام کا سترہ مقتدیوں کا بھی سترہ ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں: امام کا سترہ صرف امام کا سترہ ہے، اور خود امام قوم کا سترہ ہے مگر یہ رائے صحیح نہیں۔

[۹۰-] باب سُتْرَةِ الإِمَامِ سُتْرَةُ مَنْ خَلْفَهُ

[۴۹۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكٌ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى حِمَارٍ أَتَانٍ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الإِحْتِلَامَ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ بِمِنًى، إِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ، فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ، فَنَزَلْتُ وَأَرْسَلْتُ الأَتَانَ تَرْتَعُ، وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ، فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ. [راجع: ۷۶]

۱- یہ حدیث کتاب العلم (باب ۱۸) میں گذر چکی ہے، وہاں بتایا تھا کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت پر نقد کیا ہے، روایت میں ہے کہ کتے، گدھے اور عورت کے نمازی کے سامنے سے گذرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، اس

حدیث پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی نقد کیا ہے کہ تم نے ہم عورتوں کو کتوں اور گدھوں کے برابر کر دیا؟ میں نبی ﷺ کے سامنے لیٹی رہتی تھی اور آپؐ نماز پڑھتے تھے، یہ روایت چند ابواب کے بعد آرہی ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی اس روایت پر نقد کیا ہے کہ گدھے کے نمازی کے سامنے سے گذرنے سے نماز کیسے فاسد ہوگی؟ میرا خود اپنا واقعہ ہے کہ حجۃ الوداع میں ایک گدھی پر سوار ہو کر منی میں آیا اس وقت میں قریب البلوغ تھا، اور نبی ﷺ دیوار کے علاوہ کی طرف نماز پڑھا رہے تھے، یعنی آپؐ کے سامنے دیوار نہیں تھی، اس کے علاوہ سترہ تھا، پس میں صف کے کچھ حصہ کے سامنے سے گذرا، پھر میں نے گدھی کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور صف میں مل گیا، اور مجھ پر کسی نے اعتراض نہیں کیا، اگر گدھے کے سامنے سے گذرنے سے نماز فاسد ہو جاتی تو لوگ مجھ پر نکیر کرتے۔

۲- يُصلِّي بمنى إلى غير جدار: کا مفہوم بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ کے سامنے سترہ نہیں تھا، کیونکہ اس وقت منی میں مسجد نہیں تھی، اور آپؐ بغیر سترہ کے نماز پڑھا رہے تھے، اور جب امام کے سامنے سترہ نہیں تھا تو مقتدیوں کے سامنے بھی سترہ نہیں تھا اور گدھی سامنے چر رہی تھی اور نمازیوں کے سامنے سے گذر رہی تھی، پس معلوم ہوا کہ گدھے کے نمازی کے سامنے سے گذرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

مگر یہ بات اور یہ استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ غیر عربی میں ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے، یعنی نبی ﷺ کے سامنے دیوار نہیں تھی، بلکہ دیوار کے علاوہ سترہ تھا، اور جب نبی ﷺ کے سامنے سترہ تھا تو وہی سترہ مقتدیوں کا بھی سترہ ہوا، اور سترہ کے پرے سے کتا، گدھا وغیرہ گذریں تو نماز پر کچھ اثر نہیں پڑتا، پس حضرت ابن عباسؓ کا نقد برمحل نہیں۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ بھی حدیث کا یہی مطلب سمجھ رہے ہیں کہ آپؐ کے سامنے سترہ تھا، البتہ دیوار نہیں تھی، کوئی اور سترہ تھا، چنانچہ اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے بھی سترہ ہے، اور اسی وجہ سے ابن عباسؓ پر کسی نے نکیر نہیں کی تھی، کیونکہ گدھی سترے کے پرے سے گذر رہی تھی۔

۳- حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب نمازی کے سامنے کجاوہ کی پچھلی لکڑی کے مانند ـــــ یا فرمایا کجاوہ کی درمیانی لکڑی کے مانند ـــــ کوئی چیز نہ ہو یعنی نمازی کے سامنے سترہ نہ ہو تو اس کی نماز کو کالا کتا، عورت اور گدھا کاٹتا ہے'' حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن الصامت نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا: کالے کتے کی کیا تخصیص ہے؟ آپؓ نے جواب دیا: یہی بات میں نے نبی ﷺ سے پوچھی تھی، آپؐ نے فرمایا: ''کالا کتا شیطان ہے'' یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے اور ترمذی (حدیث ۳۴۷) میں ہے، اس حدیث کی بنا پر امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نمازی کے سامنے سے اگر کالا کتا گذر جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور گدھے اور عورت کے بارے میں انھوں نے کوئی دوٹوک بات نہیں فرمائی، اس لئے کہ ان دونوں کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایتیں معارض ہیں جو اوپر گذریں۔ اور کتے کے بارے میں کوئی معارض روایت نہیں اس لئے امام احمدؒ نے کتے کے گذرنے سے نماز کے فساد کا حکم

لگایا اور عورت اور گدھے کے گذرنے میں کوئی واضح فیصلہ نہیں کیا۔

اور جمہور کہتے ہیں: حضرت ابوذرؓ کی مذکورہ حدیث کے ساتھ معارض نہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے اور نہ حضرت ابن عباسؓ کی، اس لئے کہ نبی ﷺ کے سامنے سترہ تھا اور گدھی سترہ کے پرے سے گذر رہی تھی اور امام کا سترہ لوگوں کے لئے سترہ ہوتا ہے، پس گدھی کے نمازیوں کے سامنے سے گذرنے سے کوئی فرق نہیں پڑا، اور حضرت عائشہؓ کی حدیث اس لئے معارض نہیں کہ وہاں نمازی کے سامنے عورت پہلے سے لیٹی ہوئی تھی، اور مذکورہ حدیث میں عورت کے نمازی کے سامنے سے گذرنے کا مسئلہ ہے اور دونوں باتوں میں فرق ہے۔

علاوہ ازیں: اس حدیث میں قطع صلوٰۃ سے فسادِ صلوٰۃ مراد نہیں بلکہ قطع وُصلہ (تعلق) مراد ہے اور عورت سے مرغوبات، گدھے سے مُسْتَقْذَرات (گھناؤنی چیزیں) اور کالے کتے سے مُخَوِّفات (ڈراؤنی چیزیں) مراد ہیں۔

اس کی تفصیل: یہ ہے کہ جب نمازی کی نظر کسی مرغوب چیز پر پڑتی ہے تو اس کی توجہ بٹتی ہے، پیچھے آپ نے حدیث پڑھی ہے: ایک مرتبہ نبی ﷺ نے بیل بوٹوں والی چادر اوڑھ کر نماز پڑھی، دورانِ نماز آپؐ کی ان پر نظر پڑی، نماز کے بعد آپؐ نے وہ چادر ایک صاحب کو دی اور فرمایا: اس کو ابوجہمؓ کے پاس لے جاؤ اور ان کے پاس انجانیہ سادہ چادر ہے وہ لے آؤ (بخاری حدیث ۳۷۲) آنحضور ﷺ نے وہ چادر اس لئے لوٹا دی تھی کہ اس نے آپؐ کی توجہ نماز سے ہٹائی تھی۔ معلوم ہوا کہ مرغوبات قطع وُصلہ کا سبب بنتے ہیں، اور عورت مرغوبات کا اعلی فرد ہے اس لئے اس کا ذکر کیا گیا ہے، پس یہ عورتوں کا اعزاز ہے، توہین نہیں ہے۔

اسی طرح مُستقذَرات یعنی گھناؤنی چیزیں بھی قطع وصلہ کا سبب بنتی ہیں، اور اس کا ایک فرد گدھا ہے اور ایک حدیث میں خنزیر کا ذکر ہے، وہ بھی گھناؤنی چیز ہے (ابوداؤد ا:۱۰۲) نیز مخوِّفات یعنی ڈراؤنی چیزیں بھی توجہ ہٹاتی ہیں، کالا کتا اس کی مثال ہے۔ اور ایک حدیث میں یہودی اور مجوسی کا ذکر آیا ہے (ابوداؤد ا:۱۰۲)

ابتدائے اسلام میں یہودیوں کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا، نبی ﷺ رات میں پیشاب کرنے کے لئے بھی گھر سے نہیں نکلتے تھے، گھر میں لکڑی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا جس میں آپؐ پیشاب فرماتے تھے، صبح پیشاب پھینک دیا جاتا تھا۔

غرض ڈراؤنی چیزیں: سانپ، بچھو، کالا کتا، گھناؤنی چیزیں: گدھا، خنزیر اور مرغوبات جب نمازی کے سامنے آتی ہیں تو یقیناً توجہ بٹتی ہے، حدیث میں قطع صلوٰۃ سے یہی قطع وصلہ مراد ہے۔ اس توجیہ سے احادیث میں تعارض ختم ہو جاتا ہے اور حضرت عائشہؓ کے نقد کا جواب بھی نکل آتا ہے کہ عورت کو گدھے اور کتے کے برابر نہیں کیا بلکہ عورت کو اس کی نوع (مرغوبات) کا اعلی فرد قرار دیا ہے۔

۴- امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے اور اس پر تین ائمہ متفق ہیں، صرف امام مالک رحمہ اللہ کا ذرا سا اختلاف ہے، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت کی نماز متحد ہے، احناف اسی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ نماز کے ساتھ حقیقتاً اور

بالذات امام متصف ہے اور مقتدی امام کے واسطہ سے مجازاً اور بالعرض متصف ہیں، اسی لئے مقتدی پر قراءت بشمول فاتحہ فرض نہیں، اس لئے کہ امام کی قراءت مقتدی کے حق میں محسوب ہے، حدیث ہے: مَن کان لَهُ إِمامٌ فقِراءَۃُ الإمَامِ لَهُ قِرَاءَۃٌ: جس کا امام ہو تو اس کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے، اسی طرح امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے سترہ ہے اور جو لوگ امام کو لوگوں کا سترہ قرار دیتے ہیں ان کی بات حدیث مرفوع کے خلاف ہے، حدیث میں ہے: من کان له إمامٌ فسترہ الإمام له سترۃ: جس کا امام ہو تو امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے سترہ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمہ اسی حدیث کی ترجمانی کرتا ہے۔

[٤٩٤-] حدثنا إِسْحَاقُ، قَالَ: نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ أَمَرَ بِالْحَرْبَةِ فَتُوْضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا وَالنَّاسُ وَرَاءَهُ، وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ السَّفَرِ، فَمِنْ ثَمَّ اتَّخَذَهَا الْأُمَرَاءُ. [انظر: ٤٩٨، ٩٧٢، ٩٧٣]

حدیث: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب عید کے لئے نکلتے تھے تو چھوٹے نیزہ کے بارے میں حکم دیتے، پس وہ آپؐ کے سامنے گاڑا جاتا، پس آپؐ اس کی طرف نماز پڑھاتے اور لوگ آپؐ کے پیچھے ہوتے، اور سفر میں بھی ایسا ہی کیا جاتا، اسی وجہ سے امراء نے اس کو اپنایا ہے۔

تشریح: پہلے یہ بات گذری ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری لڑکے کی دو ذمہ داریاں تھیں: ایک: جب آپؐ استنجے کے لئے جائیں تو پانی ساتھ لے کر جائیں۔ دوم: جب کسی کھلی جگہ میں نماز پڑھنی ہو تو عصا یا نیزہ ساتھ لے کر جائیں اور نماز کی جگہ میں اس کو گاڑیں، چنانچہ سفر میں بھی اور عیدگاہ میں بھی عصا یا چھوٹا نیزہ ساتھ لے جایا جاتا تھا اور آپؐ اس کی طرف نماز پڑھتے تھے، اس لئے کہ اس زمانہ میں باقاعدہ عیدگاہ بنی ہوئی نہیں تھی، کھلے میدان میں عید پڑھی جاتی تھی، مگر اب امراء نے اس کو رسم بنالیا ہے، اب باقاعدہ عیدگاہ بنی ہوئی ہے، اس لئے سترہ کی ضرورت نہیں، جدارِ قبلی کافی ہے مگر پھر بھی عید کے دن امراء کے سامنے بلّم لے کر چلا جاتا ہے اور اس کو عیدگاہ میں گاڑا جاتا ہے، یہ طریقہ اس حدیث سے لیا گیا ہے حالانکہ نبی ﷺ کے زمانہ میں اس کی ضرورت تھی اور اب اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔

استدلال: اور اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ صرف نبی ﷺ کے لئے نیزہ لے جایا جاتا تھا، مقتدی اپنے ساتھ نیزے نہیں لے جاتے تھے، معلوم ہوا کہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے سترہ ہے ان کو الگ سے سترہ گاڑنے کی ضرورت نہیں۔

[٤٩٥-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، قَالَ: نَاشُعْبَةُ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِيْ جُحَيْفَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِيْ يَقُوْلُ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلّٰى بِهِمْ بِالْبَطْحَاءِ - وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ - الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ. [راجع: ١٨٧]

حدیث: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو سنگریزوں والے میدان میں ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھائیں درانحالیکہ آپؐ کے سامنے ایک چھوٹا نیزہ گڑا ہوا تھا، آپؐ کے سامنے سے عورتیں اور گدھے گذر رہے تھے۔

تشریح: پہلے بتایا ہے کہ بطحاء اس میدان کو کہتے ہیں جہاں پانی کے بہاؤ سے چھوٹے چھوٹے سنگریزے پھیل گئے ہوں، حج سے فارغ ہوکر آپؐ بطحاء میں فروکش ہوئے تھے، وہاں آپؐ نے ظہرین پڑھائی ہیں اور دو دو رکعتیں پڑھائی ہیں اور آپؐ کے سامنے سترہ گڑا ہوا تھا اور سترہ کے پرے سے عورتیں اور گدھے گذر رہے تھے، معلوم ہوا کہ امام کا سترہ سب کے لئے کافی ہے اور سترہ کے پرے سے کسی کے گذرنے سے نماز میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

بابٌ: قَدْرُ كَمْ يَنْبَغِي أَنْ يَكُوْنَ بَيْنَ الْمُصَلِّيْ وَالسُّتْرَةِ؟

نمازی اور سترہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

سترہ سجدہ کی جگہ سے قریب ہونا چاہئے، کیونکہ سترہ کا مقصد نمازی کی توجہ کو روکنا ہے، اگر سترہ دور ہوگا تو نمازی کی نظر نہیں رکے گی، دور تک جائے گی، اور اللہ جانے کیا کیا نظر آئے گا!

[۹۱-] بابٌ: قَدْرُ كَمْ يَنْبَغِي أَنْ يَكُوْنَ بَيْنَ الْمُصَلِّيْ وَالسُّتْرَةِ؟

[۴۹۶-] حدثنا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، قَالَ: نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: كَانَ بَيْنَ مُصَلَّى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَبَيْنَ الْجِدَارِ مَمَرُّ الشَّاةِ.[انظر: ۷۳۳۴]

[۴۹۶-] حدثنا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: نَايَزِيْدُ بْنُ أَبِيْ عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ، قَالَ: كَانَ جِدَارُ الْمَسْجِدِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ، مَا كَادَتِ الشَّاةُ تَجُوْزُهَا.

حدیث (۱): حضرت سہل کہتے ہیں: نبی ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ یعنی سجدہ کی جگہ اور جدار قبلی کے درمیان بکری کے گذرنے کے بقدر جگہ تھی (بین: خبر مقدم اور ممر: اسم مؤخر ہے)

حدیث (۲): سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مسجد کی دیوار منبر کے پاس تھی یعنی لگی ہوئی تھی، نہیں قریب تھی بکری کہ اس جگہ سے گذرے یعنی اس جگہ میں سے بکری مشکل سے گذر سکتی تھی (کاد: محل اثبات میں نفی کرتا ہے اور محل نفی میں اثبات یعنی بکری بمشکل وہاں سے گذرتی تھی)

تشریح: ان حدیثوں کا مفاد یہ ہے کہ سترہ نمازی کے قریب ہونا چاہئے، اس لئے کہ مسجد نبوی میں نبی ﷺ کے سجدہ کی جگہ جدار قبلی سے بالکل قریب تھی، درمیان سے بکری مشکل ہی سے گذر سکتی تھی۔

بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الْحَرْبَةِ

نیزہ اور بلّم کی طرف نماز پڑھنا

یہاں سے کئی ابواب تک کا مقصد سترہ کی تعمیم کرنا ہے، سترہ: ہر وہ چیز بن سکتی ہے جو کم از کم انگلی کے بقدر موٹی اور ایک ہاتھ کے بقدر لمبی ہو، اور اگر کسی کے پاس سترہ بنانے کے لئے کوئی چیز نہ ہو تو امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لکیر کھینچ دے، اور لکیر یا تو لمبائی میں کھینچے یا محراب کی طرح کھینچے، دیگر ائمہ لکیر کو سترہ کے قائم مقام نہیں گردانتے اور لکیر کھینچنے کی روایت ابوداؤد (حدیث ۶۸۹) میں ہے مگر وہ استدلال کے قابل نہیں، اسماعیل بن امیہ ہی اس کو روایت کرتا ہے، اور اس کی روایت میں اضطراب ہے اور اس کا استاذ ابوعمرو اور ابوعمرو کا دادا حریث مجہول راوی ہیں۔

[۹۲-] بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الْحَرْبَةِ

[۴۹۸-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: نَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُرْكَزُ لَهُ الْحَرْبَةُ، فَيُصَلِّيْ إِلَيْهَا [راجع: ۴۹۴]

[۹۳-] بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الْعَنَزَةِ

[۴۹۹-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: نَا شُعْبَةُ، قَالَ: نَا عَوْنُ بْنُ أَبِيْ جُحَيْفَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِيْ، قَالَ: خَرَجَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْهَاجِرَةِ، فَأُتِيَ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ، فَصَلَّى بِنَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ، وَالْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ يَمُرُّوْنَ مِنْ وَرَائِهَا. [راجع: ۱۸۷]

وضاحت: یہ وہی بطحاء والا واقعہ ہے جو دو ابواب پہلے گذرا ہے۔ اور الهاجرة کے معنی ہیں: گرمی کی دوپہر، زوال آفتاب سے عصر تک کا وقت اور عَنَزَۃ کے معنی ہیں: وہ ڈنڈا جس میں پھل لگا ہوا ہو یعنی بلّم۔

[۵۰۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيْعٍ، قَالَ: نَا شَاذَانُ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِيْ مَيْمُوْنَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ تَبِعْتُهُ أَنَا وَغُلَامٌ، وَمَعَنَا عُكَّازَةٌ أَوْ عَصًا أَوْ عَنَزَةٌ، وَمَعَنَا إِدَاوَةٌ، فَإِذَا فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ نَاوَلْنَاهُ الإِدَاوَةَ. [راجع: ۱۵۰]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں: جب نبی ﷺ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو میں اور ایک لڑکا آپؐ کے ساتھ جاتے اور ہمارے پاس چھڑی یا لاٹھی یا چھوٹا نیزہ ہوتا تھا اور ہمارے ساتھ ایک برتن ہوتا تھا، پس جب آپؐ قضاء

حاجت سے فارغ ہوتے تو ہم آپ کو وہ برتن دیا کرتے تھے۔

تشریح: عُکّازۃ: وہ ڈنڈا جس میں پھل لگا ہوا ہو۔ اور عنزۃ کے معنی ہیں: بلّم، اور عام لاٹھی عصا ہے اور یہ شک راوی ہے۔ پہلے بتایا تھا کہ حضرت انسؓ اور ایک انصاری لڑکے کے ذمہ دو خدمتیں تھیں: ایک: جب آپؐ استنجے کے لئے جائیں تو پانی ساتھ لے جائیں۔ دوسری: کھلی جگہ میں نماز پڑھنی ہو تو لاٹھی وغیرہ ساتھ لے جائیں، پانی ساتھ کیوں لے جایا جاتا تھا اس کی وجہ تو حضرت انسؓ نے بیان کردی اور لاٹھی وغیرہ لے جانے کی حکمت یہاں حدیث لاکر امام بخاریؒ نے بیان کی کہ وہ سترہ بنانے کے مقصد سے لے جائی جاتی تھی، اور یہ دو الگ الگ خدمتیں تھیں، راوی نے ان کو ایک ساتھ کردیا ہے جس کی وجہ سے بات الجھ گئی ہے۔

بابُ السُّتْرَةِ بِمَكَّةَ وَغَيْرِهَا

مکہ اور غیر مکہ میں سترہ

جن مصالح کی بناء پر سترہ مطلوب ہے ان کے لحاظ سے مکہ اور غیر مکہ کا حکم یکساں ہے، سترہ کا مقصد نمازی کی توجہ کو روکنا ہے، اور گذرنے والے کو آزادی دینا ہے کہ سترہ کے پرے سے بے تکلف گذرے، اس لحاظ سے مکہ اور غیر مکہ میں کوئی فرق نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں: مکہ میں سترہ کی ضرورت نہیں۔ امام بخاریؒ اس قول کی تردید فرمارہے ہیں کہ سترہ کے جو مقاصد ہیں ان کے لحاظ سے مکہ اور غیر مکہ میں تفریق کرنا صحیح نہیں، دونوں کا حکم یکساں ہے، البتہ طواف کرنے والا نمازی کے سامنے سے سجدہ کی جگہ سے پرے سے گذر سکتا ہے، مگر اب لوگ سجدہ کی جگہ ہی سے نہیں بلکہ نمازی سے لگ کر گذرتے ہیں، اور طواف کرنے والے ہی نہیں عام لوگ بھی مسجدِ حرام میں اسی طرح گذرتے ہیں، یہ صحیح نہیں، بڑی مسجد میں نمازی کے سامنے سے گذرنے کی گنجائش ہے، مگر جہاں تک نمازی کی نظر جاتی ہے یعنی دو ڈھائی صف کے پرے سے گذر سکتے ہیں، یہی حکم مسجدِ حرام کا ہے، صرف طواف کرنے والوں کے لئے تھوڑی گنجائش ہے۔

[۹٤-] بابُ السُّتْرَةِ بِمَكَّةَ وَغَيْرِهَا

[۵۰۱-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: نَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ أَبِیْ جُحَيْفَةَ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْهَاجِرَةِ، فَصَلَّى بِالْبَطْحَاءِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، وُنُصِبَ بَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ، وَتَوَضَّأَ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهِ. [راجع:۱۸۷]

ترجمہ: نبی ﷺ ہماری طرف دوپہر میں نکلے پس آپؐ نے بطحاء میں ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھائیں اور آپؐ کے سامنے بلّم گاڑا گیا، اور آپؐ نے وضو فرمایا، پس لوگ آپؐ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو اپنے بدن پر ملنے لگے۔

تشریح: وضو کے پانی سے وہ پانی مراد ہے جو وضو کے بعد برتن میں بچ گیا تھا، لوگ اس کو بطور تبرک اپنے بدن پر مل رہے تھے، اور آپؐ نے یہ نمازیں مکہ میں پڑھائی تھیں اور آپؐ کے سامنے سترہ تھا، معلوم ہوا کہ سترہ کے باب میں مکہ اور غیر مکہ کا حکم یکساں ہے۔

بابُ الصَّلاَةِ إِلَى الأُسْطُوَانَةِ

ستون کی طرف نماز پڑھنا

مسجد میں یہاں وہاں نماز پڑھنے کی بہ نسبت کسی ستون یا دیوار کی آڑ میں نماز پڑھنا بہتر اور افضل ہے، اس سے گذرنے والوں کو آزادی مل جاتی ہے اور نمازی کی نماز خراب نہیں ہوتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ستونوں کے زیادہ حق دار باتیں کرنے والوں کی بہ نسبت نماز پڑھنے والے ہیں یعنی جو لوگ مسجد میں دینی باتیں کر رہے ہیں، وعظ و نصیحت اور درس و تدریس میں مشغول ہیں ان سے ستونوں کے زیادہ حقدار نماز پڑھنے والے ہیں ان کو ستون استعمال کرنے کا موقع دینا چاہئے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا جو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا، ابن عمرؓ اس کو پکڑ کر ایک ستون کے پاس لے گئے اور فرمایا: اس ستون کو سترہ بنا کر نماز پڑھ۔ معلوم ہوا کہ لوگوں کو جب وہ تنہا نماز پڑھ رہے ہوں ستون وغیرہ کی آڑ میں نماز پڑھنی چاہئے —— سترہ کی تعمیم بھی کردی کہ ستونوں کو بھی سترہ بنا سکتے ہیں پس سترہ کی تعمیم کے ابواب سے بھی اس باب کا تعلق ہو گیا۔

[۹۵-] بابُ الصَّلاَةِ إِلَى الأُسْطُوَانَةِ

[۱-] وَقَالَ عُمَرُ: الْمُصَلُّوْنَ أَحَقُّ بِالسَّوَارِيْ مِنَ الْمُتَحَدِّثِيْنَ إِلَيْهَا.

[۲-] وَرَأَى ابْنُ عُمَرَ رَجُلاً يُصَلِّيْ بَيْنَ أُسْطُوَانَتَيْنِ، فَأَدْنَاهُ إِلَى سَارِيَةٍ، فَقَالَ: صَلِّ إِلَيْهَا.

[۵۰۲-] حدثنا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ: نَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِيْ عُبَيْدٍ، قَالَ: كُنْتُ آتِي مَعَ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ، فَيُصَلِّيْ عِنْدَ الأُسْطُوَانَةِ الَّتِيْ عِنْدَ الْمُصْحَفِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا مُسْلِمٍ! أَرَاكَ تَتَحَرَّى الصَّلاَةَ عِنْدَ هٰذِهِ الأُسْطُوَانَةِ؟ قَالَ: فَإِنِّيْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَتَحَرَّى الصَّلاَةَ عِنْدَهَا.

وضاحت: السواری: ساریۃ کی جمع ہے: ستون۔ اور متحدِّثین (باتیں کرنے والے) یعنی وہ لوگ جو ستونوں سے ٹیک لگا کر وعظ و نصیحت یا درس و تدریس میں مشغول ہیں، دنیوی باتیں کرنے والے مراد نہیں مسجد میں دنیوی باتیں کرنا جائز نہیں۔

حدیث (۱): یزید بن ابی عُبید کہتے ہیں: میں حضرت سلمۃ بن الاکوع کے ساتھ (مسجدِ نبوی میں) آیا کرتا تھا، پس وہ اس ستون کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے جس کے پاس قرآن مجید رکھا ہوا ہے، پس میں نے عرض کیا: اے ابو مسلم! میں دیکھتا

ہوں کہ آپ اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں (اس کی کیا وجہ ہے؟) انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کا قصد کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح: یزید بن ابی عبید: حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے مولی ہیں، وہ حضرت سلمہؓ کے ساتھ رہتے تھے اس زمانہ میں غلام آزاد ہونے کے بعد بھی آقا کے ساتھ رہتا تھا، چلا نہیں جاتا تھا، وہ آقا کے خاندان کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا، اور یہ تیسری ثلاثی حدیث ہے، بخاری میں بائیس ثلاثیات ہیں، ان میں زیادہ تر حضرت سلمہؓ کی حدیثیں ہیں، اور بیس ثلاثیات امام بخاریؒ نے حنفی شیوخ سے روایت کی ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں پانچ مصاحف تیار کرائے تھے، ایک مصحف مسجدِ نبوی میں رکھا تھا اور باقی مصاحف مختلف شہروں میں بھیج دیئے تھے، مسجدِ نبوی میں جس ستون کے پاس قرآن رکھا گیا تھا اس ستون کے پاس عام طور پر نبی ﷺ نفلیں پڑھتے تھے اسی وجہ سے وہاں قرآن رکھا گیا تھا اور حضرت سلمہؓ قصد کرکے وہاں نماز پڑھتے تھے۔ اور حدیث کی باب سے مناسبت واضح ہے۔ نبی ﷺ ستون کا سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے۔

[۵۰۳-] حدثنا قَبِيْصَةُ، قَالَ: نَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ كِبَارَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِيَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ — وَزَادَ شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَنَسٍ: حَتّٰى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم. [انظر: ٦٢٥]

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے بڑے صحابہ کو مغرب کے وقت ستونوں کی طرف لپکتے دیکھا ہے —— اس حدیث کو عمرو بن عامر سے شعبہؒ نے بھی روایت کیا ہے ان کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: یہاں تک کہ نبی ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لاتے۔

تشریح: آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں جب مغرب کی اذان ہوتی تو صحابہ ستونوں کی طرف لپکتے اور ان کو سترہ بنا کر نفلیں پڑھتے، کیونکہ عصر کے بعد نفلوں کی جو ممانعت ہے وہ غروب شمس پر ختم ہوجاتی ہے، پس غروب شمس کے بعد نفلیں پڑھنا جائز ہے مگر یہ سنت نہیں، نبی ﷺ نے مغرب سے پہلے نفلیں نہیں پڑھیں، خلفائے راشدین نے بھی نہیں پڑھیں، کتاب التہجد میں یہ حدیث آئے گی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مغرب سے پہلے نفلیں پڑھو، یہ بات دو مرتبہ فرمائی پھر تیسری مرتبہ لِمَن شاء بڑھایا۔ یعنی مغرب سے پہلے کوئی نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھے، راوی کہتے ہیں: آپؐ نے لِمَن شاء اس لئے بڑھایا کہ لوگ اس کو سنت نہ بنالیں (كراهية أن يَتَّخِذَها الناسُ سنةً) پس مغرب سے پہلے نفلیں پڑھنا جائز ہے مگر اس کی وجہ سے جماعت میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے، میں جب مظاہر العلوم میں پڑھتا تھا تو میں نے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب قدس سرہ کو جو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے اور مظاہر علوم کے ناظم تھے دیکھا کہ کبھی وہ مغرب کی اذان شروع ہوتے

ہی نفلوں کی نیت باندھ لیتے تھے اور امام کے مصلے پر آنے سے پہلے سلام پھیر دیتے تھے، اسی طرح رمضان المبارک میں اذان و اقامت کے درمیان پانچ سات منٹ کا وقفہ رہتا ہے اس درمیان اگر کوئی نفلیں پڑھے تو جائز ہے، مگر سنت نہیں، پس اس کو معمول نہ بنایا جائے۔

اور شعبہ رحمہ اللہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: یہاں تک کہ نبی ﷺ حجرہ سے نکل آتے تھے، اتنی دیر میں صحابہ دو نفلیں پڑھ لیتے تھے، مگر اب عرب ممالک میں باقاعدہ سنتوں کی طرح ان نفلوں کو پڑھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کے لئے مغرب کی نماز میں تاخیر کی جاتی ہے، یہ طریقہ ٹھیک نہیں۔

بابُ الصَّلاَۃِ بَیْنَ السَّوَارِیْ فِیْ غَیْرِ جَمَاعَۃٍ

ستونوں کے درمیان تنہا نماز پڑھنا

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے (۱) امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو جماعت پر محمول کرتے ہیں کہ جماعت میں ستونوں اور دروں کے بیچ میں صفیں نہیں بنانی چاہئیں، لیکن اگر کوئی تنہا دروں یا ستونوں کے بیچ میں نماز پڑھے تو جائز ہے، فعل نبوی سے اس کا ثبوت ہے۔

فائدہ: باجماعت نماز میں ستونوں اور دروں کے درمیان تنہا کھڑے رہنا مکروہ تحریمی ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، بلکہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تو شاید اس کی نماز ہی نہیں ہوگی، کیونکہ ان کے نزدیک صف میں تنہا کھڑے رہنے سے نماز نہیں ہوتی، اور اگر دروں اور ستونوں کے درمیان دو یا زیادہ اشخاص کھڑے ہوں اور صف بن جائے تو بے ضرورت ایسا کرنا خلافِ اولیٰ ہے اور عند الضرورت جیسے جمعہ اور عیدین میں اس کی گنجائش ہے (تفصیل تحفۃ الالمعی ۱:۵۵۶ میں دیکھیں)

[۹۶-] بابُ الصَّلاَۃِ بَیْنَ السَّوَارِیْ فِیْ غَیْرِ جَمَاعَۃٍ

[۵۰۴-] حدثنا مُوْسَی بْنُ إِسْمَاعِیْلَ، قَالَ: نَا جُوَیْرِیَۃُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِیُّ صلی

(۱) ترمذی میں عبد الحمید بن محمود کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں: ہمارے علاقہ میں ایک امیر صاحب آئے جس کی وجہ سے نماز میں اژدحام ہوگیا، پس ہم نے مجبوراً ستونوں کے درمیان نماز پڑھی، مسجد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، نماز کے بعد آپؓ نے لوگوں کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں ایسا کرنے سے بچتے تھے یعنی صحابہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے سے احتراز کرتے تھے (ترمذی حدیث ۲۲۸) اور ابن ماجہ میں معاویہ بن قرہ کی حدیث ہے وہ اپنے والد قرۃ بن ایاسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں ستونوں کے درمیان صف بنانے سے سختی کے ساتھ روکے جاتے تھے (ابن ماجہ ص:۷۰)

اللہ علیہ وسلم، وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ، وَبِلَالٌ، فَأَطَالَ ثُمَّ خَرَجَ، وَكُنْتُ أَوَّلَ النَّاسِ دَخَلَ عَلٰى أَثَرِهِ، فَسَأَلْتُ بِلَالًا: أَيْنَ صَلّٰى؟ قَالَ: بَيْنَ الْعَمُوْدَيْنِ الْمُقَدَّمَيْنِ.[راجع: ۳۹۷]

[۵۰۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ الْكَعْبَةَ، وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، وَبِلَالٌ، وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ، فَأَغْلَقَهَا عَلَيْهِ، وَمَكَثَ فِيْهَا، فَسَأَلْتُ بِلَالًا حِيْنَ خَرَجَ: مَا صَنَعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قَالَ: جَعَلَ عَمُوْدًا عَنْ يَسَارِهِ، وَعَمُوْدًا عَنْ يَمِيْنِهِ، وَثَلَاثَةَ أَعْمِدَةٍ وَرَاءَهُ، وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ، ثُمَّ صَلّٰى. وَقَالَ إِسْمَاعِيْلُ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ فَقَالَ: عَمُوْدَيْنِ عَنْ يَمِيْنِهِ، [راجع: ۳۹۷]

۱- یہ حدیث پہلے ابواب استقبال القبلہ میں گذر چکی ہے، فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ کعبہ شریف کے اندر تشریف لے گئے تھے، حضرات بلال، اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم ساتھ تھے، آپؐ نے اندر دوستونوں کے درمیان نماز پڑھی، کعبہ شریف کے اندر اس وقت تین ستون ہیں [1] لیکن دورِ نبوی میں (ابن الزبیرؓ کی تعمیر سے پہلے) چھ ستون تھے اور ان کی مشرق سے مغرب کی طرف دولائنیں تھیں، آپؐ جب دروازے سے اترے ہیں تو سامنے کی دیوار کی طرف ستونوں کی دونوں لائنوں کے آگے چلے ہیں جب سامنے کی دیوار سے تین ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تو آپؐ دوستونوں کے درمیان اس طرح کھڑے ہوئے کہ ایک ستون دائیں ہاتھ پر اور دوستون بائیں ہاتھ پر اور تین ستون پیچھے رہے، یعنی جنوبی دیوار کی طرف منہ کر کے دو رکعتیں پڑھیں۔

۲- باب میں دو حدیثیں ہیں، پہلی حدیث جویریہ بن اسماء الضبعی البصری کی ہے جس کو وہ نافع سے روایت کرتے ہیں، اس میں ہے کہ آپؐ نے اگلے دوستونوں کے درمیان نماز پڑھی یعنی سامنے کی دیوار کی پاس جو دوستون ہیں ان کے درمیان نماز پڑھی۔ پس ایک ستون دائیں ہاتھ پر ہوگا اور دوستون (دروازے کی جانب والے) بائیں ہاتھ پر ہونگے۔ اور دوسری حدیث امام مالکؒ کی ہے وہ بھی نافع سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عبداللہ بن یوسف اور اسماعیل روایت کرتے ہیں، عبداللہ بن یوسف کی روایت میں وہی تفصیل ہے جو اوپر عرض کی گئی کہ ایک ستون کو بائیں ہاتھ پر لیا اور ایک کو دائیں ہاتھ پر اور تین ستون کو پیچھے اور نماز پڑھی اور بائیں طرف یعنی دروازے کی طرف جو ایک اور ستون ہے اس کو عبداللہ بن یوسف نے ذکر نہیں کیا اور اسماعیل نے ذکر کیا چنانچہ ان کی روایت میں ہے کہ آپؐ کی دائیں طرف دوستون تھے، مگر یحییٰ بن یحییٰ تمیمی نے اس حدیث کو امام مالک سے روایت کیا ہے جو مسلم شریف (حدیث ۳۸۸) میں ہے اس میں بھی ہے کہ دوستون آپ کی بائیں طرف تھے۔ غرض ان روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، سب ایک ہی حقیقت کی ترجمانی کرتی ہیں اور پورا نقشہ تمام روایتوں سے مل کر بنتا ہے۔

(۱) مرآت الحرمین از لواء ابراہیم رفعت پاشا جلد اول صفحہ ۲۵۰۔

بابٌ

یہ باب کالفصل من الباب السابق ہے، اس باب کی حدیث اوپر والے باب ہی سے متعلق ہے، بس اس میں یہ بات زائد ہے کہ کعبہ شریف میں ہر جگہ اور ہر طرف نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

[۹۷-] بابٌ

[۵۰۶-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: نَا أَبُوْ ضَمْرَةَ، قَالَ: نَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْكَعْبَةَ مَشَى قِبَلَ وَجْهِهِ حِيْنَ يَدْخُلُ، وَجَعَلَ الْبَابَ قِبَلَ ظَهْرِهِ، فَمَشَى حَتّٰى يَكُوْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِدَارِ الَّذِیْ قِبَلَ وَجْهِهِ قَرِيْبًا مِنْ ثَلَاثِ أَذْرُعٍ: صَلَّى، يَتَوَخَّى الْمَكَانَ الَّذِیْ أَخْبَرَهُ بِهِ بِلَالٌ أَنَّ النبیَّ صلی الله علیه وسلم صَلَّى فِيْهِ، قَالَ: وَلَيْسَ عَلٰى أَحَدٍ بَأْسٌ أَنْ يُصَلِّیَ فِیْ أَیِّ نَوَاحِیْ الْبَيْتِ شَاءَ.[راجع: ۳۹۷]

ترجمہ: نافع کہتے ہیں: ابن عمر جب کعبہ شریف میں جاتے تھے تو داخل ہوکر سامنے کی جانب چلتے تھے اور کعبہ کے دروازہ کو اپنی پیٹھ کی جانب کر لیتے تھے، پس آپؓ چلتے تھے یہاں تک کہ آپؓ کے اور اس دیوار کے درمیان جو سامنے کی جانب ہے تین ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا تھا تو نماز پڑھتے تھے، ارادہ کرتے تھے آپؓ اس جگہ کا جس کے بارے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا کہ نبی ﷺ نے اس جگہ نماز پڑھی ہے، ابن عمرؓ کہتے ہیں: کسی پر کوئی تنگی نہیں کہ بیت اللہ کے جس کونے میں بھی چاہے نماز پڑھے۔

تشریح: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کعبہ شریف کے اندر فرائض نہیں پڑھ سکتے، نفل نماز پڑھ سکتے ہیں اس لئے کہ نبی ﷺ سے کعبہ میں فرض نماز پڑھنا ثابت نہیں، اور جمہور کہتے ہیں کہ استقبالِ قبلہ کے مسئلہ میں فرائض اور نوافل کے احکام ایک ہیں، پس کعبہ شریف کے اندر فرائض بھی پڑھ سکتے ہیں اور نوافل بھی۔

بابُ الصَّلَاةِ إِلَى الرَّاحِلَةِ، وَالْبَعِيْرِ، وَالشَّجَرِ، وَالرَّحْلِ

سواری کے اونٹ، عام اونٹ، درخت اور کجاوے کی طرف نماز پڑھنا

راحلہ: وہ اونٹنی جس پر کجاوہ بندھا ہوا ہو۔ اور بعیر عام ہے اونٹ اور اونٹنی دونوں کو شامل ہے، یہاں حدیث میں بعیر اور شجر کا ذکر نہیں، پس یا تو قیاس کریں گے اس لئے کہ راحلہ اور بعیر ایک جنس ہیں، اور کجاوہ اور درخت دونوں لکڑی ہیں، یا بعض روایتوں میں شجر اور بعیر کا ذکر ہے ان کو پیش نظر رکھ کر باب باندھا ہے بعیر کا ذکر ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے جو ابوداؤد میں ہے اور شجر کا ذکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو نسائی میں ہے۔

[۹۸-] بابُ الصَّلَاةِ إِلَى الرَّاحِلَةِ، وَالْبَعِيرِ، وَالشَّجَرِ، وَالرَّحْلِ

[۵۰۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ الْبَصْرِيُّ، قَالَ: نَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: أَنَّهُ كَانَ يُعَرِّضُ رَاحِلَتَهُ، فَيُصَلِّي إِلَيْهَا. قُلْتُ: أَفَرَأَيْتَ إِذَا هَبَّتِ الرِّكَابُ؟ قَالَ: كَانَ يَأْخُذُ الرَّحْلَ فَيُعَدِّلُهُ، فَيُصَلِّي إِلَى آخِرَتِهِ، أَوْ قَالَ مُؤَخَّرِهِ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللّٰهُ عَنْهُمَا يَفْعَلُهُ. [راجع: ۴۳۰]

ترجمہ: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنے راحلہ کو بٹھاتے تھے، پھر اس کی طرف (اس کو سترہ بنا کر) نماز پڑھتے تھے۔ نافع کہتے ہیں: میں نے پوچھا: بتائیں جب سواری اٹھنے لگے (تو آپؐ کیا کرتے تھے؟) ابن عمرؓ نے کہا: کجاوہ پکڑ کر اس کو سیدھا کرتے تھے، پس آپ اس کی پچھلی لکڑی کی طرف نماز پڑھتے تھے (آخرتہ اور مؤخَّرہ میں راوی کو شک ہے، دونوں کے معنی ایک ہیں) اور ابن عمرؓ بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

تشریح: پہلے بتایا ہے کہ جب اونٹ پر کجاوہ بندھا ہوا ہوتا ہے تو سکون سے بیٹھا رہتا ہے، حرکت نہیں کرتا، پس اس کے قریب میں نماز پڑھنے میں کوئی خطرہ نہیں، اس لئے نبی ﷺ سفر میں راحلہ کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے، مگر جب اونٹ مخلّی بالطبع ہو، اس پر کجاوہ یا ہودج نہ ہو تو وہ شرارت کرتا ہے اور اس کے قریب نماز پڑھنے میں خطرہ ہوتا ہے، اس لئے اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ اسی طرح آپؐ کجاوہ کو بھی سترہ بناتے تھے اور اس کی پچھلی لکڑی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، یہاں سے فقہاء نے تنقیح مناط کر کے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ سترہ کا کم از کم انگلی کے بقدر موٹا اور ایک ہاتھ کے بقدر لمبا ہونا ضروری ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک حیوان کو سترہ بنانا مکروہ ہے اس لئے کہ حیوان کا کچھ بھروسہ نہیں: کب اٹھ کر چل دے؟ جب کہ سترہ کا مقصد نماز کا تحفظ ہے، اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک حیوان اور غیر حیوان سب کو سترہ بنانا جائز ہے، یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔ امام بخاریؒ نے اس مسئلہ میں حنفیہ اور حنابلہ کی موافقت کی ہے۔

بابُ الصَّلَاةِ إِلَى السَّرِيْرِ

چارپائی کی طرف نماز پڑھنا

یہ بھی سترہ کی تعمیم ہی کے سلسلہ کا باب ہے، چارپائی کو سترہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ چارپائی میں چار پائے ہوتے ہیں اور آڑی اور لمبی باہیں ہوتی ہیں۔ پایوں کو سترہ بنانے میں تو کچھ مضائقہ نہیں، مگر باہ کو سترہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ یعنی چارپائی کے بیچ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی جائے تو باہ سترہ بنے گی یا نہیں؟ یہ مسئلہ غور طلب ہے، جیسے تپائی رکھی ہوئی ہو اگر کوئی اس کے

پایوں کو سترہ بنائے تو صحیح ہے لیکن اگر کوئی بیچ میں کھڑا ہو تو مفتیانِ کرام کہتے ہیں کہ اس طرح تپائی سترہ نہیں بنے گی۔ مگر امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک توسع ہے ان کے نزدیک چارپائی کی باہ بھی سترہ بن سکتی ہے۔ مگر حضرتؒ نے جو روایت پیش کی ہے وہ ناطق (صریح) نہیں۔

[۹۹-] بابُ الصَّلاَةِ إِلَى السَّرِيْرِ

[۵۰۸-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: نَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَعَدَلْتُمُوْنَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ؟ لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ مُضْطَجِعَةً عَلَى السَّرِيْرِ، فَيَجِيْءُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَيَتَوَسَّطُ السَّرِيْرَ، فَيُصَلِّيْ، فَأَكْرَهُ أَنْ أَسْنَحَهُ، فَأَنْسَلُّ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيِ السَّرِيْرِ، حَتّٰى أَنْسَلَّ مِنْ لَحَافِيْ.

[راجع: ۳۸۰]

ترجمہ: صدیقہؓ فرماتی ہیں: کیا تم نے ہمیں کتے اور گدھے کے برابر کر دیا؟ البتہ واقعہ یہ ہے کہ میں نے مجھ کو دیکھا (اس میں دو ضمیریں ہیں ایک ضمیر فاعل ہے اور ایک ضمیر مفعول) لیٹے ہوئے ہونے کی حالت میں، یعنی مجھے اچھی طرح یاد ہے: میں چارپائی پر پہلو کے بل لیٹی ہوئی ہوتی تھی، پس نبی ﷺ تشریف لاتے اور چارپائی کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھتے، پس میں آپؐ کے سامنے ظاہر ہونے کو ناپسند کرتی، پس میں پائینتی کی طرف کھسک جاتی، یہاں تک کہ میں بستر سے نکل جاتی۔

تشریح: بعض مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چارپائی پر سوئی ہوئی ہوتی تھیں، نبی ﷺ باہر سے تشریف لاتے اور چارپائی کی بیچ کی طرف منہ کر کے نماز شروع فرماتے، صدیقہؓ کو کوئی حاجت پیش آتی تو وہ لیٹے لیٹے پیروں کی طرف کھسک جاتیں تاکہ آپؐ کی نماز خراب نہ ہو، اس کو امام بخاریؒ نے چارپائی کو سترہ بنا کر نماز پڑھنا قرار دیا ہے، حالانکہ یہ چارپائی کو سترہ بنانا نہیں ہے، اس لئے کہ سترہ کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں سامنے سے کسی کے گذرنے کا امکان ہو۔ نبی ﷺ گھر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور گھر میں بیوی کے علاوہ کوئی نہیں، اور وہ بھی سو رہی ہیں، پس سترہ کی ضرورت نہیں، حضرت عائشہؓ بھی اس کو سترہ نہیں سمجھ رہیں، چنانچہ وہ ان لوگوں پر نقد کر رہی ہیں جو یہ روایت کرتے ہیں کہ کتے، گدھے اور عورت کے نمازی کے سامنے سے گذرنے سے نماز خراب ہو جاتی ہے، اگر حضرت عائشہؓ چارپائی کو سترہ سمجھتیں تو یہ نقد نہ کرتیں، کیونکہ سترہ کے پرے سے گذرنے کی آزادی ہوتی ہے اور جمہور بھی اس حدیث کا یہ جواب نہیں دیتے کہ حضرت عائشہؓ کی یہ تنقید اس لئے صحیح نہیں کہ درمیان میں سترہ حائل تھا، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اُس حدیث میں نمازی کے سامنے سے گذرنے کی بات ہے اور پہلے سے سامنے لیٹا ہوا ہونا یا سامنے سے ایک طرف کھسک جانا الگ بات ہے، یہ نمازی کے سامنے سے گذرنا نہیں۔

علاوہ ازیں: حضرت عائشہؓ چارپائی سے کھڑے ہونے میں جو تکلف کر رہی ہیں اس کی بھی ضرورت نہ تھی، کیونکہ وہ سترہ سے پرے تھیں، معلوم ہوا کہ باہ سترہ نہیں تھی۔

غرض امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے چارپائی کو اوراس کی باہ کو سترہ بنانے کے جواز پر جو استدلال کیا ہے وہ غور طلب ہے۔اس حدیث کی مزید شرح ابواب السترہ کے پہلے باب میں (نمبر۳ کے ضمن میں) آچکی ہے۔

بابٌ: لِيَرُدَّ الْمُصَلِّي مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ

نمازی کو چاہئے کہ سامنے سے گذرنے والے کو روکے

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ کوئی مسجد میں یا کھیت میں یا ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہے جہاں سے کسی کے گذرنے کا احتمال نہیں، اس لئے سترہ کھڑا نہیں کیا، پھر اتفاق سے کوئی شخص وہاں سے بے خبری میں گذرنا چاہتا ہے تو تسبیح کے ذریعہ یا ہاتھ سامنے کرکے اس کو چوکنا کرے تاکہ وہ سامنے سے نہ گذرے، لیکن وہ نہ مانے تو اس سے الجھے اسے دھکا دے اور سامنے سے نہ گذرنے دے، اور الجھنے میں اگر عمل کثیر ہوجائے تو نماز دوبارہ پڑھے اور عمل قلیل سے کام بن جائے تو نماز پڑھتا رہے از سر نو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز پڑھ رہے تھے اور تشہد میں بیٹھے تھے، ایک شخص سامنے سے گذرنے لگا، حضرت نے اسے چوکنا کیا مگر وہ نہ مانا تو حضرت نے اسے دھکا دیا اور سامنے سے گذرنے نہیں دیا، پھر نماز کے بعد فرمایا: اگر کوئی نمازی کے سامنے سے گذرنا چاہے اور وہ نہ مانے اور اس سے الجھنا پڑتے تو الجھے، مگر اسے گذرنے نہ دے۔

فائدہ: اصحابِ درس کہتے ہیں: اب تسبیح کے ذریعہ یا ہاتھ بڑھا کر چوکنا کرنا چاہئے، الجھنا نہیں چاہئے اس لئے کہ اب جہالت عام ہے، ان کی یہ بات صحیح نہیں، اس سے تو جہالت اور بڑھے گی، اور ایک مرتبہ الجھے گا تو وہ مسئلہ جان لے گا۔

اس کی نظیر: لوگ کہتے ہیں: جن سورتوں میں آیاتِ سجدہ ہیں: فرائض میں وہ سورتیں نہیں پڑھنی چاہئیں، اس لئے کہ عوام کو عام طور پر سجدے کا پتہ نہیں ان کی یہ بات بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ جب امام وہ سورتیں پڑھے گا اور سجدہ کرے گا تو لوگوں کو ان کا علم ہوجائے گا، اور شروع میں کسی کی نماز خراب ہوگی تو وہ دوبارہ پڑھ لے گا مگر مسئلہ تو جان لے گا۔ جیسے جمعہ کے دن ائمہ فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ السجدۃ پڑھتے ہیں، لوگوں کو اس سے کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ لوگوں کو اس سورت میں سجدہ کا علم ہے، اسی طرح ترمذی میں حدیث ہے کہ سانپ اور بچھو دیکھے تو ان کو مار ڈالے، رہی یہ بات کہ اس کی نماز باقی رہے گی یا ختم ہوجائے گی؟ یہ الگ مسئلہ ہے، اگر عمل قلیل سے مارا ہے، بچھو سامنے سے گذرا قریب میں چپل رکھا تھا وہ اس پر رکھ کر دبا دیا تو یہ عمل قلیل ہے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا نماز پڑھتا رہے، اور نمازی کے سامنے سے سانپ گذرا وہ دوڑ کر لاٹھی لایا اور اس کو مارا تو یہ عمل کثیر ہے، اس کی وجہ سے نماز فاسد ہوجائے گی، پس دوبارہ نماز پڑھے اور فسادِ صلوٰۃ کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح نمازی کے سامنے سے کوئی گذرنا چاہتا ہے اس نے اس کو دھکا دیا اور اس سے الجھا تو اگر عمل قلیل سے کام بن گیا تو نماز جاری رکھے ورنہ نماز از سر نو پڑھے۔

[۱۰۰-] بابٌ: لِيَرُدَّ الْمُصَلِّيْ مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ

وَرَدَّ ابْنُ عُمَرَ فِيْ التَّشَهُّدِ، وَفِيْ الرَّكْعَةِ، وَقَالَ: إِنْ أَبٰى إِلَّا أَنْ تُقَاتِلَهُ قَاتِلْهُ.

[۵۰۹-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: نَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: نَا يُوْنُسُ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، أَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ح: وَحَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِيْ إِيَاسٍ، قَالَ: نَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ، قَالَ: نَا حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ الْعَدَوِيُّ، قَالَ: نَا أَبُوْصَالِحٍ السَّمَّانُ، قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ فِيْ يَوْمِ جُمُعَةٍ، يُصَلِّيْ إِلٰى شَيْئٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، فَأَرَادَ شَابٌّ مِنْ بَنِيْ أَبِيْ مُعَيْطٍ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَدَفَعَ أَبُوْ سَعِيْدٍ فِيْ صَدْرِهِ، فَنَظَرَ الشَّابُّ، فَلَمْ يَجِدْ مَسَاغًا إِلَّا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَعَادَ لِيَجْتَازَ، فَدَفَعَهُ أَبُوْ سَعِيْدٍ أَشَدَّ مِنَ الْأُوْلٰى، فَنَالَ مِنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، ثُمَّ دَخَلَ عَلٰى مَرْوَانَ، فَشَكَا إِلَيْهِ مَا لَقِيَ مِنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، وَدَخَلَ أَبُوْ سَعِيْدٍ خَلْفَهُ عَلٰى مَرْوَانَ، فَقَالَ: مَالَكَ وَلِابْنِ أَخِيْكَ يَا أَبَا سَعِيْدٍ؟ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم:يَقُوْلُ" إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ إِلٰى شَيْئٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَلْيَدْفَعْهُ فَإِنْ أَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ"[انظر: ۳۲۷۴]

قوله: وفی الرکعۃ: ہمارے نسخہ میں وفی الکعبۃ ہے اور گیلری میں وفی الرکعۃ ہے اور وہی نسخہ صحیح ہے، یعنی ابن عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے اور تشہد میں بیٹھے تھے اور کسی نے گذرنا چاہا تو گذرنے نہیں دیا، اسی طرح رکعت میں کھڑے تھے اور کسی نے گذرنا چاہا تو بھی گذرنے نہیں دیا............ **إن أبی إلا أن تقاتلہ:** اگر وہ نہ مانے اور تمہیں لڑنے پر مجبور کرے تو اس سے لڑو۔

حدیث: ابوصالح کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے دن (مسجدِ نبوی میں) دیکھا آپؓ کسی چیز کی طرف نماز پڑھ رہے تھے، آپؓ نے اس کو لوگوں سے آڑ بنا رکھا تھا یعنی آپؓ کے سامنے سترہ تھا، پس ابومعیط کی اولاد میں سے ایک نوجوان نے ان کے سامنے سے (سترہ کے اندر سے) گذرنا چاہا، حضرت ابوسعیدؓ نے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دھکا دیا، پس اس نوجوان نے دیکھا یعنی گذرنے کے لئے دوسری جگہ تلاش کی مگر اس نے حضرت ابوسعیدؓ کے سامنے جگہ کے علاوہ کوئی جگہ نہیں پائی تو وہ واپس لوٹا تاکہ وہاں سے گذرے تو حضرت ابوسعیدؓ نے پہلے سے بھی زیادہ زور سے دھکا دیا، اس نے حضرت ابوسعید کو برا بھلا کہا، پھر وہ مروان کے پاس گیا اور اس سے اس بات کی شکایت کی جو اسے حضرت ابوسعیدؓ سے پہنچی تھی (مروان اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، ابھی وہ خلیفہ نہیں بنا تھا) اور پیچھے سے مروان کے پاس حضرت ابوسعیدؓ پہنچے، اس نے حضرت ابوسعیدؓ سے پوچھا: آپ کا اور آپ کے بھتیجے کا کیا معاملہ ہے؟ حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ’’جب تم میں سے کوئی کسی چیز کی طرف نماز پڑھ رہا ہو جس کو اس نے لوگوں سے آڑ بنا رکھا ہو پس کوئی اس کے سامنے سے گذرنے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ وہ اس کو دھکا دے (یہی جزء ترجمۃ الباب سے متعلق ہے) پس اگر وہ نہ مانے تو چاہئے کہ وہ اس سے لڑے اس لئے کہ وہ شیطان ہے‘‘

تشریح: آج کل لوگ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں بہت زیادہ بے احتیاطی برتتے ہیں، وہ بے ضرورت نمازی کے سامنے سے گذرتے ہیں، بلکہ نمازی سے لگ کر گذرتے ہیں اور ان سے کہو تو الٹا مسئلہ بتاتے ہیں کہ حرمین میں گذر سکتے ہیں۔ اس حدیث میں ان کے لئے سبق ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھ رہے تھے، ایک نوجوان نے سامنے سے گذرنا چاہا تو آپؓ نے اس کو گذرنے نہیں دیا، وہ مدینہ کے گورنر مروان کا رشتہ دار تھا، حکومت کے نشہ میں چور تھا، اس نے دوبارہ گذرنا چاہا تو حضرت ابوسعیدؓ نے زور سے دھکا دیا اس نے حضرت ابوسعیدؓ کو برا بھلا کہا اور مروان سے شکایت کی تو حضرت ابوسعید خدریؓ نے حدیث سنائی، معلوم ہوا کہ مسجدِ نبوی میں بھی نمازی کے سامنے سے گذرنا جائز نہیں، البتہ مسجد کبیر کے جو احکام ہیں وہ احکام مسجدِ نبوی کے بھی ہیں، مسجدِ کبیر میں جہاں تک نمازی کی نظر جاتی ہے اس سے آگے سے گذر سکتے ہیں، عام طور پر نمازی کی نظر دو ڈھائی صف تک جاتی ہے اس سے آگے سے گذر سکتے ہیں۔ یہی حکم مسجدِ نبوی کا بھی ہے، اور ہمارے نسخہ میں وفی الکعبۃ ہے یعنی حرم مکی کا بھی یہی حکم ہے، وہاں بھی نمازی کے سامنے سے گذرنا جائز نہیں، ایسے شخص سے لڑا جائے، البتہ طواف کرنے والے مستثنیٰ ہیں وہ سجدہ کی جگہ سے آگے سے گذر سکتے ہیں، اور یاد رکھنا چاہئے کہ اس حدیث میں امر استحباب کے لئے ہے، پس نمازی کے سامنے سے گذرنے والے سے الجھنا فرض وواجب نہیں۔

بابُ إِثْمِ الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ

نمازی کے سامنے سے گذرنے کا گناہ

نمازی کے سامنے سے گذرنا کتنا بڑا گناہ ہے؟ اس کا اس باب میں بیان ہے۔

[١٠١-] بابُ إِثْمِ الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ

[٥١٠-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ بُسْرِبْنِ سَعِيْدٍ: أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ أَرْسَلَهُ إِلٰى أَبِي جُهَيْمٍ يَسْأَلُهُ: مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ؟ فَقَالَ أَبُوْ جُهَيْمٍ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ: مَاذَا عَلَيْهِ؟ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِيْنَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ" قَالَ أَبُوْ النَّضْرِ: لاَ أَدْرِيْ قَالَ: أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا أَوْ سَنَةً.

ترجمہ مع وضاحت: زید بن خالد جُہنی رضی اللہ عنہ نے بسر بن سعید کو حضرت ابوجہیم رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا وہ دریافت کر رہے ہیں ان سے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کے بارے میں کیا سنا ہے؟ ابوجہیمؓ نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا اس گناہ کو جان لے جو اس

کو ہوتا ہے تو وہ چالیس (سال) تک ٹھہرا رہے، یہ بات اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ وہ اس کے سامنے سے گذرے" ابو النضر کہتے ہیں: بسر بن سعید نے چالیس سال کہا یا چالیس مہینے یا چالیس دن یہ مجھے یاد نہیں رہا (اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو ابن ماجہ (ص:۶۷) میں ہے گناہ کے ڈر سے سو سال اپنی جگہ ٹھہرے رہنے کی بات ہے، یہ قرینہ ہے کہ حضرت ابوجہم کی حدیث میں چالیس سال ہوگا۔

بابُ اسْتِقْبَالِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ وَهُوَ يُصَلِّيْ

کسی آدمی کا نمازی کی طرف منہ کر کے بیٹھنا

ابھی سترہ کے ابواب چل رہے ہیں، درمیان میں ضمناً دو باتیں آئی ہیں: ۱- اگر کوئی نمازی کے سامنے سے گذرنا چاہے تو نمازی کیا کرے؟ ۲- اور نمازی کے سامنے سے گذرنا کتنا بڑا گناہ ہے؟ اب اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ کسی آدمی کے منہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس طرح نماز پڑھنا ٹھیک نہیں، ہاں اگر کسی کی پیٹھ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو کچھ حرج نہیں۔

[۱۰۲-] بابُ اسْتِقْبَالِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ وَهُوَ يُصَلِّيْ

وَكَرِهَ عُثْمَانُ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الرَّجُلَ وَهُوَ يُصَلِّيْ، وَهٰذَا إِذَا اشْتَغَلَ بِهِ، فَأَمَّا إِذَا لَمْ يَشْتَغِلْ بِهِ، فَقَدْ قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: مَا بَالَيْتَ! إِنَّ الرَّجُلَ لاَ يَقْطَعُ صَلاَةَ الرَّجُلِ.

[۵۱۱-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ خَلِيْلٍ، أَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّـهُ ذُكِرَ عِنْدَهَا: مَا يَقْطَعُ الصَّلاَةَ؟ فَقَالُوْا: يَقْطَعُهَا الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ، فَقَالَتْ: لَقَدْ جَعَلْتُمُوْنَا كِلاَبًا! لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ، وَإِنِّيْ لَبَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ عَلَى السَّرِيْرِ، فَتَكُوْنُ لِيْ الْحَاجَةُ، وَأَكْرَهُ أَنْ أَسْتَقْبِلَهُ، فَأَنْسَلُّ انْسِلاَلاً.

وَعَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَهُ. [راجع: ۳۸۲]

اثر: کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور دوسرا اس کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ناپسند کیا، اس سے نمازی کا ذہن اس کی طرف چلا جائے گا اور اس کا خشوع وخضوع باقی نہیں رہے گا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: یہ بات اس وقت مکروہ ہے جب نمازی کا ذہن اس کی طرف جائے اور اگر یہ بات نہ ہو تو پھر کچھ حرج نہیں، ہم ٹرینوں میں اسی طرح نماز پڑھتے ہیں، لوگ سیٹوں پر بیٹھے باتیں کرتے ہیں، اور ان کے منہ ہماری طرف ہوتے ہیں اور ہم ان کے درمیان مصلی بچھا کر نماز پڑھتے ہیں اور ہمارا ذہن ان کی طرف نہیں جاتا، پس یہ مکروہ نہیں، چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں: میں اس کی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ آدمی آدمی کی نماز کو قطع نہیں کرتا، یعنی کسی کے نمازی کی طرف منہ کر کے بیٹھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، لیکن اگر قطع صلوٰۃ سے قطع وصلہ یعنی توجہ کا بٹنا مراد لیا جائے تو بات حضرت عثمانؓ کی صحیح ہے، کیونکہ عام طور پر توجہ بٹتی ہے، لیکن اگر فرض کرو کہ ذہن اس شخص کی طرف نہ جائے، اور اس کے نمازی کی طرف منہ کر کے بیٹھنے سے نماز میں کوئی خلل نہ پڑے تو حضرت زیدؓ کا ارشاد بھی صحیح ہے۔

حدیث: مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس بات کا تذکرہ آیا کہ کیا چیز نماز کو خراب کرتی ہے؟ پس لوگوں نے کہا: نماز کو کتا، گدھا اور عورت خراب کرتی ہے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تم نے ہم کو کتّا بنا دیا! میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپؐ نماز پڑھتے تھے درانحالیکہ میں آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان چارپائی پر لیٹی ہوتی تھی، پس جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی تو میں آپؐ کے سامنے بیٹھنے کو ناپسند کرتی (باب سے یہی جزء متعلق ہے) چنانچہ میں پائینتی کی طرف آہستہ سے کھسک جاتی۔

اور اعمشؒ اس حدیث کو ابراہیم سے، وہ اسود سے، وہ عائشہ سے اسی طرح روایت کرتے ہیں، یعنی اعمش سے اوپر اس حدیث کی دو سندیں ہیں۔

تشریح: یہ حدیث چند ابواب پہلے بھی گذری ہے۔ نبی ﷺ نماز پڑھتے تھے اور حضرت عائشہؓ سامنے قبلہ کی جانب میں چارپائی پر لیٹی ہوتی تھیں، جب ان کو کوئی ضرورت پیش آتی تو وہ پائینتی کی طرف کھسک جاتیں اور وہ یہ تکلف اس لئے کرتیں تھیں کہ نماز میں نبی ﷺ کی طرف منہ کرنے کو وہ پسند نہیں کرتی تھیں، معلوم ہوا کہ نمازی کی طرف منہ کر کے نہیں بیٹھنا چاہئے اور یہی باب کا مدعی ہے۔

بابُ الصَّلاَۃِ خَلْفَ النَّائِمِ

سونے والے کے پیچھے نماز پڑھنا

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سو رہا ہے اور دوسرا اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں ـــــ یہ بھی سترہ کی تعمیم کا باب ہے گویا حضرتؒ کے نزدیک اس شخص نے سونے والے کو سترہ بنایا، اسی طرح اوپر والے باب میں جو سامنے منہ کر کے بیٹھا ہے اس کو سترہ بنایا ہے، مگر حقیقت میں یہ سترہ بنانا نہیں ہے۔

[۱۰۳-] بابُ الصَّلاَۃِ خَلْفَ النَّائِمِ

[۵۱۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: نَا یَحْیٰ، قَالَ: نَا ھِشَامٌ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ أَبِیْ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیه وسلم یُصَلِّیْ وَأَنَا رَاقِدَۃٌ مُعْتَرِضَۃٌ عَلٰی فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ یُوْتِرَ أَیْقَظَنِیْ فَأَوْتَرْتُ. [راجع: ۳۸۲]

ترجمہ: صدیقہؓ کہتی ہیں: نبی ﷺ نماز پڑھتے تھے درانحالیکہ میں آپؐ کے بستر پر آڑی لیٹی ہوئی ہوتی تھی، پس جب آپؐ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مجھے بیدار کرتے، پس میں اٹھ کر وتر پڑھتی۔

تشریح: اوپر جو حدیث گذری ہے اس میں یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چارپائی پر لیٹی ہوئی ہوتی تھیں اور اس حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بستر نیچے بچھا ہوا تھا اور آپؐ اس پر نماز پڑھتے تھے اور اسی پر حضرت عائشہؓ سامنے لیٹی ہوئی ہوتی تھیں، یہ تعارض نہیں، اس لئے کہ یہ الگ الگ واقعات ہیں۔

اور آنحضور ﷺ تہجد میں ازواج مطہرات کو بیدار نہیں کرتے تھے، وہ خود اٹھیں تو ان کی مرضی، آپؐ رمضان کے آخری عشرہ کے علاوہ ازواج کو بیدار نہیں کرتے تھے، البتہ ازواج مطہرات وتر آخر رات میں پڑھتی تھیں اس لئے جب صبح صادق کا وقت قریب آتا تو آپؐ ان کو وتروں کے لئے بیدار فرماتے۔

بابُ التَّطَوُّعِ خَلْفَ الْمَرْأَةِ

عورت کے پیچھے نفل نماز پڑھنا

یہ بھی سترہ کی تعمیم کا باب ہے، اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ عورت کو بطور سترہ استعمال کرنا جائز ہے، اور باب میں وہی حدیث ہے جو ابھی گذری کہ حضرت عائشہؓ سامنے لیٹی ہوئی ہوتی تھیں اور نبی ﷺ ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ عورت کو سترہ بنا سکتے ہیں مگر یہ استدلال غور طلب ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ جو حضرت عائشہؓ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے تو مقصود سترہ بنانا نہیں تھا، پس باب کیسے ثابت ہوگا؟

[١٠٤-] بابُ التَّطَوُّعِ خَلْفَ الْمَرْأَةِ

[٥١٣-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِيْ النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهَا قَالَتْ: كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَرِجْلاَيَ فِيْ قِبْلَتِهِ، فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِيْ فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا، قَالَتْ: وَالْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ. [راجع: ٥٨٢]

ملحوظہ: اس حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب الصلوٰۃ (باب۲۲) میں پڑھیں۔

بابُ مَنْ قَالَ لاَ يَقْطَعُ الصَّلاَةَ شَيْئٌ

ایک رائے یہ ہے کہ نماز کسی چیز سے فاسد نہیں ہوتی

ابواب السترہ پورے ہوئے، اب یہاں سے آخر تک جو ابواب ہیں وہ دفع دخل مقدر کے طور پر لائے گئے ہیں، اوپر

امام بخاریؒ نے فرمایا تھا کہ عورت کو سترہ بنا سکتے ہیں اس پر کوئی اعتراض کرسکتا ہے کہ سترہ کا مقصد نماز کا تحفظ ہے، جو عورت کو سترہ بنانے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ بعض فقہاء تو یہ کہتے ہیں کہ اگر نمازی کے سامنے سے عورت گذر جائے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے، پس عورت کو سترہ بنانا کیونکر صحیح ہوگا؟ امام بخاریؒ نے یہ ابواب قائم کرکے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ نمازی کے سامنے سے عورت کے گذرنے سے اور عورت کو چھونے سے اور عورت کے بدن کے ساتھ نمازی کا بدن لگنے سے نہ نماز فاسد ہوتی ہے نہ نماز میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے۔ احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے اور عورت کو سترہ بنانے میں زیادہ سے زیادہ مجاورت یا محاذات ہوگی یعنی عورت کے پڑوس میں یا عورت کو سامنے کرکے نماز پڑھنا ہوگا، اور جب عورت کا مرور، عورت کا لمس اور عورت کے ساتھ اتصال بدنی مفسد صلوٰۃ نہیں تو عورت کو سترہ بنانے میں کیا حرج ہے؟ غرض یہ ابواب دفع دخل مقدر کے طور پر لائے گئے ہیں اور ان میں متشددین کے تشدد کا جواب بھی ہے اور مسئلہ کی وضاحت بھی ہے۔

ملحوظہ: باب میں قَالَ مصری نسخہ سے بڑھایا ہے اور میں نے پہلے بتایا ہے کہ جب حضرت باب میں من قال کہتے ہیں تو دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلاتے ہیں، اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے اگر عورت گذر جائے تو نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی اور یہی امام بخاریؒ کی بھی رائے ہے، اس کی مزید تفصیل ابواب السترہ کے پہلے باب میں (نمبر۳ کے ضمن میں) پڑھیں۔

[۱۰۵-] بابُ مَنْ قَالَ لاَ يَقْطَعُ الصَّلاَةَ شَيْئٌ

[۵۱۴-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، قَالَ: ثَنَا أَبِى، قَالَ: نَا الأَعْمَشُ، قَالَ: نَا إِبْرَاهِيْمُ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، ح: قَالَ الأَعْمَشُ: وَحَدَّثَنِىْ مُسْلِمٌ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلاَةَ: الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرأَةُ، فَقَالَتْ: شَبَّهْتُمُوْنَا بِالْحُمَرِ وَالْكِلاَبِ، وَاللهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِىَّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّىْ، وَإِنِّى عَلَى السَّرِيْرِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ مُضْطَجِعَةٌ فَتَبْدُوْلِىَ الْحَاجَةُ فَأَكْرَهُ أَنْ أَجْلِسَ فَأُوْذِىَ النَّبِىَّ صلى الله عليه وسلم فَأَنْسَلُّ مِنْ عِنْدِ رِجْلَيْهِ. [راجع: ۳۸۲]

وضاحت: اس حدیث میں تحویل ہے، تحویل کبھی مصنف کی طرف سے ہوتی ہے اس کی بے شمار مثالیں ہیں، اور کبھی تحویل درمیان سند سے ہوتی ہے، یہاں ایسا ہی ہے۔ اعمش تک حدیث کی ایک سند ہے اور اعمش کے بعد دو سندیں ہیں، پہلی سند ابراہیم کے طریق سے ہے اور دوسری مسلم کے طریق سے اور دونوں سندیں حضرت عائشہؓ پر پہنچتی ہیں ....

الکلب والحمار والمرأۃ: ما موصولہ کا بیان ہے اور مِن بیانیہ پوشیدہ ہے یا یہ ھو مبتداء محذوف کی خبر ہیں............ فتبدو لی الحاجۃ: پس میرے لئے کوئی حاجت ظاہر ہوتی یعنی استنجے وغیرہ کا تقاضہ ہوتا تو میں چارپائی پر کھڑی نہیں ہوتی تھی، بلکہ لیٹے لیٹے ہی پیروں کی طرف سے پائینتی کی طرف سرک جاتی تھی پھر کھڑی ہوتی تھی اور یہ تکلف اس لئے کرتی تھی کہ نبی ﷺ

کی نماز خراب نہ ہو۔

[۵۱۵-] حَدَّثَنِیْ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِیْمَ، قَالَ: أَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِیْمَ، قَالَ: نَا ابْنُ أَخِیْ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ سَأَلَ عَمَّهُ عَنِ الصَّلاَةِ: یَقْطَعُهَا شَیْئٌ؟ قَالَ: لاَ یَقْطَعُهَا شَیْئٌ، أَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَیْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم قَالَتْ: لَقَدْ کَانَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم یَقُوْمُ فَیُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ، وَإِنِّیْ لَمُعْتَرِضَةٌ بَیْنَهُ وَبَیْنَ الْقِبْلَةِ عَلٰی فِرَاشِ أَهْلِهِ.[راجع: ۳۸۲]

وضاحت: محمد بن عبداللہ نے جو امام زہری رحمہ اللہ کے بھتیجے ہیں اپنے چچا سے پوچھا: کیا کسی چیز سے نماز فاسد ہوتی ہے؟ ابن شہاب نے فرمایا: کسی چیز سے نماز فاسد نہیں ہوتی —— طالب علم سوال کرتا ہے: بہت سی چیزوں سے نماز فاسد ہوجاتی ہے پھر ابن شہاب نے یہ کیوں کہا کہ کسی چیز سے نماز فاسد نہیں ہوتی؟ جواب یہ ہے کہ شیئ اگرچہ عام ہے مگر حقیقت میں خاص ہے، یعنی سائل کا منشا کتّے گدھے اور عورت کے بارے میں دریافت کرنا ہے کہ ان کے گذرنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ ابن شہاب نے جواب دیا کہ ان کے گذرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

بابٌ إِذَا حَمَلَ جَارِیَةً صَغِیْرَةً عَلٰی عُنُقِهِ فِی الصَّلاَةِ

چھوٹی لڑکی کو گردن پر بٹھا کر نماز پڑھنا

ایک مرتبہ جب تکبیر ہوگئی تو نبی ﷺ اپنی نواسی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی امامہ بنت ابی العاصؓ کو کندھے پر بٹھا کر مسجد میں تشریف لائے اور اسی حال میں نماز پڑھائی، جب رکوع وسجود کرتے تو بچی کو نیچے رکھ دیتے، اگلی رکعت میں پھر کندھے پر اٹھا لیتے۔

اس طرح نماز پڑھنے کی وجہ کیا تھی؟ کیا اس بچی کو دس منٹ کے لئے کوئی رکھنے والا نہیں تھا؟ آنحضور ﷺ کے نو گھر تھے اور تمام مسلمان شمع نبوت کے پروانے تھے اس لیے ایسا سمجھنا نادانی ہے۔

بلکہ آپؐ نے بالقصد یہ عمل کیا تھا اور مسئلہ کی وضاحت کے لئے کیا تھا، اور یہ زندگی میں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے، بعض مرتبہ آدمی ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں خطرہ ہوتا ہے، درندہ بچے کو پھاڑ کھائے گا یا اغواء کرنے والا اچک لے جائے گا، ایسی صورت میں آدمی کیا کرے؟ کیا نماز قضا کرے؟ نہیں بچہ کو اٹھا کر نماز پڑھے اور کبھی بچہ بدک جاتا ہے، ماں سے جدا نہیں ہوتا، اور گھر میں کوئی دوسرا رکھنے والا نہیں، ایسی صورت میں ماں بچہ کو اٹھا کر نماز پڑھے گی، نماز قضا نہیں کرے گی، مگر شرط یہ ہے کہ بچہ کا بدن اور کپڑے پاک ہوں۔

غرض آپؐ نے مسئلہ کی وضاحت کے لئے یہ عمل کیا ہے، پس یہ حدیث ہے سنت نہیں، مگر راوی نے اس کو ماضی استمراری کے صیغے سے بیان کیا ہے جس سے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ آپؐ نے یہ عمل بار بار کیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے مگر روات جواز کے

استمرار کو بتلانے کے لئے ایک مرتبہ کے فعل کو ماضی استمراری سے ذکر کرتے ہیں، کتاب الحج میں آپ کو اس کی بہت مثالیں ملیں گی، نبی ﷺ نے صرف ایک حج کیا ہے پس افعال حج بھی ایک ہی مرتبہ کئے ہیں مگر راوی ان کو ماضی استمراری سے بیان کرتا ہے، اس لئے کہ آپؐ کے فعل سے جو جواز ثابت ہوتا ہے وہ مستمر ہے، اسی طرح آپؐ نے اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں صرف ایک مرتبہ بچی کو اٹھا کر نماز پڑھائی ہے مگر اس سے جو جواز نکلتا ہے وہ مستمر ہے اس لئے راوی نے اس کو ماضی استمراری سے تعبیر کیا ہے۔

فائدہ: یورپ اور امریکہ میں بعض لوگ ناسمجھ بچوں کو مسجد میں لے کر آتے ہیں اور مسجد میں لا کر ان کو چھوڑ دیتے ہیں وہ صفوں میں یہاں وہاں دوڑتے پھرتے ہیں اور لوگوں کی نماز خراب کرتے ہیں، ان سے کچھ کہا جائے تو وہ فوراً یہ حدیث پیش کرتے ہیں میں ان سے کہتا ہوں: آپ کو اگر حدیث پر عمل کرنا ہے تو بچہ کو گود میں لے کر نماز پڑھو، اس کو مسجد میں چھوڑ کیوں دیتے ہو؟ اور ابن ماجہ میں حدیث ہے: جنِّبوا صِبْيَانكم مساجدكم: اپنی مسجدوں کو اپنے (ناسمجھ) بچوں سے بچاؤ، جب تک بچے پاکی ناپاکی نہ سمجھیں اور مسجد کا احترام نہ جانیں: بچوں کو مسجد میں نہیں لانا چاہئے، یہی سنت ہے اور مذکورہ واقعہ صرف حدیث ہے جو مسئلہ کی وضاحت کے لئے ہے۔

[۱۰۶-] بابٌ إِذَا حَمَلَ جَارِيَةً صَغِيْرَةً عَلٰى عُنُقِهِ فِي الصَّلاَةِ

[۵۱۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ الأَنْصَارِيِّ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَلِأَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا. [انظر: ۵۹۹۶]

وضاحت: على عُنقه: کی دو شکلیں ہیں، ایک شکل یہ ہے کہ بچہ کو کندھے پر بٹھائے اور دونوں پیر آگے پیچھے نکال دے، اور دوسری شکل یہ ہے کہ پیچھے گردن پر بٹھائے اور دونوں پیر دونوں جانبوں سے آگے کر دے، حدیث میں دونوں لفظ آئے ہیں، عنق لفظ بھی آیا ہے اور عاتق لفظ بھی آیا ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے بچی کو کندھے پر بٹھایا ہوگا اس لئے کہ گردن پر بٹھانے میں رکوع میں جاتے وقت بچی کو زمین پر رکھنے میں اور اگلی رکعت میں دوبارہ گردن پر بٹھانے میں عمل کثیر کرنا پڑے گا، اور کندھے سے اتار کر رکھنے میں اور دوبارہ بٹھانے میں عمل قلیل ہوگا، اور آسانی بھی ہوگی، اور جارية صغيرة کی قید اتفاقی ہے، بڑے آدمی کو بھی پیٹھ پر لاد کر نماز پڑھ سکتے ہیں، بس شرط یہ ہے کہ اس کے کپڑے اور بدن پاک ہوں۔

بابٌ إِذَا صَلَّى إِلٰى فِرَاشٍ فِيْهِ حَائِضٌ

ایسے بستر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جس میں حائضہ ہے

وہ بستر جس پر حائضہ لیٹی ہے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں کچھ حرج نہیں، بلکہ اگر نمازی کا کپڑا حائضہ کو لگ

جائے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں، پھر عورت کو سترہ بنانے میں کیا حرج ہے؟ پس یہ باب بھی دفع دخل مقدر کے طور پر ہے۔

[۱۰۷-] بابٌ إِذَا صَلَّى إِلَى فِرَاشٍ فِيْهِ حَائِضٌ

[۵۱۷-] حدثنا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، قَالَ: نَا هُشَيْمٌ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِيْ خَالَتِي مَيْمُوْنَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ، قَالَتْ: كَانَ فِرَاشِيْ حِيَالَ مُصَلَّى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَرُبَّمَا وَقَعَ ثَوْبُهُ عَلَيَّ وَأَنَا عَلٰى فِرَاشِيْ.[راجع: ۳۳۳]

[۵۱۸-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، قَالَ: نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: نَا الشَّيْبَانِيُّ سُلَيْمَانُ، نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، قَالَ: سَمِعْتُ مَيْمُوْنَةَ تَقُوْلُ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ وَأَنَا إِلٰى جَنْبِهِ نَائِمَةٌ فَإِذَا سَجَدَ أَصَابَنِيْ ثَوْبُهُ وَأَنَا حَائِضٌ.[راجع: ۳۳۳]

وضاحت: یہ حدیثیں کتاب الحیض کے آخری باب میں گذر چکی ہیں، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا بستر نبی ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ کے بالکل سامنے ہوتا تھا اور وہ اس پر لیٹی ہوئی ہوتی تھیں اور آپ بستر کے پاس اتنے قریب نماز پڑھتے تھے کہ بعض مرتبہ آپ کا کپڑا حضرت میمونہؓ کو لگتا تھا، اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پہلو میں لیٹی ہوئی ہوتی تھیں، یہ تعارض نہیں، اس لئے کہ یہ الگ الگ موقعوں کی حدیثیں ہیں، اور جب آپ سجدہ فرماتے تو بعض مرتبہ آپ کا کپڑا حضرت میمونہؓ کو لگتا، اور وہ حالت حیض میں ہوتیں، معلوم ہوا کہ ایسے بستر کے سامنے جس پر حائضہ لیٹی ہو نماز پڑھنا صحیح ہے، پس عورت کو سترہ بنانا بھی صحیح ہے۔

بابٌ: هَلْ يَغْمِزُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ عِنْدَ السُّجُوْدِ لِكَيْ يَسْجُدَ؟

کیا سجدہ کرتے وقت آدمی اپنی بیوی کو ہاتھ لگا سکتا ہے تاکہ وہ سجدہ کرے؟

اس باب میں جو حدیث ہے وہ پہلے گذری ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قبلہ کی جانب میں لیٹی ہوئی ہوتی تھیں اور نبی ﷺ ان کے قریب نماز پڑھتے تھے اور بے خبری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پیر آپ کے سجدہ کی جگہ میں چلا جاتا تھا، پس جب آپ سجدہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو حضرت عائشہؓ کے پیر کو ہاتھ لگاتے، وہ پاؤں سکیڑ لیتیں پس آپ سجدہ فرماتے۔ اس صورت میں نمازی کا عورت کے ساتھ اتصال بدنی ہوتا ہے اور اس سے نماز میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی، پس عورت کو سترہ بنانے میں بھی کچھ حرج نہیں؟

[۱۰۸-] بابٌ: هَلْ يَغْمِزُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ عِنْدَ السُّجُوْدِ لِكَيْ يَسْجُدَ؟

[۵۱۹-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: نَا يَحْيىَ، قَالَ: نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، قَالَ: نَا الْقَاسِمُ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ

عنها، قَالَتْ: بِئْسَمَا عَدَلْتُمُوْنَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ، لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ وَرسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَسْجُدَ غَمَزَ رِجْلَيَّ فَقَبَضْتُهُمَا. [راجع: ۳۸۲]

قوله: بئسما عدلتمونا: تم لوگوں نے بہت ہی برا کیا کہ ہمیں کتوں اور گدھوں کے برابر کر دیا۔

بابُ الْمَرْأَةِ تَطْرُحُ عَنِ الْمُصَلِّىْ شَيْئًا مِنَ الْأَذٰى

عورت نمازی سے کوئی گندی چیز ہٹادے

اس باب کی حدیث بھی پہلے کتاب الوضوء (باب ۶۹) میں گذر چکی ہے: ایک مرتبہ نبی پاک ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط ملعون نے کہیں سے جانور کا میل لاکر آپؐ کی پیٹھ پر رکھ دیا، جس کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آکر ہٹایا، معلوم ہوا کہ اگر عورت نمازی سے قریب ہوجائے بلکہ اتصال بدنی ہوجائے تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ پس عورت کو سترہ بنانا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا اس لئے کہ سترہ بنانے میں صرف مجاورت یا محاذات ہوتی ہے۔

[۱۰۹-] بابُ الْمَرْأَةِ تَطْرُحُ عَنِ الْمُصَلِّىْ شَيْئًا مِنَ الْأَذٰى

[۵۲۰-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ السُّرْمَارِيُّ، قَالَ: نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: نَا إِسْرَائِيْلُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: بَيْنَمَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَائِمٌ يُصَلِّيْ عِنْدَ الْكَعْبَةِ، وَجَمْعُ قُرَيْشٍ فِيْ مَجَالِسِهِمْ، إِذْ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ: أَلَا تَنْظُرُوْنَ إِلٰى هٰذَا الْمُرَائِيْ؟ أَيُّكُمْ يَقُوْمُ إِلٰى جَزُوْرِ آلِ فُلَانٍ، فَيَعْمِدُ إِلٰى فَرْثِهَا وَدَمِهَا وَسَلَاهَا، فَيَجِيْءُ بِهِ، ثُمَّ يُمْهِلُهُ حَتّٰى إِذَا سَجَدَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ؟ فَانْبَعَثَ أَشْقَاهُمْ، فَلَمَّا سَجَدَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، وَثَبَتَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم سَاجِدًا، فَضَحِكُوْا حَتّٰى مَالَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنَ الضَّحِكِ، فَانْطَلَقَ مُنْطَلِقٌ إِلٰى فَاطِمَةَ وَهِيَ جُوَيْرِيَةٌ، فَأَقْبَلَتْ تَسْعٰى وَثَبَتَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم سَاجِدًا حَتّٰى أَلْقَتْهُ عَنْهُ، وَأَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَسُبُّهُمْ، فَلَمَّا قَضٰى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الصَّلَاةَ، قَالَ: " اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ! اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ! اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ!" ثُمَّ سَمّٰى: " اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِعَمْرِو بْنِ هِشَامٍ، وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ، وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ، وَالْوَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِيْ مُعَيْطٍ وَعُمَارَةَ بْنِ الْوَلِيْدِ" قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَوَ اللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُهُمْ صَرْعٰى يَوْمَ بَدْرٍ، ثُمَّ سُحِبُوْا إِلَى الْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ، ثُمَّ قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " وَأُتْبِعَ أَصْحَابُ الْقَلِيْبِ لَعْنَةً"

[راجع: ۲۴۰]

نوٹ: حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب الوضوء (باب ۶۹) میں پڑھیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کِتَابُ مَوَاقِیْتِ الصَّلٰوۃِ

نماز کے اوقات کا بیان

بابُ مَوَاقِیْتِ الصَّلٰوۃِ وَفَضْلِهَا

نماز کے اوقات اور ان کی اہمیت

مواقیت: میقات کی جمع ہے، اس کے دو معنی ہیں: مقررہ جگہ، اور مقررہ وقت، کتاب الحج میں میقات کے معنی ہیں: مقررہ جگہ یعنی وہ جگہیں جہاں سے احرام باندھنا ضروری ہے، اور یہاں معنی ہیں: مقررہ وقت۔

اور اس باب میں دو مضمون ہیں: ایک: نماز کے اوقات کا بیان ہے، دوسرا: نماز کی اہمیت کا بیان ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں سورۃ النساء کی آیت (۱۰۳) لکھی ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَوْقُوْتًا﴾: بیشک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اوقات کا لحاظ کر کے، کتاباً مصدر: مکتوب اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ کَتَبَ قرآن مجید میں فَرَضَ کے معنی میں بھی آیا ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿یٰأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ﴾: اے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے فرض کئے گئے۔ اور موقوتاً: وَقَتَ یَقِتُ (ض) سے اسم مفعول ہے اس کے معنی ہیں: وقت مقرر کیا ہوا، پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے اوقات مقرر ہیں، انہی اوقات میں نماز پڑھنی ضروری ہے۔ اور حدیث میں ہے: إن لِلصَّلٰوۃ أولاً و آخِرًا: نماز کے اوقات کی ابتداء اور انتہاء ہے (ترمذی) شیعہ کہتے ہیں: نمازیں پانچ ہیں، اور ان کے اوقات تین ہیں، صبح صادق سے طلوع شمس تک فجر کا وقت ہے اور زوال سے غروب تک ظہر اور عصر کا وقت ہے، اور غروب سے صبح صادق تک مغرب اور عشاء کا وقت ہے، شیعوں کی یہ بات اس آیت اور اس حدیث کے خلاف ہے، اور ائمہ اربعہ کے نزدیک ہر نماز کا وقت الگ ہے، ہر نماز اسی کے وقت میں پڑھنی ضروری ہے، البتہ ائمہ ثلاثہ اعذار کی صورت میں ظہرین اور عشائین کے درمیان جواز جمع کے قائل ہیں، جمع حقیقی کے بھی اور جمع صوری کے بھی، اور احناف کے نزدیک کسی بھی حالت میں جمع حقیقی جائز نہیں، البتہ جمع صوری کی گنجائش ہے، یعنی ایک نماز کو اس کے آخر وقت میں پڑھنا اور دوسری نماز کو اس کے اول وقت میں، یہ جمع صوری ہے، اس کی گنجائش ہے، تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

احناف کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے: ﴿كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾ فرمایا ہے اور کتاب اللہ پر زیادتی حدیث متواتر ہی سے ہوسکتی ہے، یا (عند البعض) حدیثِ مشہور سے ہوسکتی ہے، جیسے عرفہ میں ظہر اور عصر کو ایک ساتھ ظہر کے وقت میں پڑھتے ہیں اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ عشاء کے وقت میں پڑھتے ہیں، یہ تواتر سے ثابت ہے، پس کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے چنانچہ پوری امت متفق ہے کہ عرفہ میں اور مزدلفہ میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر کی جائے گی، مگر اعذار کی وجہ سے جمع کے سلسلہ میں جو روایتیں ہیں اولاً تو وہ صریح نہیں، ان میں جمع صوری کا احتمال ہے، صرف ایک حدیث صریح ہے جو ترمذی میں ہے، مگر وہ انتہائی ضعیف ہے، اس کے علاوہ جتنی حدیثیں ہیں ان میں جمع صوری کا احتمال ہے اور وہ خبر واحد ہیں، پس ان سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں۔

فائدہ (۱): اوقاتِ نماز کے سلسلہ میں بنیادی حدیثیں تین ہیں اور وہ حدیثیں ترمذی شریف میں کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں ہیں، ان حدیثوں کی روشنی میں دو وقتوں میں اختلاف ہوا ہے:

اول: ظہر کے آخر وقت میں، پس عصر کے اول وقت میں بھی اختلاف ہوگا، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک ظہر کا وقت ہر چیز کا سایہ (سایۂ اصلی کے علاوہ) ایک مثل ہونے تک رہتا ہے، اور دوسرے مثل سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ سے چار قول مروی ہیں:

۱- جمہور کے موافق۔ ترکی اور عراق کے احناف کا اسی قول پر فتوی اور عمل ہے۔

۲- دو مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے اور تیسرے مثل سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، یہ ظاہر روایت ہے اور متون میں اسی کو لیا گیا ہے، برصغیر کے احناف اسی قول پر فتوی دیتے ہیں۔

ظاہر روایت اس قول کو کہتے ہیں جو امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابوں: جامع کبیر، جامع صغیر، سیر کبیر، سیر صغیر، زیادات اور کتاب الاصل (مبسوط) میں مذکور ہو، مگر علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ میں نے مذکورہ کتابوں میں سے کسی کتاب میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا (معارف السنن ۲:۹) البتہ موطا محمد (۲:۴۴) میں یہ مسئلہ مذکور ہے اور اس میں عصر کے اول وقت کا ذکر ہے، ظہر کا آخر وقت اس میں بھی مذکور نہیں، اسی وجہ سے بہت سے علماء احناف پہلے قول پر فتوی دیتے ہیں۔

۳- ظہر کا وقت ایک مثل تک اور عصر کا وقت تیسرے مثل سے ہے اور بیچ کا وقت مہمل ہے یعنی وہ نہ عصر کا وقت ہے نہ ظہر کا۔

۴- دوسرے مثل کے آخر میں چار رکعت کے بقدر مہمل وقت ہے، اور تیسرے مثل سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ یہ آخری دونوں قول مفتی بہ نہیں ہیں۔

ثانی: مغرب کے آخر وقت میں اختلاف ہوا ہے اور اس اختلاف کا اثر عشاء کے اول وقت پر پڑا ہے، اور یہ اختلاف شفق کے معنی کی تعیین میں ہوا ہے، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک شفق سے سرخی مراد ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک

سرخی اور سفیدی دونوں مراد ہیں۔ لہٰذا افق سے سرخی غائب ہوتے ہی جمہور کے نزدیک مغرب کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک سرخی اور سفیدی دونوں کے ختم ہونے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔

اور علامہ علاء الدین حصکفی رحمہ اللہ نے درمختار میں امام اعظم رحمہ اللہ کا صاحبین کے قول کی طرف رجوع نقل کیا ہے، مگر ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے (شامی ۲: ۱۷ کتاب الصلوٰۃ) اور دلائل کی روشنی میں امام اعظم رحمہ اللہ کا قول قوی ہے، اس لئے کہ ایک حدیث میں حین یَسْوَدُّ الْأُفُقُ آیا ہے، اور ظاہر ہے کہ افق سفیدی ختم ہونے کے بعد ہی سیاہ ہوتا ہے (ابوداؤد ا: ۵۷ باب المواقیت)

فائدہ (۲): شفق صرف سرخی کا نام ہے یا سرخی اور سفیدی دونوں کا؟ یہ اختلاف دورِ صحابہ سے چلا آرہا ہے، جمہور نے ان صحابہ کی رائے لی ہے جو صرف سرخی کو شفق قرار دیتے ہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ نے ان صحابہ کے قول کو اختیار کیا ہے جو دونوں کو شفق کہتے ہیں، مگر ظہر کے آخر وقت میں جو اختلاف ہوا ہے وہ مجتہدین کے درمیان ہوا ہے اور روایات میں تطبیق دینے کی وجہ سے ہوا ہے، جمہور نے حدیث جبرئیل پر مدار رکھا ہے جو ترمذی میں ہے، کیونکہ وہ صریح ہے، حدیث جبرئیل کا حاصل یہ ہے کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور دوسرے مثل سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، مگر امام اعظمؒ نے اس کو فیصلہ کن نہیں سمجھا کیونکہ اس میں نسخ کا احتمال ہے، اس لئے کہ بعض ایسی روایتیں موجود ہیں جن سے مثل ثانی میں ظہر کا وقت ہونے کا احتمال پیدا ہوتا ہے مثلاً آئندہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث آرہی ہے کہ ایک سفر میں نبی ﷺ نے نمازِ ظہر میں اتنی تاخیر فرمائی کہ ٹیلوں کے سایے نمودار ہوگئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ٹیلوں کے سایے ٹیلوں کے برابر ہوگئے، اور جزیرۃ العرب آج بھی موجود ہے جو چاہے مشاہدہ کرسکتا ہے، ایک مثل پر ٹیلوں کے سایے نمودار نہیں ہوتے، اس قسم کی احادیث سے حدیث جبرئیل میں نسخ کا احتمال پیدا ہوتا ہے، اس لئے امام اعظمؒ نے حدیث جبرئیل کو فیصلہ کن نہیں سمجھا اور امام اعظمؒ کا مزاج بھی یہ ہے کہ وہ عبادات میں اس نص کو لیتے ہیں جس میں احتیاط ہوتی ہے، جو شخص جمہور کی رائے کے مطابق شفق احمر غروب ہوتے ہی عشاء پڑھ لے گا یا مثل ثانی میں عصر پڑھے گا تو اس کی نماز میں شک باقی رہے گا اس لئے کہ نفس الامر میں شفق ابیض مغرب کا وقت بھی ہوسکتا ہے اور مثل ثانی ظہر کا وقت بھی ہوسکتا ہے پس اگر بات ایسی ہوئی تو نہ اس کی نماز ہوگی اور نہ ذمہ فارغ ہوگا جبکہ شفق ابیض میں مغرب پڑھنے والے کی اور مثل ثانی میں ظہر پڑھنے والے کی نماز بالیقین ہوجائے گی، خواہ ادا ہو یا قضا۔

علاوہ ازیں عصر کے معنی ہیں: نچوڑنا، اس لفظ کے مفہوم میں اس طرف اشارہ ہے کہ عصر کی نماز دن کا اکثر وقت گذر جانے کے بعد پڑھنی چاہئے۔ غرض امام اعظم رحمہ اللہ کے قول میں احتیاط کے علاوہ لفظ عصر کے مفہوم پر عمل کرنا بھی پایا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۹- کِتَابُ مَوَاقِیْتِ الصَّلاَۃِ

[۱-] بابُ مَوَاقِیْتِ الصَّلاَۃِ وَفَضْلِھَا

وَقَوْلُهُ تَعَالٰی: ﴿إِنَّ الصَّلاَةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَوْقُوْتًا﴾ [النساء: ۱۰۳]: مَوَقَّتًا: وَقَّتَهُ عَلَيْهِمْ.

[۵۲۱-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ أَخَرَّ الصَّلاَةَ يَوْمًا، فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَخَّرَ الصَّلاَةَ يَوْمًا، وَهُوَ بِالْعِرَاقِ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ أَبُوْ مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ: مَا هٰذَا يَا مُغِيْرَةُ؟ أَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ جِبْرِيْلَ عليه السلام نَزَلَ فَصَلّٰى، فَصَلّٰى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ قَالَ: "بِهٰذَا أُمِرْتَ" فَقَالَ عُمَرُ لِعُرْوَةَ: اعْلَمْ مَا تُحَدِّثُ بِهِ! أَوَ إِنَّ جِبْرِيْلَ هُوَ أَقَامَ لِرسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَقْتَ الصَّلاَةِ؟ قَالَ عُرْوَةُ: كَذٰلِكَ كَانَ بَشِيْرُ بْنُ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْهِ. [انظر: ۳۲۲۱، ۴۰۰۷]

[۵۲۲-] قَالَ عُرْوَةُ: وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّيْ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِيْ حُجْرَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ. [انظر: ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۳۱۰۳]

قولہ: مُوَقَّتًا: یہ امام بخاری رحمہ اللہ نے موقوتا کے معنی بیان کئے ہیں، عربی میں جب کسی لفظ کا ترجمہ کرتے ہیں تو مجرد کا ترجمہ مزید سے اور مزید کا ترجمہ مجرد سے کرتے ہیں، عربی کا ترجمہ دوسری زبانوں میں تو آسان ہے مگر عربی کا عربی میں ترجمہ مشکل ہے، اس لئے کہ عربی میں کوئی دو لفظ بالکلیہ مترادف نہیں، جب عربی میں ترادف حقیقی نہیں تو عربی کا عربی میں ترجمہ کیسے کریں گے؟ اس لئے ترجمہ کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ مجرد کا ترجمہ مزید سے اور مزید کا ترجمہ مجرد سے کیا جائے۔ حضرتؒ نے موقوتا (مجرد) کا ترجمہ مُوَقَّتًا (مزید) سے کیا ہے، پھر مزید وضاحت کے لئے فعل ماضی **وقت علیھم** لائے ہیں، تینوں لفظوں کا ایک ہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نمازیں متعین اوقات میں فرض کی ہیں۔

حدیث: ابن شہاب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک دن نماز میں تاخیر کی، پس ان کے پاس حضرت عروہؒ تشریف لے گئے، اور ان کو بتایا کہ ایک دن حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نماز میں تاخیر کی درانحالیکہ وہ

عراق میں تھے یعنی عراق کے گورنر تھے، پس ان کے پاس حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور ان سے کہا: اے مغیرہ یہ کیا ہے؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اترے، پس انھوں نے نماز پڑھائی پس نبی ﷺ نے نماز پڑھی، پھر (یعنی دوسرے وقت میں) نماز پڑھائی، پس آپؐ نے نماز پڑھی۔ پھر نماز پڑھائی پس آپؐ نے نماز پڑھی، پھر نماز پڑھائی پس آپؐ نے نماز پڑھی، پھر نماز پڑھائی پس آپؐ نے نماز پڑھی، پھر حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا: آپؐ کو اس کا حکم دیا گیا ہے۔ پس حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عروہ سے کہا: جان لو تم، کیا حدیث بیان کرتے ہو، کیا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو نماز پڑھا کر اوقات نماز کی تعلیم دی؟ عروہ نے کہا: بشیر بن ابی مسعود اپنے والد سے اسی طرح روایت کرتے تھے ـــــ عروہ نے کہا: مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی ﷺ عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے درانحالیکہ دھوپ ان کے کمرے میں ہوتی تھی، ابھی دیوار پر چڑھی نہیں ہوتی تھی۔

تشریح:

۱- قرأتُ علی مالکٍ: امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں موطا مالک پڑھنے کے لئے مخصوص طالب علم ہوتا تھا، وہی عبارت پڑھتا تھا، ہر کسی کو عبارت پڑھنے کی اجازت نہیں تھی، عبداللہ بن مسلمہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے خود امام مالکؒ کے سامنے پڑھا ہے۔

۲- جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ مدینہ منورہ کے گورنر تھے ایک دن انھوں نے عصر کی نماز میں تاخیر کی، کسی کام میں مشغول ہونگے اس لئے وقت پر نماز پڑھانے نہیں آئے، پس حضرت عروہ رحمہ اللہ ان کے گھر گئے اور ان کو مذکورہ حدیث سنائی کہ جب نمازیں فرض کی گئیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر نماز کے وقت میں آکر آنحضور ﷺ کی امامت کرتے تھے، اس حدیث میں جو ثم ثم ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ پانچوں نمازیں جداگانہ اوقات میں ادا کی جانی چاہئیں۔

جاننا چاہئے کہ یہ ایک اتفاقی امر تھا، تاخیر کرکے نماز پڑھنا حضرت عمر کا معمول نہیں تھا، چنانچہ حدیث میں یومًا ہے یعنی یہ ایک دن کا واقعہ ہے۔ اور ایک حدیث میں شیئًا بھی ہے، یعنی تھوڑی تاخیر ہوئی تھی مکروہ وقت شروع نہیں ہوا تھا۔

۳- جب نمازیں فرض کی گئیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو دن بیت اللہ کے پاس آپؐ کی امامت فرمائی، پہلے دن تمام نمازیں اول وقت میں پڑھائیں اور دوسرے دن تمام نمازیں مستحب وقت کی رعایت کرکے آخر وقت میں پڑھائیں، پھر فرمایا: یہ گذشتہ انبیاء کا وقت ہے اور ان اوقات کے درمیان نمازوں کا وقت ہے۔

جاننا چاہئے کہ پانچ نمازیں اس امت پر ہی فرض کی گئی ہیں، گذشتہ امتوں پر متفرق نمازیں فرض کی گئی تھیں، یعنی کسی پر دو اور کسی پر تین، نیز کسی پر ظہر وعصر اور کسی پر کوئی اور نماز فرض کی گئی تھی (مزید تفصیل تحفۃ الالمعی کتاب الصلوٰۃ کے اوائل میں ہے)

۴- جب حضرت عروہؒ نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو یہ حدیث سنائی تو انھوں نے فرمایا: ''جان لو کیا حدیث بیان کرتے ہو! یہ

وہی اعتراض ہے جو کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نمازوں کے مکلّف نہیں تھے، پس ان کی نماز نفل ہوئی، اور آنحضور ﷺ اور صحابہ پر نمازیں فرض تھیں، پس متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء لازم آئی، جبکہ حنفیہ کے نزدیک متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتدا درست نہیں؟ اس لئے فرمایا کہ اچھی طرح غور کر لو تم کیا حدیث بیان کرتے ہو! اعلم: عَلِمَ سے فعل امر ہے یا مضارع واحد متکلم؟ جواب: اس کا فعل امر ہونا متعین ہے، اگلا جملہ: أَوَ إِنَّ جبرئیل هو أقام إلخ: اس کی دلیل ہے، جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ اعتراض کیا تو حضرت عروہؒ نے جواب دیا کہ مجھ سے یہ حدیث بشیر بن ابی مسعودؓ نے اپنے ابا سے روایت کرتے ہوئے اسی طرح بیان کی ہے۔ حضرت عروہؒ کی ذمہ داری پوری ہوگئی، اعتراض کا جواب دینا ان کی ذمہ داری نہیں، یہ کام فقہاء اور شارحین کا ہے، محدثین کا کام بس حدیث کو سند کے ساتھ روایت کرنا ہے، سو وہ کام انھوں نے کر دیا۔

اور شارحین نے اس اعتراض کے متعدد جواب دیئے ہیں، مثلاً حضرت جبرئیل علیہ السلام عالم مثال میں امام تھے، اور عالم مشاہدہ میں آنحضور ﷺ امام تھے، اور صحابہ نے حضور اکرم ﷺ کی اقتداء کی تھی، اور مفترض و متنفل کی اقتداء کا مسئلہ عالم مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب بغرض تعلیم حضرت جبرئیلؑ کو نماز پڑھانے کا حکم ہوا تو دو دن کی نمازیں ان پر فرض ہوگئیں، اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے بذاتِ خود امامت نہیں کی تھی، بلکہ وقت ہونے پر آپؐ کو نماز پڑھانے کے لئے کہا تھا، پس أَمَّنی جبرئیل کا مطلب أَمَرَنی جبرئیل بالإمامة ہے۔

۵- دوسری حدیث کہ نبی ﷺ عصر کی نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے جب دھوپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ہوتی تھی، ابھی دھوپ دیوار پر نہیں چڑھی ہوتی تھی، یہ حدیث چند ابواب کے بعد (بابُ وقت العصر میں) آرہی ہے، وہاں اس حدیث کی شرح کریں گے۔

بابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿مُنِيْبِيْنَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَأَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

(فطرت کی پیروی کرو) اللہ کی طرف رجوع ہو کر اور اس سے ڈرو،

اور نماز کی پابندی کرو، اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہوؤ

اوپر جنرل عنوان تھا جو نماز کے اوقات کی اہمیت کے بارے میں تھا، پھر حضرتؒ نے ایک آیتِ کریمہ لکھی تھی جس کا اوقاتِ نماز سے تعلق تھا، اب اِس آیت میں نماز کی اہمیت کا بیان ہے۔ یہاں سے دور تک نماز کی اہمیت کے بارے میں ابواب ہیں، پھر اوقات کے سلسلہ کے ابواب شروع ہونگے، منیبین: اسم فاعل ہے أناب إليه (افعال) کے معنی میں: رجوع

ہونا، متوجہ ہونا۔

آیت کا ترجمہ: فطرت کی پیروی کرو یعنی دین پر قائم رہو، درانحالیکہ تم اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے ہو یعنی صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے دین پر عمل کرو، دین پر عمل کرنے کی کوئی اور غرض نہیں ہونی چاہئے، اور اللہ سے ڈرتے رہو یعنی ممنوعات شرعیہ کا ارتکاب مت کرو، اور خاص طور پر نماز کا اہتمام کرو، یہ تخصیص بعد التعمیم ہے ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ﴾ میں نماز بھی داخل تھی، مگر نماز کی اہمیت واضح کرنے کے لئے اس کا خاص طور پر ذکر کیا، یہی نماز کی فضیلت ہے۔

قاضی بیضاویؒ نے بیضاوی شریف میں تحریر فرمایا ہے: أقیموا الصلوٰۃ اور یقیمون الصلوٰۃ: أَقَامَ الْعُوْدَ سے ماخوذ ہیں، تیر بنانے والا تیر کی لکڑی کو آگ پر گرم کر کے بالکل سیدھا کرتا ہے اس میں ذرا کجی نہیں رہنے دیتا، تا کہ تیر صحیح نشانہ پر لگے۔ اس محاورہ سے اقامتِ صلوٰۃ کی تعبیر لی گئی ہے، اردو میں ہم اس کا ترجمہ کرتے ہیں: 'نماز کا اہتمام کرو' نماز کا اہتمام کرنا کیا ہے؟ تقریباً دو ہزار حدیثیں اس کی تفسیر کرتی ہیں۔ نماز کے تمام ارکان: فرائض، واجبات، سنن، مستحباب، آداب، مکروہات اور ممنوعات (جن سے نماز فاسد ہوتی ہے) ہر ایک کو تفصیل سے بیان کیا ہے، مسجدیں بنانے کا حکم دیا، اذان و جماعت کا نظام بنایا، امام و مؤذن کے اوصاف بیان کئے، نمازوں کے اوقات متعین کئے اور اوقات کے اول و آخر کو بیان کیا یہ سب چیزیں نماز کا اہتمام کرنے میں داخل ہیں۔

غرض: ﴿أَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ﴾ کی تخصیص نماز کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ أی بترك الصلوٰۃ: نماز چھوڑ کر مشرک مت بن جاؤ، یعنی ترک صلوٰۃ میں شرک کا خطرہ ہے، یہ ارشاد نماز کی اہمیت پر خاص طور پر دلالت کرتا ہے۔

اور ترکِ صلوٰۃ میں شرک کا خطرہ اس لئے ہے کہ ترکِ صلوٰۃ کے ڈانڈے (سرحدیں) شرک کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ جو قرآنِ کریم کے پہلے مترجم ہیں فرماتے ہیں: خواہش نفس کی وجہ سے نماز چھوڑنا شرک کی ایک نوعیت ہے، اللہ کا حکم ہے کہ نماز پڑھو، اور نفس کہتا ہے کہ مت پڑھو، پس تارکِ صلوٰۃ اللہ کا حکم ٹھکرا دیتا ہے اور نفس کی اطاعت کرتا ہے، پس یہ شرک کی ایک نوعیت ہے۔

اور مشہور حدیث ہے: بین الإیمان والکفر ترکُ الصلوٰۃ: ایمان و کفر کے درمیان نماز چھوڑنا ہے، جیسے بڑے روڈ میں جانے کا راستہ الگ اور آنے کا راستہ الگ ہوتا ہے اور درمیان میں ڈیوائڈر (Divider) ہوتا ہے جو نہ جانے والے روڈ کا حصہ ہوتا ہے اور نہ آنے والے کا، دونوں کے درمیان ہوتا ہے، اسی طرح ترکِ صلوٰۃ نہ ایمان کا حصہ ہے اور نہ کفر کا، وہ درمیانی مقام ہے اس کے ڈانڈے ایمان کے ساتھ بھی ملے ہوئے ہیں اور کفر کے ساتھ بھی، پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس نے نماز چھوڑ دی وہ کفر و شرک کے قریب پہنچ گیا۔ اب مشرک ہو جانے میں کیا دیر باقی رہ گئی؟ ایک قدم اٹھایا کہ شرک سے جاملا، بہر حال یہ حدیث اور یہ آیت نماز کی اہمیت پر دلالت کرتے ہیں۔

[۲-] بابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿مُنِيْبِيْنَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَأَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾[الروم: ۳۱]

[۵۲۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: نا عَبَّادٌ: وَهُوَ ابْنُ عَبَّادٍ، عَنْ أَبِيْ جَمْرَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلٰى رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالُوْا: إِنَّا هٰذَا الْحَيَّ مِنْ رَبِيْعَةَ، وَلَّسْنَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِيْ الشَّهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْنَا بِشَيْئٍ نَأْخُذُهُ عَنْكَ، وَنَدْعُوْ إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَ نَا، فَقَالَ:" آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: الإِيْمَانِ بِاللّٰهِ- ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ- شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنِّيْ رَسولُ اللّٰهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ، وَأَنْ تُؤَدُّوْا إِلَيَّ خُمْسَ مَا غَنِمْتُمْ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالْمُقَيَّرِ، وَالنَّقِيْرِ" [راجع: ۵۳]

وضاحت: یہ حدیث تفصیل سے کتاب الایمان (باب ۴۰) میں گذری ہے، وفد عبد القیس نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپؐ ہمیں جامع بات بتائیں تاکہ ہم خود بھی اس پر عمل کریں اور جو پیچھے ہیں ان کو بھی اس کی دعوت دیں، آپؐ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور شراب کے چار برتنوں سے منع کیا، اور پہلے بتایا تھا کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اس طرح سمجھا ہے کہ ایمان باللہ اصل ہے اور اقامتِ صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور مالِ غنیمت کا خمس: ایمان باللہ کی تفسیر ہیں۔ پھر یہ چاروں مل کر ایک بات ہیں، اور کتاب الایمان میں اس سے ایمان کی ترکیب پر استدلال کیا تھا کہ جب یہ چار باتیں ایمان باللہ کا جزء ہیں تو ایمان مرکب ہوا اور یہاں استدلال یہ ہے کہ جو تین چیزیں ایمان کے اجزاء ہیں ان میں سے ایک اقامتِ صلوٰۃ بھی ہے، پس اقامتِ صلوٰۃ کی فضیلت نکلی، اور اگر یہ کہا جائے کہ ایمان باللہ یعنی توحید و رسالت کا اقرار پہلی چیز ہے اور باقی تین باتیں: اقامتِ صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ اور ادائے خمس ہیں تو نماز کی اہمیت اس طرح نکلے گی کہ نبی ﷺ نے اعمال میں سب سے مقدم نماز کا تذکرہ فرمایا، اس تقدیم سے نماز کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

بابُ الْبَيْعَةِ عَلٰى إِقَامِ الصَّلٰوةِ

نماز کے اہتمام پر بیعت لینا

حضور اقدس ﷺ نے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے جو بیعت لی تھی، اس میں نماز کے اہتمام پر بھی بیعت لی تھی، اور نماز کے اہتمام میں اوقات صلوٰۃ کا لحاظ داخل ہے اور کسی بات پر بیعت لینا اس کے مہتم بالشان ہونے کی دلیل ہوتی ہے، پس اس حدیث سے نماز کی اہمیت نکلی اور اوقات نماز کی بھی، پس یہ حدیث جزل باب کے دونوں اجزاء سے متعلق ہے۔

[٣-] بابُ الْبَيْعَةِ عَلٰى إِقَامِ الصَّلٰوةِ

[٥٢٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: حَدَّثنا قَيْسٌ، عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: بَايَعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى إِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. [راجع: ٥٧]

وضاحت: اس حدیث کی شرح کتاب الایمان کے آخری باب میں پڑھیں۔اور بیعت کے لغوی اور اصطلاحی معنی کے لئے دیکھیں: تحفۃ القاری (۱:۲۲۱)

بَابٌ: الصَّلاَةُ كَفَّارَةٌ

نماز گناہوں کا کفارہ ہے

نماز میں خواہ وہ فرائض ہوں یا واجبات، سنن ہوں یا نوافل کفارۂ سیئات کی شان ہے، یہ بھی نماز کی فضیلت کی دلیل ہے۔اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ اچھائیاں برائیوں کو بہالے جاتی ہیں، یہ آیت عام ہے ہر نیکی کو شامل ہے،اور نماز کو خاص طور پر شامل ہے، یہی نماز کی فضیلت ہے۔

فائدہ: باب میں لفظ صلوٰۃ عام ہے، فرائض وواجبات اور سنن ونوافل سب کو شامل ہے اور آگے پانچ نمازوں کے بارے میں باب آرہا ہے، وہ خاص باب ہے۔دونوں بابوں میں بس اتنا ہی فرق ہے۔

[٤-] بَابٌ: الصَّلاَةُ كَفَّارَةٌ

[٥٢٥-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىَ، عَنِ الأَعْمَشِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ شَقِيْقٌ، قَالَ: سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ، قَالَ: كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ الْفِتْنَةِ؟ قُلْتُ: أَنَا، كَمَا قَالَهُ، قَالَ: إِنَّكَ عَلَيْهِ أَوْ: عَلَيْهَا لَجَرِيْءٌ، قُلْتُ: فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِيْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلاَةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالأَمْرُ وَالنَّهْيُ، قَالَ: لَيْسَ هٰذَا أُرِيْدُ، وَلٰكِنَّ الْفِتْنَةَ الَّتِيْ تَمُوْجُ كَمَا يَمُوْجُ الْبَحْرُ؟ قَالَ: لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا لَبَابًا مُغْلَقًا. قَالَ: أَيُكْسَرُ أَمْ يُفْتَحُ؟ قَالَ: يُكْسَرُ. قَالَ: إِذًا لاَ يُغْلَقُ أَبَدًا.

قُلْنَا: أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ؟ قَالَ: نَعَمْ، كَمَا أَنَّ دُوْنَ الْغَدِ اللَّيْلَةَ، إِنِّيْ حَدَّثْتُهُ بِحَدِيْثٍ لَيْسَ بِالأَغَالِيْطِ، فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَ حُذَيْفَةَ، فَأَمَرْنَا مَسْرُوْقًا فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: الْبَابُ عُمَرُ. [انظر: ١٤٣٥، ١٨٩٥، ٣٥٨٦، ٧٠٩٦]

حدیث (۱): حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، پس آپؓ نے پوچھا: تم میں سے کس کو فتنہ کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد یاد ہے؟ میں نے کہا: مجھے بالکل ویسا ہی یاد ہے جیسا آپؐ نے فرمایا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: بیشک آپؓ نبی ﷺ کے قول پر — یا فرمایا — فتنوں پر دلیر تھے، یعنی فتنوں کی احادیث سے آپ کو خصوصی دلچسپی تھی پس آپؓ کو وہ ارشاد یاد ہونے ہی چاہئیں، میں نے کہا: آدمی کی اپنے گھر والوں میں مال واولاد اور پڑوسیوں میں جو کوتاہیاں ہوتی ہیں: نماز، روزہ، صدقہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کو مٹادیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری مراد یہ فتنے نہیں ہیں بلکہ وہ فتنہ مراد ہے جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا آئے گا۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپؓ کو اس فتنہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے، حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا وہ دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا: توڑا جائے گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تب وہ کبھی بند نہ ہوگا!

طلباء نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا: کیا حضرت عمرؓ اس دروازہ کو جانتے تھے؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا: ہاں جس طرح ہم یہ بات جانتے ہیں کہ آئندہ کل کے بعد رات آئے گی، میں نے ان سے صاف حدیث بیان کی تھی، میں نے پہیلی نہیں بوجھی تھی، پس ہم حضرت حذیفہؓ سے پوچھنے سے ڈرے، پس ہم نے مسروق کو حکم دیا (کہ وہ پوچھیں) پس انھوں نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا: تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ دروازہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

تشریح:

۱- فتنہ کا مادہ فَتَن ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: سونے کو آگ میں تپا کر کھرا کھوٹا معلوم کرنا، أصلُ الفَتْن: إدخال الذهب النارَ لِتظْهَرَ جَوْدَتُهُ من رَدَاءَ تِه (راغب) پھر فتنہ کے معنی آزمائش کے ہوگئے اور آزمائش میں چونکہ تکلیف دی جاتی ہے اس لئے ایذا رسانی اور اس کی مختلف شکلوں کے لئے اور آزمائش میں جو کھوٹا ثابت ہو اس کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے ان سب کے لئے قرآن وحدیث میں لفظ فتنہ اور اس کے مشتقات استعمال کئے گئے ہیں، پس فتنہ کے معنی ہیں: آزمائش، آفت، دنگا فساد، ہنگامہ، دکھ دینا، اور تختۂ مشق بنانا وغیرہ۔

فتنے چھ قسم کے ہیں: (۱) آدمی کے اندر کا فتنہ اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے احوال بگڑ جائیں، اس کا دل سخت ہوجائے اور اس کو عبادت میں حلاوت اور مناجات میں لذت محسوس نہ ہو (۲) گھر کا فتنہ اور وہ نظام خانہ داری کا بگاڑ ہے (۳) وہ فتنہ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے، یہ نظام مملکت کا بگاڑ ہے اور لوگوں کا ناحق حکومت کی آز کرنا ہے (۴) ملی فتنہ اور وہ یہ ہے کہ بڑے حضرات وفات پاجائیں اور دین کا معاملہ نااہلوں کے ہاتھ میں پہنچ جائے (۵) عالمگیر فتنہ، یہ بددینی کا فتنہ ہے جب یہ فتنہ رونما ہوتا ہے تو لوگ انسانیت اور اس کے تقاضوں سے نکل جاتے ہیں (۶) فضائی حادثات کا فتنہ یعنی ایسے حادثات کا رونما ہونا جو عام تباہی مچائیں، یہ فتنوں کی چھ قسمیں ہیں اور ان کی تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۵: ۶۵۵-۶۵۸) اور تحفۃ الالمعی (۵: ۵۱۹-

۵۲۲) میں ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔

اور ہمارے حضرت شاہ صاحب علامہ کشمیری قدس سرہ نے فیض الباری میں فرمایا ہے کہ فتنے گذشتہ امتوں پر بھی آتے رہے ہیں، مگر اس امت پر فتنے زیادہ آتے ہیں اس لئے کہ اس امت کا بقا قیامت تک مقدر ہے اور فتنوں اور آزمائشوں کا ایک اہم مقصد مخلصین اور غیر مخلصین کے درمیان امتیاز کرنا ہے، جیسے امتحان اسی مقصد سے لیا جاتا ہے کہ کس نے پڑھا ہوا یاد کیا ہے اور کس نے یاد نہیں کیا، اسی طرح مؤمن کا بھی وقتاً فوقتاً امتحان ہوتا رہتا ہے، تاکہ واضح ہوجائے کہ کون دعوئے ایمان میں کھرا ہے اور کون کھوٹا، چنانچہ صرف مدنی زندگی میں صحابہ کرام کا کم از کم دس مرتبہ امتحان لیا گیا، غزوۂ بدر میں مسلمانوں کا ہاتھ اونچا ہوگیا تو اگلے ہی سال غزوۂ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے، یہ ایک امتحان تھا، آزمائش تھی تاکہ پتہ چل جائے کہ کون ایمان میں ثابت قدم رہتا ہے اور کون ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ آل عمران میں فرماتے ہیں: ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِيْنَ﴾: ان آزمائشوں میں مبتلا کرکے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پاک صاف کرتے ہیں اور کافروں کو مٹاتے ہیں۔

غرض: یہ دنیا امتحان گاہ ہے، یہاں انسان ہر گھڑی میدان امتحان میں ہے، ایمان و کفر تو بڑے امتحان ہیں مگر مؤمن کا بھی مختلف شکلوں میں امتحان کیا جاتا ہے، اگر مؤمن ان آزمائشوں میں کامیاب ہوجائے تو زہے نصیب! ورنہ اس کا خمیازہ دنیا و آخرت میں بھگتنا پڑتا ہے۔

۲- حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی — جو نبی ﷺ کے راز دار تھے — زیادہ تر دلچسپی فتنوں کی حدیثوں سے تھی، وہ زیادہ تر فتنوں کے بارے میں نبی ﷺ سے سوال کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مجلس تھی آپؓ نے حاضرین سے پوچھا: فتنہ کی حدیث تم میں سے کس کو یاد ہے؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا: مجھے یاد ہے اور بالکل ویسی ہی یاد ہے جیسی آپؐ نے فرمائی ہے یعنی میں اس میں سے کچھ نہیں بھولا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ کو یاد ہونی ہی چاہئے کہ آپ کی زیادہ دلچسپی اسی سے تھی۔ پھر حضرت حذیفہؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ آدمی کی آزمائش اس کی فیملی میں بھی ہوتی ہے، مال و اولاد میں بھی ہوتی ہے اور پڑوس کے لوگوں میں اور احباب و متعلقین میں بھی ہوتی ہے، ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہوتی ہیں مگر نماز، روزہ، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے وہ کوتاہیاں معاف ہوجاتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ چھوٹے فتنے تو آتے ہی رہتے ہیں، میں تو اس فتنہ کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا آئے گا، یعنی ملکی اور سیاسی فتنہ: جس کے بعد معاملات گڈمڈ ہوجائیں گے اور سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: آپؓ کو اس فتنہ کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ حائل ہے، یعنی آپ کی حیات تک وہ فتنہ نہیں آئے گا، إن بينك وبينها لبابا مغلقا کا مطلب ہے: إن بين زمانك وبين زمانِ الفتنة وجودُ حياتِك، یعنی جب تک آپؓ کا وجود با مسعود ہے وہ فتنہ رونما نہیں ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اچھا یہ بتاؤ وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا: توڑا جائے گا یعنی حضرت عمرؓ شہید کئے جائیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے مدینہ میں شہادت کی موت عطا فرما، یہ عجیب وغریب دعا تھی، شہادت پانے کے لئے تو مدینہ سے باہر جہاد میں جانا پڑے گا، مدینہ میں شہادت کہاں سے ملے گی! مگر آپؓ مدینہ میں شہادت کی تمنا کرتے تھے، چنانچہ آپؓ کی یہ دعا بارگاہ ایزدی میں قبول ہوئی اور ایک دن فجر کی نماز میں فیروز نامی غلام نے آپؓ کو زہر میں بجھا ہوا خنجر مارا جو آپؓ کی شہادت کا سبب بنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فتنوں کا جو تانتا بندھا وہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے، اس دن سے فتنے رکنے کا نام ہی نہیں لیتے، اور قیامت تک رکیں گے بھی نہیں اس لئے کہ دروازہ توڑ دیا گیا، پس فتنوں پر بند لگانے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

مناسبت: نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ آدمی سے اپنی فیملی میں، مال واولاد میں، آس پڑوس کے لوگوں میں اور احباب ومتعلقین کے حقوق کی ادائیگی میں جو کچھ کوتاہیاں ہوتی ہیں: نماز، روزہ، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کے لئے کفارہ بن جاتے ہیں، اسی جزء سے باب ثابت کرنا ہے کہ روزہ اور صدقہ وغیرہ کی طرح نماز میں بھی کفارۂ سیئات کی شان ہے اور یہی نماز کی فضیلت ہے۔

۳- جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو طلبہ نے پوچھا: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس دروازہ کو جانتے تھے؟ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: بالکل اسی طرح جانتے تھے جس طرح ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ آئندہ کل کے بعد رات آئے گی، اس میں کسی کو شک نہیں، اسی طرح حضرت عمرؓ کو بھی اس دروازہ کا علم تھا، اس میں ذرا شک نہیں تھا، پھر حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: میں نے کوئی پہیلی نہیں بوجھی تھی، صاف بات کہی تھی، چاہے سامعین اس کو نہ سمجھ رہے ہوں مگر جس سے گفتگو ہو رہی تھی وہ میری بات سمجھ رہا تھا، نبی ﷺ نے چیستانیں بیان کرنے سے منع فرمایا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۲۴۳) لیکن اگر مخاطب کے لئے بات پیچیدہ نہ ہو، مخاطب اسے سمجھ رہا ہو تو وہ پہیلی نہیں ہے، چاہے دوسرے لوگ اسے نہ سمجھیں، اس سے آگے پوچھنے کی طلبہ میں ہمت نہیں ہوئی، چنانچہ انھوں نے حضرت مسروق رحمہ اللہ سے جو حضرت حذیفہؓ کے خاص شاگرد تھے کہا: کوئی مناسب موقع دیکھ کر آپ حضرت سے دریافت کریں کہ وہ دروازہ کون تھا؟ جب مسروق رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا تو آپؓ نے فرمایا: وہ دروازہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

[۵۲۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ: أَنَّ رَجُلاً أَصَابَ مِنِ امْرَأَةٍ قُبْلَةً، فَأَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَأَخْبَرَهُ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿أَقِمِ الصَّلاَةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ [هود: ١١٤] فَقَالَ الرَّجُلُ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَلِيَ هٰذَا؟ قَالَ: "لِجَمِيْعِ أُمَّتِيْ كُلِّهِمْ" [انظر: ٤٦٨٧]

حدیث (۲): حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لیا، پس وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپؐ کو اس کی خبر دی، پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ حصہ میں بیشک نیکیاں برائیوں کو بہالے جاتی ہیں'' پس اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ حکم خاص میرے لئے ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، میری ساری امت کے لئے ہے۔

تشریح: ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے بہ تقاضائے بشریت ایک گناہ سرزد ہوگیا، انھوں نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، مگر فوراً ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا وہ بے قرار ہوکر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ سے ایسا گناہ ہوگیا ہے جس پر حد آتی ہے آپ مجھ پر حد قائم فرمائیں۔ آپؐ نے پوچھا: کیا گناہ ہوا ہے، انھوں نے بتایا کہ میں نے ایک عورت کا بوسہ لیا ہے، آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا اس لئے کہ اس گناہ کی کوئی شرعی حد نہیں ہے، جب نماز کا وقت آیا تو آپؐ نے نماز پڑھائی، ابوالیسرؓ بھی نماز میں شریک ہوئے اور نماز کے بعد دوبارہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھ پر حد جاری فرمائیں اور مجھے پاک کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے ابھی ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ انھوں نے عرض کیا: پڑھی ہے، تو آپؐ نے مذکورہ آیت پڑھ کر سنائی، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ حکم صرف میرے لئے ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، میری پوری امت کے لئے ہے۔ معلوم ہوا کہ نماز میں کفارۂ سیئات کی شان ہے اور یہی نماز کی فضیلت ہے۔

فائدہ: پہلے الفوز الکبیر کے حوالہ سے بتایا تھا کہ صحابہ ہر اس واقعہ کے لئے جس میں آیت کا شانِ نزول ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے أُنْزِل كذا کہہ دیا کرتے تھے، لہٰذا یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ آیت اسی واقعہ میں نازل ہوئی ہے، یہ آیت پہلے سے نازل شدہ تھی، مگر یہ واقعہ بھی آیت کا شانِ نزول بن سکتا تھا اس لئے ابن مسعودؓ نے کہہ دیا: أنزل كذا۔

بابُ فَضْلِ الصَّلٰوةِ لِوَقْتِهَا

وقت پر نماز پڑھنے کی اہمیت

شریعت مطہرہ نے جن اعمال کو محبوبیت کا درجہ دیا ہے ان میں پہلا نمبر نماز کا ہے، مگر یہ درجہ اسی نماز کو حاصل ہے جو بروقت یعنی مستحب وقت میں ادا کی جائے، قضاء کر کے یا مکروہ وقت میں نماز پڑھی جائے تو اس کا حکم آگے آرہا ہے۔ جاننا چاہئے کہ باب میں لوقتها ہے لأول وقتها نہیں ہے، مطلقاً اول وقت کی فضیلت میں کوئی صریح اور صحیح حدیث نہیں ہے۔ اور ترمذی میں حضرت ابن عمرؓ کی جو حدیث آپؐ نے پڑھی ہے کہ نماز کا اول وقت اللہ کی خوشنودی کا وقت ہے اور آخر وقت اللہ کے درگذر کا وقت ہے یہ حدیث یعقوب بن الولید کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے، بلکہ بعض حضرات کے نزدیک تو موضوع ہے، اور اس کے علاوہ کوئی صریح حدیث نہیں، اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ اگر بروقت یعنی مستحب وقت میں نماز پڑھی جائے تو اس کی فضیلت کیا ہے؟

[٥-] بابُ فَضْلِ الصَّلٰوۃِ لِوَقْتِہَا

[٥٢٧-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِیْدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْعَيْزَارِ: أَخْبَرَنِيْ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ، يَقُوْلُ: حَدَّثَنَا صَاحِبُ هٰذِهِ الدَّارِ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلٰى دَارِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم: أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ قَالَ: "الصَّلاَةُ عَلٰى وَقْتِهَا" قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: "بِرُّ الْوَالِدَيْنِ" قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: "الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" قَالَ: حَدَّثَنِيْ بِهِنَّ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِيْ. [انظر: ٢٧٨٢، ٥٩٧٠، ٧٥٣٤]

ترجمہ: ولید بن عیزار کہتے ہیں: میں نے ابوعمرو شیبانی کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم سے اس گھر والے نے ـــ اور انھوں نے ابن مسعودؓ کے گھر کی طرف اشارہ کیا ـــ بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نمازوں کو بروقت پڑھنا یعنی مستحب اوقات میں نمازیں پڑھنا سب سے محبوب عمل ہے، ابن مسعودؓ نے کہا: ثم أَيٌّ یہ محاورہ ہے اور اس کا مفہوم ہے، پھر دوسرے نمبر پر کونسا عمل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ابن مسعودؓ نے پوچھا پھر اس کے بعد کونسا عمل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: راہِ خدا میں قتال کرنا، ابن مسعودؓ کہتے ہیں: یہ تینوں باتیں مجھ سے نبی ﷺ نے بیان کیں (اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ یہیں تک میں نے پوچھا) اور اگر میں آپؐ سے اور پوچھتا تو آپؐ مجھے آگے بھی جواب دیتے ـــ اور مسلم شریف میں یہ بھی ہے: فما ترکتُ أن أَستزیدہ إلا إرعاءً ا علیه: میں نے اور زیادہ پوچھنے کو نہیں چھوڑا مگر آپؐ پر مہربانی کرتے ہوئے یعنی مزید اس لئے نہیں پوچھا کہ آپؐ تنگ دل نہ ہوں۔

تشریح: حدیث کی باب سے مناسبت واضح ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو سوال کیا ہے وہ سوال اور بھی صحابہ نے کیا ہے اور آپؐ نے سائل کے احوال کی رعایت سے اور موقع کی مناسبت سے مختلف جوابات دیئے ہیں، اور اس حدیث میں ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ سوال کی ایک حد ہونی چاہئے، زیادہ سوال کئے جائیں تو استاذ کو ناگواری ہوسکتی ہے اور ایسا طالب علم 'جھکی' کہلاتا ہے۔

بابُ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا إِذَا صَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ فِي الْجَمَاعَةِ وَغَيْرِهَا

پانچ نمازیں گناہوں کا کفارہ ہیں، جبکہ ان کو بروقت پڑھے، خواہ جماعت سے پڑھے یا بے جماعت

یہ باب سابق باب سے اخص ہے، پہلے مطلق نماز کی اہمیت کا باب گذرا ہے اور اس باب میں فرائض خمسہ کی اہمیت کا بیان ہے کہ فرائض خمسہ میں بھی کفارۂ سیئات کی شان ہے، اور عام باب کے بعد یہ خاص باب دفع دخل مقدر کے طور پر لائے ہیں، کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ فرائض تو لازمۂ عبودیت ہیں، کمپلسری ہیں، ان پر انعام کیسا؟ فرائض میں

کفارہ کی شان نہیں ہونی چاہئے۔ حضرت رحمہ اللہ نے یہ باب رکھ کر اس وہم کو دور کیا کہ فرائض کی انجام دہی پر بھی انعام ملتا ہے، بشرطیکہ ڈیوٹی صحیح طریقہ پر انجام دی ہو، یعنی فرائض بروقت پڑھے ہوں، خواہ تنہا پڑھے ہوں یا جماعت کے ساتھ، ہر حال میں وہ گناہوں کے لئے کفارہ بنیں گے۔

اور اس مضمون کو نبی ﷺ نے ایک مثال سے سمجھایا ہے: کسی کے گھر کے دروازہ پر نہر بہہ رہی ہو، اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ نہیں رہے گا، اس کا بدن ستھرا ہو جائے گا، اسی طرح فرائض خمسہ آدمی کو ستھرا کر دیتے ہیں اور اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جو فرض نماز تنہا پڑھی گئی ہے اس میں بھی کفارہ کی شان ہے اس لئے کہ گھر کے دروازہ پر نہر بہہ رہی ہے، اس میں نہایا یعنی نہانے کے لئے مسجد نہیں گیا، معلوم ہوا کہ جو فرض نماز گھر میں پڑھی ہے وہ بھی کفارہ بنے گی۔ اس لئے حضرتؒ نے ترجمہ میں وغیرھا بڑھایا ہے۔

اور اس حدیث میں یہ بھی اشارہ ہے کہ فرائض خمسہ کے اوقات جداگانہ ہیں، اس لئے کہ حدیث میں روزانہ پانچ مرتبہ نہانے کی بات ہے اور پانچ مرتبہ نہانا اسی وقت کہیں گے جب الگ الگ اوقات میں نہائے، ایک شخص مسلسل پانچ گھنٹے نہاتا رہے تو اس کو پانچ مرتبہ نہانا نہیں کہتے، یہ ایک ہی مرتبہ نہانا ہے۔ معلوم ہوا کہ پانچوں فرائض کے اوقات الگ الگ ہیں۔

[٦-] بابُ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا إِذَا صَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ فِي الْجَمَاعَةِ وَغَيْرِهَا

[٥٢٨-] حدثني إِبْرَاهِيْمُ بْنُ حَمْزَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ حَازِمٍ، وَالدَّرَاوَرْدِيُّ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، يَقُوْلُ: " أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا، مَا تَقُوْلُ: ذٰلِكَ يُبْقِيْ مِنْ دَرَنِهِ؟" قَالُوْا: لَا يُبْقِيْ مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا! قَالَ: " فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُوْ اللّٰهُ بِهَا الْخَطَايَا "

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: بتلاؤ! اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر بہہ رہی ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو، تو کیا کہتے ہو تم: یہ پانچ مرتبہ نہانا اس کے میل میں سے کچھ بھی باقی چھوڑے گا؟ صحابہ نے عرض کیا: اس کے میل میں سے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑے گا، نبی ﷺ نے فرمایا: پس یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خطاؤں کو مٹاتے ہیں۔

تشریح: حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث کے کسی طریق میں ماتقول نہیں ہے صرف بخاری کی اسی سند میں یہ لفظ آیا ہے، اور میں نے پہلے بتایا ہے کہ گناہ کے چار درجے ہیں: (۱) مَعْصِيَة (نافرمانی) (۲) سَيِّئَة (برائی) (۳) خَطِيْئَة (غلطی) (۴) ذُنوب (نامناسب کام) نماز سے کونسے گناہ معاف ہوتے ہیں؟ علامہ کشمیری قدس سرہ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ نص میں جو لفظ آیا ہے وہ اور اس سے نیچے کے گناہ معاف ہونگے۔ پس یہاں لفظ خطایا آیا ہے

اس لئے نماز سے خطایا اور ذنوب معاف ہونگے، معصیہ اور سیئہ معاف نہیں ہونگے۔

بابٌ: فِیْ تَضْیِیْعِ الصَّلاَةِ عَنْ وَقْتِهَا

نماز کو وقت سے بے وقت کر کے ضائع کرنا

میں نے پہلے بتایا تھا کہ جو نماز بے وقت پڑھی جائے اس کے لئے باب آگے آرہا ہے، یہ وہی باب ہے۔ نماز ناوقت پڑھنا یعنی مکروہ وقت میں پڑھنا یا قضا کر کے پڑھنا نماز کو ضائع کرنا ہے، ایسی نماز کفارہ تو کیا بنے گی جان بچ جائے یہی غنیمت ہے، ایسی نماز وبالِ جان ہوگی، اس پر سزا ملے گی، ہاں اللہ تعالیٰ درگذر فرمائیں تو دوسری بات ہے۔

[۷-] بابٌ: فِیْ تَضْیِیْعِ الصَّلاَةِ عَنْ وَقْتِهَا

[۵۲۹-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ، عَنْ غَيْلاَنَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا كَانَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم! قِيْلَ: الصَّلاَةُ؟ قَالَ: أَلَيْسَ صَنَعْتُمْ مَا صَنَعْتُمْ فِيْهَا!

[۵۳۰-] حدثنا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ وَاصِلٍ: أَبُوْ عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِيْ رَوَّادٍ أَخِيْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ، يَقُوْلُ: دَخَلْتُ عَلٰى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ بِدِمَشْقَ وَهُوَ يَبْكِيْ، فَقُلْتُ لَهُ: مَا يُبْكِيْكَ؟ فَقَالَ: لاَ أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا أَدْرَكْتُ إِلَّا هٰذِهِ الصَّلاَةَ، وَهٰذِهِ الصَّلاَةُ قَدْ ضُيِّعَتْ! — وَقَالَ بَكْرُ بْنُ خَلَف: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ رَوَّادٍ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھیں، یعنی عہد رسالت کی باتوں میں سے کوئی بات باقی نہیں رہی۔ کہا گیا: نماز (تو باقی ہے؟) آپؓ نے فرمایا: کیا تم نے نماز میں وہ نہیں کیا جو تم نے کیا ہے: یعنی نمازوں کی درگت بنادی ہے دیکھ نہیں رہے!............ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں: میں حضرت انسؓ کے پاس دمشق میں گیا درانحالیکہ وہ رورہے تھے، میں نے عرض کیا: کس بات نے آپؓ کو رلایا؟ آپؓ نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو چیزیں دیکھی ہیں ان میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی، سوائے نماز کے، اور نماز کو بھی تم نے ضائع کردیا!

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی ہیں ان کے زمانہ میں ولید بن عبدالملک بادشاہ تھا اور اس کی طرف سے عراق کا گورنر حجاج بن یوسف تھا، بصرہ اور کوفہ دونوں اس کے ماتحت تھے، وہ نمازوں میں سستی کرتا تھا، مستحب وقت کے بعد نماز پڑھانے آتا تھا بلکہ کبھی وقت ختم ہونے کے بعد نماز پڑھانے آتا تھا، اس صورتِ حال سے حضرت انس رضی اللہ عنہ خاص طور پر پریشان تھے۔ پہلی روایت میں انھوں نے بصرہ کی صورتِ حال پر تبصرہ کیا ہے کہ

عہدرسالت کی کوئی چیز باقی نہیں رہی، کسی نے کہا: حضرت! نماز تو باقی ہے؟ حضرتؓ نے فرمایا: نماز کیا باقی ہے! دیکھ نہیں رہے تم نے نمازوں کی کیا گت بنارکھی ہے؟

حضرت انسؓ کی نکیر حجاج کو بری لگتی تھی، اس لئے وہ حضرت کو پریشان کرتا تھا، حضرت اس کی شکایت لے کر ولید بن عبد الملک کے پاس دمشق گئے، وہاں کی صورتِ حال اور بھی ابتر تھی، اس کو دیکھ کر حضرت انسؓ روتے تھے، قیام دمشق کے دوران ایک مرتبہ ابن شہاب زہریؒ، حضرت انسؓ کے پاس گئے اس وقت آپؓ رورہے تھے، ابن شہاب نے رونے کی وجہ پوچھی تو آپؓ نے فرمایا: نماز کو چھوڑ کر کوئی چیز عہدِ رسالت کی باقی نہیں رہی۔ اور اس کا بھی تم نے براحال کردیا ہے، یہ تبصرہ دوسری حدیث میں ہے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت انسؓ مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہاں آپؓ کا وہ تبصرہ پہنچ چکا تھا جو آپؓ نے دمشق میں کیا تھا، وہاں لوگوں نے مدینہ کی صورتِ حال کے بارے میں دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا: **ما أنكرتُ شيئًا إلا أنكم لاتقيمون الصفوف**: یہاں مجھے کوئی چیز اوپری معلوم نہیں ہوئی، بس ایک بات ہے کہ تم صفوں کو سیدھا نہیں کرتے (یہ روایت فتح الباری میں ہے)

مدینہ منورہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے جو متبع سنت تھے، وہ نمازیں مستحب اوقات میں پڑھاتے تھے، ایک مرتبہ تاخیر ہوگئی تو حضرت عروہؒ نے ٹوکا، چنانچہ آپؒ نے اپنی اصلاح کرلی۔

مناسبت: حجاج وغیرہ کا جو طریقہ تھا یعنی تاخیر کرکے یا وقت گذرنے کے بعد نماز پڑھانا اس کو حضرت انسؓ نے نماز کو ضائع کرنا قرار دیا ہے، اس وجہ سے یہ حدیث لائے ہیں۔

سند: دوسری حدیث جو ابن شہاب زہریؒ کی ہے اس کو امام بخاریؒ، عمرو بن زرارہ سے بھی روایت کرتے ہیں اور بکر بن خلف سے بھی، پھر عمرو، عبدالواحد بن واصل سے روایت کرتے ہیں اور بکر: محمد بن بکر سے وہ دونوں عثمان بن ابی رواد سے روایت کرتے ہیں اس سے اوپر دونوں حدیثوں کی سند ایک ہے اور متن بھی ایک ہے۔

بابُ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّهُ

نمازی پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے

جب حاکم کے پاس کسی ضرورت سے جاتے ہیں تو پہلے وقت لینا پڑتا ہے، اور منٹوں کے حساب سے وقت کی پابندی کرنی پڑتی ہے ورنہ نامراد لوٹتا ہے۔ اسی طرح نماز دربارِ خداوندی کی حاضری ہے، نمازی پروردگار کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے، پس اس کے لئے بھی وقت کی پابندی ضروری ہے، اگر اس کی خلاف ورزی کرے گا تو نامراد لوٹے گا، اللہ کی خوشنودی حاصل نہیں کرسکے گا۔ غرض نمازوں کے اوقات کی پابندی ضروری ہے یہ جنرل عنوان کا پہلا مضمون تھا، اور نماز

پروردگار کے ساتھ سرگوشی ہے اس سے نماز کی فضیلت نکلتی ہے۔ یہ جنرل عنوان کا دوسرا مضمون تھا، اور حضرت الاستاذ علامہ بلیاوی قدس سرہ فرائض ونوافل میں فرق کرتے تھے، حضرت فرماتے تھے: فرائض اللہ کے دربار (کچہری) کی خاص ملاقات ہے اور نوافل پرائیویٹ ملاقات ہے اور خاص ملاقات میں وقت کی پابندی ضروری ہوتی ہے اور پرائیویٹ ملاقات میں آزادی ہوتی ہے، جیسے وزیراعظم سے ملاقات کرنے جاتے ہیں تو پہلے وقت لیتے ہیں اور آداب دربار کی رعایت کرکے حاضر ہوتے ہیں، اور وقت مقررہ میں اپنی بات پوری کرتے ہیں اور جب وزیراعظم سے دوستانہ ملاقات اس کے گھر میں کرتے ہیں تو کوئی پابندی نہیں ہوتی، جب تک چاہیں باتیں کریں، اور جتنا چاہیں بیٹھیں، یہی حال فرائض ونوافل کا ہے، فرائض میں اللہ کے دربار میں باقاعدہ حاضری ہوتی ہے پس فرائض کے لئے جو اصول وضوابط ہیں ان کی رعایت کرنا اور متعین اذکار پر اکتفا کرنا ضروری ہے اور نوافل میں آزادی ہے جو چاہے پڑھے، اور جو چاہے مانگے۔

[۸-] بابُ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّهُ

[۵۳۱-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: "إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى يُنَاجِیْ رَبَّهُ، فَلَا يَتْفِلَنَّ عَنْ يَمِيْنِهِ، وَلٰكِنْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى"[راجع: ۲۴۱]

[۵۳۲-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، أَنَّهُ قَالَ: "اعْتَدِلُوْا فِی السُّجُوْدِ، وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ كَالْكَلْبِ، وَإِذَا بَزَقَ فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلَا عَنْ يَمِيْنِهِ، فَإِنَّمَا يُنَاجِیْ رَبَّهُ"

وَقَالَ سَعِيْدٌ: عَنْ قَتَادَةَ: "لَا يَتْفِلُ قُدَّامَهُ أَوْ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ" وَقَالَ شُعْبَةُ: "لَا يَبْزُقْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهِ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ" وَقَالَ حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: "لَا يَبْزُقْ فِی الْقِبْلَةِ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهِ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ" [راجع: ۲۴۱]

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بیشک تم میں سے ایک جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے پس وہ ہرگز اپنی دائیں طرف نہ تھوکے بلکہ اپنے بائیں پیر کے نیچے تھوکے''

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ''سجدے ٹھیک سے کرو، اور تم میں سے کوئی اپنے ہاتھ کتے کی طرح نہ بچھائے، اور جب تھوکے تو ہرگز اپنے سامنے نہ تھوکے اور نہ دائیں طرف تھوکے اس لئے کہ وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے''

اور سعید بن ابی عروبہ کی روایت میں قتادہ سے مروی ہے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے (قدّام اور بین یدیہ میں راوی کو شک ہے معنی دونوں کے ایک ہیں) بلکہ اپنی بائیں طرف یا اپنے پیر کے نیچے تھوکے، اور شعبہؒ کہتے ہیں: اپنے سامنے نہ تھوکے اور نہ دائیں طرف تھوکے بلکہ بائیں طرف یا پیر کے نیچے تھوکے۔ اور حمید بواسطہ حضرت انسؓ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے

ہیں: قبلہ کی طرف یعنی سامنے اور دائیں نہ تھوکے بلکہ بائیں طرف یا پیر کے نیچے تھوکے۔

تشریح:

۱- یہ احادیث ابواب آداب المساجد میں مختلف سندوں سے گذری ہیں اور یہاں باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ نماز میں بندہ پروردگار کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے اس سے نماز کی فضیلت نکلی۔

۲- اعتدال کا ایک مفہوم ہے تعدیل ارکان، یعنی ارکان اربعہ (رکوع، سجدہ، قومہ، جلسہ) ٹھیک سے کرنا، اور اعتدال کا دوسرا مطلب ہے: سجدہ ڈھنگ سے کرنا، اور ڈھنگ سے سجدہ کرنے میں ہاتھوں کو نہ بچھانا بھی شامل ہے۔ کتا اور دوسرے درندے اگلے پیر زمین پر بچھا کر بیٹھتے ہیں، سجدہ میں اس طرح ہاتھوں کو بچھانے سے منع کیا گیا۔

۳- احادیث شریفہ میں نماز میں آٹھ ہیئتیں اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے: (۱) کتے کی طرح ہاتھوں کو بچھانے سے (۲) کتے کی طرح بیٹھنے سے (۳) لومڑی کی طرح جھانکنے سے (۴) اونٹ کی طرح بیٹھنے سے (۵) مرغ کی طرح ٹھونگیں مارنے سے (۶) گدھے کی طرح سر جھکانے سے یعنی سر کو پیٹھ کے لیول سے نیچا کرنے سے (۷) جلسہ میں سرین کے بل بیٹھنے سے (۸) بدکے ہوئے گھوڑے کی طرح ہاتھ ہلانے سے —— اور جانوروں کے ساتھ تشبیہ دینے سے مقصود تنفیر ہے یعنی ان ہیئتوں کی نفرت دل میں پیدا کرنے کی غرض سے جانوروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے (معارف السنن ۳: ۴۵)

۴- وقال سعید، وقال شعبۃ، وقال حُمید: یہ سب تعلیقات بھی ہوسکتی ہیں اور سند سابق کے تحت داخل بھی ہوسکتی ہیں، یعنی اس حدیث کو اسی سند سے سعید بن المسیب اور شعبہ بھی بواسطہ قتادہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں، اور حمید کی حدیث کی سند بھی یہی ہے، پس یہ حدیثیں بھی مسند ہونگی۔

بابٌ: الإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِيْ شِدَّةِ الْحَرِّ

سخت گرمی میں ظہر کی نماز وقت ٹھنڈا ہونے کے بعد پڑھنا

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ نماز مناجات مع الرب ہے تو اب یہ باب لائے کہ سخت گرمی میں وقت ٹھنڈا کر کے یعنی تاخیر سے ظہر پڑھنی چاہئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے علاوہ تمام فقہاء اس کو مستحب کہتے ہیں، اس لئے کہ گرمی کی زیادتی رب ذوالجلال کے غضب کا وقت ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب گرمی سخت ہوجائے تو نماز ٹھنڈی کرو یعنی وقت ٹھنڈا ہونے کے بعد نماز پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی زیادتی جہنم کے پھیلاؤ سے ہے'' اور چونکہ جہنم اللہ کی صفت غضب کا مظہر ہے جیسا کہ جنت پروردگار کی صفت رحمت کا مظہر ہے تو جہنم کے اثرات بھی صفت غضب کا مظہر ہوئے اور وہ اثرات گرمیوں میں ظہر کے شروع وقت میں پھیلتے ہیں پس یہ وقت اللہ کی ناراضگی کا ہے، ایسے وقت میں مناجات مناسب نہیں، پہلے وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، پھر نماز پڑھو، تا کہ اطمینان خاطر کے ساتھ عرض معروض کرسکو، سخت گرمی میں نماز پڑھنا جہنم کی بھاڑ کے

قریب کھڑے ہوکر مناجات کرنا ہے، ایسے نامناسب وقت میں مناجات نہیں کرنی چاہئے۔

اور جاننا چاہئے کہ ابراد کا حکم حضر وسفر دونوں کے لئے ہے چنانچہ امام بخاریؒ اس کے بعد یہ باب لائیں گے کہ ابراد کا حکم حضر کے ساتھ خاص نہیں، سفر کا بھی یہی حکم ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ابراد کی علت رفع مشقت ہے یعنی لوگوں کی پریشانی کے پیش نظر یہ حکم دیا گیا ہے، پس عورتوں اور معذوروں کے لئے ابراد کا حکم نہیں کیونکہ انہیں گھر میں نماز پڑھنی ہے، اسی طرح وہ مسجد جس کے نمازی تھوڑے ہوں اور مسجد کیپاس رہتے ہوں ان کے لئے بھی ابراد کا حکم نہیں، ان کو اول وقت مسجد میں آنے میں کوئی پریشانی نہیں، البتہ جو مسجد دور ہو، جس کے نمازی دور سے آتے ہوں اور نمازیوں کا تانتا بندھا رہتا ہو، ان کے لئے ابراد کا حکم ہے اس لئے کہ سخت گرمی میں مسجد میں آنے میں ان کے لئے پریشانی ہے۔ غرض لوگوں کی پریشانی کے پیش نظر ابراد کا حکم دیا گیا ہے، ان کے نزدیک وقت میں کوئی خرابی نہیں، مگر جمہور مطلقاً ابراد کو مستحب قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک ابراد کے حکم کی علت اللہ کی ناراضگی کا وقت ہونا ہے ایسے نامناسب وقت میں مناجات کرنا مناسب نہیں۔

[۹-] بابٌ: الإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِيْ شِدَّةِ الْحَرِّ

[۵۳۳، ۵۳٤] حدثنا أَيُّوْبُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ، قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ: حَدَّثَنَا الْأَعْرَجُ: عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَغَيْرُهُ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَنَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: " إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ" [انظر: ۵۳٦]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: جب گرمی سخت ہوجائے تو نماز ٹھنڈی کرکے پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی زیادتی جہنم کے پھیلاؤ سے ہے۔

تشریح: عرب میں گیارہ ساڑھے گیارہ بجے دوپہر ٹھہر جاتی ہے یعنی ہوا بالکل بند ہوجاتی ہے، گرمی سخت ہوجاتی ہے، اور چلت پھرت بند ہوجاتی ہے۔ اس وقت دھوپ لگتی ہے جس کی وجہ سے جان کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے، جیسے ہمارے علاقہ میں لُو لگنے سے آدمی مرجاتا ہے، پھر ایک وقت کے بعد سمندر کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چلتی ہے، میں نے مکہ میں بارہا اس کا مشاہدہ کیا ہے، عصر کی نماز کے بعد سمندر کی طرف سے جھونکے آنے لگتے ہیں، موسم خوشگوار ہوجاتا ہے اور گرمی کی شدت ٹوٹ جاتی ہے، یہی ابراد یعنی وقت کو ٹھنڈا کرنا ہے، محمد بن کعب قرظی تابعیؒ فرماتے ہیں: إذا فَاءَتِ الْأَفْيَاءُ وَهَبَّتِ الْأَرْوَاحُ، يُقَالُ: أَبْرَدْتُمْ فَالرَّوَاحُ: جب سایے پلٹ جائیں اور ہوائیں چلنے لگیں تو قافلہ میں اعلان کیا جاتا ہے کہ وقت ٹھنڈا ہوگیا سفر شروع کرو۔

غرض آنحضور ﷺ نے سخت گرمیوں میں وقت ٹھنڈا ہونے کے بعد ظہر پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان

فرمائی ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے، اس لئے ایسے نامناسب وقت میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

اور گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے: اس میں مجاز بالحذف ہے یعنی جہنم کے اثرات کے پھیلاؤ سے ہے، جہنم بذاتِ خود نہیں پھیلتی بلکہ اس کا اثر پھیلتا ہے —— فَیْحٌ کے معنی ہیں: وسعت۔ کہتے ہیں: غُرْفَۃٌ فَیْحَاءُ أی غرفۃ واسعۃ: کشادہ کمرہ۔

حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد حقیقت ہے یا مجاز؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا رجحان یہ ہے کہ یہ مجاز ہے یعنی یہ پیرایۂ بیان ہے، اس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ گرمی کی شدت تکلیف دہ ہے، ظاہر ہے جب جہنم بذاتِ خود تکلیف دہ ہے تو اس کے اثرات بھی تکلیف دہ ہونگے، مگر جہنم اپنی جگہ ہے نہ وہ خود پھیلتی ہے اور نہ اس کے اثرات پھیلتے ہیں، بلکہ سخت گرمی تکلیف دہ ہے: یہ بات سمجھانا مقصود ہے، اور جب یہ تمثیل ہے تو وقت میں کوئی خرابی نہیں، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک گرمیوں میں بھی عورتوں کے لئے ظہر اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ ان کو گھر میں نماز پڑھنی ہے اسی طرح وہ نمازی جن کو محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنی ہے اور انہیں زیادہ دور سے نہیں آنا ان کے لئے بھی اول وقت میں ظہر پڑھ لینا مستحب ہے، ہاں اگر مسجد دور ہو، اور نمازیوں کی تعداد بہت ہو تو تاخیر کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

اور احناف، حنابلہ اور امام بخاریؒ کے نزدیک حدیث میں حقیقت کا بیان ہے، یعنی گرمی کی شدت واقعی جہنم کے اثر کے پھیلاؤ سے ہے، اور چونکہ جہنم اللہ کی صفت غضب کا مظہر ہے جس طرح جنت اللہ کی صفت رحمت کا مظہر ہے پس جہنم کے اثرات بھی صفتِ غضب کا مظہر ہونگے اور وہ اثرات گرمیوں میں ظہر کے اول وقت میں پھیلتے ہیں اس لئے اول وقت میں خرابی ہوئی، اس لئے گرمیوں میں ظہر تاخیر کر کے پڑھنا مستحب ہے خواہ گھر میں پڑھے یا مسجد میں اور خواہ سفر میں پڑھے یا حضر میں۔

فائدہ: قرآن وحدیث میں تمثیلات بھی ہیں اور بیان حقیقت بھی۔ اور دونوں کے درمیان امتیاز اس طرح ہوتا ہے کہ اگر گفتگو مثال سے ممثل لہ کی طرف منتقل ہوجائے تو وہ تمثیل ہے اور اگر مثال ہی پر کلام ختم ہوجائے تو وہ حقیقت ہے، جیسے سورۃ النور (آیت ۳۹) ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا أَعْمَالُھُمْ کَسَرَابٍ بِقِیْعَۃٍ یَحْسَبُہُ الظَّمْاٰنُ مَاءً، حَتّٰی إِذَا جَاءَ ہُ لَمْ یَجِدْہُ شَیْئًا وَوَجَدَ اللّٰہَ عِنْدَہُ فَوَفّٰہُ حِسَابَہُ﴾: قیامت کے دن کفار کے اعمال سراب کی طرح ہونگے، سراب چمکتی ریت کو کہتے ہیں جس کو انسان پانی سمجھتا ہے حالانکہ وہ ریت ہوتی ہے پھر جب کفار اپنے اعمال کا صلہ پانے کے لئے پہنچیں گے تو وہاں کچھ نہ پائیں گے بلکہ وہاں اللہ ہونگے یعنی ان کو حساب کا سامنا کرنا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ان کا پورا حساب چکائیں گے، یہاں کلام مثال سے ممثل لہ کی طرف منتقل ہوگیا ہے، اس لئے یہ تمثیل ہے —— اور حدیث مذکورہ میں بیان حقیقت ہے کیونکہ وہاں مثال ہی پر بات پوری ہوگئی ہے، اور فإن شدۃ الحر پہلے جملہ کی تعلیل ہے۔

سوال: گرمی کی شدت کا تعلق سورج سے ہے جہنم کے اثر اور اس کے پھیلاؤ سے نہیں ہے چنانچہ جب سورج سر کے قریب آتا ہے تو گرمی بڑھ جاتی ہے اور جب وہ دور ہوجاتا ہے تو گرمی ہلکی پڑجاتی ہے پس یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کی وسعت سے ہے؟

جواب: انسان عالم مشاہدہ یعنی اس دنیا کے احوال اپنی عقل سے سمجھ سکتا ہے مگر دوسری دنیا کے یعنی ماورائے طبیعہ کے احوال اپنی عقل سے کماحقہ نہیں سمجھ سکتا، مخبر صادق ﷺ پر اعتماد کرنا ضروری ہے، جنت میں دودھ کی نہریں ہیں، دودھ کہاں سے آتا ہے؟ کیسے پیدا ہوتا ہے؟ اس کا تصور ہم نہیں کر سکتے، چونکہ مخبر صادق ﷺ نے یہ باتیں بتلائی ہیں اس لئے ہم مانتے ہیں اسی طرح جہنم، اس کے اثرات اور ان کا پھیلنا بھی دوسری دنیا سے تعلق رکھتا ہے وہ اثرات عالم مشاہدہ تک کیسے پہنچتے ہیں ہم نہیں جانتے، ممکن ہے سورج: جہنم کے اثر کو قبول کرتا ہو پھر اس کے روزن (سوراخ) سے وہ اثرات اس دنیا میں پھیلتے ہوں۔

[۵۳۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْمُهَاجِرِ أَبِي الْحَسَنِ: سَمِعَ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: أَذَّنَ مُؤَذِّنُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الظُّهْرَ، فَقَالَ: " أَبْرِدْ أَبْرِدْ" أَوْ قَالَ: "انْتَظِرِ انْتَظِرْ" وَقَالَ: " شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ؛ فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا عَنِ الصَّلَاةِ" حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ. [انظر: ۵۳۹، ۶۲۹، ۳۲۵۸]

حدیث (۲): حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے مؤذن (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) نے ظہر کی اذان دینے کا ارادہ کیا، نبی ﷺ نے فرمایا: وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، یا فرمایا: انتظار کرو، انتظار کرو (یہ شک راوی ہے اور یہ آپ نے وقفہ وقفہ سے فرمایا تھا) اور فرمایا: "گرمی کی زیادتی جہنم کے پھیلاؤ سے ہے پس جب گرمی زیادہ ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈی کرو" (ابو ذرؓ کہتے ہیں) یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کے سایے دیکھے (اتنی تاخیر کر کے آپؐ نے اذان دلوائی)

تشریح: یہ سفر کا واقعہ ہے۔ دوپہر کے وقت قافلہ پڑاؤ کئے ہوئے تھا جب ظہر کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینے کا ارادہ کیا، نبی ﷺ نے ان کو منع کیا کہ ابھی وقت ٹھنڈا ہونے دو، کچھ وقفہ کے بعد حضرت بلالؓ نے پھر اذان دینے کا ارادہ کیا آپؐ نے پھر فرمایا کہ ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو (حضرت بلالؓ بار بار اذان دینے کا ارادہ کرتے رہے اور نبی ﷺ ان کو روکتے رہے، یہاں تک کہ ٹیلوں کے سایے نمودار ہو گئے، اور آئندہ حدیث (نمبر ۶۲۹) میں ہے کہ ٹیلوں کے سایے ٹیلوں کے برابر ہو گئے۔ ٹیلے مخروطی یعنی گاجر کی شکل کے ہوتے ہیں اور مخروطی شکل کی جو چوٹی ہوتی ہے اس کا سایہ اس کے نفس پر پڑتا ہے پھر آہستہ آہستہ وہ نیچے اترتا ہے، پھر سایہ نمودار ہوتا ہے)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے امام شافعی رحمہ اللہ پر رد کیا ہے کہ یہ سفر کا واقعہ ہے، سب صحابہ ایک ساتھ تھے، نماز کے لئے کسی کو دور سے نہیں آنا تھا، اس کے باوجود نبی ﷺ نے تاخیر کی، معلوم ہوا کہ گرمیوں میں ہر شخص کے حق میں تاخیر مستحب ہے۔

مگر میرا خیال ہے کہ اس حدیث سے امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب پر کوئی حرف نہیں آتا اس لئے کہ امام ترمذیؒ کا یہ فرمانا کہ اس موقع پر دور سے آنے والے نمازی نہیں تھے: درست نہیں، نبی ﷺ کا قافلہ جب کسی جگہ ٹھہرتا تو سب لوگ

مجتمع نہیں ہوتے تھے بلکہ پورے میدان میں جس کو جہاں سایہ ملتا قیام کرتا، اس طرح وہ حضرات دور دور تک پھیلے رہتے تھے، اور نبی ﷺ کے لئے خیمہ کھڑا کیا جاتا تھا اور آپؐ کے خیمہ کے قریب کوئی جگہ ہموار کر کے عارضی مسجد تیار کی جاتی تھی، اذان سن کر سب صحابہ اس عارضی مسجد میں آتے تھے اور سب باجماعت نماز ادا کرتے تھے، پس لوگوں کو دور سے آنا ہوتا تھا۔

علاوہ ازیں: ٹیلوں کا سایہ نمودار ہونے تک تاخیر کرنے کا معمول نہیں تھا ورنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ قبل از وقت بار بار اذان دینے کا ارادہ کیوں کرتے، مقررہ مؤذن بروقت ہی اذان دیتا ہے ان کے بار بار اذان دینے کا ارادہ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ظہر میں اتنی تاخیر کرنا نبی ﷺ کا معمول نہیں تھا، اس دن تاخیر عارضی مصلحت سے کی جارہی تھی کیونکہ جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے تیار کی گئی تھی وہ گرم تھی، اس لئے آپؐ نے اس جگہ کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کیا، دورِ اول میں مسلمان کچھ بچھائے بغیر نماز پڑھتے تھے ان کے پاس پہننے کے لئے کپڑے نہیں تھے، مصلیٰ کہاں سے لاتے!

غرض اس حدیث سے امام شافعی رحمہ اللہ پر جو رد کیا گیا ہے وہ غور طلب ہے اور اختلاف کی بنیاد وہ ہے جو بھی میں نے ذکر کی کہ إِنَّ شدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جهنم: بیان حقیقت ہے یا تمثیل؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ تمثیل اور پیرایۂ بیان ہے، اور حنفیہ کے خیال میں یہ بیان حقیقت ہے، پس یہ نص فہمی کا اختلاف ہے۔

فائدہ: امام اعظم رحمہ اللہ جو فرماتے ہیں کہ ظہر کا وقت دو مثل تک ہے: یہ حدیث ان کا مستدل ہے، اس لئے کہ ٹیلوں کا سایہ اور وہ بھی ٹیلوں کے بقدر مثل اول میں ممکن نہیں، جو چاہے اس کا تجربہ کرے۔ جزیرۃ العرب آج بھی بحالہ موجود ہے، پس حدیث جبرئیل میں جو ظہر کا وقت بیان ہوا ہے: اس میں تبدیلی ہوئی ہے، ورنہ ماننا ہوگا کہ آنحضور ﷺ نے آج ظہر کی نماز قضا کر کے پڑھی لاحول ولا قوۃ إلا باللہ! ایسی بات کون مان سکتا ہے؟!

[۵۳۶-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمَدِيْنِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَفِظْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ:" إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ " [راجع:۵۳۳]

[۵۳۷-] وَاشْتَكَتِ النَّارُ إِلٰى رَبِّهَا، فَقَالَتْ: يَارَبِّ! أَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ: نَفَسٍ فِيْ الشِّتَاءِ، وَنَفَسٍ فِيْ الصَّيْفِ، وَهُوَ أَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ، وَأَشَدُّ مَاتَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِيْرِ"[انظر: ۳۲۶۰]

حدیث (۳): یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو امام زہریؒ بواسطہ سعید بن المسیبؒ روایت کرتے ہیں اور ان سے سفیانؒ روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: یہ حدیث ہم نے امام زہریؒ سے اچھی طرح محفوظ کی ہے یعنی ہمیں یہ حدیث اچھی طرح یاد ہے۔ اس حدیث میں دو مضمون ہیں، پہلا مضمون اوپر آچکا اور دوسرا مضمون یہ ہے کہ جہنم نے رب ذوالجلال سے شکایت کی کہ اے پروردگار! میرے بعض نے بعض کو کھالیا یعنی مجھے خود اپنی ذات سے تکلیف پہنچ رہی

ہے، پس اللہ عزوجل نے جہنم کو دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس سردی میں اور دوسرا سانس گرمی میں۔ پس گرمی کی جو سختی تم پاتے ہو، اسی طرح سردی کی جو سختی تم پاتے ہو وہ جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے۔

تشریح:

۱- سانس لینے کی دو صورتیں ہیں: ایک: باہر سے ہوا اندر لینا، پھر اس کو باہر نکالنا حیوانات اسی طرح سانس لیتے ہیں، دوسری: اندر کی گیس باہر نکالنا، جمادات اسی طرح سانس لیتے ہیں۔ انجن اسی طرح گیس پھینکتے ہیں، یہی ان کا سانس لینا ہے۔ جہنم بھی اسی طرح دو سانس لیتی ہے ایک گرمیوں میں ایک سردیوں میں۔ اس کے سرد سانس سے دنیا میں سخت سردی ہوتی ہے اور اس کے گرم سانس سے جھلسا دینے والی گرمی ہوتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ سردی گرمی کا بظاہر تعلق سورج سے ہے، جہنم سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ اس کا جواب اوپر آچکا، اور سورۃ الدہر (آیت ۱۳) میں ہے کہ جنت میں نہ تپش ہے اور نہ جاڑا ﴿لَايَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا﴾ اس کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کے دو طبقے ہیں ایک میں شدید حرارت ہے اور دوسرے میں شدید برودت، اور دونوں طبقوں کو سال میں ایک ایک مرتبہ گیس باہر پھینکنے کی اجازت ہے، تاکہ ان کی سردی گرمی میں کچھ کمی آئے، اور خود جہنم کو کچھ آرام ملے۔

۲- سردی کی تیزی بھی جہنم کے اثر کا نتیجہ ہے، مگر سخت سردی کی وجہ سے فجر کی نماز میں تاخیر کا حکم نہیں، اس لئے کہ فجر میں فی الجملہ تاخیر تو مستحب ہے، فرمایا: أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أعظم للأجر: پس اس سے زیادہ تاخیر کرنے میں فجر کے قضاء ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ بعض اوقات موسم ابر آلود ہوتا ہے یا کہرہ ہوتا ہے پس وقت کا پتہ نہیں چلتا، اور ظہر کے وقت آسمان صاف ہوتا ہے اور گرمیوں میں کہرا بھی نہیں ہوتا وہاں نماز قضا ہونے کا خطرہ نہیں اس لئے گرمیوں میں ظہر میں تاخیر کا حکم دیا۔

[۵۳۸-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم: "أَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ" تابَعَهُ سُفْيَانُ، وَيَحْيىٰ، وَأَبُوْ عَوَانَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ. [انظر: ۳۲۵۹]

وضاحت: یہ بھی گرمیوں میں وقت ٹھنڈا کر کے ظہر پڑھنے کی روایت ہے اور یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور اس کو اعمش سے حفص بن غیاث روایت کرتے ہیں۔

بابُ الإِبْرَادِ بِالظُّهْرِ فِي السَّفَرِ

سفر میں ظہر کی نماز وقت ٹھنڈا ہونے کے بعد پڑھنا

اس باب کی تقریر اور حدیث اوپر گذر چکی ہے۔ گرمیوں میں تاخیر ظہر کا حکم حضر میں بھی ہے اور سفر میں بھی۔ ایک سفر میں

دوپہر کے وقت نبی ﷺ کا قافلہ پڑاؤ کئے ہوئے تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ کے وقت پر اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے ان کو روک دیا اور فرمایا: وقت ٹھنڈا ہونے دو۔ اور آپؐ برابر روکتے رہے، یہاں تک کہ ٹیلوں کے سایے نمودار ہوگئے، تب آپ نے اجازت دی، پھر اذان واقامت کہی گئی اور نماز ہوئی۔ معلوم ہوا کہ تاخیر ظہر کا حکم سفر میں بھی ہے جمہور بشمول امام بخاریؒ اسی کے قائل ہیں ان کے نزدیک مطلقاً گرمیوں میں تاخیر کرکے ظہر پڑھنا مستحب ہے، خواہ گھر میں پڑھے یا مسجد میں، مسجد قریب ہو یا دور، سفر میں ہو یا حضر میں، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کو دور سے مسجد میں آنا ہے، اسی مسجد میں ظہر میں تاخیر کرنے کی گنجائش ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے امام شافعیؒ کے قول کی تردید کی ہے اور امام بخاریؒ بھی تردید کررہے ہیں کہ سفر میں سب ساتھی اکٹھا تھے، کسی کو دور سے نہیں آنا تھا، اس کے باوجود نبی ﷺ نے ظہر تاخیر سے پڑھی مگر میں نے بتایا تھا کہ اس حدیث سے امام شافعیؒ کے قول کی تردید نہیں ہوتی، یہ درحقیقت نص فہمی کا اختلاف ہے۔

[۱۰-] بابُ الإِبْرَادِ بِالظُّهْرِ فِيْ السَّفَرِ

[۵۳۹-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُهَاجِرٌ أَبُوْ الْحَسَنِ مَوْلَى لِبَنِيْ تَيْمِ اللهِ، قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ، عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " أَبْرِدْ" ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ: " أَبْرِدْ" حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلاَةِ"

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما: ﴿يَتَفَيَّأُ﴾ [النحل: ٤٨]: يَتَمَيَّلُ. [راجع: ٥٥٤]

وضاحت: اس حدیث میں لفظ فَيْء آیا ہے اس سے یَتَفَیَّأُ بنا ہے جو سورۂ نحل (آیت ۴۸) میں آیا ہے ﴿يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ﴾: جھکتے ہیں چیزوں کے سایے۔ اور بخاری شریف کی خصوصیت ہے کہ معمولی مناسبت سے امام بخاریؒ قرآنِ کریم کے الفاظ کے معانی بیان کرتے ہیں، یتفیأُ کے معنی ہیں: یَتَمَیَّل: چیزوں کے سایے جھکتے ہیں کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف، زوال کے بعد بھی سایہ مشرق کی طرف جھک جاتا ہے اس لئے اس کے لئے لفظ فیء ہے۔

بابُ وَقْتِ الظُّهْرِ عِنْدَ الزَّوَالِ

ظہر کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے

اوپر جو دو باب گذرے ہیں کہ سخت گرمی میں ظہر میں ابراد مستحب ہے اور یہ ابراد سفر میں بھی مستحب ہے، یہ باب ان ابواب سے استثناء ہے کہ ظہر میں تاخیر کرنے کا حکم صرف سخت گرمیوں میں ہے عام دنوں میں ظہر اول وقت میں پڑھنی

چاہئے، زوال ہوتے ہی ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، پس فوراً ظہر پڑھ لینی چاہئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک گرمیوں کی دوپہر میں ظہر کی نماز پڑھا کرتے تھے، ہاجرۃ کے معنی ہیں: مطلق گرمی کی دوپہر، سخت گرمی کی دوپہر اس کے معنی نہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک گرمیوں کی دوپہر میں ظہر پڑھا کرتے تھے، تاخیر نہیں کرتے تھے، تو سردیوں کی دوپہر میں بدرجہ اولیٰ اول وقت میں پڑھتے ہونگے اس لئے کہ گرمیوں میں ظہر کا وقت لمبا ہوتا ہے اور سردیوں میں مختصر، پس سردیوں میں زوال ہوتے ہی بدرجۂ اولیٰ ظہر پڑھ لینی چاہئے۔

[۱۱-] بابُ وَقْتِ الظُّهْرِ عِنْدَ الزَّوَالِ

وَقَالَ جَابِرٌ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ بِالْهَاجِرَةِ.

[۵۴۰-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ، فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ أَنَّ فِيْهَا أُمُوْرًا عِظَامًا، ثُمَّ قَالَ: " مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ، فَلاَ تَسْأَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ إِلاَّ أَخْبَرْتُكُمْ مَادُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا" فَأَكْثَرَ النَّاسُ فِيْ الْبُكَاءِ، وَأَكْثَرَ أَنْ يَقُوْلَ: " سَلُوْنِيْ" فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِيُّ، فَقَالَ: مَنْ أَبِيْ؟ قَالَ: " أَبُوْكَ حُذَافَةُ" ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُوْلَ: " سَلُوْنِيْ" فَبَرَكَ عُمَرُ رضى الله عنه عَلٰى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ: رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالإِسْلاَمِ دِيْنًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، فَسَكَتَ، ثُمَّ قَالَ: " عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِيْ عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ، فَلَمْ أَرَ كَالْخَيْرِ وَالشَّرِّ" [راجع: ۹۳]

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے جس وقت سورج ڈھلا، پس آپؐ نے ظہر پڑھائی، پس آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور آپؐ نے قیامت کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ قیامت میں بڑے بڑے معاملات پیش آئیں گے پھر فرمایا: "جو شخص پسند کرتا ہے کہ مجھ سے کوئی بات پوچھے تو چاہئے کہ پوچھے، پس تم مجھ سے کوئی بات نہیں پوچھو گے، مگر میں تمہیں وہ بات بتاؤں گا، جب تک میں اس جگہ میں ہوں" پس لوگ بہت رونے لگے اور آپؐ بار بار فرماتے تھے: "مجھ سے پوچھو" پس عبداللہ بن حذافہ سہمی کھڑے ہوئے اور انھوں نے پوچھا: میرے والد کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: تمہارے والد حذافہ ہیں، پھر آپؐ بار بار کہتے رہے: پوچھو: پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوزانو بیٹھ گئے، اور کہا: ہم اللہ کی ربوبیت پر، اسلام کی حقانیت پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر راضی ہیں، پس آپؐ خاموش ہو گئے پھر آپؐ نے فرمایا: میرے سامنے ابھی اس دیوار کی چوڑائی میں جنت وجہنم پیش کی گئیں پس نہیں دیکھی میں نے ایسی خیر وشر!

تشریح: یہ حدیث پہلے کتاب العلم (باب ۲۸) میں گذری ہے اور اس حدیث کا شانِ ورود غالباً یہ ہے کہ منافقین نے

آپؐ کے بارے میں کہا تھا کہ آپؐ آسمانوں کے اوپر کی خبریں بتاتے ہیں مگر اونٹ کہاں ہے اس کی خبر نہیں [1] جب یہ بات آپؐ کو پہنچی تو آپؐ کو ناگواری ہوئی کیونکہ آپؐ دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان تھے، عالم الغیب نہیں تھے، البتہ اللہ کے رسول تھے، آپؐ کے پاس وحی آتی تھی، مگر آپؐ وہی باتیں بتاتے تھے جو اللہ آپؐ پر کھولتے تھے آپؐ کو بذاتِ خود غیب کا علم نہیں تھا، چنانچہ آپؐ زوال کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور ظہر پڑھائی، پھر تقریر فرمائی اور اس میں قیامت کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا: قیامت میں اہم واقعات پیش آئیں گے، پھر فرمایا: آج تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو، میں تمہاری ہر بات کا جواب دوں گا، اس وقت نبی ﷺ کے سامنے سے دوسری دنیا کے پردے ہٹا دیئے گئے تھے اس لئے آپؐ نے فرمایا: جب تک میں یہاں کھڑا ہوں جو چاہو پوچھو، میں جواب دوں گا، صحابہ سمجھ گئے کہ منافقین کے تبصرہ سے آپؐ کو ناگواری ہوئی ہے، چنانچہ وہ رونے لگے، اور آپؐ غصہ میں بار بار فرماتے رہے، پوچھو: جو پوچھو گے جواب دوں گا، جب آپؐ نے بار بار یہ بات فرمائی تو دو صحابہ نے یکے بعد دیگرے کھڑے ہو کر اپنے باپ کے بارے میں پوچھا: ان دونوں کو لوگ نسب میں معطون کرتے تھے آپؐ نے ایک سے فرمایا: تیرا باپ حذافہ ہے اور دوسرے سے فرمایا: تیرا باب سالم ہے، یعنی وہ دونوں جس باپ کی طرف منسوب کئے جاتے تھے آپؐ نے انہی کے نام بتائے پس وہ بیٹھ گئے پھر آپؐ فرمانے لگے: پوچھو، جو پوچھو گے جواب دوں گا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چہرۂ مبارک میں غصہ کے آثار دیکھے تو اپنی جگہ سے اٹھ کر آپؐ کے سامنے دو زانو بیٹھے اور عرض کیا: ہم اللہ کی ربوبیت پر، اسلام کی حقانیت پر اور محمد ﷺ کی رسالت پر راضی ہیں، اس سے آپؐ کا غصہ ٹھنڈا پڑا، پھر آپؐ نے فرمایا: ابھی اس دیوار (جدار قبلی) کی چوڑائی میں میرے سامنے جنت وجہنم پیش کی گئیں، اور ایسی اچھی چیز اور ایسی بری چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی، جنت خیر محض ہے، اس سے اچھی چیز کیا ہو سکتی ہے اور جہنم نہایت بری چیز ہے اس سے بری چیز بھی کوئی نہیں ہو سکتی۔

استدلال: نبی ﷺ زوال ہوتے ہی مسجد میں تشریف لائے اور ظہر پڑھائی اس سے معلوم ہوا کہ اسی وقت میں ظہر پڑھانے کا آپؐ کا معمول تھا، اگر آپؐ خلافِ معمول قبل از وقت تشریف لاتے تو مسجد میں کوئی نہ ہوتا، پس زوال ہوتے ہی ظہر پڑھ لینی چاہئے اور ابراد کا حکم سخت گرمی کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے۔

[۵۴۱-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِی الْمِنْهَالِ، عَنْ أَبِی بَرْزَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم یُصَلِّیْ الصُّبْحَ، وَأَحَدُنَا یَعْرِفُ جِلِیْسَهُ، وَیَقْرَأُ فِیْهَا مَا بَیْنَ السِّتِّیْنَ إِلٰی الْمِائَةِ، وَیُصَلِّیْ

(۱) یہ شانِ ورود درجہ احتمال میں بیان کیا گیا ہے اور وہ وجہ بھی ہو سکتی ہے جو پہلے گذری ہے کہ ایک موقعہ پر نبی ﷺ سے بے تکے سوالات پوچھے گئے، آپؐ کو یہ بات ناگوار ہوئی اور آپؐ نے غصہ میں فرمایا: آج جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو، آج ہر بات کا جواب دوں گا۔

الظُّهرَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، وَالْعَصْرَ وَأَحَدُنَا يَذْهَبُ إِلٰى أَقْصَى الْمَدِيْنَةِ، رَجَعَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَنَسِيْتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، وَلاَ يُبَالِي بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ: ثُمَّ قَالَ: إِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ، وَقَالَ مُعَاذٌ: قَالَ شُعْبَةُ: ثُمَّ لَقِيْتُهُ مَرَّةً، فَقَالَ: أَوْ: ثُلُثِ اللَّيْلِ. [انظر: ٥٤٧، ٥٦٨، ٥٩٩، ٧٧١]

حدیث (۲): حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے درانحالیکہ ہم میں سے ایک اپنے ہم نشیں کو پہچان لیتا تھا (یعنی جب آپ نماز پوری فرماتے تو مسجد میں اتنی روشنی ہوجاتی تھی کہ ساتھ میں کون بیٹھا ہے اس کو پہچانا جاسکتا تھا) اور آپؐ فجر میں ساٹھ سے سو آیتوں کے درمیان پڑھتے تھے، اور ظہر سورج ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے، اور عصر پڑھتے تھے درانحالیکہ ہم میں سے ایک مدینہ منورہ کے آخری کنارہ میں جاتا تھا، وہ گھر لوٹتا درانحالیکہ سورج زندہ ہوتا تھا (گیلری میں یرجع ہے اور وہی صحیح ہے) اور (ابوالمنہال کہتے ہیں) حضرت ابو برزہؓ نے مغرب کے بارے میں کیا فرمایا: وہ میں بھول گیا، اور آپؐ عشاء کو تہائی رات تک مؤخر کرنے میں کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے، پھر کہا: آدھی رات تک، اور معاذ کہتے ہیں کہ شعبہؒ نے فرمایا (اس کے بعد) پھر میری ایک مرتبہ ابوالمنہال سے ملاقات ہوئی تو فرمایا: یا تہائی رات تک۔

تشریح:

۱- حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بخاری شریف میں کئی جگہ آئی ہے، آپؓ نے نبی ﷺ کے نماز پڑھنے کے اوقات بیان کئے ہیں، فرماتے ہیں: آپؐ فجر کی نماز سے ایسے وقت فارغ ہوجاتے تھے کہ مسجدِ نبوی روشن ہوجاتی تھی اور ہم اپنے برابر والے کو پہچان لیتے تھے، مسجدِ نبوی کا رخ شمال کی طرف تھا، ہماری مسجدوں کا رخ مشرق کی طرف ہے اس لئے ہماری مسجدوں میں جلدی روشنی داخل ہوتی ہے مگر مسجدِ نبوی کا رخ شمال کی طرف تھا، اس لئے روشنی دیر میں داخل ہوتی تھی، اور عہدِ رسالت میں مسجدِ نبوی میں چراغ نہیں جلتا تھا اس پس منظر میں حدیث کو سمجھنا چاہئے کہ جب آپؐ فجر کا سلام پھیرتے تھے تو برابر والا آدمی پہچان لیا جاتا تھا اور آپؐ فجر میں ساٹھ سے سو آیتیں تلاوت فرماتے تھے، یعنی بڑی آیتیں ساٹھ اور چھوٹی آیتیں سو اور متوسط آیتیں ان کے درمیان تلاوت فرماتے تھے، سورۂ بقرہ میں ۲۸۶ آیتیں ہیں یعنی تقریباً آدھا پارہ نماز فجر میں تلاوت فرماتے تھے، اس سے بخوبی یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ آپ غلس میں نماز شروع فرماتے تھے اور اسفار میں پوری فرماتے تھے، اور یہی نبی ﷺ کا معمول تھا، اس لئے کہ صحابہ اور صحابیات عام طور پر تہجد پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں آتے تھے اور آدھی رات ہی سے آنا شروع ہوجاتے تھے، اور صبح صادق تک سب آجاتے تھے، اس کے بعد آنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا اس لئے کہ مسجدِ نبوی بستی سے دور مدینہ منورہ کی ایک جانب میں واقع تھی، اس کے اردگرد آبادی نہیں تھی، پس یہاں حق اللہ اور حق العبد دونوں کا تقاضہ تھا کہ شروع وقت میں نماز پڑھ لی جائے، چنانچہ نبی ﷺ اول وقت میں فجر پڑھا کرتے تھے، البتہ مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کے علاوہ نو مسجدیں اور تھیں اور ان کی صورتِ حال مسجد نبوی سے مختلف تھی، ان میں صبح صادق کے ساتھ نمازی حاضر نہیں ہوتے تھے، اس لئے نبی ﷺ نے ان مسجدوں کے نمازیوں کو حکم دیا تھا کہ روشنی کرکے یعنی تاخیر

کر کے فجر پڑھا کریں اس میں ثواب زیادہ ہے: أسفِروا بالفجر فإنّه أعظَمُ للأَجْرِ: اسفار میں نماز پڑھنے میں جماعت بڑی ہوگی، اس لئے ثواب بھی زیادہ ملے گا۔ اور حرمین کی صورتِ حال آج بھی وہی ہے، وہاں تہجد کے وقت سے نمازی آجاتے ہیں اس لئے حرمین میں آج بھی اول وقت میں فجر پڑھی جاتی ہے، یہاں دیوبند میں بھی رمضان المبارک میں فجر اول وقت میں پڑھی جاتی ہے اس لئے کہ سب لوگ بیدار ہوتے ہیں وہ سحری بند کر کے فوراً مسجد میں پہنچ جاتے ہیں، پس اسفار تک نماز کو مؤخر کرنا بلا وجہ تاخیر ہے مگر دوسرے دنوں میں صورتِ حال دوسری ہوتی ہے، لوگ صبح صادق کے ساتھ مسجد میں نہیں آتے، اس لئے بندوں کے حق کا تقاضہ ہے کہ اسفار میں یعنی تاخیر کر کے فجر پڑھی جائے، نبی ﷺ نے اسی کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اسفار میں نماز پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

۲- اور آنحضور ﷺ ظہر زوال ہوتے ہی پڑھ لیا کرتے تھے، یہی جزء ترجمہ سے متعلق ہے، اور آپؐ نے ابراد کا یعنی ظہر تاخیر سے پڑھنے کا جو حکم دیا ہے وہ سخت گرمیوں کے ساتھ خاص ہے۔

۳- اور آپؐ عصر ایسے وقت پڑھا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ کے آخر میں رہنے والا عصر پڑھ کر گھر پہنچ جاتا تھا، اور سورج ابھی زندہ ہوتا تھا یعنی وہ پوری طرح روشن ہوتا تھا، اس کی تمازت باقی ہوتی تھی اور اس کو نظر بھر کر دیکھنا ممکن نہیں ہوتا تھا۔

اس حدیث سے عصر کی تعجیل یا تاخیر کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے، اس لئے کہ مدینہ منورہ کی آبادی کہاں تک تھی؟ یہ بات معلوم نہیں، اب مدینہ منورہ کی آبادی احد سے بھی آگے پہنچ گئی ہے، پھر اقصی مدینہ میں جانے والا پیدل جاتا تھا یا سوار ہو کر اس کی طرف بھی حدیث میں کوئی اشارہ نہیں، پس عصر کی تعجیل یا تاخیر پر اس حدیث سے استدلال ممکن نہیں۔

۴- اور مغرب کے بارے میں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ ابوالمنہال بھول گئے۔

۵- اور عشاء پڑھنے کا کوئی معین وقت نہیں تھا، غروب شمس سے تہائی رات تک کسی بھی وقت آپؐ عشاء پڑھتے تھے، اگر نمازی پہلے آجاتے تو عشا جلدی پڑھ لیتے اور دیر سے آتے تو عشا میں تاخیر کرتے۔

۶- اور حفص بن عمر کی حدیث میں ثلث اللیل اور شطر اللیل میں شک ہے مگر معاذ کہتے ہیں: شعبہؒ نے فرمایا: دوسری مرتبہ جب میری ملاقات ابوالمنہال سے ہوئی تو میں نے ان سے یہ حدیث دوبارہ سنی، انھوں نے ثلث اللیل کہا، یعنی اصل لفظ ثلث اللیل ہے اور یہی قرین صواب ہے، اس لئے کہ ثلث لیل تک ہی عشاء مؤخر کرنا مستحب ہے، اور معاذ والی حدیث معلق ہے اس لئے کہ معاذ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ نہیں۔

[٥٤٢-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: حَدَّثَنِىْ غَالِبٌ الْقَطَّانُ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِالظَّهَائِرِ، سَجَدْنَا عَلٰى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ. [راجع: ٣٨٥]

حدیث (۳): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم دوپہر میں نبی ﷺ کے پیچھے نماز (ظہر) پڑھا کرتے

تھے تو ہم گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کیا کرتے تھے۔

تشریح: ظَهائر : ظهيرة کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: دوپہر۔ گرمیوں کے عام دنوں میں زوال ہوتے ہی نبی ﷺ ظہر پڑھا کرتے تھے، اور صحابہ کے پاس چونکہ بچھانے کے لئے کپڑا نہیں ہوتا تھا اس لئے وہ زمین پر نماز پڑھا کرتے تھے، اور سجدہ میں زمین کی گرمی سے بچنے کے لئے جو کپڑا اوڑھ رکھا تھا اس کا ایک پلّہ زمین پر بچھا کر اس پر سجدہ کرتے تھے۔ غرض نبی ﷺ کا معمول گرمیوں میں زوال ہوتے ہی ظہر پڑھنے کا تھا اور ابراد والی حدیث سخت گرمیوں کے ساتھ خاص ہے۔

بابُ تَاخِيْرِ الظُّهْرِ إِلَى الْعَصْرِ

ظہر کو عصر تک مؤخر کرنے کا بیان

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان نہ وقت مشترک ہے اور نہ وقت مہمل، ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اسی طرح مغرب اور عشاء کے درمیان بھی نہ وقت مشترک ہے نہ وقت مہمل، مغرب کا وقت ختم ہوتے ہی عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں آٹھ رکعتیں اور سات رکعتیں ایک ساتھ پڑھائی ہیں، یعنی ظہرین اور عشائین ایک ساتھ پڑھائی ہیں تاکہ صحابہ ظہرین اور عشائین کے اول وآخر وقت سے واقف ہو جائیں اور یہ بھی جان لیں کہ ظہرین اور عشائین کے درمیان وقت مشترک اور وقت مہمل نہیں، بلکہ ایک نماز کا وقت ختم ہوتے ہی دوسری نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور یہ آپؐ نے جمع حقیقی نہیں کیا تھا بلکہ جمع صوری کیا تھا یعنی ظہر اس کے آخر وقت میں اور عصر اس کے اول وقت میں پڑھی تھی اسی طرح مغرب آخر وقت میں اور عشاء اول وقت میں پڑھی تھی۔

اور اس عمل کا دوسرا مقصد بیانِ جواز تھا، ترمذی میں ابن عباسؓ کی اسی حدیث میں ہے کہ جب آپؓ نے یہ حدیث بیان کی تو طلبہ نے پوچھا: نبی ﷺ نے یہ عمل کیوں کیا تھا؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: أن لا تُحْرَجَ أمتُه: تاکہ آپؐ کی امت تنگی میں نہ پڑے یعنی نبی ﷺ نے یہ عمل بیان جواز کے لئے کیا تھا (ترمذی حدیث ۱۸۴)

شیعہ اس حدیث کی وجہ سے کہتے ہیں کہ نمازیں پانچ ہیں اور ان کے اوقات تین ہیں، صبح صادق سے طلوع شمس تک فجر کا وقت ہے، زوال سے غروب تک ظہر وعصر کا وقت ہے، اور غروب سے صبح صادق تک سارا وقت مغرب اور عشا کا ہے، لیکن اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک ہر نماز کا وقت جداگانہ ہے، اور ہر نماز کا اول وآخر ہے، البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بعض اعذار میں ظہرین اور عشائین کو جمع کرنے کی گنجائش ہے، جمع تقدیم کی بھی اور جمع تاخیر کی بھی، اور اعذار: امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بارش، سفر اور مرض ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سفر اور بارش ہیں، مرض عذر نہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صرف سفر عذر ہے مگر ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے استدلال نہیں کر سکتے اس لئے کہ اس حدیث میں ترمذی میں یہ

صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے ظہرین اور عشائین کو مدینہ میں جمع کیا تھا، جبکہ نہ دشمن کا خوف تھا اور نہ بارش تھی (حدیث ۱۸۴) یعنی سفر، مطر اور مرض میں سے کوئی عذر نہیں تھا۔

اور احناف اس حدیث کو جمع صوری پر محمول کرتے ہیں یعنی آپؐ نے ظہرین اور عشائین میں سے پہلی نماز آخر وقت میں اور دوسری نماز اول وقت میں پڑھائی تھی اور ایسا آپؐ نے دو وجہ سے کیا تھا:

ایک: بیان جواز کے لئے، شریعت کا منشاء تو یہ ہے کہ ہر نماز الگ الگ وقت میں پڑھی جائے تا کہ دنیا کی مشغولیت اللہ سے غافل نہ کرے، اور جمع صوری اگرچہ شریعت کے منشاء کے خلاف ہے مگر اس کی گنجائش ہے، یہ مسئلہ واضح کرنے کے لئے آپؐ نے ایک مرتبہ ایسا عمل کیا جیسے آپؐ نے بیانِ جواز کے لئے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا، پس یہ حدیث ہے سنت نہیں، سنت وہ ہے جو منشائے شریعت کے مطابق ہے، یعنی ہر نماز الگ وقت میں پڑھنا۔ اور نبی ﷺ کا یہ عمل منشا شریعت کے خلاف نہیں، اس لئے کہ بیانِ جواز مقاصد نبوت میں سے ہے۔

اور دوسرا مقصد وہ تھا جو اس باب کا مدعی ہے یعنی اس بات کی تعلیم دینا مقصود تھا کہ ظہرین اور عشائین کے درمیان وقت مشترک اور وقت مہمل نہیں، ایک نماز کا وقت ختم ہوتے ہی دوسری نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

فائدہ: احناف کے نزدیک اعذار کی صورت میں بھی جمع حقیقی جائز نہیں، امام بخاریؒ بھی اسی کے قائل ہیں، اس لئے حضرت نے باب باندھا ہے: ''ظہر کو عصر تک مؤخر کرنے کا بیان'' یعنی مجبوری میں ظہر کو عصر تک مؤخر کر کے ایک ساتھ دونوں نمازیں ان کے وقتوں میں پڑھ سکتے ہیں، اور اسی کو جمع صوری کہتے ہیں۔

[۱۲-] بابُ تَاخِيْرِ الظُّهْرِ إِلَى الْعَصْرِ

[۵۴۳-] حدثنا أَبُوْ الْنُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى بِالْمَدِيْنَةِ سَبْعًا وَثَمَانِيًا: الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، فَقَالَ أَيُّوْبُ: لَعَلَّهُ فِيْ لَيْلَةٍ مَطِيْرَةٍ؟ قَالَ: عَسٰى. [انظر: ۵۶۲، ۱۱۷۴]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ منورہ میں سات اور آٹھ رکعتیں یعنی ظہر وعصر اور مغرب وعشا ایک ساتھ پڑھیں (یہ لف ونشر مشوش ہے، ظہرین میں آٹھ رکعتیں ہیں اور عشائین میں سات) ایوب سختیانی کہتے ہیں: میں نے جابر بن زید سے کہا: شاید بارانی رات میں یہ عمل کیا ہوگا؟ جابر بن زید نے کہا: شاید!............ مگر ترمذی کی اسی روایت میں جس کو ابن عباسؓ سے سعید بن جبیر نے روایت کیا ہے صراحت ہے کہ (اس دن) بارش نہیں تھی، پس جابر بن زید نے درجہ احتمال میں جو بات کہی ہے وہ صحیح نہیں۔

قولہ: عسی: أي عسی أن یکون فیھا: اسم وخبر کو حذف کیا گیا ہے۔

بابُ وَقْتِ الْعَصْرِ

نماز عصر کا وقت

اس باب میں تعجیل عصر کا بیان ہے، صرف احناف حق صلوٰۃ کی وجہ سے عصر میں قدرے تاخیر کو مستحب کہتے ہیں، تا کہ جو لوگ عصر کا وقت شروع ہونے کے بعد کاروبار اور مشغولیت چھوڑ کر سیدھے مسجد میں پہنچیں ان کو نفل پڑھنے کا موقع ملے، کیونکہ عصر کے بعد نوافل ممنوع ہیں، دیگر ائمہ کے نزدیک عصر کی نماز اول وقت میں پڑھنا افضل ہے، ان کے دلائل باب میں ہیں، مگر وہ صریح نہیں، اور احناف جو فی الجملہ تاخیر کو مستحب کہتے ہیں ان کی دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، وہ اپنے زمانہ کے لوگوں پر نقد کرتی ہیں کہ آپ لوگ ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھتے ہو، جبکہ نبی ﷺ اتنی تاخیر نہیں کرتے تھے، اور آپ لوگ عصر جلدی پڑھتے ہو، جبکہ نبی ﷺ اتنی جلدی عصر نہیں پڑھتے تھے، یعنی اپنے دونوں عمل بدلو، ظہر ذرا جلدی پڑھو، اور عصر ذرا تاخیر سے پڑھو۔ ظاہر ہے لوگ وقت داخل ہونے کے بعد ہی عصر پڑھتے ہوں گے، پھر بھی حضرت ام سلمہؓ تنبیہ فرماتی ہیں کہ آپ لوگ عصر جلدی پڑھتے ہو، معلوم ہوا کہ نبی ﷺ عصر میں کچھ تاخیر کرتے تھے، یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے اور ترمذی (حدیث ۱۶۱) میں ہے۔

تنبیہ: مگر احناف کے یہاں جمہور کے مسلک کے اعتبار سے پہلے ہی ایک مثل کی تاخیر ہو جاتی ہے، پہلے بتایا تھا کہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک ایک مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے اور دوسرے مثل سے عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک تیسرے مثل سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، اس ایک مثل کی تاخیر کا یہاں لحاظ کرنا چاہئے۔ اور عصر میں مزید تاخیر نہیں کرنی چاہئے، تیسرا مثل شروع ہوتے ہی اذان دینی چاہئے اور دس پندرہ منٹ کے بعد عصر پڑھ لینی چاہئے۔

فائدہ: نماز اول وقت ہی میں پڑھنی چاہئے کیونکہ وقت داخل ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کا حکم صَلُّوْا (نماز پڑھو) بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پس وقت ہوتے ہی نماز پڑھ لینی چاہئے کیونکہ امر کا امتثال (اطاعت) فوراً کرنا ہی حقیقی فرمانبرداری ہے مگر احناف کہتے ہیں کہ تین صورتوں میں یعنی حق مصلیان، حق صلوٰۃ اور حق وقت کی وجہ سے اول وقت کی فضیلت ثانی وقت کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

تفصیل:

۱- حق مصلیان: یعنی نمازیوں کا حق: اس حق کی بناء پر اول وقت کی فضیلت ثانی وقت کی طرف منتقل ہوتی ہے، کیونکہ اول وقت کی فضیلت اللہ کا حق ہے اور ثانی وقت کی فضیلت بندوں کا حق ہے اور جب ان دونوں حقوق میں تعارض ہوتا ہے تو بندوں کے حق کی رعایت کی جاتی ہے، کیونکہ وہ محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، اس کی مثال پہلے گذری ہے: احناف کہتے ہیں: عمومی احوال میں اسفار میں فجر پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس میں بندوں کے احوال کی رعایت ہے، اور رمضان میں

نیز حرمین شریفین میں جلدی یعنی غلس میں نماز فجر پڑھنا افضل ہے کیونکہ وہاں یہی قرین مصلحت ہے، رمضان میں لوگ سحری کے وقت بیدار ہوجاتے ہیں پس اسفار تک فجر کو مؤخر کرنے کی صورت میں یا تو لوگ تنہا نماز پڑھ کر سوجائیں گے یا نماز پڑھے بغیر سوئیں گے اور ان کی جماعت یا نماز فوت ہوجائے گی، اور حرمین شریفین میں تہجد کے وقت سے لوگ مسجد میں پہنچ جاتے ہیں، پس ان کی رعایت صبح صادق ہوتے ہی نماز پڑھ لینے میں ہے۔

غرض: جہاں بندوں کا حق تاخیر کا متقاضی ہو وہاں ثانی وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے اور جہاں بندوں کا حق بھی اول وقت کو چاہتا ہو وہاں دو فضیلتیں اکٹھا ہونے کی وجہ سے اول وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

۲- حق صلوٰۃ یعنی نفل نماز کا حق: اس کی صرف ایک مثال ہے، احناف کے نزدیک نماز عصر فی الجملہ یعنی کچھ تاخیر سے پڑھنا افضل ہے اور یہ نماز کا حق ہے اس لئے کہ عصر کے بعد نفل ممنوع ہیں پس وہ لوگ جو عصر کا وقت شروع ہونے کے بعد مسجد میں آتے ہیں اور وہ نفل پڑھنا چاہتے ہیں ان کو تھوڑا موقع دینا چاہئے، اگر وقت ہوتے ہی عصر پڑھ لی جائے گی تو یہ لوگ نفلوں سے محروم رہ جائیں گے، مگر میں نے ابھی کہا کہ جمہور کے مسلک کے اعتبار سے پہلے ہی ایک مثل کی تاخیر ہوجاتی ہے، اس تاخیر کا لحاظ کرنا چاہئے، مزید تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

۳- وقت کا حق: یعنی اگر نماز کے اول وقت میں کچھ خرابی ہو تو پھر فضیلت ثانی وقت کی طرف منتقل ہوگی، اور اس کی بھی صرف ایک مثال ہے اور وہ سخت گرمیوں میں ظہر کی نماز ہے، نبی ﷺ نے سخت گرمیوں میں ابراد کا یعنی ظہر تاخیر کرکے پڑھنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ گرمی کی زیادتی جہنم کے اثرات کے پھیلنے کی وجہ سے ہے، معلوم ہوا کہ گرمیوں میں ظہر کے اول وقت میں کچھ خرابی ہے اس لئے گرمیوں میں ظہر تاخیر سے پڑھنا افضل ہے اور یہ حق وقت کی وجہ سے ہے۔

[۱۳-] بابُ وَقْتِ الْعَصْرِ

[۵٤٤-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: ثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّى الْعَصْرَ، وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا. [راجع: ۵۲۲]

[۵٤۵-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَلَّى الْعَصْرَ، وَالشَّمْسُ فِىْ حُجْرَتِهَا، لَمْ يَظْهَرِ الْفَىْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا. [راجع: ۵۲۲]

[۵٤٦-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِىِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّىْ صَلَاةَ الْعَصْرِ، وَالشَّمْسُ طَالِعَةٌ فِىْ حُجْرَتِىْ، وَلَمْ يَظْهَرِ الْفَىْءُ بَعْدُ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَقَالَ مَالِكٌ، وَيَحْيىَ بْنُ سَعِيْدٍ، وَشُعَيْبٌ، وَابْنُ أَبِىْ حَفْصَةَ: وَالشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ.

حدیث (۱): صدیقہ فرماتی ہیں: نبی ﷺ عصر پڑھا کرتے تھے درانحالیکہ دھوپ ان کے کمرے سے نکلی نہیں ہوتی

تھی یعنی ابھی دھوپ حجرہ میں ہوتی تھی اگلی دیوار پر نہیں چڑھی ہوتی تھی —— (۲) نبی ﷺ عصر پڑھتے تھے درانحالیکہ دھوپ ان کے کمرے میں ہوتی تھی، سایہ ان کے حجرہ سے (دیوار پر) چڑھا نہیں ہوتا تھا —— (۳) نبی ﷺ عصر پڑھا کرتے تھے درانحالیکہ سورج (دھوپ) ان کے کمرے میں موجود ہوتا تھا، ابھی سایہ چڑھا نہیں ہوتا تھا۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: امام مالک، یحییٰ قطان، شعیب اور ابن ابی حفصہ کی روایت میں **والشمسُ قبل أن تظهر** ہے: دھوپ ابھی اوپر نہیں چڑھی ہوتی تھی یعنی ابن عیینہ کی حدیث میں سایہ کا ذکر ہے اور ان حضرات کی حدیث میں دھوپ کا۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان حدیثوں سے ائمہ ثلاثہ تعجیل عصر پر استدلال کرتے ہیں اور حنفیہ تاخیر پر، مگر یہ دونوں استدلال معرضِ خفاء میں ہیں۔ اس لئے کہ حجرہ سے کیا مراد ہے، رہائشی کمرہ مراد ہے یا کمرہ کی مشرقی جانب کا صحن مراد ہے؟ کمرہ کے دو دروازے تھے، ایک: مغربی جانب میں تھا جو مسجد میں کھلتا تھا، دوسرا: مشرقی جانب میں تھا جو صحن میں کھلتا تھا، اور مسجد کی طرف کمرے اور مسجد میں کوئی فصل نہیں تھا، پس دھوپ مسجد کے مغربی دروازہ سے داخل ہو کر پوری مسجد سے گذر کر کمرہ میں داخل ہوگی، پھر کمرہ کے صحن سے گذر کر سامنے والی دیوار پر چڑھے گی، ظاہر ہے اس صورت میں عصر میں شدید تاخیر ہوجائے گی۔ اور اگر حجرہ سے صحن مراد ہے جو کمرہ کی مشرقی جانب میں تھا تو کمرہ کا سایہ صحن میں پڑے گا اور وہ سایہ بڑھ کر سامنے کی دیوار پر چڑھے گا، لیکن کمرہ کتنا اونچا تھا اور صحن کتنا بڑا تھا، یہ بات اب متعین کرنا دشوار ہے اس لئے اس حدیث سے نہ تعجیل پر استدلال درست ہے نہ تاخیر پر، اور روات بھی کبھی لفظ شمس (دھوپ) استعمال کرتے ہیں کبھی الفَیْء (سایہ) پہلے لفظ سے پہلا احتمال راجح معلوم ہوتا ہے اور دوسرے لفظ سے دوسرا احتمال، میری ناقص رائے میں دوسرا احتمال راجح ہے اور حدیث کی مراد یہ ہے کہ کمرے کا جو سایہ صحن میں پڑتا تھا وہ ابھی صحن میں ہوتا تھا، اگلی دیوار پر نہیں چڑھا ہوتا تھا، اس وقت آنحضور ﷺ عصر پڑھتے تھے، اور اس سے تعجیل یا تاخیر پر استدلال کرنا اب ممکن نہیں، کیونکہ اب نہ وہ حجرہ رہا نہ وہ صحن!

[۵۴۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَوْفٌ، عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِيْ عَلٰى أَبِيْ بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ، فَقَالَ لَهُ أَبِيْ: كَيْفَ كَانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ؟ فَقَالَ: كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيْرَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْأُوْلٰى حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ، وَيُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلٰى رَحْلِهِ فِيْ أَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَنَسِيْتُ مَاقَالَ فِي الْمَغْرِبِ، وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ مِنَ الْعِشَاءِ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ، وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا، وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهُ، وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّيْنَ إِلَى الْمِائَةِ. [راجع: ۵۴۱]

وضاحت: یہ حدیث گذشتہ سے پیوستہ باب میں گذر چکی ہے، حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضور ﷺ کے پیچھے عصر پڑھ کر مدینہ کے آخری کنارہ کا رہنے والا اپنے گھر پہنچ جاتا تھا درانحالیکہ سورج زندہ ہوتا تھا یعنی ابھی

سورج آب وتاب کے ساتھ روشن ہوتا تھا، اس جزء سے تعجیل عصر پر استدلال کیا گیا ہے، مگر میں نے بتایا تھا کہ جب تک یہ بات معلوم نہ ہو کہ مدینہ کی آخری آبادی مسجد نبوی سے کتنی دور تھی؟ اور جانے والا سوار ہو کر جاتا تھا یا پیدل؟ اس وقت تک تعجیل یا تاخیر پر استدلال کرنا مشکل ہے اور اب اس کو جاننے کی کوئی صورت نہیں۔

قوله: کان یُصَلِّیْ الهجیر: آپؐ دوپہر کی نماز جسے تم پہلی نماز کہتے ہو سورج ڈھلنے کے وقت پڑھا کرتے تھے، **الهجیر** اور **الهاجرة**: دونوں کے معنی ہیں: دوپہر۔ **دَحَضَ (ف) رجلُه دَحَضًا**: پھسلنا، جب سورج پھسلتا تھا یعنی مغرب کی طرف ڈھلتا تھا.......... **العَتَمَة**: دورِ اول میں عشاء کو عتمہ بھی کہا جاتا تھا، نبی ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے.......... **وکان یکره النوم قبلها**: عشاء سے پہلے سونے کا اور عشاء کے بعد قصہ گوئی کا حکم چند ابواب کے بعد آرہا ہے۔

[۵۴۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِیْ طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّیْ الْعَصْرَ، ثُمَّ يَخْرُجُ الإِنْسَانُ إِلٰى بَنِیْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَيَجِدُهُمْ يُصَلُّوْنَ الْعَصْرَ.

[انظر: ۵۵۰، ۵۵۱، ۷۳۲۹]

حدیث (۵): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم عصر پڑھا کرتے تھے پھر ایک شخص قبیلہ بنی عمرو بن عوف کی طرف نکلتا، پس وہ ان کو عصر کی نماز پڑھتے ہوئے پاتا۔

تشریح: قبیلہ بنی عمرو بن عوف مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر قبا میں آباد تھا، نبی ﷺ کے پیچھے عصر پڑھ کر ایک شخص چلتا جب قباء پہنچتا تو وہاں عصر کی نماز ہو رہی ہوتی تھی۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں: **ایک:** نبی ﷺ عصر جلدی پڑھتے تھے۔ **دوم:** عہد رسالت میں صحابہ عصر تاخیر سے پڑھتے تھے، پس حدیث شریف کی دونوں باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں، نبی ﷺ عصر جلدی پڑھتے تھے اس سے تعجیل عصر پر استدلال کرنا اور دوسری بات سے صرف نظر کرنا ٹھیک نہیں۔ نبی ﷺ فجر، ظہر اور عصر جلدی پڑھتے تھے اور صحابہ دیر سے، اس لئے کہ مسجد نبوی کے احوال اسی کے متقاضی تھے، وہاں اول وقت لوگ حاضر ہو جاتے تھے، جبکہ مدینہ منورہ کی دوسری مساجد کی صورتِ حال اس سے مختلف تھی، وہاں کچھ تاخیر سے لوگ پہنچتے تھے اس لئے نبی ﷺ نے ان کو تاخیر کرنے کا حکم دیا تھا۔

[۵۴۹-] حدثنا ابْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُوْلُ: صَلَّيْنَا مَعَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ الظُّهْرَ، ثُمَّ خَرَجْنَا حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، فَوَجَدْنَاهُ يُصَلِّیْ الْعَصْرَ، فَقُلْتُ: يَا عَمِّ! مَا هٰذِهِ الصَّلَاةُ الَّتِیْ صَلَّيْتَ؟ قَالَ: الْعَصْرُ، وَهٰذِهِ صَلَاةُ رسولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم الَّتِیْ كُنَّا نُصَلِّیْ مَعَهُ.

حدیث (٦): ابوبکر (راوی) کے چچا ابوامامہ اسعد بن سہل بن حنیف رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پیچھے ظہر پڑھی، پھر ہم مسجد سے نکلے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، ہم نے ان کو عصر پڑھتے ہوئے پایا، میں نے پوچھا: چچا! آپ نے یہ کونسی نماز پڑھی؟ آپؓ نے فرمایا: یہ عصر ہے، اور یہ نبی ﷺ کی نماز ہے جو ہم آپؐ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ میں رہتے تھے اور مدینہ منورہ آتے جاتے تھے، ایک مرتبہ آپؓ مدینہ آئے، ابوامامہ وغیرہ مسجد میں ظہر پڑھ کر آپؓ سے ملنے گئے آپؓ عصر کی نماز کی تیاری کر رہے تھے، اس وقت مدینہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے، وہ کامل متبع سنت تھے اور وہ مستحب اوقات میں نماز پڑھاتے تھے، حضرت انسؓ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: میں نے اس نوجوان کی نماز سے زیادہ کسی کی نماز نبی ﷺ کی نماز سے مشابہ نہیں دیکھی (مسند احمد ۲۹:۲) مگر اس دن کسی عذر سے انھوں نے ظہر دیر سے پڑھائی، جب یہ لوگ حضرت انسؓ کے گھر پہنچے تو آپؓ نے فرمایا: آؤ! پہلے نماز پڑھ لیں، پھر بیٹھیں، ان لوگوں نے عرض کیا: ہم نماز پڑھ کر آئے ہیں، آپؓ نے پوچھا: کونسی نماز؟ عرض کیا: ظہر کی نماز، حضرت انسؓ نے فرمایا: میں عصر کی نماز کی بات کر رہا ہوں، چنانچہ سب نے باجماعت نماز پڑھی۔ پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ اس وقت عصر پڑھا کرتے تھے۔

ظاہر ہے حضرت انسؓ نے عصر کے اول وقت میں نماز پڑھی ہے اور یہی نبی ﷺ کا معمول تھا مگر میں نے ابھی بتایا ہے کہ نبی ﷺ فجر، ظہر اور عصر جلدی پڑھتے تھے اور صحابہ دیر سے پڑھتے تھے۔

علاوہ ازیں: حضرت انسؓ بڑھاپے کی وجہ سے نماز گھر میں پڑھتے تھے، ترکِ جماعت کے اعذار میں سے بڑھاپا بھی ہے اور حنفیہ عصر میں فی الجملہ تاخیر مسجدِ جماعت میں مستحب کہتے ہیں، تاکہ جسے نوافل پڑھنے ہوں پڑھ لے، اور جو شخص گھر میں نماز پڑھتا ہے اس کو اگر نوافل پڑھنے ہیں تو تاخیر کرے گا، ورنہ تاخیر کی کوئی ضرورت نہیں، وہ اول وقت میں نماز پڑھے گا جیسا کہ حضرت انسؓ نے گھر میں اول وقت میں نماز پڑھی ہے۔

[۵۵۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ مِنَّا إِلٰى قُبَاءٍ، فَيَأْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ. [راجع: ۵۴۸]

[۵۵۱-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ الْعَصْرَ، وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ، فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِيْ، فَيَأْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، وَبَعْضُ الْعَوَالِيْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوِهِ. [راجع: ۵۴۸]

وضاحت: یہ دونوں حدیثیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہیں اور دونوں کا حاصل یہ ہے کہ نبی ﷺ کے ساتھ عصر

پڑھ کر قباء کا باشندہ قباء میں اور عوالی کا باشندہ عوالی میں پہنچ جاتا تھا درانحالیکہ سورج بلند اور زندہ ہوتا تھا، یعنی سورج پوری طرح روشن ہوتا تھا، ابھی اس میں تغیر نہیں آیا ہوتا تھا۔

مدینہ منورہ کی مشرقی جانب (بالائی حصہ) میں جو گاؤں تھے وہ عوالی کہلاتے تھے اور بعض گاؤں مدینہ منورہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر تھے۔ کرمانی کہتے ہیں: یہ امام بخاریؒ کا قول بھی ہوسکتا ہے اور حضرت انسؓ کا بھی اور ابن شہاب زہری کا بھی۔ عوالی ایک میل سے شروع ہوتے تھے، ان حدیثوں سے بھی تعجیل عصر پر استدلال کیا گیا ہے، مگر میں نے بتایا کہ نبی ﷺ عصر جلدی پڑھتے تھے اور عہد رسالت ہی میں صحابہ دیر سے عصر پڑھتے تھے، ہمیں دونوں باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں، ایک پہلو سے استدلال کرنا اور دوسرے پہلو سے صرف نظر کرنا ٹھیک نہیں۔

بابُ إِثْمِ مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ وَبَابُ مَنْ تَرَكَ الْعَصْرَ

عصر کی نماز فوت کرنے اور چھوڑنے کا گناہ

یہ دو باب اہم ہیں، پہلا باب نماز عصر فوت کرنے کے بارے میں ہے اور دوسرا ترکِ عصر کے بارے میں، فوت ہونا غیر اختیاری ہے اور ترک کرنا اختیاری، کسی شخص کو وقت کا خیال نہ رہا، اور عصر قضاء ہوگئی یہ فوت ہونا ہے۔ اور جان بوجھ کر بالقصد عصر کی نماز قضا کرنا ترک کرنا ہے اور فوت ہونا اگرچہ غیر اختیاری ہوتا ہے مگر اس کے اسباب اختیاری ہوتے ہیں، اور وہ دو سبب ہیں، جن کی طرف حدیث میں اشارہ ہے، ایک: کاروبار کی مصروفیت، دوسرا: اہل وعیال کی مشغولیت۔ چونکہ فوت ہونے کے اسباب اختیاری ہیں اس لئے حدیث میں عصر فوت ہونے کا بھی نقصان بیان کیا گیا ہے اور فوت کرنا تو سنگین گناہ ہے، پس اس کا نقصان اور زیادہ ہوگا اور وہ اگلے باب میں آرہا ہے۔

[۱٤-] بابُ إِثْمِ مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ

[۵۵۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ: " الَّذِیْ تَفُوْتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ"

وَقَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: يَتِرَكُمْ: وَتَرْتُ الرَّجُلَ: إِذَا قَتَلْتَ لَهُ قَتِيْلًا، أَوْ أَخَذْتَ لَهُ مَالًا.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جس کے ہاتھ سے عصر کی نماز نکل گئی تو گویا اس کے خاندان کے آدمی پر اور اس کے مال پر آفت آن پڑی، یعنی نہ تو مقتول کا قصاص ملا اور نہ دیت۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سورۂ محمد میں جو ﴿وَلَنْ يَّتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ﴾ آیا ہے وہ فعل اسی وترتُ الرجلَ سے ماخوذ ہے، جب تم کسی کا کوئی آدمی قتل کردو یا اس کا مال لے لو تو یہ فعل استعمال کرتے ہیں۔

تشریح: اسلامی حکومت میں جب کوئی آدمی قتل ہوجاتا ہے تو مقتول کے ورثاء کو قصاص و دیت میں سے کوئی ایک ضرور ملتا ہے، خون رائگاں نہیں جاتا، پس اگر کوئی شخص مارا جائے اور مقتول کے ورثاء کو نہ قصاص ملے اور نہ دیت تو خون رائگاں گیا، یہ جتنا بھاری نقصان ہے نماز عصر فوت ہونے کا گویا اتنا ہی بڑا نقصان ہے۔

ترکیب اور معنی: وُتِرَ: فعل ماضی مجہول ہے اور یہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اور أَهْلَه و مالَه علی سبیل البدلیت مفعول ثانی ہیں اور مفعول اول جو نائب فاعل ہے محذوف ہے اور وہ مقتول کا وارث ہے اور فاعل بھی محذوف ہے، اور وہ قاتل ہے، اس صورت میں وُتر بمعنی أُصیب (آفت ڈالا گیا) ہوگا، یعنی مقتول کے وارث پر آفت ڈالی گئی اس کے مال یعنی دیت کی اور اس کے اہل یعنی آدمی کی، یعنی مقتول کی نہ دیت ملی اور نہ قصاص۔

اور دوسری ترکیب یہ بھی ہوسکتی ہے کہ أَهلُه و مالُه نائب فاعل ہوں، اس صورت میں وُتر بمعنی أُخِذَ (لیا گیا) ہوگا، پس گویا اس کا آدمی (مقتول) اور اس کا مال (دیت) لے لیا گیا۔ محدثین کے نزدیک پہلی ترکیب مشہور ہے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ عام طور پر شرحوں میں اس حدیث کا مطلب یہ لکھا ہے کہ جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی تو گویا اس کا سارا مال برباد ہوگیا اور اس کی ساری فیملی ہلاک ہوگئی، مگر میری سمجھ میں یہ مطلب نہیں آیا اس لئے کہ فعل وُتِرَ قصاص اور دیت نہ ملنے کے ساتھ خاص ہے اس لئے میرے نزدیک حدیث کا وہ مطلب متعین ہے جو ابھی عرض کیا۔

قال أبو عبد الله: سورۂ محمد (آیت ۳۵) میں ہے: ﴿وَلَنْ يَّتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ﴾: حاشیہ میں لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے معنی بیان کرنے کے لئے آیت کا یہ ٹکڑا نہیں لکھا بلکہ ترکیب سمجھانے کے لئے لکھا ہے کہ اس فعل کے دو مفعول آتے ہیں، جیسے آیت میں كُمْ پہلا مفعول ہے اور أَعْمَالَكُمْ دوسرا مفعول ہے، اور وترتُ الرجلَ إلخ سے یہ بیان کیا ہے کہ اس کا کبھی ایک مفعول بھی آتا ہے، جب کوئی کسی کو قتل کردے یا اس کا مال لے لے تو کہا جاتا ہے: وترتُ الرجلَ: میں نے فلاں کو مار دیا یا فلاں کا مال لے لیا، اس محاورہ میں ایک ہی مفعول ہے۔

[۱۵-] بابُ مَنْ تَرَكَ الْعَصْرَ

[۵۵۳-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِي غَزْوَةٍ فِي يَوْمٍ ذِي غَيْمٍ، فَقَالَ: بَكِّرُوْا بِصَلَاةِ الْعَصْرِ، فَإِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ" [انظر: ۵۹۴]

ترجمہ: ابوالملیح کہتے ہیں: ہم ایک غزوہ میں ابر آلود دن میں حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے آپؓ نے فرمایا: عصر جلدی پڑھ لو، اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی یقیناً اس کے اعمال اکارت ہوگئے"

تشریح: اس حدیث میں جان بوجھ کر نماز عصر چھوڑنے کا نقصان بیان کیا گیا ہے، یہ نقصان گذشتہ نقصان سے دو اعتبار

سے بڑھا ہوا ہے۔ ایک: گذشتہ حدیث میں کأنما (گویا) تھا یعنی خطرہ کا اظہار تھا اور یہاں قد تحقیقیہ ہے یعنی نقصان یقینی ہے۔ دوم: گذشتہ حدیث میں عصر فوت ہونے کا نقصان خارجی چیزوں میں تھا، قصاص اور دیت خارجی چیزیں ہیں، اور یہاں اپنے اعمال کا اکارت ہونا ہے، اور یہ ذاتی نقصان ہے، اور ذاتی نقصان متعلقات کے نقصان سے بڑھا ہوا ہوتا ہے اور متعلقات کا نقصان ہلکا سمجھا جاتا ہے، کسی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، گاڑی پوری ختم ہوگئی مگر خود بچ گیا تو ہر شخص کہتا ہے: اللہ کا فضل ہوا کہ آپ بچ گئے، گاڑی تو دوسری بھی آجائے گی اور گاڑی بچ گئی اور خود مر گیا تو یہ بھاری نقصان ہے، غرض ذاتی نقصان بڑا سمجھا جاتا ہے اور اعمال کا اکارت ہوجانا ذاتی نقصان ہے اور اس کا تحقق بھی یقینی ہے پس بالقصد عصر چھوڑنے کا نقصان بھاری نقصان ہے۔

بَابُ فَضْلِ صَلاَةِ الْعَصْرِ

نمازِ عصر کی اہمیت

باب میں ایک آیتِ کریمہ اور ایک حدیث شریف ہے، حدیث سے بھی عصر کی اہمیت نکلتی ہے اور آیت سے بھی، آیتِ پاک کا حاصل یہ ہے کہ آخرت میں دو باتوں سے اللہ عزوجل کا دیدار نصیب ہوگا، ایک: پابندی کے ساتھ فجر پڑھنے سے، دوم: پابندی کے ساتھ عصر پڑھنے سے۔ معلوم ہوا کہ عصر کی نماز کا دیدارِ خداوندی میں دخل ہے اور یہی عصر کی فضیلت ہے اور اس فضیلت میں فجر بھی شریک ہے، اور حدیث کا حاصل یہ ہے کہ فجر وعصر میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی ہیں، دن والے فرشتے فجر میں آتے ہیں اور رات والے فرشتے فجر پڑھ کر رخصت ہوجاتے ہیں، اور عصر میں رات والے فرشتے آجاتے ہیں اور دن والے فرشتے مغرب پڑھ کر رخصت ہوتے ہیں، دن والے فرشتے تو اپنے وقت پر آتے ہیں، صبح صادق سے دن شروع ہوجاتا ہے، مگر رات والے فرشتے وقت سے پہلے عصر پڑھنے کے لئے آجاتے ہیں، عصر سے رات شروع نہیں ہوتی، غروبِ شمس سے رات شروع ہوتی ہے پس رات والے فرشتوں کو مغرب میں آنا چاہئے، مگر وہ وقت سے پہلے عصر میں آجاتے ہیں، اس سے عصر کی فضیلت نکلی اور یہ فضیلت عصر کے ساتھ خاص ہے۔

اور تیسری فضیلت: اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلاَةِ الْوُسْطٰى﴾ اور مشہور ومرفوع حدیث کے مطابق صلوٰۃ وسطی کا مصداق عصر کی نماز ہے، اس تخصیص سے بھی عصر کی اہمیت نکلی۔

[۱۶-] باب فَضْلِ صَلاَةِ الْعَصْرِ

[۵۵۴-] حدثنا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةً، فَقَالَ: " إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا

تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ، لاَ تُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لاَ تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلاَةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا: فَافْعَلُوْا" ثُمَّ قَرَأَ:﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾[ق:٣٩] قَالَ إِسْمَاعِيْلُ: افْعَلُوْا، لاَتَفُوْتَنَّكُمْ.[انظر: ٥٧٣، ٤٨٥١، ٧٤٣٤، ٧٤٣٥، ٧٤٣٦]

حدیث (۱): حضرت جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے پاس تھے آپؐ نے ایک رات چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھتے ہو، اس کے دیکھنے میں دھکا مکی نہیں کرو گے پس اگر تمہارے بس میں ہو کہ تم ہرائے نہ جاؤ طلوع شمس سے پہلے والی نماز میں اور غروب سے پہلے والی نماز میں تو ایسا ضرور کرو'' یعنی پابندی سے یہ دو نمازیں پڑھو، پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اور اپنے رب کی خوبیاں بیان کر سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے'' اسماعیل کہتے ہیں: تم کرو، ہرگز تمہارے ہاتھ سے نکل نہ جائیں (یہ دو نمازیں) یعنی یہ نمازیں پابندی سے پڑھو، یہ اسماعیل نے أن لا تُغلَبوا کی تفسیر کی ہے۔

تشریح: یہ سفر کا واقعہ ہے، چودھویں کا چاند چمک رہا تھا، نبی ﷺ نے اس کو دیکھا اور فرمایا: جس طرح تم بے تکلف چاند کو دیکھ رہے ہو اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار کرو گے، اور ہر شخص اپنی جگہ سے زیارت کرے گا، نہ کوئی بھیڑ ہوگی نہ دھکا مکی، مگر یہ شرف اس کو حاصل ہوگا جو فجر اور عصر کی نمازیں پابندی سے پڑھتا ہے، معلوم ہوا کہ یہ دو نمازیں خاص طور پر دیدار خداوندی کی صلاحیت پیدا کرتی ہیں، اور یہی ان کی فضیلت ہے۔

لغات: تُضَامُّوْنَ: فعل مضارع مجہول، ضَمَّ سے باب تفاعل، جس کے معنی ہیں ملنا، یعنی پروردگار کے دیدار میں تم ایک دوسرے سے ملو گے نہیں یعنی ہجوم اور اژدحام نہیں ہوگا، ہر شخص بہ سہولت اپنی جگہ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا۔ اور ایک روایت میں لاَ تُضَامُوْنَ بہ تخفیف میم ہے، یہ ضَيْمٌ سے فعل مضارع مجہول ہے، جس کے معنی ہیں ظلم کرنا یعنی اس کے دیدار میں تم پر ظلم نہیں ہوگا کہ کوئی دیکھے کوئی محروم رہے: ایسا نہیں ہوگا۔

لاتُغْلَبوا: فعل مضارع مجہول منفی، غَلَبَهُ: غالب ہونا، زیر کرنا، فتح پانا اور فعل مجہول کے معنی ہیں: ہرانا، مغلوب کرنا۔

[٥٥٥-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلاَئِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلاَئِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُوْنَ فِيْ صَلاَةِ الْفَجْرِ وَصَلاَةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ —وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ—: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: تَرَكْنَا هُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ"[انظر: ٣٢٢٣، ٧٤٢٩، ٧٤٨٦]

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس باری باری آتے ہیں، کچھ فرشتے رات میں اور کچھ فرشتے دن میں، اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں اکٹھا ہوتے ہیں، پھر وہ فرشتے جنھوں نے تمہارے اندر رات گذاری ہے آسمانوں میں چڑھتے

ہیں، پس ان سے ان کے پروردگار پوچھتے ہیں: جبکہ وہ بندوں کے احوال سے بخوبی واقف ہیں، کس حال میں چھوڑا تم نے میرے بندوں کو؟ وہ جواب دیتے ہیں: ہم نے چھوڑا ان کو درانحالیکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور پہنچے ہم ان کے پاس درانحالیکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے یعنی جب ہم زمین پر اترے اس وقت بھی وہ نماز میں مشغول تھے اور جب ہم لوٹے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے (اور یہی سوال وجواب دن کے فرشتوں سے بھی ہوتا ہے مگر اس کو فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا ہے)

تشریح: رات کے فرشتے عصر کے وقت ہی آجاتے ہیں جبکہ رات مغرب سے شروع ہوتی ہے مگر وہ عصر کی نماز کی محبت میں وقت سے پہلے آجاتے ہیں، یہی عصر کی فضیلت ہے............اور اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں ان کا علم حضوری ہے وہ سب کچھ جانتے ہیں مگر فرشتوں سے پوچھتے ہیں تاکہ تخلیق آدم کے وقت فرشتوں نے جو دبے لفظوں میں اعتراض کیا تھا کہ پروردگار آپ ایسی مخلوق کیوں پیدا کرتے ہیں جو زمین میں فساد مچائے گی؟ خون خرابہ کرے گی، ہم آپ کی تقدیس وتحمید کے لئے کافی ہیں؟ ان فرشتوں کو احساس دلانا ہے کہ تم نے جو اعتراض کیا تھا وہ غلط تھا، اللہ تعالیٰ ہی اپنے کاموں کی حکمت بہتر جانتے ہیں، یہ مخلوق جس کی تخلیق پر تم نے اعتراض کیا تھا وہ سب یکساں نہیں، ان میں وہ بھی ہیں جو ہر وقت بندگی میں لگے ہوئے ہیں، حالانکہ ان میں طبع مخالف بھی ہے، پس یہ ان کا فرشتوں سے بھی بڑا کمال ہے۔

بَابُ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوْبِ

جس نے سورج چھپنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ عصر کا وقت غروب تک رہتا ہے، اصفرار شمس کے بعد جو مکروہ وقت ہے وہ بھی عصر کا وقت ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جس نے غروب سے پہلے ایک رکعت کے بقدر وقت پالیا اس نے عصر پالی، اگر اصفرار شمس کے بعد کا وقت عصر میں شامل نہ ہوتا تو اس وقت کا پانا عصر میں محسوب نہ ہوتا، باب کی حدیث کا یہی مطلب ہے کہ جس نے غروب سے پہلے ایک رکعت پالی اس نے عصر پالی، یعنی غروب تک کا سارا وقت عصر کا وقت ہے، یہ اس باب کا مقصد ہے۔

اور باب کی ابن عمر اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کی حدیثیں بخاری میں بار بار آئیں گی اور ان میں اتنا اختلاف ہے کہ ان میں تطبیق دینا مشکل ہے، اس لئے اصل واقعہ پہلے سن لیں، پھر اس کی روشنی میں روایتیں سمجھیں اور جو اختلاف ایسا ہے کہ اس میں تطبیق دینا مشکل ہے اس کو متعلقات کا اختلاف قرار دیں۔

ایک مثال: ایک شخص کو مکان میں کوئی کام کروانا ہے وہ مزدور لایا اور پورے دن کی مزدوری ایک درہم طے کی، مزدوروں نے کام شروع کیا، دوپہر جب کھانے کا وقت ہوا تو انھوں نے کام سے معذرت کر دی کہ ہم آگے کام نہیں کریں گے، اور ہمیں آدھے دن کی مزدوری بھی نہیں چاہئے، مالک بھلا آدمی تھا اس نے کہا: تمہیں کام نہ کرنا ہو نہ کرو، مگر مزدوری پوری لے جاؤ چنانچہ اس نے سب کو ایک ایک درہم ادا کر دیا اور مزدور اجرت پا کر خوش ہو گئے، مگر کام ابھی باقی تھا اس لئے

مالک دوسرے مزدور لایا اوران کی بھی ایک ایک درہم مزدوری طے کی، یہ آدھا دن کام کریں گے اور پوری دہاڑی پائیں گے اور یہی اصول بھی ہے، صبح آٹھ بجے مزدور لائیں گے ان کو بھی پوری دہاڑی دیں گے اور دس بجے لائیں گے ان کو بھی پوری دہاڑی دیں گے، بہرحال نئے مزدور کام پر لگ گئے، مگر عصر کے وقت انھوں نے بھی معذرت کردی کہ ہمیں آگے کام نہیں کرنا اور اجرت بھی نہیں چاہئے، مگر مالک نے ان کو بھی ایک ایک درہم ادا کردیا مگر کام ابھی باقی ہے اور کسی وجہ سے آج ہی کام پورا کرنا ہے اس لئے مالک پھر مزدوروں کی تلاش میں نکلا، شام میں عام طور پر مزدور کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اس لئے اس نے لالچ دیا کہ غروب تک کام کرو، دو دو درہم دوں گا، وہ مزدور کمر کس کر کام میں لگ گئے اور غروب سے پہلے انھوں نے کام نمٹا دیا، مالک خوش ہوگیا اور سب کو دو دو درہم دے کر رخصت کیا، اب پہلے والے مزدور جنھوں نے دوپہر تک اور عصر تک کام کیا تھا آگئے اور انھوں نے مالک سے کہا: ہم نے کام زیادہ کیا اور مزدوری کم پائی، مالک نے جواب دیا: کیا میں نے تم پر کچھ ظلم کیا؟ تمہاری مزدوری پوری نہیں دی؟ انھوں نے کہا: ہمیں ہمارا جو حق تھا وہ آپ نے پورا پورا دے دیا ہے، پس مالک نے کہا: کیا میری جیب پر تمہاری اجارہ داری ہے جو اعتراض کرتے ہو؟ میری مرضی میں جس کو جو چاہوں دوں!

یہ آنحضور ﷺ نے یہود، عیسائی اور اس امت کی مثال بیان فرمائی ہے۔ پہلے مزدور یہودی ہیں، دوسرے مزدور عیسائی ہیں اور تیسرے مزدور یہ امت ہیں، اس حدیث میں تیسرے مزدوروں کے بارے میں ہے: عَمِلُوْا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ: انھوں نے غروب تک کام کیا، معلوم ہوا کہ عصر کا وقت سورج غروب ہونے تک باقی رہتا ہے۔

[۱۷-] بابُ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوْبِ

[۵۵۶-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيىَ، عَنْ أَبِىْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلاَةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ، فَلْيُتِمَّ صَلاَتَهُ، وَإِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلاَةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَلْيُتِمَّ صَلاَتَهُ" [انظر: ۵۸۰،۵۷۹]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو چاہئے کہ وہ اپنی نماز پوری کرے، اور جب سورج طلوع ہونے سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالے تو چاہئے کہ وہ اپنی نماز پوری کرے (یہ روایت بالمعنی ہے، حدیث کے اصل الفاظ آگے آرہے ہیں)

تشریح: عصر کی ایک رکعت پڑھی تھی کہ سورج غروب ہوگیا یا فجر کی ایک رکعت پڑھی تھی کہ سورج طلوع ہوگیا تو نماز باقی رہے گی یا ٹوٹ جائے گی؟ یہ مسئلہ یہاں زیر بحث نہیں، بلکہ اس باب کا مقصد صرف یہ ہے کہ عصر کا وقت غروب تک رہتا ہے اور اصفرارِ شمس کے بعد جو مکروہ وقت ہے وہ بھی عصر کا وقت ہے اور دلیل یہ ہے کہ حدیث میں قبل أن تغرب الشمس ہے،

معلوم ہوا کہ غروب تک کا سارا وقت عصر کا وقت ہے، غروب سے ذرا پہلے والے وقت کو بھی عصر میں شمار کیا گیا ہے۔

اور فلیتم صلوٰتہ: روایت بالمعنی ہے، راوی نے جیسا سمجھا ویسا روایت کردیا، اصل الفاظ فقد أدرك العصر اور فقد أدرك الفجر ہیں، آئندہ حدیث (نمبر ۵۷۹) میں یہ الفاظ آرہے ہیں۔

ملحوظہ: سورج کا اوپر کا کنارہ چھپ جائے تب غروب ہوگا اور سورج کا اوپر کا کنارہ نکل آئے تو طلوع ہوگیا، یہ شرعی طلوع وغروب ہے اور آبزرویٹو طلوع وغروب اس وقت مانتی ہے جب مرکزِ شمس افق سے گذر جائے، سورج خط افق سے چار منٹ میں گذرتا ہے، پس شریعت کے طلوع وغروب میں اور آبزرویٹو کے طلوع وغروب میں دو منٹ کا فرق ہوگا، شرعی طلوع دو منٹ پہلے اور غروب دو منٹ بعد ہوگا۔

[۵۵۷-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ إِبْرَاهِيْمُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيْمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ، كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ؛ أُوْتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ، فَعَمِلُوْا بِهَا، حَتّٰى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوْا، فَأُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا، ثُمَّ أُوْتِيَ أَهْلُ الإِنْجِيْلِ الإِنْجِيْلَ، فَعَمِلُوْا إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ عَجَزُوْا، فَأُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا، ثُمَّ أُوْتِيْنَا الْقُرْآنَ، فَعَمِلْنَا إِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ، فَأُعْطِيْنَا قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ. فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ: أَيْ رَبَّنَا! أَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ، وَأَعْطَيْتَنَا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا، وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلاً، قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ أَجْرِكُمْ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالُوْا: لَا، قَالَ: فَهُوَ فَضْلِيْ أُوْتِيْهِ مَنْ أَشَاءُ"

[انظر: ۲۲۶۸، ۲۲۶۹، ۳۴۵۹، ۵۰۲۱، ۷۴۶۷، ۷۵۳۳]

[۵۵۸-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَثَلُ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارَى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ قَوْمًا، يَعْمَلُوْنَ لَهُ عَمَلاً إِلَى اللَّيْلِ، فَعَمِلُوْا إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ، فَقَالُوْا: لَاحَاجَةَ لَنَا إِلٰى أَجْرِكَ، فَاسْتَأْجَرَ آخَرِيْنَ، فَقَالَ: أَكْمِلُوْا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ، وَلَكُمُ الَّذِيْ شَرَطْتُ، فَعَمِلُوْا حَتّٰى إِذَا كَانَ حِيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، قَالُوْا: لَكَ مَا عَمِلْنَا، فَاسْتَأْجَرَ قَوْمًا فَعَمِلُوْا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ، وَاسْتَكْمَلُوْا أَجْرَ الْفَرِيْقَيْنِ" [انظر: ۲۲۷۱]

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: تمہارا (دنیا میں) باقی رہنا ان امتوں کی بہ نسبت جو تم سے پہلے گذری ہیں اتنا ہے جتنا عصر سے غروب تک کا وقت ہے۔ تورات والے (یہودی) تورات دیئے گئے، پس انھوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ جب دن آدھا ہوا تو وہ تھک گئے، پس وہ ایک ایک قیراط دیئے گئے، پھر انجیل والے (عیسائی) انجیل دیئے گئے پس انھوں نے عصر تک عمل کیا پھر وہ تھک گئے، پس وہ بھی ایک ایک قیراط دیئے گئے، پھر ہم قرآن دیئے گئے، پس ہم نے

غروب تک کام کیا (یہی جزء ترجمہ سے متعلق ہے) پس ہم دودو قیراط دیئے گئے پس دونوں کتابوں والوں نے کہا: اے ہمارے رب! آپ نے ان لوگوں کو دودو قیراط دیئے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا درانحالیکہ ہم نے کام زیادہ کیا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: کیا میں نے تمہارے اجر میں سے کچھ بھی کم کیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، اللہ نے فرمایا: پس یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں عطا کروں!

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمان، یہودی اور نصاری کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے کچھ مزدور رکھے جو اس کے لئے رات تک کام کریں، پس انھوں نے دوپہر تک کام کیا، پھر کہا: ہمیں تیری اجرت کی ضرورت نہیں، پس اس نے دوسرے مزدور رکھے اور کہا: تم باقی دن کام کرو اور تمہارے لئے وہ ہے جو میں نے شرط کیا ہے، یعنی پہلے مزدوروں کے ساتھ شروع دن سے کام کرنے کی جو دہاڑی طے کی تھی وہ دہاڑی تمہیں بھی دوں گا، پس انھوں نے کام کیا، یہاں تک کہ جب عصر کا وقت ہوا تو انھوں نے کہا: تیرے لئے وہ ہے جو ہم نے کیا، یعنی ہمیں کام نہیں کرنا، اور جو کام ہم نے کیا ہے اس کی اجرت بھی نہیں چاہئے، پس اس نے تیسرے مزدور رکھے، پس انھوں نے باقی دن کام کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا، اور انھوں نے پہلی دونوں جماعتوں کی پوری مزدوری پائی۔

قولہ: إنما بقاء کم: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کا زمانہ یہود ونصاری کے زمانہ سے کم ہے، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تقریباً دوہزار سال ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ساڑھے پانچ سو سال، اور اس امت پر چودہ سو سال گذر چکے ہیں اور ابھی معلوم نہیں کب تک اس کا بقاء مقدر ہے، پس اس امت کا زمانہ کم کہاں ہوا؟ اس لئے میں نے کہا تھا کہ یہ روایت اتنے اختلاف کے ساتھ آئی ہے کہ کسی لفظ کی وجہ سے کوئی اشکال کرنا صحیح نہیں۔

بابُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ

مغرب کا وقت

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ مغرب کا وقت غروب سے شروع ہوتا ہے اور عشاء تک رہتا ہے۔ درمیان میں نہ کوئی مشترک وقت ہے اور نہ مہمل، اور دلیل یہ ہے کہ مریض جب جمع صوری کرے گا تو مغرب آخر وقت میں پڑھے گا اور عشاء اول وقت میں، اور پہلے بتایا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جمع حقیقی کے قائل نہیں، اور ابن عباسؓ کی حدیث جو پہلے گذری ہے اور یہاں بھی آرہی ہے وہ جمع صوری پر محمول ہے، اس میں نبی ﷺ نے مغرب آخر وقت میں اور عشاء اول وقت میں پڑھی ہے، معلوم ہوا کہ مغرب اور عشاء کے درمیان وقت مشترک اور وقت مہمل نہیں۔

اور باب میں چار حدیثیں ہیں پہلی تین حدیثوں میں مغرب کے اول وقت کا بیان ہے اور آخری حدیث میں مغرب اور عشاء میں اتصال کا بیان ہے، اور حضرت عطاء رحمہ اللہ کا اثر بھی اسی مقصد سے لائے ہیں کہ مریض جمع صوری کرسکتا ہے۔

[۱۸-] بابُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ

وَقَالَ عَطَاءٌ: يَجْمَعُ الْمَرِيْضُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.

[۵۵۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُوْ النَّجَاشِيِّ — اسْمُهُ عَطَاءُ بْنُ صُهَيْبٍ، مَوْلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ — قَالَ: سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ يَقُوْلُ: كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا، وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ.

حدیث(۱): رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ مغرب پڑھا کرتے تھے پھر ہم میں سے ایک لوٹتا تھا درانحالیکہ وہ اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھتا تھا، یعنی نبی ﷺ جب مغرب سے فارغ ہوتے تھے تو اتنی روشنی رہتی تھی کہ اگر تیر مارا جائے تو وہ کہاں گرا ہے وہ جگہ نظر آتی تھی، تیر چار سو ہاتھ جاتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب سورج غروب ہوتے ہی مغرب پڑھ لی جائے۔

[۵۶۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ: قَدِمَ الْحَجَّاجُ فَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ، وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ نَقِيَّةٌ، وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ، وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا وَأَحْيَانًا، إِذَا رَآهُمُ اجْتَمَعُوْا عَجَّلَ، وَإِذَا رَآهُمْ أَبْطَؤُا أَخَّرَ، وَالصُّبْحَ كَانُوْا أَوْ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْهَا بِغَلَسٍ. [انظر: ۵۶۵]

حدیث(۲): محمد بن عمروؒ کہتے ہیں: جب حجاج آیا تو ہم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی ﷺ نمازیں کب پڑھتے تھے؟ آپؓ نے فرمایا: نبی ﷺ ظہر دوپہر میں پڑھتے تھے اور عصر اس وقت پڑھتے تھے جب سورج صاف ہوتا تھا اور مغرب سورج غروب ہوتے ہی پڑھتے تھے اور عشاء کبھی اور کبھی، یعنی عشاء پڑھنے کا معمول مختلف تھا جب لوگ جلدی آجاتے تو آپؐ عشاء میں جلدی کرتے اور جب لوگ آنے میں دیر کرتے تو آپؐ عشاء دیر سے پڑھتے اور نبی ﷺ فجر غلس میں پڑھتے تھے۔

تشریح: پہلے بتایا ہے کہ حجاج: ولید بن عبدالملک کی طرف سے بصرہ کا گورنر تھا پھر کوفہ بھی اس کی گورنری میں دیدیا گیا، وہ نمازوں کے معاملہ میں لاپرواہ تھا جب مرضی ہوتی نماز پڑھانے آتا، اس وقت لوگوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی ﷺ کے نماز پڑھنے کے اوقات کیا تھے؟ آپؓ نے اوقات بیان کئے اور مغرب کے بارے میں فرمایا کہ سورج غروب ہوتے ہی آپؐ مغرب پڑھا کرتے تھے، معلوم ہوا کہ سورج غروب ہوتے ہی مغرب کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

[۵۶۱-] حدثنا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِيْ عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ، قَالَ: كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْمَغْرِبَ إِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ"

حدیث (۳): حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ مغرب پڑھا کرتے تھے، جب سورج اوٹ میں چلا جاتا تھا یعنی سورج غروب ہوجاتا تھا۔

تشریح: توارت میں جو ھی ضمیر پوشیدہ ہے وہ لفظ مغرب کے قرینہ سے سورج کی طرف لوٹتی ہے، اور سورۂ ص میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں بھی یہ لفظ آیا ہے ﴿فَقَالَ إِنِّيْ أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ یہاں بھی بعض مفسرین نے العشی کے قرینہ سے توارت کی ضمیر سورج کی طرف لوٹائی ہے اور آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کا معائنہ کرنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ سورج غروب ہوگیا اور نمازِ عصر قضا ہوگئی، لیکن ضمیر کا مرجع الصافنات (گھوڑے) بھی ہوسکتا ہے یعنی جہاد کی تیاری ہورہی تھی حضرت سلیمان علیہ السلام جنگی سامان کا معائنہ فرمارہے تھے، آپ کے سامنے گھوڑے پیش کئے گئے، آپ بیٹھ کران کا معائنہ فرمارہے تھے، گھوڑوں کی لائن اتنی لمبی تھی کہ گھوڑوں کا اگلا حصہ نظروں سے اوجھل ہوگیا ﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ جب معائنہ فرماچکے تو دل میں جذبۂ شکر ابھرا اور حکم دیا: ﴿رُدُّوْهَا عَلَيَّ﴾ گھوڑوں کو واپس لاؤ، اب آپ نے کھڑے ہوکر معائنہ شروع کیا اور گردن پر اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا اور فرمایا: ﴿إِنِّيْ أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ﴾ مجھے گھوڑوں سے محبت اس لئے ہے کہ یہ جہاد کا آلہ ہیں، غرض آیت میں توارت کا مصداق سورج متعین نہیں، بلکہ گھوڑے بھی اس کا مرجع ہوسکتے ہیں اور یہ مرجع پہلے صراحۃ مذکور ہے اور وہ اقرب بھی ہے یعنی ﴿الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ﴾: عمدہ گھوڑے اور سورج کا تذکرہ صراحۃً نہیں ہے، اس کو ﴿الْعَشِيِّ﴾: شام کے وقت سے مستنبط کرنا ہوگا، اور وہ بعید بھی ہے جبکہ اقرب کو مرجع بنانا بہتر ہے۔

[۵۶۲-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم سَبْعًا جَمِيْعًا وَثَمَانِيًا جَمِيْعًا. [راجع: ۵۴۳]

وضاحت: یہ حدیث چند ابواب پہلے گذری ہے اور یہاں یہ استدلال ہے کہ مغرب کا وقت عشاء کے وقت کے ساتھ متصل ہے ان کے درمیان وقت مشترک اور وقت مہمل نہیں، یہ باب بتلانے کے لئے یہ حدیث یہاں لائے ہیں۔

فائدہ: تمام ائمہ متفق ہیں کہ مغرب کی نماز سورج غروب ہوتے ہی فوراً پڑھ لینی چاہئے، یہی مستحب وقت ہے اور اشتباک نجوم یعنی ستاروں کا جال بننے سے پہلے تک مغرب کو مؤخر کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور اشتباک نجوم تک مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے جبکہ کوئی عذر نہ ہو، اگر سفر وغیرہ کے عذر سے تاخیر کرے تو مکروہ نہیں اور مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے،

اور شفق سے جمہور کے نزدیک سرخی مراد ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک سرخی اور سفیدی دونوں مراد ہیں، تفصیل پہلے گذری ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ مغرب کا وقت موسّع نہیں، مضیّق ہے یعنی مغرب کا وقت غروب کے بعد صرف اتنی دیر باقی رہتا ہے جس میں جنبی غسل کر کے اور بے وضو وضو کر کے پانچ رکعت پڑھ سکے مگر شوافع کے یہاں اس قول پر فتوی نہیں، ان کا مفتی بہ قول جمہور کے موافق ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۱:۴۶۵) میں ہے۔

بابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يُقَالَ لِلْمَغْرِبِ الْعِشَاءُ

ایک رائے یہ ہے کہ مغرب کو عشاء کہنا مکروہ ہے

غروب شمس کے بعد فوراً جو نماز ہے اس کا اسلامی نام مغرب ہے اور غروب شفق کے بعد جو نماز ہے اس کا اسلامی نام عشاء ہے، بول چال میں اس کا لحاظ رکھنا چاہئے، زمانۂ جاہلیت میں مغرب کے وقت کو عشاء کا وقت کہتے تھے، اس جاہلی نام کو رواج نہیں دینا چاہئے، اس کے دو نقصان ہیں: ایک: احکام میں اشتباہ پیدا ہوگا، دوسرے: بعض نصوص کے سمجھنے میں دشواری پیش آئے گی۔

پہلی بات کی تفصیل یہ ہے کہ نمازوں کے جو نام ہیں ان ناموں میں ان کے اوقات کی طرف اشارہ ہے: فجر یعنی صبح صادق سے فجر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ ظہر: یعنی سورج کا ڈھلنا، یہاں سے ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے، عصر کے معنی ہیں: نچوڑنا، یہ نماز دن کا اکثر حصہ گذار کر پڑھی جاتی ہے اس لئے اس کا یہ نام ہے، چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: لفظ عصر میں اشارہ ہے کہ عصر کی نماز وقت ہوتے ہی نہیں پڑھ لینی چاہئے بلکہ تھوڑا وقت گذار کر پڑھنی چاہئے، اس لئے حنفیہ کے نزدیک عصر میں تھوڑی تاخیر مستحب ہے، مغرب یعنی سورج کا غروب ہونا، یہاں سے مغرب کا وقت شروع ہوتا ہے اور عشاء کے معنی ہیں: تاریکی کی ابتداء، یہ معنی خلیل نحوی نے بیان کئے ہیں، شفق غروب ہوتے ہی تاریکی کی ابتداء ہوتی ہے اور یہی عشاء کا وقت ہے، اب اگر مغرب کو عشاء کہیں گے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں اس وقت کو عشاء کہا جاتا تھا تو احکام میں اشتباہ پیدا ہوگا، آدمی یہ سمجھے گا کہ جب رات چھا جائے تب مغرب کا وقت شروع ہوتا ہے، حالانکہ یہ تو مغرب کے وقت کی انتہاء ہے۔

اور دوسری بات کی تفصیل یہ ہے کہ بعض نصوص کے سمجھنے میں دشواری پیش آئے گی مثلاً سورۂ نور میں ہے کہ نابالغ بچے اور غلام تین وقتوں میں کمرے میں آنے کے لئے اجازت لیں، ان میں سے ایک وقت ہے ﴿وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ﴾ (النور آیت ۵۸) اگر مغرب کو عشاء کہیں گے تو اب آیت سمجھنے میں دشواری پیش آئے گی، اس لئے جاہلی ناموں کو بالکل چھوڑ دینا چاہئے، مغرب کو مغرب اور عشاء کو عشاء کہنا چاہئے، تاکہ احکام میں اشتباہ پیدا نہ ہو، اور نصوص کے سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے، یہی اس باب کا مقصد ہے۔

[۱۹-] بابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يُّقَالَ لِلْمغْرِبِ الْعِشَاءُ

[۵۶۳-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ - هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو - قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنِ الْحُسَيْنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ الْمُزَنِیُّ، أَنَّ النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم قَالَ:" لاَ تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلٰى اسْمِ صَلاَتِكُمُ الْمَغْرِبِ" قَالَ: وَتَقُوْلُ الْأَعْرَابُ: هِیَ الْعِشَاءُ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ہرگز تمہاری مغرب کی نماز کے نام پر بدّو غالب نہ آجائیں، حضرت عبداللہ کہتے ہیں: بدّو مغرب کو عشاء کہتے ہیں۔ یعنی بدّوں کا عرف ہرگز رائج نہ ہو، مغرب کو مغرب اور عشاء کو عشاء کہنا چاہئے، تاکہ احکام میں نہ اشتباہ پیدا ہو اور نہ نصوص کے سمجھنے میں دشواری پیش آئے۔

بابُ ذِكْرِ الْعِشَاءِ وَالْعَتَمَةِ، وَمَنْ رَآهُ وَاسِعًا

عشاء کو عتمہ کہنے کی گنجائش ہے

لفظ عتمة اور لفظ عشاء کے معنی ایک ہیں، یعنی تاریکی کی ابتداء، پس عشاء کو عتمہ بھی کہہ سکتے ہیں، اس لئے کہ اس سے نہ احکام میں اشتباہ پیدا ہوتا ہے اور نہ کوئی غلط فہمی ہوتی ہے، مگر عتمہ بدوؤں کی اصطلاح ہے اور شریعت کی اصطلاح عشاء ہے، قرآن میں عشاء ہی آیا ہے ﴿وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ﴾ پس شریعت کی اصطلاح ہی استعمال کرنی چاہئے، بدوؤں کی اصطلاح استعمال نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن اگر کوئی کرلے تو کچھ حرج بھی نہیں، جیسے حکیم کو عربی میں طبیب کہتے ہیں، جبکہ نبی ﷺ نے حکیم کو طبیب کہنے سے منع فرمایا ہے، ارشاد فرمایا: الطبیب هو الله، مگر لوگ حکیم کو طبیب کہتے ہیں اور یہ کہنا جائز ہے، اسی طرح غلام باندی کو عبدی اور أمتی کہنے سے منع فرمایا ہے، مگر قرآن وحدیث میں یہ اطلاق آیا ہے، اسی طرح عشاء کو عتمہ بھی کہہ سکتے ہیں، مگر یہ پسندیدہ لفظ نہیں —— اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے نو نصوص اکٹھا کی ہیں، کسی میں لفظ عشاء ہے اور کسی میں لفظ عتمہ، پس یہی دیکھنا ہے، اور درمیان میں حضرت رحمہ اللہ نے ایک مسئلہ بھی بیان کیا ہے۔

[۲۰-] بابُ ذِكْرِ الْعِشَاءِ وَالْعَتَمَةِ، وَمَنْ رَآهُ وَاسِعًا

[۱-] وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم:" أَثْقَلُ الصَّلاَةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ الْعِشَاءُ وَالْفَجْرُ"

[۲-] وَقَالَ:" لَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِی الْعَتَمَةِ وَالْفَجْرِ"

[۳-] قَالَ أَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ: وَالاِخْتِيَارُ أَنْ يَقُوْلَ: الْعِشَاءُ، لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَمِنْ بَعْدِ صَلاَةِ الْعِشَاءِ﴾ [النور: ۵۸]

[۴-] وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِیْ مُوْسَى، قَالَ: كُنَّا نَتَنَاوَبُ النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم عِنْدَ صَلاَةِ الْعِشَاءِ، فَأَعْتَمَ بِهَا.

[٥-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةُ: أَعْتَمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْعِشَاءِ.
[٦-] وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ عَائِشَةَ: أَعْتَمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْعَتَمَةِ.
[٧-] وقَالَ جَابِرٌ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ الْعِشَاءَ.
[٨-] وَقَالَ أَبُوْ بَرْزَةَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ.
[٩-] وَقَالَ أَنَسٌ: "أَخَّرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْعِشَاءَ الآخِرَةَ.
[١٠-] وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ، وَأَبُوْ أَيُّوْبَ، وَابْنُ عَبَّاسٍ: صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ.

(۱)حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں: منافقین پر دونمازیں: عشاءاور فجر بہت بھاری ہیں (اس میں لفظ عشاء ہے)

(۲)اورآپؐ نے فرمایا: اگرلوگ جان لیں وہ ثواب جوعتمہ اور فجر میں ہے(یہاں لفظ عتمہ ہے)

(۳)امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور عشاء کہنا بہتر ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ﴾ یعنی قرآن میں لفظ عشاء آیا ہے اس لئے وہی پسندیدہ ہے۔

(۴)اورابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں عشاء کے وقت باری باری جاتے تھے ایک دن آپؐ نے عشاء پڑھانے میں تاخیر کی۔

(۵)ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے عشاء پڑھانے میں تاخیر کی (أَعْتَمَ: عتمة سے ہے اور جب فعل استعمال کرسکتے ہیں تواسم بھی استعمال کرسکتے ہیں)

(۶)اور بعض روات عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نماز عتمہ پڑھانے میں دیر کی (اسم عتمہ اور فعل أعتم دونوں استعمال کئے ہیں)

(۷)اورحضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ عشاء پڑھا کرتے تھے۔

(۸)اورابوبرزہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ عشاء دیر سے پڑھایا کرتے تھے۔

(۹)اورحضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے پچھلی عشاء تاخیر سے پڑھائی (یہ دورِاول کی اصطلاح ہے دورِ اول میں مغرب کوعشاءاولیٰ (پہلی عشاء) اورعشاءکوعشاءآخرہ (پچھلی عشاء) کہتے تھے)

(۱۰)اورحضرت ابن عمر،ابوایوب اورابن عباس رضی اللہ عنہم کہتے ہیں: نبی ﷺ نے مغرب اورعشاء پڑھی۔

غرض نصوص میں لفظ عشاء بھی آیا ہے اورلفظ عتمہ بھی، پس عشاء کوعتمہ کہنے کی گنجائش ہے مگر پسندیدہ نام عشاء ہے اس لئے کہ وہ قرآن کی اور شریعت کی اصطلاح ہے، اور عتمہ بدؤں کی اصطلاح ہے، چنانچہ رفتہ رفتہ یہ جاہلی لفظ متروک ہوگیا، اب لفظ عشاء ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

[٥٦٤-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ سَالِمٌ: أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: صَلَّى لَنَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَيْلَةً صلاةَ الْعِشَاءِ، وَهِيَ الَّتِيْ يَدْعُوْ النَّاسُ الْعَتَمَةَ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ: "أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لاَ يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ" [راجع: ١١٦]

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہمیں نبی ﷺ نے ایک رات عشاء کی نماز پڑھائی اور عشاء وہ نماز ہے جس کو لوگ عتمہ کہتے ہیں، پھر آپؐ پھرے اور ہماری طرف متوجہ ہوئے پس فرمایا: "کیا تم نے اپنی اس رات کو دیکھا یعنی اس رات کو یاد رکھو پس بیشک اس رات سے سو سال پر ان لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا جو آج زمین کی پیٹھ پر ہے" —— اس حدیث میں لفظ عشاء بھی آیا ہے اور عتمہ بھی، اور یہ حدیث پہلے کتاب العلم (باب ۴۱) میں گذر چکی ہے۔

بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ أَوْ تَأَخَّرُوْا

عشاء پڑھنے کا وقت جب لوگ اکٹھا ہو جائیں یا آنے میں دیر کریں

مغرب میں تو ہمیشہ تعجیل مستحب ہے مگر عشاء میں معمول نبوی یہ تھا کہ اگر نمازی جلدی آجاتے تو آپؐ عشاء جلدی پڑھا دیتے تھے اور اگر لوگ دیر سے آتے تو آپؐ عشاء دیر سے پڑھاتے، پس عشاء کے وقت میں وسعت ہے۔ عوارض کا لحاظ کر کے تقدیم و تاخیر کر سکتے ہیں، یہی نبی ﷺ کا طریقہ تھا مگر اب ٹن کی نمازیں شروع ہو گئی ہیں جو نہی گھڑی میں وقت ہوتا ہے امام کو نماز پڑھانی پڑتی ہے، وہ تاخیر نہیں کر سکتا، اور امام حاضر نہیں ہے تو کوئی بھی پڑھا دیتا ہے، امام کا انتظار نہیں کرتے، یہ صحیح طریقہ نہیں۔ دورِ اول میں ائمہ کا مسجد پر کنٹرول تھا ان کی مرضی کے خلاف نمازیں نہیں ہو سکتی تھیں، یہی سنت ہے ایسے ائمہ کو چاہئے کہ وہ لوگوں کی رعایت کر کے عشاء پڑھائیں اگر لوگ جلدی آجائیں تو جلدی پڑھا دیں اور لوگ آنے میں دیر کریں تو تھوڑی تاخیر سے پڑھائیں، یہی نبی ﷺ کا طریقہ تھا۔

[٢١-] بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ أَوْ تَأَخَّرُوْا

[٥٦٥-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، وَهُوَ ابْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ، قَالَ: سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ صَلاَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ، وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ، وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوْا أَخَّرَ، وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ. [راجع: ٥٦٠]

ملحوظہ: یہ حدیث چند ابواب پہلے گذری ہے۔

بابُ فَضْلِ الْعِشَاءِ

عشاء کی اہمیت

عشاء کی نماز اس امت کی خصوصیت ہے، اللہ عزوجل نے نبی ﷺ اور آپؐ کی امت کے لئے عشاء کو چھپا رکھا تھا، کسی امت کو یہ نماز نہیں دی، اور جو چیزیں قیمتی ہوتی ہیں وہ چھپا کر رکھی جاتی ہیں اور اہم شخصیت کو دی جاتی ہیں اور بڑی شخصیت کو جو چیز دی جاتی ہے وہ قیمتی ہوتی ہے، یہی عشاء کی فضیلت ہے، حضرت الاستاذ قدس سرہ نے فرمایا کہ تعجب ہے حافظ عسقلانی رحمہ اللہ کو باب کی حدیث میں عشاء کی فضیلت نظر نہیں آئی، حالانکہ اس کی فضیلت واضح ہے جو اوپر بیان کی گئی۔

[۲۲-] بابُ فَضْلِ الْعِشَاءِ

[۵٦٦-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ، قَالَتْ: أَعْتَمَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَيْلَةً بِالْعِشَاءِ، وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ يَفْشُوَ الإِسْلَامُ، فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى قَالَ عُمَرُ: نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ، فَقَالَ لِأَهْلِ الْمَسْجِدِ: "مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ" [انظر: ٥٦٩، ٨٦٢، ٨٦٤]

حدیث (۱): صدیقہ فرماتی ہیں: ایک رات نبی ﷺ نے عشاء پڑھانے میں تاخیر کی اور یہ اسلام پھیلنے سے پہلے کا واقعہ ہے پس آپ نماز پڑھانے کے لئے نہیں نکلے، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "عورتیں اور بچے سونے لگے" پس آپؐ نکلے اور آپؐ نے مسجد والوں سے فرمایا: "روئے زمین پر تمہارے علاوہ کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا"

تشریح: ایک مرتبہ نبی ﷺ نے کسی مصروفیت کی وجہ سے عشاء پڑھانے میں دیر کر دی، یہاں تک کہ عورتیں اور بچے سونے لگے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ آپؐ نے گھنٹوں تاخیر کی ہوگی، عورتیں اور بچے بہت جلد سونے لگتے ہیں، بلکہ بعض مرد بھی عورتوں کی طرح بہت جلد سو جاتے ہیں۔

اور یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب اسلام پورے جزیرۃ العرب میں نہیں پھیلا تھا، صرف مدینہ میں مسلمان تھے، اور مدینہ منورہ کی مسجدوں میں لوگ عشاء پڑھ کر سو چکے تھے صرف مسجد نبوی میں لوگ نماز کا انتظار کر رہے تھے اور منتظر صلوٰۃ بحکم صلوٰۃ ہوتا ہے، پس ان کو بیٹھے بیٹھے نماز کا ثواب مل رہا تھا۔

[۵٦٧-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَأَصْحَابِيْ الَّذِيْنَ قَدِمُوْا فِيْ السَّفِيْنَةِ: نُزُوْلاً فِيْ بَقِيْعِ بُطْحَانَ، وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْمَدِيْنَةِ،

فَكَانَ يَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عِنْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ كُلَّ لَيْلَةٍ نَفَرٌ مِنْهُمْ، فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَنَا وَأَصْحَابِيْ، وَلَهُ بَعْضُ الشُّغْلِ فِيْ بَعْضِ أَمْرِهِ، فَأَعْتَمَ بِالصَّلَاةِ حَتّٰى ابْهَارَّ اللَّيْلُ، ثُمَّ خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَصَلّٰى بِهِمْ، فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ قَالَ لِمَنْ حَضَرَهُ: "عَلٰى رِسْلِكُمْ! أَبْشِرُوْا، إِنَّ مِنْ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ: أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ يُصَلِّيْ هٰذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ" أَوْ قَالَ: "مَا صَلّٰى هٰذِهِ السَّاعَةَ أَحَدٌ غَيْرُكُمْ" - لَا يَدْرِيْ أَيَّ الْكَلِمَتَيْنِ قَالَ - قَالَ أَبُوْ مُوْسٰى: فَرَجَعْنَا فَرْحٰى بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

حدیث (۲): ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اور میرے ساتھی جو میرے ساتھ کشتی میں آئے تھے بقیع قبرستان کے قریب بطحان نامی میدان میں اترے تھے (نزولاً: کنتُ کی خبر ہے) اور نبی ﷺ مدینہ منورہ میں تھے، پس ان میں سے ایک جماعت ہر رات عشاء کی نماز کے وقت باری باری نبی ﷺ کے پاس آتی تھی (نفرٌ: یتناوبُ کا فاعل ہے) پس ایک دن اتفاقاً ایسا ہوا کہ میں اور میرے ساتھی عشاء پڑھنے گئے اور آپؐ اپنے کسی کام میں مشغول تھے، پس آپؐ نے عشاء پڑھانے میں دیر کی یہاں تک کہ رات آدھی ہوگئی، پھر نبی ﷺ نکلے پس آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے حاضرین سے فرمایا: "اپنی جگہ رہو! خوشخبری سن لو، بیشک تم پر یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس وقت تمہارے علاوہ کوئی اس نماز کو پڑھنے والا نہیں" یا فرمایا: "اس وقت تمہارے علاوہ کسی نے یہ نماز نہیں پڑھی" دونوں میں سے کونسی بات فرمائی یہ راوی کو یاد نہیں رہا، راوی کہتا ہے: حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا: پس ہم اس بات کی وجہ سے جو ہم نے نبی ﷺ سے سنی خوش خوش (اپنے ڈیروں میں) لوٹے۔

تشریح: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یمن سے مدینہ طیبہ کے لئے سمندری راستہ سے نکلے تھے، کشتی میں اور مسلمان بھی تھے، راستہ میں کشتی بھٹک گئی اور وہ حبشہ پہنچ گئے، وہاں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، اور وہ وہیں رک گئے، پھر سن ۷ ہجری میں حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ آئے اس وقت نبی ﷺ خیبر میں تھے، یہ حضرات خیبر چلے گئے، خیبر سے واپسی کے بعد بقیع قبرستان کے پاس ایک میدان بطحان نامی تھا، اس قافلہ نے وہاں قیام کیا، یہ حضرات باری باری عشاء کے وقت نبی ﷺ کی خدمت میں دین سیکھنے کے لئے حاضر ہوتے تھے اور سب ایک ساتھ اس لئے نہیں آتے تھے کہ سامان کی خبر گیری بھی ضروری تھی، ایک دن حضرت ابوموسیٰؓ کی باری تھی، وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عشاء کے وقت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ عشاء کے بعد احادیث سنیں، اتفاق سے اس دن نبی ﷺ کسی کام میں مشغول تھے، آپؐ آدھی رات کے بعد عشاء پڑھانے کے لئے تشریف لائے، عشاء کے بعد آپؐ نے تقریر فرمائی کہ تم پر اللہ عزوجل کا یہ خصوصی انعام ہے کہ اس وقت تمہارے سوا کوئی نماز نہیں پڑھ رہا۔ سب لوگ نماز پڑھ کر سو گئے ہیں اور تم ابھی تک نماز پڑھ رہے ہو، اس لئے کہ منتظر نماز حکماً نماز میں ہوتا ہے، تمہارا نماز کے انتظار میں بیٹھا رہنا حکماً نماز پڑھنا ہے یا فرمایا:

تمہارے سوا کسی نے اس وقت نماز نہیں پڑھی، یعنی امم سابقہ میں سے کسی کو یہ نماز نہیں ملی، یہ تمہاری خصوصیت ہے، یہی عشاء کی فضیلت ہے، اور اسی مناسبت سے یہ حدیثیں اس باب میں لائے ہیں۔

بابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ

عشاء سے پہلے سونے کی کراہیت

عشاء سے پہلے اختیاری نیند یعنی بالقصد سونا مکروہ ہے اور اضطراری نیند مکروہ نہیں، اس کے لئے اگلا باب ہے، اور عشاء سے پہلے اختیاری سونا مکروہ اس لئے ہے کہ وہ دو حال سے خالی نہیں: یا تو بروقت نہیں اٹھے گا اور عشاء کی جماعت فوت ہوجائے گی یا اٹھے گا مگر کچی نیند اٹھے گا، طبیعت میں کسل (سستی) ہوگا، اور دونوں باتیں نامناسب ہیں، اور اس وقت سونے کا کوئی تقاضا بھی نہیں ہوتا اس لئے عشاء سے پہلے بالارادہ سونا ممنوع ہے، چنانچہ آپ نے ترمذی میں پڑھا ہے کہ علماء نے رمضان اور غیر رمضان میں فرق کیا ہے، رمضان میں عشاء سے پہلے سونے کی فقہاء نے اجازت دی ہے اس لئے کہ آدمی دن بھر بھوکا ہوتا ہے اور مغرب کے بعد پیٹ بھر کر کھاتا ہے، اس لئے غنودگی آتی ہے، پس اگر عشاء سے پہلے تھوڑی دیر سوجائے گا تو طبیعت میں نشاط پیدا ہوجائے گا ورنہ ہارے جی عشاء اور تراویح پڑھے گا۔

اور رمضان میں عبادت کا شوق بڑھا ہوا ہوتا ہے اس لئے اٹھنے پر سستی نہیں رہے گی، اور اگر سستی رہے گی تو کب تک رہے گی؟ رمضان میں ڈیڑھ گھنٹہ نماز پڑھنی ہے، سستی جھک مار کر جائے گی، برخلاف عام دنوں کے ان میں دس پندرہ منٹ میں نماز نمٹ جاتی ہے پس احتمال ہے کہ عشاء سستی کے ساتھ شروع کرے اور آخر تک سستی باقی رہے اس لئے علماء رمضان اور غیر رمضان میں فرق کرتے ہیں۔

[۲۳-] بابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ

[۵٦۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ، وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا.

[راجع: ٥٤١]

وضاحت: حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث چند ابواب پہلے گذری ہے اس میں آپؓ نے نبی ﷺ کے نماز پڑھنے کے اوقات بیان کئے ہیں، اُس حدیث میں ایک بات یہ بھی ہے کہ عشاء سے پہلے سونا اور عشاء کے بعد قصہ گوئی کرنا ممنوع ہے، عشاء سے پہلے سونے کے بارے میں تفصیل آچکی اور عشاء کے بعد قصہ گوئی کی ممانعت کا ذکر چند ابواب کے بعد آرہا ہے۔

بابُ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ لِمَنْ غَلِبَ

عشاء سے پہلے بے اختیار سوجانا

لِمَنْ غُلِبَ کا مطلب ہے: بے اختیار سوجانا، یعنی سونے کا ارادہ نہیں تھا، بے اختیار آنکھ لگ گئی، اس میں کچھ حرج نہیں، کراہیت اس سونے میں ہے جو اختیاری ہو، جس میں عشاء کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو یا سستی کے ساتھ عشاء کا پڑھنا پایا جائے۔

[٢٤-] بابُ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ لِمَنْ غُلِبَ

[٥٦٩-] حدثنا أَيُّوْبُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ بَكْرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ، قَالَ: صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ: أَخْبَرَنِيْ ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَعْتَمَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِالْعِشَاءِ، حَتّٰى نَادَاهُ عُمَرُ الصَّلَاةَ، نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ، فَقَالَ: " مَا يَنْتَظِرُهَا مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ أَحَدٌ غَيْرُكُمْ" قَالَ وَلَا تُصَلّٰى يَوْمَئِذٍ إِلَّا بِالْمَدِيْنَةِ، قَالَ: وَكَانُوْا يُصَلُّوْنَ الْعِشَاءَ فِيْمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ إِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ.

[راجع: ٥٦٦]

قوله: وَلَا تُصَلّٰى يومئذ إلا بالمدينة: کا مفہوم یہ ہے کہ ابھی اسلام جزیرۃ العرب میں نہیں پھیلا تھا، جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز صرف مدینہ میں پڑھی جاتی تھی، اور مکہ میں جو مسلمان تھے وہ کمزور تھے، وہ ہجرت نہیں کر سکتے تھے وہ تنہا چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے، جماعت کے ساتھ اس وقت صرف مدینہ میں نماز پڑھی جاتی تھی۔

قوله: إلی ثلث اللیل: غروب شمس سے صبح صادق تک کے وقت کو تین حصوں میں تقسیم کریں، پہلا حصہ رات کا پہلا تہائی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہائی رات تک عشاء پڑھ لیا کرتے تھے اور لوگوں کی رعایت میں نماز عشاء میں تقدیم وتاخیر فرماتے تھے۔

مناسبت: اور حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ جو بچے اور عورتیں سونے لگے تھے وہ بالقصد نہیں ہوئے تھے، بلکہ نماز کا انتظار کرتے کرتے بے اختیار آنکھ لگ گئی تھی۔

[٥٧٠-] حدثنا مَحْمُوْدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم شُغِلَ عَنْهَا لَيْلَةً، فَأَخَّرَهَا حَتّٰى رَقَدْنَا فِي الْمَسْجِدِ، ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا، ثُمَّ رَقَدْنَا، ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا، ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ قَالَ: " لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ" وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُبَالِيْ أَقَدَّمَهَا أَمْ أَخَّرَهَا، إِذَا كَانَ لَا يَخْشَى أَنْ يَغْلِبَهُ النَّوْمُ عَنْ وَقْتِهَا، وَكَانَ يَرْقُدُ قَبْلَهَا.

قولہ: شُغل عنها لَيْلَةً: ایک رات عشاء سے غافل کئے گئے یعنی کوئی مشغولیت پیش آئی۔

قولہ: حتى رقدنا في المسجد: یہاں تک کہ ہم مسجد میں سونے لگے، یہی جزء ترجمۃ الباب سے متعلق ہے۔ صحابہ بے اختیار سوئے تھے نماز کا انتظار کرتے کرتے آنکھ لگ گئی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف عورتوں اور بچوں کا تذکرہ اس لئے کیا کہ ان کے نام سے رعایت کی درخواست مناسب تھی۔

قولہ: وكان ابن عمر لايُبالي: اور ابن عمرؓ پرواہ نہیں کرتے تھے کہ عشاء جلدی پڑھیں یا دیر سے، جب تک انہیں نیند سے مغلوب ہونے کا اندیشہ نہ ہو، یعنی ابن عمر عشاء کبھی جلدی پڑھتے تھے کبھی دیر سے، البتہ اگر نیند کی وجہ سے نماز کے بے وقت ہوجانے کا اندیشہ ہوتا تو پھر جلدی پڑھ لیتے تھے۔

قولہ: وكان يرقد قبلها: ابن عمرؓ کبھی عشاء سے پہلے سوتے تھے، کیونکہ اگر عشاء فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو عشاء سے پہلے سونا جائز ہے، جو صحابہ نماز کے انتظار میں صفوں میں بیٹھے ہوئے رہے تھے وہاں نماز کے فوت ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا، کیونکہ جب نماز کھڑی ہوگی تو لوگ ایک دوسرے کو جگادیں گے، اس لئے یہ سونا مکروہ نہیں۔

[۵۷۱-] قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: قُلْتُ لِعَطَاءٍ، فَقَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ: أَعْتَمَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَيْلَةً بِالْعِشَاءِ، حَتّٰى رَقَدَ النَّاسُ وَاسْتَيْقَظُوْا، وَرَقَدُوْا وَاسْتَيْقَظُوْا؛ فَقَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ: الصَّلاَةَ. قَالَ عَطَاءٌ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَخَرَجَ نَبِيُّ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَأَنِّىْ أَنْظُرُ إِلَيْهِ الآنَ، يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً، وَاضِعًا يَدَهُ عَلٰى رَأْسِهِ، فَقَالَ: "لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِىْ لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُصَلُّوْهَا هٰكَذَا" فَاسْتَثْبَتُّ عَطَاءً: كَيْفَ وَضَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى رَأْسِهِ يَدَهُ كَمَا أَنْبَأَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ؟ فَبَدَّدَ لِىْ عَطَاءٌ بَيْنَ أَصَابِعِهِ شَيْئًا مِنْ تَبْدِيْدٍ، ثُمَّ وَضَعَ أَطْرَافَ أَصَابِعِهِ عَلٰى قَرْنِ الرَّأْسِ، ثُمَّ ضَمَّهَا، يُمِرُّهَا كَذٰلِكَ عَلَى الرَّأْسِ، حَتّٰى مَسَّتْ إِبْهَامُهُ طَرَفَ الْأُذُنِ مِمَّا يَلِى الْوَجْهَ، عَلَى الصُّدْغِ وَنَاحِيَةِ اللِّحْيَةِ، لاَ يَعْصِرُ وَلاَ يَبْطِشُ إِلاَّ كَذٰلِكَ، وَقَالَ: "لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِىْ لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُصَلُّوْا هٰكَذَا" [انظر: ۷۲۳۹]

ترجمہ: ابن جریج کہتے ہیں: میں نے یہ روایت جو نافع سے سنی تھی حضرت عطاء کو سنائی، پس انھوں نے کہا: میں نے ابن عباسؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک رات نبی ﷺ نے عشاء کی نماز میں تاخیر فرمائی، یہاں تک کہ لوگ سوگئے پھر بیدار ہوئے پھر سوگئے پھر بیدار ہوئے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: نماز! عطاء کہتے ہیں: ابن عباسؓ نے فرمایا: پس نبی ﷺ نکلے گویا میں اس وقت آپ کو دیکھ رہا ہوں، یعنی اُس وقت کا منظر نگاہوں میں ہے آپؐ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا اور آپؐ اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھے ہوئے تھے پس آپؐ نے فرمایا: ''اگر میری امت پر دشواری کا ڈر نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز اس وقت پڑھیں (عطاء کہتے ہیں) پس میں نے حضرت عطاء سے بات پکی کرنی چاہی یعنی وہ

عملی طور پر بتائیں کہ نبی ﷺ کس طرح پانی جھاڑتے ہوئے نکلے تھے جیسا کہ ان کو ابن عباسؓ نے بتایا تھا، پس حضرت عطاء نے اپنی انگلیاں قدرے کشادہ کیں پھر انگلیوں کے کنارے سر کے کونوں پر رکھے پھر انگلیوں کو ملا کر سر پر اس طرح گذارا کہ آپؐ کے انگوٹھوں نے کانوں کے اس کنارے کو چھولیا جو کنپٹی اور ڈاڑھی کے کنارے پر چہرے کے قریب تھا، نہ آپؐ نچوڑتے تھے اور نہ مضبوط پکڑے ہوئے تھے یعنی بالوں کو مضبوط نہیں پکڑا تھا، مگر اس طرح یعنی جس طرح میں کر رہا ہوں اس طرح کر رہے تھے (اور مصری نسخہ میں اور گیلری میں لَایُقَصِّرُ ہے یعنی آپ کمی نہیں کر رہے تھے، یہ لا یبطش کا مقابل ہے یعنی بال مضبوط پکڑے تھے نہ بالکل برائے نام پکڑے تھے، بلکہ درمیانی کیفیت سے بال پکڑ کر ان میں انگلیاں گذار رہے تھے) اور آپؐ نے فرمایا: اگر میری امت پر دشواری کا ڈر نہ ہوتا تو میں ان کو اس وقت عشاء پڑھنے کا حکم دیتا۔

تشریح: حدیث نمبر ۵۷۰ اور ۵۷۱ کی ابن جریج تک ایک ہی سند ہے، پھر ابن جریج سے سند بدلی ہے، نمبر ۵۷۰ نافع سے مروی ہے اور ۵۷۱ عطاء سے، اور عطاء کی سند سے حدیث آگے نمبر ۷۲۳۹ پر بھی آرہی ہے۔ اور نماز عشاء میں فی نفسہ ثلث اللیل تک تاخیر مستحب ہے اور یہ حق صلوٰۃ کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ عام طور پر لوگ عشاء پڑھ کر سو جاتے ہیں پھر فجر ہی میں اٹھتے ہیں، تہجد کے وقت بیدار نہیں ہوتے پس عشاء تاخیر سے پڑھنی چاہئے تاکہ لوگ سونے سے پہلے نفلیں پڑھیں مگر بندوں کے حق کا تقاضہ یہ ہے کہ جلدی نماز پڑھ لی جائے تاکہ نوافل نہ پڑھنے والے عشاء سے پہلے سو نہ جائیں، عشاء سے پہلے سونے کی بھی ممانعت ہے اور جو نہیں سوئے گا وہ بھی انتظار کرتے کرتے تھک جائے گا اور جب حق اللہ اور حق العبد متعارض ہوتے ہیں تو حقوق العباد کو مقدم رکھا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں اور بندے محتاج ہیں، محتاج کی رعایت مقدم ہوتی ہے، چنانچہ حق مصلیان کی رعایت میں عشاء کی نماز میں تعجیل مستحب ہے اور یہ دونوں باتیں یعنی ثلث لیل تک تاخیر کا استحباب اور حق العباد کی وجہ سے تقدیم کا استحباب: اسی حدیث سے ثابت ہیں، نبی ﷺ نے جو ثلث لیل تک تاخیر کرنے کا حکم دینے کا ارادہ فرمایا تھا وہ اسی استحباب کی وجہ سے تھا پھر لوگوں کی مشقت کا خیال کر کے جو ارادہ ملتوی فرمادیا وہ بھی حقوق العباد کی رعایت میں تھا پس دونوں باتیں اسی حدیث سے ثابت ہوئیں۔

بابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ

عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے

داؤد ظاہری اور حنفیہ میں سے حسن بن زیاد لؤلؤی کا مذہب یہ ہے کہ عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے، آدھی رات کے بعد عشاء کا وقت ختم ہو جاتا ہے، غالباً امام بخاریؒ کی بھی یہی رائے ہے، اور جمہور کے نزدیک نصف شب تک، وقت مختار (مستحب) ہے اور صبح صادق تک وقت جواز ہے۔ اور باب میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عشاء میں فی الجملہ تاخیر مستحب ہے۔ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ عشاء میں تاخیر کو پسند فرماتے تھے، اور ابھی میں نے بتایا ہے کہ عشاء میں فی

نفسہ تاخیر مستحب ہے، مگر بندوں کے حق کا تقاضہ ہے کہ عشاء جلدی پڑھ لی جائے، اور جب حق اللہ اور حق العبد میں تعارض ہوتا ہے تو حق العبد کو مقدم کیا جاتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں اور بندے محتاج ہیں اور محتاج کی رعایت مقدم ہے۔

[۲۵-] بابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ

وَقَالَ أَبُوْ بَرْزَةَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَسْتَحِبُّ تَأْخِيْرَهَا.

[٥٧٢-] حدثنا عَبْدُ الرَّحِيْمِ الْمُحَارِبِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيْلِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: أَخَّرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم صَلاَةَ الْعِشَاءِ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ، ثُمَّ صَلَّى، ثُمَّ قَالَ: "وَقَدْ صَلَّى النَّاسُ وَنَامُوْا، أَمَا أَنَّكُمْ فِيْ صَلاَةٍ مَا انْتَظَرْتُمُوْهَا"

وَزَادَ ابْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ: قَالَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ حُمَيْدٌ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا قَالَ: كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى وَبِيْصِ خَاتَمِهِ لَيْلَتَئِذٍ. [انظر: ٦٠٠، ٦٦١، ٨٤٧، ٥٨٦٩]

بَابُ فَضْلِ صَلاَةِ الْفَجْرِ

فجر کی نماز کی اہمیت

فجر کی نماز کی اہمیت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس کا دیدار خداوندی میں دخل ہے، جو شخص فجر اور عصر پابندی سے پڑھتا ہے اسے دیدار خداوندی ضرور نصیب ہوگا۔

ملحوظہ: ہمارے نسخہ میں باب کے آخر میں والحدیث بھی ہے یہ صرف ابوذر کے نسخہ میں ہے، بخاری کے دوسرے نسخوں میں نہیں ہے اور یہ لفظ بے جوڑ ہے اس کی کوئی توجیہ ممکن نہیں، اس لئے اس کو حذف کیا ہے اور حاشیہ میں اس کی ایک توجیہ ہے، طلبہ اس کو دیکھ لیں۔

[۲٦-] بَابُ فَضْلِ صَلاَةِ الْفَجْرِ

[٥٧٣-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَيْسٌ، قَالَ: قَالَ لِيْ جَرِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، فَقَالَ: "أَمَّا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا، لاَ تُضَامُّوْنَ أَوْ: لاَ تَضَاهُوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لاَ تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلاَةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا" ثُمَّ قَالَ: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾[طه: ١٣٠] [راجع: ٥٥٤]

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: زَادَ ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ جَرِيْرٍ، قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا.

وضاحت: ہمارے نسخہ میں إِذَا نَظَرَ ہے یعنی جب آپؐ نے چاند دیکھا، اور إِذْ نَظَرَ کے معنی ہیں: اچانک آپؐ نے چاند دیکھا.......... لیلۃ البدر: چودھویں کا چاند.......... أَمَا: حرف تنبیہ ہے.......... لاتُضَامُّوْن: کے معنی ہیں: نہیں بھیڑ کرتے ہوتم، یہ ضَمَّ سے ہے اور لاتُضَاھُون کے معنی ہیں: نہیں شک کرتے تم (یہ شک راوی ہے)

مناسبت: یہ حدیث چند ابواب پہلے گذری ہے اور اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عصر اور فجر پابندی کے ساتھ پڑھنے سے دیدارِ خداوندی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، یہی فجر کی فضیلت ہے اور اس فضیلت میں عصر بھی شریک ہے، اور احسن کا مقدمہ حسن ہوتا ہے، دیدارِ خداوندی احسن ہے اور اس کی صلاحیت فجر اور عصر کی نمازوں سے پیدا ہوتی ہے، پس وہ حسن ہوئیں۔

قولہ: زاد ابن شھاب: یہ حدیث کی دوسری سند ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے: "عنقریب تم اپنے رب کو کھلم کھلا دیکھوگے"، یعنی کوئی پردہ حائل نہ ہوگا، براہ راست دیدارِ خداوندی نصیب ہوگا۔

[٥٧٤-] حدثنا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ أَبُوْ جَمْرَةَ، عَنْ أَبِیْ بَكْرِ بْنِ أَبِیْ مُوْسَی، عَنْ أَبِیْهِ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "مَنْ صَلَّی الْبَرْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ"

وَقَالَ ابْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ أَبِیْ جَمْرَةَ، أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَیْسٍ أَخْبَرَهُ بِهٰذَا.

حدثنا إِسْحَاقُ، قَالَ حَدَّثَنَا حَبَّانُ، قَالَ: ثَنَا هَمَّامٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ جَمْرَةَ، عَنْ أَبِیْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم مِثْلَهُ.

ترجمہ: جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں (فجر اور عصر) پڑھے وہ جنت میں جائے گا۔

تشریح: اس حدیث میں فجر کی نماز کو دخولِ جنت کا سبب قرار دیا ہے، یہی فجر کی فضیلت ہے اور اس فضیلت میں عصر بھی شریک ہے، اور فجر ٹھنڈے وقت میں پڑھی جاتی ہے اس لئے اس کو ٹھنڈی نماز کہا گیا ہے، اور عصر کو ظہر کی بہ نسبت ٹھنڈی نماز کہا گیا ہے اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ عربی میں جب دو چیزوں کو ملا کر کوئی خبر دیتے ہیں تو ایک کا وصف دوسرے کو اوڑھاتے ہیں، جیسے مسلسلات میں ایک موضوع حدیث ہے: مَن أَضَافَ بِالأَسْوَدَیْنِ التمرِ والماءِ: جس نے کسی کی دعوت کی دو کالی چیزوں سے یعنی کھجور اور پانی کی دعوت کی، کھجور کالی ہوتی ہے مگر پانی کالا نہیں ہوتا، تاہم تغلیباً پانی کو کالا کہا گیا، اسی طرح مشہور حدیث ہے: اقتلوا الأسودین: دو کالوں کو یعنی سانپ اور بچھو کو مارو، سانپ کالا ہوتا ہے مگر بچھو کالا نہیں ہوتا، تاہم جب دونوں کو ملایا تو ایک کا وصف دوسرے کو اوڑھایا۔ عربی میں ایسا بہت ہوتا ہے یہاں بھی فجر کے ساتھ جب عصر کو ملایا تو تغلیباً عصر کو بھی ٹھنڈی نماز کہہ دیا۔

قولہ: وقال ابن رَجَاءٍ: ابوجمرہ کے استاذ ابوبکر کون ہیں؟ ہمارے نسخہ میں ابن ابی موسیٰ لکھا ہے پس تعیین ہوگئی مگر ابن ابی موسیٰ بخاری کے سب نسخوں میں نہیں ہے، اگر یہاں بھی ابن ابی موسیٰ نہ ہوتا تو تعیین مشکل ہوتی، چنانچہ بعض حضرات نے

ان کو ابوبکر بن عمارہ بن رویبہ سمجھا ہے ان کی تردید کے لئے امام بخاریؒ دو سندیں لائے ہیں کہ یہ ابوبکر: ابن ابی عمارہ نہیں ہیں، بلکہ عبداللہ بن قیس (حضرت ابوموسیٰ اشعری) کے صاحبزادے ہیں۔

بابُ وَقْتِ الْفَجْرِ

نماز فجر کا وقت

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ فجر کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ پوری امت متفق ہے کہ سحری کا وقت ختم ہوتے ہی فجر کا وقت شروع ہوتا ہے اور سحری کا وقت صبح صادق پر ختم ہوتا ہے، قرآنِ مجید میں ہے: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾: کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے جدا ہو جائے یعنی صبح صادق تک کھا پی سکتے ہو۔

اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فجر ادا کرنے کا مستحب وقت کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک فجر اول وقت میں یعنی غلس میں پڑھنا افضل ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حالات کے تابع ہے، اگر اول وقت میں سب نمازی آجائیں تو غلس میں فجر پڑھنا افضل ہے ورنہ اسفار میں یعنی تاخیر کرکے پڑھنا افضل ہے اور اس سلسلہ میں نبی ﷺ کا عمل بھی ہے اور آپؐ کا ارشاد بھی ہے، آپؐ کی مسجد کا بھی عمل ہے اور صحابہ کی مسجدوں کا بھی، اس لئے احناف نے مسئلہ کی تفصیل کی ہے، ائمہ ثلاثہ اور امام بخاریؒ کوئی تفصیل نہیں کرتے، ان کے نزدیک مطلقاً فجر غلس میں پڑھنا افضل ہے۔

[۲۷-] بابُ وَقْتِ الْفَجْرِ

[۵۷۵-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ، أَنَّهُمْ تَسَحَّرُوْا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ قَامُوْا إِلَى الصَّلاَةِ، قُلْتُ: كَمْ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ: قَدْرُ خَمْسِيْنَ أَوْ سِتِّيْنَ، يَعْنِيْ آيَةً. [انظر: ۱۹۲۱]

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ صحابہ نے نبی ﷺ کے ساتھ سحری کی پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے، میں نے پوچھا: سحری اور نماز کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ آپؓ نے فرمایا: پچاس یا ساٹھ آیتوں کے بقدر۔

تشریح: غالباً یہ سفر کا واقعہ ہے اس لئے صحابہ نے نبی ﷺ کے ساتھ سحری کی ہے اور سحری کے بعد فوراً آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہوئے ہیں، سحری اور فجر کے درمیان صرف اتنا فاصلہ تھا جس میں پچاس ساٹھ آیتیں یعنی تقریباً آدھا پارہ

تلاوت کرسکیں، معلوم ہوا کہ سحری کا وقت ختم ہوتے ہی فجر کا وقت شروع ہوجاتا ہے ـــــ اور حدیث میں معدود مذکور نہیں تھا اس لئے راوی نے یعنی آیۃً بڑھایا۔

[۵۷۶-] حدثنا حَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ، سَمِعَ رَوْحَ بْنَ عُبَادَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا، فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّيَا، قُلْنَا لِأَنَسٍ: كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: قَدْرُ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ آيَةً.[انظر: ۱۱۳۴]

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اور حضرت زید بن ثابتؓ نے سحری کی پس جب دونوں سحری سے فارغ ہوئے تو نبی ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے، پس دونوں نے نماز پڑھی۔ میں نے (قتادہ نے) حضرت انسؓ سے پوچھا: دونوں کی سحری کے درمیان اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: جتنی دیر میں آدمی پچاس آیتیں پڑھ سکے اتنا فاصلہ تھا۔

تشریح: سَحُور (س کا زبر) کے معنی ہیں: سحری کا کھانا اور سُحور (س کا پیش) کے معنی ہیں: سحری کھانا، جیسے طَهور اور وَضوء (بالفتح) کے معنی ہیں: پاکی اور وضوء کا آلہ، اور طُهور اور وُضوء (بالضم) کے معنی ہیں: پاکی اور وضو۔

[۵۷۷-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، عَنْ أَخِيْهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ، يَقُوْلُ: كُنْتُ أَتَسَحَّرُ فِي أَهْلِيْ، ثُمَّ يَكُوْنُ سُرْعَةٌ بِيْ، أَنْ أُدْرِكَ صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.[انظر: ۱۹۲۰]

حدیث (۳): حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اپنے گھر میں سحری کرتا تھا، پھر تیزی کے ساتھ چلتا تھا تاکہ نبی ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پاؤں (سُرعةٌ: یکون کا اسم ہے اور بی ظرف مستقر ہوکر خبر ہے اور أن أدرك میں لام اجلیہ پوشیدہ ہے أی لِأن أدرك) یعنی سحری کھا کر میں لپک کر مسجد پہنچتا تھا تاکہ جماعت پاؤں اس لئے کہ نبی ﷺ صبح صادق کے بعد فوراً فجر کی نماز شروع فرمادیتے تھے ـــــ ان تینوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ صبح صادق کے بعد فوراً فجر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

[۵۷۸-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ، قَالَتْ: كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَلَاةَ الْفَجْرِ، مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ، ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلَى بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلَاةَ، لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ. [راجع: ۳۷۲]

وضاحت: یہ حدیث أبواب ثیاب المصلی (باب ۱۳ حدیث ۳۷۲) میں گذر چکی ہے، لَفَعَ اور لَفَفَ دونوں کے معنی ہیں: لپٹنا.........مُروط: مِرْط کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: اونی چادر.........لایَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ: آخر شب کی تاریکی کی وجہ سے وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں، صنف نہیں پہچانی جاتی تھی یا شخص؟ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ صنف نہیں پہچانی جاتی تھی یعنی راستہ میں عورت جارہی ہے یا مرد؟ اس کا پتہ نہیں چلتا تھا، مگر یہ تفسیر صحیح نہیں اس لئے کہ نبی ﷺ صبح صادق کے بعد فوراً نماز شروع نہیں فرماتے تھے، پھر ساٹھ تا سو آیتیں تلاوت فرماتے تھے پھر بھی اتنا اندھیرا باقی ہو کہ راستہ میں مرد جارہا ہے یا عورت؟ اس کا پتہ نہ چلے یہ بات عقل باور نہیں کرتی۔ چند ابواب پہلے حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث گذری ہے کہ جب نبی ﷺ نماز فجر سے فارغ ہوتے تھے تو مسجد میں اتنی روشنی ہو جاتی تھی کہ برابر میں کون بیٹھا ہے وہ پہچانا جاتا تھا اس لئے یہ جو تفسیر کی گئی ہے کہ فجر پڑھ کر عورتیں غلس میں گھر لوٹتی تھیں اور اندھرے کی وجہ سے صنف نہیں پہچانی جاتی تھی یہ تفسیر صحیح نہیں، صحیح تفسیر یہ ہے کہ شخص نہیں پہچانا جاتا تھا یعنی کون عورت ہے؟ یہ نہیں پہچانا جاتا تھا، آج بھی مسجدِ نبوی میں عورتوں کا حصہ الگ ہے اور ان کا مسجد میں جانے آنے کا راستہ بھی الگ ہے، نماز کے بعد مرد راستہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں، تا کہ بیوی اور بہن وغیرہ کو ساتھ لے کر گھر جائیں، جب عورتیں نکلتی ہیں تو پہچانی نہیں جاتیں، حدیث میں یہی شخص کا نہ پہچاننا مراد ہے صنف کا نہ پہچاننا مراد نہیں۔

اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ اور امام بخاریؒ نے نماز فجر غلس میں پڑھنے کی افضلیت پر استدلال کیا ہے اور ان کا استدلال واضح ہے کہ نبی ﷺ کا معمول غلس میں فجر پڑھنے کا تھا پس یہی افضل ہے۔ اور احناف کہتے ہیں: بلاشبہ نبی ﷺ غلس میں فجر پڑھا کرتے تھے اور خلفائے راشدین کا بھی یہی معمول تھا، اس لئے کہ ان کے زمانہ میں بھی مسجدِ نبوی کی وہی صورت حال تھی جو نبی ﷺ کے عہد میں تھی بلکہ آج بھی وہی صورتِ حال ہے، لوگ تہجد کے وقت سے حرم میں پہنچ جاتے ہیں، صبح صادق تک حرم شریف کھچا کھچ بھر جاتا ہے ایسی صورت میں احناف کے نزدیک بھی غلس میں فجر پڑھنا افضل ہے۔ دیوبند میں رمضان المبارک میں فجر غلس میں پڑھی جاتی ہے اور احناف جو اسفار کو مستحب کہتے ہیں وہ عمومی احوال کے اعتبار سے اور عام مسجدوں کے تعلق سے ہے، عام مسجدوں میں اور عام دنوں میں صبح صادق کے وقت مسجد میں کوئی نہیں ہوتا، لوگ دیر سے پہنچتے ہیں، اس لئے اسفار میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فإنَّه أعظم بلأجر: روشنی کر کے نماز پڑھا کرو اس میں ثواب زیادہ ہے، اسفار میں جماعت بڑی ہوگی اس لئے ثواب بھی زیادہ ملے گا، چنانچہ مسجدِ نبوی کے علاوہ مدینہ طیبہ کی دوسری مساجد میں اسفار میں فجر ہوتی تھی، پہلے حدیث گذری ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے ساتھ فجر پڑھ کر قباء پہنچا جو مدینہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے وہاں لوگ فجر پڑھ رہے تھے جب انھوں نے تحویل قبلہ کی خبر دی تو وہ سب نماز میں کعبہ کی طرف گھوم گئے۔ غرض جہاں حق اللہ اور حق العبد دونوں کا تقاضہ اول وقت میں نماز پڑھنے کا ہو وہاں غلس میں فجر پڑھنا افضل ہے، جیسے رمضان المبارک اور حرمین شریفین میں اور جہاں بندوں کی رعایت

اسفار میں نماز پڑھنے میں ہو وہاں اسفار میں فجر پڑھنا افضل ہے۔

بابُ مَنْ أَدْرَکَ مِنَ الْفَجْرِ رَکْعَةً

جس نے فجر کی ایک رکعت پالی

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ طلوع آفتاب تک سارا وقت فجر کا ہے، عصر میں تو آخر میں مکروہ وقت بھی آتا ہے، جو عصر کا وقت ہے، مگر یہاں کوئی مکروہ وقت نہیں، طلوع تک سارا وقت فجر کا ہے۔

[۲۸-] بابُ مَنْ أَدْرَکَ مِنَ الْفَجْرِ رَکْعَةً

[۵۷۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ، وَعَنِ الْأَعْرَجِ يُحَدِّثُوْنَهُ عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: قَالَ: " مَنْ أَدْرَکَ مِنَ الصُّبْحِ رَکْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَکَ الصُّبْحَ، وَمَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَکَ الْعَصْرَ" [راجع: ۵۵۶]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی اس نے فجر پالی، اور جس نے غروب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اس نے عصر پالی —— اس حدیث کو زید بن اسلم تین اساتذہ: عطاء بن یسار، بسر بن سعید اور عبدالرحمٰن اعرج سے روایت کرتے ہیں اور وہ تینوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ اس حدیث کو فجر اور عصر کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور احناف عام رکھتے ہیں، مزید تشریح اگلے باب میں ہے۔

بابُ مَنْ أَدْرَکَ مِنَ الصَّلَاةِ رَکْعَةً

جس نے نماز کی ایک رکعت پالی

یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لائے ہیں، گذشتہ باب میں جو حدیث آئی ہے اس سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک رکعت پانے سے نماز پانے کی جو بات حدیث میں آئی ہے وہ شاید عصر اور فجر کے ساتھ خاص ہو، اس لئے یہ باب لا کر امام بخاریؒ نے اس وہم کو دور کیا کہ یہ حدیث مقید بھی آئی ہے اور مطلق بھی، پس یہ حکم پانچوں نمازوں کے لئے ہے، یہ اس باب کا مقصد ہے۔

[۲۹-] بابُ مَنْ أَدْرَکَ مِنَ الصَّلَاةِ رَکْعَةً

[۵۸۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ،

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ"

[راجع: ٥٥٦]

وضاحت: گذشتہ باب کی حدیث اور یہ حدیث ایک ہیں، بس اتنا فرق ہے کہ اوپر والی حدیث فجر اور عصر کی تخصیص کے ساتھ آئی تھی اور یہ عام ہے۔ اور یہ حدیث اہم اور معرکۃ الآراء ہے اس کے سمجھنے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہوا ہے، اس لئے پہلے چند باتیں سمجھنی چاہئیں:

پہلی بات: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے مذکورہ حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ اگر فجر کی نماز کے دوران سورج نکل آئے یا عصر کی نماز کے دوران سورج غروب ہوجائے تو نماز باطل نہیں ہوتی، وہ نماز پڑھتا رہے اس کی نماز صحیح ہے۔ یعنی ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث کو فجر اور عصر کے ساتھ خاص کیا ہے اور وہ حدیث کا جو مطلب سمجھتے ہیں اس کے مطابق پہلے راوی نے الفاظ بدلے تھے: فَلْيُتِمَّ صَلٰوتَه (حدیث ۵۵۶) وہ روایت بالمعنی تھی، حدیث کے اصل الفاظ یہاں ہیں۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث فجر اور عصر کے ساتھ خاص نہیں، پانچوں نمازوں کے لئے یہی حکم ہے کیونکہ یہ حدیث فجر اور عصر کی تخصیص کے بغیر بھی آئی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب رکھ کر اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

غرض: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث کا فجر الیوم اور عصر الیوم کے مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں، وہ مسئلہ محض اجتہادی ہے اور اس حدیث کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:

۱- جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی اس نے نماز یعنی جماعت پائی۔ دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک جماعت پانا ہے اور دوسری جماعت کا ثواب پانا ہے، جو شخص امام کے سلام پھیرنے سے پہلے جماعت میں شریک ہوا اس کو بھی جماعت کا ثواب مل جاتا ہے مگر وہ جماعت پانے والا نہیں۔ جماعت پانے والا وہ ہے جو امام کے ساتھ کم از کم ایک رکعت پائے، اسی لئے مسئلہ یہ ہے کہ اگر فجر کی نماز ہورہی ہو اور کوئی آئے اور اس نے سنتیں نہ پڑھی ہوں اور اس کو امید ہو کہ وہ سنتیں پڑھ کر امام کے ساتھ کم از کم ایک رکعت پائے گا اور سنتیں پڑھنے کے لئے کوئی علاحدہ جگہ بھی ہو تو وہ پہلے سنتیں پڑھے، پھر جماعت میں شریک ہو، اور اگر ایک رکعت پانے کی امید نہ ہو تو سنت پڑھے بغیر جماعت میں شریک ہوجائے، اس لئے کہ اگر ایک رکعت بھی امام کے ساتھ نہیں پائے گا تو وہ جماعت پانے والا شمار نہیں ہوگا، باب کی حدیث سے اس مطلب کی تائید ہوتی ہے۔

۲- جو شخص کسی نماز کے وقت کے بالکل آخر میں نماز کا اہل بنا مثلاً نابالغ تھا بالغ ہوا، کافر تھا مسلمان ہوا، عورت کو حیض یا نفاس آرہا تھا وہ پاک ہوگئی، اور اتنا وقت مل گیا جس میں طہارت حاصل کرکے ایک رکعت پڑھ سکے تو اس پر وہ نماز فرض ہوگئی۔

غرض: احناف کے نزدیک حدیث کے یہی دو مطلب ہوسکتے ہیں اور فجر الیوم اور عصر الیوم کے مسئلہ سے اس حدیث کا کچھ تعلق نہیں، وہ مسئلہ اجتہادی ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ مسئلہ منصوص ہے، انھوں نے اس حدیث سے وہ مسئلہ ثابت کیا ہے۔

دوسری بات: احناف کے نزدیک اگر فجر کی نماز میں سورج نکل آئے تو فرض باطل ہوگیا کیونکہ نماز شروع کرنے سے

پہلے جو متصل وقت ہے وہ وجوب اداء کا سبب ہے، اور وہ وقت کامل ہے، پس نماز کامل فرض ہوئی، اس لئے کامل ہی پوری کرنی ضروری ہے، پھر جب نماز کے دوران سورج نکل آیا تو جیسی واجب ہوئی تھی ویسی پوری نہیں کی بلکہ ناقص پوری کی، اس لئے فرض باطل ہو گیا اس کا اعادہ ضروری ہے، اور عصر کی نماز میں سورج غروب ہو جائے تو عصر صحیح ہے، کیونکہ یہاں وجوب اداء کا جو سبب ہے وہ ناقص ہے، یعنی نماز شروع کرنے سے پہلے جو متصل جزء ہے وہ ناقص ہے پس نماز ناقص فرض ہوئی اور ناقص پوری کی اس لئے نماز ہو گئی۔

تیسری بات: احناف کا جو مذہب ہے کہ سورج نکلنے سے فجر باطل ہو جاتی ہے اور سورج کے ڈوبنے سے عصر باطل نہیں ہوتی، یہ مسئلہ برائے عمل نہیں ہے، عمل کے لئے احناف کا مذہب یہ ہے کہ مکروہ وقت میں نماز پڑھنا جائز نہیں، لہٰذا اگر وقت تھوڑا رہ گیا ہے، دوران نماز سورج نکلنے کا احتمال ہے تو ابھی نماز شروع نہ کرے، بلکہ طلوع شمس کے بعد جب مکروہ وقت نکل جائے تب فجر پڑھے، اسی طرح جب سورج لال تھالی ہو گیا تو اب عصر نہ پڑھے غروب کے بعد قضاء پڑھے، احناف حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں، وہ ایک مرتبہ شام کے وقت اپنے لڑکوں سے باغ میں چلنے کے لئے کہہ کر خود پہلے چلے گئے لڑکوں کو کسی وجہ سے دیر ہو گئی وہ گاؤں میں نماز پڑھ کر باغ میں پہنچے، حضرت ابوبکرۃؓ لڑکوں کے انتظار میں سو گئے، جب لڑکے آئے اور آپؓ بیدار ہوئے تو مکروہ وقت شروع ہو چکا تھا آپؓ وضو سے فارغ ہو کر غروب کے انتظار میں بیٹھ گئے اور غروب کے بعد نماز پڑھی، یہ حدیث ترمذی میں مختصر اور طحاوی کی مشکل الآثار میں مفصل ہے، اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب سورج کا کنارہ طلوع ہو جائے تو نماز کو مؤخر کرو تا آنکہ وہ بلند ہو جائے، اور جب سورج کا کنارہ غروب ہونے لگے تو نماز کو مؤخر کرو تا آنکہ وہ غروب ہو جائے (بخاری حدیث ۵۸۳) ان حدیثوں کی بناء پر احناف کہتے ہیں کہ مکروہ وقت میں نہ فجر الیوم پڑھے اور نہ عصر الیوم۔ لیکن اگر کوئی پڑھ لے تو فجر الیوم نہیں ہوگی اور عصر الیوم ہو جائے گی اور فرق کی وجہ وہ ہے جو ابھی میں نے بیان کی کہ وجوبِ ادا کا سبب نماز سے متصل جزء ہوتا ہے اور وہ جزء فجر میں کامل ہے اور عصر میں ناقص، اور نماز کے درمیان طلوع وغروب سے نماز مکروہ تحریمی اور ناقص ہو جاتی ہے، پس فجر میں جیسی واجب ہوئی تھی ویسی ادا نہیں کی، اس لئے اس کا اعادہ ضروری ہے اور عصر میں ناقص واجب ہوئی اور ناقص ہی ادا کی، پس اس کا اعادہ واجب نہیں۔

غرض یہ دونوں مسئلے الگ الگ ہیں ایک مسئلہ یہ ہے کہ مکروہ اوقات میں نہ فجر الیوم پڑھنی چاہئے نہ عصر الیوم، اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکروہ وقت میں نماز پڑھ لی تو فجر الیوم صحیح نہیں ہوگی اور عصر الیوم صحیح ہو جائے گی، ان دونوں مسئلوں کو الگ الگ کرنا چاہئے، احناف کی بعض کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ مکروہ وقت میں فجر الیوم نہ پڑھے مگر عصر الیوم پڑھے، حالانکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے احناف کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ دونوں نمازیں مکروہ وقت میں نہ پڑھے، مکروہ وقت نکل جانے کے بعد دونوں نمازیں پڑھے، حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ نے مکروہ وقت میں عصر نہیں پڑھی تھی بلکہ غروب کے انتظار میں رکے

رہے تھے اور غروب کے بعد عصر پڑھی تھی۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر الیوم اور عصر الیوم مکروہ وقت میں پڑھے گا، ان کا ایک تو مذکورہ حدیث سے استدلال ہے جس کا میں نے جواب دیا کہ اس حدیث میں فجر الیوم اور عصر الیوم کا مسئلہ نہیں ہے، اور دوسرا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے ہے، حضرت علیؓ سے پوچھا گیا: ایک شخص نماز بھول گیا تو کیا حکم ہے؟ آپؓ نے فرمایا: **یُصَلِّیْھا متی ذَکَرَھا فی وقتٍ أو فی غیر وقتٍ**: وہ نماز پڑھے جب اسے یاد آئے خواہ وقت میں یاد آئے یا غیر وقت میں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فی وقت أو غیر وقت سے مباح اور مکروہ اوقات مراد ہیں اور احناف کے نزدیک وقت ادا اور وقت قضا مراد ہیں، مباح اور مکروہ وقت مراد نہیں۔

چوتھی بات: ابھی میں نے بتایا تھا کہ مذکورہ بالا حدیث فجر اور عصر کے ساتھ خاص نہیں، اس کا قرینہ یہ ہے کہ فجر میں تو ایک رکعت کی تخصیص ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر معقول نظر آتی ہے، کیونکہ فجر کی دو ہی رکعتیں ہیں، مگر عصر کی چار رکعتیں ہیں اس میں ایک رکعت کی تخصیص ائمہ ثلاثہ کی تفسیر پر غیر معقول ہے، غروب سے پہلے خواہ ایک رکعت پائے یا دو رکعت پائے یا تین رکعت پائے سب کا حکم ایک ہے۔

اور احناف نے حدیث کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ نہایت معقول ہے، کیونکہ ہر نماز درحقیقت ایک رکعت ہے، باقی رکعتیں اس کے ساتھ ملائی ہوئی ہیں، لہٰذا جب کسی نے ایک رکعت کے بقدر وقت پالیا تو نماز اس پر فرض ہوگئی۔ اور ایک رکعت پانے والا جماعت پانے والا بھی ہوگا۔

ملحوظہ: نماز درحقیقت ایک رکعت ہے: یہ مضمون میں نے توثیق الکلام کی شرح ''کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟'' میں تفصیل سے لکھا ہے اور اس کی دس دلیلیں دی ہیں، اور رحمۃ اللہ الواسعہ (۴۰۱:۳) میں بھی یہ مضمون ہے۔

پانچویں بات: گذشتہ باب کی حدیث میں فجر اور عصر کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہی دو وقت ایسے ہیں جن میں محسوس طور پر وقت نکلتا ہوا نظر آتا ہے، ورنہ یہ حدیث عام ہے پانچوں نمازوں کے لئے یہی حکم ہے۔

آخری بات: امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی طلوع وغروب کے وقت فجر الیوم اور عصر الیوم صحیح ہو جاتی ہیں تاہم ان کے نزدیک بھی مذکورہ حدیث عام ہے، فجر اور عصر کے ساتھ خاص نہیں، اور وہ ابن عمرؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو اگلے باب میں آرہی ہے۔

بابُ الصَّلاۃِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰی تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ

فجر کے بعد سورج بلند ہونے تک نماز پڑھنا

غروب سے پہلے سورج لال تھالی ہو جاتا ہے، اسی طرح جب نکلتا ہے اس وقت بھی لال تھالی ہوتا ہے، اس وقت بھی

سورج میں کرنیں ہوتی ہیں، مگران کا فوکس سامنے پڑتا ہے اس لئے زمین پر دھوپ محسوس نہیں ہوتی، پھر جب سورج بلند ہوجاتا ہے تو کرنیں زمین پر پڑتی ہیں، پس جب زمین پر کرنیں پڑیں تو سمجھ لیا جائے کہ سورج بلند ہوگیا۔

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ فجر کے فرض پڑھنے کے بعد سورج بلند ہونے تک نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ احناف کے نزدیک فجر اور عصر کے بعد نوافل مطلقاً ممنوع ہیں خواہ ان نفلوں کا سبب ہو (جیسے تحیۃ المسجد وغیرہ) یا سبب نہ ہو، البتہ قضا نماز اور واجب لعینہ جیسے سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے اور واجب لغیرہ جیسے طواف کا دوگانہ پڑھنا جائز نہیں، اور اوقات ثلاثہ یعنی طلوع، غروب اور استواء کے وقت کوئی بھی نماز جائز نہیں نہ نفل، نہ فرض، نہ واجب، نہ ادا، نہ قضاء۔ اسی طرح سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ بھی ان اوقات میں جائز نہیں، کیونکہ ان اوقات میں سورج کی عبادت ہوتی ہے، پس وقت میں خرابی ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی فجر وعصر کے بعد نوافل ممنوع ہیں، البتہ عصر کے بعد دو نفل بلاسبب پڑھ سکتے ہیں اور فرض وواجب نمازیں بھی پڑھ سکتے ہیں اور طلوع وغروب کے وقت بالقصد نماز پڑھنا جائز نہیں، ارادہ کے بغیر پڑھ سکتے ہیں مثلاً ایک شخص فجر یا عصر پڑھ رہا تھا دوران نماز طلوع یا غروب ہوگیا تو وہ نماز پڑھتا رہے اس کی نماز صحیح ہے یا قضاء یا واجب پڑھ رہا تھا اور طلوع وغروب ہوگیا تو وہ نماز جاری رکھے اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ اس نے خاص طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہیں کیا پس فجر الیوم اور عصر الیوم ان کے یہاں بھی صحیح ہیں اور ان کا مستدل ابن عمرؓ کی حدیث ہے جو باب میں آرہی ہے احناف کے نزدیک اگر قضا یا واجب نماز کے دوران طلوع ہوگیا تو نماز باطل ہوجائے گی وہ نماز دوبارہ پڑھے اور نفل نماز کے درمیان استواء ہوجائے تو نفل کراہیت تحریمی کے ساتھ صحیح ہوگی۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فجر اور عصر کے بعد فرض واجب لعینہ، واجب لغیرہ جیسے طواف کا دوگانہ اسی طرح وہ نوافل جن کا کوئی سبب ہے مثلاً تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء وغیرہ پڑھ سکتے ہیں اسی طرح بغیر کسی سبب کے عصر کے بعد دو نفل پڑھنے کی بھی اجازت ہے، کیونکہ نبی ﷺ سے ان کا پڑھنا ثابت ہے اور فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو فرض پڑھنے کے بعد سورج نکلنے سے پہلے سنتیں بھی پڑھ سکتے ہیں ان کے علاوہ نوافل ممنوع ہیں اور طلوع وغروب کے وقت کوئی بھی نماز پڑھنا جائز نہیں، مگر فجر الیوم اور عصر الیوم مستثنیٰ ہیں۔

[۳۰-] بابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ

[۵۸۱-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِی الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: شَهِدَ عِنْدِیْ رِجَالٌ مَرْضِيُّوْنَ، وَأَرْضَاهُمْ عِنْدِیْ عُمَرُ: أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَی عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَشْرُقَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ.

حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيیَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، سَمِعْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ نَاسٌ بِهٰذَا.

حدیث (۱): ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میرے سامنے بہت سے ایسے لوگوں نے گواہی دی جو قابل اعتماد ہیں، اوران میں میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں کہ نبی ﷺ نے فجر کے بعد نماز سے منع کیا، یہاں تک کہ سورج چمکنے لگے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے............اس حدیث کو قتادہؒ سے شعبہؒ نے بھی روایت کیا ہے اوران کی سند میں قتادہؒ کے سماع کی ابوالعالیہؒ سے صراحت ہے۔ نیز ان کی حدیث میں شَہِدَ کے بجائے حدثنی ہے اور رِجَالٌ مَرْضِیُّوْنَ کی جگہ ناسٌ ہے۔ ان فروق کو بیان کرنے کے لئے دوسری سندیں لائے ہیں۔

تشریح: شَہِدَ کا مفہوم: قسم کھا کر بیان کرنا ہے، شہادت میں قسم کا مفہوم شامل رہتا ہے، چاہے قسم پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ ہو یا نہ ہو، اور مَرضِیُّوْن کے معنی ہیں: قابل اعتماد۔ ثقۃ اور مرضِیٌّ ہم معنی ہیں، اور رجال مرضِیُّوْن سے صحابہ کرام مراد ہیں، کیونکہ ابن عباس نے صحابہ کرام سے علم حاصل کیا ہے، نبی ﷺ کے زمانہ میں وہ بچے تھے۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ فجر کے فرض پڑھنے کے بعد سورج بلند ہونے تک اور عصر کے بعد غروب تک نماز مطلقاً ممنوع ہے، احناف نے اس کے عموم سے فرض اور واجب لعینہ کو مستثنیٰ کیا ہے اور امام بخاریؒ نے فجر الیوم اور عصر الیوم اور عصر کے بعد بلاسبب دونفلوں کو بھی مستثنیٰ کیا ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ان نوافل کو بھی جن کا کوئی سبب ہے: مستثنیٰ کیا ہے۔

فائدہ: اوقاتِ ثلاثہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی حدیثیں اخبار آحاد ہیں، اور اعلی درجہ کی صحیح ہیں اور عصر اور فجر کے بعد ممانعت کی حدیثیں تقریباً متواتر ہیں۔

[۵۸۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىٰ بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِىْ أَبِىْ، قَالَ: أَخْبَرَنِىْ ابْنُ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَا تَحَرَّوْا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا"

[انظر: ۵۸۵، ۵۸۹، ۱۱۹۲، ۱۶۲۹، ۳۲۷۳]

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: "تم طلوع وغروب شمس کے وقت نماز پڑھنے کا قصد نہ کرو"

تشریح: اس حدیث سے امام بخاریؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ طلوع وغروب کے وقت بالقصد نماز پڑھنا جائز نہیں، اور ارادہ کے بغیر جائز ہے پس اگر فجر الیوم اور عصر الیوم پڑھتے ہوئے طلوع وغروب ہوجائے تو نماز صحیح ہے کیونکہ اس نے خاص طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہیں کیا، ہاں بالقصد طلوع یا غروب کے وقت فجر الیوم یا عصر الیوم پڑھنا جائز نہیں۔

[۵۸۳-] وَقَالَ: حَدَّثَنِى ابْنُ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوْا الصَّلَاةَ حَتّٰى تَرْتَفِعَ، وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوْا الصَّلَاةَ حَتّٰى تَغِيْبَ" تَابَعَهُ عَبْدَةُ.

[انظر: ۳۲۷۲]

حدیث (۳): یہ حدیث بھی مذکورہ بالا سند سے مروی ہے اس کو بھی ابن عمرؓ سے حضرت عروہ روایت کرتے ہیں کہ نبی

ﷺ نے فرمایا: جب سورج کا اوپر کا کنارہ نمودار ہوجائے تو نماز کو مؤخر کرو تا آنکہ سورج بلند ہوجائے اور جب سورج کا نیچے کا کنارہ غائب ہوجائے تو نماز کو مؤخر کرو تا آنکہ سورج چھپ جائے۔

تشریح: پہلے بتایا تھا کہ جب سورج کا اوپر کا کنارہ نمودار ہوگیا تو طلوع ہوگیا مگر جب تک سورج بلند نہ ہو اور اس کی کرنیں زمین پر نہ پڑیں مکروہ وقت ہے اور عام طور پر یہ وقت دس منٹ ہوتا ہے یعنی طلوع کے بعد دس منٹ طلوع کے ساتھ لاحق ہیں، اسی طرح جب سورج کا نیچے کا کنارہ چھپنے لگے تو غروب شروع ہوگیا اور اس سے پہلے والے دس منٹ غروب کے ساتھ لاحق ہیں، اور استواء کے ساتھ کچھ لاحق نہیں، خط استواء سے پورا سورج چار منٹ میں گذرتا ہے، مگر دونوں جانبوں سے تین تین منٹ احتیاطاً لیتے ہیں اور استواء کا وقت دس منٹ لکھتے ہیں، مگر درحقیقت استواء کے چار منٹ ہیں، باقی چھ منٹ بر بناء احتیاط ہیں ان چھ منٹوں میں نماز مکروہ نہیں، اور طلوع کے بعد کے دس منٹ اور غروب سے پہلے کے دس منٹ طلوع وغروب کے ساتھ لاحق ہیں ان اوقات میں نماز مکروہ ہے۔

[٥٨٤-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ ابْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ بَيْعَتَيْنِ، وَعَنْ لِبْسَتَيْنِ، وَعَنْ صَلاَتَيْنِ: نَهٰى عَنِ الصَّلاَةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَعَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ، وَعَنِ الاِحْتِبَاءِ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ، يُفْضِيْ بِفَرْجِهِ إِلَى السَّمَاءِ، وَعَنِ الْمُنَابَذَةِ، وَالْمُلاَمَسَةِ. [راجع: ٣٦٨]

حدیث (۴): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے دو بیعوں سے، دو کپڑے پہننے کے طریقوں سے اور دو نمازوں سے منع فرمایا، فجر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے اور اشتمال صمّاء سے اور ایک کپڑے میں حبوہ بنانے سے منع فرمایا درانحالیکہ شرم گاہ آسمان کی طرف کھلی ہو، یعنی شرم گاہ اور آسمان کے درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو، اور بیع منابذہ اور بیع ملامسہ سے منع فرمایا۔

تشریح: یہ حدیث ابواب ثیاب المصلی میں گذری ہے (حدیث ۳۶۸) اشتمال صمّاء اور احتباء کی تفسیر وہاں دیکھیں، اور منابذہ اور ملامسہ زمانۂ جاہلیت کی دو بیوع تھیں، جن میں زبان بندی ہوتی ہے اس لئے نبی ﷺ نے ان سے منع فرمایا، تفصیل کتاب البیوع میں آئے گی۔

بَابٌ: لاَ تُتَحَرَّى الصَّلاَةُ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ

سورج چھپنے سے پہلے بالقصد نماز نہ پڑھی جائے

اوپر والے باب میں حتی ترتفع الشمس تھا اس لئے کہ صبح میں مکروہ وقت طلوع آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور

شام میں غروب سے پہلے شروع ہوتا ہے، اس لئے قبل غروب الشمس کی قید لگائی اس وقت بھی بالقصد نماز پڑھنا صحیح نہیں البتہ کوئی بلا ارادہ پڑھے اور نماز کے درمیان سورج غروب ہوجائے تو کچھ حرج نہیں .... **لاتُتَحرّٰی** فعل مجہول ہے، غروب سے پہلے نماز کا قصد نہ کیا جائے یعنی بالقصد اس وقت نماز نہ پڑھی جائے۔

[۳۱-] بَابٌ: لَا تُتَحَرَّی الصَّلَاۃُ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ

[۵۸۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِکٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رسولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: " لَا یَتَحَرَّی أَحَدُکُمْ فَیُصَلِّیْ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِھَا" [راجع: ۵۸۲]

[۵۸۶-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاھِیْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِھَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ عَطَاءُ بْنُ یَزِیْدَ الْجُنْدَعِیُّ، أَنَّہُ سَمِعَ أَبَا سَعِیْدٍ الْخُدْرِیَّ، یَقُوْلُ: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ: " لَاصَلَاۃَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاۃَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغِیْبَ الشَّمْسُ"

[انظر: ۱۱۸۸، ۱۱۹۷، ۱۸٦٤، ۱۹۹۲، ۱۹۹۵]

[۵۸۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ، عَنْ أَبِی التَّیَّاحِ، قَالَ: سَمِعْتُ حُمْرَانَ بْنَ أَبَانَ، یُحَدِّثُ عَنْ مُعَاوِیَۃَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: إِنَّکُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلَاۃً لَقَدْ صَحِبْنَا رسولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَمَا رَأَیْنَاہُ یُصَلِّیْھَا، وَلَقَدْ نَھٰی عَنْھُمَا یَعْنِی الرَّکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ.[انظر: ۳۷٦٦]

[۵۸۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدَۃُ، عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ، عَنْ خُبَیْبٍ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ، قَالَ: نَھٰی رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ صَلَاتَیْنِ: بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ. [راجع: ۳٦۸]

وضاحت: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث گذشتہ باب میں گذر چکی ہے اس حدیث سے امام بخاریؒ نے فجر الیوم اور عصر الیوم کو مستثنیٰ کیا ہے، اگر کوئی بلا ارادہ طلوع یا غروب کے وقت فجر اور عصر پڑھے تو جائز ہے، البتہ بالقصد ان اوقات میں نماز پڑھنا جائز نہیں، اور دوسری اور چوتھی حدیثیں حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی ہیں ان میں فجر اور عصر کے بعد مطلقاً نماز کی ممانعت ہے اور ان کے عموم سے احناف نے فرض اور واجب لعینہ کی تخصیص کی ہے اور امام بخاریؒ نے فجر الیوم، عصر الیوم اور عصر کے بعد بلاسبب دو رکعتوں کی بھی تخصیص کی ہے اور امام شافعیؒ نے ان نوافل کو بھی مستثنیٰ کیا ہے جن کا کوئی سبب ہے، جیسے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء وغیرہ۔

اور تیسری حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہے ان کے زمانۂ خلافت میں صحابہ تھوڑے رہ گئے تھے، تابعین زیادہ ہوگئے تھے، اور عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کا رواج چل پڑا تھا۔ حضرت نے لوگوں کو سمجھایا کہ عصر کے بعد نفل مت پڑھو، ہم

نے نبی ﷺ کو یہ نفل پڑھتے کبھی نہیں دیکھا اور عہدِ رسالت میں صحابہ بھی یہ نفلیں نہیں پڑھتے تھے، پس تمہارا یہ فعل نبی ﷺ کے قول وعمل کے خلاف ہے، اس لئے اس پر عمل ترک کرو۔

فائدہ: آنحضور ﷺ نے عصر کے بعد نفلیں پڑھی ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ کی روایات متعارض ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپؐ نے صرف ایک مرتبہ عصر کے بعد دو نفلیں پڑھی ہیں، آپؐ کی ظہر کی سنتیں رہ گئی تھیں جو آپؐ نے عصر کے بعد پڑھی تھیں اس ایک واقعہ کے علاوہ کبھی آپؐ نے عصر کے بعد نفلیں نہیں پڑھیں اور پورا واقعہ جو مسلم شریف میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر فوراً مال تقسیم کرنے میں لگ گئے، خیال تھا کہ فراغت کے بعد سنت پڑھ لیں گے مگر تقسیم کا عمل جاری رہا تا آنکہ عصر کی اذان ہوگئی اور تقسیم بھی مکمل ہوگئی، آپؐ عصر پڑھا کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لے گئے کیونکہ یہ ان کی باری کا دن تھا اور وہاں آپؐ نے نفل نماز شروع فرمائی، اس وقت حضرت ام سلمہؓ کے پاس کچھ خواتین بھی تھیں، انہیں اور حضرت ام سلمہؓ کو نبی ﷺ کے نفل پڑھنے پر تعجب ہوا، چنانچہ ام سلمہؓ نے اپنی باندی کو آپؐ کے پاس بھیجا اور ہدایت کی کہ خدمتِ اقدس میں سلام عرض کر، اگر آپؐ اشارہ کریں تو نماز کے بعد، ورنہ اسی وقت دریافت کر، جب سلام کیا تو آپؐ نے ہاتھ سے رکنے کا اشارہ فرمایا، جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو باندی نے عرض کیا: ام سلمہؓ سلام کہتی ہیں اور دریافت کرتی ہیں کہ آنجناب عصر کے بعد نماز سے منع فرماتے ہیں، پھر یہ نماز کیسی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: میرے پاس مال آیا تھا جس کی تقسیم کی مشغولیت کی بناء پر ظہر کے بعد کی سنتیں رہ گئی تھیں۔

(مسلم شریف ۱:۲۷۷ باب الأوقات التی نُهی إلخ)

دوسری طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس واقعہ کے بعد جب بھی آنحضور ﷺ عصر کے بعد میرے گھر تشریف لائے تو آپؐ نے دو نفلیں پڑھیں اور آپؐ کا یہ معمول وفات تک جاری رہا، مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ صدیقہ کی باری ہفتہ میں ایک دن آتی تھی، باقی ایام میں آپؐ دیگر ازواج کے یہاں قیام فرما ہوتے تھے مگر کوئی ام المؤمنین عصر کے بعد نفل پڑھنے کی بات روایت نہیں کرتی، بلکہ حضرت ام سلمہؓ شدت سے انکار کرتی ہیں۔ اور صحابہ میں سے بھی کوئی یہ نماز روایت نہیں کرتا، بلکہ حضرات عمر، زید بن ثابت۔ ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد صحابہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا انکار کیا ہے، مذکورہ حدیث میں امیر معاویہؓ نے اسی روایت پر نقد کیا ہے۔ مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی بخاری میں ہے، اس لئے صدیقہ کی بات کی حقیقت پانا مشکل ہے۔

بابُ مَنْ لَمْ یَکْرَهِ الصَّلاَةَ إِلَّا بَعْدَ الْعَصْرِ وَالْفَجْرِ

نفل نماز عصر اور فجر کے بعد ہی ممنوع ہے

اوقات ممنوعہ جن میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے پانچ ہیں۔ اور ان کے دو گروپ بنائے گئے ہیں، ایک گروپ میں

طلوع، غروب اور استواء ہیں اور دوسرے گروپ میں عصر اور فجر کے بعد کے اوقات ہیں اور دونوں کی روایتیں الگ الگ ہیں اوقات ثلاثہ میں ممانعت کی روایتیں اخبار آحاد ہیں، اور اعلی درجہ کی صحیح ہیں اور عصر وفجر کے بعد کی روایتوں کو بہت سے حضرات نے متواتر کہا ہے۔ مگر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک استواء کا وقت کراہیت میں شامل نہیں اور غالباً امام بخاریؒ کی بھی یہی رائے ہے، اس لئے حضرت نے باب میں صرف طلوع وغروب کی تخصیص کی استواء کا ذکر نہیں کیا، اور حضرات عمر، ابن عمر، ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی حدیثوں کا حوالہ دیا کہ ان کی حدیثوں میں صرف عصر اور فجر کا ذکر ہے، استواء کا ذکر نہیں، پس استواء اوقات ممنوعہ میں شامل نہیں، مگر حضرت کا یہ استدلال کچھ زیادہ مضبوط نہیں اس لئے کہ یہ روایتیں تو بعد الفجر اور بعد العصر نوافل کی ممانعت کی ہیں، اور اوقات ثلاثہ میں ممانعت کی روایتیں الگ ہیں! مگر حضرتؒ وہ روایتیں نہیں لائے کیونکہ وہ حضرت کے مذہب کے خلاف ہیں اور جو روایت حضرت کے مذہب کے خلاف ہوتی ہے اس کو حضرت نہیں لاتے، اور ابن عمرؓ وغیرہ کی حدیثوں کا حوالہ دیا ہے پھر ابن عمرؓ کی حدیث باب میں بھی لائے ہیں مگر میں نے کہا اس سے حضرت کا استدلال تام نہیں کیونکہ بعد الفجر اور بعد العصر کی روایتیں الگ ہیں اور ان میں حتی تطلع الشمس اور حتی تغیب الشمس کا مطلب ہے: بُعَیْدَ طُلوع الشمس وقُبیلَ غروبها اور اوقات ثلاثہ کی روایتیں الگ ہیں۔

[۳۲-] بابُ مَنْ لَمْ يَكْرَهِ الصَّلاَةَ إِلاَّ بَعْدَ الْعَصْرِ وَالْفَجْرِ

رَوَاهُ عُمَرُ، وَابْنُ عُمَرَ، وَأَبُوْ سَعِيْدٍ، وَأَبُوْ هُرَيْرَةَ.

[۵۸۹-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ قَالَ: أُصَلِّيْ كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِيْ يُصَلُّوْنَ، لاَ أَنْهٰى أَحَدًا يُصَلِّيْ بِلَيْلٍ وَنَهَارٍ مَاشَاءَ، غَيْرَ أَنْ لاَ تَحَرَّوْا طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلاَ غُرُوْبَهَا.

[راجع: ۵۸۲]

ترجمہ: ابن عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے جس طرح اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھتے دیکھا ہے نماز پڑھتا ہوں، یعنی دوسرے صحابہ جن اوقات میں نماز پڑھتے تھے میں بھی ان اوقات میں نماز پڑھتا ہوں اور جو شخص رات یا دن میں جو بھی نفلیں پڑھتا ہے میں اس کو منع نہیں کرتا، مگر تم طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ مت کرو —— حضرت ابن عمرؓ نے استواء کو چھوڑ دیا، پس امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا کہ استواء اوقات ممنوعہ میں شامل نہیں۔

تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے: ایک شخص عید سے پہلے عیدگاہ میں نفلیں پڑھ رہا تھا، کسی نے حضرت علیؓ سے عرض کیا: آپؓ اس کو روکتے نہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ میں ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا إِذَا صَلّٰى﴾ کا مصداق نہ بن جاؤں، چنانچہ حضرت نے اسے منع نہیں کیا حالانکہ آیت کا ماسیق لاجلہ الکلام یہ صورت نہیں، مگر حضرت نے خطرہ محسوس کیا۔ اسی طرح جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہونے لگا تو انھوں نے گھر والوں کو وصیت کی

کہ میرے مرنے کی کسی کو خبر مت کرنا، کہیں یہ تشہیر ممنوع نہ ہوجائے، نبی ﷺ نے موت کی تشہیر سے منع فرمایا ہے حالانکہ اعزہ واقارب کو موت کی خبر دینا تاکہ وہ جنازہ میں اور تجہیز وتکفین میں شریک ہوں اور ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کریں ممنوع نہیں، مگر حضرت نے خطرہ محسوس کیا تو گھر والوں کو منع کیا، اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمارہے ہیں کہ عام صحابہ کے نماز پڑھنے کے جو اوقات ہیں، میں بھی انہی اوقات میں نماز پڑھتا ہوں اور کوئی ان کے علاوہ اوقات میں نماز پڑھتا ہے تو میں اس کو روکتا نہیں، بس ایک بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ طلوع اور غروب کے وقت بالقصد نماز نہیں پڑھنی چاہئے، یہاں سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا کہ استواء اوقات ممنوعہ میں شامل نہیں، کیونکہ حضرت ابن عمرؓ نے اس کا ذکر چھوڑ دیا ہے اور دوسرا استدلال یہ کیا ہے کہ طلوع وغروب کے وقت بالقصد نماز پڑھنا تو جائز نہیں لیکن اگر کوئی بلا ارادہ اس وقت نماز پڑھے تو جائز ہے۔

بَابُ مَا يُصَلَّى بَعْدَ الْعَصْرِ مِنَ الْفَوَائِتِ وَنَحْوِهَا

عصر کے بعد قضا نمازیں وغیرہ پڑھنا

آنحضور ﷺ نے عصر کے بعد جو نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اس کا تعلق صرف نوافل سے ہے، فوائت وغیرہ سے نہیں ہے، فوائت سے مراد قضا نمازیں ہیں، اور نحوھا کا مصداق حنفیہ کے نزدیک واجبات مثلاً سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ وغیرہ ہیں، اور حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو نوافل ذات سبب ہیں وہ بھی نحوھا میں داخل ہیں —— اس کے بعد چند باتیں جاننی چاہئیں:

پہلی بات: باب میں ایک تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ ظہر کی سنتیں نہیں پڑھ سکے تھے، بحرین سے مال آیا تھا، ظہر پڑھا کر آپؐ اس کو تقسیم کرنے میں مشغول ہوگئے، خیال تھا کہ مال تقسیم کرکے سنتیں پڑھیں گے مگر اس کام سے عصر کے وقت فراغت ہوئی، عصر پڑھا کر آپؐ نے حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں وہ سنتیں پڑھیں، وہ حضرت ام سلمہؓ کی باری کا دن تھا۔ امام بخاریؒ نے یہاں سے مسئلہ اخذ کیا کہ عصر اور فجر کے بعد فوائت پڑھ سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے عصر کے بعد فوائت پڑھے ہیں اور دوسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد نبی ﷺ ہمیشہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے، اس سے التزام نکلا، اس التزام کو نحوھا میں لیا، فائتہ کا ثبوت حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے ہوا اور نحوھا کا حضرت عائشہؓ کی روایت سے۔

دوسری بات: امام بخاریؒ نے باب میں عصر کی تخصیص کی ہے یعنی فوائت اور نحوھا کا استثناء صرف عصر میں ہے، فجر میں نہیں ہے، اگر عصر اور فجر دونوں کا حکم ایک ہوتا تو حضرت رحمہ اللہ عصر کی تخصیص نہ کرتے یا تو ترجمہ مطلق رکھتے یا دونوں کی صراحت کرتے، عصر کی تخصیص کرنا دلیل ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک فجر کے فرضوں کے بعد فوائت اور اس جیسی نماز جائز

نہیں، لہٰذا جس کی فجر کی سنتیں رہ گئی ہوں وہ فجر کے فرضوں کے بعد ان کو نہیں پڑھ سکتا، یہی رائے حنفیہ کی بھی ہے، البتہ طلوع آفتاب اور مکروہ وقت نکلنے کے بعد پڑھ سکتا ہے، بلکہ پڑھنی چاہئیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فجر کے فرضوں کے بعد فجر کی سنتیں پڑھ سکتے ہیں۔

[۳۳-] بابُ مَا يُصَلّٰى بَعْدَ الْعَصْرِ مِنَ الْفَوَائِتِ وَنَحْوِهَا

وَقَالَ كُرَيْبٌ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ: صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَعْدَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ، وَقَالَ: شَغَلَنِيْ نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ.

[۵۹۰-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ، قَالَتْ: وَالَّذِيْ ذَهَبَ بِهِ! مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ، وَمَا لَقِيَ اللّٰهَ حَتّٰى ثَقُلَ عَنِ الصَّلَاةِ، وَكَانَ يُصَلِّيْ كَثِيْرًا مِنْ صَلَاتِهِ قَاعِدًا، تَعْنِيْ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْهِمَا، وَلَا يُصَلِّيْهِمَا فِي الْمَسْجِدِ، مَخَافَةَ أَنْ يُثَقِّلَ عَلٰى أُمَّتِهِ؛ وَكَانَ يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ.[انظر: ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۱۶۳۱]

ترجمہ: کریبؒ: ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا: مجھے عبد القیس کے لوگوں نے ظہر کے بعد کی دو سنتوں سے مشغول کر دیا —— حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: اس ذات کی قسم جو حضور ﷺ کو لے گئی! آپؐ نے دو رکعتیں (ھما کا مرجع آگے آرہا ہے) نہیں چھوڑیں، یہاں تک کہ آپؐ نے اللہ سے ملاقات کی اور اللہ سے ملاقات نہیں کی آپؐ نے یہاں تک کہ آپؐ نماز سے بھاری ہوگئے اور آپؐ بارہا بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے —— مراد لی رہی ہیں: عصر کے بعد کی دو نفلوں کو، یہ راوی نے ما ترکھما کی ضمیر تثنیہ کا مرجع بتلایا —— اور نبی ﷺ یہ دو نفلیں پڑھا کرتے تھے مگر مسجد میں نہیں پڑھتے تھے اس اندیشہ سے کہ آپؐ اپنی امت پر بوجھ ڈالیں اور آپؐ لوگوں کے لئے تخفیف کو پسند فرماتے تھے۔

تشریح:

۱- امام بخاری رحمہ اللہ ظہر کی سنتوں کو جو آپؐ نے عصر کے بعد پڑھی ہیں فوائت کی مثال میں لائے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو بیان کرتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد آپؐ ہمیشہ عصر کے بعد دو نفلیں پڑھتے تھے، اس کو نحوھا کی مثال میں لائے ہیں، اور یہ نحوھا کی مثال اس طرح ہے کہ محبوب: مُحِب کے پاس جس وقت آتا ہے اس وقت محبّ کو محبوب کا انتظار رہتا ہے، مثلاً محبوب ہمیشہ عشاء کی نماز کے بعد آتا ہے تو محبّ کو ہمیشہ عشاء کے بعد انتظار رہے گا، لیکن اگر کسی دن کسی عارض سے صبح دس بجے محبوب آئے تو اگلے دن اس وقت بھی محبّ کو انتظار رہے گا یہ فطری بات ہے۔

حضور اکرم ﷺ اللہ کے محبوب ہیں اور اللہ محبّ ہیں، ایک دن خلافِ معمول عصر کے بعد آپؐ اللہ کی بارگاہ میں حاضر

ہوئے اور عصر کے بعد دو سنتیں پڑھیں تو اب روز اللہ کو انتظار رہے گا کہ میرا محبوب عصر کے بعد میری بارگاہ میں آئے اور میری بندگی کرے اس لئے نبی ﷺ نے اس دن کے بعد ہمیشہ عصر کے بعد دو نفلیں پڑھیں، جب اس علت کی وجہ سے آپؐ نے ہمیشہ یہ نفلیں پڑھیں تو یہ فوائت اور واجبات جیسی ہوگئیں اس لئے حضرت رحمہ اللہ اس کو نحوھا کی مثال میں لائے، یہ حضرت رحمہ اللہ کی دقت نظر ہے۔

۲- میں نے پہلے کہا تھا کہ صدیقہ جو فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہمیشہ نبی ﷺ عصر کے بعد دو نفلیں پڑھتے تھے، اور باقی ازواج مطہرات اور تمام صحابہ اس کا انکار کرتے ہیں، اور ظاہر ہے تمام صحابہ اور ازواج مطہرات جو فرما رہے ہیں وہ غلط نہیں ہوسکتا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو فرماتی ہیں وہ بھی غلط نہیں ہوسکتا اس لئے میں نے کہا تھا کہ دونوں باتوں میں تطبیق مشکل ہے، اور ابھی جو بات میں نے کہی ہے وہ علی تقدیر الصحہ کہی ہے، یعنی عصر کے بعد دو نفلیں پڑھنے کا معمول اس وجہ سے تھا کہ جب ایک مرتبہ خلافِ معمول عصر کے بعد آپؐ بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوئے اور دو نفلیں پڑھیں تو اب روز محبّ کو اس وقت میں محبوب کا انتظار رہے گا اس لئے آپؐ نے اس واقعہ کے بعد ہمیشہ یہ نفلیں پڑھیں۔

۳- اور صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ یہ نفلیں گھر میں پڑھتے تھے مسجد میں نہیں پڑھتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتی ہیں کہ امت پر بوجھ نہ پڑے، آنحضور ﷺ کا مزاج یہ تھا کہ آپؐ امت کے حق میں ہمیشہ تیسیر اور آسانی کو ملحوظ رکھتے تھے، صدیقہؓ فرماتی ہیں: ما خُيِّرَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا: جب بھی نبی ﷺ کو دو باتوں میں اختیار دیا گیا تو آپؐ امت کے لئے آسان پہلو اختیار فرماتے تھے، اس کی بہت مثالیں ہیں مثلاً آپؐ نے صوم وصال رکھا مگر امت کو منع کیا، آپؐ عبادت میں ریاضت شاقہ کرتے تھے، تہجد اتنا لمبا پڑھتے تھے کہ پیروں پر ورم آجاتا تھا مگر امت سے فرمایا: الدينُ يُسْرٌ، ولن يُشادَّ الدينَ أَحَدٌ إِلا غَلَبَهُ: دین آسان ہے، دین سے ٹکر مت لو اگر ایسا کروگے تو دین تم کو ہرادے گا، جتنے اعمال تمہارے بس میں ہیں اتنے ہی کرو، جو دین میں تشدد اختیار کرے گا وہ کامیاب نہیں ہوگا۔ یہ حدیث کتاب الایمان (باب ۲۹) میں گذری ہے، صدیقہ بھی یہی فرمارہی ہیں کہ آپؐ یہ سنتیں جلوت اور خلوت میں پابندی سے پڑھتے تو یہ سنت مؤکدہ بن جاتیں، دس (عندالشافعی) یا بارہ (عندالاحناف) سنت مؤکدہ تو تھی ہی دو اور بڑھ جاتیں اور امت پر بوجھ پڑتا، اس لئے نبی ﷺ نے خلوت میں یہ سنتیں پڑھیں ہیں، جلوت میں نہیں پڑھیں۔ مگر یہ اعتراض اب بھی باقی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی ہفتہ میں ایک مرتبہ باری آتی تھی باقی دن دیگر ازواج کی باریاں تھیں، وہ یہ بات کیوں بیان نہیں کرتیں اور نہ صرف بیان نہیں کرتیں بلکہ حضرت ام سلمہؓ تو سختی سے تردید کرتی ہیں، اور آنحضور ﷺ ہمیشہ خلوت میں نہیں ہوتے تھے جہاد وغیرہ کے اسفار میں مہینوں جلوت میں بھی رہتے تھے۔ اگر آپؐ کا یہ معمول تھا تو تمام صحابہ اور ازواج مطہرات اس عمل سے ناواقف کیوں رہے؟ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اگرچہ سند کے اعتبار سے اعلی درجہ کی ہے، بخاری میں ہے، مگر درایۃً اس کا حال اللہ بہتر جانتے ہیں۔

۴- نبی ﷺ آخر حیات میں کمزور ہوگئے تھے اور بدن مبارک بھی قدرے بھاری ہوگیا تھا اس لئے وفات سے ایک سال پہلے آپؐ تہجد زیادہ تر بیٹھ کر پڑھتے تھے، کبھی کھڑے ہوکر تہجد شروع فرماتے پھر کچھ قراءت کر کے بیٹھ جاتے اور باقی قراءت بیٹھ کر فرماتے، پھر جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو پچاس ساٹھ آیتیں کھڑے ہوکر تلاوت فرماتے پھر رکوع وسجود فرما کر اگلی رکعت میں بیٹھ جاتے اور دوسری رکعت بھی اسی طرح ادا فرماتے۔ غرض وفات سے ایک سال پہلے آپؐ نے تہجد بیٹھ کر پڑھا ہے۔

[۵۹۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىٰ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: ابْنَ أُخْتِيْ! مَا تَرَكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم السَّجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِيْ قَطُّ.[راجع: ۵۹۰]

[۵۹۲-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدَعُهُمَا سِرًّا وَلاَ عَلاَنِيَةً: رَكْعَتَانِ قَبْلَ الصُّبْحِ، وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ.[راجع: ۵۹۰]

[۵۹۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، قَالَ: رَأَيْتُ الْأَسْوَدَ، وَمَسْرُوْقًا شَهِدَا عَلٰى عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَاكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَأْتِيْنِيْ فِيْ يَوْمٍ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ.

وضاحت: پہلی حدیث حضرت عروہؒ کی ہے جو حضرت عائشہؓ کے بھانجے اور حضرت اسماءؓ کے صاحبزادے ہیں ان سے صدیقہؓ نے فرمایا: اے میرے بھانجے! —— یا حرف نداء محذوف ہے اور گیلری میں جو نسخہ ہے اس میں حرف نداء مذکور ہے —— نبی ﷺ نے کبھی میرے پاس عصر کے بعد ان دو رکعتوں کو نہیں چھوڑا، یعنی جب بھی عصر کے بعد آپؐ میرے یہاں تشریف لائے تو آپؐ نے یہ نفلیں پڑھیں، اور اسود اور مسروق کی روایت بھی اسی کے ہم معنی ہے (یہ تیسری روایت ہے) اور اسود بن یزید صدیقہؓ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فجر سے پہلے کی دو سنتیں اور عصر کے بعد کی دو نفلیں کبھی نہیں چھوڑیں۔ خلوت میں بھی ان کو پڑھا اور جلوت میں بھی (یہ دوسری روایت ہے)

یہ روایت اوپر والی روایت کے معارض ہے اوپر صدیقہ نے فرمایا تھا کہ نبی ﷺ یہ نفلیں خلوت میں پڑھتے تھے، جلوت میں نہیں پڑھتے تھے اور اب فرمارہی ہیں کہ خلوت میں بھی پڑھتے تھے اور جلوت میں بھی، یہ تعارض ہے، اس تعارض کا حل یہ ہے کہ اگر گھر میں کوئی نہیں ہے تو خلوت ہے اور صدیقہ گھر میں موجود ہیں تو جلوت ہے اس اعتبار سے صدیقہ نے سراً وعلانیۃً فرمایا ہے۔

بابُ التَّبْكِيْرِ بِالصَّلٰوةِ فِيْ يَوْمِ غَيْمٍ

ابر آلود دن میں عصر کی نماز جلدی پڑھنا

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ اگر آسمان ابر آلود ہو تو عصر جلدی پڑھ لینی چاہئے، پہلے گھڑیاں نہیں تھیں، اور ابر آلود موسم

میں وقت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا تھا، ایسی صورت میں عصر کے قضاء ہونے کا یا مکروہ وقت میں پہنچ جانے کا احتمال تھا، اس لئے عصر جلدی پڑھ لینے کا حکم ہے، اور باب میں جو حدیث ہے وہ پہلے گذری ہے کہ ایک لشکر کے حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ امیر تھے، ایک دن موسم ابر آلود تھا تو آپؓ نے فوجیوں سے فرمایا: آؤ! جلدی نماز پڑھ لیں اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس نے عصر چھوڑ دی اس کے اعمال اکارت گئے''

اس حدیث پر امام بخاریؒ نے یہ باب باندھا ہے کہ ابر آلود دنوں میں نماز عصر جلدی پڑھنی چاہئے، اس کا مفہوم مخالف (ائمہ ثلاثہ اور محدثین کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر ہے) یہ ہے کہ صاف موسم میں عصر تاخیر سے پڑھنی چاہئے، احناف اسی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک عصر میں فی الجملہ (تھوڑی) تاخیر مستحب ہے اور ابر آلود موسم میں تعجیل مستحب ہے، کنز الدقائق میں ہے: غین والے دن میں عین والی نماز جلدی پڑھی جائے، غین سے غَیم یعنی ابر آلود موسم مراد ہے اور عین سے عصر اور عشا مراد ہیں، ابر آلود موسم میں عصر اور عشاء جلدی پڑھنی چاہئیں یہ احناف کا مذہب ہے، اور یہی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کا عمل ہے وہ ابر آلود موسم میں عصر جلدی پڑھتے تھے اور صاف موسم میں تاخیر سے پڑھتے تھے اور امام بخاریؒ کو بھی یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی اس لئے کہ انھوں نے اس حدیث پر جو باب قائم کیا ہے اس کا مفہوم مخالف یہی ہے۔

فائدہ: احناف میں مشہور یہ ہے کہ نصوص میں مفہوم مخالف معتبر نہیں، اور فقہاء کی عبارتوں میں اور لوگوں کے محاورات میں معتبر ہے مگر سرخسی رحمہ اللہ نے سیر کبیر کی شرح کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بعد میں امام محمد رحمہ اللہ کی رائے بدل گئی تھی وہ نصوص میں بھی مفہوم مخالف کا اعتبار کرنے لگے تھے اور سیر کبیر میں بہت سی جگہوں میں امام محمد رحمہ اللہ نے مفہوم مخالف سے استدلال کیا ہے۔

[۳۴-] بابُ التَّبْكِيْرِ بِالصَّلٰوةِ فِيْ يَوْمِ غَيْمٍ

[۵۹۴-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيىَ: هُوَ ابْنُ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ قِلاَبَةَ، أَنَّ أَبَا الْمَلِيْحِ حَدَّثَهُ، قَالَ: كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ غَيْمٍ، فَقَالَ: بَكِّرُوْا بِالصَّلاَةِ، فَإِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ تَرَكَ صَلاَةَ الْعَصْرِ حَبِطَ عَمَلُهُ" [راجع: ۵۵۳]

بابُ الأَذَانِ بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

قضاء شدہ نماز کے لئے اذان دینا

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ فائتہ کے لئے اذان دینی چاہئے یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ باب میں لیلۃ التعریس والا واقعہ لائے ہیں، جو پہلے گذر چکا ہے۔ غزوۂ خیبر سے واپسی میں ایک رات ناوقت پڑاؤ کرنے کی وجہ سے نبی ﷺ کی فجر

کی نماز قضاء ہوگئی۔سورج نکلنے کے بعد آپؐ بیدار ہوئے تو آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: اس میدان میں شیطان حاضر ہو گیا ہے، یہاں سے کوچ کرو، چنانچہ قافلہ روانہ ہو گیا، اگلے میدان میں پہنچے تو سورج کافی بلند ہو چکا تھا وہاں قافلہ رکا اور نبی ﷺ کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر باجماعت فجر قضاء کی گئی۔ یہ واقعہ لا کر امام بخاریؒ نے ثبوت فراہم کردیا کہ فائتہ کے لئے بھی اذان دینی چاہئے، اس لئے کہ اذان نماز کے وقت کی اطلاع دینے کے لئے ہے، اور فائتہ کا وقت: وقت تذکّر ہے یعنی جب نماز یاد آجائے وہی اس کا وقت ہے، لہٰذا جب نماز قضاء کرنی ہو اس وقت اذان دینی چاہئے، نیز قضا ادا کے طرز پر ہونی چاہئے اور اداء کے لئے اذان مشروع ہے تو قضاء کے لئے بھی اذان دینی چاہئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور امام شافعیؒ کا قول جدید اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ فائتہ کے لئے اذان نہیں دی جائے گی، اور حافظ عسقلانی رحمہ اللہ کا میلان قول قدیم کی طرف ہے کہ قضاء کے لئے اذان دی جائے گی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اگر دو چار آدمیوں کی نماز قضاء ہوئی ہے جیسے عام طور پر لوگوں کی نماز قضاء ہوتی ہے تو وہ اذان نہیں دیں گے البتہ باجماعت نماز قضاء کریں تو اقامہ کہیں گے۔ اور پوری جماعت کی نماز قضاء ہوئی ہے تو اذان بھی کہیں گے، بشرطیکہ ان کی اذان سے لوگوں کو تشویش نہ ہو۔ مثلاً بستی کے بیس پچیس آدمیوں کی نماز قضاء ہوگئی اب وہ مینارے پر چڑھ کر اذان دیں گے تو سارا شہر پریشان ہوگا کہ یہ بے وقت کی اذان کیسی؟ اور لیلۃ التعریس میں سبھی کی نماز قضاء ہوئی تھی، اور بستی سے دور اذان کے ساتھ نماز قضا کی گئی تھی ایسی جگہ اذان دینے میں کسی کو تشویش نہیں ہوگی پس اذان دینی چاہئے۔

بہ الفاظ دیگر: اذان واقامت کی اہمیت کیا ہے؟ شوافع کے نزدیک اذان واقامت کی اہمیت زیادہ ہے ان کے یہاں تنہا نماز پڑھنے والا بھی اقامت کہے گا، اذان تو مسجدِ محلّہ کی کافی ہے مگر اقامہ تنہا نماز پڑھنے والا بھی کہے گا، اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جماعت کے ساتھ اذان واقامت کی اہمیت ہے، تنہا نماز پڑھنے والا نہ اذان کہے گا اور نہ اقامہ، باجماعت نماز کے لئے اذان واقامت ہے، پھر اگر غائبین کو بھی اطلاع دینی ہے تو اذان واقامت کی اہمیت یکساں ہے، اور غائبین کو اطلاع نہیں دینی، نمازی سب حاضر ہیں تو اقامہ کی اہمیت زیادہ ہے اور اذان کی کم، اگرچہ اس صورت میں بھی اذان دینی چاہئے اس لئے کہ اذان کی آواز جہاں تک پہنچے ملائکہ اور جنات جماعت میں شریک ہونگے اور شجر وحجر وغیرہ گواہی دیں گے، بہرحال اُس صورت میں جب غائبین کو اطلاع نہ دینی ہو اذان کی اہمیت کم ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید بھی یہی ہے مگر حافظ رحمہ اللہ کا میلان قول قدیم کی طرف ہے اس لئے شوافع کے ذہنوں میں اذان واقامت کی اہمیت زیادہ ہے۔

مسئلہ: اگر باجماعت نماز قضاء کی جائے تو قضاء علی شاکلۃ الاداء ہوگی، یعنی رات کی نماز دن میں جماعت کے ساتھ قضاء کی جائے تو اس میں قراءت جہری ہوگی، اور دن کی نماز رات میں جماعت کے ساتھ قضاء کی جائے تو قراءت سری ہوگی، یہ مسئلہ عالمگیری میں ہے۔

[٣٥-] بابُ الْأَذَانِ بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

[٥٩٥-] حدثنا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سِرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَيْلَةً، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا يَارسولَ اللّٰهِ! قَالَ:" أَخَافُ أَنْ تَنَامُوْا عَنِ الصَّلَاةِ" قَالَ بِلَالٌ: أَنَا أُوْقِظُكُمْ، فَاضْطَجَعُوْا، وَأَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ إِلٰى رَاحِلَتِهِ، فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ، فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ، فَقَالَ:" يَا بِلَالُ! أَيْنَ مَا قُلْتَ؟" قَالَ: مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ، قَالَ:" إِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِيْنَ شَاءَ، وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِيْنَ شَاءَ، يَا بِلَالُ قُمْ فَأَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلَاةِ" فَتَوَضَّأَ، فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَاضَّتْ قَامَ فَصَلَّى .

[انظر: ٧٤٧١]

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم ایک رات نبی ﷺ کے ساتھ سفر کررہے تھے پس بعض حضرات نے عرض کیا: یارسول اللہ! کاش آپؐ پڑاؤ ڈالتے! یعنی ہم تھک گئے ہیں، نیند بہت آرہی ہے، آپؐ پڑاؤ ڈالیں تو بہتر ہوگا، آپؐ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ تم نماز سے سوتے رہ جاؤ، یعنی وقت: ناوقت ہوگیا ہے اب پڑاؤ ڈالیں گے تو ہوسکتا ہے فجر کی نماز قضاء ہوجائے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں آپ حضرات کو جگاؤں گا۔ چنانچہ آپؐ نے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا، اور لوگ سو گئے، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنی پیٹھ کجاوہ سے لگا کر (مشرق کی طرف منہ کرکے صبح صادق کے انتظار میں) بیٹھ گئے، پس ان کی بھی آنکھ لگ گئی، پس نبی ﷺ بیدار ہوئے درانحالیکہ سورج طلوع ہوچکا تھا، آپؐ نے فرمایا: اے بلال! وہ بات کہاں گئی جو تم نے کہی تھی؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا: مجھے آج جیسی گہری نیند کبھی نہیں آئی۔ آپؐ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری روحوں کو روک لیتے ہیں جب چاہتے ہیں اور تمہاری روحوں کو لوٹاتے ہیں جب چاہتے ہیں۔ اے بلال! کھڑے ہوؤ اور نماز کے لئے اذان کہو، پس آپؐ نے وضو فرمایا، پس جب سورج بلند ہوگیا اور خوب روشن ہوگیا تو آپؐ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔

بابُ مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ جَمَاعَةً بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

وقت نکل جانے کے بعد باجماعت نماز پڑھنا

جماعت وقت کے ساتھ خاص نہیں، قضاء نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں، اور یہ مسئلہ اوپر آچکا ہے کہ قضاء اور اداء میں تماثل چاہئے یعنی قضاء علی شاکلۃ الاداء ہوگی جبکہ باجماعت قضا کی جائے، اور اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔

[۳۶-] بابُ مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ جَمَاعَةً بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ

[٥٩٦-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيىَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ، قَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! ما كِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ، قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا" فَقُمْنَا إِلٰى بُطْحَانَ، فَتَوَضَّأَ لِلصَّلاَةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا، فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ.[انظر: ٥٩٨، ٦٤١، ٩٤٥، ٤١١٢]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: غزوۂ خندق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سورج غروب ہونے کے بعد آئے درانحالیکہ وہ کفار قریش کو برا بھلا کہہ رہے تھے، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! نہیں قریب تھا میں کہ سورج غروب ہونے سے پہلے عصر پڑھوں (کِدتُّ: محل نفی میں ہے پس اثبات کرے گا، یعنی کسی طرح میں نے عصر پڑھ لی) نبی ﷺ نے فرمایا: بخدا! میں نے عصر نہیں پڑھی، پس ہم بطحان نامی میدان میں اترے پس آپؐ نے نماز کے لئے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا، پس آپؐ نے سورج غروب ہونے کے بعد عصر پڑھی، پھر اس کے بعد مغرب پڑھی۔

تشریح: غزوۂ خندق میں دو مرتبہ آنحضور ﷺ کی نمازیں قضاء ہوئی ہیں ایک مرتبہ صرف عصر کی نماز قضاء ہوئی ہے اور ایک مرتبہ ظہر، عصر اور مغرب تین نمازیں قضاء ہوئی ہیں، اور دونوں مرتبہ آپؐ نے ترتیب وار نمازیں قضاء فرمائی ہیں، اور جماعت سے قضاء فرمائی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جنگ اندھا دھند نہیں لڑی جاتی، بلکہ ضوابط کے تحت لڑی جاتی ہے، آج بھی قوانین کے تحت جنگیں لڑی جاتی ہیں، نبی ﷺ کے زمانہ میں کھانے پینے کے لئے، آرام کرنے کے لئے، اور نمازیں پڑھنے کے لئے جنگ بند کی جاتی تھی، جس فریق کو جنگ بند کرنی ہوتی وہ نقارہ بجاتا، دوسرا فریق جواب دیتا اور جنگ بند ہو جاتی، پھر جنگ شروع کرنے کے لئے دوبارہ نقارہ بجایا جاتا، مگر جب گھمسان کی لڑائی ہوتی تو قوانین بالائے طاق رکھ دیئے جاتے۔ غزوۂ خندق میں دو مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ دشمن کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا، اس لئے آپؐ کی عصر کی نماز قضاء ہوگئی، اور ایک مرتبہ ظہر، عصر اور مغرب تین نمازیں قضاء ہوگئیں، رات دیر سے جنگ بندی ہوئی۔ چنانچہ آپؐ نے عشاء کے وقت میں ترتیب وار تینوں نمازیں باجماعت قضاء فرمائیں، پھر عشاء ادا فرمائی مگر چونکہ عشاء کافی دیر سے پڑھی گئی تھی اس لئے راوی نے کہہ دیا کہ آپؐ کی چار نمازیں قضاء ہوئیں۔ اور ایک مرتبہ غروب کے بعد جنگ بند ہوئی، جنگ بند ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفار کو برا بھلا کہتے ہوئے کیمپ میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ان کفار کا ناس ہو! قریب نہیں تھا میں کہ سورج ڈوبنے سے پہلے عصر پڑھتا۔ یہاں کاد چونکہ محل نفی میں ہے اس لئے اثبات کرے گا یعنی بڑی مشکل سے میں نے وقت میں عصر پڑھ لی، نبی

ﷺ نے فرمایا: تم نے تو عصر پڑھ بھی لی ہم نے تو ابھی تک نہیں پڑھی، چنانچہ سورج غروب ہونے کے بعد آپؐ نے بطحان نامی میدان میں پہلے عصر پڑھائی پھر مغرب پڑھائی۔

بابُ مَنْ نَسِیَ صَلاَۃً فَلْیُصَلِّ إِذَا ذَکَرَ، وَلاَ یُعِیْدُ إِلَّا تِلْكَ الصَّلاَۃَ

نماز بھول جائے تو یاد آنے پر اس کو پڑھ لے، اور قضا شدہ نماز ہی پڑھے

اس باب کا پہلا مقصد یہ ہے کہ قضاء اور اداء میں مساوات ہے یعنی ایک نماز کی قضاء ایک ہی نماز ہے، دو نہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی سوتا رہ گیا یا نماز بھول گیا اور نماز قضاء ہوگئی تو جب آنکھ کھلے یا یاد آئے فوراً نماز پڑھے، پھر اگلے دن اس نماز کے وقت میں دوبارہ اس کو پڑھے، مثلاً فجر کی نماز میں آنکھ نہیں کھلی، نو بجے بیدار ہوا تو اٹھتے ہی فوراً فجر پڑھے پھر اگلے دن فجر کے وقت میں دوبارہ اس فجر کو پڑھے، بعض روایات سے ایسا مفہوم ہوتا ہے اس لئے حضرت نے یہ باب قائم کیا کہ بیدار ہوتے ہی اور یاد آتے ہی نماز قضاء کر لینا کافی ہے، اگلے دن اس نماز کے وقت میں دوبارہ اس کو پڑھنا ضروری نہیں۔ پھر حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول لائے ہیں کہ جس نے کوئی نماز چھوڑ دی اور بیس سال گذر گئے پھر یاد آیا تو بس وہی ایک نماز قضاء کرنی ہے، دوہری قضاء نہیں، حضرت ابراہیم کے قول سے معلوم ہوا کہ اداء اور قضاء میں مساوات ہے جتنی نمازیں قضاء ہوئی ہیں اتنی ہی قضا کرنی ہونگی، دوہری قضاء نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ غیر مقلدین کے نزدیک صرف فوت شدہ نماز کی قضاء ہے، فوت کردہ نماز کی قضاء نہیں، یعنی جو نماز سونے کی وجہ سے یا بھول جانے کی وجہ سے فوت ہوئی ہے صرف اس کی قضاء ہے جو نماز بالقصد چھوڑی ہے اس کی قضاء نہیں، اس کے لئے توبہ ضروری ہے اور وہی کافی ہے، اس لئے کہ بالقصد نماز چھوڑنا کبیرہ گناہ ہے جو قضاء کرنے سے معاف نہیں ہوسکتا، جیسے احناف کے نزدیک یمین منعقدہ میں تو کفارہ ہے مگر یمین غموس میں کفارہ نہیں، احناف کہتے ہیں کہ یمین غموس اتنا بڑا گناہ ہے کہ تین روزے رکھنے سے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانے سے معاف نہیں ہوسکتا، اس کے لئے توبہ لازم ہے اسی طرح غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنا سنگین گناہ ہے، اس کے لئے توبہ لازم ہے، قضاء کرنے سے وہ گناہ معاف نہیں ہوسکتا۔

اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں نماز بھولنے والے کو اور سونے والے کو قضاء کا حکم دیا ہے، جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کو یہ حکم نہیں دیا، بلکہ فَقَدْ کَفَرَ کی وعید سنائی ہے۔ اگر قضاء ضروری ہوتی تو شریعت ضرور اس کا حکم دیتی، مگر چاروں فقہاء نے تفویت کو فوات کے ساتھ لاحق کیا ہے، یعنی نماز بھولنے والے کے لئے اور سوتے رہ جانے والے کے لئے جو حکم ہے وہی حکم بالقصد نماز چھوڑنے والے کے لئے بھی ہے، اور اس پر قضاء کے ساتھ توبہ بھی لازم ہے۔

قضاء اس لئے لازم ہے کہ فرض نماز اللہ کا حق ہے، وہ بہر حال ادا کرنا ہے، اور جب فوت ہونے میں قضاء ہے تو فوت

کرنے میں بدرجۂ اولیٰ قضا ہے، اس لئے کہ فوت ہونے کی بہ نسبت فوت کرنا سنگین گناہ ہے اور بالقصد نماز ترک کرنا مستقل گناہ ہے اس پر الگ سے توبہ لازم ہے۔ غرض یہ اجتہادی مسئلہ ہے منصوص نہیں۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے: أَلْحَقَ الْفُقَهَاءُ التَّفْوِيْتَ بِالْفَوَاتِ: فقہاء نے فوت کرنے کو فوت ہونے کے ساتھ لاحق کیا ہے اس لئے کہ دونوں ہی صورتوں میں اللہ کا حق اپنے پاس روک لینا ہے، جب فوت ہونے میں وہ حق ادا کرنا ضروری ہے تو فوت کرنے میں بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے، اور بالقصد اللہ کا حق تلف کرنا مستقل گناہ ہے اس لئے توبہ بھی لازم ہے، اور یمین غموس پر قیاس کرنا اس لئے درست نہیں کہ یمین ایک معاملہ ہے اور نماز کی قضاء عبادت ہے، پس ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔

دوسرا مقصد: شارحین نے اس باب کا دوسرا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی کی نماز فوت ہوگئی پھر وہ بھول گیا اور ہفتہ کے بعد یاد آیا تو جب یاد آئے وہی نماز قضاء کرے، ہفتہ بھر کی نمازوں کی قضاء نہیں، اس لئے کہ نسیان عذر ہے اس سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے، اس مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک نسیان عذر نہیں، اور یہ مسئلہ اگلے باب میں آرہا ہے۔ دیگر فقہاء کے نزدیک نسیان عذر ہے، اس کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے اور دلیل حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے: وہ فرماتے ہیں: ایک شخص کی نماز رہ گئی، بیس سال کے بعد یاد آئی تو وہی نماز قضا کرے، بیس سال کی نمازیں دوبارہ پڑھنے کا حضرت ابراہیمؒ نے حکم نہیں دیا، معلوم ہوا کہ نسیان کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوتی ہے۔

باب کا یہ مقصد شارحین نے بیان کیا ہے مگر حضرت الاستاذ قدس سرہ نے پہلا مقصد بیان کیا ہے کہ اداء اور قضاء میں مساوات ہے، ایک نماز کی قضاء ایک ہی ہے دوہری نہیں۔ اور حضرت ابراہیم کے قول سے استدلال اس طرح کیا ہے کہ بیس سال کے بعد بھی انھوں نے ایک ہی نماز قضا کروائی دوہری نہیں کروائی، معلوم ہوا کہ اداء اور قضا میں مساوات ہے۔

[۳۷-] بابُ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ، وَلَا يُعِيْدُ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ

وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ: مَنْ تَرَكَ صَلَاةً وَاحِدَةً عِشْرِيْنَ سَنَةً، لَمْ يُعِدْ إِلَّا تِلْكَ الصَّلَاةَ الْوَاحِدَةَ.

[۵۹۷-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، وَمُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَا: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ، لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾[طه: ۱۴]" قَالَ مُوْسَى: قَالَ هَمَّامٌ: سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ بَعْدُ: ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِلذِّكْرٰى﴾ وَقَالَ حَبَّانُ: ثَنَا هَمَّامٌ، قَالَ: ثَنَا قَتَادَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

قولہ: ولا يُعيد إلا تلك الصلوٰة: اور نہ لوٹائے مگر وہی نماز، اس جملہ سے باب کے دونوں مقصد نکلتے ہیں، اس کا یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ دوہری قضاء نہیں، اور یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ نسیان سے ترتیب کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے۔

حدیث کا ترجمہ مع وضاحت: نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز بھول گیا تو چاہئے کہ وہ اسے پڑھے جب یاد آئے، اس کے لئے کفارہ نہیں مگر یہی یعنی اس نماز کو قضاء کرلینا ہی کافی ہے، اس لئے کہ فوت ہونے میں کوئی گناہ نہیں۔ حدیث ہے: رُفِعَ عن أُمتی الخطأُ وَالنِّسیَانُ: میری امت سے چوک اور بھول اٹھادی گئی ہیں یعنی ان کا گناہ اٹھادیا گیا ہے، البتہ بالقصد نماز چھوڑنا کبیرہ گناہ ہے، اس کے لئے توبہ لازم ہے۔ پھر نبی پاک ﷺ نے سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۴ تلاوت فرمائی کہ نماز کا اہتمام کرو مجھے یاد رکھنے کے لئے، اسی لئے نمازیں رات دن کے متفرق اوقات میں فرض کی گئی ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کو یاد رکھا جاسکے، اگر ایک وقت میں تمام نمازیں پڑھ لے گا تو کچھ دیر بعد اللہ کو بھول جائے گا۔ غرض نماز اللہ کو یاد رکھنے کا ذریعہ ہے ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ اللہ کو یاد رکھنا نماز کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں ایک دوسری قراءت بھی ہے ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِلذِّكْرٰى﴾ ذِکْریٰ مصدر ہے اور ذِکْرٌ بھی مصدر ہے اس کی یائے متکلم کی طرف اضافت کی گئی ہے، اور ذکریٰ کے آخر میں یائے متکلم نہیں ہے اور شروع میں الف لام ہے، اور الذکری کے معنی ہیں: یاد کرنا، پس ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِلذِّكْرٰى﴾ کا مطلب ہے: جب تمہیں نماز یاد آئے تو پڑھ لو۔ الذکریٰ والی اسی قراءت سے نبی ﷺ نے وہ حکم مستنبط کیا ہے جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

قولہ: سمعتُه یقول بعدُ: یعنی پہلی مرتبہ حدیث بیان کی تو لِذِکْرِیْ پڑھا، ہماری قراءت یہی ہے، اور دوسری مرتبہ حدیث بیان کی تو للذکریٰ پڑھا، ہمارے نسخہ میں دونوں جگہ لذکری لکھا ہے، یہ صحیح نہیں، بین السطور میں جو لکھا ہے وہی صحیح ہے، فرق اسی صورت میں واضح ہوگا۔

بابُ قَضَاءِ الصَّلَوَاتِ الْأُوْلٰى فَالْأُوْلٰى

فوائت کی قضاء ترتیب وار کرنا

فائتہ اور وقتیہ نمازوں کے درمیان اسی طرح فوائت کے درمیان ترتیب واجب ہے یا سنت؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت ہے۔ دوسرے فقہاء کے نزدیک واجب ہے۔ امام بخاریؒ بھی جمہور کے ساتھ ہیں اور جمہور کا استدلال غزوۂ خندق کے واقعہ سے ہے۔ غزوۂ خندق میں دو مرتبہ نبی ﷺ کی نمازیں قضاء ہوئی تھیں، ایک مرتبہ ظہر، عصر اور مغرب تین نمازیں قضاء ہوئی تھیں، جن کو آپؐ نے ترتیب سے باجماعت قضا کیا تھا، پھر عشاء پڑھی تھی، اور دوسری مرتبہ صرف عصر قضاء ہوئی تھی، چنانچہ پہلے عصر پڑھی، پھر مغرب، یہ مواظبت وجوب کی دلیل ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ فعلی روایت ہے اور فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، جمہور کہتے ہیں: بیشک فعلی روایت سے وجوب ثابت نہیں ہوتا لیکن قرائن منضمّہ ہوں تو فعل سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے۔ جیسے نبی ﷺ نے وتر مواظبتِ تامہ کے ساتھ پڑھے ہیں، زندگی میں ایک مرتبہ بھی ترک نہیں کئے، اور اس مواظبت کے ساتھ قرائنِ منضمہ ہیں جن کا بیان تحفۃ الالمعی ہے، پس وتر واجب ہیں، اسی

طرح حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں یہی دو دواقعے پیش آئے ہیں اور آپؐ نے دونوں مرتبہ ترتیب ملحوظ رکھی ہے جو وجوب کا قرینہ ہے اگر ترتیب واجب نہ ہوتی تو آپؐ بیان جواز کے لئے کم از کم ایک مرتبہ خلاف ترتیب نمازیں قضا فرماتے، دونوں مرتبہ ترتیب وار نمازیں پڑھنا وجوب کی دلیل ہے۔

فائدہ: احناف کے نزدیک تین اعذار سے ترتیب کا وجوب ساقط ہوتا ہے، ایک: نسیان کی وجہ سے یعنی اگر کوئی قضا نماز بھول جائے اور وقتی نماز پڑھ لے تو وہ ہوجائے گی، دوسرا: کثرتِ فوائت سے یعنی چھ سے زیادہ نمازیں قضا ہوجائیں تو ترتیب کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے، تیسرا: ضیق وقت سے یعنی وقت اتنا تنگ ہوجائے کہ پہلے قضاء پڑھنے کی صورت میں ادا نماز بھی قضا ہوجائے گی، تو ترتیب کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک کثرت فوائت عذر نہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نسیان عذر نہیں۔

[۳۸-] بابُ قَضَاءِ الصَّلَوَاتِ الْأُوْلٰى فَالْأُوْلٰى

[۵۹۸-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىَ - هُوَ ابْنُ أَبِيْ كَثِيْرٍ - عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: جَعَلَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَسُبُّ كُفَّارَهُمْ، وَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! مَا كِدْتُ أُصَلِّى الْعَصْرَ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، قَالَ: فَنَزَلْنَا بُطْحَانَ فَصَلّٰى بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ. [راجع: ۵۹۶]

بابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

عشاء کے بعد قصہ گوئی کی کراہیت

یہاں سے مواقیت الصلوٰۃ کے ختم تک سمر یعنی قصہ گوئی کے سلسلہ کے ابواب ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جاہلی سمر ممنوع ہے ـــــ سَمَرَ کے معنی ہیں: رات کو کہی جانے والی کہانیاں۔ زمانہ جاہلیت میں ایام بیض میں رات دیر تک قصہ گوئی کی جاتی تھی ـــــ اسلامی، اخلاقی اور معاشرتی سمر ممنوع نہیں، جیسے آپ حضرات عشاء کے بعد سبق پڑھتے ہیں، تکرار کرتے ہیں یہ اسلامی سمر ہے، آئندہ سب ابواب اسی سمر کے سلسلہ کے ہیں، ترمذی میں حدیث ہے: لاسَمَرَ بعد العشاء: عشاء کے بعد قصہ گوئی نہیں، اور باب میں حدیث ہے: وکان يَكرَہ النومَ قبل العشاء والحديث بعدها: عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد باتیں کرنے کو نبی ﷺ ناپسند کرتے تھے، ان حدیثوں کا مصداق جاہلی سمر ہے اور قرآنِ کریم میں ہے: ﴿سَامِرًا تَهْجُرُوْنَ﴾ السَّامِر: السَّمَر سے مشتق ہے، اور یہ کبھی مفرد ہوتا ہے اور اس کی جمع سُمَّار آتی ہے اور کبھی اسم جمع ہوتا ہے۔ آیت میں اسم جمع ہے۔

[۳۹-] بابُ مَا یُکْرَہُ مِنَ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

السَّامِرُ: مِنَ السَّمَرِ، وَالْجَمْعُ السُّمَّارُ، وَالسَّامِرُ هَاهُنَا فِیْ مَوْضِعِ الْجَمْعِ.

[۵۹۹-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا یَحْیَی، قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ الْمِنْهَالِ، قَالَ: انْطَلَقْتُ مَعَ أَبِیْ إِلٰی أَبِیْ بَرْزَۃَ الْأَسْلَمِیِّ، فَقَالَ لَہُ أَبِیْ: حَدِّثْنَا کَیْفَ کَانَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یُصَلِّیْ الْمَکْتُوْبَۃَ؟ قَالَ: کَانَ یُصَلِّیْ الْھَجِیْرَ - وَھِیَ الَّتِیْ تَدْعُوْنَھَا الْأُوْلٰی - حِیْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ، وَیُصَلِّیْ الْعَصْرَ ثُمَّ یَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلٰی أَھْلِہٖ فِیْ أَقْصَی الْمَدِیْنَۃِ، وَالشَّمْسُ حَیَّۃٌ، وَنَسِیْتُ مَا قَالَ فِیْ الْمَغْرِبِ، قَالَ: وَکَانَ یَسْتَحِبُّ أَنْ یُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ، قَالَ: وَکَانَ یَکْرَہُ النَّوْمَ قَبْلَھَا وَالْحَدِیْثَ بَعْدَھَا، وَکَانَ یَنْفَتِلُ مِنْ صَلاَۃِ الْغَدَاۃِ حِیْنَ یَعْرِفُ أَحَدُنَا جَلِیْسَہُ، وَیَقْرَأُ مِنَ السِّتِّیْنَ إِلٰی الْمَائَۃِ.[راجع: ۵۴۱]

وضاحت: یہ حدیث بار بار آئی ہے اور کان یکرہ النوم قبلھا والحدیث بعدھا سے استدلال ہے کہ عشاء کے بعد باتیں کرنے کو نبی ﷺ ناپسند کرتے تھے، یعنی عشاء کے بعد قصہ گوئی اور ادھر اُدھر کی لاحاصل باتیں نہیں کرنی چاہئیں، لوگ جلدی سو جائیں تا کہ تہجد یا فجر میں اٹھ سکیں۔

بابُ السَّمَرِ فِیْ الْفِقْہِ وَالْخَیْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

عشاء کے بعد علمی اور اصلاحی باتیں کرنا

عشاء کے بعد اسلامی، اخلاقی، اصلاحی اور معاشرتی باتیں کرنا ممنوع نہیں، مثلاً عشاء کے بعد میاں بیوی باتیں کریں، یہ ممنوع نہیں، اسی طرح عشاء کے بعد درس و تدریس، مطالعہ و تکرار بھی ممنوع نہیں۔ قرۃ بن خالد کہتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بروقت پڑھانے نہیں آئے، طلبہ انتظار میں بیٹھے رہے، جب وقت ختم ہونے آیا تو حضرت تشریف لائے اور معذرت کی کہ میرے پڑوسیوں نے کسی ضرورت سے مجھے بلا لیا تھا اس لئے دیر ہوگئی، پھر حضرتؒ نے یہ حدیث سنائی کہ ایک رات نبی ﷺ تہائی رات گذار کر عشا پڑھانے تشریف لائے، عشاء کے بعد آپؐ نے تقریر فرمائی کہ سب لوگ عشاء پڑھ کر سو گئے، صرف تم ہی جاگ رہے ہو اور نماز کا انتظار کر رہے ہو اور جب تک آدمی نماز کے انتظار میں رہتا ہے نماز میں ہوتا ہے، یعنی نماز کا انتظار کرنے کی وجہ سے تمہیں نماز کا ثواب مل رہا ہے، یہ حدیث پہلے گذری ہے، یہ حدیث سنا کر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لوگ برابر خیر میں رہیں گے جب تک وہ خیر کا انتظار کرتے رہیں گے''، یعنی حضرت حسنؒ نے حدیث کو عام کیا۔ نبی ﷺ کا ارشاد نماز کے تعلق سے تھا کہ نماز کا انتظار کرنے والا حکماً نماز پڑھنے والا ہے، حضرت حسنؒ نے اس قاعدہ کو عام کیا کہ جو سبق کے انتظار میں بیٹھا ہے وہ بھی گویا سبق پڑھ رہا ہے اسے اس انتظار کا ثواب

ملے گا —— اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بات عشاء کے بعد فرمائی ہے، اس لئے کہ یہ اسلامی سمر ہے معلوم ہوا کہ اسلامی سمر ممنوع نہیں اور ممانعت کی احادیث کا مصداق جاہلی سمر ہے۔

[٤٠-] باب السَّمَرِ فِي الْفِقْهِ وَالْخَيْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

[٦٠٠-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الصَّبَّاحِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَلِيٍّ الْحَنَفِيُّ، قَال: حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: انْتَظَرْنَا الْحَسَنَ، وَرَاثَ عَلَيْنَا، حَتّٰى قَرُبْنَا مِنْ وَقْتِ قِيَامِهِ، فَجَاءَ، وَقَالَ: دَعَانَا جِيْرَانُنَا هٰؤُلَاءِ، ثُمَّ قَالَ: قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: نَظَرْنَا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم ذَاتَ لَيْلَةٍ، حَتّٰى كَانَ شَطْرُ اللَّيْلِ، يَبْلُغُهُ، فَجَاءَ فَصَلّٰى لَنَا ثُمَّ خَطَبَنَا، فَقَالَ: "أَلَا إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلُّوْا ثُمَّ رَقَدُوْا، وَإِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوْا فِيْ صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ"

قَالَ الْحَسَنُ: وَإِنَّ الْقَوْمَ لَا يَزَالُوْنَ بِخَيْرٍ مَا انْتَظَرُوْا الْخَيْرَ، قَالَ قُرَّةُ: هُوَ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ٥٧٢]

لغات: رَاثَ علينا: ہمارے پاس آنے میں دیر کی .... نَظَرْنا أي انتظرنا .... كان شطر الليل: شطر کے لئے ٹھیک آدھا ہونا ضروری نہیں، اور کان تامہ ہے، شطر الليل اس کا فاعل ہے اور یَبْلُغُه: مستقل جملہ ہے: پہنچتے ہیں آپؐ اس آدھی رات کو یعنی آدھی رات کے قریب تشریف لائے .... قال قرة: یہ قرۃ نے حدیث کو مسند کیا ہے کہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

[٦٠١-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ حَثْمَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم صَلَاةَ الْعِشَاءِ فِيْ آخِرِ حَيَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ لَا يَبْقَى مَنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ" فَوَهِلَ النَّاسُ فِيْ مَقَالَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، إِلٰى مَا يَتَحَدَّثُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ عَنْ مِائَةِ سَنَةٍ، وَإِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ" يُرِيْدُ أَنَّهَا تَخْرِمُ ذٰلِكَ الْقَرْنُ. [راجع: ١١٦]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی پاک ﷺ نے آخر حیات میں عشاء کی نماز پڑھی، جب آپؐ نے سلام پھیرا تو آپؐ کھڑے ہوئے اور آپؐ نے فرمایا: "کیا تم نے اپنی اس رات کو دیکھا یعنی اس رات کو یاد رکھو، پس بیشک اس رات سے سو سال کے ختم تک ان لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا جو آج زمین کی پیٹھ پر ہیں، پس لوگوں نے نبی ﷺ کے اس ارشاد کو سمجھنے میں غلطی کی: جاتے ہوئے ان باتوں کی طرف جو وہ کرتے ہیں سو برس کے بارے میں یعنی لوگ یہ

باتیں کرتے ہیں کہ سوسال پر قیامت آئے گی حالانکہ آپؐ نے صرف یہ فرمایا تھا کہ جو لوگ آج زمین کی پیٹھ پر ہیں ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا، آپؐ کی مراد یہ تھی کہ یہ قرن ختم ہو جائے گا۔

تشریح: یہ حدیث کتاب العلم (باب ۴۱) میں گذر چکی ہے اس حدیث کی وجہ سے بعض حضرات کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ صدی کے ختم پر قیامت آجائے گی، ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ لوگوں کی غلط فہمی ہے، اس حدیث کا مطلب صرف اتنا ہے کہ سوسال پر یہ قرن ختم ہو جائے گا، اور حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے یہ ارشاد عشاء کے بعد فرمایا ہے، کیونکہ یہ اسلامی سمر ہے، معلوم ہوا کہ اسلامی سمر ممنوع نہیں۔

بابُ السَّمَرِ مَعَ الْأَهْلِ وَالضَّيْفِ

گھر والوں اور مہمان کے ساتھ عشاء کے بعد باتیں کرنا

معاشرتی سمر مثلاً بیوی سے باتیں کرنا جائز ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: لَاسَمَرَ إِلَّا لِثَلَاثٍ: لِعَرُوْسٍ أَوْ مُسَافِرٍ أَوْ مُتَهَجِّد باللیل (رواہ ابویعلی، مجمع الزوائد ۱:۳۱۴): تین آدمیوں کے لئے سمر کی اجازت ہے: (۱) تہجد گذار کے لئے یعنی جب متعدد حضرات ایک جگہ تہجد پڑھ رہے ہوں اور نیند کا غلبہ ہو جائے تو وہ لوگ باتیں کر سکتے ہیں تاکہ نیند اڑ جائے (۲) مسافر کے لئے قصہ گوئی کی اجازت ہے تاکہ وہ بیدار رہ سکیں اور سامان وغیرہ کی حفاظت کر سکیں (۳) نئے جوڑے کے لئے: یعنی جس کی نئی شادی ہوئی ہے وہ عشاء کے بعد اپنی بیوی سے باتیں کر سکتا ہے۔

اسی طرح مہمان سے باتیں کرنا معاشرتی ضرورت ہے، پس اس کی بھی اجازت ہے۔ جاننا چاہئے کہ عشاء کے بعد قصہ گوئی کی ممانعت اس لئے ہے کہ تہجد گذار تہجد کے لئے اور عام مسلمان فجر کے لئے بیدار ہو سکیں، کیونکہ جب قصہ گوئی یعنی ادھر اُدھر کی باتیں شروع ہوتی ہیں تو دیر تک چلتی رہتی ہیں، پس لوگ بے وقت سوئیں گے اور تہجد کے لئے اٹھ نہ سکیں گے بلکہ عام مسلمان تو نماز فجر کے لئے بھی نہیں اٹھیں گے، اور عشاء کے بعد اسلامی، اخلاقی اور معاشرتی باتوں کی گنجائش اس لئے ہے کہ وہ محدود ہوتی ہیں مثلاً: معین وقت پر سبق ختم ہو جائے گا اور لوگ جا کر سو جائیں گے۔

لطیفہ: نیا جوڑا کب تک رہتا ہے؟ کسی نے نکاح کی تعریف کی ہے: سُرُوْرُ شَهْرٍ، غُمُوْمُ دَهْرٍ، لُزُوْمُ مَهْرٍ: مہینہ بھر کی خوشی، زمانہ بھر کا غم، اور مہر سر پڑ گیا، یعنی ایک ماہ تک نیا جوڑا رہتا ہے۔

حدیث باب کا خلاصہ: عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اصحابِ صفہ نادار اور غریب لوگ تھے، ان کے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں تھا، صحابہ حسب گنجائش ان کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے، اور کھانا کھلاتے تھے، آج بھی جب نیا مدرسہ قائم ہوتا ہے اور مطبخ نہیں ہوتا تو بستی والے طلبہ کو گھر لے جا کر کھلاتے ہیں۔ دارالعلوم میں بھی شروع میں مطبخ نہیں تھا، طلبہ لوگوں کے گھر جا کر کھاتے تھے۔

ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تین طالب علموں کو شام کے وقت کھانے کے لئے گھر بھیج دیا اور آنحضور ﷺ دس آدمیوں کو ساتھ لے گئے، اتفاق سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کوئی ضرورت پیش آئی اور وہ نبی ﷺ کے پاس رک گئے، آپؓ نے نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کھایا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے طلبہ کے سامنے کھانا پیش کیا مگر انھوں نے انکار کیا اور کہا ہم حضرت کے ساتھ کھائیں گے، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اصرار بھی کیا مگر مہمانوں نے نہیں مانا، حضرت ابوبکرؓ دیر سے گھر پہنچے: دیکھا کہ مہمان انتظار میں ہیں، انھوں نے کھانا نہیں کھایا ہے، حضرت بہت بگڑے، بیوی صاحبہ ام رومانؓ نے عرض کیا: ہم نے بہت اصرار کیا تھا مگر انھوں نے کہا مانا، وہ مُصر ہیں کہ آپؓ کے ساتھ کھائیں گے، حضرت عبدالرحمٰنؓ ڈر کے مارے دَبک گئے، آپؓ نے ان کو آواز دی او کمینے! کہاں ہے باہر نکل، اور خوب برا بھلا کہا، پھر مہمانوں کے سامنے کھانا پیش کیا اور قسم کھائی کہ میں نہیں کھاؤں گا، مہمانوں نے بھی قسم کھائی کہ ہم بھی آپ کے بغیر نہیں کھائیں گے، چنانچہ آپؓ نے قسم توڑ دی اور کھانا شروع کیا، کھانا کھانے لگے تو کھانا بڑھنے لگا، جتنا کھاتے تھے کھانا اس سے زیادہ بڑھ جاتا تھا، حضرت نے اہلیہ سے فرمایا: دیکھ نہیں رہی جتنا کھاتے ہیں کھانا اس سے زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اہلیہ نے کہا: جی ہاں کھانا بڑھ رہا ہے، اب تگنا ہوگیا ہے، جب سب کھاچکے تو ایک کٹورے میں وہ کھانا خدمتِ نبوی میں ہدیہ بھیجا گیا، چونکہ آپؐ اور گھر والے کھانا کھاچکے تھے اس لئے وہ کھانا رکھا رہا، اگلے دن ایک قبیلہ کے ساتھ میعادی معاہدہ تھا، معاہدہ کی تجدید کے لئے ان کا وفد آیا ہوا تھا، وہ ستر آدمی تھے، سب نے اس پیالے سے کھایا اور شکم سیر ہوکر کھایا پھر بھی کھانا بچ گیا۔

مناسبت: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں یہ واقعہ عشاء کے بعد پیش آیا ہے مگر چونکہ یہ معاشرتی سمر ہے، اس لئے جائز ہے۔

[٤١-] بابُ السَّمَرِ مَعَ الْأَهْلِ وَالضَّيْفِ

[٦٠٢-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ: أَنَّ أَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوْا أُنَاسًا فُقَرَاءَ، وَأَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ، وَإِنْ أَرْبَعٌ فَخَامِسٌ أَوْ سَادِسٌ" وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ، وَانْطَلَقَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِعَشْرَةٍ. قَالَ: فَهُوَ أَنَا وَأَبِيْ وَأُمِّيْ - وَلَاأَدْرِيْ هَلْ قَالَ: وَامْرَأَتِيْ - وَخَادِمٌ بَيْنَ بَيْتِنَا وَبَيْتِ أَبِيْ بَكْرٍ، وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ لَبِثَ حَيْثُ صُلِّيَتِ الْعِشَاءُ، ثُمَّ رَجَعَ، فَلَبِثَ، حَتّٰى تَعَشَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضَى مِنَ اللَّيْلِ مَاشَاءَ اللّٰهُ، قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ: وَمَا حَبَسَكَ عَنْ أَضْيَافِكَ، أَوْ قَالَتْ: ضَيْفِكَ؟ قَالَ: أَوَمَا عَشَّيْتِهِمْ؟ قَالَتْ: أَبَوْا حَتّٰى تَجِيْءَ، قَدْ عُرِضُوْا فَأَبَوْا، قَالَ: فَذَهَبْتُ أَنَا فَاخْتَبَأْتُ، فَقَالَ: يَا غُنْثَرُ! فَجَدَّعَ وَسَبَّ، وَقَالَ: كُلُوْا لَا هَنِيْئًا لَكُمْ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَا

أَطْعَمُهُ أَبَدًا، وَأَيْمُ اللّٰهِ! مَا كُنَّا نَأْخُذُ مِنْ لُقْمَةٍ إِلَّا رَبَا مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرُ مِنْهَا، قَالَ: شَبِعُوْا، وَصَارَتْ أَكْثَرَ مِمَّا كَانَتْ قَبْلَ ذٰلِكَ، فَنَظَرَ إِلَيْهَا أَبُوْ بَكْرٍ فَإِذَا هِيَ كَمَا هِيَ، أَوْ أَكْثَرُ، فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ: يَا أُخْتَ بَنِيْ فِرَاسٍ! مَا هٰذَا؟ قَالَتْ: لَا، وَقُرَّةِ عَيْنِيْ! لَهِيَ الْآنَ أَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذٰلِكَ بِثَلَاثِ مِرَارٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا أَبُوْ بَكْرٍ، وَقَالَ: إِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ، يَعْنِيْ يَمِيْنَهُ، ثُمَّ أَكَلَ مِنْهَا لُقْمَةً، ثُمَّ حَمَلَهَا إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ، وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ عَقْدٌ فَمَضَى الْأَجَلُ، فَفَرَّقَنَا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا، مَعَ كُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ أُنَاسٌ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ كَمْ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ، فَأَكَلُوْا مِنْهَا أَجْمَعُوْنَ، أَوْ كَمَا قَالَ. [انظر: ۳۵۸۱، ۶۱۴۰، ۶۱۴۱]

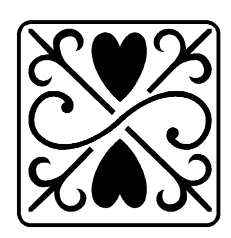
ترجمہ اور وضاحت: عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اصحاب صفہ غریب لوگ تھے اور نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس کے پاس دو کا کھانا ہے وہ تیسرے کو ساتھ لے جائے اور چار کا کھانا ہے تو پانچویں کو یا چھٹے کو یعنی دو کو ساتھ لے جائے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین کو لائے اور نبی ﷺ دس کو لے گئے، عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں: گھر میں: میں تھا اور میرے والدین —— ابوعثمان کہتے ہیں: عبدالرحمٰنؓ نے بیوی کا تذکرہ کیا یا نہیں؟ یہ مجھے یاد نہیں رہا —— اور ایک نوکر تھا، جو ہمارے اور حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں مشترک تھا یعنی دونوں گھروں کا کام کرتا تھا —— حضرت عبدالرحمٰنؓ کا گھر الگ تھا اور غالبًا ان کی بیوی تھی، عرب شادی کے بعد لڑکے کا گھر الگ بسا دیتے ہیں (پس دونوں گھروں میں کل پانچ آدمی ہوئے)

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کا کھانا نبی ﷺ کے ساتھ کھایا پھر وہیں رکے رہے، یہاں تک کہ عشاء پڑھی، عشاء پڑھ کر آپؓ پھر نبی ﷺ کی طرف لوٹے، یہاں تک کہ نبی ﷺ نے رات کا کھانا کھایا (یہ تکرار ہے، دو مرتبہ کھانا کھانا نہ آپؓ کا طریقہ تھا، نہ عربوں کا) پھر اللہ کو جتنا منظور تھا اتنی رات گذر جانے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر واپس لوٹے تو آپؓ کی اہلیہ نے کہا: آپؓ کو مہمانوں سے کس بات نے روکا؟ یعنی گھر مہمان تھے آپؓ دیر سے کیوں آئے؟ (أضيافك اور ضيفك میں راوی کو شک ہے اور دونوں کا مفہوم ایک ہے) حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: کیا تم نے ان کو شام کا کھانا نہیں کھلایا؟ اہلیہ نے کہا: انھوں نے انکار کیا یہاں تک کہ آپؓ آئیں وہ کھانا پیش کئے گئے تھے مگر انھوں نے انکار کیا یعنی ہم نے کھانے کے لئے کہا مگر انھوں نے انکار کیا۔ عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں: میں جا کر چھپ گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آواز دی اے دنی! پس آپؓ نے کوسا اور برا بھلا کہا (جدَّع کے لفظی معنی ہیں: ناک کان کاٹا، اور یہاں جدَّع اور سَبَّ دونوں کے معنی ہیں ڈانٹ ڈپٹ کی) پھر آپؓ نے مہمانوں سے کہا: کھاؤ، تمہیں کھانا مبارک نہ ہو، اور کہا: بخدا! میں کھانا کبھی نہیں کھاؤں گا —— اس کے بعد حدیث میں تقدیم و تاخیر ہے اور اصل واقعہ وہ ہے جو اوپر عرض کیا گیا اور وہ حدیث نمبر (۶۱۴۰) میں آرہا ہے۔

عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں: بخدا! ہم کوئی لقمہ نہیں اٹھاتے تھے مگر وہ کھانا نیچے سے بڑھ کر پہلے سے زیادہ ہو جاتا تھا۔ عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں: وہ سب شکم سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے زیادہ ہو گیا پس اس کھانے کو حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا تو اچانک وہ پہلے جتنا تھا یا زیادہ، یعنی فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اب زیادہ ہے یا پہلے زیادہ تھا، آپؓ نے اہلیہ سے فرمایا: اے بنو فراس کے خاندان کی

خاتون! حضرت ام رومانؓ اسی خاندان کی تھیں، دیکھ نہیں رہی؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں، میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! (لاَ زائدہ ہے اور وقرۃِ عینی: تکیہ کلام کے طور پر قسم کھائی گئی ہے جو یمین لغو ہے) البتہ وہ اب پہلے سے تین گنا زیادہ ہے پس اس میں سے حضرت ابوبکرؓ نے کھایا اور فرمایا: یہ شیطان کی حرکت تھی یعنی حضرت ابوبکرؓ کا قسم کھانا شیطان کی حرکت سے تھا۔ پھر آپؓ نے اس میں سے ایک لقمہ کھایا (یہ بات پہلے آنی چاہئے تھی) پھر اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھایا یعنی آپؐ کے پاس وہ کھانا بھیجا۔ پس اس کھانے نے آپؐ کے پاس صبح کی یعنی صبح تک وہ کھانا رکھا رہا، اور ہمارے اور ایک قوم کے درمیان معاہدہ تھا جس کی مدت پوری ہوچکی تھی (اور تجدید معاہدہ کے لئے اس قوم کا وفد آیا ہوا تھا) پس ہم نے ان میں سے بارہ آدمی الگ گئے اور ہر ایک کے ساتھ کتنے آدمی تھے وہ اللہ ہی کو معلوم ہے، یعنی بارہ گروپ بنائے جب ایک گروپ کھانا کھا کر فارغ ہوتا تو دوسرا گروپ بیٹھتا، پس سب نے اس میں سے کھایا یعنی کھانے میں دو مرتبہ برکت ہوئی، پہلی مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر اور دوسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر، تین چار آدمیوں کا کھانا سو سے زیادہ لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا، ابوعثمان نے یا عبدالرحمٰن نے اس کے مانند کہا یعنی حضرت عبدالرحمٰنؓ کے الفاظ یاد نہیں رہے، مفہوم یہی تھا۔

﴿الحمد للہ! کتاب مواقیت الصلوٰۃ کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کِتَابُ الأذان

اذان کا بیان

بابُ بَدْءِ الأَذَانِ

اذان کی تاریخ

بدءٌ کے لغوی معنی ہیں: ابتداء، آغاز، اور امام بخاری اور امام ترمذی رحمہما اللہ کی اصطلاح میں بدءٌ کے معنی ہیں: تاریخ، احوال: از ابتداء تا انتہاء، پس بدءُ الأذان کے معنی ہیں: اذان کے احوال: از ابتداء تا انتہاء، اذان کی ابتداء کب ہوئی؟ اور کیوں ہوئی؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے دو آیتیں لکھی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کی ابتداء مدینہ طیبہ میں ہوئی، اور نماز کی اطلاع دینے کی غرض سے ہوئی۔

پہلے بتلایا تھا کہ مسجدِ نبوی مدینہ طیبہ سے باہر قبرستان کے قریب تھی، اور اس کے آس پاس کوئی محلہ نہیں تھا، تمام مسلمان نماز پڑھنے کے لئے مسجدِ نبوی میں آتے تھے، اس وقت مدینہ منورہ میں اور کوئی مسجد نہیں تھی، لوگ نمازوں کے اوقات کا اندازہ کرکے آتے تھے، پس کوئی جلدی آجاتا تو اسے انتظار کرنا پڑتا، اور کوئی دیر سے آتا تو جماعت نکل جاتی، چنانچہ سن ایک ہجری میں حضرات صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے، اور یہ مسئلہ زیرِ غور آیا کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے سب لوگ بروقت مسجد پہنچ جائیں اور کوئی جماعت سے محروم نہ رہے، کسی نے مشورہ دیا کہ نمازوں کے اوقات میں نرسنگا بجایا جائے جیسے یہود بجاتے ہیں، مگر اس رائے کو پسند نہیں کیا گیا کیونکہ مدینہ طیبہ میں یہودی بھی تھے وہ بھی نرسنگا بجاتے تھے، پس اشتباہ ہوگا، نیز اس میں یہود کے ساتھ مشابہت بھی تھی، اور کسی نے یہ رائے دی کہ نصاریٰ کی طرف ناقوس بجایا جائے اس مشورہ کو بھی پسند نہیں کیا گیا، اس لئے کہ مدینہ منورہ میں اگرچہ نصاریٰ نہیں تھے مگر اسلام آفاقی مذہب ہے وہ دنیا میں پھیلنے کے لئے آیا ہے، پس دوسری جگہوں میں جہاں نصاریٰ ہیں اشتباہ پیدا ہوگا۔ اور ایک رائے یہ آئی کہ نمازوں کے اوقات میں کسی بلند جگہ پر آگ جلادی جائے، اس کو دیکھ کر لوگ مسجد میں آجائیں، یہ رائے بھی پسند نہیں کی گئی، کیونکہ آگ مجوسیوں کا شعار ہے، وہ آگ کی پوجا کرتے ہیں، پس اس میں مجوسیوں کے ساتھ مشابہت ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز رکھی کہ وقت ہونے پر کوئی

آدمی بھیج دیا جائے جو گھوم کر الصلوٰۃ جامعۃ (نماز تیار ہے) کا اعلان کرے۔ آپؐ نے یہ تجویز پسند فرمائی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس پر مامور فرمایا، پھر اس پر عمل ہوا یا نہیں؟ روایات دونوں طرح کی ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر عمل ہوا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے الصلوٰۃ جامعۃ کا اعلان شروع کیا، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے اس پر عمل شروع نہیں ہوا، مگر اس معاملہ میں نبی اکرم ﷺ کی غیر معمولی فکرمندی نے بہت سے صحابہ کرام کو فکرمند کر دیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اذان سے متعلق خواب دیکھا مگر کسی وجہ سے آنحضور ﷺ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی متعدد صحابہ نے خواب دیکھا مگر انھوں نے بھی تذکرہ نہیں کیا، بیس یوم کے بعد ایک انصاری صحابی عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ ایک شخص ان کے سامنے سے ناقوس لے کر گذر رہا ہے، حضرت عبد اللہؓ نے پوچھا: اللہ کے بندے! ناقوس بیچتا ہے؟ اس نے کہا: تم کیا کروگے؟ عبداللہ نے کہا: ہم اس کو بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے اکٹھا کریں گے۔ اس نے کہا: کیا میں تم کو اس سے بہتر طریقہ نہ بتاؤں؟ عبداللہ نے کہا: بتاؤ، چنانچہ وہ قریب میں ایک ٹیلہ پر چڑھا اور وہاں سے اذان دی، پھر تھوڑے وقفہ کے بعد اس نے کہا: جب نماز شروع کرنی ہو تو اس طرح اقامت کہو، اس کے بعد آنکھ کھل گئی، عبداللہؓ اسی وقت خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، وہ تہجد کا وقت تھا، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''یہ خواب ان شاء اللہ سچا اور من جانب اللہ ہے''

اس وقت جو صحابہ مسجد میں تھے یا مسجدِ نبوی سے متصل حجروں میں تھے وہ سب جمع ہوگئے، ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو اس واقعہ سے بیس روز پہلے ایسا ہی خواب دیکھ چکے تھے، مگر اس مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا خواب بیان نہیں کیا، اس خیال سے کہ کہیں عبداللہ یہ نہ سمجھیں کہ عمرؓ ان کے منہ سے لقمہ چھیننا چاہتے ہیں!

جس زمانہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا تھا وہ بیمار تھے، نیز ان کی آواز بھی پست تھی، اس لئے نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ جب فجر کا وقت ہو تو بلال کے ساتھ کھڑے ہوؤ، اور کلماتِ اذان بتلاؤ، تاکہ وہ بلند آواز سے پکاریں کیونکہ ان کی آواز بلند اور خوبصورت ہے۔

جب فجر کی نماز کا وقت ہوا تو آنحضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی شروع کی، رات کے سناٹے میں اور پہاڑوں کے جھرمٹ میں جب صوتِ بلالی گونجی تو عجیب سماں بندھ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر وجد طاری ہوگیا، وہ چادر گھسیٹتے (۱) ہوئے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے، جیسا عبداللہ نے دیکھا ہے، آپؐ نے اللہ کی حمد کی اور پوچھا: تم نے اس وقت جب عبداللہ نے خواب بیان کیا تھا اپنے خواب کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا:

(۱) چادر گھسیٹنا: محاورہ ہے اور اس محاورہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی گھر میں جس بے تکلف حالت میں ہوتا ہے، اسی حالت میں باہر نکل آئے، خاص چادر گھسیٹنا مراد نہیں، جیسے أنا النذیر العُریان میں ننگا ہونا ضروری نہیں، دوٹوک وارننگ دینے کے لئے یہ محاورہ ہے۔

یارسول اللہ! عبداللہؓ نے یہ فضیلت حاصل کرلی، اس لئے مجھے اس وقت تذکرہ کرتے ہوئے شرم آئی، نماز فجر کے بعد اور بھی صحابہ نے ایسے ہی خواب بیان کئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: إنی لأَرَی رُؤیاکم توَاطئَتْ علی ھذہ: میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب اس پر متفق ہیں!

اس دن سے اذان کا نظام قائم ہوگیا جو آج تک اسلام اور مسلمانوں کا شعار ہے، اور اذان واقامت کی مشروعیت صرف خواب سے نہیں ہوئی، انبیاء کے علاوہ کسی کا خواب حجت نہیں، بلکہ اذان واقامت کی مشروعیت ابتداءً تائید نبوی سے ہوئی، پھر قرآنِ کریم میں اس کا ذکر آ گیا۔

بہ الفاظ دیگر: بعض احکام کی مشروعیت وحی غیر متلو سے ہوتی ہے، لیکن بعد میں کسی مناسبت سے قرآن میں اس کا تذکرہ آجاتا ہے، اذان کی مشروعیت بھی وحی غیر متلو سے ہوئی ہے، پھر قرآن میں اس کا ذکر آ گیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے دو آیتیں پیش کی ہیں، پہلی آیت سورہ مائدہ کی (آیت ۵۸) ہے، اللہ عزوجل فرماتے ہیں: ''جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو کفار اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اس لئے کہ وہ بے عقل ہیں'' یعنی ان کی سرشت میں اذان سے نفرت ہے، آج بھی ہندو جتنا اذان سے چڑتے ہیں کسی اور اسلامی شعار سے نہیں چڑتے، اور جہاں ان کا بس چلتا ہے مائک اتروادیتے ہیں، اور جب اذان ہوتی ہے تو مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ کلماتِ اذان میں قابل ٹھٹھا کوئی چیز نہیں، کلماتِ اذان میں اللہ عزوجل کی عظمت وکبریائی کا اعلان ہے، توحید کا اظہار ہے، نبی ﷺ کی رسالت کا اقرار، عبادتوں کے سرچشمہ نماز کی طرف اور فلاح دارین کی طرف بلاوا ہے، ایسی حق وصداقت کی آواز کا ٹھٹھا کرنا صرف اسی کا کام ہوسکتا ہے جس کا سر بھیجے سے خالی ہو، جس میں نیک وبد کی تمیز باقی نہ رہی ہو، اور دوسری آیت سورۂ جمعہ کی (آیت ۹) ہے: ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے لئے پکارا جائے'' (الی آخرہ) غرض اذان کی مشروعیت تو وحی غیر متلو سے ہوئی، مگر بعد میں قرآنِ مجید میں اس کا ذکر آ گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۰- کِتَابُ الأذانِ

[۱-] بابُ بَدْءِ الْأَذَانِ

وَقَوْلِهِ تَعَالیٰ: ﴿ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَلَعِبًا، ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾[المائدة: ۵۸]

وَقَوْلِهِ تَعَالیٰ: ﴿ إِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ﴾[الجمعة: ۹]

[۶۰۳-] حدثنا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِی قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: ذَكَرُوْا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ، فَذَكَرُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارَی، فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوْتِرَ الإِقَامَةَ.

[انظر: ۶۰۵، ۶۰۷، ۳۴۵۷]

ترجمہ اور وضاحت: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے آگ کا اور ناقوس کا تذکرہ کیا یعنی جب مشورہ ہوا تو ایک رائے یہ آئی کہ نمازوں کے اوقات میں کسی بلند جگہ پر آگ جلائی جائے اس کو دیکھ کر لوگ مسجد میں آجائیں، اور دوسری رائے یہ آئی کہ ناقوس بجایا جائے تو لوگوں نے یہود اور نصاریٰ کا تذکرہ کیا یعنی ناقوس اور نرسنگا بجانے والی رایوں کو یہ کہہ کر مسترد کردیا گیا کہ ان میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت ہے، یہ حدیث مختصر ہے، مشورہ میں قَرْن: نرسنگا بجانے کا بھی تذکرہ آیا تھا اور آگ جلانے میں مجوسیوں کی مشابہت ہے، اس لئے اس رائے کو بھی رد کردیا گیا، پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دوہری کہنے کا اور اقامت اکہری کہنے کا حکم دیئے گئے، یہ ایک مستقل حدیث ہے، جو اس حدیث کے ساتھ مل گئی ہے۔ دونوں حدیثوں کا باہم کوئی جوڑ نہیں، جب مشورہ ہوا تھا اس وقت اذان کو کوئی نہیں جانتا تھا، پس اس وقت اذان دوہری کہنے کا اور اقامت اکہری کہنے کا حکم دینے کا کوئی مطلب نہیں، یہ ایک مستقل حدیث ہے جو آگے آرہی ہے۔

[٦٠٤-] حدثنا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ: كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِيْنَ قَدِمُوْا الْمَدِيْنَةَ يَجْتَمِعُوْنَ، فَيَتَحَيَّنُوْنَ الصَّلَاةَ، لَيْسَ يُنَادَى لَهَا، فَتَكَلَّمُوْا يَوْمًا فِيْ ذٰلِكَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اتَّخِذُوْا نَاقُوْسًا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارَى، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ بُوْقًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُوْدِ، فَقَالَ عُمَرُ: أَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا يُنَادِيْ بِالصَّلَاةِ؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَابِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ"

حدیث (۲): ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جب مسلمان مدینہ منورہ میں آئے تو وہ (مسجدِ نبوی میں نماز کے لئے) جمع ہوا کرتے تھے، پس وہ نماز کے وقت کا اندازہ کیا کرتے تھے (اس وقت) نماز کے لئے پکارا نہیں جاتا تھا، پس صحابہ نے ایک دن اس سلسلہ میں مشورہ کیا تو بعض نے کہا: نصاریٰ کے ناقوس جیسا ناقوس اختیار کرلو، اور بعض نے کہا: بلکہ یہود کے سرسنگے جیسا نرسنگا لے لو، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں بھیجتے تم کسی کو جو نماز کے لئے پکارا کرے؟ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بلال! کھڑے ہوؤ اور نماز کے لئے پکارو۔

تشریح: بُوق اور قَرْن دونوں کے معنی ہیں: نرسنگا، نر کے معنی ہیں: بڑا اور سنگا یعنی سینگ، سینگ جیسا آلہ بنا کر اس میں پھونکتے تھے، اور نصاریٰ نقارہ بجاتے تھے، ان رایوں میں غیروں کی مشابہت تھی اس لئے ان کو رد کردیا گیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ کسی کو متعین کیا جائے جو گھوم کر نماز کی اطلاع کرے۔ آنحضور ﷺ نے اس رائے کو پسند کیا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کا حکم دیا، مگر اس پر عمل ہوا یا نہیں؟ دونوں طرح کی روایتیں ہیں، یہاں تک کہ خواب دیکھنے کا واقعہ پیش آیا۔

بابُ الأَذَانِ مَثْنَى مَثْنَى

اذان دوہری ہے

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اذان میں مماثل (ایک جیسے) کلمات الگ الگ سانس میں کہے جائیں، اوراس پر اجماع ہے، آج دنیا میں تمام اہل السنہ والجماعہ ایک ہی طرح اذان دیتے ہیں، البتہ شیعہ اذان میں چند کلمات بڑھاتے ہیں، مگر وہ اہل السنہ والجماعہ میں شامل نہیں، اور گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

[۲-] بابُ الأَذَانِ مَثْنَى مَثْنَى

[۶۰۵-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ عَطِيَّةَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِى قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الأَذَانَ، وَأَنْ يُوْتِرَ الإِقَامَةَ، إِلَّا الإِقَامَةَ.[راجع: ۶۰۳]

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ عنہ حکم دیئے گئے کہ اذان دوہری کہیں اور اقامت کہری، علاوہ قد قامت الصلوٰۃ کے۔

تشریح: یہ حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ کی حدیث ہے اور إلا الإقامة: حدیث کا جزء ہے یا مدرج؟ یعنی ایوب سختیانی کا قول ہے، اس میں اختلاف ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا رجحان یہ ہے کہ مدرج ہے، حدیث کا جزء نہیں، پس اس کا اعتبار نہیں، پوری تکبیر اکہری کہی جائے گی، قد قامت الصلاة بھی ایک ہی مرتبہ کہا جائے گا۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ حدیث کا جزء ہے، اور یوتر سے استثناء ہے یعنی پوری تکبیر اکہری کہی جائے گی، مگر قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ کہا جائے گا، پس امام مالکؒ کے نزدیک کلماتِ اقامت دس ہیں، اور امام شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک گیارہ۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اقامت میں بھی اذان کی طرح دوہرے کلمات ہیں، پس کلماتِ اذان پندرہ ہیں اور اقامت میں دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ بڑھتا ہے اس لئے کلماتِ اقامت سترہ ہیں۔

تفصیل:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اقامت میں ہر کلمہ ایک ایک مرتبہ کہا جائے گا سوائے تکبیر اور قد قامت الصلوٰۃ کے کہ وہ ڈبل ہیں، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک قد قامت الصلوٰۃ بھی ایک مرتبہ ہے، پس کلماتِ اقامت امام مالکؒ کے نزدیک دس ہیں، اور امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک گیارہ ہیں، اور امام اعظمؒ کے نزدیک سترہ ہیں، اور یہ نص فہمی کا اختلاف ہے کہ مذکورہ حدیث میں أن یوتر الإقامة میں ایتار کلماتی مراد ہے یا ایتار صوتی؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایتار کلماتی (ہر کلمہ ایک ایک مرتبہ کہنا) مراد ہے اور احناف کے نزدیک ایتار صوتی مراد ہے یعنی احناف کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت

بلال رضی اللہ عنہ کوحکم دیا گیا کہ وہ اذان میں مماثل کلمات کو دوسانس میں کہیں اور تکبیر میں ایک سانس میں۔ البتہ قد قامت الصلوٰۃ کوالگ الگ دوسانسوں میں کہیں، کیونکہ یہی کلمات اقامت میں مقصود ہیں۔

اورفرق کی وجہ یہ ہے کہ اذان میں ترسُّل (ٹھیرٹھیر کر کہنا) مطلوب ہے کیونکہ اذان کا مقصد اُن غائبین کواطلاع دینا ہے جومشاغل میں منہمک ہیں، اوراقامت کا مقصد حاضرین کوآگاہ کرنا ہے جوپہلے سے تیار بیٹھے ہیں —— اوراحناف نے حدیث کا یہ مطلب متعدد قرائن سے سمجھا ہے۔

پہلاقرینہ: صاحبِ اذان عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی اذان دوہری تھی: اذان بھی اور اقامت بھی۔ پس باب کی حدیث میں ایتارصوتی مرادلیا جائے گا تاکہ دونوں روایتوں میں تعارض نہ ہو —— یہ حدیث ترمذی (حدیث ۱۹۱) میں ہے اوراس کی سند میں ابن ابی لیلیٰ صغیر ہیں جو حافظہ کی وجہ سے کمزور سمجھے گئے ہیں۔

دوسراقرینہ: حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے ان کواذان کے انیس کلمات اوراقامت کے سترہ کلمات سکھائے —— یہ حدیث ابوداؤد (حدیث ۵۰۲) میں ہے اوراعلی درجہ کی صحیح ہے اورسترہ خاص عدد ہے، اس میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی، پس دونوں حدیثوں میں جمع کی صورت یہی ہے کہ ایتارصوتی مرادلیا جائے۔

تیسراقرینہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان بھی دوہری تھی اوراقامت بھی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے مؤذن خاص تھے، آپؓ نے نبی ﷺ کی وفات کے بعداذان واقامت کہنی چھوڑ دی تھی، شاذونادرآپؓ اذان واقامت کہتے تھے اورعہد رسالت میں آپؓ کامعمول اقامت دوہری کہنے کا تھا اوروفاتِ نبی ﷺ کے بعد جب کبھی تکبیر کہی تو دوہری کہی، یہ بات تواتر سے ثابت ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تواترت الآثار عن بلال أنه كان يُثْنِي الإقامةَ حتى مات: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں تواتر سے ثابت ہے کہ وہ وفات تک اقامت دوہری کہتے تھے، اس لئے حدیث باب میں ایتارصوتی مرادلینا ناگزیر ہے۔

چوتھاقرینہ: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اقامت کے شروع میں بھی اورآخر میں بھی تکبیر دودومرتبہ ہے اس پراعتراض ہوتا ہے کہ یہ ایتار کے منافی ہے؟ حافظؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ دومرتبہ اللہ اکبرایک سانس میں کہا جاتا ہے اس لیے وہ ایک کلمہ ہے (فتح الباری ۲: ۸۳) پس ایتارصوتی مرادلینا تاویل بعیدنہیں، دوسرے حضرات بھی بوقت ضرورت یہ تاویل کرتے ہیں۔

آخری بات: پہلے کئی مرتبہ یہ بات بتلائی ہے کہ جب روایتوں میں تعارض ہوتا ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ اس روایت کو لیتے ہیں جس میں احتیاط ہوتی ہے، جیسے سنن مؤکدہ دس رکعت ہیں یابارہ؟ دونوں طرح کی روایتیں ہیں اور دونوں اعلی درجہ کی صحیح ہیں پس امام اعظمؒ نے بارہ رکعت والی روایت لی، کیونکہ اس میں احتیاط ہے اورعبادت بھی زیادہ ہے، نیز بارہ کے ضمن میں دس والی روایت خود بخود آجاتی ہے، اور یہاں ایتار کلماتی مرادلیں گے تو کلماتِ اقامت کی تعداد گھٹ جائے گی، اورایتارصوتی مراد لیں تو تعداد بڑھے گی، اس لئے امام اعظمؒ نے ایتارصوتی مرادلیا ہے، اس میں احتیاط بھی ہے اورعبادت بھی زیادہ ہے۔

فائدہ: اذان کے شروع میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہنا سنت ہے یا دو مرتبہ؟ امام مالک اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک دو مرتبہ اللہ اکبر کہنا سنت ہے، اور جمہور کے نزدیک چار مرتبہ۔ اور دوسرا اختلاف اذان میں یہ ہوا ہے کہ ترجیع سنت ہے یا نہیں؟ ترجیع کے معنی ہیں: شہادتین کو آہستہ کہنے کے بعد دوبارہ زور سے کہنا، یعنی پہلے چاروں کلماتِ شہادت ہلکی آواز سے کہے جائیں پھر دوبارہ ان کو بلند آواز سے کہا جائے، امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک ترجیع سنت ہے اور جمہور کے نزدیک ترجیع سنت نہیں، پس امام شافعیؒ کے نزدیک کلماتِ اذان انیس ہیں، اور امام مالکؒ کے نزدیک سترہ، اور امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک پندرہ، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تیرہ، کیونکہ وہ تکبیر میں تثنیہ کے قائل ہیں اور ترجیع کے قائل نہیں ــــــ مگر یہ نزاع اب لاحاصل ہے اب ساری دنیا میں ایک ہی طرح اذان ہوتی ہے اور مالکیہ اور شوافع نے بھی ترجیع چھوڑ دی ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۱:۵۰۳) میں ہے۔

[۶۰۶-] حدثنا مُحَمَّدٌ: هُوَ ابْنُ سَلَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ قَالَ: ذَكَرُوْا أَنْ يُعْلِمُوْا وَقْتَ الصَّلَاةِ بِشَيْئٍ يَعْرِفُوْنَهُ، فَذَكَرُوْا أَنْ يُوْرُوْا نَارًا أَوْ يَضْرِبُوْا نَاقُوْسًا، فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوْتِرَ الإِقَامَةَ. [راجع: ۶۰۳]

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب مدینہ میں مسلمان زیادہ ہوگئے ــــــ پھر قال مکرر ہے اس کا فاعل بھی حضرت انسؓ ہیں ــــــ تو صحابہ نے باہم تذکرہ کیا کہ نماز کے وقت کے لئے کوئی جانی پہچانی علامت مقرر کریں پس انھوں نے تذکرہ کیا کہ وہ آگ جلائیں یا ناقوس بجائیں، پس حضرت بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان دوہری کہیں اور اقامت اکہری کہیں (یہ حدیث گذشتہ باب میں گذر چکی ہے)

بابٌ: الإِقَامَةُ وَاحِدَةٌ، إِلَّا قَوْلَهُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ

اقامت اکہری ہے، مگر قد قامتِ الصلاۃ دو مرتبہ ہے

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک کلمات اقامت ایک ایک مرتبہ ہیں، مگر قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے اس لیے باب میں إلا قد قامت الصلوٰۃ بڑھایا ہے۔

[۳-] بابٌ: الإِقَامَةُ وَاحِدَةٌ، إِلَّا قَوْلَهُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ

[۶۰۷-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوْتِرَ الإِقَامَةَ، قَالَ إِسْمَاعِيْلُ فَذَكَرْتُهُ لِأَيُّوْبَ، فَقَالَ: إِلَّا الإِقَامَةَ. [راجع: ۶۰۳]

وضاحت: یہ وہی حدیث ہے جو اوپر گذری ہے، وہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ کی حدیث تھی اور یہ خالد حذاء کی، خالد کے شاگرد اسماعیل بن ابراہیم جو اسماعیل بن علیہ (عُلیّہ ماں یا دادی کا نام ہے) کے نام سے معروف ہیں، کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث ایوب سختیانی کو سنائی تو انھوں نے کہا: إلا الإقامة، یہ حضرت ایوب کا قول بھی ہوسکتا ہے، پس یہ مدرج ہوگا اور یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت ایوب نے لقمہ دیا ہو کہ حدیث میں إلا الإقامة بھی ہے۔ غرض یہ استثناء متکلم فیہ ہے، ابن مندہ کہتے ہیں: یہ ایوب سختیانی کا قول ہے، جس کو انھوں نے حدیث میں داخل کیا ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے، انھوں نے بھی اس جزء کو نہیں لیا اور فرمایا کہ اقامت میں قد قامت الصلوٰۃ بھی ایک مرتبہ کہا جائے گا۔ اور امام شافعی اور امام احمد نے اس کو حدیث کا جزء قرار دیا ہے، اور حافظ رحمہ اللہ نے (فتح ۲: ۸۳) اس کا قرینہ یہ پیش کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عہد رسالت میں اذان دو بار اور اقامت ایک بار کہی جاتی تھی، البتہ مؤذن قد قامت الصلوٰۃ، قد قامت الصلوٰۃ (دو مرتبہ) کہا کرتا تھا (مشکوٰۃ حدیث ۶۴۳) اور احناف کے نزدیک اس استثناء کا مطلب یہ ہے کہ اقامت میں مماثل کلمات مؤذن ایک سانس میں کہے گا، مگر قد قامت الصلوٰۃ، قد قامت الصلوٰۃ الگ الگ سانسوں میں کہے گا، کیونکہ یہی کلمات مقصود ہیں۔

بابُ فَضْلِ التَّأْذِیْنِ

اذان دینے کی اہمیت

اذان کی اہمیت وفضیلت میں متعدد روایات ہیں، اور یہاں یہ روایت ہے کہ شیطان کو اذان نہایت ناگوار ہے وہ اذان سن کر پادتا ہوا بھاگتا ہے اور اتنی دور چلا جاتا ہے جہاں تک اذان کی آواز نہیں پہنچتی، اسی طرح اقامت سن کر بھی بھاگتا ہے کیونکہ وہ بھی اذان ہے، پھر اقامت کے بعد واپس آجاتا ہے اور لوگوں کی نماز خراب کرتا ہے، اور جو باتیں آدمی بھولا ہوا ہوتا ہے وہ یاد دلاتا ہے، اور ان میں اتنا مشغول کردیتا ہے کہ آدمی یہ تک بھول جاتا ہے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔

واقعہ: امام اعظم رحمہ اللہ کے واقعات میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنے گھر میں کسی جگہ مال دفن کیا، پھر جگہ بھول گیا، بہت سوچا، جگہ جگہ سے گھر کھودا مگر مال نہیں ملا وہ تھک ہار کر امام اعظم رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہا: حضرت کوئی ترکیب یا دعا بتائیں کہ مال مل جائے، حضرت نے اس سے فرمایا: گھر جا، کپڑے بدل، اچھی طرح وضو کر، پھر دو رکعت نفل پڑھ، مگر نماز میں کوئی خیال نہ آئے، اس نے ایسا ہی کیا، مگر نماز میں وہ جگہ یاد آگئی اس نے نماز توڑ دی اور وہ جگہ کھودی تو مال نکل آیا، اس نے آکر امام اعظم کو بتایا کہ آپ نے بڑی اچھی ترکیب بتائی، مجھے مال مل گیا، حضرت نے فرمایا: جب وہ جگہ یاد آگئی تھی تو دو رکعت پوری کرلیتا نماز توڑ کیوں دی! غرض نماز کے دوران شیطان ایسی ایسی باتیں یاد دلاتا ہے جس کو عام احوال میں آدمی سوچتا بھی نہیں، اور خیالات میں اتنا مشغول کردیتا ہے کہ وہ رکعتوں کی تعداد بھی بھول جاتا ہے۔

مسئلہ: نماز میں بالقصد خیالات لانا مکروہ ہے اور خیال خود بخود آجائے تو اس میں دلچسپی لینا برا ہے۔ اور خیالات کی

ریل چلتی رہے، خیالات آتے جاتے رہیں اور آدمی اس میں دلچسپی نہ لے تو اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور شیطان کو ہرانے کا طریقہ یہی ہے کہ جو پڑھے اس کے معنی میں غور کرے، شیطان نامراد ہوگا۔

[٤-] بابُ فَضْلِ التَّـأْذِيْنِ

[٦٠٨-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ، لَهُ ضُرَاطٌ، حَتّٰى لَايَسْمَعَ التَّـأْذِيْنَ، فَإِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ أَقْبَلَ، حَتّٰى إِذَا ثُوِّبَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ، حَتّٰى إِذَا قُضِيَ التَّثْوِيْبُ أَقْبَلَ، حَتّٰى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُوْلُ: اذْكُرْ كَذَا، اذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ، حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى؟

[انظر: ١٢٢٢، ١٢٣١، ١٢٣٢، ٣٢٨٥]

ترجمہ: جب نماز کے لئے اذان کہی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر پادتا ہوا بھاگتا ہے، یہاں تک کہ وہ اذان کی آواز نہیں سنتا، پھر جب اذان پوری ہوجاتی ہے تو واپس آتا ہے، یہاں تک کہ جب نماز کے لئے اقامت کہی جاتی ہے تو پھر پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے، پھر جب اقامت پوری ہوجاتی ہے تو واپس آتا ہے، یہاں تک کہ آدمی اور اس کے نفس کے درمیان حائل ہوجاتا ہے، اور وسوسہ ڈالتا ہے (خَطَر (ن،ض) خُطوراً الأمرُ بباله: بھولنے کے بعد یاد آنا) کہتا ہے فلاں بات یاد کر، فلاں بات یاد کر، جو اسے یاد نہیں تھی، یہاں تک کہ آدمی بھول جاتا ہے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں؟

بابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالنِّدَاءِ

بلند آواز سے اذان کہنا

اذان میں رفع صوت مطلوب ہے، اسی لئے اذان دیتے وقت شہادت کی انگلیوں سے کانوں کے سوراخ بند کرنا مستحب ہے، کیونکہ اس سے آواز بلند ہوتی ہے جو مطلوب ومقصود ہے اور کان بند کرنے سے آواز اس لئے بلند ہوتی ہے کہ ہوا تین جگہ سے نکلتی ہے، منہ سے ناک سے اور کان سے، البتہ منہ اور ناک سے ایک وقت میں ایک ہی جگہ سے نکلتی ہے، پس جب کلمات اذان کہتے وقت منہ کھل رہا ہے اور اس سے سانس نکل رہا ہے تو ناک خود بخود بند ہوجائے گی، اس سے ہوا نہیں نکلے گی، البتہ کانوں سے نکلے گی، اور جب انگلیوں سے کانوں کے سوراخ بند کردیئے تو اب ہوا منہ سے زور سے نکلے گی اور آواز بلند ہوگی۔

علاوہ ازیں: یہ بہ تکلف بہرہ بننا ہے اور بہرہ آدمی اونچا بولتا ہے، جب وہ خود اپنی آواز سنتا ہے تب اس کو تسلی ہوتی ہے، پس جب مؤذن بہ تکلف بہرہ بنے گا تو زور سے بولنے پر مجبور ہوگا۔

اور اذان میں رفع صوت مطلوب ہونے کی حکمت یہاں حدیث میں یہ آئی ہے کہ جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے

تمام مخلوق قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گی، پس زیادہ سے زیادہ بلند آواز سے اذان دینی چاہئے تاکہ زیادہ سے زیادہ مخلوق گواہ بنے۔

البتہ رفع صوت میں آواز میں جو اتار چڑھاؤ ہوتا ہے وہ بے تکلف اور سادہ ہونا چاہئے، اس میں تَطْرِیْب اور گانے کا انداز نہیں ہونا چاہئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا مؤذن اذان دے رہا تھا اور گانے کے طرز پر اذان کہہ رہا تھا، حضرتؒ نے اس سے فرمایا: أَذِّنْ أَذَانًا سَمْحًا: سادہ اذان دے، حاشیہ میں سمحًا کے معنی لکھے ہیں: سَهْلاً بلا نغمة وتطریب: یعنی سادہ اذان دے راگ اور گانے کا انداز نہ ہو، ورنہ دفع ہو جا، ہم دوسرا مؤذن رکھ لیں گے۔

بہر حال اذان میں رفع صوت مطلوب ہے، تنہا جنگل میں نماز پڑھ رہا ہو اور وہاں کوئی نہ ہو تو بھی اذان دینی چاہئے اور بلند آواز سے دینی چاہئے تاکہ زیادہ سے زیادہ مخلوق اس کے حق میں گواہی دے۔

[۵-] بابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالنِّدَاءِ

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ: أَذِّنْ أَذَانًا سَمْحًا، وَإِلَّا فَاعْتَزِلْنَا.

[۶۰۹-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِيْ صَعْصَعَةَ الْأَنْصَارِيِّ ثُمَّ الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ قَالَ لَهُ: إِنِّيْ أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ، فَإِذَا كُنْتَ فِيْ غَنَمِكَ أَوْ: بَادِيَتِكَ، فَأَذَّنْتَ لِلصَّلَاةِ، فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ، فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْئٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم. [انظر: ۳۲۹۶، ۷۵۴۸]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ تجھے بکریاں اور بیابان (کھیت) پسند ہے، پس جب تو بکریاں لے کر کھیت میں جائے تو نماز کے لئے اذان دے، اور بلند آواز سے اذان دے، اس لئے کہ نہیں سنتا اذان کو مؤذن کی آواز پہنچنے تک کوئی جنّ اور نہ کوئی انسان اور نہ کوئی اور چیز، مگر وہ سب اس کے لیے قیامت کے دن گواہی دیں گے، یہ بات کہہ کر ابو سعیدؓ نے فرمایا: میں نے یہ بات نبی ﷺ سے سنی ہے۔

بابُ مَا يُحْقَنُ بِالْأَذَانِ مِنَ الدِّمَاءِ

اذان کی وجہ سے خون محفوظ ہو جاتے ہیں

من الدماء: میں مِن بیانیہ ہے جو ما کا بیان ہے۔ باب کا ترجمہ ہے: وہ خون جو اذان کی وجہ سے محفوظ ہو جاتے ہیں، یُحْقَنُ فعل مجہول ہے، مگر ہر جگہ مجہول کا ترجمہ مجہول سے کرنا ضروری نہیں، بعض مرتبہ اردو میں مجہول کا ترجمہ مجہول سے اچھا

نہیں لگتا، پس معروف کا ترجمہ کریں گے۔

اذان شعائرِ اسلام میں سے ہے، اس کی وجہ سے خون محفوظ ہوجاتے ہیں، نبی ﷺ جب کسی بستی پر چڑھائی کرتے تھے تو عام طور پر رات میں پہنچ جاتے تھے، رات میں دشمن غافل ہوتا ہے، مگر آپؐ شب خون نہیں مارتے تھے، شب خون میں عورتیں اور بچے تہ تیغ ہوجاتے ہیں، بلکہ صبح صادق کا انتظار کرتے تھے اور کان لگا کر اذان سنتے تھے، اگر بستی سے اذان کی آواز آتی تو نماز کے بعد فوراً جنگ شروع نہیں کرتے تھے بلکہ مسلمانوں کو کفار سے الگ ہونے کا موقع دیتے تھے، اور اگر بستی سے اذان کی آواز نہیں آتی تھی تو نماز کے بعد جنگ شروع فرماتے تھے۔

اور فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی بستی کے تمام مسلمان اتفاق کرلیں کہ وہ اذان نہیں دیں گے تو ان کے ساتھ قتال کیا جائے گا، اور بہ جبر ان کو اذان دینےپر مجبور کیا جائے گا اس لئے کہ اذان اسلامی شعار ہے، اس سے خون محفوظ ہوتے ہیں اور ترکِ اذان کی وجہ سے خون حلال ہوجاتے ہیں۔

اور تمام اسلامی شعاروں کا یہی حکم ہے، مثلاً ختنہ کرانا اصح قول کے مطابق سنت ہے، مگر وہ اسلامی شعار ہے، پس اگر کسی جگہ کے لوگ ختنہ نہ کرانے پر اتفاق کرلیں تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے گی، اور اس سنت کو اپنانے پر مجبور کیا جائے گا، اسی طرح اذان بھی اسلامی شعار ہے، اس پر خون کی حفاظت وعدم حفاظت کا مدار ہے۔

فائدہ: اوپر جو باب گذرا ہے: بابُ فَضْلِ التَّأْذِيْنِ: وہ جنرل باب ہے اور یہ سب اس کے ذیلی ابواب ہیں۔ اذان دینا عبادت ہے، اور عبادت اطمینان سے کرنی چاہئے، چلانا نہیں چاہئے، مگر اذان میں رفع صوت مطلوب ہے، آدمی جنگل میں ہو، تنہا نماز پڑھنے والا ہو پھر بھی بآواز بلند اذان دینا مسنون ہے، یہ اذان کی خصوصیت ہے، اس سے اذان کی فضیلت نکلتی ہے، نیز جہاں تک اذان کی آواز جاتی ہے وہاں تک کی سب چیزیں قیامت کے دن گواہی دیں گی، یہ بھی اذان کی فضیلت ہے، اسی طرح اذان پر خون کی حفاظت وعدم حفاظت کا مدار ہے یہ بھی اذان کی ایک فضیلت ہے، غرض یہاں سے فضل التأذین کے ذیلی ابواب شروع ہورہے ہیں۔

[٦-] بابُ مَا يُحْقَنُ بِالأَذَانِ مِنَ الدِّمَاءِ

[٦١٠-] حَدَّثَنِيْ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا لَمْ يَكُنْ يُغِيْرُ بِنَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ، وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ، قَالَ: فَخَرَجْنَا إِلَى خَيْبَرَ، فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ لَيْلاً، فَلَمَّا أَصْبَحَ وَلَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا رَكِبَ، وَرَكِبْتُ خَلْفَ أَبِيْ طَلْحَةَ، وَإِنَّ قَدَمِيْ لَتَمَسُّ قَدَمَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: فَخَرَجُوْا إِلَيْنَا بِمَكَاتِلِهِمْ وَمَسَاحِيْهِمْ، فَلَمَّا رَأَوُا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالُوْا: مُحَمَّدٌ وَاللّٰهِ! مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيْسُ، قَالَ: فَلَمَّا رَآهُمْ

رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:" اللّٰهُ أَكْبَرُ! اللّٰهُ أَكْبَرُ! خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ" [راجع: ۳۷۱]

وضاحت: یہ حدیث أبواب ثیاب المصلی میں گذر چکی ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب نبی ﷺ ہمارے ساتھ کسی قوم پرحملہ کرتے تو ہمارے ساتھ (رات میں) حملہ نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ صبح کریں اور غور کریں، پس اگر آپؐ اذان سنتے تو ان سے رک جاتے یعنی فجر کے بعد فوراً حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ مسلمانوں کو علاحدہ ہونے کا موقع دیتے تھے، پھر حملہ کرتے اور اگر اذان نہیں سنتے تو نماز کے بعد ان پر حملہ فرماتے۔حضرت انسؓ کہتے ہیں: پس ہم خیبر کی طرف نکلے اور خیبر میں رات میں پہنچے، پس جب صبح ہوئی اور آپؐ نے اذان نہیں سنی تو آپؐ سوار ہوئے اور میں حضرت ابوطلحہؓ کے پیچھے سوار ہوا، اور میرا پیر رسول اللہ ﷺ کے پیر کے ساتھ لگ رہا تھا۔حضرت انسؓ کہتے ہیں: یہود بورے اور پھاوڑے کدال لے کر نکلے (مَكاتل: مِكْتَل کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: بورے۔اور مساحی: مِسحاۃ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: پھاوڑے اور کدال) پس جب انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا تو کہا: بخدا! محمد! (یہ مستقل جملہ ہے أی هذا محمد) محمد بہت بڑا لشکر لے کر آگئے (خمیس: بڑے لشکر کو کہتے ہیں جس میں پانچ حصے ہوتے ہیں: مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ یعنی پچھلا حصہ) حضرت انسؓ کہتے ہیں: جب ان کو نبی ﷺ نے دیکھا تو دو مرتبہ اللہ اکبر کہا پھر فرمایا: خیبر کا ناس ہوا، ہم جب کسی قوم کے آنگن میں اترتے ہیں تو ڈرائے ہوؤں کی صبح بری ہوتی ہے۔

تشریح: پہلے بتایا ہے کہ آنحضور ﷺ شب خون نہیں مارتے تھے، کیونکہ اندھیرے میں عورتیں اور بچے پس جاتے ہیں اور اسلام عورتوں اور بچوں کے قتل کا روادار نہیں، اس لئے نبی ﷺ کی سیرت میں شب خون مارنا نہیں ہے، البتہ آپؐ کی سیرت میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپؐ دشمن کو غافل رکھ کر اچانک اس کے سر پر پہنچ جاتے تھے اور اس کے لئے توریہ فرماتے تھے اور جہاں جانا ہوتا تھا اس کے علاوہ راستہ پر چلتے تھے، اور درمیان میں کہیں سے گھوم کر اچانک منزل مقصود پر پہنچ جاتے تھے، فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کا لشکر آپؐ کے ساتھ تھا جب آپؐ مکہ کے آنگن میں پہنچ گئے تب مکہ والوں کو پتہ چلا کہ آپؐ آگئے حالانکہ اتنے بڑے لشکر کی نقل وحرکت مخفی نہیں رہتی۔

اسی طرح غزوۂ خیبر میں پندرہ سو صحابہ کے ساتھ آپؐ اچانک رات میں خیبر پہنچے، خیبر میں یہود قلعے بند کر کے سو رہے تھے، فجر کے بعد آپؐ نے گھوڑ سواروں کو گھوڑے دوڑانے کا حکم دیا تاکہ ریہرسل بھی ہو جائے اور دشمن مرعوب بھی ہو جائے، اس دوڑ میں آپؐ خود بھی شریک تھے، آپؐ کا گھوڑا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے، اور دونوں گھوڑے اتنے قریب تھے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: میرا پیر نبی پاک ﷺ کے پیر سے لگ رہا تھا، جب یہود بورے، پھاوڑے اور کدال لے کر کھیتوں کی طرف نکلے تو حواس باختہ ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے کہ محمدؐ بہت بڑا لشکر لے کر آگئے: الٹے پاؤں بھاگے، حالانکہ کل پندرہ سو آدمی تھے، مگر گھوڑ سواروں نے ایسا ہنگامہ بپا کر دیا تھا کہ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور قلعہ

بند ہوکر بیٹھ گئے، پھاوڑے اور کدال تخریب کے آلات ہیں نیز دنیا داری کی علامت ہیں اور دنیاداروں کے لئے کامیابی نہیں، اس لئے آپؐ نے فرمایا: خیبر کا ناس ہوا یعنی اب ان شاءاللہ خیبر جلد فتح ہوجائے گا۔

مناسبت: اور حدیث کی باب سے مناسبت واضح ہے، آپؐ رات میں حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ صبح کا اور اذان کا انتظار کرتے تھے، معلوم ہوا کہ اذان سے خون محفوظ ہوجاتے ہیں۔

بابُ مَا يَقُوْلُ إِذَا سِمَعَ الْمُنَادِىَ

جب بانگ سنے تو کیا کہے؟

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ اذان کا جواب دینا چاہئے۔ اذان کے دو جواب ہیں: اجابتِ فعلی اور اجابتِ قولی، اجابتِ فعلی: یعنی مسجد میں جاکر باجماعت نماز پڑھنا، اور اجابتِ قولی: یعنی جو کلمے مؤذن کہے جواب میں وہی کلمے کہنا، اجابت قولی بالاتفاق مسنون ہے اور اجابتِ فعلی میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے اور علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ جن کی ہدایہ کی شرح فتح القدیر ہے اور جو حنفی عالم ہیں: واجب کہتے ہیں۔ یعنی جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے جماعت سے نماز پڑھنا بھی ایک مستقل فرض یا واجب ہے، مگر جمہور کے نزدیک جماعت سنت مؤکدہ اشد تاکید ہے یعنی واجب جیسی مؤکد ہے، تفصیل آئندہ (باب ۲۹ میں) آئے گی۔

اس باب میں دو حدیثیں ہیں: پہلی حدیث یہ ہے کہ جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہے وہی تم بھی کہو، اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ حیعلة کے جواب میں حیعلة ہی کہے، اور دوسری حدیث کا مفاد یہ ہے کہ حیعلة کے جواب میں حوقلة: لا حول ولا قوة إلا بالله کہے۔ علماء نے اس تعارض کو کئی طرح حل کیا ہے:

(۱) جو مسجد میں موجود ہے وہ حوقلة کہے، گویا بندہ اعتراف کرتا ہے کہ میں اللہ کی قوت وطاقت ہی سے مسجد میں آسکا ہوں، میری اپنی بساط کچھ نہیں، اور جو مسجد سے باہر: گھر یا دوکان میں ہے وہ حیعلة کہے، اور خود سے خطاب کرے کہ چل نماز کو۔

(۲) حیعلتین کے جواب میں حیعلة بھی جائز ہے اور حوقلة بھی، اور دونوں کو جمع کرنا بھی جائز ہے۔

(۳) فقولوا مثلَ ما يقول المؤذن: اکثر کلمات کے اعتبار سے ہے یعنی مجمل حدیث کو مفصل کی طرف راجع کریں گے، اور حیعلتین کے جواب میں حوقلہ کہیں گے۔

[۷-] بابُ مَا يَقُوْلُ إِذَا سِمَعَ الْمُنَادِىَ

[۶۱۱-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ"

[٦١٢-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عِيْسَى بْنُ طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يَوْمًا، فَقَالَ بِمِثْلِهِ إِلٰى قَوْلِهِ: "وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ"

حدثنا إِسْحَاقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى نَحْوَهُ. [انظر: ٦١٣، ٩١٤]

[٦١٣-] قَالَ يَحْيىَ: وَحَدَّثَنِيْ بَعْضُ إِخْوَانِنَا أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، وَقَالَ: هٰكَذَا سَمِعْنَا نَبِيَّكُمْ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ [راجع: ٦١٢]

وضاحت: پہلی حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہے اور دوسری حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اور اس کی دو سندیں ہیں: پہلی سند معاذ بن فضالہ کی ہے وہ ہشام سے، وہ یحییٰ سے، وہ محمد بن ابراہیم سے اور وہ عیسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے أشهد أن محمداً رسول اللہ تک مؤذن کے کلمات کے مانند کلمات کہے، اور دوسری سند اسحاق بن راہویہ کی ہے وہ وہب بن جریرؒ سے، وہ ہشامؒ سے، اور وہ یحییٰ سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں، البتہ اس حدیث میں یہ اضافہ ہے: یحییٰ کہتے ہیں: ہمارے بعض بھائیوں نے یعنی امام اوزاعی نے مجھ سے بیان کیا کہ حی علی الصلوٰۃ کے جواب میں امیر معاویہؓ نے حوقلۃ کہا۔ پھر فرمایا: ہم نے نبی ﷺ کو اسی طرح اذان کا جواب دیتے ہوئے سنا ہے۔ جاننا چاہئے کہ قال یحیی تعلیق نہیں ہے بلکہ حضرت اسحاق کی سند سے مروی ہے اور بعض إخواننا سے امام اوزاعی مراد ہیں۔

اور پہلی حدیث (ابوسعید خدریؓ کی حدیث) مجمل ہے اور دوسری حدیث (معاویہؓ کی حدیث) مفصل ہے۔ پس مجمل کو مفصل کی طرف لوٹائیں گے۔

بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ النِّدَاءِ

جب اذان سنے تو دعا مانگے

پہلے میں نے بتلایا تھا کہ یہ سب فضل التَّأذين کے ذیلی ابواب ہیں، اذان کا جواب دینے کا حکم بھی اذان کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ کلماتِ اذان بابرکت ہیں، ان میں اللہ کی عظمت و بڑائی اور توحید و رسالت کی گواہی ہے، لہٰذا اذان سن کر خاموش نہ بیٹھے، بلکہ جو مؤذن کہتا ہے وہی کلمات کہے، اس سے بھی اذان کی فضیلت نکلی، پھر جب اذان پوری ہو جائے تو دعا مانگے، اذان کے بعد ایک خاص دعا ہے جو سب کو یاد ہے، اور وہ حدیث میں آرہی ہے، اس کے علاوہ اور بھی دعائیں مانگنی چاہئیں یہ قبولیت دعا کا وقت ہے اس سے بھی اذان کی اہمیت وفضیلت نکلتی ہے۔

[٨-] بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ النِّدَاءِ

[٦١٤-] حَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِيْ حَمْزَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ

ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ، وَالصَّلاَةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَهُ: حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" [انظر: ٤٧١٩]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے کہا جس وقت اذان سنی یعنی اذان پوری ہونے پر یہ دعا کی: "اے اللہ! اس کامل دعوت کے اور قائم ہونے والی نماز کے پروردگار! محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلہ (بڑا رتبہ) عنایت فرما اور مقام محمود (ستودہ مرتبہ) پر ان کو کھڑا کر، جس کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے: تو قیامت کے دن میری سفارش اس کے لئے اترے گی"

تشریح: اذان دین اسلام کی مکمل دعوت ہے، کیونکہ اذان میں سب سے پہلے اللہ کی بڑائی کا اعلان ہے، پھر توحید ورسالت کی گواہی ہے، یہ اسلام کے بنیادی عقائد ہیں، پھر اسلام کی سب سے اہم عبادت نماز کی دعوت ہے، پھر اس کا فائدہ بیان کیا ہے، پھر اللہ کی بڑائی کا اور آخر میں اس کی یکتائی کا اعلان ہے، غرض اذان پورے دین کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، اس لئے اس کو الدعوۃ التامۃ: کہا گیا ہے۔

اور الصلوٰۃ القائمۃ: سے مراد وہ نماز ہے جس کی طرف بلایا جا رہا ہے، اور رَبّ کے معنی ہیں: والا، یعنی مکمل دعوت کا اور جو نماز قائم ہونے والی ہے اس کا مالک، یعنی نماز مؤذن کے لئے امام کے لئے یا کسی اور کے لئے نہیں پڑھنی بلکہ جو اذان ونماز کا پروردگار ہے اس کے لئے پڑھنی ہے۔

پھر یہ عرض ہے: الٰہی! نبی ﷺ کو وسیلہ، فضیلہ اور مقام محمود عنایت فرما جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے (یہ وعدہ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۷۹ میں ہے)

اور وسیلہ: اللہ تعالیٰ کی مقبولیت کا ایک خاص مقام ہے، اور جنت کا ایک مخصوص درجہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کسی خاص بندے کو عنایت فرمائیں گے، اور فضیلہ: اسی مقام ومرتبہ کا دوسرا نام ہے، اور مقام محمود (تعریف کیا ہوا مرتبہ) وہ مقام عزت ہے جس پر فائز ہونے والا ہر ایک کی نگاہ میں محمود ومحترم ہوگا، سب اس کے ثناخواں ہونگے وہ احکم الحاکمین کی بارگاہ میں سب سے پہلے سارے انسانوں کے لئے شفاعت کرے گا، پھر گناہ گاروں کے لئے سفارش کا دروازہ بھی اسی کے طفیل کھلے گا، یہی وہ مقام محمود ہے جس کا اللہ نے آپؐ سے سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۷۹) میں وعدہ کیا ہے۔

فائدہ: دعائے وسیلہ کے دو فائدے ہیں: ایک: دعا ایک عبادت ہے، نبی ﷺ نے دعا کو عبادت کا مغز فرمایا ہے۔ دوم: اس میں دعا کرنے والے کا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص یہ دعا کرے گا نبی ﷺ اس کے لئے سفارش کریں گے، کیونکہ امت کی دعاؤں کے طفیل آپؐ کو یہ مقام عزت وشرف حاصل ہوگا۔ ہر نبی کی امت نے یہ دعا کی ہے کہ شفاعت کبریٰ کا مقام ان کے نبی کو ملے، ہمیں بھی نبی ﷺ کے لئے یہ دعا کرنی ہے تا کہ ہمارے نبی ﷺ مقام محمود پر فائز ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنا مکاشفہ لکھا ہے کہ اس امت نے آنحضور ﷺ کے لئے جو مقام محمود کی دعائیں کی ہیں وہ گذشتہ

تمام امتوں کی دعاؤں سے بڑھ گئی ہیں، مگر الیکشن میں کامیاب ہونا ہی مطلوب نہیں ہوتا بلکہ کتنے ووٹوں سے کامیاب ہوا؟ یہ بھی دیکھا جاتا ہے، اس کی بھی اہمیت ہے، قیامت تک آنحضور ﷺ کے ووٹ کتنے بڑھ جائیں گے اس کا پتا قیامت کے دن چلے گا جب سینوں کے راز منکشف ہونگے، اور جب امت کی دعاؤں کے طفیل آپؐ کو یہ مقام شرف وعزت حاصل ہوگا تو آپؐ امت کے لئے سفارش فرمائیں گے، پس دعائے وسیلہ میں **وارزقنا شفاعته یوم القیامة** بڑھانے کی ضرورت نہیں، اور کوئی بڑھائے تو جائز ہے۔ بعض روایات میں اس کے ہم معنی الفاظ آئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو کنز العمال (۷:۷۰۴) میں ہے: اس کے الفاظ یہ ہیں: **اللّٰھم صل علیه وبَلِّغْهُ درجةَ الوسیلةِ عندك، واجعلنا فی شفاعته یومَ القیامة**: اسی طرح بعض لوگ دعائے وسیلہ میں **الدرجة الرفیعة** بڑھاتے ہیں، یہ **الفضیلة** اور **المقام المحمود** کا ترجمہ ہے جس کو دعا میں بڑھایا گیا ہے، نص سے یہ الفاظ ثابت نہیں، اور **إنك لا تخلف المیعاد**: بیہقی کی روایت میں آیا ہے (سنن کبری ۱:۴۱۰)

بابُ الِاسْتِهَامِ فِي الْأَذَانِ

اذان کے لئے قرعہ اندازی کرنا

یہ اذان کی اہمیت کے سلسلہ کا آخری باب ہے، اگر مؤذن رکھنا ہو اور کئی امیدوار ہوں اور سب مساوی ہوں تو قرعہ اندازی کر کے مؤذن مقرر کیا جائے، جنگ قادسیہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قرعہ اندازی سے مؤذن مقرر کیا تھا، جنگ قادسیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی ہے اور اس جنگ میں کمانڈر انچیف حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے، اس لئے تمام فوجی حضرت سعدؓ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، آپؓ کا مؤذن شہید ہوگیا اس لئے نیا مؤذن مقرر کرنا ضروری ہوگیا، کئی امیدوار تھے، حالانکہ اس زمانہ میں اذان واقامت کی کوئی تنخواہ نہیں ملتی تھی، حضرت سعدؓ نے قرعہ اندازی سے مؤذن مقرر کیا اس سے اذان کی اہمیت نکلی کہ اذان دینا ایسا کام ہے جس کے متعدد امیدوار ہو سکتے ہیں، اور اس کے لئے قرعہ اندازی کرنی پڑ سکتی ہے، اسی طرح اگر صف اول میں نماز پڑھنے کے لئے لوگوں میں جھگڑا ہو تو قرعہ اندازی کریں گے، اس سے صف اول کی اہمیت نکلتی ہے۔

[۹-] بابُ الِاسْتِهَامِ فِي الْأَذَانِ

وَيُذْكَرُ أَنَّ أَقْوَامًا اخْتَلَفُوْا فِي الْأَذَانِ فَأَقْرَعَ بَيْنَهُمْ سَعْدٌ.

[۶۱۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِيْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ

يَجِدُوْا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ: لَاسْتَهَمُوْا، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْ التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْ الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا" [انظر: ٦٥٤، ٧٢١، ٢٦٨٩]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اگر لوگ جان لیں وہ ثواب جو اذان دینے میں اور پہلی صف میں نماز پڑھنے میں ہے پھر وہ کوئی راہ نہ پائیں قرعہ اندازی کے علاوہ تو وہ ضرور قرعہ اندازی کریں، اور اگر لوگ جان لیں وہ ثواب جو نماز کے لئے جلدی جانے میں ہے تو لوگ نماز کی طرف ایک دوسرے سے سبقت کریں۔ اور اگر لوگ جان لیں وہ ثواب جو عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے میں ہے تو وہ دونوں نمازوں میں ضرور آئیں، اگرچہ گھسٹتے ہوئے آئیں۔

لغات: اسْتَهَمَ الْقَوْمُ (افتعال) اور أَقْرَعَ بین القوم (افعال) کے معنی ہیں: باہم قرعہ اندازی کرنا .... التَّهجیر: باب تفعیل کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: نماز کے لئے جلدی جانا .... اسْتَبَقَ القومُ: ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں مقابلہ کرنا .... حَبْوًا: ہاتھوں، گھٹنوں اور سرین کے بل چلنا۔

بابُ الْكَلَامِ فِيْ الْأَذَانِ

اذان کے درمیان بات کرنا

اذان کے درمیان بات کرنے سے اذان فاسد نہیں ہوتی، البتہ نماز کے درمیان کلام کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اور کعبہ شریف کا طواف نماز کے مانند ہے یعنی طواف حکماً نماز ہے، اس لئے دورانِ طواف بات کرنے سے بھی طواف فاسد نہیں ہوتا، پس اذان جو نہ حقیقتاً نماز ہے اور نہ حکماً وہ بدرجہ اولیٰ بات کرنے سے فاسد نہیں ہوگی۔ حضرت سلیمان بن صُرد رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اذان دے رہے تھے، دورانِ اذان انھوں نے خادم سے کوئی کام کرنے کے لئے کہا، معلوم ہوا کہ اذان میں کلام کی گنجائش ہے، اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اذان یا تکبیر کہتے ہوئے کوئی ہنسے تو اس سے اذان واقامت میں فرق نہیں پڑتا، ہنسنا حکماً کلام ہے کیونکہ جب بولتے ہوئے آدمی ہنستا ہے تو کلام کا سلسلہ موقوف ہوجاتا ہے اور ہنسنا اس کے قائم مقام ہوجاتا ہے، اسی لئے ہنسنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، جب اذان واقامت کے درمیان حقیقتاً کلام کی گنجائش ہے تو حکمی کلام کی بدرجۂ اولیٰ گنجائش ہوگی۔

[١٠-] بابُ الْكَلَامِ فِيْ الْأَذَانِ

[١-] وَتَكَلَّمَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ فِيْ أَذَانِهِ.

[٢-] وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ أَنْ يَضْحَكَ وَهُوَ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيْمُ.

[٦١٦-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوْبَ، وَعَبْدِ الْحَمِيْدِ صَاحِبِ الزِّيَادِيِّ، وَعَاصِمِ الْأَحْوَلِ،

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ يَوْمٍ رَدْغٍ، فَلَمَّا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلٰى الصَّلَاةِ، فَأَمَرَهُ أَنْ يُنَادِيَ: الصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ، فَنَظَرَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ، فَقَالَ: فَعَلَ هٰذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ، وَإِنَّهَا عَزْمَةٌ.

[انظر: ٦٦٨، ٩٠١]

ترجمہ: عبداللہ بن الحارث کہتے ہیں: ہمارے سامنے ابن عباسؓ نے ایک کیچڑ والے دن میں خطبہ دیا، پس جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ پر پہنچا تو آپؓ نے اس کو حکم دیا کہ الصلوٰۃ فی الرحال پکارے (یہی جزء ترجمہ سے متعلق ہے) پس لوگوں نے ایک دوسرے کو (حیرت سے) دیکھا تو آپؓ نے فرمایا: یہ کام اس نے کیا ہے جو اس سے بہتر ہے یعنی نبی ﷺ کے مؤذن نے کیا ہے، اور جمعہ میں آنا واجب ہے (اس لئے میں نے رخصت کا اعلان کرایا)

تشریح: یہ حدیث یہاں مختصر ہے، تفصیلی حدیث آگے آرہی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ کے گورنر تھے، ایک جمعہ میں بارش ہورہی تھی اور راستے کیچڑ سے بھرے ہوئے تھے، آپؓ خطبہ دینے کے لئے منبر پر آئے اور مؤذن نے اذان دینی شروع کی، جب وہ حی علی الصلوٰۃ پر پہنچا تو آپؓ نے اس سے کہا: اب پکار: الصلوٰۃ فی الرحال: گھروں میں نماز پڑھ لو، مسجد میں آنے کی ضرورت نہیں۔ لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی اور انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: تمہیں حیرت کیوں ہورہی ہے؟ کیا تم چاہتے ہو کہ لوگ گھٹنوں تک کیچڑ میں چل کر مسجد میں آئیں، یہ رخصت مجھ سے بہتر نے دی ہے، نبی ﷺ نے اپنے مؤذن سے یہ پکاروایا ہے، اور جمعہ میں آنا ضروری ہے لیکن اگر موسم سازگار نہ ہو، مسجد میں آنے میں غیر معمولی پریشانی ہو تو نہ آنے کی اجازت ہے، اس لئے میں نے بطور رخصت یہ اعلان کرایا ہے۔ .... ابن عباسؓ نے دوران اذان جو مؤذن کو الصلوٰۃ فی الرحال پکارنے کے لئے کہا ہے یہ اذان کے دوران بات کرنا ہے، اور یہ جملہ خود کلام ہے، جو مؤذن پکارے گا اس مناسبت سے یہاں یہ حدیث لائے ہیں۔

بابُ أَذَانِ الْأَعْمٰى إِذَا كَانَ لَهُ مَنْ يُخْبِرُهُ

اندھے کو کوئی وقت بتلانے والا ہو تو اس کی اذان مکروہ نہیں

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اندھے کا اذان دینا مکروہ ہے، ہماری فقہ میں بھی یہی لکھا ہے، اندھا وقت کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتا، اس لئے اندھے کی اذان مکروہ ہے لیکن اگر اندھے کو وقت بتلانے والا کوئی بینا ہو تو پھر مکروہ نہیں۔ عہدِ رسالت میں رمضان المبارک میں تہجد کے وقت اذان حضرت بلال رضی اللہ عنہ دیتے تھے اور صبح صادق پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیتے تھے۔ ابن ام مکتومؓ نابینا تھے، اس لئے متعدد صحابہ صبح صادق دیکھتے رہتے تھے، جونہی صبح صادق ہوتی وہ حضرت ابن ام مکتومؓ سے کہتے اذان دو، اور وہ اذان دیتے۔ معلوم ہوا کہ اگر وقت بتانے والا بینا موجود ہو تو پھر اندھے کی اذان مکروہ نہیں، اور ابن مسعودؓ اور احناف سے جو کراہت مروی ہے وہ اس صورت میں ہے جب اندھے کو کوئی

وقت بتانے والا نہ ہو۔

[۱۱-] بابُ أَذَانِ الْأَعْمٰی إِذَا كَانَ لَهُ مَنْ يُخْبِرُهُ

[٦١٧-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ" قَالَ: وَكَانَ رَجُلًا أَعْمٰی لَا يُنَادِيْ حَتّٰى يُقَالَ لَهُ: أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ. [انظر: ٦٢٠، ٦٢٣، ١٩١٨، ٢٦٥٦، ٧٢٤٨]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلال رات میں اذان دیں گے، پس تم کھاؤ پیو، یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں'' ابن عمرؓ کہتے ہیں: اور ابن ام مکتومؓ نابینا تھے، اذان نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ ان سے کہا جاتا: صبح ہوگئی، صبح ہوگئی، یعنی جب متعدد صحابہ صبح صادق کی خبر دیتے تب ابن ام مکتوم اذان دیتے تھے۔

تشریح: عہدِ رسالت میں رمضان المبارک کی راتوں میں دو اذانیں ہوتی تھیں، پہلی اذان سحری کے وقت دی جاتی تھی تاکہ جو لوگ مسجد میں اور گھروں میں تہجد پڑھ رہے ہیں وہ سحری کھانے کے لئے گھر جائیں اور دوسری اذان صبح صادق کے وقت ہوتی تھی تاکہ لوگ سحری بند کریں، یہ فجر کی بھی اذان تھی۔ پہلی اذان پہلے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دیتے تھے، اور دوسری حضرت بلال رضی اللہ عنہ، اور لوگ دونوں کی اذانیں آوازوں سے پہچانتے تھے، ایک دن حضرت بلالؓ سے غلطی ہوگئی، ان کی بینائی میں کچھ کمزوری تھی، انھوں نے صبح صادق سے پہلے اذان دے دی۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: اعلان کرو: ''بندہ سو گیا تھا'' یعنی اذان غلط ہوگئی ہے، وقت سے پہلے دیدی گئی ہے، اس کے بعد نبی ﷺ نے دونوں کی ڈیوٹیاں بدل دیں، حضرت بلالؓ کی ڈیوٹی سحری کے وقت کردی اور حضرت ابن ام مکتومؓ کی صبح صادق کے وقت اور آپ نے اس کی لوگوں کو اطلاع دی کہ اب بلال سحری کے وقت اذان دیا کریں گے اور ابن ام مکتومؓ صبح صادق کے وقت، لہٰذا بلال کی اذان سن کر کھاتے پیتے رہو جب ابن ام مکتوم کی اذان سنو تب کھانا پینا بند کرو۔ حضرت بلالؓ بینا تھے اس لئے لوگ بے فکر تھے اور ان کی بینائی کمزور تھی اس لئے اگر ان سے غلطی ہو جائے گی تو کوئی بات نہیں، ابن ام مکتوم نابینا تھے اس لئے متعدد حضرات صبح صادق کے انتظار میں رہتے تھے، اور جونہی صبح ہوتی حضرت ابن ام مکتوم سے کہتے: اذان دو، معلوم ہوا کہ اگر اندھے کو صحیح وقت بتلانے والا کوئی ہو تو اندھے کی اذان مکروہ نہیں۔

بابُ الْأَذَانِ بَعْدَ الْفَجْرِ وَقَبْلَهُ

صبح صادق کے بعد اور پہلے اذان دینا

یہ دو باب ایک ساتھ ہیں۔ پہلا باب: صبح صادق کے بعد اذان دینے کے بارے میں ہے اور دوسرا باب: صبح صادق سے

پہلے اذان دینے کے بارے میں ہے، ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک فجر کے لئے دو اذانیں ہیں، پہلی اذان آدھی رات کے بعد کسی بھی وقت دی جاسکتی ہے اور دوسری اذان صبح صادق کے بعد دی جائے گی اور دونوں اذانوں میں سے ایک پر اکتفا کرنا جائز ہے، البتہ اگر صبح صادق سے پہلے اذان دی گئی ہو تو صبح صادق کے بعد بھی اذان دینا اولیٰ ہے۔

اور امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: فجر کی ایک ہی اذان ہے اور وہ صبح صادق کے بعد دی جائے گی، صبح صادق سے پہلے فجر کی اذان دینا جائز نہیں، اور عہد رسالت میں صبح صادق سے پہلے جو اذان دی جاتی تھی وہ اذان سحری کے وقت کی اطلاع دینے کے لئے تھی، وہ فجر کی اذان نہیں تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، چنانچہ حضرت نے دو باب قائم کئے ہیں، اور پہلے باب میں یہ حدیث لائے کہ نبی ﷺ نے ہمیشہ دوسری اذان کے بعد ہی فجر کی سنتیں پڑھی ہیں، پہلی اذان کے بعد اور دوسری اذان سے پہلے کبھی آپؐ نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھیں، معلوم ہوا کہ دوسری اذان ہی فجر کے لئے ہے، اور دوسرے باب میں یہ حدیث لائے ہیں کہ بلالؓ رات میں اذان دیتے تھے، جبکہ فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ بلالؓ کی اذان فجر کے لئے نہیں تھی، کسی اور مقصد سے تھی، جیسا کہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں صراحت ہے۔

[۱۲-] بابُ الْأَذَانِ بَعْدَ الْفَجْرِ

[۶۱۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِیْ حَفْصَةُ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم كَانَ إِذَا اعْتَكَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ وَبَدَا الصُّبْحُ: صَلَّی رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ تُقَامَ الصَّلَاةُ. [انظر: ۱۱۷۳، ۱۱۸۱]

[۶۱۹-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيیٰ، عَنْ أَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنها، كَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیه وسلم يُصَلِّیْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالإِقَامَةِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ. [انظر: ۱۱۵۹]

[۶۲۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم قَالَ: "إِنَّ بِلَالاً يُنَادِیْ بِلَيْلٍ، فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی يُنَادِیَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ"

[راجع: ۶۱۷]

ترجمہ: (۱) حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب مؤذن صبح کی اذان کے لئے کھڑا ہوتا (اِعْتَكَف أی انْتَصَبَ قائماً) اور صبح صادق واضح ہوجاتی تو نبی پاک ﷺ نماز کے لئے اقامت کہے جانے سے پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھا کرتے تھے —— (۲) صدیقہؓ فرماتی ہیں: نبی ﷺ صبح کی اذان و اقامت کے درمیان دو ہلکی رکعتیں پڑھا کرتے تھے —— (۳) ابن عمرؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: بلالؓ رات میں اذان دیں گے، پس تم کھاتے پیتے رہو، تا آنکہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔

تشریح: ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ فجر کی سنتیں ہمیشہ صبح صادق کے بعد پڑھا کرتے تھے، صبح صادق سے پہلے والی اذان کے بعد آپؐ نے کبھی فجر کی سنتیں نہیں پڑھیں، معلوم ہوا کہ صبح صادق کے بعد جو اذان ہے وہی فجر کی اذان ہے، اور صبح صادق سے پہلے جو اذان دی جاتی تھی وہ دوسرے مقصد سے تھی، وہ فجر کی اذان نہیں تھی، چنانچہ نبی ﷺ نے اس کو رات کی اذان فرمایا ہے —— اور فجر کی سنتیں ہلکی پڑھنے کی حکمت آگے آرہی ہے۔

فائدہ: عہدِ رسالت میں رمضان المبارک کی راتوں میں جو دو اذانیں دی جاتی تھیں ان میں سے پہلی اذان سحری کے وقت کی اطلاع دینے کے لئے تھی اور دوسری اذان فجر کے لئے تھی، احناف کے نزدیک حدیث کا یہ مطلب متعین ہے مگر ہم احناف سحری میں لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے دوسرے طریقے اختیار کرتے ہیں اور جو طریقہ نبی ﷺ کا تھا اس پر عمل نہیں کرتے، یہ ٹھیک نہیں، گھنٹہ، ڈھول اور سائرن وغیرہ نہیں بجانا چاہئے، بلکہ نبی ﷺ کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، واللہ الموفق!

[۱۳-] بابُ الْأَذَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ

[٦٢١-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ - أَوْ: أَحَدًا مِنْكُمْ - أَذَانُ بِلَالٍ مِنْ سُحُوْرِهِ، فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ أَوْ: يُنَادِيْ بِلَيْلٍ، لِيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ، وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ، وَلَيْسَ أَنْ يَقُوْلَ الْفَجْرُ أَوْ: الصُّبْحُ، وَقَالَ بِأَصَابِعِهِ، وَرَفَعَهَا إِلَى فَوْقُ، وَطَأْطَأَ إِلَى أَسْفَلُ، حَتّٰى يَقُوْلَ: هٰكَذَا". وَقَالَ زُهَيْرٌ بِسَبَّابَتَيْهِ إِحْدَاهُمَا فَوْقَ الْأُخْرَى، ثُمَّ مَدَّهُمَا عَنْ يَمِيْنِهِ وَشِمَالِهِ. [انظر: ٥٢٩٨، ٧٢٤٧]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہرگز کسی کو نہ روکے —— أحدَکم اور أحداً منکم میں راوی کو شک ہے —— بلالؓ کی اذان سحری کے کھانے سے، کیونکہ وہ رات میں اذان دیتے ہیں —— ینادی اور یؤذن میں راوی کو شک ہے —— تاکہ تمہارے تہجد گذار کو لوٹائے یعنی وہ گھر جا کر سحری کھائیں اور تاکہ تمہارے سونے والوں کو جگائے، اور فجر —— یا فرمایا: صبح صادق —— ایسی نہیں ہے، اور آپؐ نے انگلی اوپر کی طرف اٹھائی اور نیچے کی طرف جھکائی، یہاں تک کہ فرمایا: اس طرح —— اور زُہیر نے شہادت کی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا، ان میں سے ایک کو دوسری پر رکھا، پھر ان کو دائیں بائیں لمبا کیا۔

تشریح:

۱- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو رات میں اذان دیتے تھے وہ اذان نہ فجر کے لئے تھی، نہ تہجد کے لئے، بلکہ جو لوگ تہجد میں مشغول ہیں ان کو سحری کے وقت کی اطلاع دینے کے لئے تھی، اور جو لوگ سوئے ہوئے ہیں ان کو بیدار کرنے کے لئے تھی، اگر دونوں اذانیں فجر کے لئے ہوتیں جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں تو آنحضور ﷺ زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ سحری کی اذان پر اکتفا کرتے، فجر کے لئے دوسری اذان نہ دیتے، تاکہ مسئلہ واضح ہوجاتا، مگر آپؐ نے ایسا کبھی نہیں کیا۔

۲-صبح دو ہیں: صبح صادق اور صبح کاذب، صبح کاذب جب نمودار ہوتی ہے تو مشرقی افق پر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے افق کے نیچے سے کوئی ٹارچ ڈال رہا ہے، نبی ﷺ نے اس کو محسوس طریقہ پر سمجھانے کے لئے ایک انگلی آسمان کی طرف اٹھائی پھر اس کو نیچے کیا اور فرمایا: یہ صبح نہیں ہے یعنی صبح کے وقت افق پر اوپر سے نیچے کی طرف لمبائی میں جو روشنی نظر آتی ہے وہ صبح صادق نہیں ہے، بلکہ صبح کاذب ہے، اور رات کا حصہ ہے اور وہ عشاء کا وقت ہے، پھر روشنی دھیمے دھیمے ختم ہوجاتی ہے، پھر تقریباً دس منٹ کے بعد مشرقی افق پر چوڑائی میں روشنی نمودار ہوتی ہے۔ زُہیر جو اس حدیث کے راوی ہیں انھوں نے شہادت کی دونوں انگلیاں اوپر تلے رکھیں پھر ان کو دائیں بائیں لمبا کیا، اور سمجھایا کہ اس طرح چوڑائی میں روشنی پھیلتی ہے، یہ صبح صادق ہے، اور یہ فجر کا وقت ہے۔

[۶۲۳،۶۲۲] حَدَّثَنِیْ إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ: حَدَّثَنَا عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، وَعَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابنِ عُمَرَ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ح: قَالَ وَحَدَّثَنِیْ يُوْسُفُ بْنُ عِيْسَى الْمَرْوَزِیُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّـهُ قَالَ: " إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ"

[راجع: ۶۱۷، وانظر: ۱۹۱۹]

وضاحت: اس حدیث کی شرح اوپر آچکی ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ غلطی ہوگئی، انھوں نے صبح صادق سے پہلے اذان دیدی تو حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: اعلان کرو کہ بندہ سوگیا تھا، یعنی اذان غلطی سے قبل از وقت ہوگئی ہے، ابھی صبح صادق نہیں ہوئی، اس کے بعد نبی ﷺ نے ڈیوٹیاں بدل دیں، اور لوگوں کو اطلاع دی کہ بلالؓ رات میں اذان دیں گے ان کی اذان سن کر کھانا پینا ترک نہ کرو، اور ابن ام مکتومؓ صبح صادق کے بعد اذان دیں گے ان کی اذان سن کر کھانا پینا ترک کردو، آپؐ کا یہ ارشاد کہ بلال رات میں اذان دیں گے دلیل ہے کہ یہ فجر کی اذان نہیں تھی، کیونکہ فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔

بابٌ: کَمْ بَیْنَ الْأَذَانِ وَالإِقَامَةِ؟

اذان واقامت کے درمیان کتنا فاصلہ رکھنا چاہئے؟

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اذان واقامت کے درمیان کتنا فاصلہ رکھنا چاہئے؟ جواب: مغرب کی نماز اذان کے بعد جلد پڑھ لینی چاہئے، کیونکہ مغرب میں تعجیل مطلوب ہے اور اگر فصل رکھا جائے تو تھوڑا ہونا چاہئے، پہلے حدیث گذری ہے کہ جب مغرب کی اذان ہوتی تھی تو صحابہ ستونوں کی طرف لپکتے تھے تاکہ آنحضور ﷺ کے نکلنے سے پہلے دو نفلیں پڑھ

لیں، یعنی جلدی سے دو رکعتیں پڑھ لیں، کیونکہ مغرب کی اذان واقامت کے درمیان اتنا فاصلہ نہیں ہوتا تھا کہ بہ اطمینان دوگانہ پڑھ سکیں اور مغرب کے علاوہ نمازوں میں جتنا چاہیں فصل رکھیں، مگر دو باتوں کا خیال رکھنا چاہئے:

ایک: اذان واقامت کے درمیان اتنا فصل ضرور ہونا چاہئے کہ کھانے والا کھا کر، پینے والا پی کر اور جو قضاء حاجت کے لئے گیا ہے وہ فارغ ہوکر وضو کرکے مسجد میں آجائے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: **اجْعَلْ بين أذانك وإقامتك قدرَ ما يَفْرُغُ الآكلُ من أكله والشاربُ من شُربه والْمُعْتَصِرُ إِذَا دَخَلَ لقضاء حَاجَتِهِ** (ترمذی حدیث ۱۹۲)

دوسری بات: اذان واقامت کے درمیان اتنا زیادہ فصل نہیں ہونا چاہئے کہ اذان بے معنی ہوجائے، جیسے ہمارے دیار میں آدھ گھنٹے کا فصل رکھتے ہیں اس سے اذان بے معنی ہوجاتی ہے، کوئی اذان سن کر نماز کی تیاری نہیں کرتا، بلکہ جمعہ میں بھی آدھ گھنٹہ کا فصل رکھتے ہیں، چنانچہ لوگ جمعہ کی پہلی اذان کے بعد بھی کاموں میں مصروف رہتے ہیں حالانکہ اذان جمعہ کے بعد کھانا، پینا، سونا اور کاروبار کرنا سب حرام ہے، پس بقدر ضرورت ہی فصل رکھنا چاہئے۔

[١٤-] بابٌ: كَمْ بَيْنَ الأَذَانِ وَالإِقَامَةِ؟

[٦٢٤-] حدثنا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلاَةٌ - ثَلاَثًا - لِمَنْ شَاءَ"[انظر: ٦٢٧]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر دو اذانوں (اذان واقامت) کے درمیان نماز ہے'' —— یہ بات تین مرتبہ فرمائی —— جو نماز پڑھنا چاہے یعنی تیسری مرتبہ میں یہ اضافہ فرمایا۔

تشریح: اس حدیث کے عموم سے حنابلہ نے استدلال کیا ہے کہ مغرب کی اذان واقامت کے درمیان بھی معتد بہ فصل ہونا چاہئے، اور جب فصل رکھیں گے تو نفلیں بھی پڑھیں گے۔ یہ روایت کتاب التہجد (باب ۳۵) میں بھی آرہی ہے، وہاں راوی عبداللہ مزنی فرماتے ہیں: آپؐ نے تیسری مرتبہ میں لمن شاء اس لئے بڑھایا کہ لوگ اس کو سنت نہ بنالیں: كراهيةَ أن يتخذ ها الناس سنة: اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ لوگ اس نماز کو سنت بنالیں، اس سے معلوم ہوا کہ حدیث اور سنت دو الگ الگ چیزیں ہیں اور یہ ارشاد پاک مسئلہ سمجھانے کے لئے ہے کہ عصر کے فرض پڑھنے کے بعد جو نفلوں کی کراہیت شروع ہوتی ہے وہ غروب شمس تک ممتد ہے، سورج چھپتے ہی کراہیت ختم ہوجاتی ہے اب کوئی نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے مگر اس وقت میں نفلیں پڑھنا سنت نہیں، نبی ﷺ نے مغرب سے پہلے کبھی نفل نہیں پڑھے اور چاروں خلفاء نے بھی نہیں پڑھے۔

[٦٢٥-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الأَنْصَارِيَّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ الْمُؤَذِّنُ إِذَا أَذَّنَ قَامَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

يَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِيَ، حَتّٰى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، وَهُمْ كَذٰلِكَ، يُصَلُّوْنَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ، وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا شَيْءٌ، قَالَ: وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ جَبَلَةَ، وَأَبُوْ دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ: لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إِلَّا قَلِيْلٌ. [راجع: ۵۰۳]

وضاحت: یہ حدیث پہلے گذری ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں جب مغرب کی اذان شروع ہوتی تھی تو صحابہ ستونوں کی طرف لپکتے تھے اور جلدی دو نفلیں پڑھتے تھے اور اذان پوری ہونے پر نبی ﷺ حجرے سے نکلتے اور مغرب کی نماز شروع ہوتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں مغرب کی اذان واقامت کے درمیان بہت تھوڑا فصل ہوتا تھا۔

اس حدیث کو شعبہ رحمہ اللہ سے غندر بھی روایت کرتے ہیں اور عثمان بن جبلہ اور ابو داؤد بھی، غندر کے الفاظ ہیں: ولم یکن بینھما شیئٌ: مغرب کی اذان واقامت کے درمیان کچھ فاصلہ نہیں ہوتا تھا اور عثمان وغیرہ کی حدیث کے الفاظ ہیں: لم یکن بینھما إلا قلیل: اذان واقامت کے درمیان تھوڑا فاصلہ ہوتا تھا، دونوں جملوں کا مفاد ایک ہے، صرف تعبیر کا فرق ہے کہ اذان کے بعد فوراً آنحضور ﷺ مغرب کی نماز شروع فرماتے تھے، اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔

لیکن اگر کسی کو مغرب کی نماز سے پہلے نفل پڑھنے کا وقت مل جائے تو نفل پڑھ سکتا ہے، مثلاً: رمضان میں اذان کے دس منٹ کے بعد نماز کھڑی ہوتی ہے پس اگر کوئی کھجور سے افطار کر کے نفلیں پڑھے: تو پڑھے، لیکن اگر اس کو سنت سمجھا جائے اور سال بھر دس منٹ کے بعد مغرب کی نماز کھڑی کی جائے تو یہ سنت کے خلاف ہے، مغرب کی نماز میں جلدی کرنا مطلوب ہے۔

بابُ مَنِ انْتَظَرَ الإِقَامَةَ

اذان کے بعد اقامت کا انتظار کرنا

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اذان کے بعد فوراً مسجد میں آنا ضروری نہیں، اپنی جگہ رہ کر اقامت کا انتظار کر سکتا ہے، جب اقامت شروع ہو تب آنا ضروری ہے، لیکن اس کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ جماعت فوت نہ ہو جائے، اور باب میں یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ فجر کی اذان کے بعد دو نفلیں پڑھ کر لیٹ جاتے تھے، یہ لیٹنا اقامت کے انتظار میں ہوتا تھا۔

پس یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لایا گیا ہے، اذان میں مؤذن پکارتا ہے حیَّ علی الصلوٰۃ اس کا تقاضہ ہے کہ اذان سنتے ہی مسجد کی طرف چل پڑے، اب کسی کام میں مصروف ہونا اور سونا وغیرہ جائز نہیں، اس لئے یہ باب لا کر اس وہم کو دور کیا کہ اذان کے بعد فوراً مسجد کی طرف چلنا ضروری نہیں، اور کسی کام میں مصروف رہنا اللہ کے داعی کی مخالفت نہیں، اس لئے کہ وقت ہونے پر دوبارہ پکارا جائے گا، جب دوبارہ پکارا جائے تو اب مسجد کی طرف چل دینا ضروری ہے، اقامت سے پہلے اپنی جگہ رہ کر اقامت کا انتظار کرنا جائز ہے۔

فائدہ: دو حدیثیں ہیں، ان کو جدا جدا کرنے سے ان کو سمجھنے میں دشواری پیش آئی ہے۔ ایک حدیث ہے: بین کل أذانین صلوٰۃ لمن شاء اور دوسری حدیث ہے: إذا أقیمت الصلوۃ فلاصلوۃ إلا المکتوبۃ۔ یہ دونوں حدیثیں ایک ہی

سلسلہ کی کڑیاں ہیں اوراس میں ایک شبہ کو دور کیا گیا ہے، کوئی یہ شبہ کرسکتا تھا کہ اذان میں مؤذن حی علی الصلوٰۃ کے ذریعہ فرض نماز کے لئے بلاتا ہے، پس مسجد میں پہنچ کر سنتیں اور نفلیں پڑھنا جائز نہیں، یہ اللہ کے داعی کی مخالفت ہے، کیونکہ اس نے فرض نماز کے لئے بلایا ہے، اس وہم کو دور کرنے کے لئے آپؐ نے فرمایا: بین کل أذانین صلوۃ لمن شاء: اذان واقامت کے درمیان نفلیں پڑھنا جائز ہے، یہ اللہ کے داعی کی مخالفت نہیں، اس لئے کہ مؤذن نے بےشک فرض نماز کے لئے بلایا ہے مگر ابھی فرض نماز میں دیر ہے، جب وقت ہوگا مؤذن دوبارہ پکارے گا یعنی اقامت کہے گا یہ پکارنا فرض نماز کے لئے ہے، اب نفلیں اور سنتیں پڑھنا جائز نہیں، جماعت میں شامل ہوجانا چاہئے، چنانچہ فرمایا: إذا أُقیمت الصلوۃ فلاصلوۃ إلا المکتوبۃ: جب نماز کے لئے اقامت کہی جائے تو اب فرض کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔غرض یہ دونوں حدیثیں ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں اوراس میں ایک شبہ کا ازالہ ہے، لیکن ان کو جدا جدا کرنے سے ان کے سمجھنے میں دشواری پیش آئی ہے، اسی طرح دو الگ الگ حدیثوں کو ملا دیا جائے تو بھی حدیث فہمی میں دشواری پیش آئے گی اور ایک حدیث کو دو حدیثیں بنا دیا جائے تو بھی دشواری پیش آئے گی۔

[۱۵-] بابُ مَنِ انْتَظَرَ الإِقَامَةَ

[۶۲۶-] حدثنا أَبُوْ الْیَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَیْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ: کَانَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا سَکَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالْأُوْلٰی مِنْ صَلاَةِ الْفَجْرِ: قَامَ فَرَکَعَ رَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ قَبْلَ صَلاَةِ الْفَجْرِ، بَعْدَ أَنْ یَسْتَبِیْنَ الْفَجْرُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰی شِقِّهِ الْأَیْمَنِ حَتّٰی یَأْتِیَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلإِقَامَةِ.[انظر: ۹۹۴، ۱۱۲۳، ۱۱۶۰، ۱۱۷۰، ۶۳۱۰]

ترجمہ: صدیقہؓ فرماتی ہیں: جب مؤذن فجر کی پہلی اذان (اقامت سے احتراز ہے) سے خاموش ہوتا یعنی اذان پوری ہوتی تو نبی ﷺ کھڑے ہوتے اور فجر کی نماز سے پہلے دو ہلکی سنتیں پڑھتے، صبح صادق کے واضح ہونے کے بعد یعنی جب بالیقین صبح صادق ہوجاتی اور کوئی شبہ باقی نہ رہتا تو فجر کی اذان ہوتی اور آپؐ دو ہلکی سنتیں پڑھتے، پھر دائیں کروٹ لیٹ جاتے (یہ لیٹنا اقامت کے انتظار میں ہوتا تھا) یہاں تک کہ مؤذن تکبیر کہنے کے لئے آپؐ کے پاس آتا یعنی اقامت کہنے سے پہلے آپؐ کو اطلاع دیتا۔

تشریح: آنحضور ﷺ کا معمول تھا کہ آپؐ تہجد سے فارغ ہوکر دائیں کروٹ لیٹ جاتے تھے، پھر صبح صادق کے بعد فوراً سنت پڑھتے، پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے، پھر جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کی اطلاع کرتے تو آپؐ نماز پڑھانے کے لئے تشریف لے جاتے، یعنی یہ لیٹنا اقامت کے انتظار میں ہوتا تھا۔اور ابن حزم ظاہریؒ کے نزدیک فجر کی نماز اور سنتوں کے درمیان لیٹنا فرض ہے، چاہے ایک لمحہ کے لئے ہو، اور ان کے نزدیک یہ لیٹنا نماز فجر کی صحت کے لئے شرط

ہے، جو شخص لیٹے بغیر فجر پڑھے گا اس کا فرض صحیح نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ لیٹنا سنت ہے اور احناف کے نزدیک مباح ہے، اور امام مالکؒ کے نزدیک بدعت ہے، اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ یہ لیٹنا امر تشریعی تھا یعنی شرعی حکم تھا یا کسی مصلحت سے تھا؟ جو حضرات وجوب یا سنت کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ شرعی حکم تھا اور قائلین اباحت کے نزدیک یہ تہجد گذاروں کی مصلحت کے لئے تھا، شرعی حکم نہیں تھا، تاکہ جو تہجد گذار لمبے تہجد پڑھنے کی وجہ سے تھک گئے ہیں وہ پہلے تھوڑی دیر آرام کرلیں اور تھکن دور کر کے فرض پڑھیں۔

فائدہ: آنحضور ﷺ نے مسجد نبوی میں تہجد پڑھنے والوں سے فرمایا تھا کہ جب تم فجر کی سنت پڑھ لو تو دائیں کروٹ پر لیٹ جاؤ، ظاہر ہے یہ حضرات مسجد ہی میں لیٹیں گے، لیٹنے کے لئے گھر نہیں جائیں گے، پس مسجد میں لیٹنے کا جواز ثابت ہوا، بعض حضرات کے نزدیک گھر میں لیٹنا سنت ہے اور مسجد میں لیٹنا بدعت ہے، ان کا قول محل نظر ہے اور بعض حضرات کے نزدیک یہ لیٹنا تہجد گذاروں کے لئے سنت ہے، سب مسلمانوں کے لئے سنت نہیں، یہ فرق معقول ہے اور احناف نے جو مباح کہا ہے اس میں سب لوگ شامل ہیں، تہجد گذار بھی اور عام مسلمان بھی۔

بابٌ: بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلاَةٌ لِمَنْ شَاءَ

اذان واقامت کے درمیان جو نفلیں پڑھنا چاہے: پڑھ سکتا ہے

ابھی بتلایا ہے کہ اذان میں حی علی الصلوٰۃ کے ذریعہ فرائض کے لئے بلایا جاتا ہے، اس لئے یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ اذان کے بعد مسجد میں پہنچ کر شاید نفلوں میں مشغول ہونا جائز نہ ہو، اس لئے یہ ترجمہ قائم کیا کہ اذان واقامت کے درمیان نوافل پڑھ سکتے ہیں، ذکر واذکار بھی کرسکتے ہیں اور نماز کے انتظار میں خاموش بھی بیٹھ سکتے ہیں، مغرب میں بھی یہی حکم ہے اگر کسی وجہ سے مغرب کی اذان واقامت کے درمیان فصل ہوجائے تو درمیانی وقت میں نفل پڑھ سکتے ہیں اور یہ اللہ کے داعی کی مخالفت نہیں، اس لئے کہ جب نماز کھڑی ہوگی تو مؤذن دوبارہ پکارے گا اس کے بعد نوافل اور سنتیں پڑھنا جائز نہیں، جماعت میں شامل ہوکر فرض پڑھنا ضروری ہے یہ اس ترجمہ کا مقصد ہے۔ اور لِمَنْ شاءَ کا مطلب ہے: چاہو نماز پڑھو اور چاہو ذکر واذکار کرو یا خاموش بیٹھو۔

[۱۶-] بابٌ: بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلاَةٌ لِمَنْ شَاءَ

[۶۲۷-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيْدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا كَهْمَسُ بْنُ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلاَةٌ، بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلاَةٌ " ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: " لِمَنْ شَاءَ " [راجع: ۶۲۴]

بابُ مَنْ قَالَ: لِيُؤَذِّنْ فِي السَّفَرِ مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ

چاہئے کہ سفر میں ایک مؤذن اذان دے

اگلے باب میں حدیث (نمبر ۶۳۰) آرہی ہے کہ مالک بن الحویرثؓ اوران کے چچازاد بھائی مدینہ منورہ علم حاصل کرنے کے لئے آئے اور بیس دن رکے، دونوں ہم عمر تھے اور جوان تھے، نبی ﷺ نے محسوس کیا کہ ان کو بیوی بچے یاد آرہے ہیں، اس لئے آپؐ نے خود لوٹنے کی اجازت دی، اور نصیحت فرمائی کہ جو دین سیکھا ہے وہ گھر والوں کو اور قبیلہ والوں کو پہنچانا، اور سفر میں جب نماز کا وقت ہوجائے تو اذان دینا اور جماعت سے نماز پڑھنا اور جو بڑا ہے وہ امام بنے، اس حدیث میں فأذِّنا تثنیہ ہے، اس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ حضر میں تو ایک آدمی کی اذان کافی ہے مگر سفر میں دو آدمیوں کو اذان دینی چاہئے، امام بخاریؒ نے یہ ترجمہ رکھ کر بتلایا کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اذان واقامت میں فرق کرنا مقصود ہے، امامت میں افضل ومفضول کا لحاظ کیا جائے گا جو افضل ہوگا وہ امامت کرے گا اور اذان میں افضل ومفضول کا فرق نہیں، ہر ایک اذان دے سکتا ہے، پس اَذِّنَا تثنیہ تکرار کے لئے نہیں ہے بلکہ کلُّ واحد کے معنی میں ہے۔

[۱۷-] بابُ مَنْ قَالَ: لِيُؤَذِّنْ فِي السَّفَرِ مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ

[۶۲۸-] حدثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فِيْ نَفَرٍ مِنْ قَوْمِيْ، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً، وَكَانَ رَحِيْمًا رَفِيْقًا، فَلَمَّا رَأَى شَوْقَنَا إِلَى أَهَالِيْنَا، قَالَ: " ارْجِعُوْا فَكُوْنُوْا فِيْهِمْ، وَعَلِّمُوْهُمْ، وَصَلُّوْا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ" [انظر: ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۵۸، ۶۸۵، ۸۱۹، ۲۸۴۸، ۶۰۰۸، ۷۲۴۶]

ترجمہ: مالک بن الحویرثؓ کہتے ہیں: میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس آیا اور ہم نے آپؐ کے پاس بیس دن قیام کیا (عربی میں رات بول کر رات دن کا مجموعہ مراد لیتے ہیں اور اردو میں دن بول کر مجموعہ مراد لیتے ہیں) اور آپؐ مہربان نرم برتاؤ کرنے والے تھے، پس جب آپؐ نے ہمارا ہمارے گھر والوں کی طرف اشتیاق دیکھا یعنی محسوس کیا کہ ہمیں بیوی بچے یاد آرہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا: واپس جاؤ پس اپنی قوم میں رہو اور ان کو دین کی باتیں سکھلاؤ اور (سفر میں) نماز پڑھتے رہو، جب نماز کا وقت ہوجائے تو چاہئے کہ تم میں سے ایک اذان دے (یہاں صراحت ہے کہ حضر کی طرح سفر میں بھی ایک آدمی کی اذان کافی ہے، پس فأذِّنا میں تثنیہ تکرار کے لئے نہیں ہے، بلکہ کلُّ واحد کے معنی میں ہے) اور چاہئے کہ تم میں سے بڑا انھیں نماز پڑھائے۔

تشریح: اس حدیث میں طلبہ کے لئے خاص نصیحت یہ ہے کہ جب وہ چھٹیوں میں گھر جائیں تو ماں باپ، بھائی بہن اور عزیز واقارب کو اپنے علم سے فائدہ پہنچائیں، ان کی دینی تربیت کریں، انھیں قرآن پڑھائیں، جن کے قرآن صحیح نہیں

ان کے قرآن صحیح کرائیں اور پورے گاؤں اور بستی پر محنت کریں اور ان کی اصلاح کی فکر کریں۔ آنحضور ﷺ نے حضرت مالک بن الحویرثؓ وغیرہ کو خاص طور پر یہ نصیحت فرمائی ہے کہ قوم میں رہ کر ان کو دین سکھلائیں، ہمارے طلبہ اس سلسلہ میں کوتاہی کرتے ہیں، وہ ساری چھٹی یاردوستی اور مٹر گشتی میں ضائع کردیتےہیں، پس ان کے پڑھنے کا فائدہ کیا؟

بابُ الأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ إِذَا كَانُوْا جَمَاعَةً، وَالإِقَامَةِ، وَكَذٰلِكَ بِعَرَفَةَ وَجَمْعٍ وَقَوْلِ الْمُؤَذِّنِ: الصَّلَاةُ فِيْ الرِّحَالِ، فِيْ اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوِ الْمَطِيْرَةِ

مسافر جماعت سے نماز پڑھیں تو اذان واقامت کہیں، اسی طرح عرفہ اور مزدلفہ میں اور بوقت عذر مؤذن اذان کے بعد اعلان کرے کہ لوگ گھروں میں نماز پڑھیں

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: سفر میں دو یا زیادہ ساتھی ہوں تو اذان واقامت کہہ کر باجماعت نماز پڑھنی چاہئے، اور تنہا نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے: چاہے اذان واقامت دونوں کہے یا صرف اقامت کہے یا دونوں کو چھوڑ کر نماز پڑھے۔ اور حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ سفر میں اذان واقامت کا مسئلہ اس لشکر کے لئے ہے جس کا باقاعدہ امیر ہو، جس کے پیچھے سب نماز پڑھتے ہوں، ایسے لشکر میں اذان واقامت دونوں کہنی چاہئیں، تاکہ سب لوگ امیر کے پیچھے نماز ادا کریں۔ اور حافظ رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے، اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں جماعۃ کی تخصیص کی ہے، جماعۃ کی قید سے منفرد نکل گیا، اس کو اختیار ہے چاہے اذان واقامت دونوں کہے یا صرف اقامت کہے یا دونوں کے بغیر نماز پڑھے اور سفر عام ہے چاہے جہاد کا سفر ہو یا تجارت کا، ان کا باقاعدہ امیر ہو یا نہ ہو اگر سفر میں ایک سے زیادہ ساتھی ہوں تو باجماعت نماز پڑھنی چاہئے اور اذان واقامت کہہ کر پڑھنی چاہئے، اسی طرح حج کا سفر ہو یا غیر حج کا، عرفہ کا میدان ہو یا مزدلفہ کا، اذان واقامت کا تاکدسب جگہ یکساں ہے۔

دوسرا مسئلہ: اگر بارش ہورہی ہو، یا سردی سخت ہو یا کوئی اور عذر ہو اور لوگوں کے لئے مسجد میں آنا دشوار ہو تو مؤذن اذان کے بعد یا اذان کے درمیان اعلان کرے: الصلوٰۃ فی الرِّحال: لوگ اپنے ڈیروں میں نماز پڑھیں یعنی عذر کی صورت میں لوگ تنہا نماز پڑھ سکتے ہیں۔ امیر کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے آنا ضروری نہیں۔

[۱۸-] بابُ الأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ إِذَا كَانُوْا جَمَاعَةً، وَالإِقَامَةِ، وَكَذٰلِكَ بِعَرَفَةَ وَجَمْعٍ وَقَوْلِ الْمُؤَذِّنِ: الصَّلَاةُ فِيْ الرِّحَالِ، فِيْ اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوِ الْمَطِيْرَةِ

[۶۲۹-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْمُهَاجِرِ أَبِيْ الْحَسَنِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ

أَبِیْ ذَرٍّ، قَالَ: کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ سَفَرٍ، فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ یُؤَذِّنَ فَقَالَ لَہُ: " أَبْرِدْ" ثُمَّ أَرَادَ أَنْ یُؤَذِّنَ فَقَالَ لَہُ: " أَبْرِدْ" ثُمَّ أَرَادَ أَنْ یُؤَذِّنَ فَقَالَ لَہُ: " أَبْرِدْ" حَتّٰی سَاوَی الظِّلُّ التُّلُوْلَ، فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: " إِنَّ شِدَّۃَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَھَنَّمَ" [راجع: ۵۳۵]

حدیث: یہ حدیث کتاب مواقیت الصلوٰۃ (باب۹) میں گذر چکی ہے، ایک سفر میں لشکر پڑاؤ کئے ہوئے تھا، جب ظہر کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینے کا ارادہ کیا، آپؐ نے ان کو روک دیا کہ ابھی وقت ٹھنڈا ہونے دو، تھوڑی دیر کے بعد پھر انھوں نے اذان دینے کا ارادہ کیا تب بھی آپؐ نے روک دیا کہ ابھی وقت ٹھنڈا ہونے دو، یہاں تک کہ ٹیلوں کے سائے ٹیلوں کے برابر ہوگئے، تب آپؐ نے ظہر پڑھائی اور فرمایا: "گرمی کی زیادتی جہنم کے اثر کے پھیلاؤ سے ہے"

استدلال: اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ سفر میں اذان کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، اور تین مرتبہ وقفہ وقفہ سے یہی فرمایا، معلوم ہوا کہ سفر میں بھی اذان دی جائے گی۔

ملحوظہ: یہاں حدیث میں یہ ہے کہ سائے ٹیلوں کے برابر ہوگئے اور پہلے جو حدیث گذری ہے اس میں تھا کہ ٹیلوں کے سائے نمودار ہوگئے۔ میرا خیال ہے کہ صحیح وہی ہے اور یہ روایت بالمعنی ہے کیونکہ ٹیلوں کے سائے ٹیلوں کے برابر عصر کے قریب (دومثل کے بعد) ہونگے آپؐ نے ظہر میں اتنی تاخیر فرمائی ہو یہ بات عقل باور نہیں کرتی۔

[۶۳۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ یُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ، عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِیْ قِلَابَۃَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَیْرِثِ، قَالَ: أَتَی رَجُلَانِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یُرِیْدَانِ السَّفَرَ، فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: "إِذَا أَنْتُمَا خَرَجْتُمَا فَأَذِّنَا، ثُمَّ أَقِیْمَا، ثُمَّ لِیَؤُمَّکُمَا أَکْبَرُکُمَا" [راجع: ۶۲۸]

[۶۳۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّی، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَھَّابِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَیُّوْبُ، عَنْ أَبِیْ قِلَابَۃَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، قَالَ: أَتَیْنَا إِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَنَحْنُ شَبَبَۃٌ مُتَقَارِبُوْنَ، فَأَقَمْنَا عِنْدَہُ عِشْرِیْنَ یَوْمًا وَلَیْلَۃً، وَکَانَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم رَحِیْمًا رَفِیْقًا، فَلَمَّا ظَنَّ أَنَّا قَدِ اشْتَھَیْنَا أَھْلَنَا أَوْ: قَدِ اشْتَقْنَا، سَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَکْنَا بَعْدَنَا، فَأَخْبَرْنَاہُ. قَالَ: " ارْجِعُوْا إِلٰی أَھْلِیْکُمْ فَأَقِیْمُوْا فِیْھِمْ، وَعَلِّمُوْھُمْ وَمُرُوْھُمْ" - وَذَکَرَ أَشْیَاءَ، أَحْفَظُھَا أَوْ: لَا أَحْفَظُھَا- "وَصَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ أُصَلِّیْ، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاۃُ فَلْیُؤَذِّنْ لَکُمْ أَحَدُکُمْ، وَلْیَؤُمَّکُمْ أَکْبَرُکُمْ" [راجع: ۶۲۸]

حوالہ: یہ دونوں حدیثیں ایک ہیں اور اس کی شرح گذشتہ باب میں آچکی ہے، نبی ﷺ نے مالک بن الحویرثؓ اور ان کے ساتھیوں کو سفر میں باجماعت اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی، اور یہی باب ہے کہ سفر میں ایک

سے زیادہ ساتھی ہوں تو اذان واقامت کے ساتھ باجماعت نماز پڑھیں۔

قوله: أتى رجلان النبيَّ صلى الله عليه وسلم: یعنی جب رخصت ہونے کا وقت آیا تو حضرت مالک اوران کے چچازاد بھائی آنحضور ﷺ سے آخری ملاقات کے لئے آئے، باقی ساتھی پہلے ملاقات کرچکے ہونگے ....**ونحن شَبَبَةٌ متقاربون:** ہم سب نوجوان اور ہم عمر تھے..........**فلما ظَنَّ أَنَّا:** جب آپؐ نے محسوس کیا کہ ہم گھر جانا چاہتے ہیں ....اشتهينا اور اشتقنا میں راوی کو شک ہے اور دونوں کے معنی ایک ہیں..........تو آپؐ نے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جن کو ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں یعنی فیملی میں کون لوگ ہیں؟ یہ دریافت فرمایا..........**قوله: وذكر أشياء:** اور حضرت مالکؓ نے اور بھی باتیں ذکر کیں، ابوقلابہ نے کہا: وہ مجھے یاد ہیں یا کہا: وہ مجھے یاد نہیں، ایوب سختیانی رحمہ اللہ کو شک ہے کہ ان میں سے کونسی بات ابوقلابہ نے کہی تھی..........**وقوله: صَلُّوْا:** یعنی بیس دن جس طرح تم نے مجھے نمازیں پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نمازیں پڑھو۔

[٦٣٢-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ، قَالَ: أَذَّنَ ابْنُ عُمَرَ فِيْ لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ بِضَجْنَانَ، ثُمَّ قَالَ: صَلُّوْا فِيْ رِحَالِكُمْ، وَأَخْبَرَنَا أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَأْمُرُ مُؤَذِّنًا يُؤَذِّنُ، ثُمَّ يَقُوْلُ عَلٰى إِثْرِهِ: "أَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ": فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوِ الْمَطِيْرَةِ فِيْ السَّفَرِ.[انظر: ٦٦٦]

حدیث (۴): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ضجنان مقام میں ایک سرد رات میں اذان دی پھر کہا: لوگو! اپنے کجاووں میں نماز پڑھو (نافع کہتے ہیں) اور ہمیں بتایا کہ نبی ﷺ مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ اذان دے پھر اذان کے بعد کہے: سنو! اپنے کجاووں میں نماز پڑھو (یہ حکم) سفر میں سرد رات میں یا بارش میں دیتے تھے، یہ أو شک کا نہیں ہے تنویع کا ہے یعنی دونوں صورتوں میں یہ رخصت دیتے تھے۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ جارہے تھے اور ضجنان نامی پہاڑ کے قریب ٹھہرے ہوئے تھے، یہ پہاڑ مکہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر ہے، یہاں ابن عمرؓ نے رات میں اذان دی، رات سرد تھی، پس اذان کے بعد پکارا کہ: اپنے کجاووں میں نماز پڑھو، جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے اس جگہ آنے کی ضرورت نہیں، پھر وہاں جو لوگ موجود تھے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ سفر میں سرد رات میں اور بارش میں یہ رخصت دیا کرتے تھے، جب مؤذن اذان دیتا تو آپؐ اس سے فرماتے: اذان کے بعد پکار کہ **صلُّوا في الرِّحال** معلوم ہوا کہ سفر میں بھی اذان دی جائے گی اور باجماعت نماز پڑھی جائے گی، اور اگر کوئی عذر ہو تو تنہا نماز پڑھنے کی رخصت دی جائے گی اور اس کا اعلان بھی کردیا جائے گا۔

[٦٣٣-] حدثنا إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا جعفرُ بْنُ عَوْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ الْعُمَيْسِ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِيْ جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: رَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِالْأَبْطَحِ، فَجَاءَهُ بِلَالٌ، فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ خَرَجَ بِلَالٌ بِالْعَنَزَةِ حَتّٰى رَكَزَهَا بَيْنَ يَدَيْ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِالْأَبْطَحِ، وَأَقَامَ الصَّلَاةَ.[راجع: ١٨٧]

حدیث: یہ حدیث کتاب الوضوء میں گذری ہے اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے، آپؐ نے ابطح نامی میدان میں ظہر اور عصر پڑھائی ہیں اور دو دو رکعت پڑھائی ہیں اس لئے کہ آپ مسافر تھے، ابو جحیفہؓ کہتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، جب لوگ جمع ہو گئے تو آنحضور ﷺ کو خبر کی پھر پھل لگا ہوا ڈنڈا لے کر آپؐ کے خیمہ سے نکلے، اور جہاں آپؐ کو نماز پڑھانی تھی وہاں اس کو گاڑا یعنی اس کو سترہ بنایا پھر اقامت کہی اور آپؐ نے نماز پڑھائی، معلوم ہوا کہ سفر میں اذان و اقامت کہی جائیں گی۔

بابٌ: هَلْ يَتَتَبَّعُ الْمُؤَذِّنُ فَاهُ هَاهُنَا وَهَاهُنَا؟ وَهَلْ يَلْتَفِتُ فِي الْأَذَانِ؟

حیعلتین میں چہرہ دائیں بائیں گھمانا، اور اذان میں اِدھر اُدھر دیکھنا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے اس باب کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ احکام میں اذان نماز کے ساتھ ملحق نہیں، پس اگر کوئی دورانِ اذان بات کرے یا چہرہ اور سینہ قبلہ سے گھمائے تو کچھ حرج نہیں، اس سے اذان فاسد نہیں ہوتی۔

قوله: هل يَتَتَبَّعُ المؤذنُ فاه هاهنا وهاهنا؟: کیا مؤذن حیعلتین میں چہرہ دائیں بائیں گھمائے؟ **جواب:** جی ہاں گھمانا سنت ہے اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔

قوله: وهل يلتفت في الأذان؟: اور کیا حیعلتین کے علاوہ اذان میں چہرہ پھیر سکتا ہے؟ **جواب:** پھیر سکتا ہے اس سے اذان باطل نہیں ہوتی، مثلاً اذان دے رہا ہے اور کوئی کھٹکا ہوا اس نے چہرہ پھیر کر دیکھا یا سینہ قبلہ سے پھر گیا تو کچھ حرج نہیں، اذان درست ہے۔

[۱۹-] بابٌ: هَلْ يَتَتَبَّعُ الْمُؤَذِّنُ فَاهُ هَاهُنَا وَهَاهُنَا؟ وَهَلْ يَلْتَفِتُ فِي الْأَذَانِ؟

[۱-] وَيُذْكَرُ عَنْ بِلَالٍ أَنَّهُ جَعَلَ إِصْبَعَيْهِ فِيْ أُذُنَيْهِ.

[۲-] وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَجْعَلُ إِصْبَعَيْهِ فِيْ أُذُنَيْهِ.

[۳-] وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ: لَابَأْسَ أَنْ يُؤَذِّنَ عَلَى غَيْرِ وُضُوْءٍ.

[۴-] وَقَالَ عَطَاءٌ: الْوُضُوْءُ حَقٌّ وَسُنَّةٌ.

[۵-] وَقَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ.

[۶۳۴-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِيْ جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّهُ رَأَى بِلَالًا يُؤَذِّنُ، فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُ فَاهُ هَاهُنَا وَهَاهُنَا بِالْأَذَانِ.

۱- حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اذان میں کانوں میں انگلیاں ڈالتے تھے۔

۲- اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کانوں میں انگلیاں نہیں ڈالتے تھے (اس لئے کہ حضرت بلالؓ سارے مدینہ کے لئے

اذان دیتے تھے اس لئے آواز بلند کرنے کے لئے کانوں کو بند کرتے تھے، اور ابن عمرؓ نے قافلہ والوں کے لئے اذان دی ہے، اس لئے آواز بلند کرنے کی ضرورت نہیں تھی)

اور پہلے بتایا ہے کہ ہوا ناک، منہ اور کان سے نکلتی ہے اور ناک اور منہ میں سے ایک وقت میں ایک ہی جگہ سے نکلتی ہے، پس جب کلماتِ اذان پکار رہا ہوگا تو صرف منہ سے ہوا نکلے گی، ناک سے نہیں نکلے گی اور جب انگلیوں سے کانوں کے سوراخ بند کردیئے تو وہاں سے بھی ہوا نہیں نکلے گی اور منہ سے زور سے ہوا نکلے گی، اور آواز بلند ہوگی۔

علاوہ ازیں یہ بہ تکلف بہرہ بننا ہے اور بہرہ آدمی زور سے بولتا ہے، اس لئے کہ جب تک وہ اپنی آواز نہیں سنتا اسے تسلی نہیں ہوتی۔

غرض حضرت بلالؓ سارے مدینہ کے لئے اذان دیتے تھے اس لئے وہ کانوں میں انگلیاں ڈالتے تھے، تاکہ زور سے آواز نکلے، اور ابن عمرؓ سفر میں اذان دیتے تھے اور سفر میں زیادہ زور سے اذان دینے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ رفقائے سفر ساتھ ہوتے تھے، اس لئے وہ کانوں میں انگلیاں نہیں ڈالتے تھے۔

۳- ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بے وضو اذان دینے میں کچھ حرج نہیں۔

۴- اور حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: باوضو اذان دینا برحق اور سنت ہے یعنی بے وضو اذان دینا جائز ہے مگر اسلامی طریقہ یہ ہے کہ باوضو اذان دی جائے۔

۵- اور صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے اور اذان بھی ایک ذکر ہے پس اس کے لئے بھی وضو ضروری نہیں، اور فقہ میں بھی یہی مسئلہ لکھا ہے کہ اذان کے لئے وضو ضروری نہیں، البتہ بے وضو اقامت کہنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ اقامت کہہ کر وضو کرنے کے لئے جائے گا یعنی لوگوں کو نماز کی طرف بلا کر خود نماز سے غائب ہوجائے گا، یہ دیگراں را نصیحت خود را فضیحت والی بات ہوگی، اس لئے بے وضو اقامت کہنا مکروہ ہے۔ لیکن باوضو قبلہ رخ ہوکر اور کانوں میں انگلیاں ڈال کر اذان دینے کے استحباب کا کوئی منکر نہیں۔

حدیث: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: انھوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دیتے ہوئے دیکھا، پس میں بھی ان کے ساتھ یہاں اور وہاں اذان میں منہ پھیرنے لگا، یعنی حضرت بلالؓ حیعلتین میں دائیں بائیں منہ پھیرتے تھے تو میں بھی ان کے ساتھ دائیں بائیں منہ پھیرتا تھا، معلوم ہوا کہ حیعلتین میں دائیں بائیں منہ پھیرنا مسنون ہے۔

بابُ قَوْلِ الرَّجُلِ: فَاتَتْنَا الصَّلٰوۃُ

یہ کہنا کہ میری نماز چھوٹ گئی

ابن سیرینؒ وغیرہ بعض حضرات فَاتَتْنَا الصلوٰۃُ (میرے ہاتھ سے نماز نکل گئی) کہنے کو ناپسند کرتے تھے، وہ لم نُدْرِك

الصلوٰۃَ کہتے تھے، یعنی میں نے نماز نہیں پائی، مگر حدیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: وقولُ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَصَحُّ اور ابن سیرینؒ نے جو بات فرمائی ہے وہ حسن تعبیر ہے۔

[۲۰-] بابُ قَوْلِ الرَّجُلِ: فَاتَتْنَا الصَّلٰوۃُ

وَکَرِہَ ابْنُ سِیْرِیْنَ أَنْ یَقُوْلَ: فَاتَتْنَا الصَّلاَۃُ، وَلْیَقُلْ: لَمْ نُدْرِکْ، وَقَوْلُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَصَحُّ.

[۶۳۵-] حدثنا أَبُوْ نُعَیْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَیْبَانُ، عَنْ یَحْییَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ أَبِیْ قَتَادَۃَ، عَنْ أَبِیْہِ، قَالَ: بَیْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، إِذْ سَمِعَ جَلَبَۃَ رِجَالٍ، فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ: "مَا شَأْنُکُمْ؟" قَالُوْا: اسْتَعْجَلْنَا إِلَی الصَّلاَۃِ، قَالَ: "فَلاَ تَفْعَلُوْا، إِذَا أَتَیْتُمُ الصَّلاَۃَ فَعَلَیْکُمُ السَّکِیْنَۃُ، فَمَا أَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوْا، وَمَا فَاتَکُمْ فَأَتِمُّوْا"

حدیث: ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: دریں اثناء کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، اچانک آپؐ نے کچھ مردوں کا شور سنا، جب آپؐ نے نماز پوری کی تو پوچھا: کیسا شور تھا؟ لوگوں نے عرض کیا: ہم نے نماز کی طرف جلدی کی، یعنی جب ہم پہنچے تو نماز کھڑی ہوگئی تھی، اس لئے ہم جماعت میں شریک ہونے کے لئے دوڑے، آپؐ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، جب تم نماز کے لئے آؤ تو سکون واطمینان کو لازم پکڑو، پس جتنی رکعتیں امام کے ساتھ پاؤ ان کو پڑھو، اور جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائیں ان کو سلام کے بعد پورا کرو ——— ومافاتکم سے استدلال ہے اس سے فات الصلوۃ کہنے کا جواز ثابت ہوا۔

بَابُ مَا أَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوْا، وَمَا فَاتَکُمْ فَأَتِمُّوْا

جو رکعتیں امام کے ساتھ ملیں ان کو پڑھو، اور جو ہاتھ سے نکل جائیں ان کو بعد میں پورا کرو

[۲۱-] بابُ مَاأَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَافَاتَکُم فَأَتِمُّوْا

قَالَہُ أَبُوْ قَتَادَۃَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

[۶۳۶-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِیْ ذِئْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّہْرِیُّ، عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ، عَنْ أَبِیْ ہُرَیْرَۃَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، ح: وَعَنِ الزُّہْرِیِّ، عَنْ أَبِیْ سَلَمَۃَ، عَنْ أَبِیْ ہُرَیْرَۃَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، قَالَ: "إِذَا سَمِعْتُمُ الإِقَامَۃَ فَامْشُوْا إِلَی الصَّلاَۃِ، وَعَلَیْکُمْ بِالسَّکِیْنَۃِ وَالْوَقَارِ، وَلاَ تُسْرِعُوْا، فَمَا أَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوْا، وَمَا فَاتَکُمْ فَأَتِمُّوْا" [انظر: ۹۰۸]

وضاحت: یہ ذیلی باب ہے اور اس باب میں بھی وہی حدیث ہے جو اوپر آئی ہے اور حدیث میں جو باوقار چلنے کا مسئلہ ہے وہ آگے (کتاب الجمعۃ باب ۱۸ میں) آئے گا ——— قالہ أبو قتادۃ: اوپر جو حدیث گذری ہے اس کا حوالہ ہے ———

إذا سمعتم الإقامة: جب تم اقامت سنو تو چلتے ہوئے نماز کی طرف آؤ اور سکون ووقار کولازم پکڑ واور دوڑ کر مت آؤ۔

بابٌ: مَتَى يَقُوْمُ النَّاسُ؟ إِذَا رَأَوُا الإِمَامَ عِنْدَ الإِقَامَةِ

لوگ کب کھڑے ہوں؟ بوقتِ اقامت جب امام کو دیکھیں

یہ باب سوال وجواب دونوں پر مشتمل ہے، متی یقوم الناس؟ سوال ہے: لوگ کب کھڑے ہوں؟ اور إذا رَأَوُا الإمام جواب ہے: اقامت کے وقت جب لوگ امام کو دیکھیں تو کھڑے ہوں اور لاتقوموا حتی تَرَوْنی سے استدلال ہے، نبی ﷺ نے مسجدِ نبوی کے نمازیوں کو تاکید فرمائی تھی کہ اقامت پر کھڑے نہ ہوں بلکہ جب آپؐ کو کمرہ سے نکلتا دیکھیں تب کھڑے ہوں۔

لوگوں میں اس مسئلہ میں افراط وتفریط ہے، بریلوی کہتے ہیں: لوگ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں اس سے پہلے کھڑا ہونا جائز نہیں، اوران کی مسجدوں میں اس پر سختی سے عمل ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں، اور دیوبندیوں کی بعض مسجدوں میں صف بندی کے بعد اور امام کے مصلے پر پہنچ جانے کے بعد تکبیر شروع ہوتی ہے، یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ اقامت کے معنی ہیں: کھڑا کرنا، جب تک اقامة (کھڑا کرنا) نہ پایا جائے کھڑے ہونے کا کیا جواز ہے؟ اقامہ شروع ہونے کے بعد ہی کھڑا ہونا چاہئے البتہ اگر کوئی بیٹھا رہے تو حی علی الصلوٰۃ پر ضرور کھڑا ہوجائے ورنہ اللہ کے داعی کی مخالفت لازم آئے گی۔ علامہ احمد طحطاوی رحمہ اللہ نے فقہ کی عبارت یقوم الناسُ عندحی علی الصلوٰۃ کا یہی مطلب لکھا ہے (حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار ۱: ۲۱۵)

اور بریلوی حضرات فقہ کی مذکورہ عبارت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو حی علی الصلوٰۃ پر ہی کھڑا ہونا چاہئے، اس سے پہلے کھڑا ہونا جائز نہیں، حالانکہ جب اقامہ (کھڑا کرنا) پایا گیا تو اب کھڑا ہونا کیوں جائز نہیں؟ اور وہ جو فقہی عبارتوں کا مطلب سمجھتے ہیں وہ مطلب کسی فقیہ نے نہیں لکھا۔

اور اگر امام مسجد سے ملحق کمرہ میں ہو تو جب تک امام کمرہ سے نہ نکلے لوگ کھڑے نہ ہوں کیونکہ اقامت سے امام کا نکلنا متخلف ہوسکتا ہے، نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو یہی نصیحت فرمائی تھی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے تکبیر شروع کرنے پر آپ حضرات کھڑے نہ ہوں، بلکہ جب مجھے حجرہ سے نکلتا ہوا دیکھیں تب کھڑے ہوں، کیونکہ اس کا امکان ہے کہ نبی ﷺ گھر میں کسی کام میں مشغول ہوں یا آپؐ کی نیت بندھی ہوئی ہو، پس لوگوں کو کھڑے کھڑے انتظار کرنا پڑے گا جو مکروہ ہے[1]

اور اگر امام مسجد میں موجود ہو تو اقامہ شروع ہوتے ہی کھڑا ہونا چاہئے، امام کو بھی اور مقتدیوں کو بھی، اس لئے کہ کھڑا کرنا

(۱) پہلے جب امراء (حکومت کے ذمہ دار) نماز پڑھاتے تھے تو وہ مسجد سے متصل مقصورہ میں بیٹھتے تھے اور تکبیر شروع ہونے پر نکلتے تھے، اس وقت کا یہ مسئلہ تھا ۱۲

پایا گیا پس کھڑے ہوکر صف بندی کر لینی چاہئے۔

فائدہ(۱): اگر اقامت سے امام کا نکلنا متخلف ہوجائے تو مؤذن کو بھی بیٹھ جانا چاہئے، پھر اگر امام فوراً نکل آئے تو تکبیر کا اعادہ ضروری نہیں، اور امام کے نکلنے میں تاخیر ہوجائے تو تکبیر دوبارہ کہی جائے، اور تھوڑے اور زیادہ کا فیصلہ رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دیا گیا ہے یعنی لوگ خود ہی اس کا فیصلہ کریں۔

فائدہ(۲): پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب نماز کا وقت ہوجاتا اور اکثر نمازی آجاتے تو تکبیر شروع کردیتے تھے، تکبیر سن کر آنحضور ﷺ حجرے سے نکلتے تھے، مگر کبھی کسی کام میں مشغولیت کی وجہ سے یا نیت بندھی ہوئی ہونے کی وجہ سے آپؐ کے آنے میں تاخیر ہوتی تھی تو لوگ کھڑے کھڑے امام کا انتظار کرتے تھے، اس لئے آپؐ نے حضراتِ صحابہ کو حکم دیا کہ تکبیر شروع ہونے پر کھڑے نہ ہوں بلکہ جب آپؐ کو کمرہ سے نکلتا ہوا دیکھیں تب کھڑے ہوں، اس حکم سے حضرت بلالؓ نے نصیحت حاصل کی چنانچہ وہ اس کے بعد جب نبی ﷺ کو حجرے سے نکلتا ہوا دیکھتے تھے تب تکبیر شروع کرتے تھے۔

[۲۲-] بابٌ: مَتَی یَقُوْمُ النَّاسُ؟ إِذَا رَأَوُا الإِمَامَ عِنْدَ الإِقَامَةِ

[۶۳۷-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِیْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: کَتَبَ إِلَیَّ یَحْیَی بْنُ أَبِیْ کَثِیْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ أَبِیْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِیْهِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم:" إِذَا أُقِیْمَتِ الصَّلاَةُ فَلاَ تَقُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْنِیْ". [انظر: ۶۳۸، ۹۰۹]

وضاحت: إذا رَأَوُا: جب دو باتیں جمع ہوں: ایک: امام مسجد میں موجود ہو یا آجائے، دوم: اقامہ شروع ہوجائے تب لوگ کھڑے ہوں۔

بابٌ: لاَیَقُوْمُ إِلَی الصَّلاَةِ مُسْتَعْجِلاً، وَلْیَقُمْ إِلَیْهَا بِالسَّکِیْنَةِ وَالْوَقَارِ

نماز کے لئے کھڑے ہونے میں جلدی نہ کرے، بلکہ سکون ووقار سے کھڑا ہو

گذشتہ سے پیوستہ باب **إتیان الصلوٰۃ** کا تھا کہ نماز کے لئے باوقار اور اطمینان کے ساتھ آنا چاہئے، اب یہ باب قیام الی الصلوٰۃ کا ہے کہ جب تکبیر شروع ہو اور لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں تو بھی سکون ووقار ہونا چاہئے، نماز کے لئے کھڑے ہونے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے، گذشتہ حدیث کے الفاظ تھے: **إذا أتیتم إلی الصلوٰۃ**: یعنی جب تم نماز کے لئے آؤ، اور یہاں الفاظ ہیں: **إذا أقیمت الصلوٰۃ**: جب نماز کھڑی کی جائے یعنی تکبیر کہی جائے، پس یہ باب **قیام إلی الصلوٰۃ** کا ہے۔

[۲۳-] بابٌ: لَایَقُوْمُ إِلَی الصَّلَاۃِ مُسْتَعْجِلاً، وَلْیَقُمْ إِلَیْھَا بِالسَّکِیْنَۃِ وَالْوَقَارِ

[۶۳۸-] حدثنا أَبُوْ نُعَیْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَیْبَانُ، عَنْ یَحْیٰی، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ أَبِیْ قَتَادَۃَ، عَنْ أَبِیْہِ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم:" إِذَا أُقِیْمَتِ الصَّلَاۃُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْنِیْ، وَعَلَیْکُمُ السَّکِیْنَۃُ" تابَعَہُ عَلِیُّ بْنُ الْمُبَارَکِ. [راجع: ۶۳۷]

وضاحت: اس حدیث کو علی بن المبارک بھی یحییٰ بن ابی کثیر سے مذکورہ سند سے روایت کرتے ہیں، ان کی حدیث کتاب الجمعہ (حدیث ۹۰۹) میں ہے۔

بابٌ: ھَلْ یَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ لِعِلَّۃٍ؟

کیا کسی عذر کی وجہ سے مسجد سے نکل سکتا ہے؟

علۃ کے معنی ہیں: ضرورت، حاجت، اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو کیا اذان کے بعد مسجد سے نکل سکتے ہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، سوال قائم کر کے چھوڑ دیا ہے، پس جاننا چاہئے کہ اذان کے بعد بے ضرورت مسجد سے نکلنا ممنوع ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں تشریف فرما تھے، عصر کی اذان شروع ہوگئی، اذان کے بعد ایک شخص مسجد سے نکلا، حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: ''اِس شخص نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی'' (ترمذی حدیث ۲۰۰) اس حدیث کے اقتضاء سے یہ بات نکلتی ہے کہ نبی ﷺ نے اذان کے بعد مسجد سے نکلنے سے منع فرمایا ہے۔

اور ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ لوگ بدگمانی کریں گے کہ یہ کیوں جا رہا ہے؟ شاید یہ شخص نماز نہیں پڑھتا یا اس امام کے پیچھے نہیں پڑھتا، اور نبی ﷺ کا فرمان ہے: اتَّقُوْا مواضِعَ التُّھَم: تہمت کی جگہوں سے بچو، پس چونکہ اذان کے بعد مسجد سے نکلنے میں تہمت و بدگمانی ہے، اس لئے اذان کے بعد مسجد سے نکلنا ممنوع ہے۔ البتہ ضرورت کے وقت نکلنے کی گنجائش ہے، مثلاً کوئی شخص دوسری مسجد کا امام یا مؤذن ہے تو نکل سکتا ہے کیونکہ لوگ یہ بات جانتے ہیں، اس لئے کوئی بدگمانی نہیں کرے گا، اسی طرح چھوٹے بڑے استنجے کے لئے بھی جا سکتا ہے اس صورت میں اولاً تو کوئی بدگمانی نہیں کرے گا اور اگر کرے گا تو جب وہ ضرورت سے فارغ ہو کر واپس آجائے گا تو بدگمانی دور ہو جائے گی۔

فائدہ: یہ سب مسائل اس معاشرہ کے لئے ہیں جہاں اذان و اقامت کے درمیان مختصر وقفہ ہوتا ہے، آدھ گھنٹہ کا فاصلہ نہیں ہوتا، ہمارے دیار کی جو صورت حال ہے اس میں اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کی گنجائش ہے، جب تک لوگ نماز کے لئے آنے شروع نہ ہوں، کیونکہ اس وقت تک بدگمانی کرنے والا کوئی مسجد میں نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسجد سے نکلنے کی ممانعت اقامت شروع ہونے کے بعد ہے، اس سے پہلے نکل سکتا ہے، اس قول کا محمل یہی صورت

ہے جو ہمارے دریار کی ہے۔ حضرت ابراہیم کا قول ترمذی (کتاب الصلوٰۃ باب ۳۷) میں ہے۔

[۲۴-] بابٌ: هَلْ يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ لِعِلَّةٍ؟

[۶۳۹-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ، وَقَدْ أُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوْفُ، حَتّٰى إِذَا قَامَ فِيْ مُصَلاَّهُ انْتَظَرْنَا أَنْ يُكَبِّرَ: انْصَرَفَ، قَالَ: " عَلٰى مَكَانِكُمْ " فَمَكَثْنَا عَلٰى هَيْئَتِنَا، حَتّٰى خَرَجَ إِلَيْنَا يَنْطُفُ رَأْسُهُ مَاءً، وَقَدِ اغْتَسَلَ. [راجع: ۲۷۵]

۱- یہ حدیث کتاب الغسل (باب ۱۷) میں گذر چکی ہے۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ نماز پڑھانے کے لئے حجرہ سے باہر تشریف لائے، آپؐ کو دیکھ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت شروع کی اور صحابہ نے صفیں درست کرلیں، آپؐ مصلے پر پہنچے اور تکبیر کہنے ہی والے تھے کہ اچانک آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: ’’اپنی جگہ رہو‘‘ اور آپؐ گھر میں تشریف لے گئے اور نہا کر باہر آئے، سر سے پانی ٹپک رہا تھا، آپؐ نے نماز پڑھائی پھر فرمایا: میں جنبی تھا اور غسل کرنا بھول گیا تھا، اس لئے نہانے گیا تھا، آپؐ نے وضاحت اس لئے فرمائی کہ لوگوں کا اضطراب ختم ہو، یہ جنبی ہونا علۃ کی مثال ہے یہ ایک شرعی ضرورت تھی، ایسی ضرورت سے اذان کے بعد مسجد سے نکل سکتے ہیں اور اقامت کے بعد بھی۔

۲- امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں اذان یا اقامت کی صراحت نہیں کی مگر مراد اذان کے بعد مسجد سے نکلنا ہے، اور اقامت کے بعد بھی شرعی یا طبعی ضرورت سے مسجد سے نکل سکتا ہے، کسی کا وضو ٹوٹ گیا، ظاہر ہے وہ وضو کرنے کے لئے مسجد سے نکلے گا، یہ شرعی ضرورت ہے، یا چھوٹے بڑے استنجے کا تقاضہ ہوا تو بھی نکلے گا، یہ طبعی ضرورت ہے۔

اور حضرتؒ نے ترجمہ میں اذان کی صراحت اس لئے نہیں کی کہ مذکورہ حدیث اقامت کے بعد مسجد سے نکلنے کی ہے، اگر ترجمہ میں اذان کی صراحت کرتے تو یہ حدیث باب میں کیسے لاتے؟ اور جب اقامت کے بعد شرعی اور طبعی ضرورت سے مسجد سے نکل سکتے ہیں تو اذان کے بعد بدرجۂ اولیٰ نکل سکتے ہیں۔

فائدہ: اگر اقامت اور نماز شروع کرنے کے درمیان فاصلہ ہوجائے اور فاصلہ تھوڑا ہو تو دوبارہ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں، اور فاصلہ زیادہ ہو تو دوبارہ تکبیر کہی جائے، اور تھوڑے اور زیادہ کا فیصلہ رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور اس کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر لوگ تکبیر کے بعد امام کا انتظار کرکے بیٹھ جائیں یا منتشر ہوجائیں تو اس کو زیادہ فصل کہیں گے اور تکبیر دوبارہ کہیں گے، اور اگر لوگ اپنی حالت پر برقرار رہیں تو تھوڑا فصل ہے، دوبارہ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں۔ نبی ﷺ غسل فرما کر اتنی جلدی تشریف لے آئے تھے کہ لوگ اپنی حالت پر برقرار تھے، اس لئے دوبارہ تکبیر نہیں کہی گئی، اور ممکن ہے تکبیر دوبارہ کہی گئی ہو، حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو، اور عدم ذکر عدم شئ کو مستلزم نہیں۔

بابٌ: إِذَا قَالَ الإِمَامُ: مَكَانَكُمْ حَتّٰى يَرْجِعَ انْتَظَرُوْهُ

اگرامام ہدایت دے جائے کہ میرے آنے تک اپنی جگہ رہوتو لوگ اس کا انتظار کریں

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ امام یا استاذ کسی ضرورت سے جائے، اور حاضرین سے کہتا جائے کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہوتو لوگوں پر امام کا اور استاذ کا انتظار کرنا ضروری ہے، لوگ مسجد اور درسگاہ سے نہ جائیں، امام خود آ کر نماز پڑھائے گا۔

قوله: حتی یرجع تک ہدایت ہے اور انتظروہ اس کا جواب ہے۔

[۲۵-] بابٌ: إِذَا قَالَ الإِمَامُ: مَكَانَكُمْ حَتّٰى يَرْجِعَ انْتَظَرُوْهُ

[۶۴۰-] حدثنا إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: أُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ فَسَوَّى النَّاسُ صُفُوْفَهُمْ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَتَقَدَّمَ، وَهُوَ جُنُبٌ، فَقَالَ: " عَلٰى مَكَانِكُمْ" فَرَجَعَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ خَرَجَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ مَاءً، فَصَلَّى بِهِمْ. [راجع: ۲۷۵]

وضاحت: یہ وہی حدیث ہے جو اوپر باب میں گذری ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے، مصلی پر کھڑے ہوئے کہ جنبی ہونا یاد آیا، پس آپؐ انتظار کرنے کا حکم دے کر نہانے کے لئے تشریف لے گئے، صحابہ نے اپنی جگہ رہ کر آپ کا انتظار کیا، نہ مسجد سے گئے اور نہ دوسرے کو امام بنایا، معلوم ہوا کہ اگر امام انتظار کرنے کے لئے کہہ جائے تو اس کا انتظار کرنا ضروری ہے۔

بابُ قَوْلِ الرَّجُلِ: مَا صَلَّيْنَا

یہ کہنا کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی

چند ابواب پہلے باب گذرا ہے کہ فَا تَتْنَا الصلوٰۃ کہنا جائز ہے، اب یہ باب ہے کہ ما صَلَّيْنَا کہنا بھی جائز ہے، یعنی گذشتہ باب کا جو مقصد تھا وہی اس باب کا بھی مقصد ہے۔

[۲۶-] بابُ قَوْلِ الرَّجُلِ: مَا صَلَّيْنَا

[۶۴۱-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ، يَقُوْلُ: أَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم جَاءَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، فَقَالَ: يَارسولَ اللّٰهِ! وَاللّٰهِ مَا

كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ، وَذٰلِكَ بَعْدَ مَا أَفْطَرَ الصَّائِمُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا" فَنَزَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلٰى بُطْحَانَ، وَأَنَا مَعَهُ، فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ.[راجع: ۵۹۶]

وضاحت: یہ حدیث بار بار آرہی ہے، غزوۂ خندق کے موقع پر ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں بھرے ہوئے اور کفار کو برا بھلا کہتے ہوئے غروب کے بعد آنحضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں قریب نہیں تھا کہ سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر پڑھ سکوں، یعنی مشکل سے کسی طرح غروب سے پہلے عصر میں نے پڑھی، نبی ﷺ نے فرمایا: واللہ ما صَلَّيْتُهَا: بخدا! میں نے ابھی تک عصر نہیں پڑھی، معلوم ہوا کہ مَا صَلَّيْنَا کہنا جائز ہے۔

بابٌ: الإِمَامُ تَعْرِضُ لَهُ الْحَاجَةُ بَعْدَ الإِقَامَةِ

تکبیر کے بعد امام کو کوئی ضرورت پیش آئے تو بات کرسکتا ہے

جس طرح ضرورت پیش آنے پر اقامت کے بعد امام مسجد سے نکل سکتا ہے اسی طرح تکبیر کے بعد کوئی ضرورت پیش آئے تو امام لوگوں سے بات کرسکتا ہے، اور مقتدی بھی امام سے عرض کرسکتے ہیں، ایک مرتبہ عشاء کی تکبیر ہو جانے کے بعد ایک شخص مسجد کے کونے میں آنحضور ﷺ سے سرگوشی کرنے لگا یعنی چپکے چپکے باتیں کرنے لگا اور اتنی دیر تک باتیں کرتا رہا کہ بعض لوگ صف میں کھڑے کھڑے سونے لگے، یہ مقتدی کا امام سے عرض کرنا بھی ہے اور امام کا مقتدی سے بات کرنا بھی، پس اس حدیث سے دونوں کا جواز نکلا۔

[۲۷-] بابٌ: الإِمَامُ تَعْرِضُ لَهُ الْحَاجَةُ بَعْدَ الإِقَامَةِ

[۶۴۲-] حَدَّثَنَا أَبُوْ مَعْمَرٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ: هُوَ ابْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: أُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُنَاجِيْ رَجُلاً فِيْ جَانِبِ الْمَسْجِدِ، فَمَا قَامَ إِلَى الصَّلاَةِ حَتّٰى نَامَ الْقَوْمُ.[انظر: ۶۴۳، ۶۲۹۲]

بابُ الْكَلاَمِ إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ

تکبیر شروع ہونے کے بعد بات چیت کرنا

امام تکبیر کے دوران بھی لوگوں سے بات کرسکتا ہے، ہدایت دے سکتا ہے اور تکبیر کے بعد بھی۔ مذکورہ بالا واقعہ میں تکبیر کے بعد ایک شخص نے آپؐ سے بات شروع کی تھی اور آپؐ نے اس سے بات کی تھی، کیونکہ اذان واقامت نہ نماز ہیں اور نہ

نماز کے حکم میں ہیں، اسی طرح اقامہ اور نماز شروع کرنے کے درمیان جو وقفہ ہے وہ بھی حقیقتاً یا حکماً نماز نہیں، پس اذان واقامت کے درمیان بھی بات کرنے کی گنجائش ہے اور وقفہ کے دوران بھی۔ امام اور مقتدی بھی بات کر سکتے ہیں اور مقتدی آپس میں بھی بات کر سکتے ہیں مگر بے ضرورت اقامت کے دوران اور بعد میں بات نہیں کرنی چاہئے۔

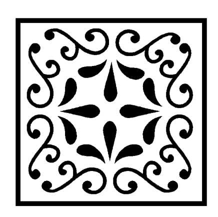
[۲۸-] بابُ الْكَلَامِ إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ

[٦٤٣-] حدثنا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلٰى، قَالَ: ثَنَا حُمَيْدٌ، قَالَ: سَأَلْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ، عَنِ الرَّجُلِ يَتَكَلَّمُ بَعْدَ مَا تُقَامُ الصَّلَاةُ، فَحَدَّثَنِيْ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ، فَعَرَضَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم رَجُلٌ، فَحَبَسَهُ بَعْدَ مَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ. [راجع: ٦٤٢]

حدیث: حمید طویل کہتے ہیں: میں نے ثابت بنانی سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو تکبیر کے بعد کسی سے بات کرے یعنی کیا اقامت کے بعد کوئی آدمی کسی سے بات کر سکتا ہے؟ ثابت بنانی نے کہا کہ کر سکتا ہے، اور انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنائی کہ عہدِ رسالت میں نماز کے لئے تکبیر کہی گئی، پس ایک شخص آپؐ کے سامنے آیا اور اس نے تکبیر ہو جانے کے بعد آپؐ کو روک لیا یعنی دیر تک باتوں میں مشغول رکھا۔

﴿ کتاب الاذان پوری ہوئی، اب أبواب صلاۃ الجماعۃ والإمامۃ شروع ہونگے ﴾

ملحوظہ: مصری نسخہ میں دور تک 'کتاب الاذان' کا عنوان لگا ہوا ہے، اور ابواب کے نمبر بھی مسلسل ہیں، ہم نے ان کو باقی رکھا ہے، مگر حقیقت میں کتاب الاذان یہاں پوری ہوگئی ہے، اس لئے ابواب کے نئے نمبر لگنے چاہئیں تھے۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَبْوَابُ صَلاَةِ الْجَمَاعَةِ وَالإِمَامَةِ

جماعت اور امامت کا بیان

بابُ وُجُوْبِ صَلاَةِ الْجَمَاعَةِ

جماعت سے نماز پڑھنے کا وجوب

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جماعت فرض عین ہے، مگر نماز کی صحت کے لئے جماعت شرط نہیں۔ اگر تنہا نماز پڑھے تو بھی نماز صحیح ہے، اور داؤد ظاہری کے نزدیک جماعت فرض عین بھی ہے اور صحت صلوٰۃ کے لئے شرط بھی ہے اگر تنہا نماز پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی، غیر مقلدین بھی اسی کے قائل ہیں، چنانچہ یورپ وامریکہ میں دو بھی ہونگے تو جماعت کریں گے، جماعت ثانیہ کی کراہیت کا مسئلہ ان کے یہاں نہیں ہے، ہندوستان میں تو غیر مقلدین کی چلتی نہیں اس لئے وہ مجبوراً جماعت ہوجانے کے بعد اکیلے نماز پڑھتے ہیں اگر جماعت ثانیہ کریں گے تو لوگ ان کے سر ہوجائیں گے، مگر یورپ وامریکہ میں کہیں کہیں ان کی چلتی ہے اس لئے وہ مسجد میں بار بار جماعتیں کرتے ہیں، لوگ ان کو سمجھاتے ہیں مگر وہ نہیں مانتے، کیونکہ ان کی مجبوری ہے ان کے نزدیک جماعت فرض عین ہے اور نماز کی صحت کے لئے شرط ہے۔

اور شوافع کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جماعت فرض کفایہ ہے اور دوسرا قول سنت مؤکدہ کا ہے، مالکیہ کے یہاں بھی مختلف اقوال ہیں اور مختار قول سنت مؤکدہ کا ہے اور حنفیہ کے یہاں بھی مفتی بہ قول سنت مؤکدہ کا ہے اور احناف میں علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ کے نزدیک جماعت واجب ہے۔

جاننا چاہئے کہ واجب حنفیہ کی خاص اصطلاح ہے، جس کا درجہ فرض سے نیچے اور سنت سے اوپر ہے، دوسرے فقہاء کے یہاں علی وجہ البصیرت احکام کا یہ درجہ نہیں ہے، پس امام بخاریؒ نے ترجمہ میں جو لفظ وجوب رکھا ہے وہ فرض اور واجب دونوں کو شامل ہے۔

اور باب میں یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے پیچھے رہنے والوں کو آگ میں جلانے کا ارادہ فرمایا تھا، پھر کسی مصلحت سے نہیں جلایا۔ اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اس قدر سخت سزا فرائض کے تارک ہی کو دی

جاسکتی ہے، سنت ومستحب کے تارک کونہیں دی جاسکتی، معلوم ہوا کہ جماعت سے نماز پڑھنا فرض یا واجب ہے [۱] نیز جلانے کا ارادہ کرنے سے جماعت کا تأکد نکلا۔

اور جمہور کہتے ہیں: اس حدیث کا مفہوم جماعت کا فرض یا واجب ہونا نہیں ہے کیونکہ جماعت کھڑی ہونے کے بعد آپؐ لوگوں کو جلانے کے لئے جائیں گے پس آپؐ اور آپؐ کے خدام جماعت سے متخلف ہونگے اور یہ بات کہ نبی ﷺ اور آپؐ کے خدام دوسری جماعت کرلیں گے: متخلفین کے حق میں بھی متحقق ہے، وہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم بھی دوسری جماعت کرلیں گے، غرض اس حدیث سے جماعت کی تاکید تو نکلتی ہے، مگر اس کا فرض یا واجب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

اور وہ سنن ومستحبات جو شعائرِ اسلام سے ہیں ان کے ترک پر سخت سزا دی جاسکتی ہے، پہلے یہ مسئلہ گذرا ہے کہ اگر کسی علاقہ کے لوگ اذان نہ دینے پر اتفاق کرلیں یا ختنہ نہ کرانے پر متفق ہوجائیں تو ان کے ساتھ قتال کیا جائے گا، حالانکہ احناف کے نزدیک اصح قول کے مطابق ختنہ کرانا سنت ہے [۲] معلوم ہوا کہ جو شعائر ہیں خواہ وہ سنن ومستحبات ہوں ان کے تارک کو قتل کی سزا دی جاسکتی ہے۔

دوسری دلیل: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی شخص کو اس کی ماں بربنائے شفقت عشاء کی نماز کے لئے مسجد جانے سے روکے تو ماں کی اطاعت ضروری نہیں۔

جاننا چاہئے کہ شرارت پسند لوگ دن میں تخریب کاری نہیں کرسکتے، دیکھ لئے جانے کا ڈر ہوتا ہے، اور فجر میں سوئے پڑے رہتے ہیں، البتہ عشاء کی نماز میں شرکت کرتے ہیں، اس لئے ماں بیٹے سے کہتی ہے کہ عشاء پڑھنے کے لئے مسجد مت جا، گھر پر نماز پڑھ لے تو ماں کی یہ بات ماننی ضروری نہیں، والدین کی اطاعت بیشک ضروری ہے مگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بھی ضروری ہے اور خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں: لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق: لہٰذا ماں کی بات ماننی ضروری نہیں، پس ثابت ہوا کہ جماعت سے نماز پڑھنا فرض یا واجب ہے۔

جاننا چاہئے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تابعی ہیں اور تابعین کے اقوال مجتہدین پر حجت نہیں، اس لئے اُن کا جواب دینا ضروری نہیں۔ علاوہ ازیں حضرت حسنؒ کے قول سے جماعت کی تاکید نکلتی ہے وجوب یا فرضیت نہیں نکلتی۔

فائدہ: جو حضرات جماعت کو فرض یا واجب کہتے ہیں ان کی ایک دلیل حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث اور ان کا فتوی بھی ہے، حدیث تو یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے اذان سنی پھر بھی وہ نماز کے لئے مسجد میں نہیں گیا تو اس کی نماز

(۱) محدثین کے نزدیک اعلی درجہ کی خبر واحد سے فرضیت ثابت ہوسکتی ہے، اس لئے امام بخاریؒ اور امام احمدؒ نے جماعت کو فرض کہا ہے، اور احناف کے نزدیک خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی، اس لئے ابن الہمامؒ نے واجب کی تعبیر اختیار کی ہے۔

(۲) والأصل: أَنَّ الخِتَانَ سُنَّةٌ كما جاء في الخَبَرِ، وهو من شَعائرِ الإسلام وخَصَائِصه، فلو اجْتَمَعَ أهلُ بَلَدَةٍ على تَرْكِه حارَبَهُمْ الإمامُ، فلا يُترك إلا لِعُذْرٍ (درمختار ۵: ۵۳۰)

نہیں (مشکوٰۃ حدیث ۱۰۷۷ باب الجماعۃ) اورفتوی یہ ہے کہ آپؓ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جورات بھر نفلیں پڑھتا ہے اور ہمیشہ روزے رکھتا ہے مگر جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا، آپؓ نے فرمایا: ایسا شخص جہنم میں جائے گا (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ۴۹)

اور جمہور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ وعید کی حدیث ہے جس میں ناقص کو کالعدم فرض کرکے گفتگو کی جاتی ہے، یعنی بلا عذر تارک جماعت کی نماز ناقص ہے مگر اس کو تہدیداً کالعدم قرار دیا گیا۔ اور حضرت ابن عباسؓ کا فتوی اس شخص کے بارے میں ہے جو جمعہ اور جماعت کو بے حیثیت سمجھتا ہے، ان کی بے قدری کرتا ہے اور ان کو کچھ اہمیت نہیں دیتا، وہ استخفاف کی بناء پر کافر ہے نہ کہ ترک جماعت کی بناء پر۔ واللہ اعلم

[۲۹-] بابُ وُجُوْبِ صَلاَۃِ الْجَمَاعَۃِ

وَقَالَ الْحَسَنُ: إِنْ مَنَعَتْهُ أُمُّهُ عَنِ الْعِشَاءِ فِيْ الْجَمَاعَةِ شَفَقَةً لَمْ يُطِعْهَا.

[۶۴۴-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِيْ الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ، لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ لِيُحْطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلاَةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلاً فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ" [انظر: ۶۵۷، ۲۴۲۰، ۷۲۲۴]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں نے بالیقین ارادہ کیا تھا کہ میں سوختہ کے بارے میں حکم دوں کہ وہ جمع کیا جائے، پھر نماز کا حکم دوں، پس اس کے لئے اذان کہی جائے، پھر میں ایک شخص کو حکم دوں جو لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں ایسے لوگوں کی طرف جاؤں (جو جماعت میں حاضر نہیں ہوئے) پس میں ان پر ان کے گھروں کو جلادوں۔ اور اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر ان میں سے ایک جان لے کہ وہ گوشت سے بھری ہوئی ایک ہڈی یا دو اچھے کھر پائے گا تو وہ ضرور عشاء کی نماز میں آئے۔

تشریح:

۱- آنحضور ﷺ نے جماعت سے پیچھے رہنے والوں کو ان کے گھروں سمیت جلانے کا ارادہ فرمایا تھا، پھر آپؐ کو عورتوں اور بچوں کا خیال آیا، جب گھروں میں بند کرکے متخلفین کو جلائیں گے تو عورتیں اور بچے بھی جل جائیں گے جبکہ ان کا کوئی قصور نہیں، اس لئے آپؐ نے ارادہ ملتوی کردیا، مسند احمد میں اس کی صراحت ہے (عمدۃ) اور اگر عورتوں اور بچوں کو گھر سے نکلنے کا موقع دیا جائے گا تو متخلفین بھی نکل جائیں گے، بیوی کا برقع پہن کر نکل جائیں گے —— اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر جماعت میں آنا نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنت، ورنہ عورتیں بھی اس سزا کی مستحق ہوتیں۔

۲- جماعت کا خاص طور پر عشاء کی جماعت کا بہت بڑا ثواب ہے، پہلے حدیث گذری ہے کہ اگر عشاء کی جماعت کا ثواب لوگوں کو معلوم ہو جائے تو وہ ضرور عشاء میں آئیں، اگرچہ سرین کے بل گھسٹ کر آئیں، مگر چونکہ وہ ثواب آخرت میں ملے گا اس لئے اس کی قدر معلوم نہیں، لیکن اگر اعلان کر دیا جائے کہ جو بھی عشاء کی نماز میں آئے گا اس کو گوشت سے بھری ہوئی ایک ہڈی یا بکری کے دو کارآمد کھر ملیں گے تو ہر شخص عشاء میں شریک ہو، جبکہ یہ دنیا کا حقیر فائدہ ہے، مگر انسان کا حال یہ ہے کہ وہ نقد فائدے کو ادھار فائدے پر ترجیح دیتا ہے، گوشت کی ایک ہڈی اور بکری کے دو کھر کے لئے تو آئے گا مگر اللہ نے جو ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اس پر جیسا یقین چاہئے نہیں ہے، اس لئے جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں نہیں آتا۔

بابُ فَضْلِ صَلاَةِ الْجَمَاعَةِ

جماعت کی نماز کی اہمیت

یہ جماعت کی اہمیت کا باب ہے، جب جماعت کے وجوب کا باب آگیا تو اس کے بعد جماعت کی اہمیت کا باب آنا ہی چاہئے، جماعت اگرچہ نماز کی صحت کے لئے شرط نہیں مگر اس کی بڑی اہمیت ہے، حدیثوں میں تنہا نماز اور باجماعت نماز کا موازنہ کیا گیا ہے، تنہا نماز کا ایک ثواب ہے اور باجماعت نماز کا پچیس گنا یا ستائیس گنا ثواب ہے، اس حدیث میں اشارہ ہے کہ تنہا نماز بھی صحیح ہے، اگر نماز کی صحت کے لئے جماعت شرط ہوتی جیسا کہ داؤد ظاہری اور غیر مقلدین کہتے ہیں تو تنہا نماز کا کوئی ثواب نہ ہوتا۔ معلوم ہوا کہ جماعت شرط صحت صلوٰۃ نہیں، اور جماعت کا پچیس گنا یا ستائیس گنا ثواب جماعت کی فضیلت ہے۔

[۳۰-] بابُ فَضْلِ صَلاَةِ الْجَمَاعَةِ

[۱-] وَكَانَ الْأَسْوَدُ إِذَا فَا تَتْهُ الْجَمَاعَةُ ذَهَبَ إِلٰى مَسْجِدٍ آخَرَ.

[۲-] وَجَاءَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ إِلٰى مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيْهِ، فَأَذَّنَ وَأَقَامَ، وَصَلَّى جَمَاعَةً.

[۶۴۵-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "صَلاَةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلاَةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً" [انظر: ۶۴۹]

[۶۴۶-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيْدُ بْنُ الْهَادِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، يَقُوْلُ: "صَلاَةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلاَةَ الْفَذِّ بِخَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً"

[۶۴۷-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: سَمِعْتُ

أَبَاصَالِحٍ، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" صَلاَةُ الرَّجُلِ فِيْ الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰى صَلاَ تِهِ فِيْ بَيْتِهِ وَفِيْ سُوْقِهِ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ ضِعْفًا، وَذٰلِكَ: أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ، لاَ يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلاَةُ، لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ، وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ، فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلاَئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ: اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ! اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ! وَلاَ يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلاَةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلاَةَ "[راجع: ۱۷٦]

۱- اسود بن یزید رحمہ اللہ جو حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے خاص شاگرد ہیں ان کا معمول تھا کہ اگر ان کی جماعت نکل جاتی تو وہ دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے جاتے تھے، اس سے جماعت کی اہمیت نکلی، مگر وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

۲- حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے تلامذہ کے ساتھ کہیں جارہے تھے، راستہ میں مسجد آئی، آپؓ نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں گئے، معلوم ہوا کہ جماعت ہوچکی ہے تو آپؓ نے اذان واقامت کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھی، اس سے بھی جماعت کی اہمیت نکلی، مگر وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

فائدہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے جماعتِ ثانیہ کے جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ آپؓ نے جس مسجد میں جماعت سے نماز پڑھی تھی وہ مسجد طریق تھی، اور مسجدِ طریق میں جماعت ثانیہ کرسکتے ہیں، جس مسجد کے نمازی متعین ہوں، امام مقرر ہو اور وہاں پنج وقتہ جماعت ہوتی ہو وہ محلّہ کی مسجد ہے اور جس مسجد کے امام اور نمازی متعین نہ ہوں راہ گذر اور مسافر وہاں نماز پڑھتے ہوں وہ مسجدِ طریق ہے، مسجدِ طریق میں جماعت ثانیہ کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں، اور مسجدِ محلّہ میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد محلّہ میں بھی بار بار جماعت کرنا بلا کراہت جائز ہے اور غیر مقلدین بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور جمہور کے نزدیک مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے، اس لئے کہ جماعت ثانیہ سے جماعتِ اولیٰ کی شان گھٹتی ہے، ہر شخص اپنی فرصت سے مسجد میں آئے گا اور جماعت کرے گا، اس لئے جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ مدنی زندگی میں ایک واقعہ بھی مسجدِ نبوی میں جماعت ثانیہ کا نہیں ملتا، جبکہ اس طویل عرصہ میں کوئی جماعت سے پیچھے نہ رہا ہو یہ بات عقلاً محال ہے، صرف ایک واقعہ ملتا ہے مگر وہ مسئلہ سے متعلق نہیں۔ ایک مرتبہ مسجدِ نبوی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہورہی تھی اور نماز ہوچکی تھی، ایک صحابی آئے اور انھوں نے تنہا نماز پڑھنے کا ارادہ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا: تم میں سے کون ان کے ساتھ بزنس کرے گا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور دونوں نے جماعت سے نماز پڑھی۔ صدیق اکبرؓ افضل تھے مگر وہ امام نہیں بنے، اس لئے کہ آپؓ متنفل تھے اور متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز نہیں ہوتی۔

یہ حدیث ترمذی میں ہے اور یہ حقیقت میں جماعت ثانیہ نہیں، اس لئے کہ جماعت ثانیہ میں امام اور مقتدی سب فرض

پڑھنے والے ہوتے ہیں جبکہ حضرت ابوبکرؓ فرض پڑھ چکے تھے، وہ متنفل تھے، پس یہ جماعت ثانیہ نہیں، اوراس کے علاوہ کوئی دوسرا واقعہ نہیں، جبکہ دس سال میں کوئی جماعت سے پیچھے نہ رہا ہو یہ بات ممکن نہیں۔ عام طور پر دوچار آدمی پیچھے رہ جاتے ہیں پھر بھی مسجدِ نبوی میں جماعت ثانیہ کا نہ ہونا دلیل ہے کہ جماعتِ ثانیہ جائز نہیں۔ اور عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ جماعت ثانیہ جائز نہ ہو، کیونکہ اس سے جماعت اولیٰ کی شان گھٹتی ہے، اور حضرت انسؓ کے واقعہ سے استدلال درست نہیں، اس لئے کہ انھوں نے مسجدِ طریق میں جماعت سے نماز پڑھی تھی، اوراس کی دلیل یہ ہے کہ آپؓ نے اذان دلوائی تھی جب کہ امام احمد رحمہ اللہ بھی اور غیر مقلدین بھی جماعت ثانیہ کے لئے دوبارہ اذان کے قائل نہیں، لہٰذا اس حدیث سے جماعت ثانیہ کے جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔

حدیثیں: اس باب میں تین حدیثیں ہیں اور تینوں گذر چکی ہیں، پہلی حدیث حضرت ابن عمرؓ کی ہے اس میں ستائیس گنا ثواب کا ذکر ہے اور حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں پچیس گنا ثواب کا ذکر ہے، اور اس تعارض کے علماء نے متعدد حل پیش کئے ہیں، مثلاً:

(۱) بڑا عدد چھوٹے عدد کو شامل ہوتا ہے، پس بڑا عدد لیں گے، چھوٹا عدد خود بخود اس کے ضمن میں آجائے گا۔

(۲) شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے کہ جماعت کے ایک اعتبار سے پچیس فائدے ہیں اور ایک اعتبار سے ستائیس، اس لئے کبھی آپ ﷺ کے پیش نظر پچیس فائدے رہے، پس آپ ﷺ نے پچیس گنا ثواب بیان کیا اور کبھی ستائیس فائدے پیش نظر رہے تو آپ ﷺ نے ستائیس گنا ثواب بیان کیا (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ میں ہے)

(۳) جماعت کا اصل ثواب پچیس گنا ہے مگر کبھی عوارض کی وجہ سے ستائیس گنا ہوجاتا ہے مثلاً امام نیک آدمی ہے یا جماعت میں نیک لوگ شامل ہیں یا جماعت بڑی ہے اس قسم کے عوارض سے ثواب پچیس گنا سے بڑھ کر ستائیس گنا ہوجاتا ہے۔

قولہ: وذلك أَنَّهُ: یہ ایک حدیثی تعبیر ہے، شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ بھی یہ تعبیر استعمال کرتے ہیں، میں نے رحمۃ اللہ الواسعہ میں سب جگہ اس کا ترجمہ کیا ہے: اوراس کی تفصیل یہ ہے یعنی جماعت کا ثواب پچیس گنا کیوں ہے؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس کو جماعت سے نماز پڑھنی ہے وہ بہترین وضو کرتا ہے اور جس کو تنہا نماز پڑھنی ہے وہ جلدی جلدی وضو کرتا ہے اور چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر فارغ ہوجاتا ہے، اسی طرح جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے جانے والے کو قدم قدم پر نیکیاں ملتی ہیں اور گناہ معاف ہوتے ہیں وقس علی ہذا۔ یہ فروق ہیں جن کی وجہ سے جماعت کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔

بابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ فِيْ جَمَاعَةٍ

فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کی اہمیت

اوپر جنرل باب تھا، اب تفصیلی ابواب شروع ہورہے ہیں، باب کی پہلی روایت یہ ہے کہ فجر کی نماز میں رات اور دن کے

فرشتے جمع ہوتے ہیں اور نمازِ فجر میں شریک ہوتے ہیں، اس سے نمازِ فجر کی اہمیت نکلی، اور دوسری حدیث سے اس طرح استدلال ہے کہ جماعت عہد پیغمبری کی یادگار ہے، اس لئے جماعت کا اہتمام کرنا چاہئے اور اوقاتِ ضیاع میں خصوصی اہتمام ہونا چاہئے، اور فجر کا وقت اوقات ضیاع میں سے ہے، پس نماز فجر باجماعت پڑھنے کا خاص طور پر اہتمام ہونا چاہئے کیونکہ یہ عہد پیغمبری کی یادگار ہے اور تیسری حدیث سے اس طرح استدلال ہے کہ اصول ہے: زیادتِ اجر کا مدار زیادتِ مشقت پر ہے، جس کام میں مشقت زیادہ ہوگی اس کا اجر بھی زیادہ ہوگا، اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے میں مشقت زیادہ ہے، پس فجر کی جماعت کا ثواب بھی زیادہ ہے، یہی فجر کی جماعت کی اہمیت ہے۔

[۳۱-] بابُ فَضْلِ صَلاَةِ الْفَجْرِ فِيْ جَمَاعَةٍ

[٦٤٨-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، وَأَبُوْ سَلَمَةَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: تَفْضُلُ صَلاَةُ الْجَمِيْعِ صَلاَةَ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ بِخَمْسَةٍ وَعِشْرِيْنَ جُزْءً ا، وَتَجْتَمِعُ مَلاَئِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلاَئِكَةُ النَّهَارِ فِيْ صَلاَةِ الْفَجْرِ، ثُمَّ يَقُوْلُ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: وَاقْرَؤُا إِنْ شِئْتُمْ ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾[الإسراء: ٧٨] [راجع: ١٧٦]

[٦٤٩-] قَالَ شُعَيْبٌ: وَحَدَّثَنِيْ نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: تَفْضُلُهَا بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً. [راجع: ٦٤٥]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: بڑھتی ہے جماعت کی نماز تم میں سے ایک کی تنہا نماز پر پچیس گنا، اور فجر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے اکٹھا ہوتے ہیں، پھر ابو ہریرہؓ نے کہا: اور اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھو: ''بیشک فجر میں قرآن پڑھنا (ملائکہ کی) حاضری کا وقت ہے'' معلوم ہوا کہ فجر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور وہ جماعت میں شریک ہوتے ہیں، اس سے فجر کی جماعت کی اہمیت نکلی۔

مذکورہ حدیث شعیب بواسطہ نافع، ابن عمرؓ سے بھی روایت کرتے ہیں ان کی روایت میں ستائیس گنا ثواب کا ذکر ہے، اور دونوں روایتوں میں جو تعارض ہے اس کا حل گذر چکا —— اور یہ دوسری حدیث تعلیق بھی ہوسکتی ہے، موصول ہونے کی صورت میں سند سابق سے مروی ہوگی یعنی امام بخاریؒ ابو الیمان سے، وہ شعیب سے، وہ نافع سے اور وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔

[٦٥٠-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمًا، قَالَ: سَمِعْتُ أُمَّ الدَّرْدَاءِ، تَقُوْلُ: دَخَلَ عَلَيَّ أَبُوْ الدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ، فَقُلْتُ: مَا أَغْضَبَكَ؟ قَالَ: وَاللهِ مَا أَعْرِفُ مِنْ أَمْرِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم شَيْئًا، إِلاَّ أَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا.

حدیث (۲): ام الدرداءؓ کہتی ہیں: میرے پاس حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ آئے درانحالیکہ وہ غصہ میں تھے، میں نے پوچھا: کس بات نے آپ کو غصہ دلایا؟ انھوں نے کہا: بخدا! نہیں دیکھتا میں نبی ﷺ کے امر میں سے کوئی چیز مگر یہ کہ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

تشریح: ام الدرداء دو ہیں: صغری اور کبری، دونوں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں، اور ام الدرداء صغری بڑی فقیہہ تھیں، انھوں نے حضرت ابوالدرداءؓ سے بہت سی حدیثیں محفوظ کی ہیں، وہ فرماتی ہیں: حضرت ابوالدرداءؓ ان کے پاس غصہ میں بھرے ہوئے آئے، ام الدرداءؓ نے پوچھا: آپؓ کو غصہ کس بات پر آرہا ہے؟ حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! آنحضور ﷺ کے زمانہ کی صورت حال بالکل بدل گئی ہے، آپؐ کے زمانہ کی کوئی چیز باقی نہیں رہی، بس ایک چیز باقی رہ گئی ہے کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں باقی سب چیزیں بدل گئیں!

ابھی بتایا تھا کہ اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ جماعت عہدِ پیغمبری کی یادگار ہے، پس جماعت کا خاص اہتمام ہونا چاہئے، جیسے چھبیس جنوری آزادی کی یادگار ہے اسی طرح جماعت عہدِ پیغمبری کی یادگار ہے، اور اس کو لوگ ضائع کرتے ہیں، اس لئے اس کا خاص اہتمام ہونا چاہئے یہی اس نماز کی فضیلت ہے۔

[۶۵۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلاَءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " أَعْظَمُ النَّاسِ أَجْرًا فِيْ الصَّلاَةِ أَبْعَدُهُمْ فَأَبْعَدُهُمْ مَمْشًى، وَالَّذِيْ يَنْتَظِرُ الصَّلاَةَ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا مَعَ الإِمَامِ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَنَامُ.

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ نماز کا ثواب اس کو ملتا ہے جو سب سے زیادہ دور سے چل کر (مسجد میں) آتا ہے پھر جو اس سے کم دور سے آتا ہے، اور جو شخص نماز کا انتظار کرتا ہے یہاں تک کہ امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اس کو اس سے زیادہ ثواب ملتا ہے جو تنہا نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔

تشریح:

۱- اس حدیث سے یہ ضابطہ اخذ کیا گیا ہے کہ ثواب بقدر مشقت ہوتا ہے (اور یہ قاعدہ آگے حدیث میں صراحۃً آرہا ہے، عمرہ باب ۸، حدیث ۱۷۸۷) فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے میں مشقت زیادہ ہے پس اس کا ثواب بھی زیادہ ہے، یہی جماعتِ فجر کی فضیلت ہے اور یہ ایک عام قاعدہ ہے اور باب خاص ہے فجر کی جماعت کے ساتھ، اور عام دلیل خاص دعوی کے لئے کافی ہوجاتی ہے کیونکہ خاص عام کا جزء ہوتا ہے۔

۲- تبلیغی احباب کہتے ہیں: جہاد حسن لغیرہ ہے، اور دعوت کا کام حسن لذاتہ ہے، پس جو ثواب حسن لغیرہ کے لئے ہے وہ ثواب ہمارے کام کے لئے بھی بدرجۂ اولیٰ ہوگا، ان کی یہ بات صحیح نہیں، ثواب کا مدار حُسن پر نہیں ہے، نماز بھی حسن لذاتہ ہے

مگراس کے لئے جہاد کا ثواب کوئی ثابت نہیں کرتا، بلکہ اجر کا مدار مشقت پر ہے اور جہاد کی مشقت میں اور دعوت کی مشقت میں آسمان وزمین کا فرق ہے، پس دونوں کا ثواب ایک نہیں ہوسکتا، اور آیات واحادیث جہاد کا تبلیغ کے کام کے لئے پڑھنا درست نہیں۔

۳- حدیث میں مَمْشًی (چلنے کے اعتبار سے) کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں، پس جو سائیکل پر یا کار میں مسجد آتا ہے اس کو بھی قرب وبعد کے اعتبار سے کم وبیش ثواب ملے گا، اور مَمْشًی کی قید اس لئے ہے کہ دورِاول میں سب پیدل مسجد میں آتے تھے، جیسے حدیث میں ہے کہ جو اچھی طرح وضو کر کے گھر سے نکلے اور مسجد جانے ہی کے لئے نکلے تو ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے اس حدیث میں بھی وضو کی قید اتفاقی ہے، وضو کئے بغیر مسجد میں جائے تو بھی ثواب ملے گا اور وضو کی قید عربوں کے عرف کے اعتبار سے ہے، عربوں کی مسجدوں میں وضو کا انتظام نہیں ہوتا، لوگ گھروں میں وضو کر کے آتے ہیں، اس لئے حدیث میں وضو کی قید ہے، اسی طرح دورِاول میں لوگ پیدل مسجد آتے تھے، اس لئے ممشًی کی قید ہے۔

۴- اس حدیث میں دوسرا مضمون یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھنے کے لئے مسجد جائے اور نماز کا انتظار کرے پھر امام کے ساتھ باجماعت نماز پڑھے اس کا ثواب یقیناً اس سے زیادہ ہے جس نے نہ نماز کا انتظار کیا اور نہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، بلکہ تنہا نماز پڑھ کر سو گیا، یہ بھی اسی ضابطہ سے ہے کہ اجر بقدر مشقت ہے۔

بابُ فَضْلِ التَّهْجِيْرِ إِلَى الظُّهْرِ

ظہر کی نماز کے لئے جلدی جانے کی اہمیت

گرم ممالک میں ظہر کی نماز کے لئے مسجد جانا مشقت بھرا کام ہے، اس لئے اس کا ثواب بھی زیادہ ہے، باب کی حدیث تین حدیثوں پر مشتمل ہے، مصری نسخہ میں ان پر الگ الگ نمبر ڈالے گئے ہیں، ان میں سے تیسری حدیث باب سے متعلق ہے، پہلی دو حدیثوں کا باب سے کچھ تعلق نہیں۔

[۳۲-] بابُ فَضْلِ التَّهْجِيْرِ إِلَى الظُّهْرِ

[۶۵۲-] حَدَّثَنِيْ قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ بِطَرِيْقٍ، وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيْقِ، فَأَخَّرَهُ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ. [انظر: ۲۴۷۲]

[۶۵۳-] ثُمَّ قَالَ: " الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ: المَطْعُوْنُ، وَالْمَبْطُوْنُ، وَالْغَرِيْقُ، وَصَاحِبُ الْهَدْمِ، وَالشَّهِيْدُ فِيْ

سَبِيْلِ اللّٰهِ" وَقَالَ:" لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِيْ النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ: لَاسْتَهَمُوْا عَلَيْهِ" [انظر: ۷۲۰، ۲۸۲۹، ۵۷۳۳]

[٦٥٤-] "وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْ التَّهْجِيْرِ: لَاسْتَبَقُوْا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْ الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا" [راجع: ٦١٥]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: دریں اثناء کہ ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا اس نے ایک کانٹے دار ٹہنی پائی، پس اس کو راستہ سے ہٹا دیا، پس اللہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی مغفرت کر دی۔

(۲) پھر فرمایا: "شہداء پانچ ہیں: طاعون میں مرنے والا، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، دب کر مرنے والا، اور راہِ خدا میں شہید ہونے والا" اور فرمایا: "اگر لوگ جان لیں وہ ثواب جو اذان دینے میں ہے اور پہلی صف میں نماز پڑھنے میں ہے، پس کوئی راہ نہ پائیں مگر یہ کہ قرعہ اندازی کریں تو وہ قرعہ اندازی کریں (حدیث کا یہ ٹکڑا کتاب الاذان میں گذرا ہے)

(۳) اور اگر لوگ دوپہر میں مسجد جانے کا ثواب جان لیں تو وہ مسجد کی طرف دوڑیں اور اگر عشاء اور صبح کی نماز کا ثواب جان لیں تو ضرور ان دونوں نمازوں میں آئیں اگرچہ گھسٹ کر آئیں (یہ حدیث بھی گذر چکی ہے)

قولہ: وَجَدَ غُصن شوك على الطريق: کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک: راستہ میں کوئی کانٹے دار ٹہنی پڑی تھی اس کو ایک طرف کر دیا۔ دوم: راستہ کے قریب کوئی کانٹے دار درخت تھا اس کی ٹہنی راستے میں جھک آئی تھی اس کو کاٹ دیا، اس کی جزاء میں اللہ نے اس کو بخش دیا۔

قولہ: الشهداء خمسة: جو شخص اللہ کے راستہ میں شہید ہوتا ہے وہ تو حقیقی شہید ہے، باقی چار حکماً شہید ہیں، وہ حقیقی شہید کے ساتھ ملحق ہیں، اور یہ الحاق ہی ان کی فضیلت ہے، جیسے طالب علموں کو مجاہد فی سبیل اللہ کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے **مَن خَرَجَ يطلُب العلمَ فهو في سبيل الله حتى يَرْجِعَ**: اور یہ الحاق ہی طالب علموں کی فضیلت ہے، غازی فی سبیل اللہ کے سب فضائل طالب علموں کے لئے ثابت نہیں کریں گے یا جیسے ایک موقع پر آنحضور ﷺ نے فرمایا: **سلمانُ مِنّا أهلَ البيت**: آپؐ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اپنے خاندان کے ساتھ لاحق کیا، یہ الحاق ہی ان کی فضیلت ہے، خاندانِ نبوت کے سارے فضائل حضرت سلمان فارسیؓ کے لئے ثابت نہیں کریں گے، صرف تبلیغ والے جہاد کے تمام فضائل اپنے کام کے لئے ثابت کرتے ہیں جو صحیح نہیں۔ دعوت و تبلیغ کا کام بے شک راہِ خدا کا کام ہے، مگر یہ الحاق ہی ان کے لئے فضیلت ہے، طالب علموں کے لئے مجاہدین کے سب فضائل کوئی ثابت نہیں کرتا، اسی طرح نبی ﷺ نے چار شخصوں کو شہید حقیقی کے ساتھ لاحق کیا ہے، یہ الحاق ہی ان کی فضیلت ہے، شہید فی سبیل اللہ کے جملہ فضائل جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں وہ شہداء حکمی کے لئے ثابت نہیں کئے جائیں گے۔

جاننا چاہئے کہ یہ چار جو شہداء حکمی ہیں: بطور مثال ہیں، اوجز المسالک شرح موطا مالک میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا

صاحب قدس سرہ نے تمام روایتیں اکٹھا کی ہیں اور ساٹھ سے زیادہ شہداء حکمی جمع کئے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ چار بطور مثال ہیں۔

بابُ احْتِسَابِ الآثَارِ

نشاناتِ قدم پر ثواب کی امید رکھنا

مسجد آنے جانے میں جو قدم اٹھتے ہیں، ان پر بھی ثواب ملتا ہے اس لئے ان پر ثواب کی امید رکھنی چاہئے۔ احتساب کے معنی ہیں: ثواب کی امید رکھنا، اور الآثار کے معنی ہیں: نشانات قدم یعنی مسجد آنے جانے میں جو قدم اٹھتے ہیں ان کے نشانات۔ اور اس سے بھی جماعت کی فضیلت نکلتی ہے۔

حدیث: انصار کا ایک قبیلہ بنوسلمہ تھا، وہ مسجدِ نبوی سے فاصلہ پر مدینہ منورہ کے آخری کنارے میں رہتا تھا، مسجدِ نبوی کے قریب ایک زمین فروخت ہورہی تھی، اس قبیلہ نے چاہا کہ وہ زمین خرید لیں اور وہاں بس جائیں، تاکہ مسجد آنے جانے میں سہولت ہو، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے ان سے فرمایا: کیا تم اپنے نشاناتِ قدم پر ثواب کی امید نہیں رکھتے؟ یعنی تمہارا دور سے مسجدِ نبوی میں آنا جانا ثواب سے خالی نہیں، پھر تم قریب آکر اپنا ثواب کیوں کھوتے ہو؟

اور حقیقی وجہ یہ تھی کہ بنوسلمہ جہاں آباد تھے وہ خطرہ کی جگہ تھی، اس طرف سے دشمن شہر پر حملہ کرسکتا تھا اور بنوسلمہ مضبوط اور جنگو قبیلہ تھا، دشمن کا مقابلہ کرسکتا تھا اس لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ وہ قبیلہ وہاں سے ہٹ جائے۔

اس حدیث سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ بستی میں داخل ہونے کے جو راستے ہیں ان کی حفاظت ضروری ہے، وہاں بہادر خاندان بسانے چاہئیں تاکہ اطراف شہر محفوظ ہوجائیں۔

ملحوظہ: ہندوستانی نسخہ میں عبارت میں سقطہ ہے، مصری نسخہ سے تصحیح کی ہے۔

[۳۳-] بابُ احْتِسَابِ الآثَارِ

[٦٥٥-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " يَا بَنِيْ سَلَمَةَ! أَلَا تَحْتَسِبُوْنَ آثَارَكُمْ؟" وَقَالَ مُجَاهِدٌ فِيْ قَوْلِهِ: ﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَآثَارَهُمْ﴾ [يس: ١٢] قَالَ: خُطَاهُمْ. [انظر: ٦٥٦، ٧١٨٧]

[٦٥٦-] وَزَادَ ابْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، أَخْبَرَنِيْ يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ حُمَيْدٌ، قَالَ حَدَّثَنِيْ أَنَسٌ، أَنَّ بَنِيْ سَلَمَةَ أَرَادُوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوْا عَنْ مَنَازِلِهِمْ، فَيَنْزِلُوْا قَرِيْبًا مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: فَكَرِهَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُعْرُوْا الْمَدِيْنَةَ، فَقَالَ: " أَلَا تَحْتَسِبُوْنَ آثَارَكُمْ؟" قَالَ مُجَاهِدٌ: خُطَاهُمْ: آثَارُ الْمَشْيِ فِيْ الْأَرْضِ بِأَرْجُلِهِمْ. [راجع: ٦٥٥]

(پہلی حدیث) ارشاد فرمایا: ''اے بنوسلمہ! کیا تم اپنے قدموں پر ثواب کی امید نہیں رکھتے؟ —— اس حدیث میں اور یٰس کی آیت ۱۲ میں لفظ آثار آیا ہے، مجاہدؒ نے اس کا ترجمہ خُطَاهُمْ کیا ہے (یہ تفسیر حدیث دوم کے بعد بھی آرہی ہے)

(دوسری حدیث) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بنوسلمہ نے اپنی جگہ سے منتقل ہونے کا ارادہ کیا، تاکہ وہ نبی ﷺ کے قریب آبسیں، نبی ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ مدینہ (کی جوانب) کو ننگا کردیں یعنی بنوسلمہ کے مسجد کے قریب آجانے سے شہر کی وہ جانب غیر محفوظ ہوجائے گی، چنانچہ آپؐ نے ان سے فرمایا: ''کیا تم اپنے قدموں کے ثواب کی امید نہیں رکھتے؟'' —— اس حدیث میں بھی لفظ آثار آیا ہے، مجاہدؒ نے اس کی تفسیر خُطاهم سے کی ہے، یعنی زمین پر چلنے کے نشانات، یہاں ہمارے نسخوں میں دوبارہ مجاہدؒ کی تفسیر نہیں ہے، مصری نسخہ میں اور فتح وعمدہ کے نسخوں میں ہے۔ اور آثار المشی إلخ: امام بخاری یا کسی اور کی تفسیر ہے، مجاہدؒ کا قول صرف خُطاهم ہے۔

لغت: أَعْرىٰ فلاناً ثوبه و من ثوبه: برہنہ کرنا، کپڑے اتروانا۔ **قوله:** فَكَرِهِ: نبی ﷺ کو یہ برا معلوم ہوا کہ مدینہ کو ننگا کریں۔

فائدہ: مجاہد رحمہ اللہ نے صرف ایک لفظ بولا ہے، بڑے لوگ مختصر بولتے ہیں، حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ میں ہے: ﴿هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ﴾: یہ میری بیٹیاں ہیں، بناتی سے کون مراد ہے؟ اپنی صاحبزادیاں یا قوم کی بیٹیاں؟ لوط علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں تھیں، اور نبی قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے، پس قوم کی عورتیں بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے تفسیر کی: و كانت له بنتان: لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں، پس وہ آیت کا مصداق کیسے ہوسکتی ہیں؟ بناتی جمع ہے، اور اقل جمع تین ہے، پس لامحالہ قوم کی عورتیں مراد ہیں، دیکھو! ایک جملہ میں سارا مسئلہ حل کردیا۔

بابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ فِی الْجَمَاعَةِ

عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے کی اہمیت

عہدِ نبوی میں مسجدِ نبوی میں چراغ نہیں جلتا تھا اس لئے منافقین عشاء اور فجر میں غیر حاضر رہتے تھے، اور کسی وجہ سے آنا پڑتا تو ہارے جی اور ناگواری کے ساتھ آتے تھے، پس یہ دو نمازیں منافقین اور مخلصین کے درمیان حد فاصل ہیں، اس سے زیادہ عشاء کی اہمیت کیا ہوسکتی ہے؟ نیز جو شخص عشاء کی نماز باجماعت پڑھتا ہے اس کو نبی ﷺ نے نفاق سے بری قرار دیا ہے، یہ عشاء کی دوسری فضیلت ہے۔

[۳۴-] بابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ فِی الْجَمَاعَةِ

[۶۵۷-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِیْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ أَبُوْ صَالِحٍ، عَنْ

أَبِیْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیه وسلم: " لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْحَبْوًا، وَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَيُقِيْمَ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا يَؤُمُّ النَّاسَ، ثُمَّ آخُذَ شُعَلًا مِنْ نَارٍ، فَأُحَرِّقَ عَلَى مَنْ لَا يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ بَعْدُ" [راجع: ٦٤٤]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: منافقین پر عشاء اور فجر سے زیادہ بھاری کوئی نماز نہیں، اور اگر جان لیں لوگ وہ ثواب جو عشاء اور فجر میں ہے تو ضرور دونوں میں آئیں، اگرچہ گھسٹتے ہوئے آئیں، اور بخدا! میں نے ارادہ کیا تھا کہ مؤذن کو حکم دوں، پس وہ اقامت کہے، پھر کسی کو حکم دوں جو امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر میں آگ کا شعلہ لوں پس ان لوگوں کو جلا دوں جو اذان کے بعد نماز کے لئے نہیں نکلے۔

تشریح: آخُذ شُعَلاً: آج کل آگ جلانا آسان ہے، آنحضور ﷺ کے زمانہ میں آگ جلانا آسان نہیں تھا، چق ماق سے آگ جلاتے تھے، یہ دو خاص قسم کے پتھر تھے، ان کو آپس میں ٹکراتے تھے، ان سے شرارے نکلتے تھے، اور ان سے آگ جلتی تھی، پھر ایک سے دوسری اور تیسری آگ جلاتے تھے، گھروں میں آگ لگانی ہو تو چق ماق سے آگ کیسے جلائیں گے، اس لئے خدام آگ ساتھ لے کر جائیں گے اور مشعل جو آپ نے دیکھی ہے وہی شعلہ ہے .... بعدُ: مبنی برضمہ ہے، مضاف الیہ محذوف منوی ہے أی بعدَ الأذان، اس کے عموم میں عشاء کی نماز بھی آتی ہے۔

بابٌ: اثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ

دو یا زیادہ آدمی جماعت ہیں

یہ ایک حدیث ہے اور متعدد صحابہ سے مروی ہے، مگر سب کی سندیں ضعیف ہیں (۱) امام بخاریؒ باب میں اشارہ کے طور پر بھی یہ حدیث نہیں لائے، بس حدیث کے لفظوں سے باب قائم کیا اور یہ حدیث درحقیقت سفر کے بارے میں ہے اور ایک دوسری حدیث کے لئے ناسخ ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: الراکب شیطان، والراکبان شیطانان والثلاثة رکبٌ (مشکوٰۃ حدیث ۳۹۱۰) جب حالات ناساز تھے جنگیں ہو رہی تھیں اس وقت یہ ارشاد تھا کہ ایک سوار شیطان ہے، اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار قافلہ ہیں، یعنی ایک یا دو آدمی سفر نہ کریں تین مل کر سفر کریں، کیونکہ تین قافلہ ہیں، مگر بعد میں حالات

(۱) یہ حدیث اصحابِ صحاح ستہ میں سے صرف ابن ماجہ نے روایت کی ہے، اس کو ربیع بن بدر اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں، ربیع حد درجہ ضعیف راوی ہے، اور اس کا باپ بدر مجہول ہے، صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب میں یہ روایت ہے، مگر ہر سند کمزور ہے، البتہ مسند احمد (۵: ۲۶۹) میں ولید بن ابی مالک کی سند کے تمام روات ثقہ ہیں، مگر وہ مرسل ہے (حاشیہ البانی علی مشکوٰۃ المصابیح حدیث ۱۰۸۱ بابُ الجماعة وفضلها)

سازگار ہوگئے پس دو کو اجازت دی کہ وہ مل کر سفر کر سکتے ہیں، اور تنہا سفر کرنے کی ممانعت منسوخ ہوئی یا نہیں؟ جواب: علماء کا خیال ہے کہ اگر حالات بالکل سازگار ہوں تو تنہا آدمی بھی سفر کرسکتا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ایک زمانہ آئے گا جب صنعاء یمن سے ایک عورت تنہا اونٹ پر بیٹھ کر اور اپنی بکریاں ساتھ لے کر مکہ آئے گی، اسے راستہ میں کسی کا ڈر نہیں ہوگا سوائے اللہ کے، اور بکریوں پر بھیڑیے کے۔ معلوم ہوا کہ تنہا آدمی سفر کرسکتا ہے۔

یا یوں کہیں کہ یہ تینوں حدیثیں الگ الگ احوال کے لئے ہیں، جب حالات خطرناک ہوں، فسادات ہو رہے ہوں تو ایک یا دو آدمیوں کو سفر نہیں کرنا چاہئے، اور حالات سازگار ہوں تو دو آدمی سفر کر سکتے ہیں، بلکہ اگر کوئی خطرہ نہ ہو تو تنہا بھی سفر کر سکتے ہیں، اس طرح تینوں حدیثوں میں تطبیق ہوجائے گی، ناسخ و منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں رہے گی، اور یہاں باب کا مقصد یہ ہے کہ اگر دو آدمی مل کر جماعت کریں تو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔

[۳۵-] بابٌ: اثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ

[۶۵۸-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا وَأَقِيْمَا، ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا"

[راجع: ۶۲۸]

وضاحت: یہ حدیث پہلے گذری ہے، مالک بن الحویرثؓ اور ان کے قبیلہ کے کچھ حضرات علم حاصل کرنے کے لئے مدینہ منورہ آئے، بیس دن قیام کیا، جب واپسی کا وقت آیا تو مالک بن الحویرث اور ان کے چچازاد بھائی آنحضور ﷺ سے ملاقات کے لئے آئے، آپؐ نے نصیحت فرمائی کہ راستہ میں جب نماز کا وقت ہوجائے تو دونوں میں سے کوئی ایک اذان دے، پھر اقامت کہے، پھر جو بڑا ہے وہ امامت کرے۔ اس حدیث سے بہ ظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سفر میں دو ہی ساتھی تھے اور وہ جماعت کریں گے تو ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ اس مناسبت سے یہاں یہ حدیث لائے ہیں۔

بابٌ: مَنْ جَلَسَ فِيْ الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ، وَفَضْلِ الْمَسَاجِدِ

مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرنا اور مساجد کی اہمیت

مسجد میں بیٹھ کر نماز کے انتظار کرنے والے کو دو فائدے حاصل ہوتے ہیں، ایک: وہ حکماً نماز میں ہوتا ہے، اس لئے اس کو نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے، دوسرا: فرشتوں کی دعائیں حاصل ہوتی ہیں، اور یہ باب کا پہلا جزء ہے اور دوسرا جزء ہے: فضل المساجد: مساجد کی اہمیت، مذکورہ دونوں باتوں سے مساجد کی اہمیت بھی نکلتی ہے، یعنی باب کے پہلے جزء سے دوسرا جزء ثابت ہے، دوسرے جزء کو ثابت کرنے کے لئے الگ سے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

[٣٦-] بابٌ: مَنْ جَلَسَ فِيْ الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلاَةَ، وَفَضْلِ الْمَسَاجِدِ

[٦٥٩-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيْ الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" الْمَلاَئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلٰى أَحَدِكُمْ مَادَامَ فِيْ مُصَلاَّهُ، مَالَمْ يُحْدِثْ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ! اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ! لاَيَزَالُ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلاَةٍ مَا دَامَتِ الصَّلاَةُ تَحْبِسُهُ، لاَيَمْنَعُه أَنْ يَنْقَلِبَ إِلٰى أَهْلِهِ إِلاَّ الصَّلاَةُ" [راجع: ١٧٦]

حدیث(۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرشتے تم میں سے ہر ایک کے لئے برابر دعائیں کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ میں رہتا ہے، جب تک وہ حدث نہیں کرتا (کہتے ہیں:) اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اے اللہ! اس پر رحم فرما (اور) تم میں سے ہر ایک برابر (حکماً) نماز میں رہتا ہے جب تک نماز اس کو روکے رہتی ہے اس کو گھر والوں کی طرف پلٹنے سے نہیں روکتی مگر نماز یعنی جب تک نماز کا انتظار کرتا ہے نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

تشریح: یہ حدیث کئی مرتبہ آچکی ہے، اور اس سے باب کے پہلے جزء پر استدلال واضح ہے اور دوسرا جزء خود بخود ثابت ہوگا یا لفظ مُصَلَّی دوسرے جزء سے متعلق ہے کیونکہ اس سے مسجد مراد ہے، اور ما کانت الصلوٰۃ تحبسہ سے بھی فضل المساجد پر استدلال کرسکتے ہیں، کیونکہ اس سے مسجد میں بیٹھنا مراد ہے۔

[٦٦٠-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ: الإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مَعَلَّقٌ فِيْ الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِيْ اللّٰهِ: اجْتَمَعَا عَلَيْهِ، وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ إِخْفَاءً، حَتّٰى لاَ تَعْلَمُ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ"[انظر: ١٤٢٣، ٦٤٧٩]

حدیث(۲): نبی ﷺ نے فرمایا: سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایے میں رکھیں گے، جس دن انہی کا سایہ ہوگا: (۱) انصاف پرور بادشاہ (۲) اور وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا (۳) اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے (یہی جزء ترجمۃ الباب سے متعلق ہے) (۴) اور وہ دو شخص جو اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کریں: دونوں اس پر اکٹھا ہوں اور اس پر جدا ہوں (۵) اور وہ جس کو بڑے مرتبہ والی خوبصورت خاتون نے دعوت عیش دی، پس اس نے کہا: میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) اور وہ جس نے چپکے سے خیرات کی یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ نے نہیں جانا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا (۷) اور وہ جس نے اللہ کو تنہائی میں یاد کیا پس اس کی دونوں آنکھیں بہہ پڑیں۔

تشریح: وہ خوش نصیب بندے جن کو قیامت کے دن اللہ کا سایہ نصیب ہوگا وہ سات میں منحصر نہیں، اس حدیث میں

سات کا ذکر بطور مثال ہے، دیگر روایات میں ان کے علاوہ بندوں کا بھی ذکر آیا ہے، یہ بندے بڑے خوش نصیب ہیں، میدان محشر میں جب لوگ دھوپ سے انتہائی پریشان ہوں گے: یہ بندے اللہ کے سایہ میں آرام سے ہونگے۔

۱-اور اللہ کی عبادت میں پروان چڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عنفوانِ شباب سے اللہ کے احکام کا پابند ہو، وہ شروع ہی سے اللہ کی عبادت سے دلچسپی رکھتا ہو —— اور مسجد کے ساتھ دل اٹکا ہوا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مسجد سے نکلنے کے بعد اس کو اگلی نماز کا انتظار رہتا ہو، وہ اگلی نماز مسجد میں آ کر ہی پڑھتا ہو (اس سے مسجد کی فضیلت نکلی) —— اور اللہ کے لئے دو محبت کرنے والے جو اسی جذبہ سے ملتے ہیں اور اسی جذبہ سے جدا ہوتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی محبت خالص لوجہ اللہ ہے، اور دائمی ہے —— مَنصِب (صاد کے زیر) کے معنی ہیں: مرتبہ اور ایک روایت میں حَسَب آیا ہے، اس کے معنی ہیں: خاندانی خوبیاں، یعنی ایک معزز عورت جو حسین وجمیل بھی ہے، —— دعوت عیش دیتی ہے، مگر وہ بندہ اللہ کے ڈر سے گناہ سے بچ جاتا ہے —— اور صدقہ برملا کرنا بھی ایک فضیلت رکھتا ہے، سورۃ البقرہ آیت ۲۷۱ میں ہے: ﴿إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّاهِيَ﴾: اگر تم صدقہ ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھی بات ہے کیونکہ کبھی اس سے دوسروں کو ترغیب ہوتی ہے اور چھپا کر غریب کو دینا اور بھی بہتر ہے، اسی آیت میں ہے: ﴿وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾: اور اگر تم صدقہ چھپا کر فقیروں کو دو تو یہ اخفاء تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اور اس حدیث میں اخفاء کے اعلیٰ درجہ کا بیان ہے کہ اتنا چھپایا کہ بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا، یہ انتہائی درجہ کا اخفاء ہے.......... اور تنہائی میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے رونا: اخلاص کا پیکر محسوس ہے، مجمع میں تو دکھاوے کے آنسو بھی نکلتے ہیں مگر تنہائی میں نکلنے والے آنسو محبت ہی کے آنسو ہوتے ہیں۔

۲-بعض لوگ اس حدیث میں فی ظِلِّ عَرْشِهِ بڑھاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان سات بندوں کو عرش کا سایہ دیں گے، مگر یہ لفظ کسی حدیث میں نظر سے نہیں گذرا، اور اللہ کا عرش مادی بھی نہیں کہ اس کا سایہ ہو اور فی ظله اور إلا ظلّه میں اضافت تشریف کے لئے ہے اور یہ سایہ مخلوق (پیدا کیا ہوا) ہے اور اس کی حقیقت معلوم نہیں، اور یہ صفاتِ متشابہات کی حدیث نہیں ہے کہ عرش کے سایہ سے اس کی تاویل ضروری ہو[1] جیسے بیت اللہ میں اضافت تشریف کے لئے ہے یعنی متبرک جگہ اس لئے اس میں بھی کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

---

(۱) صفاتِ متشابہات کے بارے میں سلف کا مذہب تنزیہ مع التفویض ہے، تنزیہ کے معنی ہیں: پاک کرنا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی صفات مخلوق کی صفات جیسی نہیں، اللہ اس سے پاک ہیں اور تفویض کے معنی ہیں: سپرد کرنا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کی حقیقت بہتر جانتے ہیں، ہمیں ان کی حقیقت معلوم نہیں، اور خلف کے نزدیک تنزیہ مع التاویل بھی جائز ہے، یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی صفات مخلوق کی صفات جیسی نہیں، پھر اللہ کے شایانِ شان تاویل کرنا جائز ہے، تاکہ بیمار ذہن اور بے پینڈے کے لوٹے لڑھک نہ جائیں، ان کو مطمئن کرنے کے لئے اللہ کے شایانِ شان صفات متشابہات کی تاویل کرنا جائز ہے، مزید تفصیل آگے آئے گی، اور تحفۃ الالمعی (۲:۵۸۴) اور علمی خطبات (۱:۱۱۶) میں بھی تفصیل ہے۔

۳-ایک بندہ وہ ہے جو مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا ہے، وہ بحکم نماز ہے اس کو نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے اور فرشتے اس کے لئے دعائیں کرتے ہیں، اور دوسرا بندہ وہ ہے جو نماز پڑھ کر دوکان پر، کھیت میں یا گھر چلا گیا مگر اس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے، یعنی اس کو فکر ہے کہ اگلی نماز مسجد میں آ کر باجماعت پڑھنی ہے، اس کے لئے یہ ثواب ہے کہ قیامت کے دن اس کو اللہ کا سایہ نصیب ہوگا۔ اور المساجد میں اشارہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں نماز پڑھنی ضروری نہیں، بس مسجد میں نماز پڑھنی ضروری ہے، خواہ کسی مسجد میں پڑھے، اس لئے المساجد: جمع لائے، اور اس سے مسجد کی فضیلت نکلی.......... مَنصِب: عربی میں صاد کا زیر ہے اور اردو میں صاد کا زبر ہے، بعض طلبہ عربی میں بھی زبر پڑھتے ہیں یہ صحیح نہیں، اس کا خیال رکھنا چاہئے..........
دائیں ہاتھ نے خرچ کیا اور بائیں ہاتھ کو پتا نہیں چلا: یہ محاورہ ہے، اردو میں کہتے ہیں: اس کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلا، فرشتے نامہ اعمال لکھ رہے ہیں پھر ان کو کیسے پتا نہیں چلے گا؟ یہ صرف محاورہ ہے۔

[٦٦١-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، قَالَ: سُئِلَ أَنَسٌ: هَلِ اتَّخَذَ رَسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم خَاتَمًا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، أَخَّرَ لَيْلَةً صَلاَةَ الْعِشَاءِ إِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ بَعْدَ مَا صَلَّى، فَقَالَ: "صَلَّى النَّاسُ وَرَقَدُوْا وَلَمْ تَزَالُوْا فِيْ صَلاَةٍ مُنْذُ انْتَظَرْتُمُوْهَا" قَالَ: فَكَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى وَبِيْصِ خَاتِمِهِ. [راجع: ٥٧٢]

حدیث (۳): حمید طویل نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے انگوٹھی بنائی تھی؟ اور کیا آپؐ نے انگوٹھی پہنی تھی؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: ہاں، آپؐ نے انگوٹھی بنائی تھی اور پہنی بھی تھی، پھر وہ واقعہ سنایا جو پیچھے گذر چکا کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ تہائی رات پر عشاء پڑھانے کے لئے آئے، عشاء پڑھا کر آپؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: دوسری مسجدوں میں لوگ عشاء پڑھ کر سو گئے صرف تم اب تک نماز کا انتظار کر رہے ہو اور جب تک تم نماز کا انتظار کر رہے ہو نماز میں ہو، یعنی نماز کا انتظار کرنے کی وجہ سے تمہیں نماز کا ثواب مل رہا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: اس وقت انگشت میں انگوٹھی تھی میں اب بھی اس کی چمک دیکھ رہا ہوں یعنی وہ انگوٹھی میری نظروں میں بسی ہوئی ہے —— یہ جو نبی ﷺ نے مژدہ سنایا کہ منتظر صلوٰۃ بحکم صلوٰۃ ہے یہ ثواب مسجد میں نماز کے انتظار کا ہے، گھر اور کمرے میں نماز کا انتظار کرنے میں یہ ثواب نہیں، پس اس سے مسجد کی فضیلت نکلی۔

بابُ فَضْلِ مَنْ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ وَمَنْ رَاحَ

مسجد آنے جانے کی اہمیت

غَدَا کے معنی ہیں: صبح کے وقت جانا اور راح کے معنی ہیں: زوال کے بعد جانا، مگر کبھی دونوں مطلق آنے جانے کے معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں، جب بھی کوئی بندہ نماز کے لئے مسجد آتا جاتا ہے تو ہر مرتبہ اس کے سامنے جنت کی میزبانی پیش

کی جاتی ہے، یہی مسجد کی فضیلت ہے —— امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں خَرَجَ اور رَاحَ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، غدا لفظ استعمال نہیں کیا، البتہ مصری نسخہ میں غدا ہے اور حدیث میں بھی یہی لفظ ہے۔ اور خَرَجَ کے معنی ہیں: جانا، پس یہاں رَاحَ کے معنی ہونگے واپس آنا، یہیں سے میں نے یہ بات کہی تھی کہ جس طرح مسجد جانے میں قدموں پر ثواب ملتا ہے واپس آنے پر بھی ثواب ملتا ہے۔ واللہ اعلم

[۳۷-] بابُ فَضْلِ مَنْ خَرَجَ إِلَی الْمَسْجِدِ وَمَنْ رَاحَ

[۶۶۲-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ، عَنْ زَيْدِ ابْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "مَنْ غَدَا إِلَی الْمَسْجِدِ وَرَاحَ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُ نُزُلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبح اور شام مسجد کی طرف جاتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی میزبانی تیار کرتے ہیں جب بھی وہ مسجد میں آتا جاتا ہے۔

تشریح: حدیث میں لفظ غَدا ہے، پھر بھی امام بخاریؒ نے باب میں لفظ خَرَجَ رکھا ہے، تاکہ حدیث ہر آنے جانے کو عام ہوجائے، پانچوں نمازوں کے لئے آنے جانے کا یہی صلہ ہے۔ پس خَرَجَ اور رَاحَ کے معنی ہیں: آنا جانا، اور نُزُل کے معنی ہیں: میزبانی، یہ میزبانی پیش کرنا مسجد کی فضیلت ہے، پس یہ باب فضل المساجد کا ذیلی باب ہے۔

بابٌ: إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ

جب تکبیر شروع ہوجائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں

اس باب میں دو مسئلے ہیں: ایک: اقامہ شروع ہونے کے بعد فجر کی سنتیں پڑھے یا نہیں؟ دوم: اگر کسی نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھیں تو فجر کے فرض پڑھنے کے بعد سورج نکلنے سے پہلے سنتیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث ہیں:

پہلی حدیث: امام بخاری رحمہ اللہ نے جو ترجمہ قائم کیا ہے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو سب کتب حدیث میں ہے، مسلم شریف میں بھی ہے، اور یہ حدیث موقوف ہے یا مرفوع؟ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کا فتوی ہے یا آنحضور ﷺ کا ارشاد؟ عمرو بن دینار کے تلامذہ میں اختلاف ہے، بعض اس کو موقوف کرتے ہیں اور بعض مرفوع (۱) اس وجہ سے

(۱) زکریا بن اسحاق، ایوب، ورقاء بن عمر، زیاد بن سعد، اسماعیل بن مسلم اور محمد بن جُحادہ نے مرفوع کیا ہے اور حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ نے موقوف، امام ترمذیؒ نے مرفوع کو اصح قرار دیا ہے۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کی تخریج نہیں کی، بلکہ اس کے الفاظ سے باب قائم کیا ہے —— نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کھڑی کردی جائے یعنی اقامہ شروع ہوجائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں''

دوسری حدیث: حضرت قیس رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، سلام پھیرنے کے بعد نبی ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھے، آپؐ نے مجھے دیکھا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں، جب میں نماز سے فارغ ہوکر جانے لگا تو آپؐ نے فرمایا: مَهلاً یا قیس! قیس! ذرا ٹھہرو، أَصَلاَ تَانِ مَعًا؟ یہ ڈبل ڈبل نماز کیسی؟ یعنی تم نے فرضوں کے بعد کونسی نماز پڑھی؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں، فرض نماز کے بعد میں نے وہ سنتیں پڑھیں، آپؐ نے فرمایا: فلا إذًا: جمہور اس کا ترجمہ کرتے ہیں: تب بھی نہیں، یعنی اگرچہ فجر کی سنتیں نہیں پڑھیں پھر بھی فرض نماز کے بعد نفل پڑھنا جائز نہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ ترجمہ کرتے ہیں: پس کوئی بات نہیں، یعنی اگر تم نے سنتیں نہیں پڑھیں تو کوئی حرج نہیں، فرض پڑھنے کے بعد سنتیں پڑھ سکتے ہو —— یہ حدیث ترمذی (حدیث ۴۲۳) میں ہے اور منقطع ہے اس کو محمد بن ابراہیم نے حضرت قیس سے روایت کیا ہے اور محمد کا حضرت قیس سے لقاء وسماع نہیں، نیز محمد بن ابراہیم کے شاگرد سعد بن سعید کے تلامذہ میں اختلاف ہے، عبدالعزیز بن محمد اس کو موصول کرتے ہیں اور عطاء بن ابی رباح مرسل، یعنی سند میں حضرت قیسؓ کا ذکر نہیں کرتے بلکہ محمد بن ابراہیم: حضرت قیس کا واقعہ بیان کرتے ہیں، اور محمد تابعی ہیں جو مجلس میں موجود نہیں تھے۔

تیسری حدیث: عبداللہ بن مالک بن بُحینة کہتے ہیں: آنحضور ﷺ ایک شخص کے پاس سے گذرے جو فجر کی سنتیں پڑھنے کا ارادہ کررہا تھا درانحالیکہ تکبیر ہورہی تھی آپؐ نے چپکے سے اس سے کچھ کہا، جس کو ہم نہیں سمجھ سکے، نماز کے بعد ہم نے اس کو گھیرا اور اس سے پوچھا کہ نبی ﷺ نے کیا فرمایا تھا؟ اس نے کہا: آپؐ نے فرمایا: یُوْشِكُ أن یُصَلِّيَ أحدُكم الصبحَ أَرْبَعًا: قریب زمانہ ہے کہ تم میں سے بعض صبح کی چار رکعتیں پڑھیں گے۔ یہ حدیث مسلم شریف (حدیث ۷۱۱) میں ہے، اور بخاری میں یہ ہے کہ آپؐ نے فجر کے بعد دومرتبہ فرمایا: آلصبح أربعا: کیا فجر چار رکعتیں ہیں؟ غرض آپؐ نے تکبیر شروع ہونے کے بعد سنتیں پڑھنے سے منع فرمایا۔

فائدہ: عبداللہ بن مالک ابن بُحینة قبیلہ اسد کے تھے ان کے ابا مالک زمانہ جاہلیت میں مکہ آئے تھے اور قریش کے قبیلہ بنی المطلب بن عبد مناف کے حلیف بنے تھے، اس زمانہ میں باہر والوں کو مکہ میں بسنے کے لئے مکہ کے کسی قبیلہ سے دوستی کرنی پڑتی تھی، عبداللہ صحابی ہیں اور قدیم الاسلام ہیں اور مالک میں اختلاف ہے اور راجح یہ ہے کہ وہ صحابی نہیں، اور بُحینة بھی صحابیہ ہیں اور وہ عبداللہ کی ماں ہیں دادی نہیں، راجح یہی ہے، اور بُحینة سے پہلے جو ابن ہے اس کا الف لکھا جائے گا اور اس پر پہلے نام کا اعراب پڑھا جائے گا اس لئے کہ اعلام غیر متناسبہ کے ابن کا الف لکھا جاتا ہے اور وہ پہلے نام کی صفت بنتا ہے۔

مسائل:

پہلا مسئلہ: فجر کی اقامت شروع ہونے کے بعد بلکہ فرض شروع ہونے کے بعد بھی پہلے سنت پڑھنی چاہئے یا جماعت میں شامل ہونا چاہئے؟ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک جماعت میں شامل ہونا ضروری ہے، سنت پڑھنا جائز نہیں۔ پہلی اور تیسری حدیثیں ان کا مستدل ہیں، نبی ﷺ نے اقامہ شروع ہونے کے بعد جماعت میں شامل ہونے کا حکم دیا ہے اور سنت پڑھنے سے منع کیا ہے۔

اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اگر ایک رکعت اور دوسرے قول میں قعدہ ملنے کی امید ہو تو پہلے سنت پڑھے، پھر جماعت میں شریک ہو وہ فرماتے ہیں: پہلی حدیث عام مخصوص منہ البعض ہے، اس حدیث میں سے واجب اور فرض نماز کی تمام علماء نے تخصیص کی ہے، یعنی اگر کوئی صاحب ترتیب ہے اور اس نے عشاء کی نماز یا وتر نہیں پڑھے اور فجر کی نماز شروع ہو جائے تو پہلے فرض اور واجب نماز پڑھے پھر جماعت میں شریک ہو۔

اور جب عام میں ایک مرتبہ تخصیص ہو جاتی ہے تو وہ ظنی ہو جاتا ہے اور ظنی ہو جانے کے بعد معمولی دلیل سے بھی حتی کہ قیاس سے بھی مزید تخصیص جائز ہے، چونکہ نبی ﷺ فجر کی سنتوں کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے، کبھی آپؐ نے ان کو ترک نہیں کیا اور ان کے بارے میں بہت تاکید آئی ہے (چنانچہ امام اعظم رحمہ اللہ کا ایک قول ان کے واجب ہونے کا بھی ہے) اس لئے بڑے دو اماموں نے اس حدیث کے عموم سے فجر کی سنتوں کو بھی خاص کیا ہے، اور بیہقی کی روایت میں بھی فجر کا استثناء آیا ہے، بیہقی کی روایت کے الفاظ ہیں: **إذا أقيمت الصلوة فلاصلاة إلا المكتوبة إلا ركعتى الفجر** (حاشیہ)

اور نبی ﷺ نے عبداللہ بن مالک پر نکیر اس لئے فرمائی تھی کہ وہ جہاں جماعت ہو رہی تھی وہیں سنت پڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے، احناف کے نزدیک بھی جماعت خانہ میں یعنی جس جگہ جماعت ہو رہی ہے وہاں سنتیں پڑھنا جائز نہیں، یہ صورۃً جماعت کی مخالفت ہے، سنت گھر میں یا مسجد کے دروازہ پر یعنی فناء مسجد میں یا مسجد سے باہر کسی جگہ پڑھے، اسی طرح اگر جماعت خانہ الگ ہے اور صحن الگ ہے اور جماعت کسی ایک حصہ میں ہو رہی ہے تو دوسرے حصہ میں سنت پڑھ سکتا ہے، اور اگر کوئی علاحدہ جگہ نہیں ہے تو پھر سنت نہ پڑھے، جماعت میں شریک ہو جائے۔

غرض جماعت خانہ میں جہاں جماعت ہو رہی ہے، اقامہ شروع ہونے کے بعد سنت پڑھنا جائز نہیں، عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کا محمل یہی صورت ہے، اور فناء مسجد میں اور گھر میں اقامہ شروع ہونے کے بعد بھی سنت پڑھ سکتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: نبی ﷺ اقامہ کے وقت حضرت میمونہؓ کے گھر میں نماز پڑھتے تھے (یہ حدیث حاشیہ میں ہے) معلوم ہوا کہ اقامہ شروع ہونے کے بعد جماعت خانہ سے الگ فجر کی سنتیں پڑھ سکتے ہیں۔

فائدہ (۱): فجر کی سنتوں کے علاوہ نوافل وسنن میں اجماع ہے کہ اقامہ شروع ہونے کے بعد سنن ونوافل شروع کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کوئی پہلے سے نفل یا سنت پڑھ رہا ہے اور اقامہ شروع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نفل نماز

توڑ دے یعنی جس رکن میں ہے اسی میں سلام پھیر دے اور جماعت میں شامل ہوجائے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز توڑنا جائز ہے اور اس کی قضاء واجب نہیں، اور احناف کے نزدیک نماز توڑنا جائز نہیں اور توڑنے کی صورت میں قضا واجب ہے، اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے:﴿لاَ تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ﴾ نفل شروع کرنے سے پہلے تو نفل ہے مگر شروع کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا واجب ہے اگر توڑے گا تو قضا واجب ہوگی، اور احناف کے نزدیک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اقامت کے بعد نفل نماز شروع مت کرو، مگر جو پہلے سے پڑھ رہا ہے اس کو نہ توڑے اس کا نفل میں مشغول رہنا حدیث شریف کے خلاف نہیں، البتہ اسے چاہئے کہ نماز مختصر کردے اور پہلے قعدہ پر نماز پوری کردے اور جماعت میں شامل ہوجائے۔

فائدہ (۲): میں نے پہلے بتایا تھا کہ دو حدیثیں ہیں: ایک: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے اور دوسری حدیث: بين كل أذانين صلوٰة لمن شاء: ہے، یہ دونوں حدیثیں ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں ان کو الگ الگ کرنے سے مسئلہ الجھ گیا: مغرب سے پہلے سنتیں ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہوگیا ہے اور یہاں دو اور مسئلے پیدا ہوئے ہیں: ایک: اقامہ شروع ہونے کے بعد سنن ونوافل میں مشغول رہنا جائز ہے یا نہیں؟ دوم: اقامہ شروع ہونے کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ ان حدیثوں میں یہ مسئلے نہیں ہیں، یہ دونوں حدیثیں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اور اس میں ایک شبہ کا ازالہ ہے، کوئی یہ خیال کرسکتا تھا کہ مؤذن حی علی الصلوٰۃ سے فرض نماز کے لئے بلاتا ہے پس مسجد میں پہنچ کر سنتیں اور نفلیں پڑھنا شاید جائز نہ ہو، کیونکہ یہ اللہ کے داعی کی مخالفت ہے۔ آنحضور ﷺ نے اس وہم کو دور فرمایا کہ اذان واقامت کے درمیان سنتیں اور نفلیں پڑھنا جائز ہے اور یہ اللہ کے داعی کی مخالفت نہیں، اس لئے کہ جب نماز کھڑی ہوگی تو مؤذن دوبارہ پکارے گا، جب مؤذن دوبارہ پکارے یعنی اقامہ شروع ہوجائے تو سنن ونوافل شروع کرنا جائز نہیں، اب نوافل شروع کرنا اللہ کے داعی کی مخالفت ہے اس لئے جماعت میں شریک ہوجائے، یہی اس حدیث کا ماسیق لاجلہ الکلام ہے، اور مذکورہ مسائل استنباطی مسائل ہیں ان کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسرا مسئلہ: اگر فجر کی سنتیں رہ گئی ہوں تو فجر کے فرض پڑھنے کے بعد سورج نکلنے سے پہلے ان کو پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک نہیں پڑھ سکتے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک پڑھ سکتے ہیں ان کی دلیل حضرت قیسؓ کی حدیث ہے، جمہور کہتے ہیں: وہ استدلال کے قابل نہیں اس لئے کہ وہ منقطع ہے، نیز اس کے موصول اور مرسل ہونے میں بھی اختلاف ہے، علاوہ ازیں اس کی دلالت بھی قطعی نہیں اس لئے کہ فلا إذن کا مفہوم متعین کرنے میں اختلاف ہوا ہے، امام شافعیؒ اس کا ترجمہ کرتے ہیں: پس کوئی بات نہیں یعنی اگر تم نے سنتیں نہیں پڑھیں تو پڑھ سکتے ہو۔ اور جمہور ترجمہ کرتے ہیں: تو بھی نہیں یعنی اگرچہ فجر کی سنتیں نہیں پڑھیں تو بھی فرض نماز کے بعد سنتیں پڑھنا جائز نہیں (مزید تفصیل تحفۃ الالمعی (۲:۲۶۸) میں ہے) اور عبداللہ بن مالکؓ کی حدیث اقامہ شروع ہونے کے بعد سنتیں پڑھنے کے بارے میں ہے، فجر کے بعد سنتیں پڑھنے

کے بارے میں نہیں ہے، پس وہ بھی دلیل نہیں ہے ——— اور جمہور کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں نبی ﷺ نے عصر اور فجر کے بعد نوافل سے منع فرمایا ہے اور سنن مؤکدہ بھی نفل ہیں، یہ حدیثیں درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، پس حضرت قیسؓ کی حدیث اس کے معارض نہیں ہوسکتی۔

[۳۸-] بابٌ: إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ فَلاَ صَلاَةَ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ

[٦٦٣-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَرَجُلٍ ح: قَالَ: وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: سَمِعْتُ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلاً مِنَ الْأَزْدِ، يُقَالُ لَهُ: مَالِكُ ابْنُ بُحَيْنَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لاَثَ بِهِ النَّاسُ، فَقَالَ لَهُ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " آلصُّبْحَ أَرْبَعًا؟ آلصُّبْحَ أَرْبَعًا؟"

تَابَعَهُ غُنْدَرٌ، وَمُعَاذٌ، عَنْ شُعْبَةَ: فِيْ مَالِكٍ، وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: عَنْ سَعْدٍ، عَنْ حَفْصٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ، وَقَالَ حَمَّادٌ: أَخْبَرَنَا سَعْدٌ، عَنْ حَفْصٍ، عَنْ مَالِكٍ.

ترجمہ: عبداللہ بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک شخص کے پاس سے گذرے (یہ خود عبداللہ تھے، مسند احمد میں اس کی صراحت ہے، راوی کبھی خود کو غائب کر دیتا ہے) ——— اس کے بعد سند بدلی ہے، حفص بن عاصم کہتے ہیں: میں نے قبیلۂ اسد کے ایک آدمی سے سنا جن کو مالک بن بحینۃ کہا جاتا ہے (یہ صحیح نہیں، صحیح عبداللہ بن مالک ابن بحینۃ ہے) رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو دو رکعتیں پڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا درانحالیکہ اقامت کہی جارہی تھی، پس جب رسول اللہ ﷺ پھرے یعنی نماز پڑھا کر گھر میں تشریف لے گئے تو لوگوں نے ان کو گھیر لیا، پس اس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا فجر کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟ کیا فجر کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟ ——— اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے فجر کی سنتیں پڑھ لی تھیں اور آنحضور ﷺ نے یہ بات زور سے فرمائی تھی مگر یہ دونوں باتیں صحیح نہیں، اگر آپؐ نے زور سے فرمایا تھا تو ان کو گھیرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اصل واقعہ مسلم شریف میں ہے جو میں نے ابھی بیان کیا، اور اسی لئے امام بخاریؒ نے یہ باب باندھا ہے کہ جب اقامت کہی جائے تو فرض کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔

سند کی تفصیل:

ا- اس حدیث کو سعد سے ان کے صاحبزادے ابراہیم بھی روایت کرتے ہیں اور شعبہ رحمہ اللہ بھی، ابراہیم کی سند میں صحابی کا نام عبداللہ بن مالک ابن بحینۃؓ ہے اور شعبہؒ کی سند میں مالک ابن بحینۃ۔ یہ شعبہؒ کا وہم ہے، صحیح عبداللہ بن مالک ابن بحینۃ ہے حضرات احمد، بخاری، مسلم، نسائی اور یحییٰ بن معین وغیرہ رحمہم اللہ متعدد ائمہ نے فرمایا ہے کہ شعبہ رحمہ اللہ سے

اس حدیث میں دوغلطیاں ہوئی ہیں: ایک: انھوں نے مالک کو صحابی قرار دیا ہے حالانکہ وہ صحابی نہیں ان کا لڑکا عبداللہ صحابی ہے، حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مالک کو کسی نے صحابہ میں شمار نہیں کیا۔ دوم: بُحینۃ رضی اللہ عنہا کو مالک کی ماں قرار دیا ہے، حالانکہ وہ عبداللہ کی ماں ہیں اور مالک کی بیوی ہیں۔

۲-شعبہ رحمہ اللہ کے دوشاگرد غندر اور معاذ بھی مالک ابن بحینۃ کہتے ہیں اور حماد بن سلمہ بھی سعد سے روایت کرتے ہیں اور وہ بھی مالک ابن بحینۃ کہتے ہیں، یعنی شعبہ کی موافقت کرتے ہیں اور امام المغازی محمد بن اسحاق بھی سعد سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبداللہ ابن بحینۃ کہتے ہیں، یعنی ابراہیم بن سعد کی موافقت کرتے ہیں۔ غرض: یہ حدیث کس کی ہے عبد اللہ بن مالک کی یا مالک کی؟ بعض رواۃ مالک کی بتاتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ یہ عبداللہ بن مالک کی حدیث ہے، اس لئے کہ مالک صحابی نہیں، اور بحینۃ: عبداللہ کی ماں ہیں مالک کی ماں نہیں۔

قولہ: آلصُّبحَ أَرْبعًا: میں ہمزہ استفہام انکاری ہے اور الصبحَ: فعل محذوف کا مفعول ہے، تقدیرِ عبارت ہے: أ تصلی الصبحَ أربع رکعات اور أربعًا: حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے.......... لَاثَ (ن) لَوْثًا بِالشیئِ: ملانا یعنی لوگوں نے ان کو گھیر لیا اور پوچھا کہ نبی ﷺ نے تم سے آہستہ سے کیا کہا تھا؟

بابُ جِدِّ الْمَرِیْضِ أَنْ یَّشْهَدَ الْجَمَاعَةَ

بیمار کا کوشش کرنا کہ جماعت میں شریک ہو

کتاب میں حَدّ ہے اور گیلری میں جِدّ ہے، اس کے معنی ہیں: کوشش کرنا، میرے خیال میں گیلری میں جو لفظ ہے وہ بہتر ہے، کیونکہ باب کی حدیثوں میں کوشش کرنے کا تو ذکر ہے یعنی مریض کو کوشش کرنی چاہئے کہ مسجد میں جاکر نماز پڑھے، اور حَدّ کے معنی ہیں: مقدار یعنی بیماری کی وہ مقدار جس کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنا جائز ہے، یہ بات باب کی احادیث میں صراحتاً نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ بیماری ترکِ جماعت کے اعذار میں سے ہے، بیمار آدمی گھر پر نماز پڑھ سکتا ہے مگر اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ کوشش کرے اور مسجد میں جاکر نماز پڑھے، رہی یہ بات کہ کس درجہ کی بیماری ترک جماعت کے لئے عذر ہے؟ اس کا فیصلہ رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دیا جائے گا، اگر مریض یہ سمجھتا ہے کہ مسجد میں جاکر نماز پڑھنے میں اس کے لئے غیر معمولی پریشانی ہے تو گھر میں نماز پڑھ سکتا ہے اور کوئی خاص پریشانی نہیں تو مسجد میں جاکر نماز پڑھنی چاہئے، کیونکہ ہر آدمی کچھ نہ کچھ بیمار تو ہوتا ہی ہے، ایسا شخص جس کو کوئی بیماری نہ ہو فرعون ہی تھا۔ کہتے ہیں: فرعون کو زندگی بھر کبھی سر میں درد بھی نہیں ہوا، یہ منافق اور کافر ہونے کی علامت ہے، مؤمن کو تو کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے، لہٰذا مطلق بیماری کو عذر نہیں بنا سکتے بلکہ وہ بیماری جس میں مسجد میں جانے میں پریشانی ہو عذر بنے گی اور اس کا فیصلہ رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دیا جائے گا۔

[۳۹-] بابُ جِدِّ الْمَرِيْضِ أَنْ يَّشْهَدَ الْجَمَاعَةَ

[۶۶۴-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ أَبِیْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ الْأَسْوَدُ: كُنَّا عِنْدَ عَائِشَةَ رضى اللّٰهُ عَنْهَا، فَذَكَرْنَا الْمُوَاظَبَةَ عَلَى الصَّلاَةِ وَالتَّعْظِيْمَ لَهَا، قَالَتْ: لَمَّا مَرِضَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَرَضَهُ الَّذِیْ مَاتَ فِيْهِ، فَحَضَرَتِ الصَّلاَةُ فَأُذِّنَ، فَقَالَ:" مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ" فَقِيْلَ لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيْفٌ، إِذَا قَامَ فِیْ مَقَامِكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّیَ بِالنَّاسِ، وَأَعَادَ، فَأَعَادُوْا لَهُ، فَأَعَادَ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ:" إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ، مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ" فَخَرَجَ أَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّیْ فَوَجَدَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً، فَخَرَجَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، كَأَنِّیْ أَنْظُرُ رِجْلَيْهِ يَخُطَّانِ الْأَرْضَ مِنَ الْوَجَعِ، فَأَرَادَ أَبُوْ بَكْرٍ أَنْ يَتَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ مَكَانَكَ، ثُمَّ أُتِیَ بِهِ حَتّٰى جَلَسَ إِلٰى جَنْبِهِ.

فَقِيْلَ لِلْأَعْمَشِ: فَكَانَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّیْ، وَأَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّیْ بِصَلاَ تِهِ، وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلاَةِ أَبِیْ بَكْرٍ، فَقَالَ بِرَأْسِهِ: نَعَمْ، رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ بَعْضَهُ. وَزَادَ أَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ: جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِیْ بَكْرٍ، فَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّیْ قَائِمًا [راجع: ۱۹۸]

ترجمہ: یہ حدیث کتاب الوضوء (باب ۴۵) میں گذر چکی ہے۔ اسود بن زیدؒ کہتے ہیں: ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے، ہم نے نماز کی پابندی اور اس کی عظمت کا تذکرہ کیا یعنی یہ مسئلہ چھیڑا اس زمانہ میں پڑھنے کا یہی طریقہ تھا، طلبہ مسائل چھیڑتے تھے، اور استاذ بیان کرتا تھا، حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی اس بیماری سے دوچار ہوئے جس میں آپؐ کی وفات ہوئی ہے، تو (عشاء کی) نماز کا وقت ہوا اور اذان دی گئی پس آپؐ نے فرمایا: "ابوبکرؓ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں" آپؐ سے عرض کیا گیا: ابوبکرؓ رقیق القلب (نرم دل) ہیں جب آپؐ کی جگہ کھڑے ہونگے تو نماز نہیں پڑھا سکیں گے (لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیں کہ نماز پڑھائیں) اور آپؐ نے دوبارہ یہی بات فرمائی، اور لوگوں نے بھی یہی بات آپؐ سے دوبارہ عرض کی، پھر آپؐ نے تیسری مرتبہ یہی بات فرمائی، اور فرمایا: "تم یوسف علیہ السلام والی عورتیں ہو! ابوبکرؓ کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں" پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لئے نکلے (اس کے بعد وہی نماز پڑھاتے رہے) پھر (ایک دن) نبی ﷺ نے اپنی ذات میں ہلکا پن محسوس کیا تو آپؐ نکلے درانحالیکہ آپؐ دو آدمیوں کے درمیان چل رہے تھے گویا میں آپؐ کے قدم دیکھ رہی ہوں درانحالیکہ وہ زمین پر لکیریں بنارہے تھے تکلیف کی وجہ سے، یعنی قدم مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے، کمزوری کی وجہ سے (یہی جزء باب سے متعلق ہے) پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا تو ان کو نبی ﷺ نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ رہیں، پھر آپؐ کو لایا گیا یہاں تک کہ آپؐ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

پس امام اعمشؒ سے جب انھوں نے یہ حدیث بیان کی کسی نے پوچھا کہ نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے؟ تو امام اعمش نے سر کے اشارہ سے کہا: ہاں۔ (حقیقت میں امام آنحضور ﷺ تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امام نہیں رہے تھے، وہ زور سے تکبیر کہہ رہے تھے اس لئے مجازاً کہا گیا کہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کررہے تھے)

حدیث کی سندیں:

اس حدیث کو اعمشؒ سے شعبہؒ نے بھی روایت کیا ہے اور ان سے ابوداؤد طیالسیؒ نے حدیث کا بعض حصہ روایت کیا ہے، اور ابومعاویہؒ نے بھی اعمشؒ سے روایت کی ہے، ان کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: نبی ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں طرف بیٹھے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے (اور لوگ بھی کھڑے ہوکر اقتداء کررہے تھے، اور آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے)

نوٹ: اگر امام معذور ہو اور بیٹھ کر نماز پڑھائے تو لوگ کھڑے ہوکر اقتداء کریں یا بیٹھ کر؟ یہ مسئلہ تفصیل سے آگے آرہا ہے۔

[۶۶۵-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ، أَنْ يُمَرَّضَ فِيْ بَيْتِيْ فَأَذِنَّ لَهُ، فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ الْأَرْضَ، وَكَانَ بَيْنَ الْعَبَّاسِ وَرَجُلٍ آخَرَ، قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ: فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ، فَقَالَ لِيْ: وَهَلْ تَدْرِيْ مَنِ الرَّجُلُ الَّذِيْ لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ؟ قُلْتُ: لَا. قَالَ: هُوَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ. [راجع: ۱۹۸]

وضاحت: اس حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب الوضوء (باب ۴۵) میں ہے۔

بابُ الرُّخْصَةِ فِي الْمَطَرِ وَالْعِلَّةِ أَنْ يُّصَلِّيَ فِيْ رَحْلِهِ

بارش اور بوقت حاجت ڈیرے میں نماز پڑھنے کی اجازت

ترکِ جماعت کے اعذار میں بارش بھی ہے، کتنی بارش عذر ہے؟ اس کا فیصلہ رائے مبتلی بہ پر چھوڑا گیا ہے، کیونکہ بارش دن میں بھی ہوتی ہے اور رات میں بھی، مسجد دور بھی ہوسکتی ہے اور نزدیک بھی، روشنی ہے یا نہیں؟ سڑک کچی ہے یا پکی؟ چھاتا ہے یا نہیں؟ ان چیزوں کی وجہ سے احوال مختلف ہوتے ہیں اس لئے فیصلہ رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر غیر معمولی پریشانی کا سامنا ہے تو مسجد نہ جانے کی اجازت ہے اور کوئی خاص پریشانی نہیں ہے تو پھر بارش عذر نہیں۔

باب میں دوسرا لفظ ہے عِلَّة: یعنی کوئی دوسری وجہ ہے جیسے سخت سردی، طوفانی ہوا، گھٹا ٹوپ اندھیرا یا دیگر خطرات جیسے کرفیو لگا ہوا ہے یا دشمن کا خوف ہے، یہ سب علة میں آتے ہیں۔

اور رَحل کے لغوی معنی ہیں: کجاوہ، اور مجازی معنی ہیں: ڈیرہ، دھوپ وغیرہ سے بچنے کے لئے خیمہ یا کجاوہ کھڑا کر کے اس پر کپڑا ڈال کر کمرہ نما بنا لیتے ہیں اس کو ڈیرہ کہتے ہیں، اور اس کا اطلاق گھر پر بھی ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو اگلے باب میں آرہی ہے: رحل سے مکانات مراد ہیں، مگر وہ حدیث موقوف ہے، حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے، اور احادیث مرفوعہ میں لفظ رحل ڈیرہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے، پس مکانوں کا حکم قیاس سے اخذ کیا جائے گا۔

[٤٠-] بابُ الرُّخْصَةِ فِیْ الْمَطَرِ وَالْعِلَّةِ أَنْ یُّصَلِّیَ فِیْ رَحْلِهِ

[٦٦٦-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَذَّنَ بِالصَّلاَةِ فِیْ لَیْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِیْحٍ، ثُمَّ قَالَ: أَلاَ صَلُّوْا فِیْ الرِّحَالِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا کَانَتْ لَیْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ، یَقُوْلُ: "أَلاَ صَلُّوْا فِیْ الرِّحَالِ" [راجع: ٦٣٢]

وضاحت: یہ حدیث کتاب الاذان (باب ۱۸) میں گذر چکی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ معظّمہ جارہے تھے، ضجنان میں جو مکہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر ہے پڑاؤ کیا، رات سرد تھی، آپؓ نے خود اذان دی پھر پکارا: ''اپنے ڈیروں میں نماز پڑھ لو'' پھر لوگوں سے کہا: نبی ﷺ سرد اور بارش والی رات میں مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ اذان کے بعد پکارے: ''سنو! نماز ڈیروں میں پڑھو''

تشریح:

۱- آنحضور ﷺ جب کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تھے تو آپؐ کے خیمہ کے قریب جگہ ہموار کر کے عارضی مسجد بنالی جاتی تھی، سب وہاں باجماعت نماز پڑھتے تھے، مگر جب بارش ہوتی تو آپؐ مؤذن کو حکم دیتے کہ وہ اذان کے بعد اعلان کرے: لوگ کجاووں میں نماز پڑھیں، کیونکہ عارضی جگہ بھیگ چکی ہوتی تھی، اس لئے یہ رخصت دی جاتی تھی۔

۲- ایک حدیث ہے: إذا ابْتُلِیَتِ النِّعَالُ فَصَلُّوْا فی الرِّحَالِ: جب بارش اتنی ہوجائے کہ چپل بھیگ جائیں لوگ ڈیروں میں نماز پڑھیں، یہ حدیث بے اصل ہے۔ صاحب نہایہ (غریب الحدیث کی کتاب ہے) نے نعل اور رحل کے مادوں میں یہ حدیث لکھی ہے مگر یہ حدیث کتب حدیث میں نہیں ملی۔

فائدہ: حدیث کا کتبِ فقہ میں یا کتبِ تفسیر میں یا بزرگوں کے ملفوظات میں ہونا صحت کے لئے کافی نہیں، حدیث کا حدیث کی کسی کتاب میں ہونا ضروری ہے اور یہ بات بھی ضروری ہے کہ اس کے رواۃ ثقہ ہوں۔

[٦٦٧-] حدثنا إِسْمَاعِیْلُ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ مَالِكٌ، عَنْ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِیْعِ الْأَنْصَارِیِّ: أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ کَانَ یَؤُمُّ قَوْمَهُ وَهُوَ أَعْمٰی، وَأَنَّهُ قَالَ لِرَسولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّمَا تَکُوْنُ الظُّلْمَةُ وَالسَّیْلُ، وَأَنَا رَجُلٌ ضَرِیْرُ الْبَصَرِ، فَصَلِّ یَارسولَ اللّٰهِ! فِیْ بَیْتِیْ مَکَانًا أَتَّخِذُهُ مُصَلًّی، فَجَاءَهُ

رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: "أَیْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّیَ؟" فَأَشَارَ إِلٰی مَکَانٍ مِنَ الْبَیْتِ، فَصَلّٰی فِیْہِ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم.[راجع: ٤٢٤]

یہ حدیث ابھی ابواب المساجد میں گذری ہے، حضرت عتبان رضی اللہ عنہ محلّہ کی مسجد کے امام تھے، ان کی نگاہ میں کمزوری تھی، اوران کے گھر اور مسجد کے درمیان برساتی نالا تھا اس لئے حضرت عتبانؓ کو مسجد جانے میں دشواری پیش آتی تھی، اس لئے انھوں نے اپنے گھیر میں مسجد بنانے کا ارادہ کیا، اور نبی ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ کسی وقت میرے گھر تشریف لائیں اور نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو مسجد بناؤں، آپؐ نے وعدہ کیا، پھر ایک صبح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عتبانؓ کے گھر تشریف لے گئے اور جہاں انھوں نے اشارہ کیا، آپؐ نے باجماعت دونفل پڑھے۔

اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ بارش کی وجہ سے جماعت سے متخلف رہنا اور گھر پر نماز پڑھنا جائز ہے، مگر تقریب تام نہیں، اس لئے کہ حضرت عتبانؓ نے تو مسجد ہی گھر میں منتقل کی تھی، اب محلّہ والے وہاں آکر نماز پڑھیں گے، اس لئے حدیث سے باب ثابت کرنا دشوار ہے۔

قولہ: وھو أَعْمٰی: حضرت عتبانؓ نابینا تھے یا ان کی نگاہ کمزور تھی؟ اس حدیث میں صراحت ہے کہ نابینا تھے اور دوسری حدیث میں ضریرُ البَصَر بھی آیا ہے، یعنی ان کی نگاہ کمزور تھی، پس ایک حقیقت ہے اور دوسری مجاز، اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے نگاہ کمزور ہو، پھر نابینا ہو گئے ہوں۔

قولہ: إنھا تکون الظُّلْمۃ والسَّیْل: رات میں اندھیرا ہوتا ہے اور برسات میں نالا بہتا ہے اس لئے میرے لئے مسجد آنے جانے میں پریشانی ہے۔

فائدہ: حضرت عتبانؓ نے جو اپنے گھیر میں مسجد منتقل کی تھی وہ مسجدِ شرعی تھی یا مصلّٰی؟ یعنی نماز پڑھنے کی عارضی جگہ، روایت میں اس کی کوئی صراحت نہیں۔ یورپ اور امریکہ وغیرہ میں مسجد بنانے کی اجازت آسانی سے نہیں ملتی، اس لئے لوگ مصلّٰی بنالیتے ہیں اور وہاں پانچ وقت کی جماعت کرتے ہیں، امام ومؤذن بھی متعین ہوتے ہیں، ایسا کرنے میں کچھ حرج نہیں، وہ مسجدِ شرعی نہیں، مسجدِ شرعی اور مصلی میں فرق ہے، مسجدِ شرعی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہوسکتی اور مصلّٰی منتقل ہوسکتا ہے۔ حضرت عتبانؓ جہاں نماز پڑھائیں گے وہ مسجدِ شرعی ہوگی: روایت میں اس کی کوئی صراحت نہیں، ہوسکتا ہے کہ کسی کے گھیر میں نماز پڑھی جاتی ہو، وہاں تک جانے میں پریشانی ہو اس لئے آپؓ نے اپنے گھیر میں مسجد منتقل کرلی۔

بابٌ: ھَلْ یُصَلِّی الإِمَامُ بِمَنْ حَضَرَ؟ وَھَلْ یَخْطُبُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فِی الْمَطَرِ؟

کیا امیر حاضرین کے ساتھ نماز پڑھے؟ اور کیا بارش میں جمعہ کے دن خطبہ دے؟

اس ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ اعذار میں، سخت سردی یا بارش میں، یا طوفانی ہوا ہو تب بھی مسجد میں جماعت موقوف نہیں

رہے گی، جماعت بہر حال ہوگی، البتہ لوگوں کے لئے اعلان کیا جائے گا کہ گھروں میں نماز پڑھیں، اور جو لوگ مسجد کے قریب رہتے ہیں وہ نماز کے لئے مسجد میں آئیں گے، اور امام ومؤذن تو ہونگے ہی، یہ لوگ جماعت کرلیں گے، اسی طرح جمعہ کے دن جو لوگ آجائیں ان کو امام جمعہ پڑھائے اور خطبہ بھی دے، خطبہ اور جماعت موقوف نہیں رہیں گے۔

[٤١-] بابٌ: هَلْ يُصَلِّى الإِمَامُ بِمَنْ حَضَرَ؟ وَهَلْ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمَطَرِ؟

[٦٦٨-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيْدِ: صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ، قَالَ: خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِي يَوْمٍ ذِي رَدْغٍ، فَأَمَرَ الْمُؤَذِّنَ لَمَّا بَلَغَ "حَيَّ عَلَى الصَّلاَةِ" قَالَ: قُلِ: الصَّلاَةُ فِي الرِّحَالِ. فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، كَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوْا، فَقَالَ: كَأَنَّكُمْ أَنْكَرْتُمْ هٰذَا، إِنَّ هٰذَا فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّيْ، يَعْنِي النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، إِنَّهَا عَزْمَةٌ، وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ.

وَعَنْ حَمَّادٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: كَرِهْتُ أَنْ أُؤَثِّمَكُمْ، فَتَجِيْئُوْنَ تَدُوْسُوْنَ الطِّيْنَ إِلَى رُكَبِكُمْ. [راجع: ٦١٦]

حدیث: یہ حدیث کتاب الاذان میں گذری ہے، جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ کے گورنر تھے، ایک جمعہ کو بارش ہورہی تھی، راستے کیچ سے بھرے ہوئے تھے، حضرت ابن عباسؓ خطبہ دینے کے لئے منبر پر تشریف لائے، مؤذن نے اذان شروع کی، جب اس نے حی علی الصلوٰۃ پکارا تو آپؓ نے فرمایا: اب پکار: الصلوۃُ فی الرحال: گھروں میں ظہر پڑھ لو، مسجد میں آنے کی ضرورت نہیں۔ لوگوں نے اس بات کو اوپرا سمجھا اور انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: شاید تمہیں میری بات اوپری معلوم ہوئی، سنو! مجھ سے بہتر نے یعنی نبی ﷺ نے یہ اعلان کرایا ہے، پھر حضرت ابن عباسؓ نے مسئلہ سمجھایا کہ جمعہ کے لئے آنا واجب ہے، دیگر نمازوں میں اجابتِ فعلی واجب ہے یا سنت؟ اس میں اختلاف ہے، مگر جمعہ کی اذان سن کر مسجد میں آنا فرض ہے، اور یہ مسئلہ قرآنِ کریم میں ہے، اس لئے میں نے ناپسند کیا کہ تم کو تنگی میں ڈالوں، اور حماد کی روایت میں ہے کہ میں نے ناپسند کیا کہ تمہیں گناہ میں مبتلا کروں، تم گھٹنوں تک کیچڑ میں چل کر آؤ، اس لئے میں نے اعلان کرایا، اب جو نہیں آئے گا وہ گناہ میں مبتلا نہیں ہوگا، اور یہ کام آنحضور ﷺ نے بھی ایک بارش والے دن میں کیا ہے۔

اور حدیث سے استدلال واضح ہے، بارش ہورہی ہو، راستے کیچ سے بھرے ہوئے ہوں، مسجد تک پہنچنے میں پریشانی ہو تو بھی جمعہ کی نماز ہوگی، خطبہ دیا جائے گا اور رخصت کا اعلان کیا جائے گا۔

[٦٦٩-] حدثنا مُسْلِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ،

فَقَالَ: جَاءَ تْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ، حَتّٰى سَالَ السَّقْفُ، وَكَانَ مِنْ جَرِيْدِ النَّخْلِ، فَأُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ، فَرَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَسْجُدُ فِيْ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ، حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّيْنِ فِيْ جَبْهَتِهِ.

[انظر: ٨١٣، ٨٣٦، ٢٠١٦، ٢٠١٨، ٢٠٢٧، ٢٠٣٦، ٢٠٤٠]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک بادل آیا، پس برسا یہاں تک کہ چھت ٹپکی اور چھت کھجور کے پتوں کی تھی، پھر نماز کھڑی کی گئی، پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپؐ نے پانی اور مٹی میں یعنی کیچ میں سجدہ کیا، یہاں تک کہ میں نے کیچ کا اثر آپ کے ماتھے پر دیکھا۔

تشریح: ایک رمضان میں حضور اکرم ﷺ کو شبِ قدر کی یہ علامت بتلائی گئی تھی کہ جو رات شبِ قدر ہوگی اس کی صبح میں آپؐ کیچ میں سجدہ کریں گے، چنانچہ اکیس ویں رات میں بارش ہوئی اور محراب میں سجدہ کی جگہ پانی ٹپکا، جب آپؐ نے فجر پڑھائی تو کیچ میں سجدہ کیا۔ ابوسعید خدریؓ نے نماز کے بعد پیشانی پر کیچ کا اثر دیکھا۔ یہ حدیث باب کے پہلے جزء سے متعلق ہے، رات میں بارش ہوئی تھی اور ممکن ہے صبح تک بارش ہو رہی ہو، مگر جو لوگ آئے تھے آپؐ نے ان کو نماز پڑھائی، معلوم ہوا کہ بارش وغیرہ اعذار میں بھی جماعت ہوگی۔

[٦٧٠-] حدثنا آدمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ سِيْرِيْنَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، يَقُوْلُ: قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: إِنِّيْ لاَ أَسْتَطِيْعُ الصَّلاَةَ مَعَكَ، وَكَانَ رَجُلاً ضَخْمًا، فَصَنَعَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم طَعَامًا، فَدَعَاهُ إِلٰى مَنْزِلِهِ، فَبَسَطَ لَهُ حَصِيْرًا، وَنَضَحَ طَرَفَ الْحَصِيْرِ، فَصَلَّى عَلَيْهِ رَكْعَتَيْنِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ آلِ الْجَارُوْدِ لِأَنَسٍ: أَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ الضُّحٰى؟ قَالَ: مَا رَأَيْتُهُ صَلاَّهَا إِلاَّ يَوْمَئِذٍ.

[انظر: ١١٧٩، ٦٠٨٠]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک انصاری نے عرض کیا: میں آپؐ کے ساتھ نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا، اور وہ موٹا آدمی تھا، پس اس نے نبی ﷺ کے لئے کھانا بنایا، اور آپؐ کو اپنے گھر بلایا، پس آپؐ کے لئے ایک چٹائی بچھائی، اور چٹائی کے ایک حصہ کو دھویا، پس آپؐ نے اس پر دو رکعتیں پڑھیں۔ آل جارود میں سے ایک شخص نے حضرت انسؓ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: میں نے اس دن کے علاوہ آپؐ کو چاشت کی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

تشریح: غالباً یہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ ہی کا واقعہ ہے، وہ نابینا یا ضعیف البصر تھے اور موٹے بھی تھے، نماز پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں آنا ان کے لئے دشوار تھا اس لئے انھوں نے اپنے گھیر میں مسجد بنانے کی اور نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی، آنحضور ﷺ نے اجازت دیدی اور ان کی درخواست پر ان کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں نماز پڑھی اور کھانا

نوش فرمایا۔

سوال: حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو پہلے گذرا ہے اس میں تو یہ تھا کہ انھوں نے ضعف بصر اور برسات میں نالا بہنے کا عذر پیش کیا تھا، اور یہاں یہ ہے کہ موٹاپے کا عذر پیش کیا تھا، یہ تعارض ہے؟

جواب: یہ دونوں واقعے الگ الگ بھی ہوسکتے ہیں یعنی پہلے حضرت عتبانؓ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھتے تھے، مگر موٹاپے کی وجہ سے مسجد میں آنا دشوار ہوا تو محلّہ میں مسجد (مصلی) بنانے کی اجازت طلب کی جو آپؐ نے دیدی، وہاں حضرت عتبانؓ نماز پڑھانے لگے پھر جب ان کو وہاں جانے میں بھی دشواری پیش آئی تو اپنے گھر میں مسجد منتقل کرنے کی اجازت طلب کی، آپؐ نے اس کی بھی اجازت دیدی اور ان کے گھر جا کر نماز پڑھی۔ غرض یہ دونوں واقعے الگ الگ ہوسکتے ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں۔

مناسبت: آنحضور ﷺ نے حضرت عتبانؓ کے گھر میں حاضرین کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی، یہی **یُصلِّی الإمامُ بمن حَضَرَ** ہے، اور یہی باب سے مناسبت ہے۔

فائدہ: پہلے یہ بات بتائی تھی کہ فقہاء اور محدثین کے نزدیک اشراق و چاشت ایک ہی نماز ہیں، اگر سورج نکلنے کے بعد جلدی پڑھ لی جائے تو اشراق ہے اور دیر سے (نو، دس یا گیارہ بجے) پڑھی جائے تو چاشت ہے اور صوفیاء کہتے ہیں: یہ دو الگ الگ نمازیں ہیں، اشراق کی کم سے کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ چار رکعتیں ہیں اور چاشت کی کم سے کم آٹھ رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں۔ ظاہر ہے اس مسئلہ میں صوفیاء کی رائے کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی کیونکہ صوفیاء شریعت کے رمز شناس نہیں، شریعت کے رمز شناس اور نصوص کو سمجھنے والے اول نمبر پر فقہاء ہیں، پھر محدثین، پس ان حضرات کی جو رائے ہے وہی صحیح ہے۔ اور حضرت انسؓ کی اس حدیث سے ان کی تائید ہوتی ہے۔

بابٌ: إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ

جب کھانا سامنے آجائے اور نماز شروع ہوجائے

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ نماز بہ اطمینان ادا کرنی چاہئے، لہٰذا اگر کھانا سامنے آجائے اور اقامت شروع ہوجائے اور بھوک سخت لگ رہی ہو تو پہلے بھوک کا بھوت مارلے پھر نماز پڑھے۔ اسی طرح چھوٹے بڑے استنجے کے تقاضہ کے وقت بھی پہلے استنجے سے فراغت حاصل کرے پھر نماز پڑھے، اور اگر کھانا کھانے کی وجہ سے یا استنجے کی وجہ سے جماعت فوت ہوجائے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ بھوک کی شدت اور استنجے کا تقاضہ ترکِ جماعت کے اعذار میں سے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آدمی کی سمجھداری کی علامت یہ ہے کہ پہلے ضرورت پوری کرلے پھر مطمئن ہوکر نماز پڑھے، اس لئے کہ بھوک کی حالت میں نماز پڑھے گا تو ساری توجہ کھانے کی طرف رہے گی، اور نماز کھانا بن جائے گی، اور کھانا کھا کر نماز پڑھے گا تو کھاتے وقت توجہ نماز کی طرف رہے گی پس کھانا نماز بن جائے گا، اور کھانے کو نماز بنانا بہتر ہے نماز کو کھانا بنانے سے۔

باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل بھی ہے کہ جب ان کے سامنے شام کا کھانا آتا تھا اور نماز کے لئے اقامت شروع ہوجاتی تھی تو وہ پہلے کھانا کھاتے تھے، پھر جماعت میں شریک ہوتے تھے، گھر مسجد سے قریب تھا وہ امام کی قراءت سنتے تھے اور کھاتے رہتے تھے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مغرب کا لفظ آیا ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ کی بیان مشکل الآثار میں صائم کا لفظ بھی ہے اور صحیح ابن حبان میں تفصیل ہے کہ ابن عمرؓ کا نفلی روزہ ہوتا تھا اس لئے جب اذان شروع ہوتی تو روزہ کھولتے اور نماز کھڑی ہوتی، تب بھی کھاتے رہتے تھے، پس یہ حکم اگرچہ عام ہے مگر حقیقت میں خاص ہے، روزے دار کے ساتھ اور مغرب کی نماز کے ساتھ خاص ہے، تمام نمازوں کے لئے یہ حدیث نہیں، البتہ اس سے یہ ضابطہ نکلے گا کہ نماز بہ اطمینان ادا کرنی چاہئے۔

فائدہ: رمضان میں تو مغرب کی نماز میں پانچ سات منٹ کی تاخیر ہوتی ہے، مگر غیر رمضان میں اذان کے بعد فوراً نماز شروع ہوجاتی ہے، اس لئے اگر روزے سے ہو اور بھوک بہت لگ رہی ہو تو پہلے کچھ کھالے پھر نماز میں شریک ہو۔

[۴۲-] بابٌ: إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِالْعَشَاءِ، وَقَالَ أَبُوْ الدَّرْدَاءِ: مِنْ فِقْهِ الْمَرْءِ إِقْبَالُهُ عَلٰى حَاجَتِهِ، حَتّٰى يُقْبِلَ عَلٰى صَلَاتِهِ وَقَلْبُهُ فَارِغٌ.

[۶۷۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىَ، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِىْ أَبِىْ، قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ قَالَ: "إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَأُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ، فَابْدَؤُا بِالْعَشَاءِ" [انظر: ۵۴۶۵]

[۶۷۲-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَؤُا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوْا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ، وَلَا تَعْجَلُوْا عَنْ عَشَائِكُمْ" [انظر: ۵۴۶۳]

[۶۷۳-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ أَبِىْ أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ، وَأُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ، فَابْدَؤُا بِالْعَشَاءِ، وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ"

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوْضَعُ لَهُ الطَّعَامُ، وَتُقَامُ الصَّلَاةُ، فَلَا يَأْتِيْهَا حَتّٰى يَفْرُغَ، وَإِنَّهُ يَسْمَعُ قِرَاءَةَ الإِمَامِ.

[انظر: ۶۷۴، ۵۴۶۴]

[۶۷۴-] وَقَالَ زُهَيْرٌ، وَوَهْبُ بْنُ عُثْمَانَ، عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ، فَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَقْضِىَ حَاجَتَهُ مِنْهُ، وَإِنْ أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ"

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: وَحَدَّثَنِىْ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، عَنْ وَهْبِ بْنِ عُثْمَانَ، وَوَهْبٌ مَدَنِىٌّ.

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب شام کا کھانا رکھ دیا جائے (عَشاء شام کے کھانے کو کہتے ہیں، عرب عام طور پر مغرب کے بعد شام کا کھانا کھاتے تھے) اور (مغرب کی) نماز کے لئے اقامہ شروع ہوجائے تو شام کے کھانے سے شروع کرو۔

حدیث (۲): اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب شام کا کھانا آگے کردیا جائے تو اس سے ابتدا کرو، مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے، اور نماز میں جلدی نہ کرے شام کے کھانے سے یعنی پہلے نماز نہ پڑھے۔

حدیث (۳): اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے شام کا کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کے لئے اقامہ شروع ہوجائے تو کھانے سے شروع کرے (نماز پڑھنے میں) جلدی نہ کرے تا آنکہ کھالے۔

اور حضرت ابن عمرؓ کے لئے کھانا رکھا جاتا تھا اور نماز کھڑی کی جاتی تھی تو آپؓ جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے، یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہوجاتے تھے، اور آپؓ امام کی قراءت سنتے تھے۔ یہ حدیث زہیر اور وہب بن عثمان بھی موسیٰ بن عقبہ سے مذکورہ سند سے روایت کرتے ہیں، ان کی روایت اس طرح ہے: جب تم میں سے کوئی کھانے پر ہو یعنی کھانا آگیا ہو تو وہ جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اپنی حاجت پوری کرے، اگرچہ تکبیر ہورہی ہو۔

زہیر اور وہب بن عثمان امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ نہیں ہیں، مگر یہ حدیث معلق نہیں ہے، امام بخاریؒ نے آخر میں سند لکھ کر اس کو موصول کردیا ہے۔ امام بخاریؒ نے یہ حدیث ابراہیم بن المنذر سے اور انھوں نے وہب بن عثمان سے سنی ہے، وہب بن عثمان مدنی ہیں اور گیلری میں مدینی لکھا ہے، یہ مدینہ منورہ کی طرف نسبت ہے دورِ اول میں دونوں نسبتیں چلتی تھیں۔

تشریح: ابھی بتایا ہے کہ یہ حدیث بظاہر عام ہے، مگر حقیقت میں خاص ہے، روزہ دار اور مغرب کی نماز کے ساتھ خاص ہے، تمام نمازوں کے لئے یہ حکم نہیں، حضرت انسؓ کی حدیث میں مغرب کی صراحت ہے اور امام طحاویؒ کی بیان مشکل الآثار میں صائم کی بھی صراحت ہے اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ ایسا مغرب کی نماز میں کرتے تھے جبکہ انہیں روزہ کی وجہ سے بھوک لگی ہوئی ہوتی تھی۔

بابٌ: إِذَا دُعِيَ الإِمَامُ إِلَى الصَّلَاةِ وَبِيَدِهِ مَا يَأْكُلُ

امام نماز کے لئے بلایا جائے درانحالیکہ اس کے ہاتھ میں کھانا ہو

اس باب میں امام اور مقتدی کے احکام میں فرق کرنا چاہتے ہیں، کھانے کو مقدم کرنے کا مسئلہ مقتدی کے لئے ہے، امام کو اقامت کے ساتھ ہی کھڑا ہوجانا چاہئے، کھانے کو مقدم نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ امام کا معاملہ متعدی ہے، اس کے تاخیر کرنے سے لوگ پریشان ہونگے، برخلاف مقتدی کے کہ اس کا معاملہ لازم ہے، اس کی ذات کے ساتھ خاص ہے اس کے

کھانے کومقدم کرنے کی وجہ سے کسی کو پریشانی نہیں ہوگی، باب میں یہ حدیث ہے کہ آنحضور ﷺ گوشت نوش فرما رہے تھے، آپؐ نے اقامہ کے ساتھ ہی کھانا چھوڑ دیا، معلوم ہوا کہ امام ومقتدی کے احکام میں فرق ہے۔

[۴۳-] بابٌ: إِذَا دُعِيَ الإِمَامُ إِلَى الصَّلاَةِ وَبِيَدِهِ مَا يَأْكُلُ

[۶۷۵-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ، أَنَّ أَبَاهُ قَالَ: رَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَأْكُلُ ذِرَاعًا، يَحْتَزُّ مِنْهَا، فَدُعِيَ إِلَى الصَّلاَةِ، فَقَامَ فَطَرَحَ السِّكِّيْنَ، فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. [راجع: ۲۰۸]

وضاحت: اس حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب الوضوء (باب۵۰) میں ہے۔

بابُ مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَهْلِهِ فَأُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ فَخَرَجَ

آدمی گھر کے کام میں مشغول ہو اور نماز شروع ہوجائے تو نماز کے لئے نکلے

اس باب میں حاجتِ اکل اور دیگر حوائج میں فرق کرنا چاہتے ہیں، حاجتِ اکل تو نماز میں تاخیر کے لئے عذر ہے مگر دیگر حوائج عذر نہیں، اور میں نے کہا تھا کہ چھوٹے بڑے استنجے کا تقاضہ حاجتِ اکل کے ساتھ لاحق ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ چھوٹے بڑے استنجے کے تقاضہ کے وقت نماز مت پڑھو، پہلے حاجت سے فراغت حاصل کرلو پھر نماز پڑھو، کیونکہ استنجے کے تقاضہ کے ساتھ نماز پڑھے گا تو نماز میں بے اطمینانی رہے گی اور نماز میں پوری توجہ استنجے کی طرف رہے گی، ایسی بے اطمیانی کی حالت میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

اور باب میں یہ حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: نبی ﷺ جب گھر میں ہوتے تھے تو کیا کرتے تھے؟ صدیقہؓ نے کہا: گھر والے جو کام کرتے تھے وہی حضور ﷺ بھی کرتے تھے، یعنی گھر کے کام کاج میں شریک ہوتے تھے، لیکن جب تکبیر شروع ہوتی تو کام چھوڑ کر نماز کے لئے تشریف لے جاتے، معلوم ہوا کہ گھر کے کاموں کی مشغولیت تاخیر کے لئے عذر نہیں۔

[۴۴-] بابُ مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَهْلِهِ فَأُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ فَخَرَجَ

[۶۷۶-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا: مَاكَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَصْنَعُ فِيْ بَيْتِهِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَكُوْنُ فِيْ مِهْنَةِ أَهْلِهِ – تَعْنِيْ فِيْ خِدْمَةِ أَهْلِهِ – فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلاَةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلاَةِ. [انظر: ۵۳۶۳، ۶۰۳۹]

بابُ مَنْ صَلَّی بِالنَّاسِ وَهُوَ لَایُرِیْدُ إِلَّا أَنْ یُعَلِّمَهُمْ صَلَاۃَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم وَسُنَّتَه

کوئی نماز پڑھائے اور اس کا مقصود مسنون نماز کی تعلیم دینا ہو

کوئی شخص یہ اعلان کر کے نماز پڑھائے کہ وہ نماز کا مسنون طریقہ سکھلانا چاہتا ہے تو یہ ریاء وسُمعہ نہیں، جس کو حدیث میں شرکِ خفی کہا گیا ہے، مکتب میں معلم بچوں کو جو نماز سکھلاتا ہے: بچے صف بناتے ہیں اور ایک بچہ نماز پڑھاتا ہے یہ مراد نہیں، یہ تو ریہرسل ہے، یہاں حقیقتاً نماز پڑھانا مراد ہے، مگر اس نے اعلان کیا ہے کہ وہ نماز کا مسنون طریقہ سکھلانا چاہتا ہے، تو اس کی نماز دیکھی جائے گی، اور اس کو مرائی نہیں کہیں گے۔

[٤٥-] بابُ مَنْ صَلَّی بِالنَّاسِ وَهُوَ لَایُرِیْدُ إِلَّا أَنْ یُعَلِّمَهُمْ صَلَاۃَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم وَسُنَّتَه

[٦٧٧-] حدثنا مُوْسَی بْنُ إِسْمَاعِیْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَیْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَیُّوْبُ، عَنْ أَبِیْ قِلَابَةَ، قَالَ: جَاءَ نَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَیْرِثِ فِیْ مَسْجِدِنَا هٰذَا، فَقَالَ: إِنِّیْ لَأُصَلِّیْ بِکُمْ وَمَا أُرِیْدُ الصَّلَاۃَ، أُصَلِّیْ کَیْفَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیه وسلم یُصَلِّیْ، فَقُلْتُ لِأَبِیْ قِلَابَةَ: کَیْفَ کَانَ یُصَلِّیْ؟ قَالَ: مِثْلَ شَیْخِنَا هٰذَا، قَالَ: وَکَانَ شَیْخٌ یَجْلِسُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ، قَبْلَ أَنْ یَنْهَضَ فِی الرَّکْعَةِ الْأُوْلٰی.[انظر: ٨٠٢، ٨١٨، ٨٢٤]

ترجمہ: ابوقلابہؒ کہتے ہیں: ہماری اس مسجد میں حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ آئے، اور انھوں نے کہا: میں تمہیں نماز پڑھاتا ہوں اور میرا مقصود نماز پڑھانا نہیں، بلکہ میں نماز پڑھتا ہوں جس طرح میں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ ایوب سختیانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابوقلابہ سے پوچھا: وہ کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ یعنی ان کی نماز میں خاص بات کیا تھی؟ ابوقلابہؒ نے کہا: ہمارے اِن حضرت کی طرح نماز پڑھائی۔ ایوب کہتے ہیں: اور حضرت پہلی رکعت میں دوسرے سجدہ سے سر اٹھا کر کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھا کرتے تھے یعنی جلسۂ استراحت کرتے تھے۔

تشریح: حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانے سے پہلے اعلان کیا کہ میں نے آنحضور ﷺ کو جس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھاؤں گا لہٰذا میری نماز دیکھو اور نماز کا مسنون طریقہ سیکھو، اس زمانہ میں عمل سے تعلیم دی جاتی تھی۔ معلوم ہوا کہ نماز پڑھانے سے پہلے اگر امام ایسا اعلان کرے تو یہ ریاء وسمعہ نہیں، اور شیخ سے مراد حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ ابوقلابہ کی مسجد کے امام تھے، ان کا واقعہ کبھی آئے گا، ان کا قبیلہ ایک چشمہ پر آباد تھا،

مسافر وہاں ٹھہرتے تھے، جب کوئی قافلہ مدینہ سے آتا اور وہاں ٹھہرتا تو وہ ان سے قرآن سنتے اور اسے یاد کرتے، اس وقت وہ نابالغ تھے ابھی ان کا قبیلہ مسلمان نہیں ہوا تھا، پھر اللہ نے قبیلہ کو توفیق دی وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا، جب قبیلہ والے مدینہ سے لوٹنے لگے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ''جس کو قرآن سب سے زیادہ یاد ہو وہ نماز پڑھائے'' گھر آکر دیکھا تو اس بچہ کو سب سے زیادہ قرآن یاد تھا اس لئے انھوں نے عمرو بن سلمہؓ کو امام بنایا۔

یہاں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ نابالغ کی امامت درست ہے یا نہیں؟ حضرت عمرو بن سلمہ کو قبیلہ والوں نے امام بنایا تھا، نبی ﷺ نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ یہ بات آپؐ کے علم میں آئی تھی، اس لئے اس واقعہ سے نابالغ کی امامت پر استدلال صحیح نہیں۔

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ جلسۂ استراحت کیا کرتے تھے یعنی پہلی اور تیسری رکعتوں کے دوسرے سجدہ کے بعد اطمینان سے بیٹھ جاتے تھے پھر اگلی رکعت کے لئے کھڑے ہوتے، جلسۂ استراحت مسنون ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ ابھی آرہا ہے، یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جلسۂ استراحت کا مسلمانوں میں معمول نہیں تھا، اسی لئے ابو قلابہؒ نے حضرت مالکؓ کی یہ خاص بات بیان کی ہے، حضرت مالکؓ بیس دن مدینہ منورہ میں رہے ہیں اس وقت نبی ﷺ نے کسی عذر سے جلسۂ استراحت کیا ہے، اس لئے حضرت مالکؓ نے بھی جلسۂ استراحت کیا، باقی تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

بابُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالإِمَامَةِ

علم وفضل والے امامت کے زیادہ حقدار ہیں

امامت کا زیادہ حق دار کون ہے؟ اور اس کی ترتیب کیا ہے؟ یہ مسئلہ ترمذی شریف میں ہے، بخاری شریف میں یہ مسئلہ نہیں ہے، اس سلسلہ میں جو روایت ہے وہ امام بخاریؒ نہیں لائے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک امامت کا زیادہ حقدار اعلم ہے، پھر دوسرا نمبر اقرأ کا ہے اور امام بخاریؒ نے اس مسئلہ میں حنفیہ کی موافقت کی ہے اور امام شافعی اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک اقراء کا پہلا نمبر ہے، جو قرآن سب سے اچھا پڑھتا ہے اس کا حق زیادہ ہے، پھر اعلم کا نمبر ہے۔

ان حضرات کی دلیل ترمذی شریف کی حدیث (نمبر ۲۳۶) ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: **يَؤُمُّ القومَ أقرأهم لكتاب اللهِ، فإن كانوا في القراءة سواء فأعلمهم بالسنة:** اس حدیث میں اقرأ کو اعلم پر مقدم رکھا گیا ہے، معلوم ہوا کہ پہلا نمبر اقرأ کا ہے۔ اور اب دنیا میں سب لوگ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے مذہب پر عمل کرتے ہیں، جب امامت کے لئے انتخاب ہوتا ہے تو امیدواروں کا قرآن سنا جاتا ہے، مسائل نہیں پوچھے جاتے، مگر امام اعظم اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک اعلم زیادہ حقدار ہے، چنانچہ صحابہ میں اقرأ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ موجود تھے، مگر مرض وفات میں آنحضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنایا، کیونکہ وہ اعلم تھے (مزید تفصیل تحفۃ الالمعی (۱:۵۶۵-۵۶۷) میں ہے)

قولہ: أھلُ العلم و الفضل أحق بالإمامۃ: اہل العلم کے معنی تو واضح ہیں اور اہل الفضل کے معنی ہیں: نیک بندے، اگر امام کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرتا ہے تو وہ اہل الفضل میں سے نہیں ہے، اسے امام نہیں بنانا چاہئے اگرچہ قرآن اچھا پڑھتا ہو۔

[٤٦-] بابُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالإِمَامَةِ

[٦٧٨-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: ثَنَا حُسَيْنٌ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُوْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى قَالَ: مَرِضَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَاشْتَدَّ مَرَضُهُ، فَقَالَ:" مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ" قَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّهُ رَجُلٌ رَقِيْقٌ، إِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، قَالَ: "مُرِيْ أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ" فَعَادَتْ، فَقَالَ:" مُرِيْ أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ" فَأَتَاهُ الرَّسُوْلُ، فَصَلَّى بِالنَّاسِ فِيْ حَيَاةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.[انظر: ٣٣٨٥]

[٦٧٩-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ، أَنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ فِيْ مَرَضِهِ: " مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ" قَالَتْ عَائِشَةُ: قُلْتُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَاقَامَ فِيْ مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُوْلِيْ لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِيْ مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ، فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ، فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" مَهْ إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ، مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ" فَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ: مَا كُنْتُ لِأُصِيْبَ مِنْكِ خَيْرًا.[راجع: ١٩٨]

وضاحت: اس باب میں پانچ حدیثیں ہیں، سب مرض وفات کی ہیں، اور وہ پہلے آچکی ہیں، ان سے استدلال یہ کیا ہے کہ نبی ﷺ نے مرض وفات میں اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا ہے، جب کہ صحابہ میں اقرأ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ موجود تھے، مگر حضرت ابوبکرؓ اعلم بالسنہ تھے، اس لئے ان کو امامت سونپی، معلوم ہوا کہ امامت کا زیادہ حق اعلم کا ہے اور اقرأ کا نمبر دوسرا ہے، مگر یہ استدلال مضبوط نہیں، اس لئے کہ یہاں محض امامت صغری کا مسئلہ نہیں تھا، بلکہ اس کے ساتھ امامت کبری کا مسئلہ جڑا ہوا تھا، اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانے ہی سے حاصل ہوسکتا تھا۔

قولہ: فأتاہ الرسول: پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد آیا کہ آنحضور ﷺ نے آپؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے، پس حضرت ابوبکرؓ نے آپ کی حیات میں لوگوں کو (سترہ) نمازیں پڑھائیں۔

قولہ: مَه: یہ اسم فعل ہے، اس کے معنی ہیں: رکو، یعنی مجھے مشورہ مت دو، تم سب یوسف علیہ السلام والی عورتیں ہو، یعنی جس طرح ان عورتوں کے دلوں میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ تھا، یہی حال تمہارا بھی ہے، یہ آنحضور ﷺ نے ڈانٹ پلائی

ہے، ڈانٹ حضرت عائشہ وحفصہ دونوں کو پڑی ہے، مگر رخ بظاہر حضرت حفصہؓ کی طرف ہے، چنانچہ حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا: مجھے تم سے کسی خیر کی امید نہیں! یعنی تم ہمیشہ مجھے اسی طرح پھنساتی ہو!

قولہ: صواحبُ یوسف: صواحب: صاحبة کی جمع ہے، یوسف علیہ السلام والی عورتیں، جن کا تذکرہ سورۂ یوسف (آیت ۳۱) میں آیا ہے، شاہی خاندان کی عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو سمجھانا شروع کیا تھا کہ تم کو اپنی محسنہ اور سیدہ کا کہنا ماننا چاہئے، آخر اس غریب پر اتنا ظلم کیوں کرتے ہو، پھر یہ بھی سوچ لو کہ نافرمانی کا نتیجہ کیا ہوگا؟ خواہ مخواہ مصیبت سر پر لینے سے کیا فائدہ؟ کہتے ہیں کہ بظاہر زبان سے وہ زلیخا کی سفارش کررہی تھیں، مگر دل ہر ایک کا یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا تھا (فوائد عثمانی)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ یہ فضیلت ان کے ابا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملے، اور اس سے اقامتِ کبری کا مسئلہ طے ہوجائے، مگر وہ ڈر رہی تھیں کہ اگر خدانخواستہ آپؐ کی اس مرض میں وفات ہوگئی تو لوگ ابوبکر کو منحوس خیال کریں گے اور آگے کا مرحلہ کھٹائی میں پڑ جائے گا، اس لئے انھوں نے حضرت حفصہؓ سے بھی حضرت عمرؓ کا نام پیش کرایا، حضرت حفصہؓ اس کو نہ سمجھ سکیں، اور حضرت عمرؓ کا نام پیش کردیا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم یوسف علیہ السلام والی عورتیں ہو، دل میں کچھ ہے اور ظاہر کچھ کرتی ہو، پس حقیقت میں تنبیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہے، مگر کلام کا رخ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا۔

[٦٨٠-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ، وَكَانَ تَبِعَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، وَخَدَمَهُ، وَصَحِبَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُصَلِّيْ لَهُمْ فِيْ وَجَعِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ، حَتّٰى إِذَا كَانَ يَوْمُ الِاثْنَيْنِ، وَهُمْ صُفُوْفٌ فِي الصَّلاَةِ، فَكَشَفَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم سِتْرَ الْحُجْرَةِ، يَنْظُرُ إِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ، كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ، فَهَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَنَكَصَ أَبُوْ بَكْرٍ رضى الله عنه عَلٰى عَقِبَيْهِ، لِيَصِلَ الصَّفَّ، وَظَنَّ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَارِجٌ إِلَى الصَّلاَةِ، فَأَشَارَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ أَتِمُّوْا صَلاَتَكُمْ، وَأَرْخَى السِّتْرَ، فَتُوُفِّيَ مِنْ يَوْمِهِ صلى الله عليه وسلم.[انظر: ٦٨١، ٧٥٤، ١٢٠٥، ٤٤٤٨]

[٦٨١-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَمْ يَخْرُجِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ثَلاَثًا، فَأُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ، فَذَهَبَ أَبُوْ بَكْرٍ يَتَقَدَّمُ، فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِالْحِجَابِ، فَرَفَعَهُ، فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، مَا رَأَيْنَا مَنْظَرًا كَانَ أَعْجَبَ إِلَيْنَا مِنْ وَجْهِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ وَضَحَ لَنَا، فَأَوْمَأَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ إِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ أَنْ يَتَقَدَّمَ، وَأَرْخَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْحِجَابَ، فَلَمْ يُقْدَرْ عَلَيْهِ حَتّٰى مَاتَ.[راجع: ٦٨٠]

حدیث (۶۸۰): ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں: مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتلایا اور انھوں نے نبی ﷺ کی پیروی کی ہے، اور آپؐ کی خدمت کی ہے اور آپؐ کے ساتھ رہے ہیں (تینوں لفظوں کا ایک مطلب ہے کہ حضرت انسؓ ہر وقت حضور ﷺ کی خدمت میں رہتے تھے، انھوں نے دس سال آپؐ کی خدمت کی ہے) کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی اس بیماری میں جس میں آپؐ کی وفات ہوئی ہے لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، یہاں تک کہ پیر کا دن آیا اور لوگ نماز کی صفیں بنائے ہوئے تھے کہ آپؐ نے حجرہ کا پردہ کھولا، آپؐ ہمیں کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے، آپؐ کا چہرہ گویا قرآن کا ورق تھا، پھر آپؐ مسکرائے (اور) ہنسے یعنی پہلے مسکرائے پھر ہنسے (مسکرانا ابتدائی درجہ ہے جس میں صرف ہونٹ کھلتے ہیں اور ہنسنے میں آواز نکلتی ہے مگر اس کو دوسرا نہیں سنتا، اور ہنسنے کی آواز دوسرا سنے تو وہ قہقہہ ہے) پس ہم نے ارادہ کیا کہ آنحضور ﷺ کو دیکھنے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں یعنی نماز توڑ دینے کا ارادہ کیا، پس حضرت ابو بکرؓ اپنی ایڑیوں پر ہٹے یعنی الٹے پاؤں لوٹے تاکہ صف میں مل جائیں اور انھوں نے خیال کیا کہ نبی ﷺ نماز پڑھانے کے لئے تشریف لا رہے ہیں، پس نبی ﷺ نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کرو، اور پردہ چھوڑ دیا، پھر اسی دن آنحضور ﷺ کی وفات ہوگئی۔

حدیث (۶۸۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (بیماری کے دنوں میں) نبی ﷺ تین دن تک نماز پڑھانے تشریف نہیں لائے، پھر (ایک دن) نماز کے لئے تکبیر کہی گئی، پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھنے لگے، نبی ﷺ نے حجرے کا پردہ پکڑا اور اس کو اٹھایا، پس جب رخ انور نظر آیا تو ہم نے کوئی منظر نہیں دیکھا جو رخ انور سے زیادہ محبوب ہو، پس نبی ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا پھر آپؐ نے پردہ چھوڑ دیا، پھر آپؐ نکلنے پر قادر نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپؐ کی وفات ہوگئی۔

تشریح: بیماری کے دنوں میں بھی جب تک آنحضور ﷺ میں طاقت رہی آپؐ مسجد میں آکر نماز پڑھاتے رہے، آخری نماز جو آپؐ نے پڑھائی وہ جمعرات کی مغرب کی نماز تھی، جس کے چار روز کے بعد پیر کے دن آپؐ کی وفات ہوئی، آخری دن صبح کی نماز میں آپؐ نے حجرہ کا پردہ کھولا اور لوگوں کو دیکھا کہ صف بستہ ہیں، لوگوں کو دیکھ کر آپؐ مسکرائے، چہرۂ انور کی خوبصورتی کا یہ حال تھا کہ گویا قرآن شریف کا ورق ہے، صحابہ فرط مسرت سے قریب تھے کہ نماز توڑ دیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مصلی سے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا، آپؐ نے اشارہ کیا کہ نماز پوری کرو اور پردہ ڈال دیا۔ یہ آنحضور ﷺ کا آخری جلوہ تھا جو صحابہ نے دیکھا، آج آپؐ کی طبیعت پہلے سے بہتر تھی نماز کے بعد حضرت ابو بکرؓ حجرہ میں گئے اور باہر آکر صحابہ کو خوش خبری سنائی کہ آپؐ پر سکون ہیں، صحابہ مطمئن ہو کر گھروں کو لوٹ گئے، مگر کچھ دیر نہ گذری تھی کہ نزع شروع ہوگیا اور روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

[۶۸۲-] حدثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: "لَمَا اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَجَعُهُ، قِيلَ لَهُ فِي

الصَّلَاۃِ، فَقَالَ: "مُرُوْا أَبَا بَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ" قَالَتْ عَائِشَۃُ: إِنَّ أَبَا بَکْرٍ رَجُلٌ رَقِیْقٌ، إِذَا قَرَأَ غَلَبَہُ الْبُکَاءُ، قَالَ: "مُرُوْہُ فَلْیُصَلِّ" فَعَاوَدَتْہُ، قَالَ: "مُرُوْہُ فَلْیُصَلِّ، إِنَّکُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ"

تَابَعَہُ الزُّبَیْدِیُّ، وَابْنُ أَخِیْ الزُّہْرِیِّ، وَإِسْحَاقُ بْنُ یَحْیَی الْکَلْبِیُّ، عَنِ الزُّہْرِیِّ، وَقَالَ عُقَیْلٌ، وَمَعْمَرٌ، عَنِ الزُّہْرِیِّ، عَنْ حَمْزَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

سند: اس حدیث کو ابن شہاب زہریؒ سے متعدد تلامذہ روایت کرتے ہیں، یونسؒ، زبیدیؒ، امام زہریؒ کے بھتیجے اور اسحاق بن یحییٰ موصول روایت کرتے ہیں یعنی آخر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ذکر کرتے ہیں اور عقیل اور معمر مرسل روایت کرتے ہیں یعنی ابن عمرؓ کا ذکر نہیں کرتے۔

بابُ مَنْ قَامَ إِلٰی جَنْبِ الإِمَامِ لِعِلَّۃٍ

کسی وجہ سے امام کے پہلو میں کھڑا ہونا

صفوں سے آگے کھڑا ہونا خالص امام کا حق ہے البتہ اگر امام ضرورت محسوس کرے تو مقتدی کو بھی اپنے ساتھ آگے کھڑا کرسکتا ہے، مثلاً مقتدی ایک ہے تو امام اپنی دائیں طرف کھڑا کرے اور یہ افضل ہے اور بائیں طرف کھڑا کرنا جائز ہے، یا لوگ زیادہ ہیں اور امام پہلی صف کو آگے کرے اور خود ان کے درمیان کھڑا ہو تو یہ بھی جائز ہے، پس باب کا مقصد یہ ہے کہ تقدم علی الصفوف خالص امام کا حق ہے البتہ بوقت ضرورت دوسرے کو مقدم کرسکتا ہے، علۃ کے معنی ہیں: وجہ، ضرورت، یعنی کوئی ضرورت اور وجہ پیش آئے تو امام مقتدی کو مقدم کرسکتا ہے، پہلے حدیث گذری ہے کہ آنحضور ﷺ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے، آپؐ کو حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بائیں طرف بٹھادیا گیا، صدیقِ اکبرؓ پیچھے ہٹنے لگے تو آنحضور ﷺ نے اشارہ کیا کہ رک جاؤ، وہ آپؐ کی تکبیریں سن کر زور سے تکبیریں کہتے تھے، یا اس وجہ سے روک لیا کہ پیچھے صف پوری تھی۔ غرض یہ ضرورتاً امام کا مقتدی کو مقدم کرنا ہے اور یہی اس باب کا مدعی ہے۔

[۴۷-] بابُ مَنْ قَامَ إِلٰی جَنْبِ الإِمَامِ لِعِلَّۃٍ

[۶۸۳-] حدثنا زَکَرِیَّا بْنُ یَحْیَی، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَیْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ہِشَامُ بْنُ عُرْوَۃَ، عَنْ أَبِیْہِ، عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ: أَمَرَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَبَا بَکْرٍ أَنْ یُصَلِّیَ بِالنَّاسِ فِیْ مَرَضِہِ، فَکَانَ یُصَلِّیْ بِہِمْ، قَالَ عُرْوَۃُ: فَوَجَدَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ نَفْسِہِ خِفَّۃً فَخَرَجَ، فَإِذَا أَبُوْ بَکْرٍ یَؤُمُّ النَّاسَ، فَلَمَّا رَآہُ أَبُوْ بَکْرٍ اسْتَأْخَرَ، فَأَشَارَ إِلَیْہِ أَنْ کَمَا أَنْتَ، فَجَلَسَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

حِذَاءَ أَبِیْ بَکْرٍ إِلٰی جَنْبِهِ، فَکَانَ أَبُوْ بَکْرٍ یُصَلِّیْ بِصَلاَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، وَالنَّاسُ یُصَلُّوْنَ بِصَلاَةِ أَبِیْ بَکْرٍ. [راجع: ۱۹۸]

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پہلے گذری ہے، ان سے حضرت عروہ روایت کرتے ہیں اور حدیث قال عروۃ تک ہے اس سے آگے حضرت عروہ کا قول ہے، اور اس حدیث سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ مرض وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو پہلی نماز پڑھائی تھی اسی میں آپؐ آگئے تھے مگر یہ بات صحیح نہیں، حضرت ابوبکرؓ نے جو پہلی نماز پڑھائی ہے وہ عشاء کی نماز تھی اور آنحضور ﷺ آئندہ کسی دن ظہر کی نماز میں آئے ہیں۔

بابُ مَنْ دَخَلَ لِیَؤُمَّ النَّاسَ فَجَاءَ الإِمَامُ الأَوَّلُ فَتَأَخَّرَ الأَوَّلُ أَوْ لَمْ یَتَأَخَّرْ: جَازَتْ صَلوٰتُهُ

نائب امام نماز پڑھانے آیا، پس اصل امام آیا تو نائب امام خواہ پیچھے ہٹے یا نہ ہٹے نماز درست ہے

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ امام کی عدم موجودگی میں کوئی ماذون شخص نماز پڑھانے کے لئے مصلی پر پہنچ جائے پھر اصل امام آجائے تو کیا منیب (نائب بنانے والے) کی موجودگی میں نائب نماز پڑھا سکتا ہے، یا اس پر امام راتب کو آگے بڑھانا اور خود پیچھے ہٹ جانا ضروری ہے؟ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں صورتیں جائز ہیں، نائب پیچھے ہٹ جائے اور امام راتب کو آگے بڑھائے: ایسا بھی کرسکتا ہے، اور نائب خود نماز پڑھائے یہ بھی جائز ہے۔ اور یہ اختیار نماز شروع کرنے سے پہلے تک ہے، اقامت ہو رہی ہو اور اصل امام آجائے تو یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، لیکن نماز شروع کرنے کے بعد نائب کے لئے پیچھے ہٹنا جائز نہیں، اب وہی نماز پڑھائے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو نماز شروع کرنے کے بعد نبی ﷺ کے لئے پیچھے ہٹ گئے تھے وہ آنحضور ﷺ کی خصوصیت تھی۔

آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اس سلسلہ کے تین واقعات مروی ہیں:

پہلا واقعہ: غزوۂ تبوک کے سفر میں فجر کے وقت قافلہ نے پڑاؤ کیا، نبی ﷺ قافلہ سے پیچھے تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نمازِ فجر پڑھانی شروع کی، دوسری رکعت پڑھا رہے تھے کہ آپؐ تشریف لے آئے، حضرت عبدالرحمٰن نماز پڑھاتے رہے، پیچھے نہیں ہٹے، سلام کے بعد آپؐ نے جو ایک رکعت رہ گئی تھی وہ پڑھی، صحابہ گھبرا گئے کہ آپؐ کی ایک رکعت فوت ہوگئی، نماز کے بعد آپؐ نے صحابہ کو تسلی دی اور ان کے عمل کو درست قرار دیا۔

دوسرا واقعہ: ابھی گذرا ہے کہ ظہر کی نماز میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز شروع کر چکے تھے، وہ پیچھے ہٹنے لگے، آپؐ نے اشارہ کیا کہ نماز پڑھاتے رہیں، مگر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹ گئے، آپؐ نے خلیفہ بن کر نماز پڑھانی شروع کی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زور سے تکبیریں کہیں۔

تیسرا واقعہ: باب میں ہے کہ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا، آنحضور ﷺ صلح صفائی کرانے

کے لئے تشریف لے گئے، جب نماز کا وقت ہوا اور آنحضور ﷺ تشریف نہیں لائے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اگر آپؓ نماز پڑھائیں تو میں تکبیر کہوں، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: تم چاہو تو پڑھا دوں، چنانچہ حضرت بلالؓ نے تکبیر کہی اور حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھانی شروع کی، ابھی پہلی ہی رکعت تھی کہ آنحضور ﷺ تشریف لے آئے، لوگ جگہ دیتے گئے اور آپؐ پہلی صف میں پہنچ گئے، اس وقت مسجدِ نبوی میں دو تین صفیں ہوتی تھیں، حضرت ابوبکرؓ کو کچھ پتا نہیں چلا لوگوں نے تالیاں بجائیں تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جھانکا، وہ آپؐ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے، آپؐ نے اشارہ فرمایا: نماز پڑھاتے رہو، مگر حضرت ابوبکرؓ نے کانوں پر ہاتھ رکھے، شکریہ ادا کیا اور صف میں چلے آئے، حضور ﷺ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی —— یہ دونوں واقعے بھی نماز شروع ہونے کے بعد کے ہیں مگر آپؐ پہلی ہی رکعت میں تشریف لے آئے تھے اور خلیفہ بن کر نماز پڑھائی تھی، یہ آپؐ کی خصوصیت تھی۔

نماز کے بعد آنحضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: جب میں نے اشارہ کیا تھا کہ نماز پڑھاتے رہو تو تم پیچھے کیوں ہٹ گئے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: ابن ابی قُحافہ کے لئے مناسب نہیں تھا کہ وہ اللہ کے رسول کے سامنے نماز پڑھائے، پھر آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: تالی بجانا عورتوں کے لئے ہے، اگر نماز میں کوئی بات پیش آئے تو سبحان اللہ کہنا چاہئے، سبحان اللہ کا مطلب ہے: اللہ عیوب سے پاک ہیں، جب سبحان اللہ کہا جائے گا تو امام سوچے گا مجھ سے کیا بھول ہو رہی ہے، جو مجھ سے یہ بات کہی جارہی ہے، اس طرح اس کو اپنی غلطی یاد آجائے گی۔

غرض حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پیچھے نہیں ہٹے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے، اس سے دونوں صورتوں کا جواز نکلا، اور نماز شروع ہونے کے بعد نائب کا پیچھے ہٹ جانا اور امام راتب کا آگے بڑھنا یہ آنحضور ﷺ کی خصوصیت تھی۔

[٤٨-] بابُ مَنْ دَخَلَ لِيَؤُمَّ النَّاسَ، فَجَاءَ الإِمَامُ الأَوَّلُ، فَتَأَخَّرَ الأَوَّلُ أَوْ لَمْ يَتَأَخَّرْ: جَازَتْ صَلوٰتُهُ

فِيْهِ عَائِشَةُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[٦٨٤-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِيْ حَازِمِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذَهَبَ إِلٰى بَنِىْ عَمْرِوبْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ، فَحَانَتِ الصَّلاَةُ فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ، فَقَالَ: أَتُصَلِّى لِلنَّاسِ فَأُقِيْمَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَصَلَّى أَبُوْ بَكْرٍ، فَجَاءَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَالنَّاسُ فِيْ الصَّلاَةِ، فَتَخَلَّصَ حَتّٰى وَقَفَ فِيْ الصَّفِّ، فَصَفَّقَ النَّاسُ، وَكَانَ أَبُوْبَكْرٍ لاَيَلْتَفِتُ فِيْ صَلاَتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيْقَ الْتَفَتَ، فَرَأَى رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَشَارَ إِلَيْهِ

رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنِ امْکُثْ مَکَانَکَ، فَرَفَعَ أَبُوْ بَکْرٍ رضی اللہ عنہ یَدَیْہِ، فَحَمِدَ اللّٰہَ عَلٰی مَا أَمَرَہُ بِہِ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ ذٰلِکَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُوْ بَکْرٍ، حَتّٰی اسْتَوٰی فِی الصَّفِّ، وَتَقَدَّمَ رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فَصَلّٰی، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ:" یَا أَبَا بَکْرٍ مَا مَنَعَکَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُکَ؟" فَقَالَ أَبُوْبَکْرٍ: مَا کَانَ لِابْنِ أَبِیْ قُحَافَۃَ أَنْ یُصَلِّیَ بَیْنَ یَدَیْ رسولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم، فَقَالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم:" مَا لِی رَأَیْتُکُمْ أَکْثَرْتُمُ التَّصْفِیْقَ؟ مَنْ نَابَہُ شَیْئٌ فِیْ صَلاَ تِہِ فَلْیُسَبِّحْ، فَإِنَّہُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَیْہِ، وَإِنَّمَا التَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ"[انظر: ۱۲۰۱، ۱۲۰۴، ۱۲۱۸، ۱۲۳۴، ۲۶۹۰، ۲۶۹۳، ۷۱۹۰]

حدیث: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ قبیلہ بنی عمرو بن عوف کی طرف گئے تاکہ آپؐ ان کے درمیان صلح کرائیں، پس نماز کا وقت ہوگیا تو مؤذن (حضرت بلالؓ) حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا: اگر آپ نماز پڑھائیں تو میں تکبیر کہوں؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ہاں یعنی نماز پڑھاؤں گا پس حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھی، پس نبی ﷺ تشریف لے آئے درانحالیکہ لوگ نماز میں تھے، پس آپؐ بڑھتے رہے یہاں تک کہ پہلی صفت میں کھڑے ہوئے یعنی لوگ جگہ دیتے گئے اور آپؐ بڑھتے رہے، یہاں تک کہ پہلی صف میں پہنچ گئے۔ پس لوگوں نے تالیاں بجائیں اور ابوبکرؓ نماز میں التفات نہیں کرتے تھے، پس جب لوگوں نے بہت زیادہ تالیاں بجائیں تو انھوں نے التفات کیا، پس انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپؐ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہو، یعنی نماز پڑھاتے رہو، پس ابوبکرؓ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اللہ کی تعریف کی، اُس بات پر جس کا نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا (ہاتھوں کو کانوں کی طرف اٹھانے کا مطلب ہے: ذرہ نوازی کا شکریہ! شکریہ کے الفاظ زبان سے ادا کرنے ضروری نہیں، جیسے انگوٹھا دکھانا یورپ وامریکہ میں 'شکریہ' ہے) پھر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹ گئے، یہاں تک کہ صف میں آگئے پس رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے اور آپؐ نے نماز پڑھائی، جب آپؐ نماز سے پلٹے تو فرمایا: "اے ابوبکر! تمہیں اپنی جگہ ٹھہرنے سے کس چیز نے روکا جبکہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: ؟ ابو قحافہ کے لڑکے کے لئے مناسب نہیں تھا کہ وہ نبی ﷺ کے سامنے نماز پڑھاتا، پس رسول اللہ ﷺ نے (لوگوں سے) فرمایا: میں نے کیوں دیکھا تمہیں کہ تم نے بہت زیادہ تالیاں بجائیں؟ جس کو نماز میں کوئی بات پیش آئے اس کو چاہئے کہ سبحان اللہ کہے، اس لئے کہ جب وہ سبحان اللہ کہے گا تو اس کی طرف توجہ کی جائے گی اور تالیاں بجانا عورتوں ہی کے لئے ہے"

قولہ: إنما التصفیق للنساء: تصفیق کے معنی ہیں: تالی بجانا۔ اور یہاں بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں مارنا مراد ہے، اور اس جملہ کا مطلب جمہور نے یہ سمجھا ہے کہ اگر امام یا کسی کو تنبیہ کرنی ہو تو مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں تصفیق کریں، وہ سبحان اللہ نہیں کہیں گی کیونکہ عورت کی آواز بھی عورت (ستر) ہے اور یہیں سے بعض کتابوں میں مسئلہ لکھا ہے کہ اگر عورت نماز میں لقمہ دے گی تو نماز فاسد ہوجائے گی، کیونکہ عورت کی آواز ستر ہے اور ننگا پا ظاہر کرنا مفسدِ صلوٰۃ ہے، مگر یہ بات صحیح نہیں، صوتُ العورۃ عورۃ کا مطلب یہ ہے کہ عورت پر بدن کی طرح اپنی آواز کی حفاظت بھی

ضروری ہے، اجنبیوں کے سامنے آواز ظاہر کرنے سے اس کو احتراز کرنا چاہئے، لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مرد وزن سب سبحان اللہ کہیں گے وہ فرماتے ہیں: آنحضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ امام کو تنبیہ کرنے کے لئے مرد سبحان اللہ کہیں، تالی نہ بجائیں یہ تو عورتوں کا شیوہ ہے، ہمارے محاورہ میں کہتے ہیں: تالی بجانا ہجڑوں کا کام ہے۔

مگر حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث آگے کتاب الاحکام (حدیث ۷۱۹۰) میں آرہی ہے اس سے امام مالک رحمہ اللہ کے سمجھے ہوئے مطلب کی تردید ہوتی ہے، اس حدیث کے الفاظ ہیں: إذا نابکم أَمْرٌ فلیُسَبِّحِ الرجالُ وَلْیُصَفِّحِ النساءُ: جب (نماز میں) کوئی بات پیش آئے تو چاہئے کہ مرد تسبیح کہیں اور عورتیں چٹکی بجائیں، اس میں صراحت ہے کہ سبحان اللہ صرف مرد کہیں گے، عورتیں بجائے تسبیح کے تصفیق کریں گی، مگر احتمال ہے کہ یہ روایت بالمعنی ہو، راوی نے جیسا سمجھا اس طرح الفاظ بدل دیئے۔

فائدہ: نماز میں تسبیح کہنے کا صرف یہی ایک موقع نہیں ہے بلکہ اس کے بہت سے مواقع ہیں مثلاً کوئی شخص بے خبری میں نمازی کے سامنے سے گذرنا چاہتا ہے تو بھی نمازی تسبیح کہے گا تاکہ گذرنے والا متنبہ ہو جائے، اسی طرح امام مقتدیوں کو کسی غلطی پر تنبیہ کرنا چاہے تو بھی تسبیح کہے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص گھر کے اندر نماز میں مشغول ہے اور باہر سے کوئی اجازت طلب کرتا ہے تو چاہئے کہ زور سے تسبیح کہے اور اپنا نماز میں ہونا بتائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی ﷺ سے اجازت طلب کرتا جبکہ آپؐ نماز میں ہوتے تھے تو آپ سبحان اللہ کہتے (ترمذی حدیث ۳۸۰) ان کے علاوہ اور بھی جگہیں ہوسکتی ہیں۔

بابٌ: إِذَا اسْتَوَوْا فِي الْقِرَاءَ ةِ فَلْيَؤُمَّهُمْ أَكْبَرُهُمْ

جب لوگ قراءت میں برابر ہوں تو بڑا امامت کرے

امامت کا زیادہ حقدار اعلم ہے، پھر اقرأ، پھر اکبر کا نمبر ہے، یعنی اگر علم وقراءت میں سب برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو وہ امامت کرے۔ حضرت مالک بن الحویرثؓ اور ان کے قبیلہ کے کچھ نوجوان علم حاصل کرنے کے لئے مدینہ آئے تھے، اور بیس روز مدینہ میں رہے تھے، وہ سب علم وقراءت میں یکساں تھے، اس لئے نبی ﷺ نے عمر زیادہ ہونے کا لحاظ فرمایا اور حکم دیا کہ تم میں جو بڑا ہے وہ امامت کرے۔

[۴۹-] بابٌ: إِذَا اسْتَوَوْا فِي الْقِرَاءَ ةِ فَلْيَؤُمَّهُمْ أَكْبَرُهُمْ

[۶۸۵-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، قَالَ: قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَنَحْنُ شَبَبَةٌ، فَلَبِثْنَا عِنْدَهُ نَحْوًا مِنْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً،

وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم رَحِيْمًا، فَقَالَ: "لَوْ رَجَعْتُمْ إِلٰى بِلَادِكُمْ فَعَلَّمْتُمُوْهُمْ، مُرُوْهُمْ فَلْيُصَلُّوْا صَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا، وَصَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا، وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ. [راجع: ٦٢٨]

قوله إذا اسْتَوَوْا في القراءة: یہاں سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک دوسرا نمبر اقرأ کا ہے اس لئے کہ اعلم کا ذکر پہلے کر چکے ہیں، امام اعظم رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، پھر اقرأ کے بعد اکبر کا نمبر ہے۔

بابٌ: إِذَا زَارَ الإِمَامُ قَوْمًا فَأَمَّهُمْ

جب امیر کسی علاقہ میں گیا پس اس نے امامت کی

یہاں امام سے امیر مراد ہے، اگر امیر کسی علاقہ میں جائے تو امامت کا حق کس کا ہے؟ امیر کا جو امام عام ہے یا مقررہ امام کا جو امام خاص ہے؟ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: امامت کا زیادہ حق تو امام خاص کا ہے مگر مناسب یہ ہے کہ امام خاص امام زائر سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے۔ امام عام کی موجودگی میں امام خاص کو اقدام نہیں کرنا چاہئے، جیسے دارالعلوم کے ایک استاذ شہر کی کسی مسجد میں اتفاقاً پہنچ گئے، وہاں ان کا شاگرد امام ہے تو اس امام کو چاہئے کہ اپنے استاذ سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے، خود آگے نہ بڑھے اگرچہ امامت اسی کا حق ہے، اسی طرح اگر امیر کسی جگہ پہنچ جائے تو اگرچہ نماز پڑھانے کا حق امام خاص کا ہے مگر امام عام کی موجودگی میں امام خاص کو نماز نہیں پڑھانی چاہئے۔ امام عام سے پڑھوانی چاہئے۔ حضور ﷺ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے وہاں جماعت کی تو امامت کا حق حضرت عتبانؓ کا تھا، کیونکہ وہ صاحبِ بیت تھے، چنانچہ نبی ﷺ نے ان سے اجازت مانگی اور انھوں نے جگہ بتائی وہاں نبی ﷺ نے امام بن کر نماز پڑھائی۔

[٥٠-] بابٌ: إِذَا زَارَ الإِمَامُ قَوْمًا فَأَمَّهُمْ

[٦٨٦-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ، قَالَ: سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الأَنْصَارِيَّ، قَالَ: اسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَأَذِنْتُ لَهُ، فَقَالَ: "أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟" فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ أُحِبُّ، فَقَامَ وَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا. [راجع: ٤٢٤]

بابٌ: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ

امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے

احوالِ صلوٰۃ میں مقتدیوں پر امام کی اتباع لازم ہے، خواہ تکبیرات ہوں، رکوع، سجود، قومہ، جلسہ یا قیام وقعود ہوں، سب امور

میں مقتدیوں پر امام کی اتباع لازم ہے، افعال میں بھی اور اقوال میں بھی، کسی بھی حال میں امام کی مخالفت جائز نہیں، اس لئے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے'' البتہ چند مسائل اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں۔

پہلا مسئلہ: اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو اس خاص معاملہ میں اس کی اتباع نہیں کی جائے گی، قیام پر قادر مقتدی کھڑے ہوکر اقتداء کریں گے ـــــ اس سلسلہ میں آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ میں دو واقعے ہیں:

پہلا واقعہ: سنہ ۵ ہجری کا ہے، نبی ﷺ گھوڑے پر سوار ہوکر کہیں تشریف لے جارہے تھے، اچانک گھوڑا بدکا اور ایک کھجور کے درخت کے قریب سے گذرا، آپؐ کا پاؤں درخت سے رگڑ کھا گیا اور آپؐ گھوڑے سے گر پڑے، آپؐ نے بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ پر جو بالا خانہ تھا اس میں گذارے، ایک مرتبہ چند صحابہ عیادت کے لئے آئے اتفاق سے اس وقت آپؐ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، ان حضرات نے موقع غنیمت جان کر آپؐ کی اقتداء کی، اور کھڑے ہوکر اقتداء کی، آپؐ نے ان کو اشارے سے بٹھادیا، اور نماز کے بعد فرمایا: امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، پس جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

دوسرا واقعہ: آپؐ کے مرض وفات کا ہے۔ مرض موت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے تھے، ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ آپؐ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے تشریف لے آئے، صدیق اکبرؓ پیچھے ہٹ گئے، نبی ﷺ نے اشارہ بھی کیا کہ وہ نماز پڑھاتے رہیں، مگر انھوں نے ہمت نہ کی، آپؐ کو امام کی بائیں جانب بٹھادیا گیا، اور آپؐ نے نماز پڑھانی شروع کی، آپ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تمام مقتدی کھڑے ہوکر اقتداء کررہے تھے۔

جمہور کے نزدیک اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہوکر اقتداء کریں، آپؐ کا یہ آخری عمل ان کی دلیل ہے۔ اور حدیث إذا صَلّٰی جالسا فصلُّوْا جلوسا أجمعون کو جمہور منسوخ مانتے ہیں۔ مرض وفات والا واقعہ ناسخ ہے اس لئے کہ وہ بعد کا واقعہ ہے، پس یہ جزئیہ اُس ضابطہ سے مستثنیٰ ہے۔

البتہ امام احمد رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں: اگر معذور امام شروع ہی سے بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو تو مقتدی بیٹھ کر اقتداء کریں، اور اگر امام کو نماز کے درمیان عذر پیش آیا اور وہ بیٹھ گیا تو مقتدی کھڑے ہوکر اقتداء کریں، یعنی امام احمد رحمہ اللہ نے دونوں حدیثوں کو جمع کیا ہے، پہلے واقعہ میں امام کا عذر اصلی تھا یعنی وہ شروع ہی سے معذور تھا اس لئے بیٹھ کر اقتداء کا حکم دیا گیا اور دوسرے واقعہ میں عذر طاری تھا یعنی معذور امام درمیان میں آیا تھا اس لئے لوگوں نے کھڑے ہوکر اقتداء کی، یہ مسئلہ أبواب صفة الصلوٰة میں بھی آئے گا۔

دوسرا مسئلہ: حنفیہ کے نزدیک رکوع سے کھڑے ہوتے وقت امام صرف تسمیع کہے گا اور مقتدی صرف تحمید، یہی رائے جمہور کی بھی ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے امام و مقتدی کے درمیان وظیفہ (ذکر) تقسیم کیا ہے، فرمایا: جب امام سمع اللہ لمن

حمدہ کہے تو تم ربنا لك الحمد کہو (ترمذی حدیث ۲۶۵) اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک امام ومقتدی دونوں ذکر جمع کریں گے، غرض جمہور کے نزدیک یہ جزئیہ بھی اُس ضابطہ سے مستثنیٰ ہے، یا یہ کہا جائے کہ رکوع سے اٹھتے وقت امام کی پیروی کی صورت یہی ہے کہ امام تسمیع کرے اور مقتدی تحمید کریں، اس صورت میں استثناء کی ضرورت نہیں ہوگی۔

تیسرا مسئلہ: مقتدی قراءت میں امام کی پیروی کریں گے یا نہیں؟ احادیث میں اس کا بھی استثناء آیا ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: إذا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا: جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے جو مسلم شریف (۱: ۱۷۴ باب التشهد) میں ہے۔ اور دوسری حدیث ہے: مَن کان له إمامٌ، فقراءةُ الإمام له قراءةٌ: یعنی امام کی قراءت مقتدی کے حق میں محسوب ہے، یہ حدیث پانچ صحابہ سے مروی ہے، تفصیل نصب الرایہ (۲: ۶-۱۲) میں ہے۔

اور تمام ائمہ متفق ہیں کہ مقتدی سورت نہیں پڑھے گا، اور فاتحہ پڑھے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ قراءت میں فاتحہ شامل ہے یا نہیں؟ عرف میں شامل نہیں، جب کسی سے پوچھتے ہیں کہ آج امام نے نماز میں کیا قراءت کی؟ تو وہ سورت بتلاتا ہے فاتحہ نہیں بتلاتا، اور لغت میں فاتحہ پر بھی قراءت کا اطلاق ہوتا ہے، پس جن ائمہ کی رائے یہ ہے کہ قراءت میں فاتحہ شامل نہیں ان کے نزدیک فاتحہ میں بھی مقتدی امام کی اتباع کرے گا یعنی مقتدی بھی فاتحہ پڑھے گا۔ اور جنھوں نے قراءت میں فاتحہ کو شامل رکھا ہے ان کے نزدیک مقتدی فاتحہ نہیں پڑھے گا۔ اور یہ مسئلہ أبواب صفة الصلوٰة میں بھی آئے گا۔

غرض: ان تین مسئلوں کے علاوہ امام کی اتباع لازم ہے اقوال میں بھی اور افعال میں بھی، حتی کہ اگر غلطی سے مقتدی امام سے پہلے رکوع یا سجدہ کرلے یا رکوع، سجدہ سے سر اٹھالے تو مقتدی پر اس رکن میں لوٹنا واجب ہے جس رکن میں امام ہے، اور امام کے سر اٹھانے کے بعد سر اٹھانا یا امام کے رکوع وسجود میں جانے کے بعد رکوع وسجدہ کرنا لازم ہوگا، یہ بات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے، اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی وجہ سے مقتدی کے افعال کی ترتیب غلط ہوجائے تو غلط شدہ فعل کی درستگی کے لئے اس فعل کو مکرر ادا کرنا ہوگا، مثلاً فجر کی جماعت ہورہی تھی، کسی مجبوری سے مقتدی پہلی رکعت کا ایک سجدہ یا دونوں سجدے نہیں کرسکا اور اس نے دوسری رکعت کے دونوں سجدے کئے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اسے مسبوق کی طرح ایک رکعت پڑھنی ہوگی، اور جو سجدے رہ گئے ہیں ان کو کرنا ہوگا۔ اور اگر سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا کہ پہلی رکعت کے سجدے رہ گئے ہیں تو اب نماز ازسرنو پڑھے۔

[۵۱-] بابٌ: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ

[۱-] وَصَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ بِالنَّاسِ، وَهُوَ جَالِسٌ.

[۲-] وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: إِذَا رَفَعَ قَبْلَ الإِمَامِ يَعُوْدُ، فَيَمْكُثُ بِقَدْرِ مَا رَفَعَ، ثُمَّ يَتْبَعُ الإِمَامَ.

[۳-] وَقَالَ الْحَسَنُ فِيْمَنْ يَرْكَعُ مَعَ الإِمَامِ رَكْعَتَيْنِ، وَلاَ يَقْدِرُ عَلَى السُّجُوْدِ: يَسْجُدُ لِلرَّكْعَةِ الأَخِيْرَةِ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ يَقْضِي الرَّكْعَةَ الأُوْلٰى بِسُجُوْدِهَا، وَفِيْمَنْ نَسِيَ سَجْدَةً حَتّٰى قَامَ: يَسْجُدُ.

۱-امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو قیام پر قادر مقتدی کھڑے ہوکر اقتداء کریں، نبی ﷺ نے مرضِ وفات میں بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور تمام لوگوں نے کھڑے ہوکر اقتداء کی تھی، معلوم ہوا کہ یہ جزئیہ باب کے ضابطہ سے مستثنیٰ ہے۔

۲-حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب مقتدی نے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھایا پھر دیکھا کہ ابھی امام رکوع یا سجدہ میں ہے، اس نے سر نہیں اٹھایا تو اسے فوراً رکوع، سجدہ میں لوٹ جانا چاہئے، اور امام کے بقدر رکوع، سجدہ میں رکنا چاہئے، پھر امام کے سر اٹھانے کے بعد سر اٹھانا چاہئے، اسی طرح اگر مقتدی رکوع یا سجدہ میں پہلے چلا جائے تو بھی مقتدی واپس لوٹے اور امام کے بعد رکوع اور سجدہ کرے، یعنی رکوع وسجود میں امام کی متابعت لازمی ہے، یہ جزئیہ ضابطہ سے مستثنیٰ نہیں۔

۳-اس عبارت میں دو مسئلے ہیں، مگر عبارت بہت مختصر ہوگئی ہے اس لئے اس کو سمجھنا مشکل ہوگیا ہے، حاشیہ میں دونوں مسئلے الگ الگ بیان کئے گئے ہیں

پہلا مسئلہ: باجماعت نماز میں کثرت اژدحام کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے بعض مقتدی پہلی رکعت کے دونوں یا ایک سجدہ نہیں کرسکے اور دوسری رکعت کے دونوں سجدے کئے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلی رکعت کا اعادہ کرے، جیسے مسبوق چھٹی ہوئی رکعت پڑھتا ہے۔اس میں وہ چھٹے ہوئے سجدے کرے اور سجدۂ سہو نہ کرے، کیونکہ یہ رکعت امام کی اقتداء میں پڑھی ہے۔

دوسرا مسئلہ: ایک شخص پہلی رکعت کا ایک سجدہ بھول گیا دوسری رکعت میں سلام پھیرنے سے پہلے یاد آیا تو وہ دوسری رکعت میں تین سجدے کرے، اور سلام پھیرنے کے بعد یاد آئے تو از سر نو نماز پڑھے۔

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس شخص کے بارے میں جس نے امام کے ساتھ دوگانہ پڑھا (اور پہلی رکعت کے) دونوں سجدے نہیں کرسکا تو حضرت حسنؒ فرماتے ہیں: پہلے آخری رکعت کے دونوں سجدے کرے، پھر پہلی رکعت اس کے سجدوں کے ساتھ قضاء کرے، یعنی امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ رکعت دوبارہ پڑھے (پہلا مسئلہ) اور اس شخص کے بارے میں جو (پہلی رکعت کا) ایک سجدہ بھول گیا، یہاں تک کہ کھڑا ہوگیا، فرماتے ہیں: وہ سجدہ کرے، یعنی جو سجدہ بھول گیا ہے وہ سجدہ دوسری رکعت میں کرے (دوسرا مسئلہ)

[۶۸۷-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا زَائِدَةُ، عَنْ مُوْسَى بْنِ أَبِيْ عَائِشَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: أَلاَ تُحَدِّثِيْنِيْ عَنْ مَرَضِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟

قَالَتْ: بَلٰى، ثَقُلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ:" أَصَلَّى النَّاسُ؟" فَقُلْنَا: لاَ، يَارسولَ اللّٰهِ! وَهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَارسولَ اللّٰهِ! قَالَ:" ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِيْ الْمِخْضَبِ" قَالَتْ: فَفَعَلْنَا، فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ لِيَنُوْءَ، فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ صلى الله عليه وسلم:" أَصَلَّى النَّاسُ؟" قُلْنَا: لاَ، هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَارسولَ اللّٰهِ! فَقَالَ: "ضَعُوْا لِيْ مَاءً فِيْ الْمِخْضَبِ" فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ:" أَصَلَّى النَّاسُ" قُلْنَا: لاَ، هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَارسولَ اللّٰهِ! وَالنَّاسُ عُكُوْفٌ فِيْ الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُوْنَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِصَلاَةِ الْعِشَاءِ الآخِرَةِ، فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ بِأَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَأَتَاهُ الرَّسُوْلُ، فَقَالَ: إِنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَأْمُرُكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ، وَكَانَ رَجُلاً رَقِيْقًا: يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَنْتَ أَحَقُّ بِذٰلِكَ، فَصَلَّى أَبُوْ بَكْرٍ تِلْكَ الْأَيَّامَ، ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَجَدَ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً، فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلاَةِ الظُّهْرِ، وَأَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُوْ بَكْرٍ ذَهَبَ لِيَتَأَخَّرَ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِأَنْ لاَ يَتَأَخَّرَ، قَالَ:" أَجْلِسَانِيْ إِلٰى جَنْبِهِ" فَأَجْلَسَاهُ إِلٰى جَنْبِ أَبِيْ بَكْرٍ، قَالَ: فَجَعَلَ أَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّيْ وَهُوَ يَأْتَمُّ بِصَلاَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَالنَّاسُ بِصَلاَةِ أَبِيْ بَكْرٍ، وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَاعِدٌ.

قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ: فَدَخَلْتُ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، فَقُلْتُ لَهُ: أَلاَ أَعْرِضُ عَلَيْكَ مَا حَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ عَنْ مَرَضِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: هَاتِ، فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَدِيْثَهَا، فَمَا أَنْكَرَ مِنْهُ شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: أَسَمَّتْ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِيْ كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ؟ قُلْتُ: لاَ، قَالَ: هُوَ عَلِيٌّ.[راجع: ۱۹۸]

وضاحت: یہ حدیث آپ کی پڑھی ہوئی ہے، حضور اقدس ﷺ کا مرض وفات تیرہ دن رہا ہے۔ بدھ کے دن سے مرض شروع ہوا، وہ دن حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا تھا، اور پیر کے دن وصال ہوا، وہ دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا تھا، بیماری کے ایام میں بھی آپؐ نماز پڑھاتے رہے، سب سے پہلے عشاء کی نماز میں آپؐ کے مرض میں شدت آئی، آپؐ پر بار بار غشی طاری ہوئی، آپؐ نے تین مرتبہ غسل فرمایا تا کہ نماز پڑھانے کے لئے تشریف لے جائیں، مگر ممکن نہ ہوسکا، چوتھی مرتبہ جب ہوش آیا تو آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہلوایا کہ وہ نماز پڑھائیں۔ یہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نمازیں پڑھانی شروع کیں اور آپؐ کی حیات طیبہ میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔

قولہ: فذهب لِيَنُوْءَ: حضور ﷺ نے مشکل سے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ نَاءَ (ن) بِحِمْلِهِ نَوْءً ا: اپنے بوجھ کو مشکل سے لے کر اٹھنا۔

قولہ: ضَعُوا الى ماءً فى المِخْضَبِ: مِخْضَب کے معنی ہیں: بڑا برتن جو کپڑے دھونے یا رنگنے کے کام آتا ہے، آنحضور ﷺ نے ایام مرض میں ایک مرتبہ اپنے اوپر سات مشکوں کا پانی ڈلوایا تھا (کتاب الوضوء باب ۴۴) وہ واقعہ الگ

ہے اور یہ واقعہ الگ ہے، اس موقع پر آپ ﷺ نے صرف غسل فرمایا تھا۔

قوله: و الناسُ عُکوفٌ: لوگ مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے، آپ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔

قوله: ثم إنَّ النبیَّ صلی اللہ علیه و سلم وجد من نفسه خِفَّةً: پھر نبی ﷺ نے اپنی طبیعت میں افاقہ محسوس کیا، اس جملہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اسی عشاء میں تشریف لائے تھے، مگر ایسا نہیں ہے بلکہ صحیح واقعہ یہ ہے کہ مرض وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلی نماز عشا کی پڑھائی اور حیاتِ طیبہ میں سترہ نمازیں پڑھائیں، ان ایام میں کسی دن ظہر کی نماز میں آپ ﷺ نے طبیعت میں افاقہ محسوس کیا تو ایک بڑے ٹب میں بیٹھ کر اپنے اوپر سات مشکوں کا پانی ڈلوایا پھر حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ (۱)

قوله: ذَهَبَ لِیَتَأَخَّرَ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا۔

قوله: وهو یَأْتَمُّ بصلوٰۃ النبی: درانحالیکہ حضرت ابوبکرؓ نبی ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے، اور لوگ ابوبکرؓ کی، یہاں سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ یہ دوہری امامت تھی جیسا کہ امامت جبرئیل میں دوہری امامت تھی، مگر یہ بات صحیح نہیں، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکبر تھے، نبی ﷺ کی تکبیریں زور سے کہہ رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کی تکبیریں سن کر لوگ ایک رکن سے دوسرے رکن میں منتقل ہو رہے تھے۔

قوله: أَلاَ أَعْرِضُ علیك: کیا میں آپ کے سامنے پیش نہ کروں یعنی نہ سناؤں وہ حدیث جو مرضِ وفات کے تعلق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کی ہے۔

[۶۸۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ، أَنَّهَا قَالَتْ: صَلّٰی رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم فِیْ بَیْتِهٖ وَهُوَ شَاكٍ، فَصَلّٰی جَالِسًا، وَصَلّٰی وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِیَامًا، فَأَشَارَ إِلَیْهِمْ أَنِ اجْلِسُوْا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: " إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ، فَإِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُوْلُوْا: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا صَلّٰی جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا أَجْمَعُوْنَ. [انظر: ۱۱۱۳، ۱۲۳۶، ۵۶۵۸]

[۶۸۹-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم رَکِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ، فَجُحِشَ شِقُّهُ الأَیْمَنُ، فَصَلّٰی صَلاَةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَصَلَّیْنَا وَرَاءَهُ قُعُوْدًا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: " إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ، فَإِذَا صَلّٰی قَائِمًا فَصَلُّوْا قِیَامًا، وَإِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُوْلُوْا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، [وَإِذَا

(۱) تحفۃ الالمعی (۲: ۱۸۷) کی ایک عبارت سے بھی یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ نبی ﷺ اسی عشاء میں تشریف لائے تھے، مگر صحیح بات یہاں ہے کہ آئندہ کسی دن ظہر کی نماز میں آپ ﷺ نے طبیعت میں افاقہ محسوس کیا تو دو آدمیوں کے سہارے تشریف لائے۔

صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا] وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا أَجْمَعُوْنَ"

قَالَ أَ بُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: قَالَ الْحُمَيْدِيُّ: قَوْلُهُ: وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا: هُوَ فِيْ مَرَضِهِ الْقَدِيْمِ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم جَالِسًا، وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامٌ، لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُوْدِ، وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالآخِرِ فَالآخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۳۷۸]

وضاحت: یہ حدیثیں بھی گذر چکی ہیں.........**وهو شاكٍ:** آپؐ بیمار تھے.........**إذا قَالَ سمع الله لمن حمده:** یہاں سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ امام صرف تسمیع کرے اور مقتدی صرف تحمید، کیونکہ نبی ﷺ نے دونوں کا وظیفہ بانٹ دیا ہے.........**فَصُرِعَ عنه:** پس آپؐ گھوڑے سے گر گئے اور آپؐ کی دائیں جانب چھل گئی، گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے آپؐ زخمی نہیں ہوئے تھے، بلکہ گھوڑا کسی وجہ سے بدکا تھا اور کھجور کے ایک درخت کے قریب سے گذرا تھا، جس کی وجہ سے پاؤں رگڑ کھا گیا تھا اور دائیں جانب زخمی ہوگئی تھی، اور آپؐ گھوڑے سے گر گئے تھے۔

قال الحمیدی: حمیدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: آنحضور ﷺ کا ارشاد: ''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو'' پہلے کا واقعہ ہے اور مرضِ وفات میں جو آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی ہے وہ بعد کا واقعہ ہے، اس میں سب صحابہ نے کھڑے ہو کر اقتداء کی تھی اور قاعدہ ہے کہ آخری عمل لیا جاتا ہے، پس یہاں بھی مرضِ وفات والا واقعہ لیں گے اور **إذا صلى جالساً فصلوا جلوسا أجمعون** کو منسوخ قرار دیں گے۔

بابٌ: مَتَى يَسْجُدُ مَنْ خَلْفَ الإِمَامِ؟

مقتدی کب سجدہ کریں؟

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ رکوع اور سجدے میں جاتے وقت یا اٹھتے وقت مقتدی معاقبت اختیار کریں یا مقارنت؟ معاقبت کے معنی ہیں: آگے پیچھے ہونا اور مقارنت کے معنی ہیں: ساتھ ساتھ ہونا۔ امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک مقارنت اولیٰ ہے، اور امام محمد، امام شافعی اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک معاقبت اولیٰ ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کے ارشاد: **إنما جُعل الإمام لِيُؤْتَمَّ به، فإذا كَبَّرَ فكبِّرُوْا، وإذا ركع فاركعُوْا، وإذا رَفَعَ فارْفَعُوْا:** میں فاء تعقیب کے لئے ہے، پس امام اور مقتدی آگے پیچھے انتقال کریں گے، اور دوسری دلیل باب کی حدیث ہے، حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو رکوع کے بعد کوئی سجدہ میں نہیں جاتا تھا یہاں تک کہ آنحضور ﷺ (زمین پر) سر رکھ دیتے تھے، پھر ہم جھکنا شروع کرتے تھے، یہ حدیث صریح ہے کہ امام اور مقتدی آگے پیچھے انتقال کریں گے۔

اور شیخین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: فا تعقیب مع الوصل کے لئے ہے، محض تعقیب کے لئے نہیں ہے، لہٰذا امام اور مقتدی

ساتھ ساتھ اور ذرا آگے پیچھے انتقال کریں گے، اور حضرت براءؓ کی حدیث معذور امام کے لئے ہے یعنی اگر امام بوڑھا ہو، اور مقتدی جوان ہوں تو امام کو انتقال پہلے کرنا چاہئے اور مقتدیوں کو بعد میں تاکہ مقتدی امام سے پہلے سجدہ میں نہ پہنچ جائیں۔ غرض حضرت براءؓ کی حدیث سنت نہیں ہے وہ ایک عارضی حکم ہے۔

فائدہ: غالباً امام احمد رحمہ اللہ کی رائے بھی وہی ہے جو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی ہے، یعنی امام احمدؒ کے نزدیک بھی معاقبت اولیٰ ہے، مگر مقتدیوں کو پیچھے رکھنے کے لئے آج کل عرب ائمہ نے جو طریقہ چلایا ہے وہ صحیح نہیں، وہ انتقال کے دوران تکبیر نہیں کہتے، بلکہ دوسرے رکن میں منتقل ہو کر تکبیر کہتے ہیں، کیونکہ امام اگر انتقال کے دوران تکبیر کہے گا تو مقتدی بھی ساتھ ہی منتقل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اس لئے عرب ائمہ نے مقتدیوں کو پیچھے رکھنے کے لئے انتقال کے بعد تکبیر کہنی شروع کر دی ہے، اور ان کے دیکھا دیکھی عجمی ائمہ نے بھی یہ طریقہ اپنا لیا ہے، حالانکہ یہ طریقہ صحیح نہیں، عرب ائمہ کی اس میں اقتداء نہیں کرنی چاہئے، یہ طریقہ حدیث اور فقہاء کے اجماع کے خلاف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر کہا کرتے تھے درانحالیکہ آپؐ گرتے تھے یعنی انتقال کے دوران تکبیر کہا کرتے تھے، یہ حدیث ترمذی (حدیث ۲۵۴) میں ہے اور اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیراتِ انتقالیہ ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے دوران کہی جائیں گی، اور ان کو اسی وجہ سے تکبیراتِ انتقالیہ کہتے ہیں، اور اس پر چاروں فقہاء کا اتفاق ہے، پس عرب ائمہ نے جو طریقہ چلایا ہے وہ غلط ہے، عجمی ائمہ کو ان کی پیروی نہیں کرنی چاہئے۔

[۵۲-] بابٌ: مَتَى يَسْجُدُ مَنْ خَلْفَ الإِمَامِ؟

قَالَ أَنَسٌ: فَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا.

[۶۹۰-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ الْبَرَاءُ، وَهُوَ غَيْرُ كَذُوْبٍ، قَالَ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ: لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَقَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم سَاجِدًا، ثُمَّ نَقَعُ سُجُوْدًا بَعْدَهُ.

حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ نَحْوَهُ.[انظر: ۷۴۷، ۸۱۱]

وضاحت: حضرت عبد اللہ بن یزید نے حدیث سناتے وقت وھو غیر کذوب کہہ کر تمہید قائم کی ہے، انھوں نے بات پر زور دینے کے لئے اور لوگوں کی توجہ طلب کرنے کے لئے یہ جملہ بڑھایا ہے، ورنہ تمام صحابہ نقلِ دین میں بالاتفاق عدول (قابل اعتماد) ہیں ان میں جھوٹ کا ادنیٰ شائبہ نہیں، اور یہ اضافہ ایسا ہی ہے جیسا بعض مواقع میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: قال الصادق المصدوق: حالانکہ آنحضور ﷺ میں جھوٹ کا ادنیٰ شائبہ

نہیں، پس مقصود لوگوں کی توجہ طلب کرنا اور حکم کی اہمیت ذہن نشین کرنا ہے۔

بابُ إِثْمِ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ

امام سے پہلے رکوع وسجود سے سر اٹھانے کا گناہ

تقدم علی الامام مخالفت کی ایک صورت ہے جو معصیت ہے، اور اس کا منشاء حماقت کے سوا کچھ نہیں، اس لئے کہ اگر امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھائے گا یا امام سے پہلے رکوع یا سجدے میں جائے گا تو کیا امام سے پہلے نماز سے فارغ ہوجائے گا؟ اور جانوروں میں احمق گدھا ہے اس لئے اس کو جنسِ عمل سے سزا دی جائے گی، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو امام سے پہلے رکوع وسجود سے سر اٹھاتا ہے کیا وہ اس بات سے ڈرتا نہیں کہ اس کا سر گدھے کے سر سے بدل دیا جائے؟''

جاننا چاہئے کہ یہ حدیث خبر نہیں ہے بلکہ وعید ہے، کیونکہ حدیث کے شروع میں أَلاَ يَخْشٰی یا أَمَا يَخْشٰی ہے، چنانچہ بعض لوگ رکوع اور سجدے میں امام سے پہلے سر اٹھاتے ہیں یا پہلے رکوع وسجود میں چلے جاتے ہیں مگر کسی کا سر گدھے کے سر سے نہیں بدل جاتا، یہ اشکال اس لئے درست نہیں کہ یہ حدیث خبر نہیں ہے، بلکہ وعید ہے، خبر کا اس دنیا میں تحقق ضروری ہے اور وعید کا اس دنیا میں پورا ہونا ضروری نہیں، عالم برزخ میں، عالم حشر میں اور عالم آخرت میں بھی اس کا تحقق ہوسکتا ہے۔

[۵۳-] بابُ إِثْمِ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ

[۶۹۱-] حدثنا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:'' أَمَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ، أَوْ: لاَ يَخْشَى أَحَدُكُمْ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ أَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ! أَوْ: يَجْعَلَ اللّٰهُ صُوْرَتَهُ صُوْرَةَ حِمَارٍ!''

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے ایک ڈرتا نہیں جب وہ اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کے سر جیسا کردیں یا فرمایا: اس کی صورت گدھے کی صورت جیسی کردیں (لاَيَخشى سے پہلے ہمزۂ استفہام پوشیدہ ہے)

تشریح:

مشکوٰۃ کے حاشیہ میں ایک واقعہ لکھا ہے: ایک محدث نے اس حدیث کو آزمایا، انھوں نے بالقصد نماز کے کسی رکن میں امام سے سبقت کی، تاکہ دیکھیں: ان کا سر گدھے کے سر جیسا ہوجاتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ ان کا سر گدھے کے سر جیسا ہوگیا، چنانچہ وہ چہرے پر نقاب ڈال کر حدیث پڑھانے آتے تھے، یہ بے صفحہ کا قصہ ہے۔ طالب علم سوال کرتا ہے: کیا ایسا نہیں ہوسکتا؟ جواب: ہوسکتا ہے اور ہزار بار ہوسکتا ہے، مگر ہوا اس کی کیا دلیل ہے؟ یہ انوکھا اور عجیب وغریب واقعہ اگر ظہور پذیر ہوا

ہوتا تو تواتر کے ساتھ منقول ہوتا، اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہوتا، اسماء الرجال کی کتابوں میں اس کا ذکر آتا، جبکہ کسی کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں، اس لئے یہ بے صفحہ کا قصہ ہے۔

فائدہ: لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں، ایسی ویسی کچی باتوں کو اور مہمل حکایات کو کرامت کے نام پر مان لیتے ہیں اور کہتے ہیں: کیا ایسا نہیں ہوسکتا؟ جواب: سب کچھ ہوسکتا ہے مگر ہوا اس کی دلیل چاہئے۔ سورۃ الفرقان (آیت ۷۳) میں عباد الرحمٰن کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ جب ان کے سامنے دین کی کوئی بات آتی ہے تو وہ اس پر بہرے، گونگے ہو کر نہیں گرتے، عقل سے کام لیتے ہیں، کھری بات قبول کرتے ہیں اور کچی بات رد کر دیتے ہیں، پس حکایاتِ اولیاء آنکھ بند کر کے نہیں مان لینی چاہئیں، اس سے گمراہی کا دروازہ کھلتا ہے۔

بابُ إِمَامَةِ الْعَبْدِ وَ الْمَوْلٰی......وَ......وَ

(۱) غلام اور آزاد کردہ کی امامت (۲) ولد الزنا، بدّو اور نابالغ کی امامت

(۳) غلام کو کسی خاص وجہ کے بغیر جماعت سے روکنا جائز نہیں

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے تین مسائل ذکر کئے ہیں، دو مدلل ہیں اور ایک مستنبط ہے:

۱- غلام اور آزاد کردہ کی امامت درست ہے اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مدبر غلام ذکوان قرآن سے حضرت عائشہؓ کی امامت کرتے تھے، مدبر اس غلام کو کہتے ہیں جس سے آقا نے کہہ دیا ہو کہ تو میرے مرے پیچھے آزاد ہے، ایسا غلام من وجہ آزاد ہو جاتا ہے اور من وجہ غلام رہتا ہے۔ پس اس اثر سے غلام اور مولیٰ کی امامت کا جواز ثابت ہوا۔

۲- حرام زادہ، بدّو اور نابالغ کی امامت بھی جائز ہے اور دلیل یہ ارشادِ پاک ہے کہ لوگوں کی امامت کرے وہ جوان میں سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہے، پس اگر مذکورہ تین شخص قوم میں اقرأ ہوں تو وہ امامت کریں گے ان کی امامت درست ہوگی۔

۳- غلام کو کسی خاص وجہ کے بغیر جماعت میں شرکت سے روکنا جائز نہیں، اس مسئلہ کی دلیل حضرت نے ذکر نہیں کی، جماعت سے اس کو روکنا اس لئے جائز نہیں کہ امام بخاریؒ کے نزدیک جماعت فرض ہے، غلام پر بھی فرض ہے اس لئے اس کو اس فریضہ کی ادائیگی سے روکنا درست نہیں، البتہ کوئی خاص وجہ ہو تو مولیٰ روک سکتا ہے۔

فائدہ: نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں، اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور صاحبین امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے، مگر مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت ہے، ان کا امام نماز میں کتاب دیکھ کر پڑھتا ہے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل حاشیہ میں لکھی ہے کہ قرآن دیکھ کر پڑھنا عمل کثیر ہے، اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، مگر یہ وجہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اگر بڑے حرفوں والا قرآن ہو، اور اسٹینڈ پر رکھا ہو، اور امام اس میں دیکھ کر پڑھے تو بھی نماز

فاسد ہو جائے گی، حالانکہ یہاں سرے سے عمل نہیں بلکہ صحیح وجہ یہ ہے کہ یہ تلقّی من الخارج ہے، اس لئے نماز فاسد ہوگی، تَلَقّی کے معنی ہیں: اخذ کرنا، کیچ کرنا، نمازی باہر سے کوئی بات اخذ کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے مثلاً مسجد کی دیوار پر کچھ لکھا ہے اس پر نظر پڑی اور سمجھ گیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر اس کو پڑھا خواہ سراً پڑھے یا جہراً اور خواہ عربی میں لکھا ہو یا غیر عربی میں اور خواہ قرآن ہو یا غیر قرآن ہر صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ تلقی من الخارج ہے۔

اور جمہور کی دلیل حضرت ذکوانؒ کا واقعہ ہے، امام اعظمؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث صریح نہیں اس لئے کہ **یؤُمُّھا من المصحف** کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ذکوان تراویح کے درمیان بار بار قرآن دیکھتے ہوں، کچا حافظ رحل پر قرآن رکھ کر تراویح پڑھاتا ہے، اور سلام پھیر کر بار بار قرآن دیکھتا ہے۔ ذکوانؒ کا بھی حفظ کچا ہوگا وہ بھی بار بار قرآن دیکھتے ہونگے۔ غرض حدیث کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے، پس حدیث صریح نہیں اور اس سے قرآن میں دیکھ کر پڑھنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

[٥٤-] بابُ إِمَامَةِ الْعَبْدِ وَالْمَوْلٰى

وَكَانَتْ عَائِشَةُ يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ

وَوَلَدِ الْبَغِيِّ وَالْأَعْرَابِيِّ وَالغُلَامِ الَّذِىْ لَمْ يَحْتَلِمْ:

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "يَؤُمُّهُمْ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ"

وَلَا يُمْنَعُ الْعَبْدُ مِنَ الْجَمَاعَةِ بِغَيْرِ عِلَّةٍ.

[٦٩٢-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ الْعُصْبَةَ - مَوْضِعٌ بِقُبَاءٍ - قَبْلَ مَقْدَمِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلٰى أَبِىْ حُذَيْفَةَ، وَكَانَ أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا. [انظر: ٧١٧٥]

[٦٩٢-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنِىْ أَبُوْ التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " اسْمَعُوْا وَأَطِيْعُوْا وَإِنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ، كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيْبَةٌ"

[انظر: ٦٩٦، ٧١٤٢]

قولہ: وكانت عائشة يؤمها عبدها ذكوان: غلام اور آزاد شدہ کی امامت صحیح ہے: یہ اثر دونوں کی دلیل ہے، اس لئے کہ مدبر من وجہ غلام اور من وجہ آزاد ہوتا ہے، مدبر اس غلام کو کہتے ہیں جس سے اس کے آقا نے کہہ دیا ہو کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے، ایسے غلام کی خرید وفروخت جائز نہیں اس لئے کہ وہ من وجہ آزاد ہے۔

قولہ: لقول النبیؐ: یہ ارشادِ پاک پانچوں مسائل کی دلیل کے طور پر لائے ہیں کہ جسے بھی قرآن سب سے زیادہ یاد ہو وہ

امامت کرائے خواہ غلام ہو یا آزاد، حرالاصل ہو یا آزاد شدہ، ولدالزنا ہو یا ثابت النسب، دیہاتی ہو یا شہری، بالغ ہو یا نابالغ۔

قولہ: ولا یُمنع العبدُ: مولی کو یہ حق نہیں کہ وہ غلام کو باجماعت نماز پڑھنے کے لئے مسجد جانے سے روکے، اس لئے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک جماعت سے نماز پڑھنا فرض عین ہے البتہ کوئی خاص وجہ ہو تو روک سکتا ہے، عام احوال میں روکنے کا حق نہیں۔

حدیث (۶۹۲): ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مہاجرین کی پہلی جماعت عصبہ میں آکر قیام پذیر ہوئی — عُصبہ قباء میں ایک جگہ ہے — نبی ﷺ کے ہجرت فرمانے سے پہلے تو حضرت سالم رضی اللہ عنہ جو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ تھے لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، اس لئے کہ ان کو سب سے زیادہ قرآن یاد تھا۔

تشریح: آنحضور ﷺ نے بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد حضرت مُصعب بن عمیر اور عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کو دین کی تبلیغ واشاعت کے لئے مدینہ منورہ بھیجا تھا ان کی محنتوں سے آئندہ سال موسم حج میں مشہور قول کے مطابق پچھتر حضرات مسلمان ہوکر مکہ آئے اور بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی۔ دوسری بیعت کے بعد آنحضور ﷺ نے صحابہ کو مدینہ جانے کی عام اجازت دیدی، مہاجرین قبا میں عصبہ نامی جگہ میں ٹھہرتے تھے اور ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ سالم رضی اللہ عنہ ان کو نماز پڑھاتے تھے، کیونکہ قرآن ان کو سب سے زیادہ یاد تھا، معلوم ہوا کہ غلام اور آزاد شدہ کی امامت درست ہے۔

فائدہ: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی کئے گئے اور اگلے امیر المؤمنین کو نامزد کرنے کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آج سالم زندہ ہوتے تو میں ان کو امیر المؤمنین بناتا اور کسی سے مشورہ نہ کرتا مگر ان کی وفات ہو چکی تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کی کمیٹی بنائی جن میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی تھے، اس واقعہ سے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کا مقام سمجھا جا سکتا ہے۔

حدیث (۶۹۳): نبی ﷺ نے فرمایا: امیر کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو اگرچہ حبشی (غلام) امیر بنا دیا جائے، گویا اس کا سر کشمش کا دانہ ہے۔

تشریح: جو شخص غلام حبشی ہوگا، اور اس کا سر کشمش کی طرح چھوٹا اور پچکا ہوا ہوگا، اس کی کیا حیثیت ہوگی؟ مگر آنحضور ﷺ نے اس کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا، اور جب حبشی غلام امیر بنایا جائے گا تو وہی نماز بھی پڑھائے گا پس اس کے پیچھے نماز صحیح ہوگی، آنحضور ﷺ نے اس کی اطاعت کا حکم دیا ہے یہی حدیث کی باب سے مناسبت ہے۔

بابٌ: إِذَا لَمْ يُتِمَّ الإِمَامُ، وَأَتَمَّ مَنْ خَلْفَهُ

جب امام کی نماز ناقص ہو اور مقتدی کی نماز تام ہو

یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لایا گیا ہے، گذشتہ باب کا حاصل یہ تھا کہ غلام، مولیٰ، ولدالزنا، بدّو اور نابالغ بچہ کا امام

بنا صحیح ہے، اُس سے کوئی یہ خیال کرسکتا ہے کہ ان سب میں کمی ہے، پھر ان کا امام بننا کیسے صحیح ہے؟ حضرتؒ فرماتے ہیں: ان کی کمی ان کی نماز میں ہے، مقتدیوں کی نماز میں نہیں آئے گی، جب امام نماز کامل نہ کرے اور مقتدی اپنی نماز کامل کریں تو امام کی کمی مقتدیوں پر اثر انداز نہ ہوگی، یہ اس باب کا مدعیٰ ہے۔

جاننا چاہئے کہ امام کا مقام کیا ہے؟ بالفاظ دیگر: جماعت کی نماز کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں نقطہ نظر کا اختلاف ہے، شوافع کا نقطۂ نظر الگ ہے اور حنفیہ کا الگ، حضرت الاستاذ علامہ بلیاوی قدس سرہ اس کو ایک مثال سے سمجھایا کرتے تھے، ایک آدمی نے دوستوں کی دعوت کی، کھانا پکایا، دوست آئے اور کھا کر چلے گئے، ایک دعوت یہ ہے، دوسری دعوت یہ ہے کہ دوستوں سے کہا: آج شام کو آپ کی دعوت ہے مگر ہر ایک اپنا ٹفن ساتھ لے کر آئے، سب اپنا اپنا ٹفن لے کر آئے، اور ہر ایک نے اپنا اپنا کھانا کھایا دوسرے کے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا، یہ بھی ایک طرح کی دعوت ہے، حنفیہ کا رجحان یہ ہے کہ باجماعت نماز پہلی قسم کی دعوت ہے، اور شوافع کی رائے یہ ہے کہ دوسری قسم کی دعوت ہے۔

دوسری مثال: حنفیہ کے نزدیک جماعت کی نماز متحد ہے جیسے لڈو متحد ہے، لڈو میں الگ الگ دانے ہوتے ہیں، مگر وہ سب متحد ہوتے ہیں اور شوافع کے نزدیک جماعت کی نماز تسبیح کے دانوں کی طرح ہے، جو ایک دھاگے میں پروئے ہوئے ہیں، مگر ہر دانہ الگ ہوتا ہے۔

علمی تعبیر: امام واسطہ فی العروض ہے یا واسطہ فی الثبوت بالمعنی الثانی؟ حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ امام واسطہ فی العروض ہے، پس وصفِ صلوٰۃ کی ضرورت صرف امام کو ہوگی، جیسے ٹرین دہلی جارہی ہے تو انجن واسطہ فی العروض ہے، حرکت یعنی توجہ الی المطلوب یعنی دہلی کی طرف جانے کے ساتھ حقیقتاً انجن متصف ہے، ڈبے بالعرض متصف ہیں وہ انجن کے ذریعہ دہلی جارہے ہیں، پس ڈبے حرکت (توجہ الی المطلوب) کے ساتھ حقیقتاً متصف نہیں چنانچہ اگر انجن اعلیٰ درجہ کا ہوگا تو ڈبے تیز دوڑیں گے، اور انجن میں طاقت نہیں تو ڈبے آہستہ چلیں گے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک امام واسطہ فی الثبوت بالمعنی الثانی ہے اور واسطہ فی الثبوت بالمعنی الثانی میں، واسطہ وصف کے ساتھ الگ متصف ہوتا ہے اور ذوالواسطہ الگ، البتہ اول ثانی کا فرق ہوتا ہے، جیسے چابی سے تالا کھولا جائے تو چابی بھی ہلے گی اور ہاتھ بھی، البتہ ہاتھ پہلے ہلے گا اور چابی بعد میں، باقی حرکت کے ساتھ دونوں متصف ہونگے، اسی طرح جماعت کی نماز میں امام وصفِ صلوٰۃ کے ساتھ الگ متصف ہے، اور مقتدی الگ متصف ہیں اور دونوں حقیقۃً متصف ہیں، پس ہر شخص کی نماز الگ ہوگی (۱)

غرض یہ نقطۂ نظر کا اختلاف ہے اور اس کا بہت سے مسائل پر اثر پڑا ہے، مثلاً مقتدی فاتحہ پڑھے گا یا نہیں؟ نابالغ کی امامت صحیح ہے یا نہیں؟ مفترض کی متنفل کے پیچھے اقتداء صحیح ہے یا نہیں؟ اس قسم کے بہت سے مسائل میں اسی نقطۂ نظر کے

(۱) واسطوں کی تعریفات اور ان کے احکام میری کتاب ''کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟'' میں ہیں ۱۲

اختلاف کا اثر پڑا ہے، چونکہ احناف کے نزدیک وصفِ صلوٰۃ کے ساتھ بالذات امام متصف ہے اور مقتدی بالعرض، اس لئے متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز صحیح نہیں، اس لئے کہ جب امام نفل کے ساتھ متصف ہے تو مقتدیوں کو فرض نماز کے ساتھ کیسے متصف کرے گا؟ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اقتداء صحیح ہے اس لئے کہ دونوں کی نماز الگ الگ ہے۔ امام اپنی نماز پڑھ رہا ہے اور مقتدی اپنی، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی یہی ہے، چنانچہ ولد الزنا، بدو، غلام، مولی اور نابالغ کی امامت ان کے نزدیک صحیح ہے، ان کے اندر اگر کمی ہے تو مقتدی کی نماز پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ امام اور مقتدی سب اپنی اپنی نماز پڑھ رہے ہیں۔

[۵۵-] بابٌ: إِذَا لَمْ يُتِمَّ الإِمَامُ، وَأَتَمَّ مَنْ خَلْفَهُ

[۶۹٤-] حدثنا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوْسَى الْأَشْيَبُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "يُصَلُّوْنَ لَكُمْ، فَإِنْ أَصَابُوْا فَلَكُمْ، وَإِنْ أَخْطَؤُا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: (تمہارے امراء) تمہیں نماز پڑھائیں گے (دورِاول میں امراء ہی نماز پڑھاتے تھے) پس اگر وہ صحیح وقت میں نماز پڑھائیں تو تمہارا فائدہ ہے (اور ان کا بھی فائدہ ہے) اور اگر وہ (صحیح وقت) چوک جائیں (مکروہ وقت میں یا قضاء کر کے نماز پڑھائیں) تو تمہارا فائدہ ہے، اور ان کا نقصان ہے یعنی ذمہ داری ان پر ہے، تمہارا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔

تشریح: اس حدیث میں امراء نمازوں میں جو کوتاہی کریں گے اس کا بیان ہے یعنی ان کی اس کوتاہی کی وجہ سے ان سے بغاوت نہیں کرنی چاہئے، اگر وہ صحیح وقت میں نماز پڑھاتے ہیں تو ان کا بھی فائدہ ہے اور تمہارا بھی، اور اگر وہ مکروہ وقت میں یا قضاء کر کے نماز پڑھاتے ہیں تو تمہارا کچھ نقصان نہیں، انہی کا نقصان ہے، نقصان کی ذمہ داری انہی کی ہے، اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس کریں گے تم سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس سے استدلال یہ ہے کہ امام کی نماز کی کمی اسی کی حد تک رہے گی، مقتدی کی نماز میں نہیں آئے گی، کیونکہ ہر ایک اپنی نماز پڑھ رہا ہے۔ حالانکہ امام کے پیچھے جب مقتدی مکروہ وقت میں نماز پڑھیں گے تو ان کی نماز مکروہ ہونی چاہئے؟ مگر ان کی مجبوری ہے اس لئے ان کو معاف رکھا گیا ہے۔

بابُ إِمَامَةِ الْمَفْتُوْنِ وَالْمُبْتَدِعِ

باغی اور گمراہ کی امامت

مفتون کے معنی ہیں: باغی یعنی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والا، یا فتنوں کا شکار، اس کے پیچھے نماز صحیح ہے، اور

مُبتدِع کے معنی ہیں: گمراہ جماعت کا فرد، اس کے پیچھے بھی نماز صحیح ہے۔

اور میں نے پہلے بتایا ہے کہ دو دائرے ہیں: ایک اطاعت یعنی دین داری کا دائرہ ہے اور دوسرا اسلام کا دائرہ ہے، جو اسلام کے دائرہ سے باہر نکل گیا وہ کافر ہے جیسے قادیانی اور غالی شیعہ، ان کے پیچھے نماز نہیں ہوگی، اور جو صرف دین داری کے دائرہ سے نکلے مگر اسلام کے دائرہ میں رہے جیسے مودودی، بریلوی، غیر مقلدین وہ گمراہ ہیں، کافر نہیں، ان کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے، اگرچہ نماز ان کے پیچھے نہیں پڑھنی چاہئے، نہ ان کو مستقل امام بنانا چاہئے، لیکن اگر اتفاقاً ان کے پیچھے نماز پڑھ لی تو نماز ہوجائے گی۔

جب بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں محصور کر دیا تو حضرتؓ نماز پڑھانے نہیں نکل سکتے تھے، کسی نے آپؓ سے کہا: آپؓ امیر المؤمنین ہیں، گھر میں محصور ہیں، نماز پڑھانے کے لئے نہیں آسکتے اور مسجد پر بلوائیوں کا قبضہ ہے، ان کا سردار نماز پڑھاتا ہے، ہمیں اس کے پیچھے نماز پڑھنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز بہترین کام ہے جو لوگ کرتے ہیں، پس جب لوگ اچھا کام کریں تو ان کے ساتھ شریک ہوجاؤ، اور جب وہ برا کام کریں تو ان کی برائی سے بچو، اس حدیث کے عموم سے حضرت رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے، الناس عام ہے، باغی اور گمراہ بھی اس کے عموم میں داخل ہیں، پس ان کے پیچھے بھی نماز ہوجاتی ہے، یہ باب کے پہلے مسئلہ کی دلیل ہے۔

اور حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی امام گمراہ ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھو، نماز ہوجائے گی اور اس کی گمراہی کا گناہ اس کے سر ہوگا، یہ دوسرے مسئلہ کی دلیل ہے، اور باب کی دوسری حدیث دونوں مسئلوں کی دلیل ہے، جیسا کہ تشریح میں آئے گا۔

[۵۶-] بابُ إِمَامَةِ الْمَفْتُوْنِ وَالْمُبْتَدِعِ

وَقَالَ الْحَسَنُ: صَلِّ، وَعَلَيْهِ بِدْعَتُهُ.

[۶۹۵-] وَقَالَ لَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضى الله عنه وَهُوَ مَحْصُوْرٌ، فَقَالَ: إِنَّكَ إِمَامُ عَامَّةٍ، وَنَزَلَ بِكَ مَا تَرىٰ، وَيُصَلِّيْ لَنَا إِمَامُ فِتْنَةٍ، وَنَتَحَرَّجُ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ أَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ، فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ فَأَحْسِنْ مَعَهُمْ، وَإِذَا أَسَاؤُا فَاجْتَنِبْ إِسَاءَ تَهُمْ.

وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: لَا نَرىٰ أَنْ يُصَلّٰى خَلْفَ الْمُخَنَّثِ، إِلَّا مِنْ ضَرُوْرَةٍ لَابُدَّ مِنْهَا.

[۶۹۶-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِأَبِيْ ذَرٍّ: " اسْمَعْ وَأَطِعْ وَلَوْ لِحَبَشِيٍّ، كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيْبَةٌ" [راجع: ۶۹۳]

حدیث (۱): عدی بن الخیار سے مروی ہے: وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، درانحالیکہ آپؓ گھر میں مقید تھے، انھوں نے عرض کیا: آپؓ سب کے امام ہیں اور آپؓ پر جو آفت آئی ہے وہ آپؓ دیکھ رہے ہیں اور ہمیں باغیوں کا لیڈر نماز پڑھاتا ہے اور ہمارا اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو جی نہیں چاہتا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز بہترین کام ہے جو لوگ کرتے ہیں پس جب وہ اچھا کام کریں تو تم ان کے ساتھ اچھا کام کرو، اور جب وہ برائی کریں تو ان کی برائی سے بچو۔

زُبیدی کہتے ہیں: امام زہریؒ نے فرمایا: ہم مخنث کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے، مگر ایسی مجبوری کی وجہ سے جس سے چارہ نہ ہو۔

تشریح: مخنث (ہیجڑے) اور عورت کو امام بنانا بالاتفاق جائز نہیں، لیکن اگر وہ بزور طاقت غلبہ پالیں اور امام بن جائیں تو تغلب کی صورت میں ان کے پیچھے نماز صحیح ہوجائے گی، امام زہری رحمہ اللہ نے یہی بات فرمائی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: امیر کی بات سنو، اور اس کا کہنا مانو، اگرچہ وہ حبشی غلام ہو، اس کا سر گویا کشمش کا دانہ!

تشریح: اس حدیث میں لفظ عبد بھی آیا ہے، اور ظاہر ہے سیاہ فام غلام بزور طاقت ہی امیر بنے گا، پس اس کی اطاعت ضروری ہوگی، اور اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی وہ درست ہونگی، یہی باب کے ساتھ مناسبت ہے۔

بابٌ: يَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الإِمَامِ بِحِذَائِهِ سَوَاءً إِذَا كَانَا اثْنَيْنِ

دو شخص جماعت کریں تو مقتدی امام کی دائیں جانب بالکل برابر کھڑا ہو

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو شخص باجماعت نماز پڑھیں تو مقتدی امام کی دائیں جانب اس کے برابر میں کھڑا ہو، کیونکہ مقتدی کا تنہا صف بنانا ممنوع ہے۔ امام احمد رحمہ للہ کے نزدیک صف میں تنہا کھڑے رہنے سے نماز نہیں ہوتی، دیگر ائمہ کے نزدیک کراہیت کے ساتھ نماز ہوجاتی ہے۔ یہ مسئلہ ترمذی میں ہے (تفصیل تحفۃ الالمعی ۱:۵۵۷ میں ہے)

فائدہ: مقتدی اگر ایک ہو تو اس کو امام کی دائیں جانب بالکل برابر میں کھڑا رہنا چاہئے، اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام سے ایک قدم پیچھے کھڑا رہے، تاکہ عام آدمی اگر نماز میں آگے بڑھے گا تو امام کے برابر ہوجائے گا اور نماز درست ہوگی اور بالکل برابر ہوگا تو امام سے آگے بڑھ جائے گا اور نماز باطل ہوجائے گی، اگر مقتدی امام سے اتنا آگے بڑھ جائے کہ امام کے پیروں کی انگلیوں سے گذرنے والا خط مقتدی کی ایڑی سے گذر جائے تو مقتدی کی نماز باطل ہوجائے گی۔

مگر اب لوگ ایک ہاتھ پیچھے کھڑے رہنے لگے ہیں، یہ صحیح نہیں، اگر مقتدی سمجھ دار ہے تو اس کو امام کے بالکل برابر کھڑا

رہنا چاہئے۔ ورنہ صرف ایک قدم پیچھے کھڑا رہے، لوگ جو ایک ہاتھ پیچھے کھڑے رہتے ہیں وہ غلط ہے۔

[۵۷-] بابٌ: يَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الإِمَامِ بِحِذَائِهِ سَوَاءً إِذَا كَانَا اثْنَيْنِ

[۶۹۷-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: بِتُّ فِيْ بَيْتِ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ، فَصَلَّى رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْعِشَاءَ، ثُمَّ جَاءَ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ، ثُمَّ نَامَ، ثُمَّ قَامَ، فَجِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهِ، فَصَلَّى خَمْسَ رَكْعَاتٍ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ نَامَ حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيْطَهُ، أَوْ قَالَ: خَطِيْطَهُ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلاَةِ.

[راجع: ۱۱۷]

وضاحت: یہ حدیث بار بار آئی ہے، ایک رات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات گذاری، تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی عبادت دیکھیں، تہجد کے وقت جب نبی ﷺ بیدار ہوئے اور نماز شروع کی تو ابن عباسؓ بھی وضو کر کے آپؐ کی بائیں جانب کھڑے ہوئے، آپؐ نے ان کو دائیں جانب لے لیا، یہی باب ہے .... ثم جاء فصلی أربع رکعات: یہ عشاء کے بعد کی دو مؤکد سنتیں اور دو غیر مؤکد سنتیں ہیں .... فصلّی خَمسَ رکعات: یہ تہجد کی آخری پانچ رکعتیں ہیں دو تہجد کی اور تین وتر کی، یا تین وتر کی اور دو وتروں کے بعد کی نفلیں اس حدیث میں تہجد کی تمام رکعتوں کا بیان نہیں .... ثم صلّی رکعتین: یہ فجر کی سنتیں ہیں، جو آپؐ نے صبح صادق کے بعد فوراً پڑھی ہیں، فجر کی سنتیں پڑھ کر آپؐ لیٹ گئے، حضرت ابن عباسؓ نے آپؐ کے خراٹوں کی آواز سنی، پھر جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اطلاع دی تو آپؐ فجر کی نماز پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے۔

بابٌ: إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الإِمَامِ، فَحَوَّلَهُ الإِمَامُ إِلَى يَمِيْنِهِ: لَمْ تَفْسُدْ صَلاَتُهُمَا

اگر مقتدی امام کی بائیں طرف کھڑا ہو جائے اور امام اس کو
دائیں طرف لیلے تو دونوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی

کوئی نماز پڑھ رہا ہے اور دوسرا آکر اس کی اقتداء کر لے اور بائیں جانب کھڑا ہو جائے، اور امام اشارہ کرے اور مقتدی دائیں طرف چلا آئے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، یہ عمل قلیل ہے، ایک دو قدم چلنا عمل قلیل ہے اور تین یا زیادہ قدم مسلسل چلنا عمل کثیر ہے، اور ظاہر ہے بائیں طرف سے دائیں طرف آنے کے لئے ایک قدم یا دو قدم چلنا پڑے گا، اس لئے نماز فاسد نہ ہوگی۔ غرض امام کے اشارہ کرنے سے اور مقتدی کے جگہ بدلنے سے دونوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

[۵۸-] بابٌ: إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الإِمَامِ، فَحَوَّلَهُ الإِمَامُ إِلٰى يَمِيْنِهِ: لَمْ تَفْسُدْ صَلاَتُهُمَا

[۶۹۸-] حدثنا أَحْمَدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو، عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: نِمْتُ عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ، وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عِنْدَهَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ، فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَأَخَذَنِيْ فَجَعَلَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهِ، فَصَلّٰى ثَلاَثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، ثُمَّ نَامَ حَتّٰى نَفَخَ، وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ، ثُمَّ أَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ، فَخَرَجَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، قَالَ عَمْرٌو: فَحَدَّثْتُ بِهِ بُكَيْرًا فَقَالَ: حَدَّثَنِيْ كُرَيْبٌ بِذٰلِكَ. [راجع: ۱۱۷]

قوله: فصلی ثلاث عشرة رکعة: اس میں فجر کی دوسنتیں بھی شامل ہیں، جو آپؐ نے صبح صادق کے بعد پڑھی ہیں۔

بابٌ: إِذَا لَمْ يَنْوِ الإِمَامُ أَنْ يَؤُمَّ ثُمَّ جَاءَ قَوْمٌ فَأَمَّهُمْ

کسی نے تنہا نماز شروع کی، پھر لوگوں نے اس کی اقتداء کی اور اس نے امام ہونے کی نیت کر لی تو نماز درست ہے

ایک شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے، کوئی آیا، اسے معلوم ہے کہ یہ فرض نماز پڑھ رہا ہے، اس نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور کہا: میں آپ کی اقتدا کر رہا ہوں، تو اقتداء درست ہے، اب اگر نماز پڑھنے والا امامت کی نیت کرے تو اس پر امامت کے احکام لازم ہونگے ورنہ نہیں، اور مقتدی کی نماز درست ہوگی، مثلاً رات کی نماز میں جہراً قراءت کرنا واجب ہے اور تکبیرات انتقالیہ زور سے کہنا سنت ہے، اس طرح کے احکام اس پر لازم ہوجائیں گے جبکہ وہ امام ہونے کی نیت کر لے، اور اگر وہ امامت کی نیت نہ کرے تو اس پر امامت کے احکام لازم نہیں ہونگے، اور اس کے پیچھے مقتدی کی نماز صحیح ہوگی۔

فائدہ: مقتدی کے لئے اقتداء کی نیت ضروری ہے اگر اقتداء کی نیت نہیں کرے گا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، اور امام کے لئے امام ہونے کی نیت ضروری نہیں، اگر وہ نیت کرے گا تو اس پر امامت کے احکام لازم ہونگے اور امامت کا ثواب ملے گا، ورنہ نہ احکام لازم ہونگے نہ ثواب ملے گا، جیسے: ڈبوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ انجن کے ساتھ جڑیں، انجن کے لئے یہ بات ضروری نہیں، اور یہ بات عام ہے، مقتدی مرد ہو یا عورت، امام کے لئے امامت کی نیت ضروری نہیں، عورتوں کی نماز کی صحت کے لئے بھی امامت کی نیت ضروری نہیں، اور آپ نے جو کتابوں میں پڑھا ہے کہ عورتوں کی امامت کی نیت ضروری ہے یہ بات صرف مسئلۂ محاذات میں ہے، اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت کی ہے تو عورت کی محاذات سے مرد کی نماز فاسد ہوگی، اور اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کی تو محاذات کی صورت میں عورت اور مرد دونوں

کی نماز صحیح ہوگی۔اور محاذات کا مسئلہ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک نہیں ہے،صرف حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے۔ چنانچہ حرم مکی میں ائمہ جب بھیڑ ہوتی ہے تو عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے تاکہ محاذات سے مرد کی نماز فاسد نہ ہو۔

[۵۹-] بابٌ: إِذَا لَمْ يَنْوِ الإِمَامُ أَنْ يَؤُمَّ ثُمَّ جَاءَ قَوْمٌ فَأَمَّهُمْ

[٦۹۹-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ أَيُّوْبَ. عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ، فَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، فَقُمْتُ أُصَلِّي مَعَهُ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَأَخَذَ بِرَأْسِيْ فَأَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهِ. [راجع: ۱۱۷]

وضاحت: حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث سے استدلال واضح ہے، آنحضور ﷺ نے تنہا نماز شروع کی تھی، پھر ابن عباسؓ آگئے اور مقتدی بن گئے پس یہ بات درست ہے۔

بابٌ: إِذَا طَوَّلَ الإِمَامُ وَكَانَ لِلرَّجُلِ حَاجَةٌ فَخَرَجَ وَصَلَّى

امام نے نماز لمبی کردی، مقتدی کو کوئی ضرورت پیش آئی، اور اس نے نماز توڑ دی اور اپنی نماز پڑھ لی

امام نے لمبی قراءت شروع کردی، ایک شخص کو کوئی ضرورت پیش آئی، مثلاً گاڑی آنے والی ہے، پس سلام پھیر دیا اور نماز توڑ دی اور اپنی نماز مختصر پڑھ کر چلا گیا تو ایسا کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، ایک شخص باغ میں کام کر کے تھکا ہوا آیا، اور جماعت میں شریک ہوگیا، حضرت معاذؓ نے عشاء میں سورۂ بقرہ شروع کردی، اس زمانہ میں قرآن میں رکوع نہیں تھے، اس لئے جب سورت پوری ہوگی تبھی امام صاحب رکوع کریں گے، وہ شخص تھکا ماندہ تھا کچھ دیر نماز میں شریک رہا، جب برداشت نہ ہوا تو اس نے نماز توڑ دی اور اپنی نماز پڑھ کر گھر جا کر سو گیا، لوگوں نے حضرت معاذؓ کو اس کی خبر کی، حضرت معاذؓ نے کہا: وہ منافق ہے، جب یہ تبصرہ اس کو پہنچا تو اس نے کہا میں منافق نہیں ہوں، مگر میں امام صاحب کی آنحضور ﷺ سے شکایت کروں گا، دوسرے دن وہ آنحضور ﷺ کے پاس شکایت لے کر گیا، اتفاق سے اس وقت حضرت معاذؓ موجود تھے، اس شخص نے صورتِ حال بیان کی، آنحضور ﷺ کو غصہ آیا آپؐ نے حضرت معاذؓ کو ڈانٹا اور تین مرتبہ فرمایا: کیا تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالو گے! غرض نبی ﷺ نے اس شخص کے عمل پر نکیر نہیں کی، معلوم ہوا کہ ایسا کر سکتے ہیں۔

فائدہ: فرض اور واجب نماز توڑ دی جائے تو اس کی قضاء نہیں اور نفل نماز کی قضاء ہے اس لئے کہ فرض اور واجب کو دوبارہ پڑھنا ہوگا، پس وہ قضاء بن جائے گی۔

[۶۰-] بابٌ: إِذَا طَوَّلَ الإِمَامُ وَكَانَ لِلرَّجُلِ حَاجَةٌ فَخَرَجَ وَصَلَّى

[۷۰۰و۷۰۱-] حدثنا مُسْلِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ يَرْجِعُ، فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ ح:وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ، فَصَلَّى الْعِشَاءَ فَقَرَأَ بِالْبَقَرَةِ، فَانْصَرَفَ الرَّجُلُ فَكَانَ مُعَاذٌ يَنَالُ مِنْهُ، فَبَلَغَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ:" فَتَّانٌ! فَتَّانٌ!" ثَلَاثَ مِرَارٍ، أَوْ قَالَ:" فَاتِنًا! فَاتِنًا! فَاتِنًا!" وَأَمَرَهُ بِسُوْرَتَيْنِ مِنْ أَوْسَطِ الْمُفَصَّلِ، قَالَ عَمْرٌو: لاَ أَحْفَظُهُمَا .[راجع: ۷۰۰]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے پھر لوٹتے تھے اور اپنی قوم کو نماز پڑھاتے تھے، پس حضرت معاذؓ نے عشاء میں سورۂ بقرہ پڑھی، ایک شخص نے نماز توڑ دی، حضرت معاذؓ نے اس کو برا کہا، نبی ﷺ کو یہ بات پہنچی، آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا: جماعت سے باز رکھنے والا! اور ان کو اوساط مفصل میں سے دو سورتیں پڑھنے کا حکم دیا، عمرو کہتے ہیں: مجھے وہ سورتیں یاد نہیں (آگے روایت میں ان کا ذکر آرہا ہے)

ملحوظہ: امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء کے جواز پر استدلال کیا ہے، یہ مسئلہ چند ابواب کے بعد آرہا ہے۔

بابُ تَخْفِيْفِ الإِمَامِ فِي الْقِيَامِ، وَإِتْمَامِ الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ

امام کا قیام کو ہلکا کرنا، اور رکوع وسجود کو تام کرنا

حدیث ہے: مَن أَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فيهم المريضَ والضَّعيفَ والكبيرَ وذا الحاجةِ: جو امام بن کر نماز پڑھائے وہ ہلکی نماز پڑھائے، اس لئے کہ جماعت میں بیمار، کمزور، بوڑھے اور حاجت مند ہوتے ہیں (ان کی رعایت میں ہلکی نماز پڑھائے)

اس تخفیف کا تعلق صرف قراءت سے ہے، رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ سے نہیں ہے، کیونکہ تعدیل ارکان فرض یا سنت مؤکدہ اشد تاکید ہے، اس لئے ان کو تام کرنا ضروری ہے (اس باب کا یہی مقصد ہے)

فائدہ (۱): پانچوں نمازوں میں جو قراءت مسنون ہے وہ تخفیف کا لحاظ کر کے مقرر کی گئی ہے، پس فجر وظہر میں طوال مفصل، عصر وعشاء میں اوساط مفصل، اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا ہلکی قراءت کرنا ہے اور ظہر میں اوساط مفصل اور عصر میں قصار مفصل پڑھنے کا بھی ایک قول ہے، پس عمومی احوال میں اس سے کم قراءت نہیں کرنی چاہئے، البتہ ایمرجنسی حالت

میں اختصار کی گنجائش ہے، مثلاً کھلی جگہ جماعت ہورہی ہے، اچانک بارش شروع ہوگئی تو قراءت مختصر کرنے کی گنجائش ہے، اور اس تخفیف کا تعلق سب کے ساتھ ہے، پس کسی مخصوص بوڑھے، کمزور یا بیمار کی رعایت میں قراءت کم نہیں کرنی چاہئے، اگر کوئی مسنون قراءت کا تحمل نہ کرسکے تو وہ بیٹھ کر قراءت سنے اور کھڑے ہوکر رکوع وسجود کرے یا گھر نماز پڑھے، اور الگ سے امام مقرر کرے، اور خاص امام قراءت میں تخفیف کرسکتا ہے، صحابہ کرام میں کئی صحابہ بڑھاپے کی وجہ سے مسجد میں نہیں جاسکتے تھے، گھر میں ان کا بیٹا یا کوئی دوسرا شخص ان کو نماز پڑھاتا تھا، آگے ایک روایت آرہی ہے: بیٹے نے لمبی قراءت کی تو حضرت ابواُسیدؓ نے نماز کے بعد شکایت کی: طَوَّلْتَ بنایا بُنَيَّ! بیٹے تم نے بہت لمبی نماز پڑھائی، یہ شخصی احوال ہیں، ہماری مسجدوں میں بعض بوڑھے امام پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ مجھ سے کھڑا نہیں رہا جاتا کم پڑھا کرو، ان کا یہ مطالبہ صحیح نہیں۔

فائدہ (۲): امام کو بہت لمبے رکوع وسجود نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ عوام کے ذہنوں میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ رکوع وسجود میں بس تین مرتبہ تکبیر کہنی چاہئے، چنانچہ وہ تین مرتبہ تکبیر کہہ کر خاموش ہوجاتے ہیں اور ان کو خاموش پڑا رہنا شاق گذرتا ہے، اور ترمذی میں عبداللہ بن المبارکؒ کا قول ہے کہ امام کو پانچ مرتبہ تسبیح کہنی چاہئے، تاکہ پیچھے مقتدی باطمینان تین مرتبہ تسبیح کہہ لیں، اور تعدیل ارکان کا خاص خیال رکھنا چاہئے، ارکانِ اربعہ: رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ میں تعدیل ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض ہے، اور حنفیہ کے نزدیک واجب یا سنت مؤکدہ اشد تاکید ہے، رکوع وسجود سے اٹھ کر بدن کو ڈھیلا چھوڑ دینا چاہئے تاکہ ہر ہڈی اس کی جگہ سیٹ ہوجائے: یہ قومہ اور جلسہ کی تعدیل ہے، اور رکوع وسجود میں ٹھہرنا بھی مطلوب ہے۔

فائدہ (۳): آج کل سعودیہ کے اماموں نے رکوع وسجود اتنے مختصر کردیئے ہیں کہ دو مرتبہ اطمینان سے تسبیح کہی جاسکتی ہے اور یہ بات ایک غلط فہمی پر مبنی ہے، ان کا خیال ہے کہ رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ برابر ہونے چاہئیں، پس اگر رکوع وسجود میں تین مرتبہ سے زیادہ تسبیح کہیں گے تو اس کے بقدر قومہ وجلسہ کرنا پڑے گا، اور یہ بات دشوار ہے اس لئے انھوں نے سنت کے خلاف رکوع وسجود مختصر کردیئے، جو غلط ہے، اس کی تفصیل أبواب صفة الصلوٰۃ میں آئے گی۔

[۶۱-] بابُ تَخْفِيْفِ الإِمَامِ فِي الْقِيَامِ، وَإِتْمَامِ الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ

[۷۰۲-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، قَالَ: ثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَيْسًا، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُوْ مَسْعُوْدٍ: أَنَّ رَجُلاً قَالَ: وَاللهِ يَارسولَ اللهِ! إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلاَةِ الْغَدَاءِ مِنْ أَجْلِ فُلاَنٍ، مِمَّا يُطِيْلُ بِنَا، فَمَا رَأَيْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ قَالَ:" إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ، فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ، فَإِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَذَا الْحَاجَةِ " [راجع: ۹۰]

ترجمہ: ابومسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! بخدا! میں صبح کی نماز سے فلاں صاحب کی وجہ سے پیچھے رہتا ہوں کہ وہ ہمیں بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں (ابومسعودؓ کہتے ہیں) میں نے نبی ﷺ کو نصیحت کرنے میں

اس دن سے زیادہ غضب ناک کبھی نہیں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا: تم لوگ بدکانے والے ہو! تم میں سے جو لوگوں کو نماز پڑھائے تو چاہئے کہ وہ ہلکی نماز پڑھائے، اس لئے کہ جماعت میں کمزور، بوڑھے اور حاجت مند ہوتے ہیں۔

تشریح: میرا خیال ہے کہ یہ حضرت معاذؓ والا واقعہ ہے اگرچہ الفاظ اتنے بدلے ہوئے ہیں کہ اس کو حضرت معاذؓ والا واقعہ قرار دینا مشکل ہے، کوئی کہے کہ وہ تو عشاء کا واقعہ تھا اور یہ فجر کا واقعہ ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ کے متعلقات ہیں اور متعلقات میں ایسا اختلاف ہوجاتا ہے، اور اگر تمہارے گلے سے یہ بات نہ اترے تو الگ واقعہ مان لو، اس میں کیا پریشانی ہے۔

بابٌ: إِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ

جب تنہا نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی کرے

جب تنہا نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی پڑھے، وہ ذاتی معاملہ ہے، اس سے کسی کو کوئی پریشانی نہیں۔ میں حضرت مصری صاحب قدس سرہ کا خادم تھا، میں نے حفظ بھی ان سے کیا ہے، میں اس زمانہ میں دارالافتاء کا طالب علم تھا اور ان سے حفظ کرتا تھا جب وہ تہجد کے لئے اٹھتے تھے تو میں ان سے پہلے اٹھتا تھا اور سردیوں میں اسٹوپ جلا کر پانی گرم کرتا تھا، پھر حضرتؒ کو وضو کراتا تھا، جب وہ تہجد کے لئے کھڑے ہوجاتے تو میں دروازہ بند کرکے اپنے کمرہ میں جا کر سبق یاد کرتا جب میں سبق یاد کرکے لوٹتا تو وہ پہلی ہی رکعت میں کھڑے ہوتے، میں آہستہ سے دروازہ کھول کر اقتداء کرلیتا، یہ **إذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء** کی ایک مثال ہے۔

[۶۲-] بابٌ: إِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ

[۷۰۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِى الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ، أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ مِنْهُمُ الضَّعِيْفَ وَالسَّقِيْمَ وَالْكَبِيْرَ، وَإِذَاصَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ"

بابُ مَنْ شَكَا إِمَامَهُ إِذَا طَوَّلَ

جب امام لمبی نماز پڑھائے تو مقتدی امام کی شکایت کرسکتا ہے

اگر امام بہت لمبی نماز پڑھائے تو اتھارٹی سے یعنی حاکم اور ذمہ دار سے مقتدی شکایت کرسکتے ہیں۔ دارالعلوم کے ایک مبلغ تھے، وہ مسجدِ قدیم میں تراویح پڑھاتے تھے، بہترین قرآن پڑھتے تھے اور بہت تیز پڑھتے تھے، ایک ایک لفظ سمجھ میں آتا

تھا، وہ تراویح میں دونوں سلام ایک سانس میں پھیرتے تھے، پہلے سلام کے اللہ کو دوسرے سلام کے سین کے ساتھ ملاتے تھے اور ہ پر پیش پڑھتے تھے، مقتدیوں نے حضرت علامہ بلیاوی قدس سرہ سے شکایت کی، وہ صدر المدرسین تھے، علامہ نے عصر کے بعد ان کو بلایا، اس وقت میں حاضر تھا، حضرت نے فرمایا: مولوی صاحب! السلامُ جَزْمٌ نہیں پڑھا، انھوں نے عرض کیا: حضرت آئندہ ایسا نہیں کروں گا، غرض مقتدیوں نے اتھارٹی سے شکایت کی کیونکہ وہ خود ان سے کہتے تو شاید وہ نہ مانتے۔

حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ کو ان کے بیٹے نے نماز پڑھائی اور لمبی قراءت کی، حضرتؓ بڑھاپے کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھتے تھے، اور ان کا بیٹا ان کو جماعت سے نماز پڑھاتا تھا، جب اس نے لمبی نماز پڑھائی تو حضرت نے اس سے فرمایا: طَوَّلْتَ بنا یا بُنَیَّ! بیٹے تو نے بہت لمبی نماز پڑھائی، یعنی مقتدی نے خود امام سے شکایت کی، یہ بھی درست ہے، اور جب امام سے شکایت کر سکتے ہیں جہاں ماننے نہ ماننے کا احتمال ہے تو اتھارٹی سے بدرجہ اولیٰ شکایت کر سکتے ہیں، کیونکہ کبھی صاحب معاملہ سے کہا جائے تو ضد پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ نہیں مانتا لیکن اتھارٹی سے کہا جائے گا تو وہ سنے گا اور لوگوں کی شکایت اگر صحیح ہوگی تو امام کو بلا کر سمجھائے گا۔

[۶۳-] بابُ مَنْ شَكَا إِمَامَهُ إِذَا طَوَّلَ

وَقَالَ أَبُوْ أُسَيْدٍ: طَوَّلْتَ بِنَا يَابُنَيَّ.

[۷۰۴-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ أَبِيْ خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنِّيْ لَأَتَأَخَّرُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الْفَجْرِ مِمَّا يُطِيْلُ بِنَا فُلَانٌ فِيْهَا، فَغَضِبَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، مَا رَأَيْتُهُ غَضِبَ فِيْ مَوْعِظَةٍ كَانَ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ قَالَ: "يَاأَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ، فَمَنْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيَتَجَوَّزْ، فَإِنَّ خَلْفَهُ الضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَذَا الْحَاجَةِ"

[راجع: ۹۰]

قال أبو اُسید: اس سے معلوم ہوا کہ جو بوڑھا، بیمار یا کمزور جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد نہیں جا سکتا وہ گھر کے ایک فرد کو نماز پڑھانے کے لئے روک سکتا ہے۔ حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ بڑھاپے میں نماز پڑھنے کے لئے مسجد نہیں جاتے تھے، گھر میں نماز پڑھتے تھے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنے ایک بیٹے کو روکتے تھے۔

اور یہ حدیث گذشتہ سے پیوستہ باب میں گذر چکی ہے............ قوله: ما رأیتُه غَضِبَ فی مَوْعِظَةٍ: اس دن نبی ﷺ نے جتنے غصہ میں تقریر فرمائی اتنی آپؐ نے کبھی غصہ میں تقریر نہیں فرمائی............ موعظةٌ: نصیحت پر مشتمل تقریر۔

[۷۰۵-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِيْ إِيَاسٍ، قَالَ: ثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: ثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيَّ، قَالَ: أَقْبَلَ رَجُلٌ بِنَا ضِحَيْنِ، وَقَدْ جَنَحَ اللَّيْلُ، فَوَافَقَ مُعَاذًا يُصَلِّيْ، فَبَرَّكَ نَاضِحَهُ، وَأَقْبَلَ إِلٰى

مُعَاذٍ، فَقَرَأَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ أَوِ النِّسَاءِ، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ، وَبَلَغَهُ أَنَّ مُعَاذًا نَالَ مِنْهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَشَكَا إِلَيْهِ مُعَاذًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "يَا مُعَاذُ، أَفَتَّانٌ أَنْتَ؟ أَوْ: أَفَاتِنٌ أَنْتَ؟" ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: "فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِـ: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى، وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا؛ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى، فَإِنَّهُ يُصَلِّيْ وَرَاءَكَ الْكَبِيْرُ وَالضَّعِيْفُ وَذُوْ الْحَاجَةِ" أَحْسِبُ هٰذَا فِي الْحَدِيْثِ.

تَابَعَهُ سَعِيْدُ بْنُ مَسْرُوْقٍ، وَمِسْعَرٌ، وَالشَّيْبَانِيُّ، وَقَالَ عَمْرٌو، وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ مِقْسَمٍ، وَأَبُوْ الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ: قَرَأَ مُعَاذٌ فِي الْعِشَاءِ بِالْبَقَرَةِ، وَتَابَعَهُ الْأَعْمَشُ عَنْ مُحَارِبٍ.[راجع: ۷۰۰]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک شخص دو پانی بردار اونٹنیاں لے کر آیا (نَاضِح کے معنی ہیں: پانی بردار اونٹنی، دورِ اول میں اونٹنیوں پر پکھالوں میں پانی بھر کر لے جاتے تھے، اور درختوں کی جڑوں میں ڈالتے تھے، اس طرح باغات کی سینچائی کرتے تھے) درانحالیکہ رات چھاگئی تھی یعنی رات کا کافی حصہ گذر گیا تھا پس اس نے اتفاقاً حضرت معاذؓ کو پایا کہ نماز پڑھا رہے ہیں، پس اس نے اونٹنیاں بٹھائیں اور حضرت معاذؓ کی طرف متوجہ ہوا یعنی جماعت میں شامل ہوگیا۔ پس حضرت معاذؓ نے سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء پڑھی، پس وہ بندہ چلا گیا یعنی نماز توڑ کر اپنی نماز تنہا پڑھ کر چلا گیا، اور اس کو یہ بات پہنچی کہ حضرت معاذؓ نے اس کو برا کہا (الی آخرہ)

قولہ: أَحْسِبُ هذا فی الحدیث: یعنی جملہ فإنه یُصَلِّی وراءَكَ الكبیرُ إلخ اس حدیث میں ہے یا اوپر والی حدیث میں ہے؟ امام شعبہؒ فرماتے ہیں: میرا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ اس حدیث میں ہے، معلوم ہوا کہ یہ اور اوپر والا واقعہ ایک ہیں۔

محارب بن دثار کی روایت میں شک ہے کہ حضرت معاذؓ نے سورۂ بقرہ پڑھی تھی یا سورۂ نساء؟ عمرو کی روایت میں بے شک سورۂ بقرہ کا ذکر ہے، عمرو کی روایت پہلے (حدیث ۷۰۰) آچکی ہے۔

ملحوظہ: ان حدیثوں کی شرح کتاب العلم باب ۲۸ (تحفۃ القاری ۱: ۳۷۵) میں پڑھیں اور یہاں استدلال یہ ہے کہ حضرت معاذؓ لمبی نماز پڑھاتے تھے اس کی آنحضور ﷺ سے شکایت کی گئی، معلوم ہوا کہ حاکم سے امام کی شکایت کر سکتے ہیں۔

بابُ الإِیْجَازِ فِی الصَّلٰوۃِ وَإِکْمَالِهَا

نماز ہلکی اور پوری پڑھانا

اس باب پر نسخہ ہے یعنی یہ باب ہر نسخہ میں نہیں ہے، کسی نسخہ میں ہے، جس نسخہ میں باب نہیں ہے اس کے اعتبار سے یہ حدیث اوپر والے باب سے جڑے گی، اور اگر باب والا نسخہ لیں تو پھر اس باب کا مقصد یہ ہے کہ نماز ہلکی اور پوری پڑھانی چاہئے، تخفیف کا تعلق قراءت سے ہے، رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ سے نہیں ہے، وہ اچھی طرح ادا کرنے چاہئیں، کیونکہ ان میں تعدیل فرض یا واجب یا سنتِ مؤکدہ اشد تاکید ہے۔

[٦٤-] بابُ الإِيْجَازِ فِيْ الصَّلٰوةِ وَإِكْمَالِهَا

[٧٠٦-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُوْجِزُ الصَّلاَةَ وَيُكْمِلُهَا.

ترجمہ: نبی ﷺ نماز ہلکی پڑھاتے تھے اور کامل پڑھاتے تھے، یعنی قراءت مختصر کرتے تھے اور رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ اطمینان سے کرتے تھے۔

حدیث کی باب سے مناسبت واضح ہے اور گذشتہ باب سے مناسبت یہ ہے کہ گذشتہ حدیث میں نبی ﷺ نے ہلکی نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے اور یہی آپؐ کا عمل بھی تھا، آپ ہلکی مگر کامل نماز پڑھاتے تھے۔

بابُ مَنْ أَخَفَّ الصَّلٰوةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ

جب کوئی عارض پیش آئے، مثلاً بچہ روئے تو قراءت مختصر کردے

اس باب کا مدعی یہ ہے کہ خصوصی احوال میں تمام نمازیوں کی یا اکثر نمازیوں کی رعایت سے نماز طویل یا مختصر کی جاسکتی ہے، مثلاً کھلی جگہ جماعت ہورہی ہے، اچانک بارش شروع ہوگئی تو اختصار کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ یہ ایمرجنسی حالت ہے یا امام نے نماز شروع کی، پھر اس نے بہت سے لوگوں کا مسجد میں آنا محسوس کیا، تو وہ نماز طویل کرسکتا ہے تاکہ لوگ وضو سے فارغ ہوکر جماعت میں شامل ہوجائیں، البتہ کسی مخصوص آدمی کی رعایت میں نماز میں طول واختصار کرنا مکروہ ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: میں کبھی فجر کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا ارادہ لمبی قراءت کرنے کا ہوتا ہے مگر میں اچانک بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو میں نماز مختصر کردیتا ہوں اس اندیشہ سے کہ اس کی ماں پریشان ہوجائے گی، یہ اختصار سب مصلیوں کی رعایت میں عموماً اور ماں کی رعایت میں خصوصاً ہوتا تھا، کیونکہ جب بچہ رونا شروع کرتا ہے تو سب کا خشوع متأثر ہوتا ہے، اور ماں کی پریشانی تو ظاہر ہے، اسے نماز توڑنی پڑسکتی ہے۔

[٦٥-] بابُ مَنْ أَخَفَّ الصَّلٰوةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ

[٧٠٧-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيْهِ: أَبِيْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِنِّيْ لَأَقُوْمُ فِيْ الصَّلاَةِ، أُرِيْدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيْهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ فِيْ صَلاَتِيْ، كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمِّهِ"

تَابَعَهُ بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَبَقِيَّةُ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ. [انظر: ٨٦٨]

[۷۰۸-] حدثنا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ شَرِيْكُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُوْلُ: مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ قَطُّ أَخَفَّ صَلَاةً وَلاَ أَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، وَإِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ، مَخَافَةَ أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ.

[۷۰۹-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ: أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:" إِنِّيْ لَأَدْخُلُ فِيْ الصَّلَاةِ، وَأَنَا أُرِيْدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ، مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ" [انظر: ۷۱۰]

[۷۱۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: نَا ابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، قَالَ:" إِنِّيْ لَأَدْخُلُ فِيْ الصَّلَاةِ، فَأُرِيْدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ"

وَقَالَ مُوْسَى: حَدَّثَنَا أَبَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مِثْلَهُ.

[راجع: ۷۰۹]

حدیث (۷۰۷): نبی ﷺ نے فرمایا: میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں، میرا نماز میں لمبی قراءت کرنے کا ارادہ ہوتا ہے، پس میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو میں نماز ہلکی کر دیتا ہوں ناپسند کرتے ہوئے اس بات کو کہ بچہ کا رونا اس کی ماں پر شاق گذرے گا ــــ اس حدیث کو امام اوزاعی رحمہ اللہ سے بشر بن بکر، ابن المبارک اور بقیۃ نے بھی روایت کیا ہے۔

تشریح: ماں کی تخصیص بطور مثال ہے کیونکہ جب بچہ روئے گا تو صرف ماں کی نماز خراب نہیں ہوگی دوسری عورتوں کی نماز بھی خراب ہوگی اور اگر بچے کے رونے کی آواز مردوں تک پہنچے گی تو مردوں کی نماز بھی خراب ہوگی۔ غرض یہ مخصوص فرد کی رعایت میں نماز میں اختصار کرنا نہیں ہے، بلکہ اس میں عام لوگوں کی رعایت بھی پیش نظر ہے۔

حدیث (۷۰۸): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے آنحضرت ﷺ سے زیادہ ہلکی اور پوری نماز نہیں پڑھی، آپؐ بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز ہلکی کر دیتے، اس اندیشہ سے کہ اس کی ماں پریشان ہوجائے گی، یعنی ماں کو نماز توڑنی پڑ سکتی ہے اس اندیشہ سے آپؐ نماز مختصر کر دیتے تھے، یہی جزء باب سے متعلق ہے اور إِنَّ: مخففہ من المثقلہ ہے اور ضمیر شان پوشیدہ ہے جو اس کا اسم ہے اور کان إلخ جملہ خبر ہے۔

حدیث (۷۰۹): قولہ: مما أعلم من شدة وجد أُمِّه: اس بات کی وجہ سے جو میں جانتا ہوں یعنی اس کی ماں کا شدید غم۔ ما موصولہ ہے اور مِن بیانیہ ہے وہ ما کا بیان ہے اور وَجْد کے معنی ہیں: غصہ، پریشانی، جب بچہ بے موقع روتا ہے تو ماں کو غصہ بھی آتا ہے اور وہ پریشان بھی ہوتی ہے کیونکہ نماز توڑ نہیں سکتی اس لئے بہت پریشان ہوتی ہے، اور مِن بُكائه: وجد کے ساتھ متعلق ہے۔

حدیث (۷۱۰): وقال أبو موسیٰ: اس سند میں تحدیث کی صراحت ہے اس لئے یہ سند لائے ہیں۔

بابٌ: إِذَا صَلَّی ثُمَّ أَمَّ قَوْمًا

فرض نماز پڑھ کر اسی کی امامت کرنا

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء درست ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک درست ہے، کیونکہ ان کے نزدیک جماعت کی نماز ایک دھاگے میں پروئے ہوئے تسبیح کے دانے ہیں، یعنی جماعت کی نماز میں بھی امام و مقتدی میں سے ہر ایک کی نماز مستقل ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک جماعت کی نماز شئ واحد ہے، وصفِ صلوٰۃ کے ساتھ بالذات امام متصف ہے، پھر اس کے واسطہ سے مقتدی بالعرض متصف ہیں، پس اگر امام نفل پڑھ رہا ہے تو مقتدی کو فرض نماز کے ساتھ متصف نہیں کرسکتا، اس لئے حنفیہ کے نزدیک متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء صحیح نہیں۔ امام کا مقتدی سے اقوی یا مساوی ہونا ضروری ہے، اضعف امام نہیں ہوسکتا۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کی دو دلیلیں ہیں:

پہلی دلیل: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، وہ آنحضور ﷺ کے پیچھے عشاء پڑھ کر اپنے محلّہ کی مسجد میں عشاء پڑھاتے تھے، ظاہر ہے وہ نفل کی نیت سے عشاء پڑھاتے ہونگے، اس لئے کہ وہ فرض پڑھ چکے ہیں اور مقتدی فرض پڑھ رہے ہیں، وہ فرض کی نیت سے اقتداء کریں گے، معلوم ہوا کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء درست ہے۔

دوسری دلیل: حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ ان کی قوم نے ان کو امام بنایا تھا درانحالیکہ وہ نابالغ تھے، اور بچہ احکام کا مکلّف نہیں ہوتا، پس وہ جو بھی نماز پڑھے گا وہ نفل ہوگی، اور مقتدی فرض پڑھ رہے ہیں معلوم ہوا کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء درست ہے۔

جواب: امام شافعی رحمہ اللہ کی پہلی دلیل کا جواب:

پہلا جواب: یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے پیچھے مغرب کی نماز پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں جا کر عشاء پڑھاتے تھے، یہ حدیث ترمذی (حدیث ۵۸۸) میں ہے اور اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث ہے، اور دورِ اول میں مغرب کو عشاء اولیٰ کہتے تھے، پھر روایوں نے لفظ اولیٰ چھوڑ دیا، صرف عشاء کہہ دیا تو مسئلہ کھڑا ہوگیا۔

دوسرا جواب: اگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پیچھے عشاء پڑھتے تھے تو سوال یہ ہے کہ وہ فرض کی نیت سے پڑھتے تھے یا نفل کی نیت سے؟ اور استدلال کا مدار اس پر ہے کہ فرض کی نیت سے پڑھتے تھے، مگر اس کی کوئی دلیل نہیں، ممکن ہے نفل کی نیت سے پڑھتے ہوں، پھر قوم میں جا کر فرض پڑھاتے ہوں، اور یہ بات حضرت معاذؓ ہی بتا سکتے ہیں دوسرا کوئی نہیں بتا سکتا، کیونکہ یہ نیت کا معاملہ ہے اور اب حضرت معاذؓ رہے نہیں اس لئے حدیث سے استدلال درست نہیں۔

تیسرا جواب: شروع اسلام میں فرض نماز دومرتبہ پڑھنا جائز تھا، یہ واقعہ اسی زمانہ کا ہے، حضرت معاذؓ نبی ﷺ کے پیچھے بھی فرض پڑھتے تھے اور قوم کو بھی فرض پڑھاتے تھے، پھر بعد میں فرض کی تکرار کا جواز منسوخ ہوگیا تو یہ حدیث بھی منسوخ ہوگئی، یہ جواب امام طحاوی رحمہ اللہ نے دیا ہے جو حاشیہ میں ہے۔

چوتھا جواب: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل نبی ﷺ کے علم میں نہیں آیا، پھر جب آپؐ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے ان کو اس پر برقرار نہیں رکھا بلکہ حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھو اور امامت چھوڑ دو یا امامت کرو اور نماز ہلکی پڑھاؤ، یہ بات مجمع الزوائد (۲:۷۲) میں ہے،، اگر حضور ﷺ حضرت معاذؓ کو ان کے عمل پر برقرار رکھتے تو استدلال درست ہوتا، مگر جب آپ نے برقرار نہیں رکھا تو استدلال درست نہیں۔

دوسری دلیل کا جواب: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی دوسری دلیل کا بھی یہی جواب ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرو بن سلمہؓ کو امام نہیں بنایا بلکہ ان کے قبیلہ کو یہ حکم دیا تھا کہ تم میں جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہ امامت کرے، قوم نے دیکھا کہ سب سے زیادہ قرآن اس بچہ کو یاد ہے، کیونکہ وہ آنے جانے والے قافلوں سے سن کر قرآن یاد کیا کرتا تھا، اس لئے قبیلہ والوں نے اس کو امام بنایا، اس بچہ کا امام ہونا حضور ﷺ کے علم میں نہیں آیا جب آنحضور ﷺ کے علم میں یہ بات نہیں آئی، بلکہ یہ صحابہ کا عمل تھا جس کو تقریر نبوی یعنی تائید نبوی حاصل نہیں ہوئی تو اس سے استدلال درست نہیں۔

[۶۶-] بابٌ: إِذَا صَلَّى ثُمَّ أَمَّ قَوْمًا

[۷۱۱-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَأَبُوْ النُّعْمَانِ، قَالاَ: نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ يَأْتِيْ قَوْمَهُ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ.

[راجع: ۷۰۰]

بابُ مَنْ أَسْمَعَ النَّاسَ تَكْبِيْرَ الإِمَامِ

مکبّر لوگوں کو امام کی تکبیر پہنچائے

کبھی جماعت میں بڑا مجمع ہوتا ہے، اب تو لاؤڈ اسپیکر کا زمانہ ہے اس کے ذریعہ دور تک آواز پہنچائی جاتی ہے، مگر جب یہ آلہ نہیں تھا، اس وقت امام کی آواز دور تک پہنچانے کے لئے مکبّروں کا سہارا لیا جاتا تھا، مکبّرین امام نہیں ہوتے، وہ امام کی تکبیریں دور تک پہنچاتے ہیں اور سارا مجمع امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتا ہے: یہ جائز ہے۔ آنحضور ﷺ نے مرض وفات میں ایک دن ظہر کی نماز میں اپنے مرض میں ہلکا پن محسوس کیا تو آپؐ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ظہر پڑھا رہے تھے، آپؐ کی آمد کا احساس ہوتے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

پیچھے ہٹ گئے اور آنحضور ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بائیں جانب بٹھادیا گیا اور آپؐ نے خلیفہ بن کر نماز پڑھانی شروع کی اور حضرت ابوبکرؓ تکبیریں زور سے کہتے تھے۔معلوم ہوا کہ امام کی آواز دور تک پہنچانے کے لئے مکبّر بنانا جائز ہے۔

[۶۷-] بابُ مَنْ أَسْمَعَ النَّاسَ تَكْبِيْرَ الإِمَامِ

[۷۱۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: نا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ، قَالَ: نَا الأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ: لَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَضَهُ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ، أَتَاهُ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلاَةِ، فَقَالَ: " مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ" قُلْتُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيْفٌ، إِنْ يَقُمْ مَقَامَكَ يَبْكِ، فَلاَ يَقْدِرُ عَلَى الْقِرَاءَةِ، قَالَ: " مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ" فَقُلْتُ مِثْلَهُ، فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ: " إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ، مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ" فَصَلَّى، وَخَرَجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَخُطُّ بِرِجْلَيْهِ الأَرْضَ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُوْ بَكْرٍ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ أَنْ صَلِّ، فَتَأَخَّرَ أَبُوْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ، وَقَعَدَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى جَنْبِهِ، وَأَبُوْ بَكْرٍ يُسْمِعُ النَّاسَ التَّكْبِيْرَ ـــ تَابَعَهُ مُحَاضِرٌ عَنِ الأَعْمَشِ. [راجع: ۱۹۸]

وضاحت: أَسِيف: رقیق القلب، نرم دل .... إِنَّكُنَّ صواحبُ يوسف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں یہ تھا کہ اگر اس بیماری میں آپؐ کی وفات ہوگئی تو جو شخص آپؐ کی جگہ کھڑا ہوگا لوگ اس کو منحوس سمجھیں گے، مگر انھوں نے ظاہر یہ کیا کہ ابوبکر نرم دل ہیں، جب آپؐ کی جگہ کھڑے ہونگے تو ان پر رقت طاری ہوجائے گی اور وہ نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ اس لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا: تم یوسف علیہ السلام والی عورتیں ہو، زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے .... فصلّی، وخَرَجَ النبيُّ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی عشاء میں جسے پڑھانے کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا آپؐ تشریف لے آئے، مگر یہ صحیح نہیں، آپؐ آئندہ کسی دن ظہر کی نماز میں آئے ہیں اور فصلّٰی کا مطلب ہے: پس ابوبکرؓ نمازیں پڑھاتے رہے اور نبی ﷺ کسی دن ظہر کی نماز میں نکلے......... يَخُطُّ برجلَيه الأرض: آپؐ اپنے دونوں پیروں سے زمین پر لکیریں بنارہے تھے، یعنی آپؐ بے طاقتی کی وجہ سے پیر گھسیٹ کر چل رہے تھے......... وأبوبكر يسمع الناس: یہی جملہ باب سے متعلق ہے۔

بابُ الرَّجُلِ يَأْتَمُّ بِالإِمَامِ وَيَأْتَمُّ النَّاسُ بِالْمَأْمُوْمِ

ایک آدمی امام کی اقتداء کرے اور لوگ اس مقتدی کی اقتداء کریں

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں [1]: جماعت کی نماز میں امام پہلی صف کا امام ہے اور پہلی صف دوسری صف کی امام ہے،

(۱) امام شعبیؒ بڑے درجہ کے مجتہد ہیں، حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے معاصر ہیں اور امام اعظم رحمہ اللہ کے استاذ الاستاذ ہیں۔

اور دوسری صف تیسری کی، وہکذا، چنانچہ ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص آیا اور اس نے تکبیر کہہ کر رکوع کرلیا تو اگر اس سے اگلی صف نے ابھی رکوع سے سر نہیں اٹھایا تو اس نے رکعت پالی، خواہ امام نے سر اٹھالیا ہو، یہ امام شعبیؒ کی رائے ہے، شاید امام بخاریؒ کی بھی یہی رائے ہے.........اور جمہور کے نزدیک یہ درست نہیں، ان کے نزدیک ایک ہی امام کی اقتداء ضروری ہے، ڈبل امامت نہیں ہوسکتی، اور حضرت ابوبکرؓ امام نہیں تھے، وہ مقتدی اور مکبّر تھے۔ پس امام کے سر اٹھانے کے بعد جو رکوع میں گیا اس کو رکعت نہیں ملی، خواہ ابھی کسی مقتدی نے سر نہ اٹھایا ہو —— باب میں ایک معلّق اور ایک مرفوع روایت ہے، مگر دونوں سے استدلال محل نظر ہے۔

[۶۸-] بابُ الرَّجُلِ يَأْتَمُّ بالإمامِ وَيَأْتَمُّ النَّاسُ بِالْمَأْمُوْمِ

وَيُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " ائْتَمُّوْا بِيْ، وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ"

[۷۱۳-] حَدَّثَنِيْ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: نَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ: " مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ" فَقُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيْفٌ، وَإِنَّهُ مَتى مَايَقُمْ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعِ النَّاسَ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ! فَقَالَ: " مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ" فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُوْلِيْ لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيْفٌ، وَإِنَّهُ مَتى مَا يَقُوْمُ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعِ النَّاسَ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ فَقَالَ: " إِنَّكُنَّ لَأُنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ، مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ" فَلَمَّادَخَلَ فِيْ الصَّلَاةِ، وَجَدَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ نَفْسِهِ خِفَّةً، فَقَامَ يُهَادَىْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ، وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِيْ الْأَرْضِ، حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَلَمَّا سَمِعَ أَبُوْ بَكْرٍ حِسَّهُ ذَهَبَ أَبُوْ بَكْرٍ يَتَأَخَّرُ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَجَاءَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِيْ بَكْرٍ، فَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّيْ قَائِمًا، وَكَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ قَاعِدًا، يَقْتَدِيْ أَبُوْ بَكْرٍ بِصَلَاةِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَالنَّاسُ مُقْتَدُوْنَ بِصَلَاةِ أَبِيْ بَكْرٍ رضى الله عنه.[راجع: ۱۹۸]

قوله: ويُذكر عن النبیؐ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اقتداء کرو اور چاہئے کہ تمہاری اقتدا کریں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں —— اس حدیث میں نبی ﷺ نے صحابہ کو ہدایت دی ہے کہ میری پیروی کرو، میرے ہر قول وفعل کو اپناؤ، آئندہ جو لوگ آئیں گے وہ تمہاری پیروی کریں گے، اور یونہی یہ سلسلہ چلتا رہے گا، اور امام بخاریؒ جو مسئلہ بیان کر رہے ہیں اس سے حدیث کا واضح تعلق نہیں، مگر امام بخاریؒ نے حدیث کے ظاہری معنی لئے ہیں کہ جب میں نماز پڑھاؤں تو پہلی صف والے میری پیروی کریں اور دوسری صف والے پہلی صف کی پیروی کریں اور تیسری صف والے دوسری صف کی پیروی کریں۔ امام بخاریؒ نے بعد کم کا یہ مطلب لیا ہے حالانکہ امت میں کسی نے حدیث کا یہ مطلب نہیں سمجھا، حدیث کا صحیح

مطلب وہ ہے جو ابھی میں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے صحابہ کو ہدایت دی ہے کہ وہ ہر عمل میں آپؐ کی پیروی کریں اس لئے کہ وہ آئندہ مقتدی بننے والے ہیں، آئندہ جو لوگ آئیں گے وہ ان کی پیروی کریں گے اور یہ سلسلہ یونہی قیامت تک چلتا رہے گا۔

حدیث:لو أَمَرْتَ عمر: یہ لَوتمنی کا ہے.........فلما سمع أبوبکر حِسَّہ: جب ابوبکرؓ نے آپؐ کی آہٹ سنی ....یقتدی أبوبکر بصلاۃ رسول اللہ، والناس مُقتدون بصلوۃ أبی بکر: اس ٹکڑے سے استدلال کیا ہے کہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کر رہے تھے، حالانکہ حقیقت میں حضرت ابوبکرؓ صرف مکبّر تھے، تکبیریں زور سے کہہ رہے تھے اور سب لوگ حضور ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے۔

بابٌ: هَلْ يَأْخُذُ الإِمَامُ إِذَا شَكَّ بِقَوْلِ النَّاسِ؟

امام کو شک پیش آئے تو کیا وہ لوگوں کی بات پر عمل کر سکتا ہے؟

امام کو تعداد رکعات وغیرہ میں شک پیش آیا تو وہ لوگوں کی بات مان سکتا ہے، حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا تھا کہ آپؐ نے دو ہی رکعتیں پڑھائی ہیں، آپؐ نے لوگوں سے دریافت کیا، سب نے تائید کی کہ آپؐ نے دو ہی رکعت پڑھائی ہیں تو آپؐ نے ان کی بات مان لی اور باقی نماز پڑھائی، یہ دورِ اول کا واقعہ ہے اس وقت نماز میں بات چیت کرنا، چلنا پھرنا، قبلہ سے منحرف ہونا: سب جائز تھا، بعد میں یہ باتیں منسوخ ہوگئیں، لہٰذا ان باتوں سے صرف نظر کرو، صرف یہ دیکھو کہ آپؐ نے ان کی بات مان لی۔

[٦٩-] بابٌ: هَلْ يَأْخُذُ الإِمَامُ إِذَا شَكَّ بِقَوْلِ النَّاسِ؟

[٧١٤-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَيُّوْبَ بْنِ أَبِیْ تَمِيْمَةَ السَّخْتِيَانِیِّ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَيْنِ، فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ: أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيْتَ؟ يَارسولَ اللّٰهِ! فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟" فَقَالَ النَّاسُ: نَعَمْ، فَقَامَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَصَلَّى اثْنَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهِ أَوْ أَطْوَلَ.[راجع: ٤٨٢]

[٧١٥-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، قَالَ: نَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ أَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: صَلَّى النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، فَقِيْلَ: صَلَّيْتَ رَكْعَتَيْنِ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ سجدَ سَجْدَتَيْنِ.[راجع: ٤٨٢]

وضاحت: بقول الناس : یأخذ سے متعلق ہے شكَّ سے متعلق نہیں .... ایوب سختیانی بڑے آدمی ہیں ان کے ابا کی کنیت ابوتمیمہ ہے اور سَخْتِیَان: بھیڑ بکری یعنی چھوٹے جانور کی کھال کو کہتے ہیں، اور یہ عربی لفظ نہیں ہے، ان کے یہاں یہ کاروبار ہوتا ہوگا اس لئے ان کو سختیانی کہتے تھے۔

بابٌ: إِذَا بَكَى الإِمَامُ فِي الصَّلٰوةِ

امام نماز میں روئے تو کیا حکم ہے؟

اگر امام یا مقتدی امر دنیوی کی وجہ سے روئے اور آواز یا حروف پیدا ہو جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر آواز پیدا ہو نہ حروف تو کچھ مضائقہ نہیں، نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر امر اخروی کی وجہ سے روئے مثلاً جو آیت پڑھ رہا تھا اس کے مضمون سے دل بھر آیا اور رونے لگا تو اگرچہ آواز اور حروف پیدا ہو جائیں نماز فاسد نہیں ہوگی .... نَشِیْج کے معنی ہیں: رونے کی آواز، نَشَجَ الباکی: روتے روتے ہچکی بندھ جانا، نَشَجَتِ القِدْر: ہانڈی کا کھدکھدانا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے: ﴿إِنَّمَا أَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللّٰهِ﴾ تو حضرت اتنا روئے کہ آخری صف میں رونے کی آواز سنی گئی، یہ رونا امر اخروی کی وجہ سے تھا اس لئے اس رونے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

[۷۰-] بابٌ: إِذَا بَكَى الإِمَامُ فِي الصَّلٰوةِ

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ: سَمِعْتُ نَشِيْجَ عُمَرَ، وَأَنَا فِيْ آخِرِ الصُّفُوْفِ، يَقْرَأُ﴿ إِنَّمَا أَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللّٰهِ﴾[یوسف: ۱۸]

[۷۱۶-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ فِيْ مَرَضِهِ:" مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ " قَالَتْ عَائِشَةُ: قُلْتُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَاقَامَ فِيْ مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَمُرْ عُمَرَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ، فَقَالَ:" مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ " فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُوْلِيْ لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيْفٌ، إِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ، فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ. فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم : " مَهْ، إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ، مُرُوْا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ " فَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ: مَا كُنْتُ لِأُصِيْبَ مِنْكِ خَيْرًا. [راجع: ۱۹۸]

وضاحت: إن أبابکر لم یُسمِعِ الناس من البکاء: یہ ٹکڑا باب سے متعلق ہے، اور چونکہ یہ رونا فراق نبوی میں ہوتا اس لئے یہ رونا امر آخرت کی وجہ سے ہوتا اس لئے اس سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔

بابُ تَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ عِنْدَ الإِقَامَةِ وَبَعْدَهَا

اقامت کے دوران اوراس کے بعد صفیں سیدھی کرنا

تسوية الصفوف کے معنی ہیں: صفیں درست کرنا، صفیں سیدھی کرنا، یہ ضروری امر ہے اگر اقامہ پورا ہونے تک صفیں درست ہوجائیں تو سبحان اللہ، امام نماز شروع کردے اور اگر اقامہ پورا ہونے تک صفیں درست نہ ہوں تو اقامہ کے بعد صفیں درست کی جائیں۔ صفیں کسی حال میں نادرست نہیں چھوڑنی چاہئیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک تسویۃ الصفوف واجب ہے، درمختار میں اس کی صراحت ہے، اگر صفیں درست نہیں ہونگی تو نماز مکروہ ہوگی۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک صفیں درست کرنا سنت ہے اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک فرض ہے، اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوگی۔

جاننا چاہئے کہ صفوں کی درستگی میں جس طرح قطار کو سیدھا کرنا شامل ہے تراصّ (مل کر کھڑا ہونا) بھی شامل ہے، لوگوں کو اس طرح مل کر کھڑا ہونا چاہئے کہ دو شخصوں کے درمیان سے ہاتھ نہ گذر سکے، لوگ قطار درست کرنے کا تو اہتمام کرتے ہیں مگر مل کر نہیں کھڑے ہوتے۔ حدیث میں تراص کا بھی حکم ہے، جو اگلے باب میں آرہا ہے۔

قوله: عند الإقامة وبعدَها: اقامہ کے وقت صفیں درست کی جائیں، اور اقامہ پورا ہونے تک صفیں درست نہ ہوں تو اقامہ کے بعد درست کی جائیں۔ قبل الأقامة: اقامہ شروع ہونے سے پہلے صفیں درست کرنے کے بارے میں نہیں کہا، پس لوگوں کا اقامہ شروع ہونے سے پہلے کھڑا ہونا اور یہ عذر پیش کرنا کہ صفیں درست کرنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں: یہ عذر لنگ ہے، لوگوں کو اور امام کو اقامہ شروع ہونے کے بعد ہی کھڑا ہونا چاہئے، کھڑے ہوکر اقامہ کا انتظار کرنا مکروہ ہے۔

[۷۱-] بابُ تَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ عِنْدَ الإِقَامَةِ وَبَعْدَهَا

[۷۱۷-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ: نَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ أَبِيْ الْجَعْدِ، قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ، يَقُوْلُ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ"

[۷۱۸-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: نَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "أَقِيْمُوْا الصُّفُوْفَ، فَإِنِّيْ أَرَاكُمْ خَلْفَ ظَهْرِيْ" [انظر: ۷۱۹، ۷۲۵]

ترجمہ (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: "ضرور اپنی صفیں درست کرو یا اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو ایک دوسرے کے خلاف کردیں گے"، یعنی تمہارے درمیان اختلاف ڈال دیں گے ــــ (۲) فرمایا: صفوں کو سیدھا کرو، کیونکہ میں تمہیں پیٹھ پیچھے سے دیکھتا ہوں"

تشریح:

۱- پہلی حدیث وعید کی ہے، اور وعید سے وجوب ثابت ہوتا ہے، اور لَیُخَالِفَنَّ اللّٰہ بین وجوھکم کے حاشیہ میں تین مطلب لکھے ہیں:

اول: چہروں کا آمنے سامنے ہونا مودت ومحبت کی تعبیر ہے، اور چہروں کا ایک دوسرے سے پھرا ہوا ہونا بغض وعداوت کی تعبیر ہے، میاں بیوی ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے سوئیں تو یہ محبت کی علامت ہے، اور اِدھر اُدھر منہ کر کے سوئیں تو یہ بے تعلقی کی علامت ہے، پس چہرے اِدھر اُدھر کر دینے کا مطلب ہے: آپس میں اختلافات ہو جانا، عداوتیں اور دشمنیاں ابھر آنا۔

دوسرا مطلب لکھا ہے: اگر صفیں درست نہیں ہونگی تو چہرے پیٹھ کی طرف پھیر دیئے جائیں گے اور تیسرا مطلب لکھا ہے: صورتیں مسخ کر دی جائیں گی، یہ دونوں مطلب بس ایسے ہی ہیں، صحیح مطلب پہلا ہے کہ اگر صفوں کو درست رکھو گے تو آپس میں اتحاد واتفاق پیدا ہوگا اور صفوں کو سیدھا نہیں کرو گے تو باہم اختلافات اور عداوتیں پیدا ہونگی۔

رہی یہ بات کہ صفوں کی درستگی میں اور معاشرہ کی اجتماعیت میں، اسی طرح صفوں کی نادرستگی میں اور لوگوں میں اختلاف رونما ہونے میں کیا جوڑ ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ بات معلوم نہیں، مگر یہ بات مخبر صادق نے بتائیہے، اس لئے باون تولہ پاؤرتی ہے، اس میں ادنی شک کی گنجائش نہیں، اور جس کو یقین نہ آئے وہ تجربہ کر کے دیکھ لے، ایک مہینہ نادرست صفوں کے ساتھ نماز پڑھو چند دنوں میں لوگوں کے چہرے ایک دوسرے سے پھر جائیں گے اور باہم اختلافات رونما ہو جائیں گے اور ایک مہینہ صفیں درست کر کے نماز پڑھو، چھوٹے موٹے اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

۲- صفیں درست کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملائے جائیں (بخاری حدیث ۷۲۵) کندھے سے کندھا ملانا تو ظاہر ہے اور قدم سے قدم ملانا یہ ہے کہ لوگ اس طرح کھڑے ہوں کہ اگر ایک جانب سے لوگوں کے ٹخنوں میں سوئی داخل کی جائے تو سب کے ٹخنوں میں سے ہو کر نکل جائے، یعنی تمام لوگوں کے ٹخنے ایک سیدھ میں آجانے چاہئیں، غیر مقلدین نے اس حدیث کے غلط معنی سمجھے ہیں، تفصیل چند ابواب کے بعد آئے گی۔

۳- نبی ﷺ ایک عرصہ تک بذاتِ خود تیر کی لکڑی لے کر اور لوگوں کے سینوں پر رکھ کر صفیں درست فرماتے تھے۔ پھر جب آپؐ کو اطمینان ہو گیا کہ لوگ صف سیدھی کرنے کا طریقہ سیکھ گئے تو آپؐ نے صف سیدھی کرنے کا اہتمام چھوڑ دیا، اب لوگ خود ہی صفیں سیدھی کرنے لگے، لیکن ایک دن اچانک آپؐ نے دیکھا کہ کسی کا سینہ آگے نکلا ہوا ہے تو آپؐ نے سخت ڈانٹا، اور فرمایا: ''اللہ کے بندو! صفیں سیدھی کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو پھیر دیں گے''، یعنی صفیں سیدھی کرنے میں کوتاہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں تمہارے درمیان اختلاف ڈال دیں گے، اور تمہاری وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی، یہ اس حدیث کا شانِ ورود ہے۔

اس ڈانٹ کے بعد صحابہ سنبھل گئے، پھر ایک دن آنحضور ﷺ نے کچھ کوتاہی دیکھی تو فرمایا: ''اپنی صفیں سیدھی کرو (اورمل کر کھڑے ہوؤ) اس لئے کہ میں تمہیں پیٹھ پیچھے سے دیکھتا ہوں'' اس آخری جملہ میں اہل بصیرت کے نزدیک وعید کا ایک لطیف پہلو ہے، اس کے بعد پھر کبھی کچھ کہنے کا موقع نہیں آیا۔

بابُ إِقْبَالِ الإِمَامِ عَلٰی النَّاسِ عِنْدَ تَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ

صفیں سیدھی کرتے وقت امام کا لوگوں کی طرف متوجہ ہونا

اقبال کے معنی ہیں: متوجہ ہونا، اس باب کا مقصد یہ ہے کہ صفیں سیدھی کرنے کی ذمہ داری امام کی ہے، اگر امام کی بے توجہی سے صفیں نادرست ہیں تو قیامت کے دن وہ ماخوذ ہوگا، خود نبی ﷺ اس کا اہتمام فرماتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب مسجدِ نبوی میں نمازی زیادہ ہوگئے تو انھوں نے چند حضرات کو یہ ذمہ داری سونپی، وہ صفیں سیدھی کرتے تھے، اور جب صفیں درست ہونے کی اطلاع آتی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز شروع کرتے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو لوگوں کو نام بہ نام آگے پیچھے دائیں بائیں ہونے کا حکم دیتے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی صفوں کی درستگی کا اہتمام کرتے تھے، معلوم ہوا کہ صفیں سیدھی کرنے کی ذمہ داری امام کی ہے (یہ آثار ترمذی (کتاب الصلوۃ باب ۵۴) میں ہیں)

[۷۲-] بابُ إِقْبَالِ الإِمَامِ عَلٰی النَّاسِ عِنْدَ تَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ

[۷۱۹-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ أَبِیْ رَجَاءٍ، قَالَ: نَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: نَا زَائِدَةُ بْنُ قُدَامَةَ، قَالَ: نَا حُمَيْدُ الطَّوِيْلُ، قَالَ نَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ، فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: '' أَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا، فَإِنِّیْ أَرَاكُمْ مَنْ وَرَاءِ ظَهْرِیْ'' [راجع: ۷۱۸]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نماز کے لئے تکبیر کہی گئی پس رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اپنی صفیں سیدھی کرو، اور مل کر کھڑے ہوؤ، اس لئے کہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

تشریح: آنحضور ﷺ کا آگے دیکھنا فطری تھا، ہر شخص آگے دیکھتا ہے اور پیٹھ پیچھے دیکھنا معجزہ تھا، اور معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا، جب اللہ چاہتے ہیں معجزہ ظاہر ہوتا ہے۔

بابُ الصَّفِّ الأَوَّلِ

صفِ اول کا بیان

اس باب کا مقصد کیا ہے؟ حضرت الاستاذ مرادآبادی قدس سرہ نے فرمایا: پہلی صف کی فضیلت اور ثواب بیان کرنا

مقصود ہے، میں نے اس میں تھوڑا اضافہ کیا ہے: لوگوں میں ایک غفلت پائی جاتی ہے، ابھی صف اول پوری نہیں ہوئی کہ لوگ دوسری صف میں کھڑے ہونے شروع ہوجاتے ہیں، اس لئے صفِ اول کا ثواب بیان کیا تا کہ ہر شخص صفِ اول کی طرف بڑھے اور جب پہلی صف پوری ہو تب دوسری صف شروع کریں۔

[۷۳-] بابُ الصَّفِّ الْأَوَّلِ

[۷۲۰-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " الشُّهَدَاءُ: الغَرِقُ، وَالْمَبْطُوْنُ، وَالْمَطْعُوْنُ، وَالْهَدِمُ. [راجع: ۶۵۳]

[۷۲۱-] وَقَالَ: وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَافِيْ التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْ الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْ الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَاسْتَهَمُوْا" [راجع: ۶۱۵]

وضاحت: یہ حدیث گذر چکی ہے، پہلے غریق آیا تھا اور یہاں غَرِق ہے، دونوں کا ایک ہی مطلب ہے (ڈوبنے والا) ...... **الهَدِم: أی صاحب الهدم:** جو کسی چیز کے نیچے دب کر مرجائے ...... **ولو یعلمون مافی الصف المقدم:** المقدَّم فرمایا، الأوّل نہیں فرمایا، پس مطلب ہوگا: جب اگلی صف پوری ہوجائے تب بعد کی صف بنائی جائے، خواہ وہ کوئی صف ہو۔

بابُ إِقَامَةِ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ

صف سیدھی کرنے سے نماز کامل ہوتی ہے

صفوں کو درست کرنا اگرچہ نماز کا جزء نہیں، خارج صلٰوۃ ہے، مگر ضروری ہونے کی وجہ سے گویا داخل صلٰوۃ ہے، فرائض وواجبات اور مستحبات ومندوبات نماز کے اجزاء ہیں، صف سیدھی کرنا اگرچہ نماز کا جزء نہیں، مگر اس کے ضروری ہونے کی وجہ سے اس کو داخل صلٰوۃ شمار کیا گیا ہے، اس لئے فرمایا کہ صف سیدھی کرنے سے نماز کامل ہوگی، اور صف نادرست ہوگی تو نماز ناقص ہوگی، اور باب کے جو الفاظ ہیں وہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ ترمذی (حدیث ۲۲۳) میں انہی الفاظ سے حدیث آئی ہے اور **من تمام الصلوۃ** سے ذاتِ صلٰوۃ کی تمامیت مراد نہیں، بلکہ حسن کی تکمیل مراد ہے، یعنی صف سیدھی کرنے سے نماز کا حسن دوبالا ہوجاتا ہے، حسن خارجی چیز ہے، معلوم ہوا کہ اقامتِ صف صلٰوۃ سے خارج ہے، مگر اس کے ضروری ہونے کی وجہ سے اس کو داخل صلٰوۃ شمار کیا گیا ہے۔

[۷۴-] بابُ إِقَامَةِ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ

[۷۲۲-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ

النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُوْلُوْا: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ؛ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا؛ وَإِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا أَجْمَعُوْنَ، وَأَقِيْمُوْا الصَّفَّ فِيْ الصَّلَاةِ، فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ" [انظر: ۷۳٤]

[۷۲۳-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، قَالَ: نَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ، فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ"

قوله: فلا تَخْتَلِفُوْا عليه: امام کی اتباع ضروری ہے، اقوال میں بھی اور افعال میں بھی۔ اس کی مخالفت جائز نہیں، اور اس قاعدہ سے چند چیزیں مستثنیٰ ہیں، تفصیل چند ابواب پہلے گذری ہے۔

قوله: فَإِنَّ إقامة الصف من حُسنِ الصلوٰة: اور ترمذی میں من تمام الصلوٰۃ ہے، معلوم ہوا کہ صف درست کرنے سے ذاتِ صلوٰۃ کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ نماز میں حسن پیدا ہوتا ہے اور کسی چیز کا حسن اس کی ماہیت سے خارج ہوتا ہے، مگر اقامۃ الصّف کے ضروری ہونے کی وجہ سے اس کو داخل صلوٰۃ شمار کیا گیا ہے۔

بابُ إِثْمِ مَنْ لَمْ يُتِمَّ الصُّفُوْفَ

صفیں درست نہ کرنے کا گناہ

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ صفوں کو سیدھا کرنا واجب ہے، درمختار میں وجوب کی صراحت ہے، اگر صفیں درست نہیں ہونگی تو سب گنہ گار ہونگے، اور سب سے بڑا گنہ امام پر ہوگا، کیونکہ صفیں درست کرنے کی ذمہ داری اس کی ہے، اور صفیں سیدھی نہ کرنے پر گنہ ہونا وجوب کی دلیل ہے۔

[۷۵-] بابُ إِثْمِ مَنْ لَمْ يُتِمَّ الصُّفُوْفَ

[۷۲٤-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: أَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: أَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّائِيُّ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّهُ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ، فَقِيْلَ لَهُ: مَا أَنْكَرْتَ مِنَّا مُنْذُ يَوْمِ عَهِدْتَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: مَا أَنْكَرْتُ شَيْئًا إِلَّا أَنَّكُمْ لَا تُقِيْمُوْنَ الصُّفُوْفَ ـــ وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عُبَيْدٍ: عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ: قَدِمَ عَلَيْنَا أَنَسُ الْمَدِيْنَةَ، بِهٰذَا.

وضاحت: یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ میں رہتے تھے ایک مرتبہ مدینہ منورہ آئے تو لوگوں نے پوچھا: آپ نے عہدِ رسالت میں اور آج کے احوال میں کیا تبدیلی پائی؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: عہدِ رسالت میں جو احوال تھے اب بھی وہی احوال ہیں، صرف ایک کمی پیدا ہوگئی ہے، آپ لوگ نماز میں صفیں درست نہیں کرتے، یہی جزءِ ترجمہ

سے متعلق ہے۔اس حدیث کو بُشیر بن یسار سے عقبہ بھی روایت کرتے ہیں اوران کی حدیث کے الفاظ کچھ بدلے ہوئے ہیں۔

بابُ إِلْزَاقِ الْمَنْكِبِ بِالْمَنْكِبِ وَ الْقَدَمِ بِالْقَدَمِ فِی الصَّفِّ

صف بندی میں مونڈھے کومونڈھے سے اور پیر کو پیر سے چپکانا

آنحضور ﷺ نے حضرات صحابہ کوصف بندی کا یہ طریقہ بتلایا تھا کہ کندھے سے کندھا اچھی طرح لگایا جائے اورقدم سے قدم ملاکر دیکھا جائے، یعنی لوگ اس طرح کھڑے ہوں کہ اگرایک جانب سے ٹخنوں میں سوئی داخل کی جائے تو سب ٹخنوں میں سے ہوکر گذر جائے، یعنی تمام لوگوں کے ٹخنے ایک سیدھ میں آجائیں۔غیر مقلدین نے اس حدیث کے غلط معنی سمجھے ہیں، وہ کہتے ہیں: اس حدیث میں نماز میں کھڑے ہونے کا طریقہ بتایا گیا ہے، ان کے نزدیک نماز میں کھڑے ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر آدمی پیر کی انگلیاں دوسرے کے پیر کی انگلیوں سے لگائے، حالانکہ حدیث میں قدم سے قدم ملانے کا ذکر ہے،اورقدم ایڑی سے انگلیوں تک ہے، پس قدم سے قدم ملاکر کھڑا ہونا ممکن نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں فی الصف کی قید لگا کر اشارہ کیا ہے کہ یہ صف بندی کا طریقہ ہے، قیام میں کھڑے ہونے کا طریقہ نہیں ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری (۲۱۱:۲) میں لکھتے ہیں **المرادُ بذلك المبالغةُ فی تعدیل الصف وسَدِّ خَلَلِه** اھ، یعنی حدیث کی مراد صف صحیح کرنے میں مبالغہ کرنا ہےاور صف کے خلل کو بند کرنا ہے، اوراس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ صحابہ کا یہ عمل ایک مرفوع حدیث کے بعد حضرت انسؓ نے ذکر کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: اپنی صفیں سیدھی کرو، کیونکہ میں تمہیں پیٹھ پیچھے سے دیکھتا ہوں'' یہ حدیث ذکر کرکے حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''اور ہم میں سے ہر شخص اپنا مونڈھا اپنے ساتھی کے مونڈھے سے اور اپنا پیر اس کے پیر سے ملاتا تھا'' ظاہر ہے مذکورہ حدیث کے بعد صحابہ کا یہ عمل اس ارشاد کی تعمیل ہی میں ہوسکتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ صحابہ کا قدم سے قدم ملانا حدیث نہیں ہے، حدیث رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور تائید وتقریر کو کہتے ہیں، بلکہ یہ ازقبیل آثارِ صحابہ ہے، اور غیر مقلدین آثارِ صحابہ کو نہیں مانتے، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ میں اس کی صراحت کی ہے، پس غیر مقلدین کا اس کو حدیث کہہ کر پیش کرنا زبردست مغالطہ ہے، ایک تو اثر کو حدیث بنادیا، پھر اس کا غلط مطلب بیان کیا، کریلا اور نیم چڑھا!

[۷۶-] بابُ إِلْزَاقِ الْمَنْكِبِ بِالْمَنْكِبِ وَالْقَدَمِ بِالْقَدَمِ فِی الصَّفِّ

وَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيْرٍ: رَأَيْتُ الرَّجُلَ مِنَّا يُلْزِقُ كَعْبَهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهِ.

[۷۲۵-] حدثنا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: نَا زُهَيْرٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

قَالَ: "أَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ، فَإِنِّىْ أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِىْ" وَكَانَ يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ، وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ.
[راجع: ۷۱۸]

وضاحت: حدیث کا ترجمہ اوپر آچکا، اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ایک اپنے ٹخنے اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ملاتا تھا، یعنی صحابہ صف میں اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ تمام ٹخنے ایک سیدھ میں آجاتے تھے، یہ صحابہ کا صف بندی کا طریقہ تھا۔ غیر مقلدین بتائیں: حالتِ قیام میں ٹخنے سے ٹخنا ملا کر کس طرح کھڑے رہیں گے؟ انگلیاں تو لگا سکتے ہیں، مگر پورا پیر خاص طور پر ٹخنے سے ٹخنا لگانا ممکن نہیں!

بابٌ: إِذَاقَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الإِمَامِ، وَحَوَّلَهُ الإِمَامُ خَلْفَهُ إِلٰى يَمِيْنِهِ: تَمَّتْ صَلاَتُهُ

کوئی امام کی بائیں طرف کھڑا ہو جائے، اور امام اس کو اپنے پیچھے سے دائیں طرف لیلے تو نماز درست ہے

یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے: مقتدی امام کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، امام نے اس کو اپنے پیچھے سے دائیں طرف لے لیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

سوال: جب یہ باب پہلے آچکا ہے تو حضرتؒ دوبارہ یہ باب کیوں لائے ہیں؟

جواب: اس باب میں خلفہ کا اضافہ ہے یعنی امام مقتدی کو اپنے پیچھے سے دائیں طرف لائے، اگر امام نے آگے سے دائیں طرف لیا تو مقتدی کی نماز باطل ہو جائے گی: اور اتنا معمولی فرق حضرت کے نزدیک نیا باب قائم کرنے کے لئے کافی ہے۔

[۷۷-] بابٌ: إِذَاقَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الإِمَامِ، وَحَوَّلَهُ الإِمَامُ خَلْفَهُ إِلٰى يَمِيْنِهِ: تَمَّتْ صَلاَتُهُ

[۷۲۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: نَا دَاوُدُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَأَخَذَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِرَأْسِىْ مِنْ وَرَائِىْ، فَجَعَلَنِىْ عَنْ يَمِيْنِهِ، فَصَلّٰى وَرَقَدَ، فَجَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ يُصَلِّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.
[راجع: ۱۱۷]

قوله: برأسی من ورائی: نبی ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سر کو پیچھے سے پکڑ کر اشارہ فرمایا کہ پیچھے سے دائیں طرف آجاؤ۔

بابٌ: الْمَرْأَةُ وَحْدَهَا تَكُوْنُ صَفًّا

عورت تنہا صف بنائے

مقتدی عورت ہے تو وہ امام کی دائیں جانب نہیں کھڑی ہوگی، بلکہ پیچھے صف بنائے گی، صف میں تنہا کھڑا ہونا اگرچہ مکروہ ہے، لیکن عورت کے لئے اکیلے صف بنانا مکروہ نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نانی ملیکہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، آپؐ تشریف لائے اور کھانا تناول فرمایا، پھر باجماعت دو رکعتیں پڑھائیں، آپؐ کے پیچھے حضرت انسؓ اور ایک یتیم یعنی نابالغ لڑکا تھا، دونوں نے صف بنائی اور ملیکہ ان کے پیچھے کھڑی ہوئیں، معلوم ہوا کہ عورت کے لئے تنہا صف بنانا مکروہ نہیں۔

[۷۸-] بابٌ: الْمَرْأَةُ وَحْدَهَا تَكُوْنُ صَفًّا

[۷۲۷-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْحَاقَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيْمٌ فِيْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، وَأُمِّيْ أُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا. [راجع: ۳۸۰]

وضاحت: یہ حدیث أبواب ثیاب المصلی میں گذر چکی ہے، وہاں یہ تھا کہ اکیلی صف بنانے والی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نانی ملیکہ تھیں، اور یہاں ام سُلیم (انسؓ کی والدہ کا) نام ہے، یہ واقعہ کے متعلقات کا اختلاف ہے، حقیقت میں یہ ملیکہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے۔ اور في بيتنا: صليتُ سے متعلق ہے۔

بابُ مَيْمَنَةِ الْمَسْجِدِ وَالإِمَامِ

امام اور مسجد کا دایاں

صف میں دائیں طرف کھڑے ہونے کے فضائل آئے ہیں، پس متعین کرنا ضروری ہے کہ مسجد کی دائیں جانب کونسی ہے؟ جب امام قبلہ کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو تو جو اس کا دایاں ہے وہ مسجد کا دایاں ہے، اور جو اس کا بایاں ہے وہ مسجد کا بایاں ہے، اسی لئے باب میں والإمام: بڑھایا ہے تاکہ مسجد کا دایاں بایاں متعین ہو۔

[۷۹-] بابُ مَيْمَنَةِ الْمَسْجِدِ وَالإِمَامِ

[۷۲۸-] حدثنا مُوْسَى، نَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيْدَ، قَالَ: نَا عَاصِمٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قُمْتُ لَيْلَةً أُصَلِّيْ عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَأَخَذَ بِيَدِيْ أَوْ: بِعَضُدِيْ حَتَّى أَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهِ، وَقَالَ بِيَدِهِ مِنْ وَرَائِيْ. [راجع: ۱۱۷]

مناسبت: نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ میرے پیچھے سے ہوکر دائیں طرف آجاؤ، معلوم ہوا کہ امام کا دایاں مسجد کا دایاں ہے۔

بابٌ: إِذَا كَانَ بَيْنَ الإِمَامِ وَبَيْنَ الْقَوْمِ حَائِطٌ أَوْ سُتْرَةٌ

جب امام اور مقتدیوں کے درمیان دیوار یا آڑ ہو

امام اور مقتدی کے درمیان دیوار یا کوئی اور چیز مثلاً نہر یا راستہ حائل ہو تو یہ فصل اقتداء کے لئے مانع نہیں، بشرطیکہ امام کے انتقالات کا مقتدی کو علم ہوتا رہے، اور حنفیہ جو کہتے ہیں کہ صحتِ اقتداء کے لئے وحدتِ مکان شرط ہے، یہ شرط زائد ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس سے متفق نہیں۔

اور سترہ سے امام کا سترہ مراد نہیں، بلکہ کوئی بھی آڑ مراد ہے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام نہر کی ایک طرف ہے اور مقتدی دوسری طرف یعنی امام و مقتدی کے درمیان نہر حائل ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں، اقتدا درست ہے۔ اور ابو مجلز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر مقتدی اور امام کے درمیان راستہ یا دیوار حائل ہو تو بھی اقتدا درست ہے، بس شرط یہ ہے کہ مقتدی امام کی تکبیریں سن رہا ہو۔

فائدہ: حنفیہ کے نزدیک اتحاد مکان شرط ہے، چنانچہ احناف کے نزدیک اگر امام تنہا مقتدیوں سے قدم آدم یا زیادہ اونچا یا نیچا ہو تو اقتدا درست نہیں، اس لئے کہ مکان متحد نہیں رہا، اور اگر امام کے ساتھ کچھ مقتدی بھی ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں، نماز صحیح ہے۔ اسی طرح امام اور مقتدیوں کے درمیان راستہ ہے اور اس پر ٹریفک چل رہا ہے یا بڑی نہر ہے جس میں چھوٹی کشتی چل سکتی ہے تو اقتدا درست نہیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول حاشیہ میں ہے، وہ حنفیہ کی دلیل ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: إذا كان بين الإمام وبين المقتدى طريق أو حائط أو نهر فليس هو معه: جب امام اور مقتدی کے درمیان راستہ، دیوار یا نہر حائل ہو تو مقتدی امام کے ساتھ نہیں یعنی اتحاد مکان نہیں رہا، پس اقتداء صحیح نہیں اور تابعین کرام کے جو اقوال امام بخاریؒ نے پیش کئے ہیں، ان کے اور حضرت عمرؓ کے قول کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ نہر صغیر جیسے کھیتوں میں بول چلتی ہے اس کا فصل مانع نہیں اور نہر کبیر جس میں کشتی چل سکتی ہے: مانع ہے، اسی طرح اگر راستہ حائل ہے اور ٹریفک بند ہے تو کچھ حرج نہیں، اس لئے کہ اب وہ راستہ نہیں رہا، اور کوئی اکا دکا گذر جائے جیسا کہ نمازی کے سامنے سے بھی گذر جاتے ہیں تو وہ گذرنا مانع اقتدا نہیں۔

غرض جس طرح تنہا امام بلند جگہ پر ہو تو اقتدا صحیح نہیں اور اس کے ساتھ دو چار مقتدی بھی ہوں تو اقتدا صحیح ہے، اسی طرح اگر امام تنہا دیوار کی ایک طرف ہے اور سب مقتدی دوسری طرف ہیں تو بھی اقتدا صحیح نہیں، اور امام کے ساتھ دو چار مقتدی بھی ہوں تو اقتدا صحیح ہے، شرط یہ ہے کہ امام کے انتقالات کا علم مقتدیوں کو ہوتا رہے۔

حدیث: باب میں روایت یہ ہے کہ ایک رمضان میں نبی ﷺ نے دو یا تین راتیں تراویح پڑھائی، مسجد میں آپؐ کے لئے چٹائیوں کا کمرہ بنایا جاتا تھا، آپؐ نے اسی کمرہ کے اندر سے امامت فرمائی، آپؐ باہر تشریف نہیں لائے، مگر اس حجرہ کی دیوار اتنی چھوٹی تھی کہ شخص نظر آتا تھا یعنی جب آپؐ کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تھے تو باہر سے نظر آتے تھے۔ اس واقعہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ امام اور مقتدیوں کے درمیان چٹائیوں کی آڑ ہے، مگر تکبیروں کی آواز آرہی ہے اس لئے اقتدا صحیح ہے۔

مگر اس حدیث سے استدلال درست نہیں، اس لئے کہ یہاں تو روایت میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حجرہ کے اندر سے امامت فرمائی، مگر دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے اور محراب میں کھڑے ہوکر دو یا تین راتیں تراویح پڑھائی، بلکہ خود اس روایت میں ہے کہ دو یا تین راتوں کے بعد آپؐ نہیں نکلے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دو یا تین راتوں تک نکلتے تھے، اور اس اختلاف میں تطبیق دینا مشکل ہے، اس لئے اس روایت سے استدلال درست نہیں۔

[۸۰-] بابٌ: إِذَا كَانَ بَيْنَ الإِمَامِ وَبَيْنَ الْقَوْمِ حَائِطٌ أَوْ سُتْرَةٌ

[۱-] وَقَالَ الْحَسَنُ: لَابَأْسَ أَنْ تُصَلِّيَ وَبَيْنَكَ وَبَيْنَهُ نَهْرٌ.

[۲-] وَقَالَ أَبُوْ مِجْلَزٍ: يَأْتَمُّ بِالإِمَامِ، وَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا طَرِيْقٌ أَوْ جِدَارٌ، إِذَا سَمِعَ تَكْبِيْرَ الإِمَامِ.

[۷۲۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ الأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فِيْ حُجْرَتِهِ، وَجِدَارُ الْحُجْرَةِ قَصِيْرٌ، فَرَأَى النَّاسُ شَخْصَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَامَ أُنَاسٌ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهِ، فَأَصْبَحُوْا فَتَحَدَّثُوْا بِذٰلِكَ، فَقَامَ اللَّيْلَةَ الثَّانِيَةَ، فَقَامَ مَعَهُ نَاسٌ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهِ، صَنَعُوْا ذٰلِكَ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، حَتّٰى إِذَا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ جَلَسَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَلَمْ يَخْرُجْ، فَلَمَّا أَصْبَحَ ذَكَرَ ذٰلِكَ النَّاسُ، فَقَالَ: " إِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ" [انظر: ۷۳۰، ۹۲٤، ۱۱۲۹، ۲۰۱۱، ۲۰۱۲، ۵۸٦۱]

قوله: فی حُجرته: اس سے چٹائیوں کا حجرہ مراد ہے جو آپؐ کے لئے مسجدِ نبوی میں بنایا جاتا تھا .... **قوله: وجدار الحجرة قصير:** یعنی نبی ﷺ کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تھے تو باہر سے نظر آتے تھے .... **قوله: فتحدثوا بذلك:** صبح میں چرچا ہوا کہ رات نبی ﷺ کے پیچھے تراویح پڑھنے کا موقع ملا .... **قوله: فلما أَصبح ذكر ذلك الناس:** صبح لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم مشتاق تھے، نماز کے انتظار میں جمع ہوئے تھے مگر آپؐ نماز کے لئے نہیں نکلے، آپؐ نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کردی جائے۔

فائدہ: آنحضور ﷺ نے دو راتیں تراویح پڑھائی تھی یا تین؟ اور کمرہ کے اندر سے امامت فرمائی تھی یا محراب میں

کھڑے ہوکر پڑھائی تھی؟ ان باتوں میں روایتوں میں اختلاف ہے، اور سب روایتیں اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں، اور وہ بخاری میں ہیں، اور تطبیق دینے کی کوئی صورت نہیں، اور تعدد واقعہ بھی قرار نہیں دے سکتے، میرے نزدیک یہ واقعہ کے متعلقات ہیں جن میں اختلاف سے صرف نظر کیا جانا چاہئے، حدیث کا ماسیق لاجلہ الکلام بس اتنا ہے کہ آپؐ نے دو یا تین راتیں باجماعت تراویح پڑھائی۔

بابُ صَلاَۃِ اللَّیْلِ

رات کی تاریکی میں نماز

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اقتداء کی صحت کا مدار امام کی حالت کے جاننے پر ہے، اگر مقتدی امام کی حالت کو جانتا ہے تو اقتداء درست ہے، پس رات کی تاریکی میں کسی کی اقتداء کی جائے تو اقتداء صحیح ہے کیونکہ تاریکی کے باوجود انتقالات امام کا علم ہوتا رہے گا۔ اوپر باب میں حضرت ابومجلز رضی اللہ عنہا کا قول آیا تھا، اس میں یہ قید تھی: إذا سمعَ تکبیرَ الإمام: وہی مسئلہ یہاں کھول کر بیان کررہے ہیں کہ امام کو دیکھنا ضروری نہیں، اس کی تکبیرات کا علم ہونا ضروری ہے پس اس باب سے: اوپر والے باب کی تکمیل مقصود ہے۔

[۸۱-] بابُ صَلاَۃِ اللَّیْلِ

[۷۳۰-] حدثنا إِبْرَاهِیْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: نَا ابْنُ أَبِیْ فُدَیْكٍ، قَالَ: نَا ابْنُ أَبِیْ ذِئْبٍ، عَنِ الْمَقْبُرِیِّ، عَنْ أَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا: أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ لَهُ حَصِیْرٌ یَبْسُطُهُ بِالنَّهَارِ، وَیَحْتَجِرُهُ بِاللَّیْلِ، فَثَابَ إِلَیْهِ نَاسٌ، فَصَفُّوْا وَرَاءَ هُ.[راجع: ۷۲۹]

[۷۳۱-] حدثنا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: نَا وُهَیْبٌ، قَالَ: نَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمٍ أَبِی النَّضْرِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِیْدٍ، عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اتَّخَذَ حُجْرَةً - قَالَ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: مِنْ حَصِیْرٍ - فِیْ رَمَضَانَ فَصَلَّى فِیْهَا لَیَالِیَ، فَصَلَّى بِصَلاَتِهِ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَلَمَّا عَلِمَ بِهِمْ جَعَلَ یَقْعُدُ، فَخَرَجَ إِلَیْهِمْ، فَقَالَ:" قَدْ عَرَفْتُ الَّذِیْ رَأَیْتُ مِنْ صَنِیْعِكُمْ، فَصَلُّوْا أَیُّهَا النَّاسُ فِیْ بُیُوْتِكُمْ، فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلاَةِ صَلاَةُ الْمَرْءِ فِیْ بَیْتِهِ، إِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ"

وَقَالَ عَفَّانُ: نَا وُهَیْبٌ، قَالَ: نَا مُوْسَى، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا النَّضْرِ، عَنْ بُسْرٍ، عَنْ زَیْدٍ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم.[انظر: ۶۱۱۳، ۷۲۹۰]

قولہ: كان له حَصِیر یَبْسُطه بالنهار: جن چٹائیوں کا رات میں کمرہ بنایا جاتا تھا وہی چٹائیاں دن میں کھول کر حضور

ﷺ کے لئے بچھائی جاتی تھیں پھر رات میں ان کو باندھ کر کمرہ بنالیا جاتا تھا۔

قولہ: فَصَفُّوْا وراءَہ: یہ جملہ باب سے متعلق ہے، مسجدِ نبوی میں چراغ نہیں جلتا تھا، مسجد میں اندھیرا تھا اور ایسی صورت میں امام کا شخص نظر نہیں آئے گا صرف تکبیرات سنی جائیں گی۔

قولہ: اتخذ حجرۃ: حضور ﷺ نے رمضان میں چٹائیوں کا کمرہ بنایا............ **قال: حسبتُ:** راوی کہتا ہے: میرا خیال ہے کہ حدیث میں لفظ حصیر بھی ہے۔

قولہ: فلما علم بھم جعل یَقْعُد: جب آپؐ کو لوگوں کا علم ہوا تو آپؐ نے بیٹھنا شروع کر دیا یعنی نماز پڑھانے کے لئے نہیں نکلے۔

قولہ: صلُّوا فی بیوتکم: نفلیں گھر میں پڑھو، مسجدیں فرائض کے لئے ہیں مگر آج کے بدلے ہوئے حالات میں علماء نے واجب اور سنن مؤکدہ کو فرائض کے ساتھ لاحق کیا ہے، یہ نمازیں بھی مسجد میں پڑھنی چاہئیں اور ان کے علاوہ نفلیں بھی علماء نے مستثنیٰ کی ہیں جن کی تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

کتاب الصلاۃ (أبوابُ صلاۃ الجماعۃ و الإمامۃ) پورے ہوئے، یہ جلد اسی پر پوری ہوتی ہے، تیسری جلد ان شاء اللہ کتاب الصلاۃ (أبواب صفۃ الصلاۃ) (۸۲) باب إیجاب التکبیر، و افْتِتَاح الصلاۃ سے شروع ہوگی۔

